اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کا تذکرہ جنہوں نے اسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا

اللہ والے

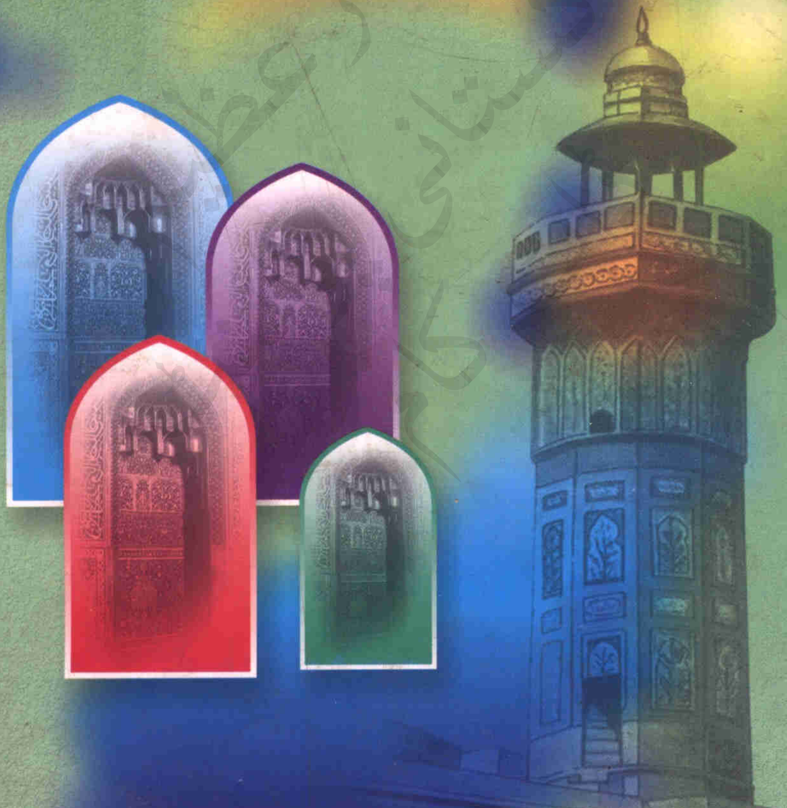

پروفیسر خالد پرویز

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

علم و عمل کا رواں دواں جھرنا کہ جس سے سیراب ہوا غیر بھی اور اپنا...... فہم و فراست کے دُرِ نایاب، تدریس و تبلیغ میں کامران و کامیاب...... سیستان میں ہوئی ولادت تو اجمیر میں ہوئی وفات...... کردار و گفتار میں لافانی، برصغیر میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی...... کرامات اُن کی نرالی، عادات دل موہ لینے والی...... عبادت و ریاضت کے بادشاہ تو صبر و قناعت کے شہنشاہ...... شجرۂ عالیہ بارہ واسطوں سے جا ملے حضرت علیؓ، جب کہ اپنے وقت کے سخی، اپنے دور کے ولی...... ''سلطان الہند'' اور ''غریب نواز'' ہیں القابات، بلا تخصیص ہر کسی پر آپؒ کی نوازشات...... 536 ہجری میں عالمِ فنا میں آئے تو 633 ہجری میں عالمِ بقا کو گئے......

بقول داغ دہلوی:

یہ داغؔ کہاں تک رنج سہے، تم سے نہ کہے تو کس سے کہے
تم آلِ نبی ﷺ، اولادِ علیؓ، سلطان الہندؒ، غریب نوازؒ

یہ حدِ نگاہ سے بھی دور تک وسیع و عریض سرسبز و شاداب میدان تھا۔ جس میں کہیں کہیں گھنے سایہ دار درخت بھی تھے اور جانوروں کے پانی پینے کے لیے چند تالاب بھی بنائے گئے تھے۔ زمین پر گھاس کہیں بہت زیادہ اور کہیں بہت ہی کم تھی لیکن اس کی نرمی و ملائمت قابلِ ذکر تھی۔

اک مردِ سکندر، وقت کے قلندر اس میدان سے گزرے تو انہوں نے ایک درخت کے نیچے اپنا ڈیرہ لگالیا اور رب رحمٰن و رحیم کی عبادت و ریاضت میں مصروف و مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ چند آدمی دوڑے ہوئے اس ولی اللہ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ ''جناب! یہ کس جگہ آپ نے قیام فرمالیا۔ یہ تو ہمارے ملک کے حکمران کے اونٹوں کی قیام گاہ ہے۔ ہمارا راجہ کٹر ہندو ہے۔ اسے جب معلوم ہوگا کہ ایک مسلمان اس کے میدان میں یوں قبضہ جمائے بیٹھا ہے تو ہماری خیر نہیں۔ آپ یوں کریں اس جگہ کو چھوڑ دیں اور کسی اور میدان میں جا کر قیام کریں۔ یہ دراصل راجہ کے اونٹوں کے بیٹھنے کے لیے ہے انسانوں کے بیٹھنے کے لیے نہیں اور وہ بھی مسلمان۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

اُس مردِ باصفا نے کہا۔ ''اے ساربانو! غور کرو یہ کتنا بڑا میدان ہے۔ تمہارے راجہ کے اونٹ تو اب بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرے بیٹھنے سے جگہ تنگ تو نہیں ہوئی۔ میں تو درخت کے ایک کونے میں بیٹھا اپنے رب کی یاد میں مست ہوں۔ تمہارا کیا لیتا ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ مجھ کو تنگ نہ کرو اور میری عبادت میں خلل نہ ڈالو۔''

ساربانوں نے کہا۔ ''جناب! آپ کو نہیں معلوم کہ ہمارا حکمران راجہ کس قدر سخت مزاج کا مالک ہے۔ اگر اُسے علم ہو گیا کہ ایک مسلمان اُس کی زمین پر ڈیرا لگائے بیٹھا ہے تو کیا معلوم وہ کیا سزا دے۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ ہماری روزی بھی جاتی رہے گی اور ہمیں سزا بھی ملے گی۔ ہم قطعی طور پر یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ آپ کرم کیجیے کسی اور میدان میں ڈیرا لگا لیجیے۔''

ساربانوں کے از حد اصرار پر اُس پرہیزگار اور باکردار ولی اللہ نے اس جگہ کو خیر باد کہا مگر جاتے ہوئے انہوں نے ساربانوں سے کہا۔ ''دیکھو! ہم تو اب اٹھ کر جا رہے ہیں۔ تم بٹھا لو اپنے

راجہ کے اونٹوں کو یہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کو علم ہے کہ وہ بیٹھنے کے بعد اٹھ بھی سکیں گے یا نہیں۔"

میدان حالانکہ بڑا کشادہ اور وسیع تھا۔ اونٹ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ بس اک مردِ قلندر کو اٹھانے کی خاطر ساربانوں نے اونٹوں کو لا کر وہیں بٹھا دیا جہاں مردِ قلندر نے ڈیرہ لگایا تھا۔ اب ہوا یہ کہ اونٹ بیٹھے تو بیٹھے ہی رہ گئے۔ ساربانوں کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ اونٹوں کو میدان میں گھماتے پھراتے رہیں۔ انہوں نے اونٹوں کو اٹھانے کے لیے ہزار جتن کیے مگر اونٹوں نے نہ اٹھنا تھا نہ اٹھے۔ اردگرد خبر پہنچی تو تھوڑی دیر میں سینکڑوں لوگ وہاں جمع ہو گئے اور ساربانوں کا تماشا دیکھنے لگے۔ ساربانوں نے اپنے تجربات کی روشنی میں ہر قسم کا گُر آزمایا مگر کوئی اونٹ بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔

اونٹوں کے نہ اٹھنے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلتے پھیلتے راجہ تک جا پہنچی۔ وہ بھی وہاں اُس میدان میں پہنچا۔ اس نے اپنے مصاحبین اور وزراء سے اس بارے میں مشورہ کیا مگر کوئی بھی کسی قسم کی رائے یا تجویز دینے سے قاصر تھا۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اونٹوں کو اٹھانے کے لیے کیا کیا جائے۔ اور اب تو حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اونٹ اپنے قریب آنے والے کو غصے سے کاٹنے کی کوشش کرتے تھے۔

حاکم راجہ نے بالآخر تمام ساربانوں کو ایک قطار میں کھڑا کیا اور گرج کر بولا۔ "اونٹوں کے اپنی جگہ سے نہ اُٹھنے میں کوئی راز ضرور ہے۔ صحیح صحیح بتاؤ معاملہ کیا ہے؟ ورنہ میں تم سب کی گردنیں اُڑانے کا حکم دینے لگا ہوں۔" ساربانوں نے جب موت قریب دیکھی تو ایک بوڑھے ساربان نے کانپتے لفظوں اور کپکپاتے ہونٹوں سے بتا دیا کہ ہم نے یہاں سے ایک مسلم مردِ درویش کو اٹھا دیا تھا مگر اس نے جاتے جاتے یہی کہا تھا کہ ہم تو جا رہے ہیں مگر تم بٹھا لو اپنے اونٹوں کو، تاہم یہ معلوم نہیں کہ وہ اٹھ بھی سکیں گے یا نہیں۔"

حاکم راجہ تمام بات کو فوراً سمجھ گیا۔ اس نے ساربانوں سے کہا۔ "فوراً جاؤ۔ اس بزرگ کو تلاش کرو۔ اُن سے معافی مانگو۔ ان سے عزت و توقیر اور تعظیم و تکریم سے پیش آؤ اور ان کی جو خواہش ہو وہ پوری کرو۔ تمہیں نہیں معلوم کہ مسلمان درویشوں میں کس قدر روحانی قوت و طاقت ہوتی ہے۔ میں پہلے بھی کئی واقعات سن چکا ہوں۔"

ساربان دوڑے گئے اور مردِ قلندر کو تلاش کرنے لگے۔ کافی کوشش و کاوش کے بعد انہیں دور ایک درخت کے نیچے ایک اور میدان میں وہی پرہیزگار و باکردار مردِ باصفا مل گئے۔ ساربان ڈرتے ڈرتے ان کے پاس پہنچے اور اپنی بپتا سنائی اور معافی طلب کی۔ مردِ درویش نے کافی دیر خاموشی اختیار کیے رکھی۔ پھر انہوں نے یک دم سر اوپر اٹھایا اور کہا۔ "تمہارے راجہ کے اونٹ تو اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو!" ساربان دوڑے ہوئے واپس گئے تو دیکھا کہ اونٹ واقعی اٹھ کھڑے تھے بلکہ گھوم پھر رہے تھے۔ اس واقعہ نے پورے علاقہ میں دھوم مچا دی۔ ہر لب پر

یہی تذکرہ اور ہر زبان پر یہی ذکر تھا۔ یہ مردِ باصفا، مردِ درویش اور مردِ قلندر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ تھے جنہوں نے اجمیر کے میدان میں پرتھوی راج کے اونٹ بٹھائے بھی تھے اور اٹھائے بھی تھے۔

آپ کا اسم گرامی خواجہ معین الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ، والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ غیاث الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ جبکہ والدہ ماجدہ کا نام سیّدہ ام الورع ماہ نور رحمتہ اللہ علیہا تھا۔ آپ پدری اور مادری دونوں واسطوں سے شیر خدا حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم سے نسبت رکھتے تھے۔ گویا آپ نجیب الطرفین سیّد تھے۔ یوں تو آپ کئی القابات سے پہچانے جاتے ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ مشہور "غریب نواز" اور "سلطان الہند" ہیں۔ نواب داغ دہلوی ان واسطوں اور القابات کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں ؎

یا خواجہ معین الدین چشتی ، سلطان الہند ، غریب نوازؒ
یا واقفِ رازِ خفی و جلی ، سلطان الہند ، غریب نوازؒ
یہ داغ کہاں تک رنج سہے ، تم سے نہ کہے تو کس سے کہے
تم آلِ نبیؐ ، اولادِ علیؓ ، سلطان الہند ، غریب نوازؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ 14 رجب 537 ہجری کو جنوبی ایران کے علاقے سیستان میں پیدا ہوئے۔ وہ پیر کا دن تھا اور صبح صادق کا وقت تھا جب آپ اس دارِ فانی میں تشریف لائے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی حیاتِ ناپائیدار کے تقریباً 40 برس اجمیر میں گزارے اس لیے اجمیری مشہور ہوئے لیکن "چشتی" مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے پیر طریقت حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ تھے۔ چشت ایک قصبے کا نام ہے جو ہرات کے قریب ہے۔ اور حضرت شیخ عثمانی ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کے پیر طریقت خواجہ ابو اسحاق شامی حسنی رحمتہ اللہ علیہ بھی چشت کے رہنے والے تھے اس لیے وہاں سے جو سلسلۂ طریقت چلا، وہ چشتیہ کہلایا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ خواجہ معین الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ کے بزرگوں نے ایران اور افغانستان کے بعض علاقوں میں رہائش پذیر آتش پرستوں کو مشرف بہ اسلام کیا تو وہ لوگ انہیں احتراماً و تعظیماً چشتی کہنے لگے۔ چشتی دراصل آتش پرستوں کے معبود کا صفاتی نام ہے جس کا مطلب ہے "عرفانِ الٰہی" چنانچہ اسی حوالے سے یہ بزرگ اور ان کے خلفاء و مریدین بھی چشتی کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت خواجہ غیاث الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ، سنجر کے امیروں اور رئیسوں میں شمار ہوتے تھے۔ رب رازق و رزاق نے بے بہا دولت سے نوازا تھا۔ مگر آپ رب قادر و قدیر کی دی ہوئی دولت کو رب رحمٰن و رحیم کے نام پر ہی تقسیم

کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔غریبوں اور حاجت مندوں کی لمحہ لمحہ امداد آپ کی خاص پہچان تھی مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے والد محترم بہت جلد ہی 552 ہجری میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیارے ہوگئے جب آپ کی عمر محض 15 برس تھی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اپنے شفیق ومہربان والد سے محروم ہوئے تو آپ کو بہت دکھ ہوا اور دل دنیا کے تمام کاموں سے اچاٹ ہوگیا۔دن رات آہ وزاری کرتے رہتے۔اس موقع پر آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دلاسہ دیا اور سمجھایا کہ بیٹا! علم وفضل میں کمال حاصل کرنا تمہارے والد کی آرزو اور خواہش تھی۔تم ان کی یہ آرزو پوری کرو تو ان کی روح کو خوشی حاصل ہوگی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے والدہ ماجدہ کے سمجھانے پر تحصیل علم کی طرف اور زیادہ توجہ دی حالانکہ علم تو آپ پہلے بھی حاصل کررہے تھے مگر والد محترم کی وفات سے اس میں وقفہ آگیا تھا۔آپ نے پوری جانفشانی اور دلجمعی کے ساتھ علم کی منازل طے کرنا شروع کیں۔آپ کی طبیعت ابھی سنبھلی ہی تھی اور بمشکل ایک سال گزرا ہوگا کہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیاری ہوگئیں اور یوں آپ اس دنیا میں اکیلے رہ گئے مگر رب رحمٰن ورحیم کی ذات آپ کے ساتھ تھی۔

آپ کے والد محترم پہلے ہی فوت ہوچکے تھے اب والدہ ماجدہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں تو آپ کا رنج والم بیان سے باہر تھا۔صبح وشام اپنی والدہ ماجدہ کی ایک ایک بات، ایک ایک لمحہ اور ان کی شفقت ومحبت کا ایک ایک جملہ یاد کرکے آنسو بہاتے تھے۔آپ کو اس بات کا بھی ازحد افسوس اور رنج وملال تھا کہ آپ نہ والد محترم کی صحیح طور پر خدمت کرسکے اور نہ ہی والدہ ماجدہ کے کسی کام آسکے۔بقول علامہ اقبال ؎

خاکِ مرقد پر تیری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

☆=====☆=====☆

آئیے، اب اک خوبصورت وخوش نما باغ میں چلتے ہیں جس میں ہمہ قسم کے پھلوں کے اَن گنت درخت ہیں۔اک خاص قسم کی مہک اور قسم قسم کے پرندوں کی چہک نے فضا کو سحر زدہ کردیا ہے۔باغ میں ایک پن چکی بھی ہے۔آج کل پھل اپنے جوبن پر ہیں۔ہر شجر اور ہر ٹہنی ثمر بار ہے۔

باغ کا مالک خود ہی باغ کا رکھوالا بھی ہے۔پانی دینے والا بھی ہے۔پن چکی بھی چلاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی نعمت وقدرت کے گُن بھی گاتا ہے۔

یہ باغ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو والد محترم سے ترکہ میں ملا ہے۔آپ صبح شام اس کی رکھوالی کرتے ہیں۔پھلوں کے دشمن پرندوں کو بھگاتے ہیں۔پکے ہوئے پھلوں کو منڈی میں لے جاکر بیچتے ہیں گویا باغ ہی رب تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے آپ کے لیے رزق کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔اگرچہ اس مصروفیت کی وجہ سے آپ کا تعلیمی سلسلہ وقتی طور پر تعطل کا شکار ہوگیا ہے مگر آپ، رب ذوالجلال سے نا امید ومایوس نہیں۔آپ کا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا جب آپ علم وفضل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔بعض اوقات ایک انجانی سی لہر آپ کے دل ودماغ میں ضرور اٹھتی ہے مگر آپ دل ہی دل میں رب رحمٰن ورحیم سے دعا گو رہتے ہیں کہ کوئی ایسا سبب پیدا ہوجائے کہ میرے والد مرحوم کی خواہش پوری ہو اور میں علم وفضل میں کمال حاصل کروں۔

اور وہ دن بھی اک عجیب کیفیت اور انوکھی حیثیت کا حامل تھا۔بعض ساعتیں بڑی بابرکت اور افضل وبرتر ہوتی ہیں۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے نمازِ فجر سے فراغت کے بعد قرآن الحکیم کی تلاوت فرمائی اور باغ میں تشریف لے گئے۔آپ نے جن درختوں اور پودوں کو پانی کی ضرورت تھی انہیں پانی دینا شروع کیا۔آپ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ درختوں اور پودوں کو پانی دیتے وقت درود پاک کا ورد کیا کرتے تھے۔آپ پانی دے کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ آپ نے دیکھا کہ باغ کے قریب سے مشہور ومعروف بزرگ حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ گزر رہے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے جیسے ہی حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا تو آپ خوشی ومسرت سے جھوم اٹھے۔آپ دوڑے ہوئے گئے اور حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ کو جھک کر سلام کیا۔ہاتھوں کو بوسہ دیا اور انتہائی اصرار واشتیاق کے ساتھ باغ میں لے آئے اور انہیں ازحد توقیر وتعظیم کے ساتھ بٹھایا۔حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ مجذوب شخصیت تھے۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے ہاتھ دھلائے۔پھر آپ اُن سے اجازت طلب کرکے باغ کے ایک کونے میں گئے۔تھوڑی دیر میں جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ کے ہاتھوں میں دو طباقوں میں تازہ انگوروں کے خوشے تھے۔آپ نے حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا۔"یا حضرتؒ! آپ سے میری التجا ودرخواست ہے کہ ازراہِ صد لطف وکرم میری مہمان نوازی قبول فرمائیں۔تازہ انگور تناول فرمائیے اور میری روح وقلب کو فرحت بخشئے۔میرے لیے اس سے بڑا اعزاز وافتخار کوئی نہیں ہے کہ آپ میری میزبانی قبول فرمالیں۔"

حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ آپ کی سعادت مندی اور انکساری سے از حد متاثر ہوئے اور آپ کی دلجوئی کی خاطر چند انگور اٹھا کر منہ میں رکھ لیے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے جیسے ہی یہ دیکھا کہ حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ نے چند انگور لے کر ان کی مہمان نوازی کو قبولیت کا شرف بخش دیا ہے تو آپ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اب حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو انتہائی شفقت و محبت سے قریب بلا کر بٹھایا اور فرمایا:

''فرزند! تم بہت سعادت منداور خوش قسمت وخوش بخت ہو۔ تم نے ایک فقیر کو عزت دے کر اپنی عزت میں اضافہ کیا ہے۔ یاد رکھو اس کائنات کی ہر شے کو فنا حاصل ہے۔ صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ یہ سرسبز و شاداب ثمر بار باغ، یہ شیریں وخوشبودار میوہ جات، یہ پن چکی اور یہ سب چہل پہل وقتی ہے۔ دائمی صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات ہے۔ آج بہار ہے تو کل خزاں ہوگی۔ آج یہ باغ ہے تو کل یہ بیابان ہوگا۔ تمہارا یہ باغ آج سرسبز و شاداب ہے مگر کل یہ اجڑ جائے گا۔ پھر رب قادر وقدیر تجھے ایسا باغ عطا فرمائیں گے جو قیامت تک خوشبو اور پھل دیتا رہے گا۔''

حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ تمام باتیں کرنے کے بعد اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کھلی کا ایک ٹکڑا جبکہ بعض روایات کے مطابق روٹی کا ایک سوکھا ٹکڑا نکالا اور قدرے چبا کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو دے دیا اور کہا۔ ''فرزند! تُو نے ہماری مہمان نوازی کی۔ ہم بھی تمہاری دعوت کر رہے ہیں۔ اسے کھاؤ۔ رب رحمٰن ورحیم اپنا کرم فرمائیں گے۔'' یہ کہتے ہی حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ تیزی کے ساتھ باغ سے نکل گئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ ان کے پیچھے دوڑے مگر وہ نظروں سے ایسے اوجھل ہوئے کہ پھر نظر نہیں آئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے جیسے ہی وہ ٹکڑا کھایا تو آپ کی دنیا ہی بدل گئی۔ آپ کو دنیا کی ہر شے فضول اور بے کار محسوس ہونے لگی۔ فانی دنیا اک وہم وخیال محسوس ہونے لگی اور آپ غیر فانی اور دائمی دنیا کے بارے میں غور وفکر کرنے لگے۔

اگلے ہی روز حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا تمام باغ، پن چکی اور اس کے علاوہ تمام مال واسباب فروخت کرنے کا اعلان کر دیا۔ خریدار آتے گئے اور آپ اپنی تمام اشیاء ایک ایک کر کے بیچتے گئے۔ تمام جائیداد اور مال واسباب بیچنے سے جو رقم حاصل ہوئی وہ آپ نے اسی لمحے غرباء میں تقسیم کر دی۔ آپ کے پاس مال ودولت اور جائیداد و باغ تھا تو آپ ایک خاص قسم کا کرب اور کسک محسوس کرتے تھے۔ اب جبکہ کچھ بھی پاس نہیں تھا تو آپ رحمتہ اللہ انتہائی فرحت و راحت اور سکون و آرام کے جذبات واحساسات سے لبریز تھے جیسے دو جہاں کی دولت اب آپ

کے ہاتھ آئی ہو۔

ابتدائی زندگی میں ہر قدم پر دکھ ملا
حضرت ابراہیم قندوزیؒ کی صورت سکھ ملا

اپنا تمام مال و اسباب راہِ خدا میں لٹا کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے تحصیل علم اور تلاشِ حق کی خاطر گھر بار چھوڑ دیا حالانکہ اس وقت آپ کی عمر مبارک بمشکل 16 برس تھی۔ سب سے پہلے آپ سمرقند پہنچے اور وہاں کے نامور عالم دین حضرت مولانا شرف الدین رحمتہ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کی۔ جنہوں نے آپ کو قرآن پاک حفظ کرایا اور جملہ ظاہری علوم سے آگاہ و آشنا فرمایا۔ پھر آپ بخارا پہنچے اور وہاں مشہور ومعروف عالم دین مولانا حسام الدین بخاریؒ کی شاگردی میں جملہ علوم دینی وعقلی کی تکمیل کی۔ اب علوم ظاہری کے حصول میں کوئی پانچ سال صرف کرنے کے بعد آپ نے علوم باطنی اور مرشد کامل کی تلاش شروع کی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ مرشد کامل کی تلاش وجستجو میں بخارا سے روانہ ہوئے تو کچھ سفر طے کرنے کے بعد کسی نے آپ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ نیشاپور کے نواح میں قصبہ ہرون میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات بابرکات اپنی تجلیات تمام تر کمالات کے ساتھ وسیع تر علاقے میں بکھیر رہی ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے من نے گواہی دی اور ذہن نے اس پر لبیک کہا کہ یہی وہ منبعِ فیض اور چشمۂ انوار ہے جہاں سے بہت کچھ ملے گا چنانچہ آپ سیدھے ہرون پہنچے اور حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضری دی۔

حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب گیارہ واسطوں سے مدینۃ العلم کے بابِ عظیم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کچھ دن تک ایک عام طالب علم کی حیثیت سے مجلس درس میں شمولیت اختیار کرتے رہے مگر حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی خاص توجہ حاصل نہ کر سکے۔

ایک دن مجلس درس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے استادِ محترم کی خدمتِ اقدس میں علیحدگی میں اس وقت حاضری دی جب اکثر ارادت مند جا چکے تھے۔ آپ نے کسی تمہید وتوجیہہ کا سہارا لیے بغیر ہی سیدھا سیدھا کہہ دیا۔ ''یا حضرتؒ! میری دلی خواہش ہے کہ آپ مجھے مستقل طور پر اپنی غلامی میں لے لیں۔''

حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''نوجوان! کیا تمہیں علم ہے کہ مجھ سے اپنا بوجھ ہی نہیں اٹھتا تمہارا کیسے اٹھاؤں گا؟'' آپ نے پھر سے عرض کی۔ ''یا حضرتؒ! آپ کے سینکڑوں خادم اور بھی تو ہیں ان میں ایک اور خادم کا اضافہ ہو جائے گا۔ میرے خیال میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''بیٹا! یہ لوگ بھی عجیب ہیں۔ خواہ مخواہ مجھے مرشد کامل سمجھتے ہیں حالانکہ میں خود مرشد کامل کی تلاش میں ہوں۔ جو خود طلب کی منزل کا مسافر ہو وہ رہبر کیسے ہوسکتا ہے؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''یا حضرتؒ! جو حُسن ظن اور لوگ رکھتے ہیں مجھے بھی وہی رکھنے کی اجازت دی جائے۔''

جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا اصرار بڑھا اور آپ کی زبان کے حرف حرف اور جسم کے انگ انگ سے عقیدت و ارادت کا رنگ جگمگانے لگا تو حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو بیعت کے شرف سے سرفراز فرماتے ہوئے ارادت مندوں کے حلقے میں شامل فرمالیا۔ اس پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی خوشی دیدنی تھی۔ آپ نے اسی لمحے رب رحمٰن ورحیم کے حضور نوافل شکرانہ ادا کئے اور وہاں موجود افراد میں شیرینی تقسیم کی۔

اب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رہبر اور پیر و مرشد حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ رہنا شروع کردیا۔ آپ کے پیر و مرشد جہاں تشریف لے جاتے آپ ان کے ہمراہ ہوتے اور اپنے رہبر و رہنما کے سامان کو اٹھانے میں فخر و اعزاز محسوس کرتے۔ تمام رات جاگتے رہتے کہ کہیں حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کو کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے تو آپ فوری طور پر انہیں فراہم کرسکیں۔

حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے توحید و وحدانیت کے نظریہ کو عام کرنے اور ہر چیز کا قادر وقدیر صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات پاک کو ظاہر اور لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے لیے اپنی کرامات لوگوں پر ظاہر کرنا بند کردیں تو وہ لوگ جو کہ ضعیف العقیدہ تھے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی بجائے پیر و مرشد کی ذات میں ہر مشکل کا مداوا تلاش کرتے تھے انہوں نے بھاگنا شروع کردیا۔ ایک ایک کرکے اکثریت آپ رحمتہ اللہ علیہ کا ساتھ چھوڑ گئی۔ لوگوں کی کثیر تعداد نے آپ کے پاس آنا بند کردیا۔ اس سے آپ ذہنی طور پر مطمئن تھے اور ہر آنے والے کو یہی تلقین کرتے تھے کہ ہر کام کرنے والی صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ مشکل کشا صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ ہی ہیں۔ کوئی انسان کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ چاہے وہ بادشاہ ہو یا فقیر، پیر ہو یا مرید...... سب رب تعالیٰ جل شانہٗ کے محتاج ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ نیشاپور سے باہر گئے تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد کا سامان سر پر اٹھائے ساتھ تھے۔ حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک ویران وسنسان اور غیر آباد علاقے میں ڈیرہ لگالیا اور باتوں ہی باتوں میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا۔ ''معین الدین! سب لوگ چلے گئے محض اس وجہ سے کہ ہم نے کرامات نہیں دکھائیں۔ ہم نے توحید و وحدانیت کا پرچار کیا۔ اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو لوگ اس طرح کیوں چلے جاتے! تم خود سوچو تم نے آج تک ہم سے کیا پایا ہے؟ میرا مشورہ یہی ہے

کہ ہمارے ساتھ جگہ جگہ بھٹکنے کی بجائے تم بھی اپنی راہ لو۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''یا حضرتؒ! چاہے کچھ ہو۔ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ مجھے جو کچھ ملے گا اسی در سے ملے گا۔ یہ صحیح ہے کہ دینے والی رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذاتِ پاک ہے مگر وسیلہ بھی تو ہوتا ہے اور مجھے آپ ہی کے وسیلے سے رب تعالیٰ جل شانہٗ ضرور عنایت فرمائیں گے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے اس بیان پر اسی لمحے حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور آسمان کی طرف نگاہ کرکے گڑگڑاتے ہوئے التجا کی۔ ''یا باری تعالیٰ! یا رب کریم وعظیم! معین الدین کو قبول فرمالے۔ اس نے تمام لوگوں کے چھوڑ جانے کے باوجود مجھے نہیں چھوڑا۔ یا رب رحمٰن ورحیم! تُو بھی معین الدین کو تنہا نہ چھوڑ اور اس کو مالا مال کر دے۔''

ابھی دعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ وہ نور کی بارش میں نہا گئے ہیں اور صداقتیں ورفعتیں آپ پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئیں۔ اس کے بعد حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ واپس نیشاپور آگئے۔ دراصل یہ تقریباً اڑھائی سال کا کٹھن مراحل کا عرصہ تھا جو کہ امتحانی دور تھا جس میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کامیاب و کامران ہوئے اور آپ نے تمام منازل لحہ بھر میں طے کرلیں اور معرفت کے اعلیٰ درجات پالیے۔

اب وقت آگیا تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو مرشد کامل حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے خرقۂ خلافت عطا کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمانی ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو اپنا خرقہ، مصلّٰے، نعلین چوبی اور عصا عنایت فرما کر کہا:

> ''معین الدین! یہ اشیاء بڑی اہم اور ہمارے پیرانِ طریقت کی نشانیاں اور یادگاریں ہیں۔ اپنے آپ کو ان کا اہل ثابت کرنا اور اپنے بعد جس کو ان کا اہل سمجھنا دے دینا۔''

اس کے بعد خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے سر مبارک پر کلاہ چہارترکی رکھی اور فرمایا:

> ''فرزند! چہارترکی سے مراد چار ترک ہیں۔ اول ترک دنیا، دوم ترک خواہشِ نفس، سوم ترک خور وخواب مگر اتنا کہ جسم و جاں کا رشتہ برقرار رہے۔ چہارم ترک ماسوائے حق۔ مجھے امید واثق ہے کہ تم ان تمام باتوں کا خیال رکھو گے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر کلاہ چہارترکی کا اہل ثابت کرو گے۔''

خرقۂ خلافت اور کلاہِ چہارترکی جیسے اعزازاتِ طریقت کے حصول کے بعد خواجہ معین الدین

چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ارادہ کیا کہ دنیا کے مختلف اسلامی ممالک میں جا کر وہاں کے اولیاء اللہ اور اکابرین کی ملاقاتوں، باتوں اور نصیحتوں سے فیض یاب ہوا جائے تاکہ شخصیت میں نکھار وارتقاء کے عمل سے رفعت پیدا ہو اور یوں وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج طے کرنے میں سہولت محسوس کریں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف بلاد اسلامیہ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو انتہائی دل پذیر انداز میں آپ کے مرید خاص حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ہی کی زبانی ''دلیل العارفین'' میں پیش کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد میں اپنے قیام کے دوران سیدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا فیض حاصل کیا۔ آپ دونوں اولیاء اللہ ستاون روز تک ایک ہی حجرے میں قیام پذیر رہے جبکہ پانچ ماہ تک وہاں ایک دوسرے سے مسلسل ملاقات رہی۔ اسی طرح شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ اوحدالدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بے بدل اولیاء اللہ سے بھی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ملاقاتیں کیں۔

سفر بغداد کے ایام ہی میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے وقت کے بہت بڑے ولی وصوفی اور مومن جانباز حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے موصل کے قریب ایک پہاڑی مقام سنجار میں ملاقات کی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اڑھائی ماہ تک حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہے اور ان سے علمی وروحانی فیض پایا۔

بغداد کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے تبریز جا کر حضرت خواجہ ابو سعید تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ حضرت خواجہ ابوسعید تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے 70 مرید ایسے تھے جنہیں ولایت کا درجہ ملا۔ انہی مریدین میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔

تبریز سے آپ اصفہان پہنچے اور مشہور ومعروف ولی اللہ حضرت شیخ محمود اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات فرمائی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ خرقان تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے دو سال تک قیام فرمایا اور وعظ وتبلیغ سے ہزاروں لوگوں کو صراطِ مستقیم کی جانب گامزن کیا۔ پھر آپ ایران کے ایک شہر استر آباد پہنچے۔ وہاں آپ کئی ماہ تک قیام پذیر رہے اور مرد مومن حضرت شیخ ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا جن کا سلسلہ دو واسطوں سے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ استر آباد کے بعد ہرات تشریف لے گئے۔ یہ افغانستان کا ایک سرسبز وشاداب اور گنجان آباد شہر ہے۔ جو ایران کی سرحد کے عین قریب واقع ہے۔ یہ شہر مشہورِ زمانہ بزرگ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کے مزار کے باعث مختلف علاقوں سے لوگوں کی

آمد کا مرکز بنا رہتا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ نے اس مزار مبارک پر عبادت و ریاضت شروع کی تو لوگوں کو آپ کے فضل وکمالات کا کسی نہ کسی طور علم ہو گیا اور دور ونزدیک سے لوگ آپ کے پاس حاضری دینے لگے۔ آپ چونکہ اس مزار میں تمام رات عبادت کرتے تھے اور عشاء کے وضو سے نمازِ فجر ادا کرتے تھے اس لیے آپ کی عبادت و ریاضت میں لوگوں کی دھڑا دھڑ آمد سے خلل پڑنے لگا۔ اس صورتِ حال میں آپ نے مجبوراً ہرات کو چھوڑا اور سبزوار پہنچے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ہی سبزوار پہنچے لوگوں کو آپ کی آمد کا علم ہو گیا۔ انہوں نے آپ کے علم وفضل اور تجلیات وکمالات کی شہرت پہلے ہی سن رکھی تھی۔ وہ لوگ آپ کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ وہ آپ کے لیے قسم قسم کے کھانے پکا کر لے آئے مگر آپ نے کہا۔

''ہم فقیر لوگ ہیں ہمیں پیٹ کی بجائے دل ودماغ کی طہارت وپاکیزگی کے ساتھ رب کائنات کی خوشی وخوشنودی کی فکر رہتی ہے۔ پیٹ تو انسان کو رب تعالیٰ جل شانہٗ سے غافل کر دیتا ہے اور اس دنیا کے اکثر جرائم اسی پیٹ پوجا ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔'' آپ نے ان لوگوں کو تمام کھانے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیئے اور کہا۔ ''ہم اپنے کھانے کا سامان اپنے ہمراہ لائے ہیں۔ ہمیں کسی دعوت یا ضیافت کی ضرورت نہیں۔ بس تم لوگ رب تعالیٰ جل شانہٗ کا کثرت سے ذکر کیا کرو کیونکہ یہی روح کی غذا ہے اور روح کی غذا جسم کی غذا سے زیادہ ضروری ہے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو سبزوار میں چند دن ہی ہوئے تھے کہ ایک روز لوگوں کی ایک کثیر تعداد آپ کے پاس آئی اور عرض کی۔ ''یا حضرتؒ! ہم تمام شہر والوں کی طرف سے نمائندگی کے طور پر آئے ہیں۔ دراصل سبزوار کا گورنر جس کا نام یادگار محمد ہے وہ ایک ظالم و جابر انسان ہے۔ عوام الناس کو تکلیف پہنچا کر خوش ہوتا ہے۔ لوگ اس کے ظلم و جبر سے سخت تنگ ہیں اور اس سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ ہم آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ یا تو اس کے لیے دعا کیجیے کہ وہ راہِ راست پر آ جائے اور خوفِ خدا اس کے دل میں سما جائے یا پھر ایسی بددعا کیجیے کہ وہ صفحۂ ہستی سے نیست ونابود ہو جائے اور ہم اس کے شر سے بچ جائیں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا۔ ''آخر وہ حکمران تمہیں کیا کہتا ہے اور اس میں کیا برائی ہے؟'' لوگوں نے بتایا۔ ''یا حضرتؒ! وہ انتہائی درشت مزاج ہے۔ معمولی سی بات پر غضبناک ہو کر بے گناہ لوگوں کو انتہائی سخت سزائیں دیتا ہے۔ مزید یہ کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بغض وعداوت رکھتا ہے اور ان کی شان میں گستاخانہ اور نازیبا کلمات ادا کرتا ہے پھر قہقہے لگاتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو خاص طور پر چن چن کر سزائیں دیتا ہے جنہوں نے اپنے نام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ناموں پر رکھے ہوئے ہیں۔ شہر کے حاکم یادگار محمد نے ایک باغ بنوایا ہوا ہے جسے وہ جنت کہہ کر اس میں رقص وسرود اور شراب وکباب کی محفلیں برپا کرتا ہے۔ خوبصورت کنیزیں اسے شراب پلاتی ہیں اور ساری رات ہنگامہ رہتا ہے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے لوگوں سے کہا۔ ''تم جاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ رب ذوالجلال اپنی رحمت اور فضل وکرم کی بارش جلد ہی اس شہر پر برسائیں گے۔''

لوگوں کے جانے کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اس باغ کا رخ کیا اور باغ کے اندر تشریف لے گئے۔ اتفاقاً اس وقت وہاں کوئی نگہبان و دربان موجود نہیں تھا جو آپ کو روکتا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے وہاں کے عالی شان حوض سے کہ جس کا پانی خوشبودار تھا وضو کیا۔ پھر آپ نے وہاں باغ کے سبزہ زار میں دو رکعت نماز ادا کی اور قرآن الحکیم کی تلاوت میں مصروف و مشغول ہو گئے۔

اچانک ایک شخص جو کہ وہاں کا مالی تھا اس کی نظر آپ پر پڑی۔ وہ دوڑتا ہوا آپ کے قریب آیا اور ہانپتے کانپتے لہجے میں کہنے لگا۔ ''جناب! آپ مجھے بزرگ اور نیک آدمی دکھائی دیتے ہیں اس لیے یہاں قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے ہیں لیکن کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یہ باغ انتہائی ظالم و جابر حکمران کی تفریح گاہ ہے۔ وہ رات کو یہاں آئے گا اور خوب شور شرابا ہوگا۔ آپ میری مانیں تو یہاں سے تشریف لے جائیں کیونکہ اگر اس نے آپ کو دیکھ لیا تو پھر آپ کی خیر نہیں۔ آپ کی زندگی کو سخت خطرہ ہے اس لیے فوری طور پر یہاں سے چلے جائیں۔''

اتنی دیر میں سبزوار کے حاکم یادگار محمد کے باغ کے دوسرے ملازم وہاں پہنچ گئے۔ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو جانتے تھے۔ انہوں نے آپ کو سلام کیا۔ پھر انہوں نے آپ سے پوچھا۔ ''یا حضرتؒ! آپ باغ میں کیسے داخل ہو گئے؟ یہاں کے نگہبان و دربان تو بہت سخت اور درشت مزاج ہیں۔'' مگر آپ نے کہا کہ ''تم اپنے اپنے کام میں مشغول رہو۔ میری فکر نہ کرو۔ رب حافظ و ناصر میرا نگہبان و محافظ بھی ہے اور میرا مددگار بھی۔''

اور پھر جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو وہ بدکردار اور سفاک و جابر حکمران یادگار محمد اپنے مصاحبین کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا۔ آتے ہی اس کی نظر حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ رحمتہ پر پڑی تو وہ ملازمین پر برس پڑا اور زور سے گرجا۔ ''یہ کون ہے اور کس کی اجازت سے یہاں داخل ہوا ہے؟''

ملازمین خاموش رہے۔ وہ کیا کہتے۔ ان کی زبانیں گنگ تھیں اور جسم لرز رہے تھے کیونکہ انہیں اپنا اذیت ناک انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ صورت حال دیکھی تو آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور یادگار محمد کے قریب پہنچ کر کہا۔ ''فقیر یہاں پر اپنی مرضی و منشاء سے آیا ہے اور یاد رکھو، فقیروں کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔''

یادگار محمد کی جیسے ہی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے نظریں چار ہوئیں تو وہ نہ صرف اپنی قوت گویائی کھو بیٹھا بلکہ اس کے مصاحبین بھی ساکت و جامد ہو کر رہ گئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار پھر اس پر نگاہ ڈالی تو وہ اپنی جگہ سے لڑکھڑایا اور بے ہوش

ہو کر زمین پر گر پڑا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے وہاں موجود ملازمین سے کہا کہ حوض کا پانی لے کر اس کے منہ پر چھڑکو۔

منہ پر پانی چھڑکنے سے یادگار محمد ہوش میں آ گیا۔ اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر کھڑا نہ ہو سکا۔ اب وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں گر گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ ''کیا تو اپنے تمام برے اعمال سے تائب ہو گیا ہے؟'' یادگار محمد نے کپکپاتے ہوئے کہا۔ ''جی ہاں اعلیٰ حضرتؒ!'' حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''اب تیرے عقائد کیا ہیں؟'' اس نے کہا۔ ''یا حضرتؒ! سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرامؓ میرے لیے محترم اور مجھے دل و جان سے عزیز ہیں۔ میں ان کی عظمت کا برملا اعتراف کرتا ہوں۔ اپنی تمام دولت کو غرباء و مساکین میں تقسیم کرتا ہوں۔ تمام کنیزوں غلاموں کو آزاد کرتا ہوں اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا ہوں۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے بیعت سے سرفراز فرمایا اور اس کے لیے دعا کی۔

☆======☆======☆

آج جب بادشاہ سلامت شاہی دربار میں پہنچا تو اُس نے خلافِ معمول سادہ لباس پہنا ہوا تھا۔ نہ شاہی لباس زیب تن تھا اور نہ ہی تاج شاہانہ سر پر تھا بلکہ اس کی بجائے ایک سادہ سی ٹوپی سفید رنگ کی بادشاہ کے سر کی زینت بنی ہوئی تھی۔ تمام وزراء سلطنت اور مصاحبین حکومت حیران بھی تھے اور پریشان بھی کہ آج شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ بادشاہ سلامت دربار میں کیوں نہیں آیا۔ تاہم بادشاہ کی چال اور قال میں وہی جمال اور وہی ہیبت و تمکنت تھی۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے!

اتنے میں بادشاہ سلامت کی باوقار مگر گرجدار آواز گونجی۔ ''آج ہم ولی اللہ کے مزار پر فاتحہ و دعا کے لیے جائیں گے۔ سواری کا فوری بندوبست کیا جائے۔ جملہ وزراء اور مصاحبین بھی ہمارے ہمرکاب ہوں گے۔'' فوری طور پر تمام انتظامات مکمل کئے گئے۔ شاہی دربار سے ولی اللہ کے مزار تک تمام راستے میں سپاہیوں کی ڈیوٹیاں لگا دی گئیں اور بادشاہ سلامت کی آمد کا انتظار ہونے لگا۔

جیسے ہی بادشاہ سلامت کی سواری شہر کے نواح میں داخل ہوئی تو بادشاہ نے رکنے کا اشارہ کیا جس سے کوچوانوں نے تیز رفتار گھوڑوں کی لگامیں کھینچ لیں اور پورا شاہی قافلہ رک گیا۔ بادشاہ سلامت شاہی بگھی سے نیچے اُتر آیا۔ تمام وزراء اور مصاحبین نے بھی بادشاہ کی تقلید کی۔ اب بادشاہ نے پیدل چلنا شروع کر دیا حالانکہ مزار ابھی دو چار میل کے فاصلے پر ہی تھا۔ آج تو سب کام حیران کن ہی ہو رہے تھے۔ ہر لمحہ اور ہر ساعت خلاف توقع منظر پیش کر رہے تھے۔

بادشاہ کے پیچھے پیچھے تمام شاہی قافلہ بھی پیدل چل رہا تھا۔ بادشاہ تیز قدموں کے ساتھ مگر پورے وقار کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ وزراء اور مصاحبین تھکاوٹ سے چُور ہو کر ہانپنے لگے مگر

بادشاہ سلامت کے چہرے پر سکون و اطمینان اپنی جگمگاہٹ بکھیرے ہوئے تھا۔ اور پھر بالآخر ولی اللہ کے مزارِ اقدس کا گنبد نظر آنے لگا۔ ہر فرد کی جان میں جان آئی کہ منزل قریب آئی۔

بادشاہ سر جھکائے انتہائی ادب و احترام کے ساتھ مزار میں داخل ہوا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایسے افراد پر پڑی جو بصارت سے محروم تھے۔ وہ خاموشی سے ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے۔ بادشاہ ان افراد کے پاس گیا اور ایک فرد سے پوچھا۔ ''تم یہاں کس لیے آئے ہو؟'' بصارت سے محروم شخص نے کہا۔ ''اپنی آنکھوں کی روشنی مانگنے کی خاطر یہاں آیا ہوں۔'' بادشاہ نے پوچھا۔ ''کتنے عرصہ سے یہاں پر رہ کر آنکھوں کی روشنی مانگ رہے ہو؟'' اس نے کہا۔ ''تقریباً پانچ سال سے یہاں پر ہوں اور صبح و شام دعا مانگتا ہوں۔'' بادشاہ نے کہا۔ ''پھر تمہیں اب تک آنکھیں کیوں نہیں ملیں؟'' اس نے کہا۔ ''رب تعالیٰ کی مرضی۔''

بادشاہ نے باری باری بصارت سے محروم تمام افراد سے اسی قسم کے سوالات کیے۔ کوئی پانچ سال سے، کوئی سات سال سے اور کوئی دس سال سے وہاں موجود تھا مگر کسی کو آنکھوں کی روشنی نہیں ملی تھی۔ بادشاہ جلال میں آگیا اور اس نے غصے سے بصارت سے محروم تمام افراد سے کہا۔ ''میں اندر اللہ کے ولی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے جا رہا ہوں۔ تم رب تعالیٰ سے دعا مانگو۔ اگر میری واپسی تک تمہاری آنکھوں میں نور نہ آیا تو میں تم سب کو قتل کرا دوں گا۔''

بادشاہ کا یہ حکم سن کر سب نے دھاڑیں مار مار کر بادشاہ سے التجا کی کہ ان پر رحم کیا جائے مگر بادشاہ تیزی کے ساتھ مزار کے اندر چلا گیا۔ بادشاہ سر جھکائے کافی دیر تک آیاتِ کلام ربانی کی تلاوت کرتا رہا۔ صاحبِ مزار کی روح کو ایصال ثواب کیا۔ رب تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا و التجا کی اور اتنی عاجزی کے ساتھ کی کہ بادشاہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ مزارِ اقدس سے باہر آیا۔ بادشاہ کے ہمراہ وزراء اور مصاحبین خوفزدہ تھے کہ آج کتنے نادار، مفلس، بے گناہ اور بصارت سے محروم افراد قتل کر دیئے جائیں گے۔ کیسا دلدوز اور جاں گداز منظر ہوگا۔ انہیں معلوم تھا کہ بادشاہ کے منہ سے جو لفظ نکل جائے وہ واپس نہیں ہو سکتا۔ اس پر عمل درآمد ضرور ہوتا ہے۔ سب لوگ بادشاہ کے مزاج آشنا تھے مگر انہیں یہ بھی علم تھا کہ بادشاہ کسی کی سفارش بھی نہیں مانتا۔ اس لیے سب خاموش تھے۔

بادشاہ جیسے ہی بصارت سے محروم افراد کے قریب پہنچا تو انہوں نے خوشی کے ساتھ بادشاہ کے حق میں نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ وہ چلاّ چلاّ کر کہہ رہے تھے۔ ''بادشاہ سلامت! آپ ہی کی خوش بختی اور نیک آمد کی وجہ سے ہم سب کو آنکھوں کا نور عطا ہوا ہے۔ رب رحمٰن و رحیم نے اپنا کرم فرمایا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ لطفِ خاص آپ ہی کی مبارک تشریف آوری کے باعث ہوا ہے۔''

مگر بادشاہ نے بہ آواز بلند کہا۔ ''خاموش رہو۔ تم سب جو کچھ کہہ رہے ہو غلط کہہ رہے ہو۔ کسی

کی بھی آمد مبارک یا نامبارک نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ ہے کہ تم اس ولی اللہ کے کوچے میں برسوں سے پڑے تھے اور تم نے گداگری کو پیشہ بنا لیا تھا۔ تم خلوصِ دل اور نیک نیتی کے ساتھ رب تعالیٰ جل شانہ سے دعا و التجا نہیں کرتے تھے۔ تم نے ایک بار بھی رب قادر و قدیر کے حضور عاجزی و انکساری کے ساتھ گڑگڑا کر دعا نہیں کی۔ آج جب تمہیں موت قریب نظر آئی تو تم نے لرز کر خوف و دہشت کے مارے دل کی گہرائیوں سے رب رحیم و کریم سے دعا و التجا کی تو تمہاری دعا کو قبولیت عطا ہوئی۔ تم نے آج جو آنسو بہائے وہ سچے، کھرے اور دل سے کشید ہو کر نکلے تھے۔ انہی آنسوؤں نے تمہاری التجاؤں کو قبولیت دی اور تم پر رب تعالیٰ جل شانہ کا فضل نازل ہوا۔ بے شک رب ذوالجلال سب کچھ دینے والا ہے مگر کوئی صدقِ دل سے اور انتہائی عاجزی و از حد انکساری کے ساتھ مانگ کر تو دیکھے!''

وقت کے بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے دوبارہ بصارت پانے والوں سے یہ بصیرت افروز گفتگو کی اور وقت کے ولی، مردِ قلندر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک سے باہر آ کر واپسی کا حکم دیا۔

☆======☆======☆

وقت قدرے ماضی کی طرف پلٹتا ہے۔ تاریخ کا پنچھی ایک ایسے شہنشاہ کے محل کی منڈیر پر جا بیٹھتا ہے جو از حد اداس، رنجیدہ اور دل گرفتہ ہے۔ اُسے نہ دن کا سکون ہے اور نہ رات کا آرام ہے۔ اک خیال ہے جو اُسے زہرناک اژدھے کی مانند ڈس رہا ہے جس سے اس کی چیخیں تو نکل رہی ہیں مگر ان کی آواز باہر نہیں آ رہی۔ تمام تر تلاطم خیزیاں اس کے دل میں اور سارے طوفان اس کے من میں ہلچل مچا رہے ہیں۔ اس کا دل رو رہا ہے مگر اس کی آنکھیں خشک ہیں۔

دنیا کے سامنے وہ وقت کا شہنشاہ ہے۔ لوگوں کی مشکلات دور کرتا اور ان کے مصائب ختم کرتا ہے حتیٰ کہ عوام الناس کے خیال میں وہ ان کے من کی مرادیں پوری کرتا ہے مگر اپنی مراد میں وہ ناکام ہے۔ اکثر اوقات اسے خود بھی خیال آتا ہے کہ یہ کس قدر منافقانہ عمل ہے کہ دوسروں کو بامراد کرنے والا خود نامراد ہے۔

شہنشاہ کی پریشانی و اداسی کی خبر محل کے نہاں خانے سے نکلتی ہوئی درباریوں تک جا پہنچتی ہے۔ ہر کوئی اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے اور ہمدردی جتاتا ہے مگر شہنشاہ کی پریشانی کا حل کسی کے پاس نہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ شہنشاہ ہر قسم کی کوشش و کاوش کر چکا ہے۔ ملکہ عالیہ نے بھی کوئی طریقہ اور کوئی حربہ نہیں چھوڑا ہے جو اس نے نہ آزمایا ہو مگر وہ سلطنت کا وارث دینے سے قاصر رہی ہے اور یہی شہنشاہ کی پریشانی ہے۔

شہنشاہ نے اب دربار شاہی سے بھی غیر حاضر رہنا شروع کر دیا ہے۔ کسی دن دربار لگتا ہے اور کسی دن نہیں لگتا۔ شہنشاہ کا غم آہستہ آہستہ درباریوں میں منتقل ہو رہا ہے۔ اب انہوں نے بھی

پریشان ہونا شروع کر دیا۔ وہ بھی شہنشاہ کے درد و الم میں برابر کے شریک ہیں۔ دن رات اس صورتِ حال کا حل سوچتے ہیں مگر عقل ہے کہ کام ہی نہیں کرتی۔

شہنشاہ ایک روز دربار شاہی میں پہنچا تو اس کی اُداسی و پریشانی عروج پر تھی۔ ایک درباری جو کچھ کہنے سے پہلے ڈر محسوس کرتا تھا اور شہنشاہ کے رعب و دبدبہ کی تاب نہیں لا سکتا تھا، اس کے دل میں اگرچہ بادشاہ کی پریشانی کا حل موجود تھا مگر وہ بتانے میں ہچکچاہٹ و کپکپاہٹ محسوس کرتا تھا۔ آج اُس نے شہنشاہ کی اُداسی و پریشانی کا یہ عالم دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے سوچا چاہے کچھ بھی ہو وہ یہ بات ضرور کرے گا۔

اُس نے شہنشاہ سے سہمے سہمے لہجے میں کہا۔ ''عالی جاہ! آپ کی پریشانی کا حل بڑا آسان ہے۔'' شہنشاہ نے چونک کر کہا۔ ''وہ کیا ہے؟'' درباری نے کہا۔ ''حضرت شیخ سلیم الدین چشتی یہاں کے نامی گرامی بزرگ ہیں۔ اللہ کے پیارے بندے ہیں۔ آپ ان کے پاس جا کر تو دیکھیں۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو ان کی دعا ضرور رنگ لائے گی اور آپ کو تخت کا وارث مل جائے گا۔''

شہنشاہ نے کہا۔ ''کیا کہتے ہو! کبھی دعاؤں سے بھی بیٹے ملتے ہیں!'' درباری نے کہا۔ ''خدا کے پیاروں کی دعائیں عرش تک جاتی ہیں اور انسان کی تقدیر بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ آپ ایک دفعہ ازما کر تو دیکھیں۔'' شہنشاہ نے کہا۔ ''اب تم مجھے ایک درویش کے دروازے پر جانے کا مشورہ دیتے ہو۔ میں ایک شہنشاہ ہوں۔ دنیا میرے پاس آتی ہے اور میں ایک عام سے آدمی کے پاس دعا کی خاطر جاؤں۔'' درباری نے کہا۔ ''آپ کی نظر میں وہ ضرور ایک عام سے آدمی ہوں گے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رب کی نظر میں ان کی کیا قدر و قیمت ہے۔ حضرت شیخ سلیم الدین چشتی بظاہر درویش ہیں مگر روحانی سلطنت کے وہ بادشاہ ہیں۔''

شہنشاہ نے درباری کے ازحد اصرار پر اس وقت اتنا کہا۔ ''اچھا سوچیں گے۔'' لیکن جب رات کو وہ بستر پر دراز ہوا تو اگرچہ حسبِ معمول اس کی نیند آج بھی اُڑی ہوئی تھی کیونکہ ایک عرصہ سے وہ کروٹیں بدل بدل کر ہی راتیں گزار رہا تھا مگر آج اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال آ رہا تھا کہ اسے ایک درویش کے در پر جانا چاہیے یا نہیں۔ وہ اک عجیب سی کشمکش میں مبتلا تھا۔ دل و دماغ میں اک جنگ جاری و ساری تھی۔ دل کچھ کہتا تھا تو دماغ کچھ اور...... لیکن جب دل و دماغ کا آپس میں اتفاق ہوتا بھی تھا تو جھوٹی اَنا شہنشاہ کو روک دیتی تھی اور پھر وہی کرب کے لمحات شروع ہو جاتے تھے۔

اور جب رات اپنا بوریا بستر سمیٹنے ہی والی تھی کہ مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا سے فضا کو عطر بیز کر دیا۔ اذان نے خدا معلوم کیا جادو کیا کہ شہنشاہ اذان کے اختتام سے پہلے ہی فیصلے تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نمازِ فجر کے فوراً بعد ہی شیخ سلیم الدین چشتی کے پاس جاؤں گا اور ان سے بارگاہِ رب العزت میں دعا و التجا کے لیے عرض کروں گا۔''

اور پھر چشمِ فلک نے یہ یادگار اور انوکھا منظر بھی دیکھا کہ غرور و تکبر میں مشہور شہنشاہ چند تحائف کے ہمراہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے خاندان کے ایک بزرگ حضرت شیخ سلیم الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے دروازے پر موجود تھا۔ حضرت شیخ سلیم الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ معمول کی عبادت و ریاضت میں مصروف تھے۔ شہنشاہ نے کچھ دیر انتظار کیا اور جب شیخ سلیم الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے دست بستہ عرض کی۔ ''آپ کی دعاؤں کی طلب لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ رب کریم و رحیم کی بارگاہ میں میرے لیے دعا کیجیے۔''

حضرت شیخ سلیم الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا۔ ''آخر تمہاری حاجت کیا ہے جو تمہیں دعاؤں کی ضرورت آ پڑی ہے۔ مزید یہ کہ تم نے تو رب تعالیٰ کو بھلا دیا ہے۔ پھر یہ کیا ہوا تمہیں؟ آخر کون سی ایسی ضرورت ہے جس نے تمہیں رب رحمٰن و رحیم کو یاد کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تم تو خود کو لوگوں کی حاجتیں اور ضرورتیں پوری کرنے والا سمجھتے ہو۔ پھر یہ تبدیلی کیسی اور کیوں؟''

شہنشاہ نے عرض کی۔ ''دراصل بات یہ ہے کہ مجھے تخت کا وارث چاہیے۔ بچے پیدا ہوتے ہیں تو کچھ عرصہ بعد مر جاتے ہیں۔ سب حربے استعمال کر کے دیکھ لیے ہیں۔ دوا میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جس قدر دنیاوی وسائل ہو سکتے تھے وہ آزما لیے ہیں مگر کوئی بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ اب آپ ہی سے درخواست ہے کہ میرے لیے دعا فرمائیں۔''

حضرت شیخ سلیم الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''رب تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا و التجا کی ہے کیا؟ وہی اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہیں جو بہتر وارث دینے والے ہیں۔ رب رحیم و کریم کے حضور سچے دل سے دعا کرو۔ وہ ذات بہت رحمٰن و رحیم ہے تمہیں تمہاری مراد ضرور ملے گی۔''

مگر شہنشاہ کا اصرار یہی تھا کہ جو اثر آپ کی دعا میں ہے وہ مجھ گنہگار کی التجا میں کہاں! دعا فرمائیں گے تو آپ ہی فرمائیں گے ورنہ میں یہیں پر ڈیرہ لگا کر بیٹھا رہوں گا۔

شہنشاہ کی اس قدر ضد دیکھ کر حضرت شیخ سلیم الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''اگر تمہارا بہت ہی اصرار ہے تو پھر جس آستانے پر جا کر میں رب رحیم و رحمٰن کے حضور دعا مانگتا ہوں تم بھی وہیں جاؤ۔ وہاں دعائیں ضرور منظور ہوتی ہیں۔'' شہنشاہ نے پوچھا۔ ''وہ آستانہ کس بزرگ شخصیت کا ہے؟'' حضرت شیخ سلیم الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''وہ ہیں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ۔''

اور پھر جاگتے لمحوں، گزرتی ساعتوں اور بدلتے پہروں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ شہنشاہ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر اجمیر شریف جا کر حاضری دی۔ وہاں شہنشاہ نے رب العزت، رب قادر و قدیر اور رب رحمٰن و رحیم کے حضور انتہائی عاجز و انکساری کے ساتھ گڑگڑا کر آنسوؤں کی برسات میں دعا و التجا کی۔ یہی چیز تو اللہ تبارک و تعالیٰ کو پسند ہے۔ انسان عجز و نیاز کی انتہا کے ساتھ اپنے رب سے مانگے تو بہت کچھ ملتا ہے کیونکہ رب تعالیٰ کی ذات پاک

دلوں کے بھید جاننے والی ہے اور بے انتہا کرم کرنے والی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ دعا کو قبولیت کا شرف حاصل ہوا اور ہندوستان کے شہنشاہ جلال الدین اکبر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم کے خزانے سے چاند سا بیٹا سلیم نور الدین جہانگیر عطا فرمایا۔

یہ اٹل حقیقت ہے کہ بندے کو عطا کرنے والی صرف اور صرف رب رحمٰن و رحیم کی ذات ہے مگر رب تعالیٰ جل شانہٗ کے محبوب بندوں کے آستانوں پر چونکہ لحمہ لحمہ رب ذوالجلال کی رحمت برستی ہے اس لیے وہاں پر کی گئی دعا و التجا کی قبولیت و مقبولیت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور یہی شہنشاہ جلال الدین اکبر کے ساتھ ہوا۔ بقول مولانا حسرت موہانی ؎

بادشاہانِ　ہفت　کشور　ہیں
تیرے　در　کے　گدا　معین　الدینؒ

شہنشاہ جلال الدین اکبر کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے ازحد عقیدت تھی۔ مؤرخین کے مطابق اکبر نے شہنشاہ ہوتے ہوئے بھی کئی مرتبہ آگرہ سے پیادہ پا اجمیر کا سفر کیا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچ کر حاضری کا شرف حاصل کیا۔ شہنشاہ جلال الدین اکبر نے آگرہ سے اجمیر جانے والی شاہراہ پر کئی پختہ کنوئیں اور مینار تعمیر کرائے۔ جہاں مسافر خانے نہیں تھے وہاں مسافر خانے تعمیر کرائے تاکہ راستے سے گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ اجمیر میں بھی اس نے کئی پُرشکوہ اور عالی شان عمارات تعمیر کرائیں۔ ایک اعلیٰ وارفع بلند و بالا حسین و جمیل مسجد بھی تعمیر کرائی جو اب بھی اکبری مسجد کے نام سے شہنشاہ اکبر کی یاد دلاتی ہے۔ اجمیر کے گرداگرد اُس نے ایک مضبوط حصار بھی تعمیر کرایا۔

شہنشاہ جلال الدین اکبر کو جب بھی کوئی فوجی مہم درپیش ہوتی تو وہ سب سے پہلے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دیتا۔ درگاہ کے خدام میں ہزاروں روپے تقسیم کرتا۔ وہاں موجود غرباء اور فقراء کو نوازتا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے نزدیک کھڑے ہو کر درود پاک اور وظائف کا ورد کرتا۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اور رو رو کر التجائیں اور دعائیں کرتا۔

شہنشاہ جلال الدین اکبر نے جب چتوڑ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تو سب سے پہلے اُس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ پھر حملہ کے لیے روانہ ہوا۔ اور جب رب ذوالجلال نے اسے فتح یاب و فتح مند کیا تو اُس نے واپسی پر پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ کافی دیر وہ وہاں رہا۔ اس نے وہاں رب رحمٰن و رحیم کے حضور نماز شکرانہ ادا کی۔ غرباء و فقراء میں لنگر تقسیم کیا۔ حاجت مندوں اور ضرورت مندوں میں نقد رقوم تقسیم کیں۔ ہر ایک کو اس کی طلب کے مطابق دیا اور خوشی سے دیا کہ وہ یہی سمجھتا تھا کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے اسے محض اس لیے سب کچھ عطا کیا ہے کہ میں اسے اس کے

مستحقین میں تقسیم کروں اور یہی میرا اعزاز ہے جو مجھے رب کریم و رحیم نے اپنی خاص نوازش سے بخشا ہے۔

☆======☆======☆

مؤرخین کے مطابق شہزادہ سلیم اور شہزادہ مراد کی پیدائش پر شہنشاہ جلال الدین اکبر تمام راستے اشرفیاں لٹاتا ہوا آگرہ سے اجمیر پہنچا۔ شہنشاہ جلال الدین اکبر جب مزار پر پہنچتا تھا تو خاص قسم کا لنگر پکتا تھا جس کا خصوصی انتظام کیا جاتا تھا۔ یہ لنگر انتہائی وافر مقدار میں ہوتا تھا کہ دور و نزدیک سے لوگ آ کر اسے تبرکاً لے جاتے تھے۔ اُس نے 125 من کی ایک خاص قسم کی دیگ بنوا کر خانقاہ کے لیے وقف کی تاکہ اس میں لنگر کا کھانا آسانی کے ساتھ تیار ہو سکے۔ وہ خود بھی اسی دیگ میں کھانا پکوا کر فقراء و غرباء اور مساکین میں تقسیم کرتا تھا۔

شہنشاہ جلال الدین اکبر نے خانقاہ کے خدام کے لیے ماہانہ وظائف مقرر کئے اور ان کے قیام و طعام کا اعلیٰ انتظام کیا۔ اسے جب بھی کبھی کوئی پریشانی ہوئی یا خوشی ہوئی۔ کوئی مہم پیش آئی یا کوئی معرکہ سر کرنے کا وقت آیا۔ اس نے ہمیشہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر حاضری دی۔ رب تعالیٰ کے حضور نوافل ادا کئے۔ اوراد و وظائف پڑھے۔ اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ شہنشاہ جلال الدین اکبر کبھی اپنے مقصد میں اس کے بعد ناکام رہا ہو۔ اسے کامیابی ہی ملی۔

مردانِ باصفا اور حق پرستانِ باوفا کے مزارات اور خانقاہیں ایسے مقامات ہوتے ہیں جہاں ہر خاص و عام بارگاہ رب العزت میں دعا و التجا میں سکون و قرار محسوس کرتا ہے۔ رب رحمٰن و رحیم کی رحمتوں کا نزول ہوتا محسوس کرتا ہے اور ایسا سرور پاتا ہے کہ الفاظ جسے بیان کرنے سے یکسر قاصر ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر محض شہنشاہ جلال الدین اکبر ہی حاضری نہیں دیا کرتا تھا بلکہ کئی اور بادشاہان وقت نے بھی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ رب قادر و قدیر کی بارگاہ میں دعا و التجا کی اور دامن مراد بھر لیا۔

نور الدین جہانگیر بھی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر کئی بار حاضر ہوا اور نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ وہ جب پہلی دفعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا تو اس نے ایک خاص فاصلہ پہلے ہی سواری سے اُتر کر پیدل چلنا شروع کر دیا۔ راستے میں اس نے فقراء و غرباء کی جھولیاں سکوں سے بھر دیں۔ کسی نے حاجت بیان کی تو رک کر اس کی حاجت پوری کی۔ مزار پر حاضر ہوا۔ فاتحہ خوانی کی۔ نوافل ادا کئے۔ رب رحیم و کریم کی بارگاہ میں دعا و التجا کی۔ رویا اور گڑگڑایا۔ اور جب مزار سے باہر آیا تو اس کی دنیا یکسر بدل چکی تھی۔ روحانی فضا نے اس کے ذہن و دل میں اک نور سا بھر دیا تھا۔ اس کے دل کی کدورت دور ہو چکی تھی۔ دماغ سے تکبر اور فخر و غرور کے جذبات رخصت ہو چکے تھے۔ اس کی جگہ عاجزی و انکساری نے لے لی تھی۔ اب وہ

اپنے آپ کو عوام کا حاکم نہیں خادم سمجھنے لگا تھا۔ گزرتے وقت کے چند لمحات کے دوران وہ کیا سے کیا ہو چکا تھا۔

نور الدین جہانگیر نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار سے واپسی پر شاہی کارندوں کو حکم دیا کہ شہر اجمیر کے ہر خاص و عام کو تحائف دیئے جائیں۔ اور نور الدین جہانگیر کے اس حکم پر جب عمل درآمد ہوا تو لوگ اس عقیدت و محبت پر خوش بھی ہوئے اور حیران بھی کیونکہ ان کے لیے یہ ایک نئی روایت اور نئی بات تھی۔

ایک دفعہ نور الدین جہانگیر کو بیماری نے ایسا آ گھیرا کہ بڑے بڑے حکماء و اطباء نے مایوسی کا اظہار کر دیا مگر نور الدین جہانگیر رب کریم و رحیم کی رحمت سے قطعاً نا امید و مایوس نہ ہوا۔ اُس نے شاہی کارندوں کو سواری کی تیاری کا حکم دیا۔ وہ بیماری کی حالت میں ہی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ پر پہنچا اور رب تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر زار و قطار رو کر انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنی صحت و تندرستی اور شفایابی کی دعا کی۔ ایسی دعا ضرور قبولیت کا اعزاز پاتی ہے۔ اس دعا نے جادو اثر کیا اور چند دنوں میں ہی نور الدین جہانگیر کو صحتِ کاملہ عطا ہوئی۔

نور الدین جہانگیر اجمیر شریف اکثر جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ اس کو اجمیر شریف میں رہتے ہوئے مسلسل تین سال ہو گئے۔ اس دوران وہ 9 بار حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا غرباء و فقراء میں لنگر تقسیم کیا۔ حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کیں جس کسی نے کسی ضرورت کا تذکرہ کیا اس کی وہ ضرورت پوری کی۔ لنگر کی تیاری اور انتظام و انصرام وہ بڑی دھوم دھام سے کرتا تھا۔ اس دوران وہ خود موجود ہوتا تھا اور بہتر سے بہتر لنگر تیار کرنے کی کوشش و کاوش کرتا تھا۔ زائرین اور معتقدین اس کے لنگر کو یاد کرتے تھے اور جس کسی کو علم ہوتا تھا کہ آج نور الدین جہانگیر کا لنگر تقسیم ہو گا تو وہ دوڑا ہوا آتا تھا۔ اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ لنگر کم پڑ گیا ہو۔ جتنے افراد بھی آتے تھے سیر ہو کر جاتے تھے۔ اس سے نور الدین جہانگیر کو ایک خاص قسم کی خوشی اور راحت ملتی تھی اور وہ اس کا برملا اظہار بھی کرتا تھا۔

نور الدین جہانگیر نے ایک دفعہ 60 من کی دیگ پکوائی اور ہزاروں فقراء و غرباء کو کھانا اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا اور اپنے سامنے بٹھا کر کھلایا۔ جو خوشی اور سکون و اطمینان اسے اس طرح حاصل ہوتا تھا وہ بیان سے باہر تھا۔ اپنی کتاب ''تزکِ جہانگیری'' میں نور الدین جہانگیر نے ان تمام واقعات و حالات اور محسوسات و جذبات کا مکمل تفصیلات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

لنگر کی تقسیم کے ساتھ ساتھ نور الدین جہانگیر لاکھوں کی تعداد میں زرِ نقد بھی تقسیم کرتا تھا۔ سامنے بھی اور چھپ کر بھی کیونکہ اسے صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رضا و خوشنودی چاہیے تھی وہ یہ سب کام اگرچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی عقیدت میں کرتا تھا مگر اسے کسی نام و نمود کی خواہش نہیں ہوتی تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ ہر عاشق کو اپنے معشوق کی اور ہر محبّ کو

اپنے محبوب کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ اسے بھی رب تعالیٰ کی رضا مطلوب تھی اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کے محبوب بندے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی روح کو ایصالِ ثواب اس کی اس خیرات کا مقصد و محور تھا بالکل اسی طرح جس طرح مومن کو صرف شہادت کی طلب ہوتی ہے اسے مالِ غنیمت یا بادشاہت سے کوئی غرض و غایت نہیں ہوتی بقول حضرت علامہ اقبالؒ۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اپنے والدِ محترم کی طرح شاہ جہان بھی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا دل و جان سے عقیدت مند تھا۔ وہ اُس وقت بھی مزار پر جاتا تھا اور جب مسندِ اقتدار پر خود جلوہ افروز ہوا تو پھر بھی اس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ پر جانا جاری و ساری رکھا۔ اپنے دورِ اقتدار میں وہ کئی دفعہ خانقاہ پر اجمیر شریف گیا۔ اپنے آباء و اجداد کی روایت کے مطابق شاہ جہان بھی کافی فاصلہ پہلے سواری سے اُتر کر پیادہ پا دربار میں حاضری دیتا تھا۔ راستے میں غرباء، فقراء اور مساکین قطار در قطار موجود ہوتے تھے۔ وہ سب کی سنتا تھا اور سب کو خوش کرنے کی حتی الوسع کوشش کرتا تھا۔ اس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ کے احاطے میں سنگِ مرمر کی ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی کیونکہ اسے عالی شان عمارتیں تعمیر کرانے کا شوق تھا اس لیے اس نے یہ شوق یہاں بھی قائم رکھا۔ وہ مسجد آج بھی شاہ جہان کی عقیدت و محبت کی زبانِ حال سے گواہی دے رہی ہے۔

اسی طرح اورنگ زیب عالمگیر نے بھی کئی دفعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر حاضری دی۔ فاتحہ خوانی کی۔ نوافل ادا کیے۔ رب تعالیٰ کے حضور دعا و التجا کی اور خانقاہ کے خدام کو خانقاہ کے بہتر انتظام و انصرام کی خاطر رقم دی۔ اورنگ زیب عالمگیر نے صندل خانہ کی مسجد جو کہ بادشاہ جلال الدین خلجی نے تعمیر کرائی تھی اسے وسیع کرایا کیونکہ سلطان جلال الدین خلجی بھی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں میں سے تھا اور اکثر آپ کی خانقاہ پر حاضری دیا کرتا تھا۔ اس نے خانقاہ کے قریب عظیم الشان تعمیرات کرائیں جن میں بلند دروازہ اور مسجد صندل خانہ خاص طور پر شہرت کے حامل ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اسی مسجد صندل خانہ کے چار دروازوں میں اضافہ کر کے سات دروازے بنوائے۔ اور کچھ اور اضافے بھی کیے جس سے اب یہ ''مسجد عالمگیری'' کے نام سے مشہور ہے۔ سلطان جلال الدین خلجی نے راجپوت راجاؤں کے متحدہ محاذ کے خلاف جنگ لڑنے سے پہلے جبکہ اورنگ زیب عالمگیر نے شہزادہ محمد اکبر کی بغاوت کچلنے سے پیشتر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کر رب قادر و قدیر کے حضور دعا و التجا کی اور دونوں بادشاہوں نے اپنے اپنے مقام پر فتح حاصل کی۔ فتح کے بعد دونوں نے آپ کی خانقاہ پر پھر حاضری دی اور لنگر تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ

غرباء وفقراء میں رقم بھی تقسیم کی۔ بقول شاعر ۔

جھکاتے ہیں جہاں سلطان آ کے اپنی پیشانی
جہاں ہے دولتِ فقر و قناعت کی فراوانی
جہاں پروان چڑھتی ہیں سبھی اقدارِ انسانی
یہی ہے آستان خواجہ معین الدین اجمیریؒ

یہ چند بادشاہوں اور شہنشاہوں کا تذکرہ تھا جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ کے محبوب بندے نہ صرف اس دنیا میں جب بقید حیات ہوتے ہیں تو ان کی قدر ومنزلت ہوتی ہے بلکہ بعد از ممات بھی ان کا تذکرہ جاری وساری رہتا ہے اور ان کے عقیدت مندوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جو رب کا ہو جاتا ہے تو پھر رب بھی اسی کا ہو جاتا ہے اور رب جس کا ہو جائے تمام دنیا اسی کی ہو جاتی ہے۔ اللہ والے اسی اصول کو اپناتے ہیں اور شب وروز کی عبادت اور لحہ لحہ کی ریاضت سے رب کو راضی کرتے ہیں۔ انہیں نہ دولتِ دنیا کی کوئی پروا ہوتی ہے اور نہ وہ تخت وتاج سے کوئی رغبت رکھتے ہیں۔ وہ صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی خاطر جیتے ہیں اور اسی رب تعالیٰ جل جلالہٗ کی خاطر مرتے ہیں جو تمام عزتوں، رفعتوں، وسعتوں اور برکتوں کا مالک ہے کہ ۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب بندے ہر کام ہدایت غیبی کے مطابق کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی زیارت سے سرفراز فرمایا اور ہدایت کی کہ ہندوستان جائیں اور لوگوں کی رہبری و رہنمائی فرمائیں۔ چنانچہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ملتے ہی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے مختصر زادِ راہ لیا اور 586 ہجری میں لاہور پہنچے۔

لاہور پہنچنے کے فوراً بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ یہاں آپ نے چلہ کشی کی اور پھر آپ ملتان تشریف لے گئے۔

اس دور میں ملتان مشرقی علوم وفنون کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ روحانیت ومعرفت کی آماجگاہ تھا۔ یہاں آپ نے سنسکرت زبان سیکھی کیونکہ ہندوؤں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرنے کے لیے اس زبان کا علم نہایت ضروری تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اولیاء کے شہر ملتان میں پانچ سال تک قیام پذیر رہے۔ اس دوران آپ نے عبادت وریاضت

کے مختلف مراحل بھی طے کئے اور مشرقی وروحانی ومذہبی علوم میں بھی مہارت حاصل کی۔

پھر آپ کو ہدایت غیبی ملی کہ ملتان سے رخصت ہو کر دہلی سے ہوتے ہوئے اجمیر پہنچیں، ملتان کے باشندوں اور اہلِ علم ومعرفت نے آپ کو ملتان میں مزید قیام بلکہ مستقل قیام کے لیے درخواست کی مگر آپ نے کہا کہ مجھے ہر حال میں جانا ہے۔ چنانچہ آپ نے ملتان کو خیر باد کہا۔ کافی فاصلے تک یہاں کے معزز ومعتبر افراد آپ کے ہمراہ چلے اور جب شہر کی حدود ختم ہونے کو آئیں تو ملتان والوں نے آپ کو مختلف تحائف اور یہاں کی یادگار اشیاء دے کر رخصت کیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے ملتان کے لوگوں کی محبت، عقیدت، مہمان نوازی اور رواداری کی تعریف کی۔ مدینۃ الاولیاء کے باسیوں نے ولی اللہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے جس والہانہ نیاز مندی کا اظہار کیا آپ نے اس کا تذکرہ کیا اور ملتان کے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ جب بھی چاہیں اجمیر میں آ کر ان سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں ملتان کے اکثر باشندے آپ سے ملاقات کے لیے اجمیر انتہائی اہتمام کے ساتھ جاتے تھے۔ آپ کے ہاں کئی کئی روز تک قیام کرتے تھے اور فیوض وبرکات سمیٹ کر واپس لوٹتے تھے۔ بقول اقبال ۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ ملتان سے رخصت ہوئے تو سیدھے دہلی پہنچے مگر آپ کا اصل مقام اجمیر تھا اس لیے دہلی میں مختصر قیام کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اجمیر تشریف لے گئے اور اجمیر ہی کو وہ شرف ومقام بخشا کہ تمام عالم میں اسے مشہور ومعروف کر دیا بلکہ آپ کو خواجہ اجمیری کہا جانے لگا۔

یہ اک اتفاق تھا یا مشیت ایزدی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ "ملتان ما بہ جنت اعلیٰ برابر است" سے روانہ ہوئے تو مستقل قیام اجمیر میں فرما لیا۔ دونوں شہروں میں بے پناہ مماثلت ہے یہاں تک کہ دونوں کے نام ایک طرح کے تقدس واحترام کے ساتھ لیے جاتے ہیں۔ جہاں ملتان شریف کہا جاتا ہے وہیں اجمیر شریف بولا جاتا ہے۔ روشنی وہدایت کی جہاں ضرورت ہوتی ہے رب کریم ورحیم اپنے خاص بندوں کو ہدایت کے لیے وہیں بھیج دیتے ہیں لیکن مقامات میں کوئی نہ کوئی قدر ضرور مشترک ہوتی ہے۔ جس کی بناء پر ایک ہی شخصیت کا وہاں قیام کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے۔ بقول شاعر ۔

سوچو! جڑواں شہر ہیں اجمیر اور ملتان کیا
دیکھیے یکساں نظر آتی نہیں ہے شان کیا
مرکز روحانیت وہ ، یہ ولایت کا نگر
سایۂ رحمت اُدھر ہے ، سایۂ رحمت اِدھر

اولیاء نے روشنی گر اس طرف پھیلائی ہے
بن کے رحمت ایک ہستی اس طرف بھی آئی ہے
رحمتہ اللعالمینؐ کی رحمتیں ہیں اس کے ساتھ
سچ ہے کہ بیت الحرم کی برکتیں ہیں اس کے ساتھ
ہند میں بخشا گیا اس کو مکمل اختیار
اب یہی ہستی سنبھالے گی عنانِ اقتدار
جس طرح ملتان پہنچا مردِ حق عاشور پر
ہو رہا ہے ختم اب اجمیر میں اس کا سفر
ہے کمر بستہ یہ سب کچھ اب لٹانے کے لیے
روشنی لایا ہے ساتھ ، آگے بڑھانے کے لیے
گمرہوں کے واسطے اللہ کا پیغام ہے
ان اندھیروں سے نکل لو ، آگے راستہ اسلام ہے

اولیاء اللہ کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ جہاں پہنچتے ہیں لوگوں کی اصلاح وفلاح کی خاطر ہی پہنچتے ہیں۔ رب العزت کے دین کی سربلندی اور صراطِ مستقیم دکھانے کے لیے مختلف مقامات کا سفر کرتے ہیں۔ راستوں کی صعوبتیں اٹھاتے ہیں۔ زادِ راہ کے بغیر اور اکثر اوقات کسی سواری کے بغیر پیدل سفر کرتے ہیں۔ فاقہ کشی کرتے ہیں۔ بعض اوقات لوگوں کی طعن و تشنیع سے بھی واسطہ پڑتا ہے مگر حق اور سچ کے یہ راہی اپنا سفر جاری وساری رکھتے ہیں۔ راستے کی کوئی رکاوٹ، کوئی تکلیف اور کوئی سازش انہیں اپنے نیک اور با مقصد ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتی۔ یہ افراد اللہ جل شانہٗ کے ہوتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اجمیر شریف میں کب پہنچے۔ اس بارے مؤرخین اور سیرت نگاروں میں اختلاف ہے اور متضاد روایات بیان کی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی طویل سیاحت کی ترتیب کے ساتھ ساتھ آپ کی سرزمین ہند میں آمد کے بارے میں بھی روایات اختلافی ہیں۔ مختلف تذکرہ نگار مختلف آراء رکھتے ہیں۔ مثلاً ''تاریخ فرشتہ'' اور ''معین الارواح'' کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ چار بار ہندوستان تشریف لائے۔ پہلی دفعہ محرم 561 ہجری میں جبکہ آخری دفعہ 587 ہجری میں آپ کی آمد ہوئی۔

صاحب ''سیر العارفین'' کی تحقیق کے مطابق آپ 602 ہجری میں ہندوستان تشریف لائے جبکہ ''طبقات ناصری'' اور ''منتخب التواریخ'' کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ حضرت سلطان شہاب الدین غوری کے لشکر کے ہمرکاب 587 ہجری میں ہندوستان آئے۔ اسی طرح ''سیر الاولیاء''، ''مفتاح التواریخ''، ''اسرار الاولیاء''، ''اکبر نامہ''، ''تزک جہانگیری''، ''فوائد

السالکین''، ''سیر الاقطاب''، ''اخبار الاخیار''، ''تذکرۃ الکرام'' اور ''ارمغان ہند'' کے مطابق بھی حضرت معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ ہندوستان میں 587 ہجری میں تشریف لائے۔

اس امر پر سبھی مؤرخین متفق ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ ہندوستان تشریف لائے ہیں تو پھر یہاں سے کسی اور ملک نہیں گئے۔ لاہور سے ملتان اور پھر ملتان سے انجام کار اجمیر میں ہی تمام زندگی گزار دی تاکہ یہاں کے لادین افراد کو مسلمان کر سکیں اور آپ اپنے اس مقصد میں پوری طرح کامیاب وکامران رہے۔ آپ کی تشریف آوری ہندوستان میں ایک قابلِ ذکر روحانی، معاشرتی اور سماجی انقلاب کا باعث بنی اور دینِ اسلام کی آپ نے جو خدمت کی وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے مشرک، سرکش اور مغرور ومتکبر ہندوؤں کو صراطِ مستقیم دکھائی۔ عام افراد کی مذہبی، تمدنی اور اخلاقی حالت کو پستی سے نکال کر بلندی تک پہنچایا۔ آپ نے ہندوؤں کی جاہلانہ ضعیف الاعتقادی، کفر وشرک، اوہام پرستی، ذات پات کا امتیاز اور چھوت چھات جیسی بیماریوں کا شافی علاج کیا اور انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

جاہل افراد پتھر، درخت، سانپ، چوپائے اور گائے کی پوجا کرتے تھے۔ ذات پات کے مکروہ نظام میں نیچ ذات کے لوگوں کی زندگی جہنم بن چکی تھی۔ بے حیائی عام تھی۔ بدکاری عروج پر تھی اور مذہب کا حصہ بن چکی تھی۔ بعض فرقے تو دیوی دیوتاؤں کے سامنے انسانی قربانی کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔ ایسے ہندوستان میں رب وحدہٗ لاشریک نے اپنا ایک محبوب بندہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ بھیجا تاکہ کفر وشرک کی اس یلغار کو روکا جا سکے اور انسانیت کو سیدھا راستہ دکھایا جا سکے۔

سرزمین ہند پر کس کے ہیں یہ انمٹ نشاں
کس کے یہ نقشِ کفِ پا ہیں بہ مثلِ کہکشاں
کون ہے جس نے بدل کر رکھ دیا سارا سماج
کون ہے جو پا رہا ہے مشرکوں سے بھی خراج

☆======☆======☆

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اجمیر پہنچنے کے فوراً بعد اجمیر کے نواح میں ایک پُرسکون اور الگ تھلگ مقام پر ایک ایسی خانقاہ تعمیر کی کہ جس کی شان وشوکت، رفعت وعظمت اور جاہ وجلال کے سامنے بڑے بڑے محل اور فلک بوس عمارتیں بہت چھوٹی محسوس ہوتی تھیں مگر یہ ساری قدر ومنزلت محض روحانی حوالے سے تھی جبکہ دنیاوی حوالے سے تو یہ محض گھاس، سرکنڈوں، بانسوں اور درختوں کی سوکھی ہوئی ٹیڑھی شاخوں کی ایک بے ترتیب سی جھونپڑی تھی جو بظاہر ہوا کے

ایک تیز جھونکے کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن چونکہ کسی بھی جگہ اور عمارت کا مقام و رتبہ اس کی اعلیٰ و ارفع دیواروں اور بلند و بالا چھتوں سے متعین نہیں ہوتا بلکہ وہاں پر رہائش پذیر شخصیات ہی کے وجود سے اس کی اہمیت بنتی ہے۔ اس لیے اس جھونپڑی میں سرزمین ہند کا بے تاج بادشاہ جب جلوہ گر ہوا تو زمین کے اس ٹکڑے کی اور جھونپڑی میں استعمال ہونے والے گھانس پھونس کی قسمت ہی بدل گئی کیونکہ اسی مقام پر آپ نے انسانیت کی خدمت اور رب کی عبادت کرنا تھی۔ عوام الناس کو صراط مستقیم دکھانا تھی اور ضرورت مندوں کی مدد کرنا تھی کیونکہ ۔

خدمتِ خلقِ خدا ، تبلیغ ، تقویٰ ، بندگی
کچھ نہیں اس کے سوا ہندالولیؒ کی زندگی

وہاں کے قریبی رہائشی راجپوتوں نے آپ کی وضع قطع، رہن سہن اور طور طریقے کو دیکھ کر پہلے تو یہی تاثر لیا کہ کوئی جوگی یا سادھو دنیا کے ہنگاموں اور شورشوں کو خیر باد کہہ کر ''نجات کی'' تلاش میں اس جنگل نما سنسان جگہ پر آ گیا ہے۔ اسی تاثر کے زیر اثر انہوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی آمد پر کوئی توجہ نہ دی مگر جب ان میں سے چند افراد نے آپ کی جھونپڑی کے قریب آ کر اندر جھانکا تو اُس نے دیکھا کہ اس جھونپڑی کے اندر پانی کا برتن، ایک جوڑا لباس اور ایک مصلے تھا۔ اس مصلے پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے ذکر و فکر میں مشغول و مستغرق تھے۔

راجپوتوں پر یہ تو ظاہر ہو گیا بلکہ بالکل واضح ہو گیا کہ جھونپڑی میں موجود شخصیت کا طور طریقہ ہندو سنیاسیوں جیسا قطعاً نہیں ہے تاہم بجائے اس کے کہ وہ آپ سے وہاں سے چلے جانے کا کہتے یا کوئی اور بات کرتے وہ آپ کی شخصیت کی کشش اور روحانیت کی مقناطیسیت میں ایسے گرفتار ہوئے کہ جو بھی آپ کو دیکھنے آتا دیکھتا ہی رہ جاتا۔ آپ کے نورانی چہرے کی جاذبیت ان کے احساسات و جذبات کو مسحور کیے جا رہی تھی۔ وہ اسے کوئی نام بھی نہیں دے پا رہے تھے۔ بس یہ عالم تھا کہ ایک راجپوت دوسرے کو بتاتا تھا اور دوسرا دوڑا ہوا آتا تھا اور دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔ انہوں نے چونکہ اپنے علاقے میں کبھی کسی مسلمان کو عبادت کرتے نہیں دیکھا تھا اس لیے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا تعلق کس مذہب سے ہے تاہم انہیں یہ یقین کامل تھا کہ آپ کا تعلق ہندو مذہب کی کسی بھی شاخ سے نہیں۔

اس مسئلے پر کہ جھونپڑی میں موجود پُر کشش شخصیت کا تعلق کس مذہب سے ہے، راجپوت کافی سوچ بچار کرتے رہے مگر کافی روز گزر جانے کے باوجود وہ کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکے۔ آخر کار ان کا ایک وفد آپ سے بالمشافہ اس بارے میں گفتگو کرنے کے لیے آپ کی جھونپڑی میں پہنچا۔ اس وقت آپ مصلے پر ذکر الٰہی میں مصروف تھے۔ وہ جھونپڑی میں داخل ہو کر ایک جانب بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ آپ فارغ ہوں تو وہ آپ سے گفتگو کریں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے حسبِ معمول انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے روزانہ کے معمول کے مطابق اوراد و وظائف مکمل کیے۔ پھر رب رحمٰن و رحیم کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور گڑگڑا کر دعا کی۔ جب آپ فارغ ہو چکے تو آپ نے راجپوتوں سے ان ہی کی زبان میں پوچھا۔ '' آپ لوگ یہاں کیسے تشریف لائے ہیں؟ میرے لائق کوئی خدمت! کیا میں آپ لوگوں کے کسی کام آ سکتا ہوں؟''

راجپوت آپ کی زبان سے اپنی بولی، اپنا لب و لہجہ اور اپنا ہی طرزِ تخاطب سن کر از حد حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔ حیرت و استعجاب سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تاہم انہوں نے آپ سے چند لمحوں کے بعد پوچھا۔ '' کچھ روز سے آپ اس جنگل میں تنہا رہ رہے ہیں۔ آپ کے ہمراہ کوئی اور نہیں۔ ہم آپ کے مذہب کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ اس لیے ہم یہاں آئے ہیں تاکہ آپ سے تعارف ہو جائے۔ ہمیں بتائیے کہ آپ کون ہیں اور یہاں کس مقصد کی خاطر ٹھہرے ہوئے ہیں؟''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے راجپوتوں کے چہروں پر پریشانی کے آثار دیکھے تو آپ نے ان سے پوچھا۔ ''میں آپ لوگوں کے سوالوں کے جواب دینے سے پہلے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا میری وجہ سے آپ لوگوں کو کوئی پریشانی یا تکلیف تو نہیں پہنچی؟'' راجپوتوں نے کہا۔ ''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں اور پھر یہ کہ آپ ہمیں آخر کیا نقصان پہنچائیں گے۔ آپ نے تو اپنے کام سے ہی مطلب رکھا ہوا ہے۔ اپنی دھن میں لگے رہتے ہیں لیکن چونکہ آپ کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی جاذبیت ہے اس لیے تعارف میں کیا قباحت ہے بلکہ اس سے تو ہمیں راحت ہوگی۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے چہرۂ اقدس پر اس لمحے ایک خاص قسم کی جلالی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ نے قدرے بلند آواز میں فرمایا۔ ''غور سے سن لو کہ میں مسلمان ہوں اور تم لوگوں کو رب ذوالجلال کا پیغام پہنچانے آیا ہوں۔''

مسلمان کا لفظ راجپوتوں کے سروں پر ہتھوڑا بن کر گرا۔ وہ ٹپٹا کر رہ گئے۔ انہوں نے یکدم اپنا لہجہ بدلا اور انتہائی غرور و تکبر کے ساتھ کہنے لگے۔ '' جانتے ہو، تم جس زمین پر بیٹھے ہو یہ ہماری ہے اور ہم اپنی زمین پر ایسا نہیں ہونے دیں گے جو تم چاہتے ہو۔ جاؤ کسی اور جگہ چلے جاؤ مگر یہاں تمہارا ارادہ اور تمہارا مقصد ہم کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی شائستگی اور متانت کے ساتھ فرمایا۔ '' یہ زمین نہ تمہاری ہے اور نہ میری بلکہ یہ زمین اللہ کی ہے جو تمام جہانوں کا مالک و خالق ہے۔ اگر یہ زمین کسی کی ہوتی تو تمہارے باپ دادا مرتے وقت اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ ہم سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اُس نے ہمیں اس دنیا میں اپنی اطاعت و عبادت کے لیے بھیجا ہے اور پھر ایک روز ہم سب اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے۔''

راجپوتوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی ان سچی باتوں کا بہت برا منایا۔ وہ طیش میں آ گئے۔ غصے میں بڑبڑانے لگے اور زور زور سے چلانے لگے۔ ''اس زمین و آسمان پر ہمارے دیوتاؤں کی حکومت ہے۔ ہم کسی اللہ کو نہیں جانتے۔ آئندہ ہمارے سامنے اللہ کا نام نہ لینا ورنہ ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔ اگر اس جگہ پر رہنا چاہتے ہو تو خاموشی سے رہو۔ اپنی مسلمانی اپنے پاس رکھو۔ اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی کوئی کوشش نہ کرو۔ تم ہمیں بہکانے اور ہمیں اپنے راستے سے بھٹکانے آئے ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اور نہ ہم ہونے دیں گے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اللہ کی ذات ہی میرے لیے سب کچھ ہے۔ تمہارے اختیار میں کچھ نہیں۔ تمہارے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ میرا مالک و خالق صرف اور صرف اللہ ہی ہے اور میں تمہیں بھی یہی بتانے آیا ہوں کہ تم بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ۔''

ایک مغرور راجپوت نے کہا۔ ''تم اپنی حالت تو دیکھو۔ نہ تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے نہ اچھا لباس ہے اور نہ رہنے کو مکان ہے۔ یہ تمہارا کیسا اللہ ہے جس نے تمہیں اس حال میں رکھا ہوا ہے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''مجھے تو بس یہی کچھ کافی ہے۔ مجھے دنیا کی نہیں آخرت کی بہتری کی خواہش ہے۔ یہ دنیا تو فانی ہے۔ ہر چیز کو فنا حاصل ہے۔ یہ دنیاوی شان و شوکت وقتی ہے۔ اصل زندگی آخرت کی ہے جہاں ہمیں مستقل رہنا ہے۔ تم نے کبھی غور کیا ہے کہ جن بتوں کو تم پوجتے ہو انہیں خود ہی تراشتے ہو۔ وہ تمہارے کس کام آئیں گے جو خود ایک انچ ادھر سے اُدھر نہیں ہو سکتے۔ نیچے گرنے پر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ تم پتھروں کی پرستش کرتے ہو۔ پتھر تمہیں کیا دیں گے؟ اُس ذات پاک کی عبادت کرو جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پاک! جو ہر شے سے بے نیاز ہے جبکہ تمہاری مورتیاں خود تمہاری محتاج ہیں۔ جب چاہو تو ان کی صفائی کرو اور اگر چاہو تو نہ کرو اور ان پر ڈھیروں مٹی پڑی رہے۔''

راجپوتوں نے اپنے دیوتاؤں کی توہین سنی تو فوراً ان کے ہاتھ شمشیروں اور خنجروں کی طرف لپکے مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک نظر سے تلواریں اور خنجر ان کے ہاتھوں سے گر پڑے اور وہ خود بھی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

کئی روز تک راجپوت اکٹھے ہو کر آپس میں صلاح مشورے کرتے رہے۔ اکثر لوگ اس حق میں تھے کہ اس مردِ قلندر کو قتل کر دیا جائے مگر وہ سابقہ واقعہ سے خوفزدہ بھی تھے۔ پہلے بھی تو انہوں نے قتل کرنے کی کوشش کی تھی مگر ایک انجانی طاقت نے ان کے ہاتھوں سے تلواریں اور خنجر گرا دیئے تھے۔ تاہم کافی سوچ بچار کے بعد انہی راجپوتوں کی ٹولی ایک بار پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی جھونپڑی کی جانب چل دی جو پہلے وہاں سے ناکام و نامراد لوٹی تھی۔ ان کے کئی ساتھیوں نے انہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی جھونپڑی کی جانب جانے سے

روکا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ وہ مردِ قلندر کی روحانی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس کا تجربہ انہیں پہلے بھی ہو چکا ہے اور پھر یہ کہ جھونپڑی میں رہنے والا شخص کسی کو کوئی نقصان تو قطعاً نہیں پہنچا رہا۔ وہ اپنے کام میں مگن رہتا ہے۔ کسی کی کسی بات میں مداخلت نہیں کرتا۔ اس لیے اس سے ڈرنے یا اسے نقصان پہنچانے اور اس حد تک جانے کی کیا ضرورت ہے کہ اسے قتل ہی کر دیا جائے۔ آخر اس نے کیا قصور کیا ہے؟ مگر وہ لوگ صرف یہی کہتے تھے کہ اس نے ہمارے خداؤں اور ہمارے دیوتاؤں کی توہین کی ہے۔ اس ذلت اور بے عزتی کا انتقام بہت ضروری ہے اور وقت کا تقاضا ہے۔

راجپوت ہندوؤں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی جھونپڑی کی جانب جانے سے پہلے اپنے آپ کو پوری طرح مسلح کیا اور ایک خاص قسم کی حکمت عملی تیار کی۔ راجپوتوں کی ٹولی مخصوص قسم کے نعرے لگاتی ہوئی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی جھونپڑی کی طرف چل دی۔ راستے میں جو بھی ہندو ملتا وہ بھی اس اجتماع میں شامل ہوتا گیا اور جب غرور و تکبر کی بدمستی میں سرشار یہ بے راہ رو ٹولی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی جھونپڑی پر پہنچی تو پہلے انہوں نے باہر کھڑے ہو کر انتہائی غیر مؤدبانہ اور ناشائستہ قسم کے نعرے لگائے اور اک ایسا ہنگامہ کھڑا کیا کہ الحفیظ والاماں!

کافی دیر کی ہنگامہ خیزی اور طوفانِ بدتمیزی کے بعد گستاخ و بدماغ ہندو راجپوت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی جھونپڑی کے اندر داخل ہوئے۔ ان کا ارادہ و منصوبہ یہی تھا کہ آج آپ کا کام تمام کر دیا جائے۔ اس وقت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نمازِ ظہر ادا فرما رہے تھے اور حالتِ سجدہ میں تھے۔ راجپوتوں نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے کہ اس طرح آپ کا کام تمام کرنا بہت آسان ہے۔ تلوار کی ایک ہی ضرب سے سر تن سے جدا ہو جائے گا۔

راجپوتوں نے اپنی تلواروں کو بے نیام کیا ہی تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور حالت قیام میں آ گئے۔ راجپوت ہندوؤں کو اس بات کا قطعی علم نہیں تھا کہ مسلمان اپنے معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں ادائیگی نماز کے لیے کس طرح قیام و سجود کرتے ہیں۔ وہ بے حد حیران تھے کہ کبھی آپ کسی حالت میں چلے جاتے تھے اور کبھی کسی حالت میں ہوتے ہیں تاہم راجپوت ہندو لمحہ لمحہ موقع کی تلاش میں تھے کہ آپ پر کس طور وار کیا جائے۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کر رہے تھے۔ انہیں وقت گزرنے کا احساس بھی ہو چلا تھا اور وہ یہ چاہتے تھے کہ یہ کام جتنی جلد ممکن ہو سکے کر دیا جائے کیونکہ وہ یہی منصوبہ بنا کر آئے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ رکوع میں چلے گئے۔ اب راجپوتوں نے سمجھا کہ یہ بھی مناسب موقع ہے کہ حملہ کر دیا جائے مگر جب انہوں نے اپنی تلواروں کو نیاموں سے نکالنا چاہا تو بہ ہزار کوشش و کاوش وہ ایسا کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔ تلواریں نیاموں کے اندر

یوں اپنی جگہ پر قائم تھیں کہ جیسے انہیں کسی نے آپس میں مضبوطی کے ساتھ جوڑ دیا ہو۔ راجپوت مسلسل زور لگاتے رہے۔ انہوں نے اپنی پوری قوت وطاقت صرف کی مگر تلواروں کو جنبش تک نہ ہوئی۔ وہ حیران بھی تھے اور پریشان بھی کہ آخر کیا وجہ ہے کیونکہ آج تک تو ایسا نہیں ہوا تھا مگر ان کی عقل پر ایسا پردہ پڑا تھا کہ انہیں یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی طاقت ہے جس نے ان کی تلواروں کو جامد وساکت کیا ہوا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے نماز ختم کی اور دعا کے لیے بارگاہِ خداوندی میں ہاتھ بلند کئے۔ آپ نے انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ دعا مانگی اور پھر آپ نے راجپوتوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''آرام اور سکون سے اور مکمل اطمینان کے ساتھ وہ کام کرو کہ جس کے ارادے سے تم لوگ آئے ہو۔ اللہ جل شانہٗ کی راہ میں ایک سر تو کیا لاکھوں سر بھی ملیں تو میں قربان کر دوں۔ آگے بڑھو اور میرے جسم پر جہاں خنجر چلانا چاہو بے دھڑک چلاؤ۔ تلواریں بے نیام کرو۔ میرا سر حاضر ہے۔ جس طرح قلم کرنا چاہو کر لو۔ میں ایک درویش آدمی ہوں۔ درویشوں کو قتل کرنے کے لیے بھی کسی منصوبہ بندی اور اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے کیا؟ درویش کا کام تمام کرنے کے لیے تو صرف ایک آدمی ہی کافی ہوتا ہے اور تم اتنی تعداد میں یہاں آ گئے ہو۔ صرف اور صرف ایک شخص، ایک درویش کو قتل کرنے کے لیے اتنے لوگ اکٹھے ہو گئے ہو۔''

راجپوت ہندوؤں نے جیسے ہی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے اپنے خفیہ منصوبے کے بارے میں سنا تو وہ حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے۔ وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کے لبوں پر صرف ایک ہی جملہ تھا ''یہ جادوگر ہے بہت بڑا جادوگر! اس نے ہمارے خفیہ منصوبے کو جان لیا ہے اور یہ کام صرف اور صرف مہان جادوگر ہی کر سکتا ہے۔''

اس وقت تو وہ ہندو راجپوت وہاں سے دوڑ آئے مگر اپنے اپنے گھروں میں پہنچے تو ان کی کیفیت روز بروز بدلتی چلی گئی۔ ان کے جذبات ومحسوسات میں ایک طوفان سا برپا تھا۔ وہ اپنے من کی دنیا میں ایک نمایاں تبدیلی ہوتے محسوس کر رہے تھے۔ اگرچہ سب کی کیفیت ایسی ہی تھی مگر ان میں کچھ ضدی اور ہٹ دھرم طبیعت کے مالک تھے۔ کچھ کے مزاج میں لچک بھی تھی اور وہ حقیقت پسندی کی طرف بھی مائل تھے۔

اسی ہلچل کی کیفیت اور سوچ بچار کی طبیعت میں کئی روز گزر گئے اور پھر ایک دن یوں ہوا کہ چند ہندو راجپوت پھر اسی مقام پر اکٹھے ہوئے جہاں وہ اکثر اکٹھے ہوا کرتے تھے اور صلاح مشورہ کیا۔ کافی دیر تک آپس میں بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ دلائل کے مقابل دلائل دیئے جاتے رہے۔ ہر کوئی اپنی سوچ اور فکر کے مطابق بات کو آگے بڑھاتا رہا۔

اور پھر یک لخت اس محفل میں موجود تمام ہندو راجپوت کھڑے ہو گئے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی جھونپڑی کی جانب چل پڑے۔ کوئی انجانی سی طلسماتی قوت تھی۔ ایک

مقناطیسی کشش تھی جو انہیں مردِ قلندر کی جھونپڑی کی طرف لیے چلے جا رہی تھی۔

اور بالآخر وہ جھونپڑی کے قریب پہنچ گئے۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ مصلّے پر بیٹھے ذکر وفکر میں مصروف ہیں۔ آپ کے فارغ ہونے کا انہوں نے بڑی بے صبری کے ساتھ انتظار کیا اور جب آپ معمول کی ریاضت سے فارغ ہوئے تو انہوں نے جھٹ سے کہا:

''یا حضرت! ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمیں بھی مسلمان کر دیں۔ ہمیں وہ طریقہ بتائیں کہ جس سے ہم بھی اسی مذہب میں داخل ہو جائیں کہ جس کے آپ پیروکار ہیں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں کہا کہ سب لوگ غسل کر کے پاک صاف ہو کر آئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں جب وہ واپس پہنچے تو آپ نے انہیں کلمۂ شہادت پڑھایا۔ اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ بت پرست لمحہ بھر میں بت شکن ہو گئے۔ کئی خداؤں کو ماننے والے ایک خدائے بزرگ وبرتر، وحدہٗ لاشریک کے ماننے والے ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں تفصیل سے دینِ اسلام کی بنیادی باتوں کے بارے میں بتایا۔ اسلام کے بنیادی اراکین کا اجمالی تعارف کرایا۔ وضو کا طریقہ بتایا۔ نماز کا طریقہ سکھایا اور خاص طور پر وحدانیت پر گفتگو کی۔

وحدانیت کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے نبوت ورسالت اور خاص طور پر ختم نبوت پر گفتگو کی اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دینِ اسلام کی اشاعت میں کوششوں اور کاوشوں کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد وہ لوگ مسلمان ہو کر خوشی خوشی گھروں کو لوٹے۔

کفر کسی صورت بھی اسلام کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتا۔ اسلام کی ترقی کفر کی تباہی وبربادی ہے۔ اسلام ایک ازلی وابدی روشنی ہے جبکہ کفر محض تاریکی اور جہالت ہے۔ حق وباطل کی جنگ روزِ ازل سے جاری وساری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی۔ کفر کو وقتی برتری تو حاصل ہو سکتی ہے مگر فتح بالآخر حق ہی کی ہوتی ہے۔ راجپوت ہندوؤں تک جب یہ خبر پہنچی کہ ان کے کچھ ساتھی مشرف بہ اسلام ہو گئے ہیں اور انہوں نے ہندومت چھوڑ کر دینِ اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ از حد سیخ پا ہوئے۔

انہوں نے ایک بہت بڑی میٹنگ بلائی اور طے ہوا کہ اس میٹنگ میں ان افراد کو بھی مدعو کیا جائے جنہوں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت اور نبیٔ آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقانیت کی گواہی دی ہے۔

دیئے گئے مقام اور وقت کے مطابق میٹنگ شروع ہوئی۔ ہر ایک نے باری باری اپنے غصے کا اظہار کیا اور اسلام قبول کرنے والے سابقہ ہندو راجپوتوں کو برا بھلا کہا۔ انہیں دیوتاؤں کے غضب سے ڈرایا اور ہندو معاشرے میں ان کی رسوائی وذلت کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے نومسلموں

سے پوچھا۔ ''آخر یہ تو بتاؤ کہ تمہیں اس جھونپڑی والے کی باتوں میں کیا مفاد، کیا کشش اور کیا جاذبیت محسوس ہوئی جو تم اس کے چکر میں آ گئے؟'' انہوں نے کڑک کر بے دھڑک جواب دیا۔ ''ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ ہمارے دلوں نے گواہی دی کہ وہ سچا ہے، اس کا مذہب سچا ہے، وہ حق پر ہے، ہمیں اپنے دلوں پر قابو نہیں رہا اور ہم بے اختیار اس کی طرف کھنچے چلے گئے۔''

ہندو راجپوتوں نے نومسلموں سے کہا۔ ''کیا تم نے اس خدا کو دیکھا ہے جس پر تم ایمان لے آئے ہو جبکہ ہمارے دیوتا ہماری نظروں کے سامنے ہیں؟ کیا تمہارے آباء واجداد پاگل اور بے وقوف تھے جو وہ ان دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے؟ کیا تم نے ایسا کر کے اپنے آباء واجداد کی روحوں کو دکھ نہیں پہنچایا؟''

نومسلموں نے کہا۔ ''یہ دیوتا جن کی تم پوجا کرتے ہو یہ تو تمہارے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔ تم خود ان کو پتھروں سے تراشتے ہو۔ کیا پتھر بھی خدا ہو سکتے ہیں؟ یہ اپنی کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتے ہماری کیا مدد کریں گے۔ نیچے زمین پر گر پڑیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ کیسے دیوتا ہیں؟ ذرا سوچو تو سہی! تم غلطی پر ہو۔ ہماری مانو تو تم بھی اس خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ جو تمام جہانوں کا مالک و خالق ہے۔ جو ہر چیز پر قادر ہے۔ جس کے قبضے میں ہماری جان ہے۔''

ہندو راجپوتوں نے نومسلموں کی یہ باتیں سنیں تو وہ اور زیادہ غصے میں آ گئے۔ تاہم انہوں نے انتہائی چالاکی اور عیاری کے ساتھ چال چلنے کی کوشش کی۔ انہوں نے نومسلموں سے کہا۔ ''اگر تم لوگ اپنے پرانے عقیدے پر واپس لوٹ آؤ تو ہم تمہیں سونے چاندی سے لاد دیں گے۔ تم جو چاہو، جو طلب کرو، جو خواہش کرو، تمہاری ہر خواہش اور ہر آرزو پوری کی جائے گی اور اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو تمہاری زندگی اجیرن کر دی جائے گی۔ تمہیں برادری سے خارج کر دیا جائے گا۔ تم پر ہر قسم کا ظلم کرنے سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ تمہیں جیتے جی، موت سے بھی بدتر حالت سے گزرنا پڑے گا۔ تمہیں کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا جائے گا۔ تمہاری تمام جائیداد اور مال و اسباب ضبط کر لیے جائیں گے۔ اب بھی وقت ہے کہ تم سوچ لو اور ہمیں اچھی طرح سوچ کر اپنے فیصلے سے آگاہ کرو۔''

نومسلموں نے پوری استقامت اور جرأت و شجاعت سے کہا۔ ''دنیا کا کوئی لالچ، کوئی خوف، کوئی ڈر اور کوئی ظلم ہمیں صراطِ مستقیم سے قطعاً نہیں ہٹا سکتا۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ جاؤ جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ تم ہمیں صبر و استقامت والا پاؤ گے۔'' اس پر نومسلموں کو برادری سے خارج کر دیا گیا۔

اُس وقت دہلی اور اجمیر پر راجہ پرتھوی راج چوہان کی حکومت تھی۔ کچھ ہندوؤں نے جو انتہا پسند تھے راجہ پرتھوی راج چوہان کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور مشورہ دیا کہ ان چند نومسلموں کو قتل کروا دیا جائے تاکہ آئندہ کسی کو بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہو۔ اس طرح یہ قصہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا مگر راجہ پرتھوی راج چوہان نے انتہائی دانش مندی اور دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انتہا پسند ہندوؤں کی اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ البتہ اس نے ان نومسلموں پر

معاشی پابندیاں عائد کر دیں۔ راجہ سمجھتا تھا کہ اگر ان نومسلموں کو قتل کر دیا تو ان کے جملہ رشتہ دار جو کہ ہندو ہیں وہ اس کے مخالف ہو جائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی انتہا پسندی اور ضد کا مظاہرہ کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ پھر وہ کس کس کو قتل کرائے گا۔ اُس نے ان پر معاشی پابندیاں لگا کر ایک حد تک انتہا پسند ہندوؤں کو قدرے ٹھنڈا کر دیا۔ ان تمام پابندیوں، سختیوں اور دھمکیوں کے باوجود نومسلموں نے کمال ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ یہ سب کچھ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی بے مثل و بے مثال شخصیت کا اثر تھا۔

جو بتوں کو پوجتے تھے ، وہ موحد بن گئے
قاسم سرمایۂ ایستاں ، معین الدین حسنؒ
حکمراں ہے اور دلوں ، ذہنوں پہ ہے وہ حکمراں
تاقیامت ہند کا سلطان ، معین الدین حسنؒ

نومسلموں کو برادری سے خارج کر دیا گیا اور ان پر معاشی پابندیاں لگا دی گئیں تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے کہا۔ ''تم میرے پاس آ کر رہو۔ ایک اور جھونپڑی ڈال لو اور اس میں رہائش اختیار کر لو۔ رب رازق و رزاق ہر ذی روح کو رزق دینے والا ہے۔ مجھے اور تمہیں بھی وہی رزق دے رہا ہے اور دیتا رہے گا۔'' چنانچہ نومسلموں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مشورہ پر عمل کیا اور آپ کے پاس ہی آ کر رہنے لگے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ صبح و شام ان نومسلموں سے خطاب فرماتے۔ ان کی تربیت کرتے اور وحدانیت کے اسرار و رموز سے انتہائی سادہ اور آسان لفظوں میں آگاہ کرتے۔ آپ انہیں بتاتے کہ بالآخر فتح حق کی ہوتی ہے۔ تمہارا دشمن ذلیل و خوار ہو گا اور تمہیں عزت اور قدر و منزلت عطا ہو گی۔ رب تعالیٰ اپنے بندوں پر اتنا ہی بوجھ ڈالتے ہیں جتنی ان میں سکت ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے جو مرید اور ارادت مند ملتان اور لاہور میں رہتے تھے انہیں جب صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ بھی اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں پہنچ گئے اور اب تو وہاں بہت بڑا اجتماع ہو گیا۔ فرزندانِ توحید کے اس اجتماع نے جنگل میں منگل کر دیا۔ صبح شام عبادت و ریاضت، قرآن پاک کی تلاوت اور احادیث کے درس نے محفل کو چار چاند لگا دیئے۔ یہ بات پرتھوی راج تک پہنچی تو اس نے سخت خفگی کا اظہار کیا اور حکم دیا کہ معاشی پابندیاں مزید سخت کر دی جائیں مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ رزق دینے والی تو صرف اور صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے جو پتھر میں پوشیدہ کیڑے کو بھی رزق فراہم کرتی ہے۔ اور خدا کا کرنا بھی کچھ ایسا ہوا کہ اس دفعہ جنگلی پھلوں کی بہتات ہوئی اور وہ درخت جنہوں نے پھل دینا بند کر دیئے تھے انہوں نے بھی پھل دینا شروع کر دیئے اور جو خوشبو اور مٹھاس

اس دفعہ پھلوں میں تھی وہ پہلے کبھی نہیں تھی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ کے نزدیک ہی ''اناساگر'' نامی ایک وسیع وعریض خوبصورت تالاب تھا۔ اس تالاب سے سبھی لوگ پانی لے کر استعمال میں لاتے تھے۔ ہندو اسے مقدس تالاب سمجھتے تھے کیونکہ اس تالاب کے چاروں جانب بڑے بڑے مندر تھے اور یہ جگہ بت پرستی کا مرکز تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا تاکہ کفر کی اسی تاریک جگہ سے ہی شمع اسلام کو روشن ومنور کیا جائے۔ بقول شاعر۔

انا ساگر سے اٹھا نعرۂ تکبیر کا شور
انا ساگر سے بڑھا ہند میں تبلیغ کا زور
انا ساگر پہ بچھی مسندِ درس و ارشاد
بن گیا ہند میں اجمیر ہدایت آباد

اُن دنوں جب کہ پرتھوی راج نے مسلمانوں پر اقتصادی پابندیاں سخت سے سخت تر کر دی تھیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک غلام و خادم اپنے پیر ومرشد اور رہبر ورہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے وضو کے لیے انا ساگر سے پانی لینے گیا تو وہاں خلافِ معمول راجپوت سپاہی تعینات تھے۔ انہوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے ارادت مند کو پانی لینے سے روک دیا۔ آپ کے ارادت مند نے کہا۔ ''ہم روزانہ تو یہاں سے پانی لیتے ہیں مگر آج ہمیں کیوں روکا جا رہا ہے؟''

ہندو سپاہیوں نے کہا۔ ''تم پر اقتصادی پابندیاں لگا دی گئی ہیں۔ اس لیے تم یہاں سے پانی نہیں لے سکتے۔ اب تم لوگ ہمارے لیے اچھوت ہو۔ یہ ہمارا مقدس تالاب ہے۔ اس لیے اسے ناپاک نہ کرو۔ جاؤ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خادم خاص نے ہندو سپاہیوں کو سمجھانے کی کافی کوشش کی مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے اور انہوں نے پانی بھرنے سے قطعی طور پر روک دیا۔ مجبوراً حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا خادم خاص خالی برتن لے کر واپس لوٹا اور آپ کو تمام ماجرا بتایا۔ آپ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے اور پھر یکایک آپ نے اپنے خادم خاص سے کہا۔ ''اس برتن کی بجائے یہ میرے استعمال کا چھوٹا سا برتن لے جاؤ اور جا کر ان سپاہیوں سے کہو کہ آج اس چھوٹے سے برتن میں تھوڑا سا پانی لے لینے دیں۔ اس کے بعد ہم کوئی دوسرا انتظام کر لیں گے۔''

خادم خاص دوبارہ انا ساگر تالاب پر پہنچا اور سپاہیوں سے درخواست کی اور وہی الفاظ استعمال کیے جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ نے اسے بتائے تھے۔ سپاہیوں نے برتن کی جانب دیکھا۔ خادم خاص کا معصوم چہرہ دیکھا۔ اس کا عاجزانہ طرزِ تکلم سنا تو انہوں نے تمسخر

آمیز قہقہے لگائے اور پھر حاتم طائی کی قبر پر لات مارتے ہوئے کہا۔ ''آج اس چھوٹے سے برتن کو بھر لے اور اسے غنیمت جان! آئندہ ادھر کا رخ نہ کرنا ورنہ ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔ جا! جا کر یہ برتن بھر لے۔ کیا یاد کرے گا کہ کسی نے سخاوت کی تھی!''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خادم خاص نے انا ساگر تالاب پر جا کر جیسے ہی وہ چھوٹا سا برتن بھرنے کے لیے تالاب میں ڈالا تو تالاب کا تمام تر پانی اس چھوٹے سے برتن میں سمٹ آیا جبکہ تالاب میں ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ خادم خاص یہ دیکھ کر سخت حیران ہوا اور وہ سپاہی جو ابھی تک قہقہے لگا رہے تھے ان کے قہقہے غم والم اور حیرت وحیرانی کے جذبات واحساسات میں ڈھل گئے۔ ہر کوئی حیرانی وپریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ یہ کیسا کرشمہ تھا! یہ کس طرح کا کمال تھا کہ پورا کا پورا تالاب ایک چھوٹے سے برتن میں سمٹ گیا تھا۔ دریا کو کوزے میں بند کرنے کا محاورہ تو سب نے سنا تھا مگر اس کا عملی مظاہرہ آج وہاں موجود سب افراد نے دیکھ لیا تھا۔ اتنے میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیلی تو لوگ دوڑے ہوئے وہاں پہنچے تو سب نے کھلی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا خادم خاص چھوٹا سا برتن ہاتھ میں لیے کھڑا ہے جس میں پانی ہے جبکہ تمام تالاب ایسے خالی ہے جیسے کبھی اس میں پانی تھا ہی نہیں۔

پرتھوی راج کے سپاہی جنہیں تالاب کی نگرانی کے لیے وہاں کھڑا کیا گیا تھا وہ یہ منظر دیکھ کر اس قدر دہشت زدہ ہوئے کہ وہاں سے دوڑ گئے تاہم حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا خادم خاص کچھ دیر وہاں ٹھہر کر ہندوؤں کے حیرت زدہ اور خوفزدہ چہرے دیکھنے کے بعد واپس اپنے پیر ومرشد کے پاس پہنچا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو سارا ماجرا بتایا۔ آپ نے اپنے ارادت مندوں سے کہا۔ ''رب تعالیٰ کی ذات کس قدر بے نیاز ہے۔ ہندو رب تعالیٰ کی ایسی چیز کو لینے سے روک رہے تھے جو بے قیمت ملتی ہے اور بے حد وحساب ملتی ہے اور رب تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ اس نے تمام تالاب کو اس چھوٹے سے برتن میں سمو دیا ہے۔ بے شک رب تعالیٰ کی ذات قادر وقدیر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ ہر چیز کے مالک میرے اللہ ہی ہیں اور یہ ہندو سمجھ رہے تھے کہ وہ تالاب کے مالک ہیں چنانچہ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے انہیں بتا دیا کہ انہیں غلط فہمی ہے۔''

تالاب کے کنارے سارا اجمیر شہر امڈ آیا تھا۔ جس نے یہ خبر سنی وہاں پہنچا اور رب کی قدرت کا نظارہ کیا مگر بہت کم تھے جنہوں نے اس سے سبق حاصل کیا۔ اکثر ہندوؤں نے اسے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے جادو کا کمال جانا بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہا کہ یہ بہت بڑا ساحر ہے۔ اس کے جادو کا علاج اور خاتمہ ضروری ہے جس کے لیے کسی بہت بڑے جادوگر بلکہ کافی سارے جادوگروں کی خدمات حاصل کرنا پڑیں گی۔

اب پرتھوی راج کو فکر دامن گیر ہوئی کہ تالاب میں پانی کیسے لایا جائے۔ اس نے تنہائی میں علیحدہ علیحدہ اپنے وزراء اور مصاحبین سلطنت سے مشورہ کیا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو دھوکے سے قتل کر دیا جائے جس کا الزام پرتھوی راج کے سر نہ آئے۔ کسی نے کہا کہ فی الحال صبر سے کام لیا جائے اور پھر کسی موقع پر جبکہ مسلمان اور ہندو اس واقعے کو بھول چکے ہوں ایسا پُر زور حملہ کیا جائے کہ مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔ ایک بوڑھے ہندو نے مشورہ دیا کہ وقتی طور پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی منافقانہ چال کے ساتھ منت سماجت کی جائے اور انہیں مجبور کیا جائے کہ پانی تالاب میں واپس لائیں اور پھر کسی مناسب موقع کی تلاش میں رہا جائے اور حسبِ موقع وحسبِ منشاء اس بات کا انتقام لیا جائے جبکہ مسلمان غفلت کی نیند سو رہے ہوں اور انہیں ظاہری طور پر مکمل یقین واعتماد ہو کہ ہندو ان کے خلاف نہیں ہیں یعنی دوست بن کر وار کیا جائے۔

بوڑھے مگر چالاک وعیار ہندو کی اس تجویز پر سب متفق ہو گئے اور طے ہوا کہ سرکردہ ہندوؤں پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا جائے۔ جس کی سربراہی وہی بوڑھا ہندو کرے جس نے یہ تجویز دی ہے تاکہ کسی موقع پر اگر کوئی فرد غلطی کرے تو وہ اس وقت صورتِ حال کو سنبھال لے۔

یہ وفد پوری تیاری کے ساتھ عیاری کی چادر لپیٹے منافقانہ عاجزی وانکساری ماتھے پہ سجائے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں پہنچا۔ وفد کے اراکین نے دستہ بستہ عرض کی۔ "آپ بہت نیک شخصیت ہیں۔ اس علاقے کے لیے اور اس علاقے کے عوام کے لیے ایک نعمت ہیں۔ ہم سپاہیوں کے گستاخانہ رویہ کی جان ودل سے معافی مانگتے ہیں۔ ان سے انجانے میں غلطی ہوئی۔ انہیں مکمل یقین نہیں تھا کہ وہ شخص آپ ہی کا خادم خاص ہے۔ انہوں نے سمجھا شاید کوئی عام آدمی ہے۔ بہرحال آپ کی عظمت ورفعت کا تقاضا یہی ہے کہ آپ ہمیں معاف فرما دیں اور محض عوام الناس کی بہتری اور فلاح کی خاطر انا ساگر تالاب کے پانی کو جاری وساری فرما دیں۔ اس سے عوام کی تکلیف دور ہو جائے گی۔ وہ پانی کی بوند بوند کو ترس رہے ہیں۔ اسی تالاب پر ان کا گزارا تھا۔ آپ رحم فرمائیں اور ان کی خطا معاف کر دیں۔ اگر آپ نے انا ساگر تالاب کو جاری نہ فرمایا تو بہت سے انسان پیاسے مر جائیں گے۔ انہوں نے غلطی کی ہے۔ آپ تو اونچے مرتبے پر ہیں۔ آپ کے شایانِ شان یہی ہے کہ ان کی غلطی کو معاف فرما دیں تاکہ محض چند افراد کی غلطی کی وجہ سے ایک بہت بڑی مخلوق کو تکلیف نہ پہنچے۔"

وفد کے اراکین باری باری بولتے چلے جا رہے تھے۔ ان کی گفتگو اگرچہ بظاہر انکساری والی تھی مگر عیاری اور مکاری سے لبریز تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ ان کے اس منصوبے کو مکمل طور پر سمجھ چکے تھے تاہم پھر بھی آپ نے مناسب یہی سمجھا کہ تالاب کو رواں دواں کر دیا جائے تاکہ یہ فیض عام جاری وساری ہو سکے۔ آپ نے وفد کے اراکین سے کہا:

"دیکھو! ہمارا مقصد محض تم لوگوں کو تنبیہہ کرنا تھا ورنہ ہمارا مذہب اسلام تو کسی کتے کو بھی پیاسا نہیں دیکھ سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم تم پر پانی بند کر دیں۔ ایسا کام تم لوگ کر سکتے ہو اور تم نے کیا بھی ہے مگر ہم سے ایسی توقع نہ رکھی جائے۔"

اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے خادم خاص کو بلایا۔ جب وہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے کہا۔ "وہ ہمارا چھوٹا برتن لاؤ جس میں تالاب کا پانی لائے تھے۔" خادم خاص دوڑا ہوا گیا اور وہ برتن لے آیا۔ آپ نے اس برتن کے پانی میں اپنی شہادت کی انگلی ڈبوئی اور پھر خادم خاص سے کہا۔

"اسے انا ساگر تالاب پر لے جاؤ اور آہستہ آہستہ اس میں انڈیل دو۔ خیال رہے کہ اس برتن میں ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے۔" خادم خاص دوڑا ہوا گیا اور اس نے اس برتن کا پانی تھوڑا تھوڑا کر کے انا ساگر تالاب میں انڈیل دیا۔ پانی کا پہنچنا تھا کہ انا ساگر تالاب لبا لب بھر گیا۔ یہ دیکھ کر ہندوؤں کے چہروں پر چھائے اداسی کے گہرے سائے روشنیوں میں بدل گئے۔ وہ کھلکھلا اٹھے اور خوشی سے ناچنے لگے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے یہ موقع غنیمت جان کر ان سے کہا:

"دیکھو اور اچھی طرح جان لو کہ ربِ تعالیٰ کسی کو بار بار مہلت نہیں دیتے۔ یہ تمہاری ہٹ دھری ختم کرنے کے لیے تمہیں تنبیہہ کی گئی تھی۔ اب بھی وقت ہے کہ بت پرستی چھوڑ کر رب وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ وہی ذات تمام جہانوں کی خالق ومالک ہے۔ سب اسی کے بندے ہیں۔ وہ ہر کام کرنے پر قدرت رکھتی ہے۔ چاہے تو دریا کو کوزے میں بند کر دے اور چاہے تو کوزے سے دریا رواں کر دے۔ یہ سب تم نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ عقل والوں کے لیے اس میں بہت بڑی نشانی ہے۔" مگر ضدی اور ہٹ دھرم ہندو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی ان باتوں پر کان دھرے بغیر واپس چلے گئے۔

☆======☆======☆

ہندو راجپوتوں نے اپنی منافقانہ عاجزی وانکساری اور بناوٹی کارگزاری سے کام لیتے ہوئے انا ساگر تالاب کا پانی تو جاری کرا لیا حالانکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے ہندوؤں کی اس چالبازی ومکاری کے بغیر ہی عوام الناس کی فلاح کی خاطر اسے جاری کر دینا تھا مگر ہندوؤں نے اسے اپنی سیاسی چال کی کامیابی سمجھا۔ تاہم اب وہ مزید وقت ضائع کئے بغیر اپنے مسلم دشمن منصوبے پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیاریاں کرنے لگے۔ تنہائیوں اور خلوتوں میں مشورے ہونے لگے۔ ہر ہندو غور وفکر کر رہا تھا کہ کس طرح حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے نجات حاصل کی جائے۔ کون سی ایسی چال، کون سی ایسی تدبیر اور کون سا ایسا منصوبہ رُو بہ عمل لایا جائے کہ جس سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی سرِ عام بے عزتی بھی ہو اور شکست

بھی ہوتا کہ وہ اپنی فتح کا جشن منا سکیں۔ اب تک ہندوؤں کو مسلسل شکست در شکست ہو رہی تھی جس سے ان کے بغض و عناد اور اسلام دشمنی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

کافی صلاح مشورے کے بعد سب اس بات پر متفق ہوئے کہ اجمیر کے بہت بڑے جادوگر رام دیو سے رابطہ کر کے اس کی خدمات حاصل کی جائیں اور اس سے کہا جائے کہ وہ اپنے جادو کے زور سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو شکست دے کر اجمیر سے نکال دے۔

اس موقع پر پرتھوی راج کو اپنی والدہ کی وہ بات یاد آئی جو اس نے اپنے علم نجوم اور علم کہانت کے بل بوتے پر کہی تھی۔ اس نے کئی سال پہلے کہا تھا۔ ''پرتھوی راج! میرا علم یہی بتاتا ہے کہ کسی روز اجمیر میں ایک درویش کا ورود ہوگا۔ اگر اس درویش کو ستایا گیا اور تنگ کیا گیا تو پھر ہندوؤں کی سلطنت کے زوال کا سخت خطرہ ہے۔'' مگر پرتھوی راج نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور حکم دیا کہ رام دیو جادوگر کو فوری طور پر بلایا جائے کیونکہ تمام ہندو اس بات پر زور دے رہے تھے کہ رام دیو ہی اس معاملے پر قابو پا سکتا ہے۔

رام دیو ایک قوی الجثہ شخص تھا اور کئی سفلی طاقتوں کا مالک تھا۔ راجہ سمیت تمام ہندو اس کے ازحد معترف اور معتقد تھے۔ اس نے جادوگری کے اعلیٰ و ارفع اور حیرت انگیز کمالات دکھائے تھے۔ اس کی شیطانی طاقتوں کا لوہا مانا جاتا تھا۔ رام دیو جادوگر جب راجہ پرتھوی راج کا پیغام پا کر اس کے پاس حاضر ہوا تو راجہ پرتھوی راج نے اسے انتہائی اعزاز و تکریم کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا اور اس کی خوب خاطر تواضع کی۔ اپنی اس قدر آؤ بھگت دیکھ کر رام دیو جادوگر خود بھی حیران تھا لیکن اس کی چھٹی حِس نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ راجہ پرتھوی راج کو لازماً اس سے کوئی ایسا کام کرانا ہے جس کی وجہ سے راجہ پرتھوی راج کافی حساس اور سنجیدہ ہے۔ اور بالآخر وہی ہوا جس کا رام دیو جادوگر نے سوچا تھا۔ دو دن کی شاہی مہمان نوازی اور تعظیم و تکریم کے بعد تیسرے روز راجہ پرتھوی راجہ نے رام دیو جادوگر کو دیوان خاص میں تنہا ملاقات کے لیے بلایا۔ وہاں کسی اور شخص کو آنے کی اجازت نہ دی گئی۔

راجہ پرتھوی راج نے رام دیو جادوگر سے کہا۔ ''اپنے جادو کا خاص چمتکار دکھاؤ۔ اپنے طلسماتی داؤ آزماؤ۔ اپنا تمام علم، تمام ہنر اور تمام تجربہ صرف کرو اور اس بستی کو مسلمانوں کے وجود سے پاک کر دو۔ ان کی وجہ سے ہمارے دھرم کو خطرات لاحق ہو گئے ہیں اور آئے روز ایک معقول تعداد میں ہندو اپنا دھرم چھوڑ کر مسلمانوں کے قبیلے میں شامل ہو رہے ہیں۔ یہ صورتِ حال انتہائی خطرناک ہے۔ اس لیے بھگوان کی خوشی کی خاطر ان مسلمانوں کے ''جادوگر'' (حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ) کے جادو کو یکسر نیست و نابود کر دو۔ تاکہ نہ رہے گا بانس تو نہ بجے گی بانسری اور ہاں یاد رکھو کہ تمہیں منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ جو چاہو گے ملے گا مگر شرط یہ ہے کہ تم ہماری چاہت پوری کرو۔ تمہارے اس ''اچھے'' کام سے بھگوان بھی خوش ہوگا، عوام بھی خوش ہوں گے اور ہم بھی خوش ہوں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمہاری شہرت و عزت میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔ ابھی جاؤ اور اسی کام کی

منصوبہ بندی میں لگ جاؤ۔ ہماری کسی مدد کی ضرورت ہو تو ہمیں فوری اطلاع کرو۔ ہمارا ہمہ قسم کا تعاون تمہارے ہمرکاب ہوگا۔''

رام دیو ایک ماہر جادوگر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین معاملہ فہم اور موقع شناس شخص تھا۔ اس نے رپرتھوی راج سے کہا۔ ''آپ تسلی اور اطمینان رکھیے۔ کام آپ کی مرضی کا جبکہ انعام ہماری مرضی کا ہوگا۔'' دراصل وہ راجہ پرتھوی راج سے انعام کے حوالے سے پکا وعدہ لینا چاہتا تھا۔ راجہ پرتھوی راج نے کہا۔ ''رام دیو! یہ تو ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔ اور یاد رکھو کہ ہماری زبان سے نکلا ہوا لفظ واپس نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی ہم نے کبھی وعدہ خلافی کی ہے۔''

رام دیو جادوگر جیسے ہی راجہ پرتھوی راج سے ملاقات کر کے باہر آیا تو پہلا خیال جو اس کے ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ لازماً ایسی قوت و طاقت رکھتے ہیں جو اپنی مثال آپ ہے۔ اگر چھوٹی موٹی بات ہوتی تو راجہ پرتھوی راج مجھے نہ بلاتا اور نہ ہی اتنی تعظیم و تکریم کے ساتھ ساتھ منہ مانگے انعام کا اعلان کرتا۔ چنانچہ یہ بہتر ہوگا کہ میں اپنے سفلی علم اور شیطانی قوتوں کے ذریعے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی طاقت کا پہلے علم اور اندازہ لگاؤں اور پھر کوئی وار کروں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلے ہی وار میں شکست کھا جاؤں۔ اس لیے انتہائی سمجھ داری اور منصوبہ بندی کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔

چنانچہ رام دیو جادوگر نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی طاقت کا اندا لگانے کے لیے اپنے مؤکل اور تابع جنات و شیاطین کو اس کام پر مامور کیا۔ کئی دنوں کی محنت کے بعد رام دیو کو بتایا گیا کہ اس مسلمان مردِ قلندر کو شکست دینا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اس پر رام دیو جادوگر انتہائی پریشان اور مغموم ہوا۔ اسے اس بات کا غم کھائے جا رہا تھا کہ وہ راجہ پرتھوی راج کو کیا جواب دے گا۔ مزید یہ کہ اس کی ساری شہرت و عزت خاک میں مل جائے گی۔ لوگ اسے طعن و تشنیع سے ہی مار ڈالیں گے۔ اس نے اپنے زیرِ اثر جنات کے ذمہ کام لگایا کہ کوئی نہ کوئی صورت ایسی نکالی جائے کہ مسلمان مردِ مومن کو زیر کیا جا سکے۔

اور بالآخر چند روز کے بعد ایک سردار جن نے رام دیو جادوگر کو اطلاع دی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو شکست دی جا سکتی ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی رام دیو جادوگر کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اس نے فوری طور پر اپنے تمام شاگردوں اور چیلوں کو بلوایا اور اطلاع دینے والے سردار جن کی ہدایت کی روشنی میں اپنے چیلوں کو مختلف قسم کے نئے منتر سکھائے جن پر انہوں نے کئی روز تک مشق جاری رکھی۔ اور جب رام دیو نے یہ سمجھا کہ اب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ پر حملہ کرنے کا مناسب وقت ہے تو وہ اپنے چیلوں کی فوج ظفر موج لے کر منتر پڑھتا ہوا حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی جھونپڑی کی جانب چل پڑا۔

رام دیو جادوگر کے چیلے بھی منتر پڑھتے ہوئے اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ جب حضرت

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے نومسلم ارادت مندوں نے دیکھا کہ جادوگروں کا ایک غول اس طرف آ رہا ہے تو انہوں نے قدرے گھبراہٹ کے عالم میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو اطلاع دی۔ اس وقت آپ نوافل سے فارغ ہی ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے نومسلم عقیدت مندوں کو تسلی دی۔ ''گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ رب قادر وقدیر کی ذات پاک ہمارے ساتھ ہے۔ ان شاء اللہ ان جادوگروں کو شکستِ فاش ہوگی اور حق سر بلند ہوگا۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اپنی قیام گاہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے اک نگاہ جلال رام دیو پر ڈالی تو وہ وہیں جامد و ساکت ہوگیا۔ اس کے چیلوں نے یہ سمجھا کہ شاید رام دیو کوئی شیطانی چال چل رہا ہے اس لیے انہوں نے زور زور سے رام، رام کہنا شروع کر دیا مگر اس لمحے رام دیو کے چیلوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے سنا کہ ان کا استاد رام دیو کانپتے جسم اور کپکپاتی زبان کے ساتھ رحیم، رحیم پکار رہا ہے۔

رام دیو جادوگر کے چیلوں نے جب اپنے گرو کی یہ حالت دیکھی تو چند لمحوں کے لیے تو وہ سکتے میں آ گئے۔ انہوں نے پھر غور سے اپنے گرو کی زبان سے نکلتے لفظوں کو غور سے سنا۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا مگر رام دیو تو واضح الفاظ میں رحیم، رحیم پکار رہا تھا۔ جب رام دیو کے چیلوں کو مکمل یقین ہوگیا کہ ان کا گرو ''گمراہ'' ہوگیا ہے تو انہوں نے رام دیو کے خلاف جو منہ میں آیا کہا۔ انہوں نے لعن طعن اور دشنام طرازی کی تمام حدیں پھلانگ لیں۔

رام دیو اپنے چیلوں کی اس حرکت کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے اپنے چیلوں پر بھرپور حملہ کر دیا۔ اس نے راستے میں پڑے پتھروں اور لکڑیوں سے ان پر ایسے وار کیے کہ کئی چیلے گھائل کر دیئے۔ باقی فرار ہوگئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے پانی سے بھرا ایک پیالہ رام دیو کی جانب اپنے ایک ارادت مند کے ذریعے بھیجا۔ رام دیو نے وہ پانی پیا اور دوڑ کر آپ کے پاس پہنچا اور درخواست کی کہ مجھے دائرہ اسلام میں داخل فرما لیجیے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے کلمہ شہادت پڑھایا اور یوں جو شکار کرنے آیا تھا وہ خود شکار ہوگیا اور مشرف بہ اسلام ہو کر آپ کے عقیدت مندوں میں داخل ہوگیا۔

نگاہِ مست سے جام شرابِ چشت پلا
کہ تشنہ لب تیرے میخوار ہیں غریب نوازؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے رام دیو کے مسلمان ہونے کے بعد اس کا نام شادی دیو رکھ دیا اور اسے احکام شریعت کی تعلیم دی اور وہ جلد ہی آپ کے مقرب ارادت مندوں میں شمار ہونے لگا۔

راجہ پرتھوی راج چوہان کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ غصے سے جھلا اٹھا۔ اس کے صبر و ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے اور وہ اپنے وزراء اور مصاحبین پر برس پڑا اور انہیں برا بھلا کہنے لگا کہ

ان ہی کی مشاورت و منصوبہ بندی ناقص تھی جس کی وجہ سے آج یہ دن دیکھنا پڑا ہے۔ راجہ پرتھوی راج چوہان کے غصے کی انتہا دیکھ کر ایک عمر رسیدہ و جہاندیدہ مصاحب نے کہا۔ ''جناب عالی! یہ تو ہم نے محض جنگ کا آغاز کیا ہے اور پہلا داؤ آزمایا ہے۔ اس میں مسلمانوں کی فتح کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ابھی تو ہمارے پاس کئی داؤ ہیں جنہیں ہم آزمائیں گے تو مسلمانوں کو لازمی شکست ہوگی۔ مسلمانوں کی یہ وقتی فتح ان کو بے خبری اور مدہوشی کی نیند سلا دے گی۔ وہ ہماری طرف سے بے فکر ہو جائیں گے اور پھر ہم اچانک حملہ کر کے ان کو زیر کر لیں گے۔ مسلمانوں کو زیر و زبر کرنے کے لیے صرف جوگی جے پال ہی کافی ہے۔ وہ اس قدر عظیم جادوگر ہے کہ پوری دنیا میں اس کا ہم پلہ کوئی نہیں۔ صرف چند دن انتظار کیجیے مسلمانوں کو اچھی طرح بے خبر ہو لینے دیجیے۔ پھر دیکھنا کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کا حشر کیا ہوتا ہے!''

جوگی جے پال کا نام سن کر راجہ پرتھوی راج چوہان کی جان میں جان آئی۔ اس کا سارا غصہ کافور ہوگیا۔ اب وہ مکمل طور پر پُرامید ہوگیا کہ چند ہی روز میں مسلمانوں کا صفایا ہو جائے گا کیونکہ جوگی جے پال انتہائی نامی گرامی جادوگر تھا جس نے دنیا کے تمام جادوگروں کے مقابلے میں فتح حاصل کی تھی۔ اس کی شہرت و مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دنیا کے کونے کونے سے لوگ اس کے پاس پہنچتے تھے اور اس سے جادو کے کام کراتے تھے۔ اس نے کبھی کسی سے شکست نہیں کھائی تھی اور نہ ہی کبھی جادو کے کسی داؤ یا وار میں ناکام رہا تھا۔ جنات و شیاطین کے بڑے بڑے سردار اس کے تابع فرمان تھے اور وہ چھوٹے کاموں میں کبھی ہاتھ نہیں ڈالتا تھا۔ انہیں وہ اپنے چیلوں کے سپرد کر دیتا تھا۔ وہ صرف انہی کاموں کے لیے اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کرتا تھا جو اس کے چیلوں کی پہنچ سے باہر ہوتے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ ''کوئی بڑا کام ہو تو لاؤ تا کہ اس کے کرنے میں مزہ بھی آئے۔''

راجہ پرتھوی راج چوہان نے اسی لمحے حکم دیا۔ ''جوگی جے پال جہاں کہیں بھی ہو۔ اسے انتہائی عزت واحترام کے ساتھ دربار شاہی میں لا کر ہم سے ملاقات کرائی جائے اور یہ بھی یاد رہے کہ اس بات کی شاہی محل سے باہر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔''

ہرکارے اور شاہی خدمت گار دوڑے ہوئے گئے اور جوگی جے پال کو مہمانداری کی بگھی میں بٹھا کر لے آئے۔ وہ اسے شاہی محافظوں کے پہرے میں راجہ پرتھوی راج چوہان کے کمرۂ خاص میں لے گئے جہاں راجہ پرتھوی راج چوہان بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا اور اس نے حکم دے رکھا تھا کہ جوگی جے پال کو بغیر کسی رکاوٹ کے اس کے کمرۂ خاص میں ہی لایا جائے۔

راجہ پرتھوی راج چوہان نے جیسے ہی جوگی جے پال کو دیکھا تو اپنی نشست سے اٹھ کر آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور اسے گلے لگا لیا حالانکہ راجہ پرتھوی راج چوہان نے کبھی کسی سے معانقہ نہیں کیا تھا۔ وہ صرف مصافحہ کیا کرتا تھا اور وہ بھی انتہائی اہم شخصیات سے، مگر جوگی جے پال کو

ضرورت سے زیادہ عزت دے کر راجہ پرتھوی راج چوہان نے مصاحبین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ راجہ پرتھوی راج چوہان نے اپنی انتہائی قریبی نشست پر جوگی جے پال کو بٹھایا اور خاطر تواضع کے لیے حکم دیا۔ انواع واقسام کے میوہ جات اور قسم قسم کی مٹھائیاں نیز طرح طرح کے مشروبات حاضر خدمت کر دیئے گئے۔ اب راجہ پرتھوی راج چوہان نے تخلیہ کا حکم دیا تو تمام مصاحبین حتیٰ کہ خدام بھی باہر چلے گئے۔

راجہ پرتھوی راج چوہان سے جوگی جے پال نے پہلا سوال یہی کیا۔ ''مہاراج! خیریت ہے کہ آپ نے بے وقت اور انتہائی عجلت میں مجھے طلب فرمایا ہے آپ کا ایک ادنیٰ سا ملازم مجھے صرف اشارہ ہی کر دیتا تو میں حاضر ہو جاتا۔ یہ اس قدر پُر تکلف تواضع اور انتہائی شان وشوکت کی سواری پر میری آمد میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مجھ سے کوئی انتہائی اہم کام لینا ہے جو اس قدر آؤ بھگت ہو رہی ہے۔''

راجہ پرتھوی راج چوہان نے کہا۔ ''جوگی جے پال! تم جتنے بڑے جادوگر ہو اتنے ہی بڑے مردم شناس ہو۔ موقع کی نزاکت و اہمیت کو سمجھنے میں تمہارا جواب نہیں۔ واقعی ایک انتہائی اہم کام تمہارے ذمہ لگانا ہے۔'' پھر راجہ پرتھوی راج چوہان نے رام دیو کا تمام قصہ اور اس کے مسلمان ہونے کا پورا واقعہ جوگی جے پال کو تفصیلاً بتایا اور کہا۔ ''اب یہ کام تم نے کرنا ہے اور انتہائی مہارت و ذہانت کے ساتھ کرنا ہے۔ انعام منہ مانگا ملے گا اور تمہیں یہ علم ہے کہ ہمارا کہا حرف آخر ہوتا ہے۔ ہم جہاں دشمنی شدت کے ساتھ کرتے ہیں وہاں ہماری دوستی بھی مثالی ہوتی ہے۔ آج سے تم ہمارے مقرب ترین دوستوں میں شامل ہو۔ اپنی ہر خوشی غمی میں تم ہمیں اپنے قریب تر پاؤ گے۔ بس ہمارا یہی ایک کام کر دو۔''

جوگی جے پال نے انتہائی جوشیلے انداز میں راجہ پرتھوی راج چوہان سے کہا۔ ''آپ خاطر جمع رکھیے۔ آج اِدھر ان مسلمانوں کا آخری دن ہے۔ ایسی ضرب لگاؤں گا کہ زمانہ یاد رکھے گا۔ مسلمانوں کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ پھر کوئی مسلمان اس سرزمین کا رخ نہیں کرے گا۔ میں رام دیو نہیں ہوں جو شادی دیو بن جاؤں گا۔ میرا نام ہے جے پال اور جے پال نے ہمیشہ جیتنا سیکھا ہے ہارنا نہیں۔ اب بھی جیت میری ہی ہے۔ وہ مسلمان چاہے جس قدر بھی روحانی طاقت وقوت کا مالک ہے میں اسے راکھ کر کے رکھ دوں گا۔ میری زندگی کا یہ معرکہ ایک یادگار معرکہ ہوگا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ فتح میرا ہی مقدر ہے۔ جیت میرے نام لکھ دی گئی ہے۔ شکست ہوگی ان مٹھی بھر مسلمانوں کو اور وہ بھی عبرت ناک اور خوفناک شکست! بس اب مجھے اجازت دیجیے اور میری فتح کی خوشخبری سننے کا انتظار کیجیے۔''

جوگی جے پال نے راجہ پرتھوی راج چوہان کے خلوت خانہ سے واپسی پر اپنے تمام شاگردوں اور چیلوں کو اپنے پاس بلایا۔ جوگی جے پال کے چیلے بھی جادوگری میں مہارت رکھتے تھے

اور بڑے بڑے معرکے سر کر چکے تھے۔ جوگی جے پال نے اپنے چیلوں کے مشورے ہی سے فیصلہ کیا کہ وہ خود حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر نہیں جائے گا بلکہ اس کے چیلے ہی اتنا دم خم رکھتے ہیں کہ اس مردِ قلندر کی روحانی طاقت وقوت کا تنہا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح جوگی جے پال کا نام اور سر بلند ہوگا کہ اس کے شاگردوں نے ہی اس مردِ مسلماں کا قصہ تمام کر دیا اور جوگی جے پال تک نوبت ہی نہیں آئی۔ یوں لوگ اس بات کے معترف ہو جائیں گے کہ شاگردوں کا یہ کمال ہے تو استاد کس درجہ اعلیٰ وارفع درجات کا مالک ہوگا اور اپنے فن میں کتنی مہارت رکھتا ہوگا۔

جوگی جے پال کی ہدایات پر کوئی پانچ صد کے قریب اس کے شاگرد بیک وقت حملہ آور ہونے کے لیے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ کی جانب چل پڑے۔ سب کی زبان پر منتر جاری تھے۔ انہوں نے اپنے جادوئی کمالات کا آغاز کیا تو چشمِ فلک نے دیکھا کہ اجمیر کی پہاڑیوں سے آگ کے فلک بوس شعلے بلند ہونا شروع ہو گئے۔ ان شعلوں نے سرعت کے ساتھ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ کی جانب سفر کرنا شروع کر دیا۔

راجہ پرتھوی راج چوہان لمحہ لمحہ کی صورتِ حال سے باخبر تھا۔ اس کے مخبر اسے پل پل کی خبر دے رہے تھے۔ اس نے جب سنا کہ شعلوں کی یلغار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ کی جانب بڑھ رہی ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اسے کامل توقع تھی کہ یہ آگ جیسے ہی وہاں پہنچے گی تمام مسلمانوں کو جلا کر خاکستر کر دے گی اور یوں مسلمانوں کا کام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمام ہو جائے گا۔

مگر وہ آگ ابھی کافی فاصلے پر ہی تھی کہ یکایک بجھ گئی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ تک نہ پہنچ پائی۔ جوگی جے پال کے شاگردوں نے یہ حربہ کئی بار آزمایا مگر ہر دفعہ آگ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی بجھ جاتی تھی۔

جوگی جے پال کے چیلوں نے اپنے اس داؤ کی ناکامی کے بعد ایک اور داؤ آزمایا۔ انہوں نے منتر پڑھے تو لاکھوں کی تعداد میں سانپ اور خوفناک اژدھے پیدا ہوئے جنہوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ جوگی جے پال کے چیلوں کو پورا یقین تھا کہ یہ سانپ اور اژدھے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ پر اور آپ کے ارادت مندوں پر حملہ آور ہو کر انہیں زہر آلود ڈنگ مار کر ہلاک کر دیں گے مگر ان سانپوں اور اژدھوں کا بھی وہی حشر ہوا جو آگ کے شعلوں کا ہوا تھا۔ یہ تمام سانپ اور خطرناک اژدھے جیسے ہی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ کے قریب پہنچتے تھے زمین پر سر پٹخ کر غائب ہو جاتے تھے۔ جوگی جے پال کے چیلوں کا یہ وار بھی خطا گیا۔ اس سے کاری وار ان کے پاس نہیں تھا۔ چنانچہ وہ سب اپنے استاد جوگی جے پال کے پاس حاضر ہوئے اور اپنی

شکست کا کھلے دل سے اعتراف کرلیا۔

دراصل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اور اپنے ارادت مندوں کے گرد ایک روحانی حصار کھینچ دیا تھا۔ جادوگروں کی تمام تر جادوگری اس حصار کے باہر دم توڑ جاتی تھی۔ اس حصار کے اندر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے عقیدت مند انتہائی اطمینان وسکون اور طمانیت قلب وذہن کے ساتھ یادالٰہی میں مصروف ومشغول تھے۔

جوگی جے پال کو اپنے چیلوں کی شکست سے بہت خفت اٹھانا پڑی۔ اب جوگی جے پال خود میدان میں اُترا۔ اسے کامل یقین تھا کہ وہ ایک ہی وار میں فتح کے جھنڈے گاڑ دے گا چنانچہ اس نے اپنا طاقتور ترین اور سب سے آخری حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ حربہ تھا جس کے سامنے دنیا کا کوئی جادو نہیں ٹھہر سکتا تھا مگر اسے یہ علم نہیں تھا کہ اس کا مقابلہ کسی جادوگر سے نہیں بلکہ مردِ قلندر سے ہے جو سلطان الہند ہے۔ وقت کا ولی ہے اور مردِ مجاہد ہے۔ جس کی روحانی طاقت وقوت کا کوئی ثانی نہیں۔

جوگی جے پال کافی دیر منتر پڑھتا رہا۔ اس کے چیلے اور دوسرے ہندو اسی انتظار میں تھے کہ جوگی جے پال ایسا وار کرے گا کہ فتح اس کے قدم چومے گی۔ اپنے منتروں کے زور سے بالآخر وہ ہوا میں اُڑنے لگا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ کے اوپر پرواز کرنے لگا۔ وہ اوپر ہی سے زور زور سے چلانے لگا کہ ''اب میں اوپر سے جادو کے زور سے آگ برساؤں گا اور تمام مسلمانوں کو جلا کر خاکستر کردوں گا۔ کون ہے جو آج میرا مقابلہ کرسکے؟ کسی میں ہمت ہے تو میرے سامنے آئے۔ کوئی طاقت رکھتا ہے تو میرے جادو کا مقابلہ کرکے دکھائے۔''

اس موقع پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے جوگی جے پال کی کسی بات کا جواب دینے کی بجائے اپنی کھڑاؤں اوپر اچھال دی۔ یہ کھڑاؤں سیدھی اوپر گئی اور جاتے ہی جے پال کے سر پر برسنے لگی۔ چوٹ اس زور کی تھی کہ جوگی جے پال حواس باختہ ہوگیا۔ وہ چیختا چلاتا اور دھاڑیں مارتا ہوا نیچے آگیا۔ اس کی عقل ٹھکانے آچکی تھی۔ اسے سمجھ آگئی تھی کہ اس کا مقابلہ اعلیٰ مقام ومرتبہ کے قلندر سے ہے جس کے پاس روحانی طاقتوں کا ایسا خزانہ ہے کہ جس کا مقابلہ کسی صورت نہیں کیا جاسکتا۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

جوگی جے پال نے صدقِ دل سے اپنی شکست مان لی اور دوڑا ہوا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں جاکر گر گیا۔ رونے اور دھاڑیں مارنے لگا۔ ''حضرت جی! مجھے معاف فرما دیجیے مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔ مجھے کلمۂ شہادت پڑھائیے اور دائرہ اسلام

میں داخل کیجیے۔ مجھ پر رب ذوالجلال کی حقانیت اور وحدانیت واضح ہوگئی ہے۔ میں آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ میں اپنی لغزش کی معافی چاہتا ہوں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اسے تسلی و تشفی دی۔ اسے کلمۂ شہادت پڑھایا اور یوں ایک اور ہندو جادوگر مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ اس نے اس قدر مجاہدے کیے۔ ریاضتیں کیں۔ نوافل ادا کیے اور دن رات ذکرِ الٰہی میں گزارا کہ وہ بہت تھوڑے ہی عرصہ میں بلند درجہ حاصل کرگیا۔ اس نے بیابان کو اپنی قیام گاہ بنالیا۔ وہ ہمہ وقت ذکر وفکر میں مصروف ومشغول رہتا اور بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ بتاتا۔ چونکہ اس نے زیادہ عرصہ بیابان اور صحرا میں گزارا اس لیے اس کا نام عبداللہ صحرائی مشہور ہوگیا۔ رب رحمٰن ورحیم نے اسے لمبی عمر عطا فرمائی اور اس کے نام کو بھی تاریخ کا حصہ بنادیا۔

رام دیو اور جے پال دونوں نامور جادوگروں کی یکے بعد دیگرے شکست کے بعد اجمیر میں دینِ اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ ہندو جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہونے لگے اور راجہ پرتھوی راج چوہان اپنے جال میں خود ہی پھنس کر رہ گیا۔ اس نے درباریوں اور مصاحبین سے مشورہ کیا کہ اس صورتِ حال کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ کافی غور وفکر کے بعد وزیروں اور مشیروں نے یہ مشورہ دیا کہ اب مکاری وعیاری سے کام لیتے ہوئے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جاسوسی کرنے کے لیے کسی ماہر، چالاک اور مکار وعیار ہندو کو بھیجا جائے جو وہاں مشرف بہ اسلام ہونے کا ڈھونگ رچائے اور یوں مسلمانوں کے اندر داخل ہوکر ہمیں پل پل کی خبر دے۔ اس طرح جیسے ہی مناسب موقع ملے وہاں حملہ کرکے مسلمانوں کو تہ تیغ کردیا جائے یا کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے کہ ہمارا نام بھی نہ آئے اور کام بھی تمام ہوجائے۔

راجہ پرتھوی راج چوہان نے اپنے ایک درباری امیر کو اس بات پر قائل ومائل کرلیا کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ظاہری طور پر مشرف بہ اسلام ہوگا اور پھر وہاں کی لمحہ لمحہ کی رپورٹ پہنچائے گا تاکہ انتہائی رازداری کے ساتھ منصوبہ بندی کرکے مسلمانوں کا خاتمہ کیا جاسکے۔

منصوبے کے مطابق راجہ پرتھوی راج چوہان کا درباری ایک روز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچا اور عرض کی۔ ''یا حضرتؒ! میں پرتھوی راج چوہان کا درباری امیر ہوں۔ آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے دائرہ اسلام میں داخل کریں۔ میں ہندو مذہب کو اچھی طرح جان چکا ہوں۔ وہ جھوٹا مذہب ہے جبکہ سچا مذہب صرف اور صرف اسلام ہے میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے کلمۂ شہادت پڑھا دیجیے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''تمہارے آباء واجداد تو صدیوں سے اس مذہب پر عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ اب تم کیسے اس مذہب سے بے زار ہوگئے؟

تم میں اچانک یہ تبدیلی کیسے آئی؟ آخر اس کی کوئی وجہ تو ہوگی!''

درباری سردار نے کہا۔ ''مجھے لاکھوں دیوتاؤں اور دیویوں کا مذہب بالکل پسند نہیں۔ میں ایک خدا کے مذہب کو اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ مسلمانوں کا خدا ایک ہے۔ میں لاتعداد خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی پرستش و عبادت کرنا چاہتا ہوں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ہم ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے مگر یاد رکھو کہ ایک خدا کی عبادت و پرستش کرنا کوئی آسان اور سہل کام نہیں۔ یہ راستہ انتہائی کٹھن اور مشکل ہے۔ اس راستے میں دنیا کے ساتھ ساتھ اپنی ذات کی بھی نفی کرنا پڑتی ہے۔'' اس درباری امیر نے کہا۔ ''حضرت جیؒ! آپ فکر نہ کریں۔ میں دینِ اسلام کی ہر شرط پر پورا اُتروں گا۔ میں صرف اور صرف ایک خدا پر ایمان لے آؤں گا اور ایک خدا کے علاوہ تمام طاقتوں سے انکار کروں گا۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''تم یہ انکار نہیں کر سکو گے۔'' اس درباری امیر نے کہا۔ ''حضرت جیؒ! آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں ایک خدا کے علاوہ تمام طاقتوں سے انکار نہیں کر سکوں گا جبکہ میں آپ کو اس کی مکمل ضمانت دے رہا ہوں اور زبان سے اقرار کر رہا ہوں۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''تم اس راز کو نہیں پا سکتے اور نہ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔'' اس درباری امیر نے پھر کہا۔ ''حضرت جیؒ! آپ از راہ صد لطف و کرم میری درخواست قبول فرمایئے۔ میں کسی قسم کی بحث میں پڑے بغیر محض اتنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے مشرف بہ اسلام کیجیے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''مجھ ناتواں میں اتنی طاقت کہاں کہ میں کسی کو مسلمان کر سکوں۔ کسی بھی انسان کو ہدایت بخشنے والی صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہی کے گہرے غار میں پڑا رہنے دے۔ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ کسی انسان کو ہدایت بخشنا رب رحمٰن و رحیم کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی و منشاء نہ ہو تو پوری دنیا کے جن و انس اکٹھے مل کر اس شخص کو ہدایت کی راہ پر نہیں لا سکتے۔''

اگرچہ راجہ پرتھوی راج چوہان کا بھیجا ہوا درباری راجپوت سردار کافی دیر تک حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی منت سماجت کرتا رہا مگر آپ نے صاف صاف انکار کر دیا چنانچہ وہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔ اس کی مکاری، عیاری اور چالاکی اس کے کسی کام نہ آئی۔ اس موقع پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے چند عقیدت مند بھی موجود تھے۔ ان کے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے دیکھا کہ کسی نے مشرف بہ اسلام ہونے کی درخواست کی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اسے مسترد کر دیا حالانکہ آپ تو محض اسلام

کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ایک مقام سے دوسرے مقام پر ڈیرہ لگا رہے تھے۔ آپ کے ارادت مند سمجھ گئے کہ اس میں ضرور کوئی رمز پوشیدہ ہے ورنہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ تو دوسروں کو مشرف بہ اسلام کر کے بہت خوش ہوتے ہیں اور آپ کی حیات ناپائیدار کا مقصد و مشن بھی یہی ہے۔

اور اگلے دن پھر وہی درباری راجپوت سردار چند دوسرے سرداروں کے ہمرکاب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو ارادت مندوں نے ان سرداروں کی آمد کی اطلاع دی تو آپ نے انہیں اندر بلوا لیا اور پوچھا۔ ''فرمایئے! کیسے آنا ہوا؟ میرے لائق کوئی کام!'' ان سرداروں میں سے ایک سردار نے انتہائی طمطراق سے کہا۔ ''یا حضرتؒ! آپ یہاں دینِ اسلام کی اشاعت اور لوگوں کو مسلمان کرنے کی خاطر تشریف لائے ہیں۔ اپنی آمد کے بعد سے آج تک آپ نے ایک معقول تعداد میں غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا ہے۔ ہم آپ کے اس جذبہ کی قدر کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کی فلاح و اصلاح کے لیے کام کر رہے ہیں۔ آپ کی لڑائی راجہ پرتھوی راج چوہان سے ہے اور ہم اسے بخوبی جانتے ہیں اور یہ کہ وہ آپ کے وجود کو یہاں برداشت نہیں کرتا۔ ہم اس کے درباری سردار ضرور ہیں لیکن ہم اپنی رائے اور اپنا ضمیر بھی رکھتے ہیں۔ ہر شخص اپنی سوچ اور اپنی فکر میں آزاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا یہ دوست کل آپ کے پاس مشرف بہ اسلام ہونے کے لیے آیا مگر آپ نے سراسر انکار کر کے اس کا دل توڑ دیا حالانکہ اب تک آپ نے کسی کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا۔ ہم یہ پوچھنے آئے ہیں کہ آخر ہمارے اس دوست نے کیا قصور کیا ہے کہ آپ اسے دینِ اسلام جیسی عظیم نعمت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں؟ اگر آپ کا یہی رویہ رہا تو پھر آپ کے پاس کوئی بھی ہندو اس ارادے سے نہیں آئے گا کہ اسے مسلمان کر دیا جائے!''

ان ہندو سرداروں کے وفد میں شامل ایک اور راجپوت ہندو سردار نے اس میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''حضرتؒ! کیا آپ بھی انسانوں کو مختلف درجوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ تقسیم تو ہندو مذہب میں ہے مگر اسلام تو مساوات کا قائل ہے۔ سب کے ساتھ مساوی اور یکساں سلوک کی تعلیم دیتا ہے اور بڑے فخر سے اس کا اعلان بھی کرتا ہے۔ مگر آپ نے تو تفریق پیدا کر دی۔ دوسروں کو مسلمان کیا مگر ہمارے اس دوست کو انکار کر دیا۔ آخر اس کی کوئی وجہ تو ہوگی؟ آپ نے کس بنیاد پر ہی اسے مسلمان ہونے کے حق سے محروم کر دیا ہے۔ کیا ہم جان سکتے ہیں؟''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کافی دیر سے ان راجپوت ہندو سرداروں کی باتیں انتہائی خاموشی کے ساتھ سن رہے تھے۔ پھر اچانک آپ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوا اور آپ پر جلالی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ نے بارعب لہجے میں فرمایا۔ ''دینِ اسلام میں کوئی تفریق یا تقسیم نہیں۔ سب مساوی ہیں اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا ہے۔ ہر ایک کا حق برابر ہے

مگر اسلام میں کسی منافق کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ قطعاً کوئی جگہ نہیں ہے اور آپ کا یہ دوست منافق ہے۔ یہ اسلام صدق دل سے قبول نہیں کر رہا۔ یہ اس کی منافقانہ چال ہے۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی یہ بات سن کر تمام راجپوت ہندو سردار بھڑک اٹھے اور کہنے لگے۔ "آپ ہمارے دوست پر الزام لگا رہے ہیں۔ یہ سراسر زیادتی ہے۔ اسے منافق کہہ کر آپ نے اس کی توہین کی ہے۔" آپ نے فرمایا۔ "یہ صرف منافق ہی نہیں بلکہ جاسوس بھی ہے۔ یہ راجہ پرتھوی راج چوہان کا جاسوس ہے اور اسی کی منصوبہ بندی کے تحت یہ یہاں مسلمان ہونے کا ڈھونگ رچانے کے لیے آیا ہے تاکہ اپنی منافقانہ چال سے ہماری تمام باتیں راجہ پرتھوی راج تک پہنچا سکے جس سے اس کو ہمارے خلاف منصوبہ بنانے میں آسانی ہو۔ مزید یہ کہ یہ شخص انتہائی ظالم انسان ہے۔ اس نے بے گناہ لوگوں پر کافی ظلم ڈھائے ہیں۔ یہ راجہ پرتھوی راج چوہان کو سجدہ کرتا ہے۔ یہ کس طرح مسلمان ہوگا؟ اس کا پول رب رحمٰن و رحیم کے فضل و کرم سے ہم نے کھول دیا ہے۔ اس کے مقدر میں قطعی طور پر ہدایت نہیں۔ منافقوں کو رب تعالیٰ جل شانہٗ کبھی ہدایت نہیں دیتے اور میں آپ لوگوں کو یہ بھی بتا دوں کہ آخرت میں جو سزا اس کو ملے گی سو ملے گی مگر اس دنیا میں بھی اس کی موت عبرت ناک ہوگی۔ اور یہ تمام لوگ جو ہمارے خلاف منصوبے بناتے پھرتے ہیں عنقریب اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ وہ وقت زیادہ دور نہیں۔ چند دنوں ہی کی بات باقی رہ گئی ہے۔"

ہندو سرداروں کا یہ منافق ٹولہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ان سچی اور کھری باتوں کی تاب نہ لا سکا۔ سبھی سردار شرم کے مارے پانی پانی ہو گئے۔ وہ حیران تھے کہ ان کے اس تمام تر منصوبے کا علم حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو کیسے ہو گیا مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ مردِ قلندر کے پاس روحانی طاقت بھی ہوتی ہے جو رب تعالیٰ کی ودیعت کردہ ہوتی ہے اور رب تعالیٰ کی مدد بھی اس کے شامل حال ہوتی ہے اور جسے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی مدد حاصل ہو وہ ہمیشہ فتح حاصل کرتا ہے۔ اسے کسی چالاکی یا عیاری سے زیر نہیں کیا جا سکتا۔ ہندو سرداروں کا وہ منافق ٹولہ ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ وہاں سے مایوس اور پریشان ہو کر واپس چلا گیا۔ ان کی زبانیں گنگ تھیں، ذہن ماؤف تھے اور جسموں میں کپکپاہٹ تھی۔

ان ہندو راجپوت سرداروں نے راجہ پرتھوی راج چوہان کے پاس جا کر اس سے ملاقات کی اور اسے تمام تر ماجرا سنایا۔ راجہ پرتھوی راج چوہان نے جیسے ہی اپنے منصوبے کی ناکامی دیکھی تو اس نے غصے میں آ کر چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ وہ ان تمام باتوں کا ذمہ دار ان سرداروں کو ٹھہرا رہا تھا مگر سرداروں نے انتہائی عاجزی سے عرض کی۔ "مہاراج! شور مچانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور نہ ہی ہمیں موردِ الزام ٹھہرانے سے مسئلہ حل ہوگا۔ اس مسئلے کا واحد حل یہی ہے کہ اس مردِ مسلمان کو اجمیر سے نکال باہر کیا جائے۔ اسے فوراً حکم بھیجئے کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت یہاں سے کہیں دور چلا جائے

اور اگر وہ آپ کا حکم نہ مانے تو سختی سے کام لیجیے گا۔ معاملہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔"

راجہ پرتھوی راج چوہان سخت غصے میں تھا۔ اس نے سرداروں سے کہا۔ "محض اجمیر سے نکال دینا تو ان مسلمانوں کے لیے کافی سزا نہیں ہے۔ کوئی ایسی سزا بتاؤ جس سے ان کی سات پشتیں خوف کھاتی رہیں۔ ان کا جرم انتہائی بھیانک ہے۔ انہوں نے ہمارا بنا بنایا منصوبہ خاک میں ملا دیا ہے۔ مگر یہ سب ہوا کیسے؟ کیا ہم میں سے کسی نے مخبری تو نہیں کی۔ کیا ہماری اپنی صفوں ہی میں سے ہمارے اپنے دوستوں نے دشمنوں کی مدد تو نہیں کی؟"

سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا۔ "مہاراج! وہ مردِ مومن روحانی طاقت کا مالک ہے۔ آپ خود ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس نے ہمارے انتہائی عظیم اور ناقابل تسخیر عاملوں کو نہ صرف شکست دی ہے بلکہ انہیں اپنا عقیدت مند بنا لیا ہے۔ اب وہی ہمارے جادوگر ہمارے دشمن کے دست و بازو بن گئے ہیں۔"

راجہ پرتھوی راج چوہان نے کہا۔ "اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ ان کو نشانِ عبرت بنا دیا جائے تاکہ آئندہ کسی کو بھی ایسی جرأت نہ ہو۔ کوئی مردِ مسلمان پھر ہمارے سادہ لوح ہندوؤں کو چکر دے کر مسلمان نہ بنا سکے۔ اس قصے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہوگا ورنہ یہ لوگ کسی اور جگہ جا کر وہاں کے ہندوؤں کو بہکانا شروع کر دیں گے۔"

سرداروں نے کہا۔ "مہاراج! اگر آپ نے ان کو کسی قسم کی کوئی خوفناک سزا دی تو اول تو یہ اپنی روحانی طاقت سے اس کا اس قدر سخت جواب دیں گے کہ سزا الٹا ہم پر الٹ دیں گے۔ آپ نہیں جانتے کہ ان کے پاس کس قدر روحانی طاقت ہے۔ اصل میں تو یہ لوگ جادوگر ہیں مگر اپنے اس جادو کے زور کو یہ لوگ روحانی طاقت کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے اس عمل سے اجمیر کے کافی لوگ آپ سے نفرت کرنے لگیں گے کیونکہ ہم نے محسوس کیا ہے کہ جو ہندو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے وہ ان سے ہمدردی ضرور رکھتے ہیں اور ان کے اچھے طرزِ عمل اور اخلاق کی تعریف کرتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ جو ہندو اب تک مسلمان ہو چکے ہیں ان کے رشتہ دار اگرچہ ابھی تک ہندو مذہب پر قائم ہیں مگر وہ اپنے رشتہ دار مسلمان سے ہمدردانہ جذبات رکھنے کی وجہ سے آپ کے خلاف ہو جائیں گے اور اس طرح کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ انہیں اجمیر سے نکل جانے کا ہی حکم دیا جائے۔ وقت کی مصلحت یہی ہے۔"

راجہ پرتھوی راج چوہان کو سرداروں کے دلائل نے قائل کیا تو اس نے اپنے چند سپاہیوں کے ذریعے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو یہ حکم بھیجا۔ "اگر خیریت کی خواہش ہے تو اپنے ساتھیوں کو لے کر فوراً اجمیر سے بہت دور چلے جاؤ ورنہ بہت دردناک سزا تمہارا مقدر ہوگی۔"

اس گستاخانہ حکم کو سن کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی تحمل اور متانت کے ساتھ فرمایا۔ ''یہ تو میرے رب تعالیٰ جل شانہٗ کو بہتر علم ہے کہ اجمیر کی حدود سے کون نکلے گا اور کس کا مقدر کیا ہوگا اور دردناک سزا کسے ملے گی۔''

اور چشمِ فلک نے دیکھا کہ اس واقعہ کو ابھی تین روز بمشکل ہی گزرے تھے کہ شہاب الدین غوری نے اجمیر پر اس قدر زوردار حملہ کیا کہ زبردست خونی جنگ کے بعد راجہ پرتھوی راج چوہان کو انتہائی دردناک، خوفناک اور ذلت آمیز شکست ہوئی۔ وہ گرفتار ہوا اور اس کے ساتھ بہت ہی عبرت آموز سلوک کیا گیا۔ یوں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے جو بات انتہائی سلیقے اور طریقے سے تین روز پہلے راجہ پرتھوی راج چوہان کے گستاخانہ حکم کے جواب میں کہی تھی وہ رب ذوالجلال کے فضل و کرم سے ایسی پوری ہوئی کہ راجہ پرتھوی راج چوہان کو خود ہی اجمیر سے نکلنا پڑا اور اسے ذلت آمیز اور دردناک سزا ملی۔

☆======☆======☆

حاکمِ اجمیر راجہ پرتھوی راج چوہان کو مردِ قلندر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے اس قدر دشمنی اور عداوت کیوں تھی؟ اس بارے مختلف تذکرہ نگاروں نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ بعض کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے حاکمِ اجمیر راجہ پرتھوی راج چوہان کو دعوت اسلام دی تھی جس سے اسے ازحد غصہ آیا۔ یہ غصہ پھر نفرت میں بدلا اور ایسا بدلا کہ وہ آپ کا جانی دشمن بن گیا۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ راجہ پرتھوی راج چوہان کا ایک ملازم حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا ارادت مند و عقیدت مند بن گیا۔ وہ مشرف بہ اسلام ہوا اور خفیہ طور پر ذکر و فکر میں مشغول رہتا تھا۔ راجہ پرتھوی راج چوہان کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے اپنے اس ملازم کو ایذا پہنچانی شروع کر دی۔ وہ کسی نہ کسی بہانے اس پر ظلم و ستم کرتا۔ اس بات کو روکنے کے لیے اور راجہ پرتھوی راج چوہان کو ظلم و ایذا رسانی سے منع کرنے کے لیے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک پیغام بھیجا۔ اس پیغام سے راجہ پرتھوی راج چوہان سخت سیخ پا ہوا اور اس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے عداوت و مخاصمت کی انتہا کر دی۔

ایک روایت یہ بھی ہے اور اسے بڑی مستند روایت سمجھا جاتا ہے کہ ایک روز حاکمِ اجمیر راجہ پرتھوی راج چوہان اپنے شاہی قلعہ کی برجی پر کھڑا شہر کا نظارہ کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر پڑی۔ اس وقت وہاں پر آپ کے عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ راجہ پرتھوی راج چوہان اس منظر کو برداشت نہ کر سکا۔ حسد و رقابت، بغض و عناد اور مخالفت و مخاصمت کے زہر آلود جذبات و احساسات نے اس کے دل و دماغ کو پراگندہ کر دیا اور ان جذبات میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا جس کی وجہ سے وہ آپ کا

جانی دشمن بن گیا۔

راجہ پرتھوی راج چوہان کی دشمنی و مخالفت اور مخاصمت و عداوت کو چاہے کسی بھی حوالے سے لیا جائے اصل بات یہی ہے کہ باطل اور حق کی جنگ روزِ ازل سے جاری ہے۔ اشاعت اسلام اور ہندوؤں کا قبول اسلام ہی راجہ پرتھوی راج چوہان کے عناد کی بنیادی وجہ تھی۔ لاتعداد بتوں کا پجاری ایک خدا کی پرستش کو کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کی سلطنت میں ہر شخص اس کو جھک کر سلام کرے۔ اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو اور اسے اپنا حاکم و سربراہ و سردار تسلیم کرے جبکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کامل و اکمل درویش تھے اور درویش نے سوائے رب تعالیٰ جل شانہٗ کے کسی اور آستانے پر سر نہیں جھکایا اور نہ کسی اور کو اپنا سردار تسلیم کیا بلکہ بادشاہوں اور حکمرانوں کے درباروں سے دور رہنا تو ہمیشہ سے درویشوں کا شیوہ رہا ہے۔ وہ نہ کسی بادشاہ اور حکمران کے دربار میں جاتے ہیں اور حتیٰ کہ نہ ہی کسی بادشاہ و حکمران کو اپنے ہاں آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ مردِ قلندر کی بنیادی صفت ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ دنیاوی سکندر سے دور بھاگتا ہے۔ وہ اپنی روحانی دنیا کا خود سکندر ہوتا ہے اسے دنیاوی سکندر سے کیا سروکار۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

اور کوئی بندۂ خدا اپنے رب سے لو لگا لیتا ہے تو پھر وہ تمام دنیا سے بے حد نیاز ہو جاتا ہے۔ اللہ الصمد کو ماننے والا ہر چیز سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کی نظروں میں صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رضا و خوشی و خوشنودی کی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے۔ اسے کسی سے کوئی غرض یا مفاد نہیں ہوتا۔

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

حاکمِ اجمیر راجہ پرتھوی راج چوہان کی اسلام دشمنی اور مسلمانوں سے عداوت و مخاصمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کی وضاحت تاریخ کے اوراق میں محفوظ چند واقعات سے کر دی جائے تاکہ راجہ پرتھوی راج چوہان کا اصل چہرہ کھل کر سامنے آ جائے اور ثابت ہو جائے کہ اس کا عبرتناک انجام اس کے اپنے اعمال و افعال ہی کا حاصل تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے ایک خادم سید روشن علی صبح کی نماز پڑھ کر واپس آ رہے تھے کہ انہیں راستے میں ایک گوالن ملی جس نے سر پر دودھ کا مٹکا اٹھا رکھا تھا۔ قریب سے گزری تو آپ نے اس سے پوچھا۔ ''کیا یہ دودھ برائے فروخت ہے؟'' اس نے کہا۔ ''یہ دودھ تو برائے فروخت نہیں البتہ اگر آپ کہیں گے تو اور دودھ آپ کو لا دوں گی۔ یہ

دودھ میں روزانہ راجہ پرتھوی راج کے استعمال کے لیے ان کے ہاں پہنچاتی ہوں۔"

آپ کے خادم سیّد روشن علی نے دل میں سوچا کہ یہ دودھ تو انتہائی عمدہ اور لاجواب ہوگا جو راجہ پرتھوی راج کے استعمال میں آتا ہے۔ آپ نے اس گوالن سے کہا۔ "ذرا دودھ کا مٹکا نیچے رکھو تاکہ ہم دودھ کو دیکھیں کہ کیسا ہے۔ اچھا ہوا تو کل سے ہمارے لیے بھی لے آنا۔" گوالن نے دودھ کا مٹکا نیچے رکھا تو سیّد روشن علی نے بے ارادہ دودھ کو انگلی پر لے کر دیکھا۔ دودھ نہایت عمدہ اور گاڑھا تھا۔ چنانچہ سیّد روشن علی یہ کہنے ہی والے تھے کہ کل سے ہمارے لیے بھی دودھ لیتی آنا کہ یکا یک اس گوالن نے اک ہنگامہ کھڑا کر دیا اور چیخ و پکار سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ وہ گوالن چلا چلا کر کہہ رہی تھی۔ "اس شخص نے راجہ کے دودھ کو ناپاک کر دیا ہے۔ راجہ صاحب کا دودھ نجس ہو گیا ہے۔ آج راجہ صاحب کون سا دودھ پئیں گے۔ اس مسلمان ملیچھ نے دودھ کو انگلی لگا کر غلیظ کر دیا ہے۔ میں ابھی جاتی ہوں اور راجہ صاحب سے شکایت کرتی ہوں۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس شخص نے یہ سارا دودھ گندا کیا ہے۔ اسے سزا ملنی چاہیے۔"

سیّد روشن علی نے اس عورت کو بار بار سمجھایا کہ ایک مسلمان کی وجہ سے دودھ ناپاک نہیں ہوتا مگر اس گوالن نے سیّد روشن علی کی کوئی بات نہ سنی اور چیختی چلاتی ہوئی راجہ پرتھوی راج چوہان کے محل جا پہنچی۔ اس نے وہاں کے ملازمین کو سارا واقعہ سنایا اور رو رو کر بتایا کہ یہ دودھ کس طرح ناپاک ہوا ہے اور کس نے ناپاک کیا ہے۔ خدام نے فوری طور پر اس بات کی اطلاع راجہ پرتھوی راج چوہان کو دی۔ وہ پہلے ہی مسلمانوں کا سخت مخالف تھا۔ اس واقعہ سے وہ شدید غصے میں آ گیا۔ اس نے اسی لمحے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ "اس ناپاک مسلمان کو فوراً پکڑ کر لے آؤ اور میرے سامنے پیش کرو تاکہ اس سے پوچھا جائے کہ اس نے ایسی غلیظ حرکت کی جرأت و جسارت کس طرح کی؟"

حکم ملتے ہی سپاہیوں نے گوالن سے راستہ معلوم کیا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر سیّد روشن علی کو تلاش کرنے دوڑ پڑے۔ سیّد روشن علی تھوڑے ہی فاصلے پر مل گیا۔ سپاہیوں نے اسے گرفتار کیا اور سیدھے راجہ پرتھوی راج چوہان کے پاس لے آئے۔ راجہ پرتھوی راج چوہان زخمی شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔ اس نے سیّد روشن علی سے پوچھا۔ "کیا تم نے دودھ کو انگلی لگائی تھی؟" سیّد روشن علی نے کہا۔ "بالکل! میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دودھ کس قدر خالص اور عمدہ ہے؟"

راجہ پرتھوی راج چوہان نے کہا۔ "کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تم نے کتنا بڑا پاپ کیا ہے۔ تم نے اپنے ناپاک جسم کی ناپاک انگلی سے سارا دودھ ناپاک کر دیا ہے۔ کیا تمہارا مذہب یہی کہتا ہے کہ دوسرے کی چیز خراب کر دو۔ تمہارا یہ جرم ناقابلِ معافی ہے۔ تمہیں اس کی ضرور سزا ملے گی۔"

سیّد روشن علی نے انتہائی جرأت و بے باکی کے ساتھ راجہ پرتھوی راج چوہان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تمہیں کیا خبر کہ پاکی اور ناپاکی کیا ہوتی ہے! وہ مذہب جو چھوت چھات پر یقین رکھتا ہو۔ جو انسانوں کے درجوں کا قائل ہو۔ جو کسی کو کمتر اور کسی کو برتر سمجھتا ہو۔ اس کے ماننے والے مجھے سمجھا

رہے ہیں کہ ان کی چیز میں نے خراب کر دی ہے۔ مسلمان جس قدر پاکیزہ اور منزہ ہے کوئی اور وجود نہیں۔ رب قادر و قدیر کی مخلوقات میں انسان اشرف المخلوقات ہے اور پھر انسانوں میں افضل و پاکیزہ وہ ہے جو خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان و یقین رکھتا ہے۔ پتھر کے بتوں کو پوجنے والے پتھر دل لوگوں کو کیا پتہ اور کیا علم کہ پاکیزگی کیا ہوتی ہے۔ جن افراد نے آج تک وضو نہیں کیا۔ جن کی زبان پر اللہ پاک کا پاک نام تک نہیں آیا وہ ہمیں پاکیزگی کی تعلیم دے رہے ہیں۔ جو لوگ خود ناپاک ہیں وہ ہمیں پاکی کی تعلیم دے رہے ہیں۔ پہلے اپنے آپ کو تو پاک کر لو۔ چھوت چھات اور ذات پات سے پاک کر لو۔ بت پرستی سے پاک کر لو۔ بے حیائی سے پاک کر لو۔ ظلم و ستم سے پاک کر لو۔ پھر ہم سے بات کرنا۔ ہم تو پہلے ہی پاک ہیں۔ پاکی کی تمہیں ضرورت ہے تمہیں......"

سیّد روشن علی گرج گرج کر شاہی دربار میں بول رہا تھا اور دربار پر ایک سناٹے کا عالم طاری تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہر کسی کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ راجہ پرتھوی راج چوہان کے دربار میں آج تک کسی کو اس طرح بولنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ یہ ایک مردِ مجاہد کی آواز تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے غلام کی ایمان افروز صدا تھی جس نے شاہی ایوان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ سیّد روشن علی کافی دیر تک بولتا رہا اور یہ رب قادر و قدیر کا کرشمہ اور اعجاز تھا کہ کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ اسے روک سکتا۔ خود راجہ پرتھوی راج چوہان عالمِ تحیّر میں ڈوبا خاموشی کا مجسمہ بنا ہوا تھا تاہم اس کا غصہ بلند تر ہوتا جا رہا تھا۔

جب سید روشن علی خاموش ہوا تو راجہ پرتھوی راج چوہان نے صرف اتنا کہا۔ "جس انگلی نے ہمارے دودھ کو ناپاک کیا ہے اسے کاٹ دیا جائے۔" اس فیصلے کے سوا راجہ پرتھوی راج چوہان اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ سیّد روشن علی کی باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب تو تھا نہیں کہ وہ دلیل سے بات کرتا۔ اس کا اندھا انصاف یہی تھا کہ سیّد روشن علی پر ظلم ڈھایا جائے اور اس کی انگلی کاٹنے کا حکم دے دیا جائے۔

اور پھر چند ہی لمحوں بعد سید روشن علی کی انگلی کاٹ دی گئی۔ خون کی تیز دھار کو سید روشن علی نے اپنے دوسرے ہاتھ سے روکا۔ نیچے گری ہوئی اپنی انگلی اٹھائی اسے جیب میں ڈالا اور سیدھا اپنے پیرو مرشد اور رہبر و رہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے سیّد روشن علی کو دیکھتے ہی پوچھا۔ "روشن علی! خیریت تو ہے۔ آج تمہارے چہرے سے قدرے نقاہت ظاہر ہو رہی ہے۔" سیّد روشن علی نے کہا۔ "حضرت جیؒ! آپ نے ٹھیک فرمایا۔ یہ نقاہت خون بہہ جانے کی وجہ سے ہے۔"

اور اس کے بعد روشن علی نے اپنی کٹی ہوئی انگلی اپنی جیب سے نکالی اور اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے رکھ دی اور گزرا ہوا تمام واقعہ آپ کو بتایا۔ آپ نے فرمایا۔ "روشن علی! صبر کرو۔ صبر کا اجر عظیم تر ہوتا ہے اور رب کائنات اپنے محبوب بندوں

ہی کو آزمائش میں ڈال کر پرکھتے ہیں۔ تم اس آزمائش میں کامیاب رہے ہو۔ جاؤ اس انگلی کو زمین میں دفن کر دو اور سمجھ لو کہ ظالم حکمران راجہ پرتھوی راج چوہان کی حکومت جلد ہی دفن ہو جائے گی۔“

اس موقع پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے وہاں پر موجود تمام عقیدت مندوں نے انتہائی جوش و جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے راجہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر آپ نے ایسا کرنے سے روک دیا۔

مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کا اظہار راجہ پرتھوی راج چوہان موقع بہ موقع کرتا رہتا تھا۔ وہ اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف عجیب و غریب قسم کے الزامات لگاتا تھا۔ دشنام طرازی سے کام لیتا تھا اور ظلم و ایذارسانی کے بہانے تلاش کرتا رہتا تھا۔ مسلمانوں کو تکلیف و اذیت دے کر اسے خوشی محسوس ہوتی تھی اور دینِ اسلام کے خلاف الزام تراشی سے اسے سکون ملتا تھا۔

اس کے راجپوت سرداروں میں سے ایک سردار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتا تھا۔ وہ دربار میں ہونے والی اس احمقانہ گفتگو کو سنتا تو اسے بہت برا محسوس ہوتا مگر وہ کچھ نہ کہہ پاتا۔ تمام درباری ایک دن حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے لیے نازیبا اور نامناسب الفاظ استعمال کر رہے تھے۔ اگرچہ وہ اکثر ایسا کرتے رہتے تھے مگر اس دن انہوں نے تمام حدود پھلانگ لیں تو اک اضطراری حرکت کے ساتھ اچانک اس راجپوت سردار سے نہ رہا گیا اور اس نے نہ صرف دوسرے سرداروں کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف نازیبا زبان استعمال کرنے سے روکا بلکہ آپ کی تعریف میں بولنا شروع کر دیا۔

اس پر تمام سردار بھڑک اٹھے اور سب سے زیادہ غصے کا اظہار حاکمِ اجمیر راجہ پرتھوی راج چوہان نے کیا۔ وہ اس سردار پر برس پڑا اور اسے بے نقط سنائیں۔ اس نے اسے آستین کا سانپ، نمک حرام، حرام خور اور نہ جانے کن کن غلیظ القابات سے پکارا۔ کافی دیر نازیبا زبان استعمال کرنے کے بعد اس نے حکم جاری کیا۔ ”اس راجپوت سردار کو معزول کیا جاتا ہے۔ اس سے تمام مراعات واپس لی جاتی ہیں اور اسے دربار سے بے عزت کر کے نکالا جاتا ہے۔ آئندہ سے اس کے ساتھ اچھوتوں والا سلوک کیا جائے۔ کوئی شخص اس سے کلام نہ کرے۔ کوئی شخص اس سے لین دین اور کسی قسم کا معاملہ نہ کرے۔ اگر کسی نے اس کے ساتھ کوئی رابطہ رکھا تو اسے بھی معزول کر دیا جائے گا۔“

وہ معزول سردار حالانکہ راجہ پرتھوی راج چوہان کے مقرب ترین سرداروں میں سے تھا اور انتہائی اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ اس کی کرسی راجہ پرتھوی راج چوہان کے قریب ہی ہوتی تھی مگر اس نے اس کی حیثیت کو ایک لمحے میں محض اس بناء پر ختم کر دیا کہ اس سردار نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی طرفداری کی تھی۔ آپ کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کرنے سے نہ صرف روکا تھا بلکہ آپ کی تعریف و تحسین بھی کی تھی۔

اس راجپوت سردار نے بجائے اس کے کہ وہ معافی کا خواستگار ہوتا، از حد خودی و خودداری کا مظاہرہ کیا۔ وہ اک شانِ بے نیازی کے ساتھ کرسی سے اٹھا۔ درباری جبہ اتار کر دور پھینکا۔ شاہی دربار کا تاج اپنے سر سے اتار کر اسے زمین پر پھینکا اور اس کو پاؤں سے ٹھوکر مارتا ہوا دربار شاہی سے باہر نکل آیا۔ اس کے چہرے پر نہ رنج کے آثار تھے اور نہ ملال کے بلکہ وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اسے ایسا احساس ہو رہا تھا جیسے وہ غلامی سے آزاد ہو گیا ہے اور اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اُتر گیا ہے۔

وہ راجپوت سردار سیدھا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ کو تمام روداد سنائی۔ آپ نے اس کے کردار و عمل کی تعریف کی اور پوچھا۔ ”اب کیا ارادہ ہے؟“ اس نے کہا۔ ”مشرف بہ اسلام ہو کر آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کا خواہش مند ہوں۔ مجھے اسلام سکھایئے۔ توبہ کا طریقہ بتایئے۔ کلمۂ شہادت پڑھایئے اور اپنی خدمت کا موقع دیجیے۔“

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے اس راجپوت سردار کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہو کر وہیں رہنے لگا۔ دوسرے دن حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس راجپوت سردار کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا:

”اسی لمحے راجہ پرتھوی راج چوہان کے دربار میں جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے ورنہ اس کو جس قدر مہلت ملنا تھی وہ مل چکی۔ اب مہلت کا عرصہ ختم ہو چکا ہے اور اس کے انجام کا وقت قریب آ گیا ہے۔ وہ بتوں کی پوجا چھوڑ کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش شروع کر دیں تو ان کی قسمت بدل سکتی ہے ورنہ چند دنوں کے بعد ان کے تمام اعزازات اور حکومت و تخت ملیامیٹ ہو جائیں گے۔“

راجپوت سردار نے اسی لمحے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور انتہائی سرعت کے ساتھ راجہ پرتھوی راج چوہان کے دربار میں جا پہنچا۔ دربان اسے روکتے رہ گئے مگر اس نے کسی کی نہ سنی اور سیدھا دربار شاہی میں پہنچ کر بلند آواز میں اس تمام پیغام کو حرف بہ حرف بول دیا جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔ اس پیغام سے پہلے اور بعد میں اس نے کلمۂ شہادت بلند آواز سے پڑھا جس سے راجہ پرتھوی راج چوہان کے ایوان سلطنت میں اک زلزلہ سا آ گیا۔ تمام درباریوں پر سکتہ سا طاری ہو گیا اور وہ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ انہیں قطعاً توقع نہیں تھی کہ ان کا قریبی ساتھی اس طرح دربار شاہی میں بلند آواز کے ساتھ ان کے بتوں کو جھٹلائے گا اور خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کی تبلیغ کرے گا اور انجام بد کی وعید سنائے گا۔

راجہ پرتھوی راج چوہان کے حواس جیسے ہی بحال ہوئے تو اس نے نومسلم راجپوت سردار کو جو

کہ اب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے سفیر کی حیثیت سے وہاں موجود تھا بڑی ہتک، بے عزتی اور ذلت کے ساتھ شاہی دربار سے باہر نکلوا دیا مگر اس نے اسے شاہی دربار سے نکالنے سے پہلے خوب زدوکوب کروایا۔ اسے اتنا مارا پیٹا کہ اس کا لباس تار تار ہو گیا اور جسم زخموں سے چُور چُور ہو گیا۔

راجہ پرتھوی راج چوہان نے کہا۔ ''اپنے مرشد سے کہہ دو کہ وہ اجمیر کی حدود سے اپنے ساتھیوں سمیت نکل جائے۔ چند روز کی مہلت ہے ورنہ اس کے بعد میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں دوں گا۔''

نومسلم راجپوت سردار نے اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر تمام ماجرا بتایا تو آپ جلال میں آ گئے اور اس لمحے آپ کی زبان مبارک سے محض یہی الفاظ ادا ہوئے۔ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ جسے گمراہ کر دیں اسے کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ تاہم یہ شخص اور یہ ظالم حکمران جلد ہی گرفتار ہو گا۔ اس کا انجام اب بہت قریب ہے۔ اس کی ذلت آمیز شکست کو زیادہ عرصہ باقی نہیں رہا۔ ہمیں مہلت دینے والے کے پاس اپنی مہلت ختم ہونے والی ہے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے ادا شدہ یہ جملے کسی نے راجہ پرتھوی راج چوہان تک پہنچائے تو اس نے پہلے سے بھی زیادہ تمسخر اُڑایا۔ بلکہ ہر درباری نے باری باری آپ کا مذاق اُڑایا مگر آپ کی کہی ہوئی بات سچ ثابت ہوئی۔

اگرچہ راجہ پرتھوی راج چوہان کھلی آنکھوں سے واضح طور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی کرامات دیکھ اور سن چکا تھا مگر وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی بے خبر تھا۔ سوچ و سمجھ رکھتے ہوئے بھی بے سمجھ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کس طرح اونٹ جامد و ساکت ہو کر رہ گئے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ انا ساگر کا پانی کس طور ایک کوزے میں سمٹ آیا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ اس کے کرائے کے جادوگر کس طرح شکست کھا کر مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ اس کی ماں کی پیش گوئی بھی اس کے کانوں میں گونجتی اور دل و دماغ کے تاروں کو ہلاتی تھی مگر رب ذوالجلال جن کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں انہیں کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ وہ گونگے اور بہرے ہو جاتے ہیں اور یہ ان کے اعمال کی سزا کی ابتداء ہوتی ہے۔

ایک اور بات جس نے راجہ پرتھوی راج چوہان کے غرور و خمار میں اضافہ کر دیا تھا وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے اس کے حملوں کا جواب نہ دینے کی پالیسی تھی۔ راجہ پرتھوی راج چوہان نے آپ کے خادم خاص سیّد روشن علی کی انگلی کاٹ دی تو آپ نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا حالانکہ قانونِ قدرت ہے کہ وہ سرکش کو مہلت دیتی ہے کہ شاید وہ راہِ راست پر آ جائے اور یہ کہ حجت تمام ہو جائے لیکن جب کسی سرکش کی سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو پھر قدرت کا

قانون حرکت میں آئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بڑے بڑے فرعون غرقِ دریا ہو گئے۔ راجہ پرتھوی راج چوہان کا دراصل یہ امتحان تھا مگر وہ اس امتحان میں ناکام و نامراد رہا۔ اگرچہ اکثر مصاحبین اور شاہی درباری اسے غصہ دلاتے اور بھڑکاتے تھے مگر چند افراد ایسے بھی تھے جو اسے سمجھانے کی حتیٰ الوسع کوشش کرتے تھے مگر وہ اقتدار کے نشے میں بدمست ہاتھی کی طرح ایک حماقت کے بعد دوسری حماقت کئے جا رہا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی طاقت کا کیا درجہ و مرتبہ ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ پرتھوی راج چوہان نے 587 ہجری میں مسلمان سپہ سالار شہاب الدین غوری کو شکست دی تھی۔ اس سے راجہ پرتھوی راج چوہان کے حوصلے بہت بلند ہو گئے تھے اور وہ مسلمانوں کو چیونٹی برابر بھی نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اکثر فخر و غرور اور تکبر و اکڑ میں آ کر یہی کہا کرتا تھا۔ ''مسلمان تو میرے لیے گاجر، مولی کی طرح ہیں۔ میں جب چاہوں گا انہیں کاٹ کر رکھ دوں گا۔ ان گیدڑوں کا ہم شیروں سے کیا مقابلہ!''

مگر اُدھر شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج چوہان سے شکست کھانے کے بعد ایک لمحہ بھی اس سوچ و فکر کے بغیر نہیں گزارا تھا کہ وہ راجہ پرتھوی راج چوہان سے اپنی شکست کا بدلہ کیونکر لے! کون سی حکمت عملی اپنائے اور کس لائحہ عمل کو اختیار کرے۔ اس کے دل و دماغ میں صرف ایک ہی سودا سمایا ہوا تھا کہ مسلمانون کو پھر سے برتری دلائی جائے۔ وہ اپنی فوج کو شب و روز کی محنت و مشقت سے تیار بھی کر رہا تھا اور رب رحمٰن و رحیم سے التجا و دعا بھی کر رہا تھا کہ وہی قادر و قدیر ہی فتح دلانے والا ہے اور حق کو باطل پر غالب کرنے والا ہے۔

شہاب الدین غوری نے تقریباً ایک سال تک شب و روز کی محنت و مشقت اور زبردست تیاری کے بعد اپنے آپ کو اس قابل سمجھا کہ اب وہ راجہ پرتھوی راج چوہان کو یقینی طور پر شکست دے سکتا ہے۔ اس دوران شہاب الدین غوری نے ایک ایسا خواب بھی دیکھا بلکہ اسے کئی بار دیکھا کہ ایک بزرگ اس سے کہہ رہے ہیں۔ ''شہاب الدین! اللہ تبارک و تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہے۔ اٹھو اور اجمیر پر یلغار کر دو۔ رب غالب و فتاح تمہیں ضرور فتح سے نوازیں گے۔''

شہاب الدین غوری نے پہلی دفعہ یہ خواب دیکھا تو اسے اک عجیب سی فرحت و راحت کا احساس ہوا۔ اس کے چہرے پر اک چمکدار بشاشت واضح طور پر دکھائی دینے لگی۔ اس کے قریبی مصاحبین نے شہاب الدین غوری سے پوچھا۔ ''پرتھوی راج سے شکست کھانے کے بعد تقریباً ایک سال ہونے کو ہے مگر آج تک آپ نے نہ اچھا کھایا، نہ اچھا پہنا اور نہ ہی آپ کے چہرے پر ایسی رونق دکھائی دی جو کہ اب نظر آ رہی ہے۔ آخر اس میں کوئی راز تو ضرور ہے۔'' شہاب الدین غوری نے پہلے تو ٹالنے کی کوشش کی مگر مصاحبین کے ازحد اصرار پر اس نے بتایا:

''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مجلس قائم ہے جس میں چاروں جانب نور ہی نور

ہے۔ در و دیوار ایسی روشنی سے جگمگا رہے ہیں جو آنکھوں کو چندھیائے دیتی ہے۔ اس مجلس میں خدمت گاروں کا اک ہجوم ہے جو انتہائی سلیقہ مندی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔ میں بھی اس مجلس میں موجود ہوں۔ سامنے قدرے اونچائی پر ایک تخت بچھا ہوا ہے جس پر ایک بزرگ تشریف فرما ہیں۔ بزرگ کی نگاہوں میں اس قدر حلاوت ہے کہ ہر کوئی انہی کی جانب متوجہ ہے مگر وہ ذکرِ الٰہی میں مصروف و مشغول ہیں۔ مجلس میں اک ایسا تقدس و احترام ہے کہ اس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر خاموشی سے یوں بیٹھا ہے جیسے کسی مسجد میں بیٹھا ہو۔ کوئی شور شرابا نہیں حتیٰ کہ کوئی سرگوشی بھی نہیں۔ اک معجزاتی اور کرشماتی طرز کی فضاء ہے کہ جس نے سب کو اپنے حصار میں لیا ہوا ہے۔ میں حیرت سے اس سارے منظر کو آنکھوں میں سمیٹ رہا ہوتا ہوں کہ یکدم اس بزرگ شخص کا ایک خادم میری جانب آتا ہے۔ وہ میرا ہاتھ تھامتا ہوا ہجوم میں سے راستہ بنا کر مجھے اس بزرگ کے پاس لے جاتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ شہاب الدین غوری حاضر ہے۔''

وہ بزرگ شخصیت اپنی آنکھوں کو جنبش دیتے ہیں اور میری طرف انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ دیکھتے ہوئے انتہائی باوقار اور مسحور کن آواز میں مجھے کہتے ہیں۔ ''شہاب الدین! رب ذوالجلال نے تجھے کافروں پر فتح عطا کر دی ہے۔ تمہیں مبارک ہو کہ ہندوستان کی عظیم سلطنت رب قادر و قدیر نے تمہارے نام کر دی۔'' میں اس بزرگ سے کچھ پوچھنے ہی والا ہوتا ہوں کہ اچانک میری آنکھ کھل جاتی ہے اور میری بیداری پر جو پہلی آواز میرے کانوں میں پڑتی ہے وہ مؤذن کی ہوتی ہے جو مسجد میں بلند آواز سے اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سب سے بڑے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے رسول ہیں۔''

شہاب الدین غوری نے اپنے اس خواب کی تعبیر اپنے مصاحبین سے پوچھی تو ہر کسی نے مختلف رائے دی کیونکہ ان میں سے کوئی بھی خوابوں کی تعبیر نہیں جانتا تھا۔ اور پھر ایسا ہوا کہ اگلے دو دن اس سے ملتا جلتا خواب شہاب الدین غوری دیکھتا رہا۔ اس بزرگ شخصیت نے شہاب الدین غوری سے کہا۔ ''مایوسی گناہ ہے۔ رب رحمٰن و رحیم مایوس ہونے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔''

شہاب الدین غوری کو ان خوابوں کی تعبیر بارے پریشان دیکھ کر ایک بزرگ درباری نے شہاب الدین غوری سے کہا۔ ''بادشاہ مکرم! یہاں سے کچھ دور ایک ویران بستی میں ایک اللہ والا رہتا ہے۔ آپ مناسب سمجھیں تو اس کے پاس چلیں ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو ان خوابوں کی تعبیر بتا دے۔''

شہاب الدین غوری نے مشورہ پر عمل کیا اور اس بزرگ کے پاس حاضر ہو کر خواب بیان کیا تو اس نے کہا۔ ''مبارک ہو۔ تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں اس شخصیت کی زیارت بہ نفس نفیس نصیب ہوگی کہ جن کی زیارت میں بھی نہیں کر سکا اور دل میں حسرت رکھتا ہوں اور شاید یہی آرزو لے کر مر جاؤں۔ ان بزرگ شخصیت نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوگا۔ وقت اور بہت ہی اچھا وقت

رب ذوالجلال نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ جاؤ تیاری کرو اور بس!''

اس بستی میں تن تنہا رہنے والے بزرگ کے ایک ایک لفظ نے شہاب الدین غوری کے جسم کی نس نس میں بجلی سی بھر دی۔ اب اس نے راجہ پرتھوی راج سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فوج کو اکٹھا کر کے انتہائی پُرزور اور پُرجوش الفاظ میں تقریر کی۔ اس نے اپنے فوجیوں سے برملا کہا:

''یہ سچ ہے کہ ہم قوت و طاقت میں اپنے دشمن سے کم ہیں۔ ہمارا جنگی ساز و سامان تھوڑا ہے۔ ہمارے فوجیوں کی تعداد قلیل ہے مگر میدانِ جنگ میں یہ چیزیں اپنی قدر و قیمت اس وقت کھو دیتی ہیں جب جذبہ شہادت موجزن ہوتا ہے۔ تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ سپاہیوں کی قلیل تعداد نے مسلمانوں کے دشمنوں کی کثیر تعداد پر فتح حاصل کی اور اس کی ایک مثال نہیں کئی مثالیں ہیں۔ اٹھو آگے بڑھو۔ رب قادر و قدیر کی مدد اور فتح کی نوید ہماری منتظر ہے۔ دشمن پر قہرِ خداوندی بن کر ٹوٹ پڑو۔ باطل کے مقدر میں ہمیشہ سے شکست لکھ دی گئی ہے۔ ہمارے جذبے سچے، ہمارے ارادے مصمم اور ہمارا ایمان مضبوط ہے، اس لیے فتح ہمارا مقدر ہے۔ ہمارا ایک سپاہی دشمن کے ہزار سپاہیوں پر بھاری ہے۔ وہ لوگ شان و شوکت اور دولت و سلطنت کے لیے لڑیں گے جبکہ ہم خدا کی زمین پر خدا کا دین پھیلانے کی غرض لیے آگے بڑھیں گے۔ ہماری موت میں بھی ہماری زندگی ہے جبکہ دشمن کی موت میں جہنم کی آگ پوشیدہ ہے۔ ہم مر گئے تو شہید اور زندہ رہے تو غازی کہلائیں گے اور روزِ قیامت رب ذوالجلال کے حضور سرخروئی حاصل کریں گے جبکہ منکرینِ خدا جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ آگے بڑھو اور دشمن کے دانت کھٹے کر دو۔''

سابقہ جنگ میں جن سرداروں نے کمزوری دکھائی تھی شہاب الدین غوری ان سے ناراض تھا۔ اس نے اپنی فوج میں نئے سردار منتخب کئے اور سابقہ سرداروں کو کوئی اہمیت نہ دی تاہم شہاب الدین غوری نے حملے کے لیے روانگی سے پیشتر چند مصاحبین کی سفارش پر ان سابقہ سرداروں کو بھی فوج میں شامل ہونے کی اجازت دے دی کیونکہ انہوں نے اس بات کا مصمم ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ سابقہ کوتاہی کی تلافی کریں گے اور دشمن کو عبرتناک شکست دیں گے۔ اس دفعہ شہاب الدین غوری کے سپاہیوں کی تعداد کم و بیش سوا لاکھ تھی۔

سفر شروع ہوا۔ راستے میں شہاب الدین غوری نے ملتان میں بھی پڑاؤ کیا اور پھر لاہور پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنے ایک مصاحب کو خصوصی طور پر اجمیر بھیجا جو کہ شہاب الدین غوری کا پیغام لے کر پرتھوی راج کے دربار میں پہنچا۔ مصاحب جب پرتھوی راج کے دربار میں پیغام کے ہمراہ حاضر ہوا تو پرتھوی راج چوہان نے اسے کہا کہ وہ خود ہی پیغام پڑھ کر سنائے۔ چنانچہ اس نے بلند آواز سے پیغام پڑھا:

''پرتھوی راج! غور سے سمجھ کہ ہم مسلمانوں کا طریق ہے کہ جب ہم کفر سے بھرپور علاقوں میں پہنچتے ہیں تو حجت پوری کرنے کے لیے انہیں دعوتِ اسلام دیتے ہیں۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو

پھر انہیں اس علاقے کی حکومت دے دی جاتی ہے اور اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کر دیں اور آمادۂ جنگ ہوں تو پھر مسلمان رب ذوالجلال کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے دینے اور دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہیں۔ اگرچہ پچھلی بار میرا ارادہ جنگ کا نہیں تھا لیکن تم نے دھوکا دے کر لشکر اسلام پر عقب سے حملہ کر دیا۔ تاہم سابقہ غلطی تمہاری قابلِ معافی ہو سکتی ہے اگر تم مشرف بہ اسلام ہو جاؤ۔ اس طرح تمہارا اقتدار بھی قائم رہے گا اور ہمارا جھگڑا بھی ختم ہو جائے گا لیکن اگر تمہیں یہ منظور نہیں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ موت تمہارے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ تمہیں ہم ایسا سبق سکھائیں گے کہ تمہاری نسلیں یاد رکھیں گی۔''

راجہ پرتھوی راج چوہان نے جیسے ہی یہ پیغام سنا تو وہ ازحد مشتعل و غضبناک ہو گیا۔ وہ زندگی میں آج تک اس قدر غصے میں نہیں آیا تھا جتنا اب تھا۔ وہ بڑبڑایا اور چیخ کر بولا۔ ''اے پیغام بر! اپنے سردار کو کہہ دے کہ پرتھوی راج نے چوڑیاں نہیں پہن رکھیں بلکہ اس کے ہاتھوں میں تلوار ہے جسے وہ چلانا خوب جانتا ہے۔ اگر تیرے سردار کو یاد نہ ہو تو اسے یاد دلا دینا کہ آج سے تقریباً ایک سال قبل میں نے اسے تلوار کی چمک دکھائی تھی مگر شاید وہ اسے بھول گیا ہے یا اس کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے یا یہ کہ موت اسے آواز دے رہی ہے۔ اس نے مجھے اسلام کی دعوت دے کر میری غیرت کو للکارا ہے اور میں بھی راجپوت ہوں اصل راجپوت، مجھے اس کا چیلنج قبول ہے۔ اسے کہہ دو کہ میری تلوار کی دھار اور جھنکار کا مزہ چکھنے کے لیے تیار ہو جائے۔''

راجہ پرتھوی راج چوہان نے اس کے ساتھ ہی کچھ نازیبا کلمات بھی ادا کیے اور پیغام بر کو دھکے دے کر دربار سے نکال دیا اور مذہب کی آڑ میں اسی لمحے دوسرے ہندو راجاؤں کو خطوط لکھوائے تاکہ ان کی اعانت و معاونت حاصل کی جا سکے۔ اس طرح اس نے چار لاکھ سے زائد فوج جمع کر لی۔

اگرچہ جنگی و عسکری حوالے سے راجہ پرتھوی راج چوہان کو شہاب الدین غوری پر برتری حاصل تھی لیکن جس عمل کے پیچھے کوئی جذبہ کارفرما ہو، جیت ہمیشہ اسی کی ہوتی ہے۔ خوب لڑائی ہوئی اور بالآخر راجہ پرتھوی راج چوہان زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی فوج میدانِ جنگ سے بھاگ گئی اور رب قادر و قدیر نے اپنے نام لیواؤں کو فتح مقدر کی۔

فتح کے حصول کے بعد حالات جب معمول پر آئے تو شہاب الدین غوری کو کسی نے خبر دی۔ ''بادشاہ سلامت! اجمیر یوں تو بتوں کی سرزمین ہے مگر یہاں اک مردِ قلندر بھی رہتا ہے۔'' شہاب الدین غوری نے جیسے ہی یہ خبر سنی اک انجانی سی بے قراری نے اسے گھیر لیا۔ اس نے کہا کہ وہ اسی لمحے اس مردِ درویش سے ملنا چاہتا ہے۔ اور جب شہاب الدین غوری وہاں پہنچا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ تو وہی مردِ قلندر تھے جنہیں اس نے خواب میں دیکھا تھا اور جنہوں نے اسے فتح کی

خوشخبری دی تھی۔ یہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ تھے۔

شہاب الدین غوری والہانہ انداز میں آگے بڑھا اور اس نے اپنا تاجِ شاہانہ اتار کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں رکھ دیا اور ادب کے ساتھ سر جھکائے نیچے بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے شہاب الدین غوری کا تاج اٹھایا اور اُس کے سر پر رکھتے ہوئے فرمایا۔ ''تمہیں رب کریم و عظیم نے بہت بڑے دشمن کے مقابلے میں فتح نصیب کی ہے۔ اب تم اس سرزمین پر دینِ اسلام کی سربلندی و سرفرازی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دو۔ اپنے رب کے احسان کا شکر ادا کرو اور عدل و رحم سے کام لو۔ رب تعالیٰ تمہیں اور کامیابیاں عطا کرے!'' یوں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے جو بات راجہ پرتھوی راج چوہان کے بارے میں کہی تھی وہ حرف بہ حرف پوری ہوئی اور وہ راجہ جو ایک مردِ قلندر کو اجمیر سے نکل جانے کا الٹی میٹم دیتا تھا اب خود اجمیر سے بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ نکل چکا تھا جبکہ بعد ازاں اس کا سر تن سے جدا کر کے اسے جہنم واصل کر دیا گیا۔

مسلمانوں کی فتح دینِ اسلام کی سربلندی و فتح مندی ہی تھی۔ اس فتح کے نتیجے میں دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت میں انتہائی کامیابی و کامرانی حاصل ہوئی۔ راجہ پرتھوی راج چوہان جو کہ باطل کی علامت تھا اس کی پسپائی سے قرآن الحکیم کے اس فرمان پر مہرِ تصدیق ثبت ہوئی کہ ''حق آیا اور باطل گیا۔ بے شک باطل تو جانے ہی والا تھا۔'' جوق در جوق ہندو اپنے باطل مذہب کو چھوڑ کر وحدانیت و حقانیت کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے نَو مسلم افراد کی تعداد کہیں سے کہیں جا پہنچی۔ معتبر روایات کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر ایک لاکھ سے زائد راجپوتوں نے اسلام قبول کیا اور اپنی دنیا و آخرت سنواری۔ دراصل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اخلاق، حسن عمل، مروت، رواداری اور انسانیت سے محبت میں اس قدر شدت رکھتے تھے کہ پتھر دل بھی لمحوں میں موم ہو جاتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بت پرست بھی جب کبھی کسی سخت اور شدید مصیبت میں گرفتار ہوتے تو آپ کے پاس آ کر دعا کراتے اور کمال حقیقت یہ ہے کہ کبھی بھی انہیں مایوسی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی روز دینِ اسلام قبول کر لیتے تھے اور خالصتاً اپنی خوشی اور مطلقاً اپنی مرضی و منشاء سے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ ان پر کوئی جبر، کوئی دباؤ یا کوئی طمع و لالچ کا اثر نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ اپنے مشاہدے اور تجربے کی بناء پر یہ فیصلہ کرتے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جب غیر مسلم کسی حاجت کی خاطر حاضر ہوتے تھے تو آپ کے ارادت مند آپ کو بتاتے تھے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے آپ پر ظلم کیے تھے مگر آپ انہیں کہتے کہ ''میں رب رحمٰن و رحیم کا بندہ ہوں۔ رحمتہ اللعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہوں۔ مجھے تو یہی سبق یاد ہے کہ ہر ایک کے ساتھ اخلاق سے پیش آؤ۔ ہر ذی روح سے

بھلائی کرو کیونکہ دنیا میں مسلمان کی حیثیت سورج اور بادل جیسی ہے۔ سورج بھی کافر اور مسلمان کا امتیاز کئے بغیر سب پر اپنی روشنی اور اپنی حرارت پہنچاتا ہے اور بادل بھی کوئی تمیز کئے بغیر ہر ایک کے گھر اور ہر ایک کے کھلیان و کھیت پر برستا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا ہے کہ یہ کافر کا کھیت ہے یا مسلمان کا کھیت ہے۔ اس کا کام نفع پہنچانا ہے لہٰذا وہ سب کو نفع پہنچاتا ہے۔ چنانچہ میں بھی کسی کے ساتھ کوئی فرق نہیں کرتا۔ ان کا عمل ان کے ساتھ ہے اور میرا عمل میرے ساتھ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میرے اچھے اخلاق سے میرا کل کا دشمن آج کا دوست بن جائے۔ جو کل کافر تھا آج مسلمان ہو جائے۔''

اور وقت نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی یہ بات، ان کا یہ فلسفہ اور ان کی یہ حکمتِ عملی سچ ثابت کی۔ آپ کے اسی حسن اخلاق سے راجپوت ہندو دھڑا دھڑ حلقہ بگوش اسلام ہوئے کیونکہ انہیں یہ دین امن سلامتی، اخوت سے لبریز اور ذات پات سے مبرا نظر آیا۔

☆======☆======☆

باطل جس قدر بھی ذلت اٹھالے اور شکست سے دوچار ہو جائے مگر حق کے خلاف اس کی مخالفت، مخاصمت اور عداوت اس کی فطرت میں شامل ہوتی ہے۔ اجمیر پر اگرچہ مسلمانوں نے مکمل فتح حاصل کر لی تھی اور یہ سب کچھ رب رحیم و کریم کی عنایت اور الطاف و کرم تھا مگر شکست کھانے کے بعد درونِ پردہ اپنی سازشوں میں مصروفِ عمل تھے۔ اگرچہ ہندوؤں کی ایک معقول اکثریت مشرف بہ اسلام ہو چکی تھی مگر متعصب ترین ہندوؤں کا ایک خاص گروہ خاموشی کے ساتھ منظم ہو رہا تھا۔ انہیں اب بھی امید تھی کہ اگر شدت کے ساتھ مزاحمت کی جائے تو مسلمانوں کو شکست دی جاسکتی ہے۔ وہ خفیہ ٹھکانوں پر خفیہ اجلاس منعقد کرتے تھے۔ سازشوں کے منصوبے تیار کرتے تھے جن کا مقصد محض حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ذات کو نشانہ بنانا اور آپ کو کسی نہ کسی طریقے سے راستے سے ہٹانا تھا۔ وہ لوگ آپ کی اجمیر میں موجودگی کو کسی صورت بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ آگ بظاہر بجھ چکی تھی مگر اس کے اندر خوابیدہ چنگاریاں آگ کو پھر سے بھڑکانے کی کوشش و کاوش میں مصروف و مستغرق تھیں مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے خدائی مشن کی ترویج و تشہیر میں کامل استقامت و دیانت کے ساتھ مشغول و مصروف تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت آپ کے پائے استقلال میں کسی قسم کی کوئی لرزش نہیں لاسکتی تھی۔ کوئی لالچ، کوئی دباؤ، کوئی دھمکی اور کوئی حملہ آپ کو اپنے عزم مصمم سے نہیں روک سکتا تھا کیونکہ آپ باطل سے دبنے کے لیے نہیں بلکہ اسے دبانے اور ختم کرنے کے لیے اجمیر پہنچے تھے۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تُو امتحاں ہمارا

اور پھر ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو آپ کے ایک ارادت مند نے اطلاع دی کہ ایک اجنبی شخص آپ سے ملاقات کا شدید آرزومند ہے۔ اگرچہ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ ان لمحات میں کسی سے ملاقات نہیں کیا کرتے تھے اور صرف ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے لیکن جب آپ کے ارادت مند نے آپ کو بتایا کہ وہ شخص بڑی دور سے آیا ہے اور اسے واپس بھی جانا ہے۔ انتظار نہیں کرسکتا اور ملنے کا اشتیاق بھی حد سے بڑھ کر ہے تو آپ نے اسے اندر بلانے کی اجازت دے دی۔

وہ شخص آتے ہی آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ آپ کے ہاتھ چومنے لگا اور پھر بیٹھتے ہی آپ کی تعریفیں کرنے لگا۔ اس نے اس قدر زور و شور سے تعریفیں شروع کیں کہ آپ نے اسے درمیان ہی میں روک دیا۔ آپ نے فرمایا۔ ''یاد رکھو کہ تعریف و توصیف کی اہل صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ تعریف کرنی ہے تو اسی کی کرو۔ اور ہاں اپنا مقصد و مطلب اور اپنی آمد کی غرض و غایت بیان کرو۔''

اس نے دست بستہ انتہائی انکساری و عاجزی کے ساتھ عرض کی۔ ''یا حضرتؒ! یہ میری بہت پرانی خواہش تھی کہ میں آپ کی زیارت کروں۔ آپ کی قدم بوسی کروں۔ میرا اور کوئی مقصد و آرزو نہیں ہے۔ میں تو صرف اور صرف آپ کی زیارت اور آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھنا چاہتا تھا اور یہ میری خوش بختی و خوش قسمتی ہے کہ آج میں ان لمحات میں آپ کے پاس بیٹھا ہوں۔ یہ میری زندگی کے سب سے قیمتی اور یادگار لمحات ہیں۔ میں انہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔''

اس اجنبی شخص کی عقیدت مندی اور نیازمندی دیکھ کر آپ کے ارادت مند بہت متاثر ہوئے مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ زیرلب قدرے مسکرائے اور پھر آپ نے اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا۔

''یہ وقت بہت قیمتی شے ہے۔ اسے فضول، بے کار باتوں میں کبھی بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ بہتر یہی ہے کہ انسان اپنے کام سے کام اور اپنے مطلب سے مطلب رکھے۔ تم میری جھوٹی تعریفیں چھوڑو۔ جو ملمع سازی تم نے کی ہے وہ اب بند کرو۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ اب تمہارا وقت گزرا جا رہا ہے۔ اس لیے جلدی سے وہ کام کرو جس کے لیے تمہیں یہاں بھیجا گیا ہے۔ تم اپنا کام شروع کرو۔ رب رحمٰن و رحیم میرا محافظ ہے۔ وہی ذات ہے جو جن و بشر کے شر سے بچانے والی ہے اور وہی کچھ ہو کر رہتا ہے جو رب کائنات کو منظور ہوتا ہے۔ تو پھر جلدی کرو اور اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق عمل کرو۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے جیسے ہی یہ الفاظ ادا کئے تو اس اجنبی شخص پر کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔ وہ پسینے سے شرابور ہوگیا۔ آپ کے ارادت مند اس شخص کے جسم کی کپکپی دیکھ کر حیران تھے کہ اسے یکدم کیا ہوگیا ہے۔ دراصل اس کا راز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کھول دیا تھا اور اس کے منصوبے کو فاش کر دیا تھا۔ اس لیے وہ شرمندگی کے مارے کپکپا رہا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد اس اجنبی شخص نے اپنی جیب میں چھپے ایک تیز دھار خنجر کو نکال کر سامنے زمین پر پھینک دیا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں سے لپٹ کر زاروقطار رونے لگا۔ کافی دیر رونے کے بعد اس نے بتایا:

''یا حضرتؒ! حالانکہ میں آپ سے ازحد عقیدت و محبت رکھتا ہوں اور آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں مگر مجھے شیطان نے بہکایا۔ مجھے میرے نفس نے دھوکا دیا۔ میں دولت کے جال میں پھنس گیا۔ اجمیر کے ایک دولت مند ہندو نے مجھے کثیر دولت کا لالچ دے کر آپ کے پاس بھیجا تاکہ میں اس کے ناپاک منصوبے کی تکمیل کرسکوں لیکن جب آپ کی زبان سے اس منصوبے کا سنا تو میرے جسم پر ایک نامعلوم سی کپکپی طاری ہوگئی۔ میں آپ سے معافی کا طلبگار ہوں لیکن پھر بھی آپ جو سزا میرے لیے تجویز فرمائیں گے مجھے قبول ہوگی حتیٰ کہ اگر آپ میرے قتل کا حکم بھی صادر فرمائیں تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں خود اسی ارادے سے آیا تھا۔ میں آپ کی کشف کی قوت کو سلام کرتا ہوں۔ آپ واقعی ولی اللہ ہیں۔ آپ نے میرا ارادہ اور میرا منصوبہ جان لیا۔ میں قصوروار ہوں۔ مجھے سزا ضرور ملنی چاہیے۔''

آپ نے فرمایا۔ ''ہم تو خیر کے طالب ہیں اور خیر ہی بانٹتے ہیں۔ تمہارا کوئی قصور نہیں تمہیں نفس نے مجبور کیا اور دولت کی چمک نے اندھا کر دیا۔ تم مجبور تھے۔ اصل قصوروار تو وہ ہندو ہے جس نے تمہیں اس کام کی طرف راغب کیا۔ مجھے اس کا نام نہ بتاؤ۔ اس کا مجھے علم ہے۔ میں نے اسے بھی معاف کیا اور تمہیں بھی کیونکہ ہم معاف کرنے والے خدا کے بندے اور دشمنوں سے درگزر کرنے والے اور ان کے لیے دعا کرنے والے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں۔ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسے لوگوں کو معاف کر دیا تھا۔ ہم اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تمہیں معاف کرتے ہیں۔''

اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے اس حسنِ عمل اور حسنِ اخلاق نے اس شخص کا سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔ اس نے تمام تر گناہوں سے توبہ کر لی۔ اس نے کئی حج کئے اور مستقل طور پر آپ کے پاس ہی رہنے لگا اور یوں اس نے تمام زندگی رب تعالیٰ کی عبادت و ریاضت میں گزار دی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ذات میں انسانیت کی تمام اعلیٰ صفات موجود تھیں۔ آپ رحمتہ اللہ انتہائی روادار، پُرخلوص، ہمدرد، غریب پرور، رحمدل، فیاض اور بندہ نواز تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ غریب نواز کے لقب سے مشہور و مقبول ہوئے۔ کوئی شخص آپ کے ساتھ چاہے کس قدر ہی زیادتی کرلیتا آپ اسے خندہ پیشانی اور کمال مہربانی کے ساتھ درگزر فرماتے تھے۔ کسی نے گستاخی کی تو آپ نے تبسم فرمایا۔ کوئی قتل کرنے آیا تو برا نہ منایا لیکن آپ دوسرے انسانوں پر ظلم وزیادتی قطعی برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ جب آپ کو علم ہوتا تھا کہ آپ کے

کسی ارادت مند کے ساتھ کوئی ظلم وزیادتی ہوئی ہے تو پھر آپ اس کی مدد میں انتہائی سرعت سے کام لیتے تھے۔ ان لمحات میں بعض اوقات آپ کے چہرے کی رنگت سرخ ہو جاتی تھی اور کبھی کبھار بلکہ شاید ایک دو بار ایسا بھی ہوا کہ کسی کے ساتھ زیادتی دیکھ کر آپ پر جلالی کیفیت طاری ہوگئی۔ جب آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی تو ظالم کو ضرور سزا ملی اور چشمِ فلک نے دیکھا کہ اس نے اپنے کیے کی سزا جلد ہی اسی دنیا میں پالی۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے ایک انتہائی عزیز مرید اور ارادت مند حضرت شیخ علیؒ کے ہمراہ اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے ذکر وفکر میں مشغول و مستغرق تھے۔ حضرت شیخ علیؒ بھی عبادت و ریاضت میں مصروف تھے کہ اتنے میں یکایک ایک اجنبی شخص حجرے میں داخل ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر حضرت شیخ علیؒ کا گریبان پکڑ لیا اور انہیں برا بھلا کہنے لگا۔ اس نے نہ صرف انہیں برا بھلا کہا بلکہ دست درازی بھی کی جس سے حضرت شیخ علیؒ زخمی بھی ہوگئے مگر جہاں تک حضرت شیخ علیؒ کے صبر وبرداشت اور حوصلہ مندی کی بات ہے تو انہوں نے ایک حرف تک منہ سے نہ نکالا اور انتہائی خاموشی کے ساتھ سب کچھ سہہ گئے مگر اُف تک نہ کی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص سے پوچھا۔ ''آخر بات کیا ہے جو تم اس قدر غصے میں ہو اور نازیبا کلمات ادا کر رہے ہو؟ شیخ علیؒ کا قصور کیا ہے جو تم دست درازی کررہے ہو؟'' اس شخص نے دھاڑتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہ شخص میرا قرض دار ہے۔ اس نے مجھ سے قرضہ لے کر آج تک واپس نہیں کیا۔ کئی وعدے کئے مگر ہر دفعہ اگلے وعدے کے ساتھ مجھے واپس بھیج دیتا ہے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ نے جب اس سے رقم کی مقدار کے بارے پوچھا تو انتہائی معمولی سی رقم تھی۔ آپ نے اس سے کہا۔ ''کچھ دن اور صبر کرو۔ یہ آدمی نیک ہے۔ کسی کے پیسے کھانے کا ارادہ بالکل نہیں رکھتا۔ اس کے پاس پیسے ہوتے تو یہ تمہیں ضرور ادائیگی کردیتا۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے چاہا تو جلد ہی تمہاری یہ معمولی سی رقم ادا ہو جائے گی۔ میرے پاس بھی اس وقت اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں ہی اپنے اس مرید کی رقم ادا کردوں۔ اگر میرے پاس رقم ہوئی تو پھر میں ادا کردوں گا لیکن تمہیں تھوڑا سا صبر اور کرنا پڑے گا۔ غصے کو جانے دو۔ غصہ حرام ہوتا ہے۔ تم خود جانتے ہو کہ اگر شیخ علیؒ کے پاس پیسے ہوتے تو وہ تمہاری بے عزتی برداشت کرنے سے پہلے ہی تمہیں رقم کی ادائیگی کردیتا۔ جب اس کے پاس پیسے نہیں۔ جب میرے پاس بھی پیسے نہیں تو پھر ہم تمہیں رقم کس طرح ادا کرسکتے ہیں۔ اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جیسے ہی رب رازق ورزاق پیسے عطا فرمائیں گے شیخ علیؒ خود آکر تمہیں ادا کر جائے گا۔ ہوسکتا ہے ابھی کہیں سے آجائیں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات پاک بڑی بے نیاز ہے اس لیے خاطر جمع رکھو۔ تمہارے پیسے کہیں نہیں جاتے، تمہیں ضرور ملیں گے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی اس قدر مدلل، مفصل اور نصیحت آموز

گفتگو کے باوجود وہ شخص اپنی بات پر ڈٹا اور اُڑا رہا کہ وہ پیسے ابھی لے کر جائے گا اور اسی وقت لے کر جائے گا۔ اس نے پہلے سے زیادہ شور مچانا شروع کر دیا اور ناقابلِ برداشت بدتمیزی پر اُتر آیا۔ اس نے طرح طرح کی دھمکیاں بھی دینا شروع کر دیں اور اس قدر چلایا کہ در و دیوار ہلتے ہوئے محسوس ہوئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ چند لمحوں کے لیے اس کی ان حرکات کو دیکھتے رہے اور پھر آپ نے اپنے دوشِ مبارک سے اپنی چادر اتاری اور زمین پر بچھادی۔ اس دوران وہ شخص دست اندازی کرتے ہوئے حضرت شیخ علیؒ کا گریبان پکڑے ہوئے تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ نے اس شخص سے کہا۔
''میرے پیارے ارادت مند شیخ علیؒ کا گریبان چھوڑ دے اور اپنے پیسے اٹھالے۔ جس قدر تم نے شیخ علیؒ سے لینے ہیں اتنے پیسے لے کر اپنی راہ لے۔''

اس شخص نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پوری چادر سکوں سے بھری ہوئی تھی۔ حیرانی کے ساتھ ساتھ اسے پریشانی بھی ہوئی کہ اتنے سارے سکے کہاں سے آئے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ ان کے پاس کچھ بھی رقم نہیں ہے۔ پھر یہ اتنی رقم کہاں سے آئی؟ تاہم وہ لالچی شخص تھا۔ اس نے اپنے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور جلدی سے سکے اٹھانے لگا۔ اس نے اپنی تمام عمر میں اس قدر دولت نہیں دیکھی تھی۔ وہ تمام سکے دراصل چاندی کے سکے تھے۔ لالچ اور ہوس اس پر غالب آگئی اور اس نے بڑھ کر اپنی مطلوبہ رقم سے زائد رقم اٹھالی بلکہ بہت زیادہ اٹھالی۔ دولت نے اسے اندھا کر دیا تھا۔

پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا۔ ''کیا تم نے اپنی رقم لے لی؟ کیا شیخ علیؒ کا واجب الادا قرض تم تک پہنچ گیا؟'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور کچھ بولے بغیر تیزی کے ساتھ حجرے سے نکل گیا۔

جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ علیؒ کو سمجھاتے ہوئے فرمایا۔ ''میاں! رب تعالیٰ جل شانہٗ تمہیں سلامت رکھیں۔ تم درویش کہلاتے ہو اور خود سوچو کہ کیا درویشی اور قرض میں کوئی تعلق بنتا ہے۔ درویش تو بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ کسی سے اپنی حاجت و ضرورت بیان نہیں کرتا اس لیے اسے قرض لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ تو رب تعالیٰ جل شانہٗ اپنے بندوں کے پردے رکھنے والے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آج ہماری مدد کی اور غیب سے دولت بھیجی اور ہمیں رسوائی سے بچایا لیکن رب تعالیٰ جل شانہٗ کی بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ سوائے رب رازق و رزاق کے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا جائے۔ وہی ذات واحد ذات ہے جو سب کچھ عطا کرنے والی ہے۔ درویشوں کو چاہیے کہ وہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی انسان کو اپنی حاجت بیان نہ کرے۔''

شیخ علیؒ نے دست بستہ عرض کی۔ ''یا حضرتؒ! یہ اک راز تھا جسے میں چھپانا چاہتا ہوں کیونکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ نیکی ایک ہاتھ سے کرو تو دوسرے ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔ دراصل اس شخص سے

میں نے یہ رقم اس وقت قرض لی تھی جب ایک حاجت مند نے اپنی ضرورت میرے سامنے بیان کی لیکن میرے دامن میں سوائے خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے اور کچھ نہیں تھا۔ مگر اس شخص کی حاجت وضرورت ایسی تھی کہ جسے پورا ہونا لازم تھا۔ میں نے اس لمحے یہی فیصلہ کیا کہ قرض لے کر اس شخص کی حاجت پوری کر دوں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ لازماً کوئی نہ کوئی سبب بنا دیں گے اور جب میرے پاس پیسے آجائیں گے تو میں پیسے اتار دوں گا مگر نوبت یہاں تک پہنچی اور باقی کا واقعہ آپ کے سامنے ہی ہے۔ آپ خاطر جمع رکھیے اور مطمئن رہیے۔ آپ کے خادم اور ارادت مند درویشی کے آداب خوب سمجھتے ہیں اور رب تعالیٰ شانہٗ کی بندگی کا ہنر بھی جانتے ہیں اور یہ بھی سب کچھ آپ کا دیا ہوا سبق ہے۔ آپ کی ہی تعلیم و تدریس اور تربیت ہے جو ہمارے کام آرہی ہے۔ اور ان شاء اللہ ہم آپ کو کبھی مایوس نہیں کریں گے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرید خاص شیخ علیؒ سے کہا۔
''بہت خوب! تم نے میرا من خوش کر دیا۔ رب ذوالجلال تمہیں ایسی توفیق بار بار دے۔ کسی حاجت مند کی حاجت وضرورت پوری کرنا انسانیت کی پہلی شرط ہے۔ دوسروں کے لیے قربانی دینا اور لوگوں کے کام آنا ہی تو اصل اسلام ہے یعنی مسلمان وہی ہے جو دوسروں کی سلامتی چاہتا ہو۔ دوسروں کے کام آتا ہو اور دوسروں کے دکھ اور ضرورت میں ان کی مدد کرتا ہو اور ان کا ساتھی بنتا ہو۔'' بقول اقبالؒ

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں ، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

اور پھر چند ہی روز گزرے تھے کہ وہ بدتمیز اور گستاخ شخص پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پھر حاضر ہوا۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔ جسم میں کپکپاہٹ تھی۔ زبان پر لرزہ طاری تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ ''کیا پھر کسی سے قرض لینا باقی رہ گیا ہے؟'' اس نے کہا۔ ''یا حضرتؒ! ایسی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس دن مجھے حرص و ہوس اور لالچ نے بالکل اندھا کر دیا تھا۔ میں نے حضرت شیخ علیؒ سے جس قدر پیسے لینے تھے اس سے کہیں زیادہ اٹھا لیے۔ میں نے وہ سکے جس ہاتھ سے اٹھائے تھے۔ اس میں پہلے تو شدید درد شروع ہوا۔ پھر درد تو ختم ہوگیا کیونکہ میں نے اچھے سے اچھا طبیب کوئی بھی نہ چھوڑا جس سے علاج نہ کرایا ہو مگر اب صورت حال یہ ہے کہ میرے ہاتھ نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔ اب میں آپ سے یہی درخواست لے کر آیا ہوں کہ آپ مجھے معاف فرما دیں۔ میں تمام بات سمجھ گیا ہوں۔ یہ سب کچھ اس کی سزا ہے جو میں نے اس دن شیخ علیؒ کے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور پھر ضرورت سے زیادہ لالچ اور دھوکہ دہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مطلوبہ رقم سے زیادہ رقم اٹھالی۔ وہ زائد رقم میں واپس لایا ہوں۔ آپ وہ لے لیجیے اور میرے لیے دعا کیجیے کہ میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اے نادان شخص! وہ سکے جو تُو نے

زیادہ اٹھائے تھے وہ تو رب تعالیٰ جل شانہٗ کا خزانہ تھا۔ وہ ہماری کمائی نہیں تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات سے بے نیاز ہیں کہ کوئی شخص چوری سے حرام رزق حاصل کرتا ہے یا وہ رزق حلال حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے البتہ تیرا یہ ہاتھ جو ناکارہ ہوگیا ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ تُو نے شیخ علیؒ کا دل دکھایا ہے اور کسی کا دل دکھانا گناہِ عظیم ہے۔ جب تک شیخ علیؒ تجھے معاف نہیں کرے گا۔ میں تمہارے حق میں دعا کرنے سے قاصر ہوں۔''

اس شخص نے شیخ علیؒ سے معافی مانگی تو شیخ علیؒ نے انتہائی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا اس پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کی۔ ''یا باری تعالیٰ! اس شخص کا گناہ معاف فرمادے اور اسے صحت عطا فرمادے۔'' اور پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت ملا۔ یوں چند ہی روز میں اس شخص کا ہاتھ ٹھیک ہوگیا۔ یہ سب رب کریم ورحیم کا فضل وکرم تھا۔

☆======☆======☆

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے انسانیت کی اصلاح وفلاح کی خاطر سرزمین اجمیر پر قدم رکھا تو آپ لوگوں کی خدمت، اسلام کی ترویج واشاعت اور کفار کی مزاحمت کے حوالے سے اس قدر مصروف ہوئے کہ ایک عرصہ گزر گیا۔ آپ جب اجمیر تشریف لائے تھے تو آپ نے اپنے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی میں اپنا نائب اور جانشین مقرر کیا تھا جنہوں نے انتہائی خلوص ومحنت اور خوش اسلوبی وتن دہی کے ساتھ اپنے فرائض سر انجام دیئے اور حتیٰ الوسع کوشش وکاوش کی کہ عوام کی فلاح واصلاح جاری وساری رہے۔

دہلی کے عوام اگرچہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت خوش تھے لیکن انہیں اس بات کی شدید خواہش وآرزو تھی کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کریں۔ ان کی دعاؤں سے روبرو فیض یاب ہوں۔ ان کی صحبت ومحبت سے وہ بھی مستفید ہوں۔ ان کے وجود کی برکت سے ان کی سرزمین بھی منور وروشن ہو۔

سب سے زیادہ خواہش اور تمنا حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ آپ اپنے پیر ومرشد اور رہبر ورہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پھر سے زندگی کے لمحاتِ دل پذیر گزاریں۔ اس حیاتِ ناپائیدار کو اپنے مرشد کی صحبت میں بسر کریں۔ آپ کے لیے اپنے پیر ومرشد کا فراق ناقابلِ برداشت ہوا جا رہا تھا۔ بے کلی اور بے چینی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ آپ ہر ہفتے باقاعدگی کے ساتھ اپنے رہبر ورہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھتے جس میں ان سے دست بستہ درخواست کرتے کہ یا تو وہ خود دہلی تشریف لے آئیں اور اگر ایسا ممکن نہیں تو انہیں دہلی سے بلوالیں۔ تاہم آپ کا زیادہ زور اس بات پر ہوتا تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ خود دہلی تشریف لے آئیں کیونکہ اس طرح

کثیر تعداد میں منتظر افراد کی خواہش پوری ہوتی تھی۔

رُخ سے پردہ اٹھا معین الدینؒ
جلوہ اپنا دکھا معین الدینؒ
کیجیے اک نگاہ رحمت کی
مجھ پہ بہر خدا معین الدینؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو جیسے ہی اپنے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا خط ملتا، آپ بھی بے قرار سے ہو جاتے مگر اجمیر میں آپ کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ کافی لوگ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے مگر پھر بھی ایک خاصی بڑی تعداد ایسی تھی جو ابھی تک گمراہی کے گہرے گڑھے میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ شیطان نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جہالت کی اس پٹی کو ان کی آنکھوں سے اتار کر انہیں حق اور سچ کی روشن راہ پر لانا چاہتے تھے۔ آپ سمجھتے تھے کہ اگر آپ اجمیر سے کچھ عرصے کے لیے بھی چلے گئے تو طاغوتی طاقتوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ وہ نومسلم افراد کو بھی بہکانے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس لیے آپ کا اجمیر میں ابھی کچھ عرصہ اور رہنا قرین مصلحت تھا۔

اور پھر وہ وقت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم اور خاص لطف وعنایت سے آیا کہ اجمیر اور خاص طور پر راجھستان کے مشرکین دائرۂ اسلام میں جوق در جوق داخل ہو گئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اب مناسب سمجھا کہ دہلی کا سفر اختیار کیا جائے۔ جیسے ہی آپ نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا تو اجمیر کے ارادت مند اور مریدین دوڑے ہوئے آئے اور آپ کے گرد اکٹھے ہو کر زار وقطار رونے لگے۔ انہوں نے واضح طور پر کہا۔ ''ہم آپ کو قطعی طور پر دہلی نہیں جانے دیں گے۔ ہمیں آپ کی سخت ضرورت ہے۔ ابھی تو ہم مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ ابھی تو ہم نے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ آپ سے مستفید ومستفیض ہونے کا وقت آیا ہے تو آپ نے جانے کا قصد کرلیا ہے۔ ہم کہاں جائیں گے؟ اگر آپ دہلی جاتے ہیں تو پھر ہمیں بھی ساتھ لے چلیے۔ آپ ہمارا اور ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ کے جانے سے ہماری دنیا اندھیر ہو جائے گی۔ آپ ہمارے رہبر ورہنما ہیں۔ آپ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ آپ ہی کی وجہ سے اس سرزمین میں برکت ہے۔ آپ چلے گئے تو پھر ہندوؤں کو ہم پر حملہ کرنے اور ہمیں ظلم وستم کا نشانہ بنانے کا موقع مل جائے گا۔ ہندو تو چاہتے ہی یہی ہیں کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ اس طرح وہ خوش ہوں گے۔ ان کی دیرینہ خواہش پوری ہوگی اور وہ اپنے عزائم میں کامیاب نظر آئیں گے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اجمیر کے لوگوں کا اس قدر جوش وخروش، ذوق وشوق اور محبت وعقیدت کے ساتھ ساتھ ان کی ضرورت وحاجت میں صداقت دیکھی تو

آپ نے یہی خیال کیا کہ ان لوگوں کو ابھی میری رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس لیے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اجمیر شریف ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ آپ کے اس فیصلے سے اجمیر کے رہائشیوں میں خوشی و مسرت کی اک نئی لہر دوڑ گئی۔ وہ اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے گھر گھر مٹھائی تقسیم کی اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی کیونکہ ان کے لیے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات باعثِ برکت و عزت اور وجہ قرار و افتخار ہونے کے ساتھ ساتھ رہبری و رہنمائی کا ایسا انمول خزانہ تھی کہ جسے وہ اپنی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے لیے از حد ضروری اور آبِ حیات کی مانند سمجھتے تھے۔ بقول شاعر۔

حبیبِ ایزد انوار ہیں غریب نوازؒ
طبیبِ امت سرکارؐ ہیں غریب نوازؒ
ولی و والی و سلطانِ ہند و پاکستان
جہاں نواز و جہاندار ہیں غریب نوازؒ

اس فیصلے کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا خط آنے پر انہیں لکھا۔ ''اللہ تبارک و تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔ ہمت سے کام لو۔ اب میں اجمیر میں ہی ہوں۔ دہلی ضرور آؤں گا مگر خدائی مشن کی تکمیل کے بعد ہی آسکوں گا۔ تم اس مسئلے پر زیادہ زور دینے کی بجائے عوام کے مسائل کی طرف زیادہ توجہ دو۔ ہر رشتہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے لیے اور اسی کی رضا کی خاطر ہی بنتا ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ اسی بنیاد پر رشتے قائم کرے اور ذاتی تعلقات کو بالائے طاق رکھ دے۔ خدائی مشن کا تقاضا یہی ہے کہ میں کچھ عرصہ اور اجمیر میں قیام کروں کیونکہ انہیں دہلی والوں کی نسبت میری زیادہ ضرورت ہے ورنہ اب تک جو بھی کام ہوا ہے اس کے بھی ضائع ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا۔ مجھے خطوط لکھنے کی بجائے رب تعالیٰ جل شانہٗ سے دعا کرو کہ وہی ذات کارساز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی جب بھی ہوئی میں تمہارے پاس آنے میں ایک لمحہ بھی دیر نہیں کروں گا۔ خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔''

کچھ عرصہ کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے پھر ایک خط حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو ارسال فرمایا کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ آپ کے پیر و مرشد کا تبلیغی کام اجمیر میں مکمل ہو چکا ہو گا یا تکمیل کے آخری مراحل میں ہو گا۔ آپ نے اس خط میں لکھا:

''میرے رہبر و مرشد حضرت جیؒ! اب فراق کی ایک گھڑی بھی گراں گزرتی نظر آتی ہے۔ یہاں لوگوں کے ہجوم میں ہمہ وقت آپ ہی کا متلاشی رہتا ہوں۔ میرے ساتھ دوسرے بے شمار افراد بھی آپ کے فراق میں پریشان ہیں اور بار بار مجھ سے یہی استفسار کرتے ہیں کہ آپ دہلی کب تشریف لا رہے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ اب تک آپ کا خدائی مشن تکمیل کی حدوں کو چھو رہا ہو گا۔ اب مہربانی کیجیے کہ دہلی تشریف لے آیئے چاہے تھوڑے ہی عرصے کے لیے مگر ہماری درخواست کو

شرفِ قبولیت ضرور بخشئے اس سے پہلے کہ کہیں رب تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے ہی بلاوا آ جائے۔ زندگی کی اس آخری خواہش کو ضرور پورا کیجیے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے خط پڑھا تو ایسی بے کلی محسوس کی کہ ایسی پہلے کبھی محسوس نہ کی تھی۔ آپ نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

''تمہارا یہ درویشانہ اضطراب قابلِ تحسین ہے۔ تم جانتے ہو کہ اجمیر کے لوگوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہے۔ ان کو آدابِ معاشرت و شریعت سکھانا از حد ضروری اور لازمی تھے ورنہ ان کے دوبارہ بھٹکنے کا اندیشہ تھا۔ مزید یہ کہ مخالفانہ و مخاصمانہ قوتیں بھی اپنے محاذ پر ڈٹی ہوئی تھیں اس لیے میرا یہاں ٹھہرنا یہاں کے لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت تھا۔ اب میں کسی حد تک مطمئن ہوں اور مجھے اطمینان ہے کہ اگر اب میں یہاں سے دہلی پہنچا تو اجمیر والوں کا نقصان نہیں ہو گا۔ تم دہلی میں مسلسل اشاعتِ اسلام میں مصروف رہو۔ مجھے یقین ہے کہ پورے ہندوستان میں جلد ہی اللہ کے دین کا ڈنکا بجنے لگے گا۔ ہندوستان کا کونہ کونہ اور گوشہ گوشہ خدا کے نور سے جگمگا جائے گا۔ تمہارے انتظار کے لمحات جلد ہی ختم ہونے والے ہیں۔ میں جلد ہی دہلی پہنچوں گا۔ دعا کرو اگر رب تعالیٰ جل شانہٗ نے چاہا تو میں عنقریب تمہارے پاس ہی ہوں گا۔''

اس خط کے کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اجمیر شریف میں موجود اپنے مریدوں، ارادت مندوں اور عقیدت مندوں کو بلایا۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں آپ سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔ آپ کا ہر دکھ میرا دکھ ہے اور آپ کی ہر خواہش و خوشی میں پوری کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کا کافی عرصہ آپ لوگوں کے ساتھ گزارا ہے لیکن میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کے علاوہ بھی اور لوگ ہیں جو میری ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ مجھ سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں اور میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں۔ اس محبت و عقیدت کے حوالے سے ان کا مجھ پر حق ہے کہ میں ان کے پاس بھی کچھ عرصہ گزاروں۔ میں جتنا عرصہ یہاں رہا ہوں ان کے خطوط ان کے جذبات و احساسات کی حدت و حرارت لیے مجھ تک مسلسل پہنچتے رہے ہیں۔ میں نے ایک دفعہ پہلے بھی ان کے پاس جانے کی کوشش کی تھی مگر آپ کی محبت و عقیدت اور آپ کے آنسوؤں نے مجھے روک لیا تھا اور میرے دل نے یہی فیصلہ دیا تھا کہ آپ کو ابھی میری ضرورت ہے کیونکہ آپ نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور آپ میں سے اکثر کو شریعت کے اصولوں کی تربیت دینا ضروری تھا۔ اب جبکہ یہ کام مکمل ہو چکا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میں دہلی جاؤں تاکہ ان لوگوں کا جو حق مجھ پر بنتا ہے وہ میں ادا کر سکوں لیکن اس کا فیصلہ میں خود نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا فیصلہ بھی آپ لوگ ہی کریں گے۔ میں تو آپ لوگوں سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں گے تو تب

ہی میں دہلی جاسکوں گا اور مجھے یقین ہے کہ آپ میری یہ بات نہیں ٹالیں گے اور مجھے کھلے دل سے اجازت دے دیں گے۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی اس گفتگو کے بعد ایک نومسلم نے تمام افراد کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا۔ "یا حضرتؒ! آپ کا ہر فرمان اور آپ کی ہر خواہش ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے لیکن محبت کی زنجیر ہمارے دل و دماغ میں ایسی بندھی ہے کہ اس کا ہر جوڑ مضبوط سے مضبوط تر ہے۔ ہم آپ کو صرف اپنا رہبر و رہنما ہی نہیں سمجھتے بلکہ آپ ہمارے والدین کی طرح ہیں۔ ہم اپنے دکھ سکھ آپ سے بانٹتے ہیں۔ ہمیں کانٹا چبھتا ہے تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس کی تکلیف آپ کو بھی ہوئی ہے۔ جو شخص اس قدر غم خوار اور ہمدرد و غمگسار ہو وہ دلوں کے قریب ترین اور احساسات و جذبات کا مکین ہو جاتا ہے۔ آپ یہاں سے تشریف لے جانا چاہتے ہیں اور فیصلہ ہم پر چھوڑا ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہم آپ کی خواہش کا احترام نہیں کریں گے؟ مگر اتنا تو ضرور بتایئے کہ کیا ہم سے کوئی گستاخی ہوئی؟ کیا کوئی حکم عدولی ہوئی؟ کیا آپ کے احترام و اکرام میں کوئی کوتاہی سرزد ہوئی؟ اگر ایسا ہے تو ہم تہہ دل سے آپ سے معافی کے طلبگار اور معذرت کے خواستگار ہیں۔ اگر ایسا ہوا بھی ہے تو وہ نادانستہ ہوا ہوگا۔ مزید یہ کہ ہمیں یہ ضرور بتایئے کہ کیا آپ مستقل طور پر اجمیر شریف چھوڑ کر دہلی تشریف لے جا رہے ہیں یا پھر واپس ہمارے پاس لوٹ آئیں گے؟ اگر آپ مستقل طور پر دہلی جا رہے ہیں تو ہمیں ہمارا قصور بتایئے یا پھر ہمیں بھی ساتھ لے جایئے۔ کیا روح کے بغیر جسم زندہ رہ سکتا ہے؟ آپ ہماری روح کی مانند ہیں۔ آپ صبح و شام ہماری روح کی غذا ہمیں فراہم کرتے ہیں۔ ہمارا جینا مرنا آپ ہی کے ساتھ ہے۔"

اس شخص نے اس قدر پُر اثر اور درد انگیز تقریر کی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔ کچھ لوگ اس موقع پر زار و قطار رو رہے تھے اور کچھ خاموش و ساکت و جامد ہو گئے تھے جیسے کوئی شدید صدمہ پہنچا ہو۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"میرے عزیز ساتھیو! آپ نے جتنا احترام اور جس قدر عزت و توقیر مجھے دی ہے میں اس کی از حد قدر کرتا ہوں۔ آپ لوگوں میں سے کسی نے کوئی گستاخی یا حکم عدولی نہیں کی۔ آپ لوگوں نے ہمیشہ میرا مان بڑھایا ہے۔ ہمیشہ میرے کہے کو حرفِ آخر سمجھا ہے۔ مزید یہ کہ میں مستقل طور پر دہلی نہیں جا رہا۔ بس وہاں کے لوگوں کا محبتوں اور عقیدتوں کا قرض اتارنے جا رہا ہوں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے چاہا تو یقینی طور پر واپس لوٹوں گا۔ میں جہاں بھی جاؤں گا آپ لوگوں کی محبت و عقیدت میرے ساتھ ساتھ ہوگی۔ میں آپ لوگوں کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ اسلام میں شخصیت پرستی حرام ہے۔ صرف اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ہمارا ایمان ہے۔ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت و عقیدت ہی مومن کی پہچان ہے۔ خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سے عشق کرو۔ عشقِ الٰہی اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی میں مومن کی کامیابی اور دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ یہ دنیا عارضی ہے۔ یہاں کا سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔ صرف اور صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور عشق کو بقا اور دوام حاصل ہے۔ اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کے ہر عمل میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے اور اللہ جل شانہٗ کی مرضی و منشاء کے بغیر کوئی عمل نہیں ہوسکتا۔ میں یہاں آیا تھا تو رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رضا شاملِ حال تھی اور اب وقتی طور پر یہاں سے جا رہا ہوں تو اس میں بھی رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رضا اور مرضی و منشا ضرور شاملِ حال ہے۔ کوئی شخص ناگزیر نہیں ہوتا۔ لہٰذا کسی شخص کا سہارا تلاش کرنے کی بجائے صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کا سہارا تلاش کرو۔ وہی کارساز ہے۔ ہوسکتا ہے میں کل اس دنیا میں بھی نہ ہوں۔ موت اٹل حقیقت ہے۔ اگر میں مر جاؤں تو کیا تم اسلام سے منہ موڑ لو گے اور الٹے پیروں اپنے سابقہ عقائد کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ نہیں ایسا ہرگز نہ کرنا۔ صرف اور صرف خدائے بزرگ و برتر سے لو لگاؤ باقی تمام چیزیں فانی ہیں اس لیے کسی کو ناگزیر نہ سمجھو۔ ناگزیر صرف اور صرف رب ذوالجلال کی ذات پاک ہے۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی گفتگو انتہائی مدلل اور پُر مغز تھی۔ اس سے لوگوں کے خیالات یکسر بدل گئے۔ انہیں فانی دنیا کی حقیقت کا پہلے سے زیادہ ادراک ہو گیا۔ اور انہوں نے عہد کیا کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی غیر موجودگی میں بھی صرف اور صرف رب کے سہارے کو تلاش کریں گے۔ انہوں نے شخصیت پرستی کے خیالات کو دل سے نکال دیا۔ انہیں موت کا فلسفہ سمجھ آ گیا۔ اب انہوں نے بہ رضا و رغبت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو دہلی جانے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے برملا کہا۔ "یا حضرتؒ! جس بات میں آپ کی خوشی ہے اسی بات سے ہم خوش ہیں۔ آپ ہمیں دینِ اسلام میں ثابت قدم پائیں گے۔ ہم آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی نصیحتوں سے فائدہ حاصل کریں گے اور ان پر عمل پیرا ہوں گے۔ قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کریں گے۔ ہمارا رب ہی ہمارے لیے کافی ہے۔"

بعد ازاں اجمیر شریف کے لوگوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے تقاضا کیا کہ ایک وقت کا کھانا وہ ان کے ساتھ تناول فرمائیں۔ آپ نے کمال شفقت اور مہربانی کے ساتھ ان کی یہ دعوت قبول کی مگر یہ شرط لگائی کہ کھانا انتہائی سادہ ہونا چاہیے۔ تکلف بالکل نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس موقع پر دال روٹی کا اہتمام کیا گیا۔ مگر اس سے پہلے وہاں کے افراد نے آپ سے ایک اور درخواست کی کہ کھانے سے پہلے آپ ہمارے حق میں دعا فرمایئے۔ چنانچہ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور سب کے ساتھ مل کر دعا کی:

"اے رب رحمٰن و رحیم! ہماری مدد فرما۔ کفار و مشرکین کے خلاف ہماری اعانت فرما۔ ہمارے

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو بخش دے۔ ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ و مامون فرما۔ ہمارے تمام بگڑے کاموں کو سدھار دے۔ بیماروں کو شفا عطا کر۔ قرض داروں کا قرض اتار دے۔ لوگوں میں محبت والفت پیدا کر۔ ہمیں اپنی اور اپنے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت عطا کر اور اس میں دن بدن اضافہ فرما۔ لوگوں کی دلی مرادیں پوری فرما۔ حق کا بول بالا کر۔ دینِ اسلام کو سربلندی عطا فرما اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر کر۔"

اس کے بعد اجتماعی کھانا ہوا۔ کچھ افراد نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو تحائف دینے کی کوشش کی مگر آپ نے لینے سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ کسی ضرورت مند کو دے دو۔ پھر آپ نے اپنے ایک خادم کو ہمراہ لیا اور دہلی کی جانب کوچ فرمایا۔

☆======☆======☆

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا جاں نثارانِ اسلام پر مشتمل قافلہ مختلف مقامات پر قیام کرتا ہوا دہلی کی جانب رواں دواں رہا۔ آپ جس جگہ کو بھی قیام کا شرف بخشتے کثیر تعداد میں آپ کے عقیدت مند جوق در جوق دوڑے چلے آتے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو آپ کے غائبانہ عقیدت مند تھے مگر اب باقاعدہ طور پر آپ سے شرفِ ملاقات حاصل کر کے آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہو رہے تھے۔ لوگوں کی زیادہ تر تعداد ایسی تھی جو غربت کی زندگی گزار رہے تھے مگر ہر شخص کے گھر میں جو بھی کوئی اچھی چیز تھی وہ آپ کی نذر کرنے کے لیے چلا آتا تھا مگر آپ نے سب لوگوں سے کسی بھی قسم کی کوئی چیز لینے سے انکار کر دیا۔ آپ ان افراد سے فرماتے۔ "میں تمہارا مہمان نہیں بلکہ تمہارا بھائی ہوں۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ آپ لوگ اپنی محبت کا اظہار اپنے گھر کی چیزیں لا کر نہ کریں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکامات کی بجا آوری سے کریں۔ کسی شخص کا دل نہ دکھائیں۔ کسی کا حق غصب نہ کریں۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد پر توجہ دیں کیونکہ تمہارے اپنے گناہ ہی تمہارے لیے وبالِ جان بن جائیں گے۔"

مختلف مقامات پر قیام کرتا ہوا بالآخر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا قافلہ دہلی پہنچا۔ وہاں آپ کے خلیفہ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے شدت سے منتظر تھے۔ انہوں نے انتہائی گرم جوشی اور تپاک کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ آپ کے استقبال کے لیے دہلی کے کونے کونے سے لوگ پہنچے ہوئے تھے۔ آپ کے عقیدت مندوں کا ایک جمِ غفیر تھا جو آپ کی ایک جھلک دیکھنے اور آپ سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے کے لیے آیا تھا۔

اب دہلی کے سیاسی وسماجی حالات بھی کافی بدل چکے تھے۔ پرتھوی راج چوہان کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور قطب الدین ایبک نے اسلامی سلطنت کو وسیع سے وسیع تر کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل تھی۔ دینِ اسلام تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا اور لوگوں کی کثیر تعداد دائرہ

اسلام میں داخل ہو رہی تھی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خیر مقدم کے لیے جو افراد آئے تھے۔ آپ رحمتہ اللہ نے ان سب سے کہا کہ نمازِ شکرانہ کے لیے وضو کریں اور پھر صف در صف ربِ تعالیٰ کے حضور قیام وسجود کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ آپ نے اس نمازِ شکر کی امامت کرائی۔ حدِ نگاہ تک لوگ صف آرا تھے اور ربِ کریم وعظیم کے حضور سجدہ ریز تھے۔ نماز کے بعد آپ نے ربِ رحمٰن ورحیم کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ بلند کئے اور کہا:

"یاالٰہی! یارب العٰلمین! تیرا بہت بہت شکر ہے اور لطف وعنایت ہے کہ اسلام کو سرفرازی عطا فرمائی۔ یہ ہماری سوچ میں بھی نہیں تھا کہ اس قدر جلد ہم یہ وقت دیکھیں گے کہ ہر طرف کلمہٴ توحید اور کلمہٴ شہادت کا ورد ہو رہا ہے۔ قریہ قریہ مساجد تعمیر ہو گئی ہیں جہاں صبح وشام، دن ورات اذان کی آواز دلوں کو گرماتی ہے اور لوگ دوڑے ہوئے مساجد میں پہنچتے ہیں اور اے مالک کون ومکاں! تیرے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ بے شک تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ صرف اور صرف تُو ہی حمد کے لائق اور پرستش کا حقدار ہے۔

اے اللہ! ہمیں توفیق دے کہ ہم تیرے دین کی سربلندی کے لیے زیادہ سے زیادہ کام کریں۔ تُو ہم پر اپنی رحمت کی بارش جاری وساری رکھ۔ اے ہمارے مالک! ہمیں کافروں کے مقابلے میں فتح ونصرت عطا فرما اور ہمیں وہ دن دکھا جب ہندوستان کے چپے چپے پر تیرے نام لیوا موجود ہوں۔ ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہمیں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کی ہمت عطا فرما۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی دہلی آمد پر دہلی والوں کی خوشی دیدنی تھی۔ ہر شخص ایک دوسرے کو مبارکباد دیتا تھا حتیٰ کہ غیر مسلموں نے بھی اپنے مسلمان واقف کاروں کو مبارکباد دی۔ آپ نے دہلی میں کئی ماہ قیام فرمایا۔ آپ کے قیام کے دوران روزانہ ہزاروں لوگ آپ سے ملاقات کے لیے آتے۔ اپنی خوشی، اپنی غمی اور گزرتے لمحات کے بارے میں آپ کو بتا کر خوش ہوتے۔ بعض افراد اپنے غموں کا مداوا چاہتے تو آپ فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے۔ جیسے ہی آپ دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتے مجمع میں موجود ہر شخص دعا کے لیے ہاتھ بلند کر دیتا اور یوں آپ کی دعا، اجتماعی دعا میں بدل جاتی۔ آپ ربِ کریم ورحیم کی بارگاہ میں گڑگڑا کر عرض کرتے۔ "اے الٰہ العٰلمین! تیرے یہ بندے، تیرے یہ نام لیوا تیرے در کے سوا اور کہیں نہیں جائیں گے۔ تُو ان کا دامن ان کی جائز مرادوں سے بھر دے، ان کی تکالیف، ان کی پریشانیاں اور ان کے دکھ، درد دور فرما۔ بے شک تُو ہی مصیبتوں کو ٹالنے والا ہے۔"

اور چشمِ فلک نے دیکھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے بارگاہِ ایزدی میں اٹھے ہوئے ہاتھ ہمیشہ بامراد ٹھہرے۔ ربِ تعالیٰ جل شانہٗ نے ہمیشہ آپ کی لاج رکھی اور آپ کی ہر دعا کو قبولیت کے شرف سے نوازا۔

اکثر اوقات آپ کی دعا کے وقت ہندو بھی موجود ہوتے تھے۔ وہ بھی آپ سے دعا کی درخواست کرتے تو آپ ان کے لیے بھی دعا فرماتے اور جب ان کی مراد پوری ہوتی تو وہ دوڑے ہوئے آتے اور مشرف بہ اسلام ہو جاتے۔

کوئی بنجر زمین کے لیے دعا کراتا تو کوئی اولاد کی خواہش لیے کوئی بیماری کے ہاتھوں تنگ ہوتا تو کوئی بے روزگاری سے پریشان ہوتا مگر آپ سب کے لیے انتہائی عاجزی، انکساری اور رقت سے دعا فرماتے کہ دعا کے دوران لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہوتے۔ آپ کی دعا کافی طویل ہوتی تھی۔ بعد میں آنے والے لوگ اس میں شامل ہوتے جاتے اور یوں مجمع بڑھتا چلا جاتا۔ بعض لوگ تو آتے ہی دعا کے وقت تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آپ کی دعا کبھی بغیر قبولیت کے نہیں ٹھہری۔

دعا کے بعد بعض افراد آپ سے مزید مشاورت کرتے تو آپ ہر کسی کے حسب حال اس کو وظیفہ یا ورد بتا دیتے۔ آپ کا زیادہ تر وظیفہ درود پاک ہوتا۔ تاہم آپ سورۃ فاتحہ، آیت الکرسی اور چار قل بھی تجویز فرماتے جن پر لوگ عمل کرتے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی نوازش ان کے شاملِ حال ہو جاتی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ بلا تفریق مذہب وملت لوگوں کی خدمت کرتے تھے۔ آپ لوگوں کی مالی اعانت بھی کرتے تھے اور حتیٰ الوسع وحتی المقدور ہمہ قسم کی مدد کرتے تھے۔ آپ کی اسی خوبی کی وجہ سے ہزاروں ہندوؤں نے اسلام قبول کیا اور آپ کو شہرت ومقبولیت بھی حاصل ہوئی۔ چنانچہ دنیا کے دستور کے مطابق آپ کے حاسدین بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے جوش رقابت میں آپ کے خلاف طرح طرح کی باتیں بنا کر آپ کی شہرت ومقبولیت کم کرنے کی ناکام ونامراد کوشش کی۔ ان افراد میں زیادہ تر وہ نام نہاد علماء بھی تھے جو سلطان قطب الدین ایبک کے دربار تک رسائی رکھتے تھے۔ ان افراد نے سلطان قطب الدین ایبک کے کان بھرنا شروع کر دیئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ذات پر ناقدین و حاسدین شہرت سب سے بڑا اعتراض آپ کے ذوقِ سماع پر کرتے تھے اور اسے مذہب کے خلاف سمجھتے تھے۔ سلطان قطب الدین ایبک نے پہلے تو اعتراض کرنے والے علماء پر کوئی کان نہ دھرا مگر معاملہ جب حد سے بڑھا تو ایک دن سلطان قطب الدین ایبک نے اس معاملہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے ارادہ سے ان تمام معترضین وناقدین کو ایک ہی وقت میں ایک جگہ اکٹھا کر لیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو سلطان قطب الدین ایبک نے ان سے کہا۔ ''بتاؤ تمہارے اعتراضات کیا ہیں؟'' وہ اعتراضات کیا بتاتے، بس ان کے پاس تو رٹا رٹایا ایک ہی جملہ تھا کہ ''حضرت خواجہ معین الدینؒ سماع سے بہت رغبت رکھتے ہیں جو کہ مذہب کے خلاف ہے۔''

مختلف علماء اسی ایک بات کو مختلف الفاظ کا جامہ پہنا کر بیان کرتے رہے۔ لمبی چوڑی تقریریں

کیں۔ دلائل اور مثالیں دینے کی کوشش کی حالانکہ ان کے دلائل بے وزن اور مثالیں بے جوڑ تھیں مگر سلطان قطب الدین ایبک سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی خاموش رہا۔ دراصل وہ ان کے اندر کا تمام تر حسد اور رقابت باہر لانا چاہتا تھا۔ اور یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ جوشِ رقابت میں کس حد تک جا سکتے ہیں۔

اور پھر اچانک ایک عالم کی گفتگو کے دوران ہی یکدم سلطان قطب الدین ایبک نے گرجدار آواز میں کہا۔ ''آخر تم لوگ اس امر سے بھی شناسا ہو کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کون ہیں؟'' تھوڑی دیر خاموشی کے بعد سلطان قطب الدین ایبک نے پھر یہی جملہ دہرایا۔ تمام مجمع پہلے ہی پُرسکوت ہو چکا تھا۔ اب ہر کوئی سلطان قطب الدین ایبک کے چہرے پر غصے اور جلال کی ملی جلی کیفیت کو پوری طرح محسوس کر چکا تھا مگر سلطان قطب الدین ایبک کے سامنے کس کی مجال تھی کہ اس حالت میں بول سکے۔ مزید یہ کہ وہ نام نہاد علماء یہ سوچ رہے تھے کہ ان کی کافی دیر کی تقریروں کا سلطان قطب الدین ایبک پر یہی اثر ہوا ہے کہ اس کے لہجے میں تلخی آ گئی ہے۔

اسی فضاء اور اسی سماں میں سلطان قطب الدین ایبک نے پھر تیسری مرتبہ وہی سوال دہرایا کہ ''کیا تم لوگ یہ بھی جانتے ہو کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کون ہیں؟'' اور پھر خود ہی سلطان قطب الدین ایبک نے کہا۔

''حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ وہ ہیں جنہوں نے توحید و رسالت کا ڈنکا صحراؤں، دریاؤں، پہاڑوں اور میدانوں میں بجایا۔ جنہوں نے دنیا کی ہر آسائش کو دین کی خاطر ٹھکرا دیا۔ جنہوں نے اپنا وطن چھوڑا اور دینِ اسلام کی خاطر دیارِ غیر میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی فرمائی اور ہزاروں لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ وہ شخصیت ہیں کہ جن کے پاس میرے آقا و مالک شہاب الدین غوری حاضر ہوئے تھے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے دعا کرائی تھی۔ اسی دعا کا اثر تھا کہ شہاب الدین غوری نے راجہ پرتھوی راج چوہان کو عبرتناک شکست دی۔ میں اس وقت شہاب الدین غوری کا غلام تھا۔ میں نے ان لمحات میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی دعا کا اثر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ایسی نیک سیرت اور بزرگ ہستی کی شان میں گستاخی میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ آج کے بعد اگر کسی نے ان کے خلاف کوئی بات کی تو پھر میری اس سے براہِ راست لڑائی ہوگی۔ خبردار رہو اور میرے دربار سے نکل جاؤ۔''

سلطان قطب الدین ایبک کی اس ڈانٹ کے بعد پھر کسی درباری اور سرکاری عالم کو جرأت و جسارت نہ ہوئی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف کوئی بات کرتا۔ سب کی زبانوں پر تالے پڑ گئے اور وہ تنہائی میں بھی ایسی بات کرنے سے کتراتے تھے مبادا دوسرا شخص سلطان قطب الدین ایبک تک یہ بات نہ پہنچا دے۔

ساعتوں کے سمندر کا پانی جہاں ملاپ کی مٹھاس لیے ہوتا ہے وہاں اس میں ہجر و فراق کی کڑواہٹ بھی شامل ہوتی ہے۔ وقت کے روپ بدلتے سایوں میں جدائی کے اندھیروں کی گہرائی، جذبات و احساسات کی عجیب و غریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک عرصہ جب دہلی میں گزار لیا تو پھر آپ نے دوبارہ اجمیر شریف جانے کا ارادہ کیا۔ آپ اپنا تبلیغی اور اصلاحی و فلاحی مشن دہلی میں مکمل فرما چکے تھے اس لیے آپ نے اپنے خلیفۂ اکبر حضرت بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا:

''یاد رکھو کہ ہمارا مشن محض رب کریم و رحیم کے دین کی اشاعت و ترویج ہے۔ اسی کی خاطر ہم ملتے ہیں اور اسی کی خاطر ہم بچھڑتے ہیں۔ ہمارا وصال و فراق صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی خوشی و خوشنودی کے لیے ہی ہوتا ہے۔ البتہ اس بات کو ہم ہمیشہ یاد رکھیں گے کہ تم نے اور تمام دہلی والوں نے ہماری عزت افزائی کی۔ اگرچہ یہ جدائی کے لمحات ہیں مگر ایسا ہونا ضروری ہے اس لیے کہ اجمیر والوں کو بھی ہماری ضرورت ہے۔ اگر رب تعالیٰ جل شانہٗ نے چاہا تو پھر ملاقات ضرور ہوگی۔ اور اگر زندگی نے وفا نہ کی اور رب رحمٰن و رحیم کی مرضی و منشا نہ ہوئی تو پھر ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ البتہ یہ ضرور یاد رکھنا کہ مخلوقِ خدا کی خدمت سے غفلت نہ برتنا۔ اسلام کی ترویج و اشاعت جاری رکھنا کہ ہماری زندگی کا مشن اور مقصد و محور ہی یہی ہے۔''

جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ دہلی سے رخصت ہونے لگے تو آپ کے بے شمار عقیدت مند و ارادت مند جمع ہو گئے۔ آپ کے دہلی سے جانے پر ہر شخص افسردہ تھا مگر چونکہ آپ کا فیصلہ تھا اس لیے سب لوگ خاموش تھے۔ اس موقع پر امرائے شہر نے آپ کی خدمتِ اقدس میں تحائف بھی پیش کئے اور رقوم بھی بطور نذرانہ پیش کیں۔ آپ نے وہ تحائف لے لیے اور تحائف دینے والوں کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فوری طور پر غرباء اور مساکین میں تقسیم فرما دیئے چنانچہ آپ جب دہلی سے رخصت ہوئے تو آپ کے ہمراہ کُل اثاثہ کپڑوں کا ایک جوڑا، ایک جاءنماز اور پانی کا ایک برتن تھا۔ اس کے علاوہ آپ کے پاس کچھ نہیں تھا۔ آپ جب دہلی پہنچے تھے تو انہی اشیاء کے ساتھ پہنچے تھے اور جب واپس جا رہے تھے تو یہی اشیاء آپ کے ہمراہ تھیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ مختصر قافلے کے ساتھ مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوئے اجمیر شریف پہنچے۔ اجمیر شریف میں آپ کے ارادت مندوں کو اطلاع ہو گئی تھی کہ آپ تشریف لا رہے ہیں۔ اس لیے عقیدت مند آپ کی آمد کے شدت سے منتظر تھے۔ آپ جب اجمیر شریف پہنچے تو لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے جن میں آپ کے مریدین کے علاوہ ہندو اور دوسرے لوگ بھی شامل تھے آپ کا انتہائی گرم جوشی اور تپاک کے ساتھ استقبال کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اجمیر شریف پہنچنے کے بعد فوراً ہی خدمتِ دین اور خدمتِ خلق میں مصروف و مستغرق ہو گئے۔ حسبِ سابق لوگوں کا ہجوم روزانہ آپ کے پاس

حاضر ہوتا۔ آپ ان کو وعظ و نصیحت بھی کرتے۔ ان کے لیے دعائیں بھی کرتے اور حتی المقدور مالی اعانت بھی فرماتے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا از حد خیال کرتے تھے۔ آپ کی سختی کے ساتھ یہی کوشش و کاوش ہوتی تھی کہ ہادیٔ کون و مکاں، سردارِ دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر ہر سنت اور ہر ہر عمل پر کاملیت کے ساتھ پیروی کی جائے۔ آپ خود بھی ہمہ وقت اس بات کا خیال رکھتے تھے اور لوگوں کو بھی اس عمل کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا غرض یہ کہ ہر فعل سنتِ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ اس میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے مگر اس کے باوجود ایک خواب نے آپ کو چونکا دیا جس سے آپ کافی پریشان ہوئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ ایک رات کو جب عبادت و ریاضت میں ہمہ تن مشغول تھے کہ نصف شب کے قریب اچانک آپ پر نیند نے غلبہ کیا اور آپ خوابوں کی وادی میں پہنچ گئے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک انتہائی شاندار محل ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ محل نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیام گاہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہاں ملاقاتیوں سے ملاقات فرماتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ملاقات کے لیے پیغام بھیجا تو آپ کو فوراً اندر بلا لیا گیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے۔ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ سلام و دعا کے بعد معلمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے صرف ایک ہی جملہ فرمایا اور وہ یہ تھا کہ ''معین الدین! تم پر لازم ہے کہ میری ایک ایک سنت کو زندہ رکھو'' اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھ کھل گئی۔ ان لمحاتِ دل پذیر میں مؤذن اللہ اکبر کی صدا لگا رہا تھا۔ آپ شش و پنج میں پڑ گئے کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کون سی سنت کو چھوڑا ہے کیونکہ اس جملے سے آپ نے یہی مطلب لیا کہ ضرور کوئی نہ کوئی سنت رہ گئی ہے۔

☆======☆======☆

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ شب و روز اسی فکر میں رہے اور غور کرتے رہے کہ آخر وہ کون سی سنت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو ان سے رہ گئی ہے اور جس پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔ بالآخر یہ عقدہ اس وقت کھلا جب آپ کے ایک معترض نے آپ کے ایک ارادت مند سے کہا کہ ''یہ درست ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ فرائض الٰہیہ کے ساتھ ساتھ سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل بخوبی کرتے ہیں مگر ایک سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انہوں نے آج تک عمل نہیں کیا۔'' آپ کے ارادت مند نے معترض سے پوچھا۔ ''وہ کون سی سنت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جس پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے تا حال عمل نہیں کیا۔'' معترض نے جواب دیا۔ ''مجھے یہ بتاؤ کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟ کیا شادی کرنا سنتِ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہے؟''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے اس ارادت مند نے جب اس بات کا تذکرہ آپ سے کیا تو پھر آپ کو خواب کی تمام تر حقیقت معلوم ہوگئی اور آپ نے فرمایا۔ ''واقعی میں نے شادی کرنے میں دیر کر دی تاہم رب رحمٰن و رحیم انسان کی خطاؤں کو معاف کرنے والے ہیں۔ اب اس حوالے سے میں ضرور کوشش کروں گا۔ دراصل تبلیغ اسلام کی ترویج و تبلیغ میں اس قدر مشغول و مستغرق ہوا کہ اس طرف دھیان ہی نہیں کیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اب اس کمی کو ضرور پورا کروں گا۔''

رب کریم و عظیم کی ذاتِ پاک مسبب الاسباب ہے اور ہر کام مشیتِ ایزدی سے وقت معین پر ہی ہوتا ہے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انہی دنوں ایک ایسا واقعہ ہوا کہ جس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی میں نئے باب کا اضافہ کیا۔ قلعہ پٹلی کے حکمران ''ملک خطاب'' نے ہندوؤں کے ساتھ ایک خونریز معرکے میں دشمنانِ اسلام کو عبرتناک شکست دی تو ہندو راجہ کی جوان لڑکی بھی قیدی ہو کر آئی۔

''ملک خطاب'' نے ہندو حکمران کی جوان لڑکی کو لے کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی

اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور عرض کی۔ ''یا حضرتؒ! میں نے آپ ہی کی دعاؤں سے دشمنانِ اسلام کو شکست فاش دی ہے۔ یہ لڑکی جو میرے ہمراہ ہے یہ ہندو راجہ کی بیٹی ہے اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ یہ بھی قید ہو کر آئی ہے۔ میں اس کو لے کر آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ اسے کنیز کے طور پر اپنے پاس رکھ لیں۔ یہ آپ کی خدمت کرے گی تو مجھے خوشی ہوگی۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''درویش کو کبھی بھی کنیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ آسائشیں تو سلطانوں اور بادشاہوں کے ہاں پائی جاتی ہیں۔ میری کوشش و کاوش ہوتی ہے کہ میں اپنے تمام کام خود کروں اور کسی نوکر چاکر یا کنیز، باندی کو اپنے پاس رکھ کر بادشاہوں جیسا طریقہ نہ اپناؤں۔ میں اسے ہرگز ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں۔ البتہ میری تجویز یہ ہے کہ اسے دعوتِ اسلام دو۔ اگر یہ اپنی خوشی اور رضا و رغبت سے کسی دباؤ کے بغیر اسلام قبول کر لے تو اس کی شادی اپنی فوج کے کسی سپہ سالار سے کر دو۔ یہ لاچار اور مجبور عورت ہے اور پھر یہ کہ جوان ہے اپنا نفع نقصان بخوبی سمجھتی ہے۔ اس سے اس کا اختیار مت چھینو۔ یہ جہاں جانا چاہے اسے جانے دو۔ اسے زبردستی کسی کی کنیز نہ بناؤ۔ اسلام زبردستی سے منع کرتا ہے۔ یہ اگر قید ہو کر آگئی ہے تو اس کے ساتھ ایسا حُسنِ سلوک کرو اور ایسے حُسنِ اخلاق سے پیش آؤ کہ یہ اسلام کو بہترین مذہب تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اسے مکمل طور پر آزاد کر دو۔ اس کی قید ختم کر دو۔ یہ ایک جوان لڑکی ہے کوئی جنگجو مخالف سردار نہیں کہ اسے قیدی بنائے رکھو۔ اس جنگ میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اس کا قصور محض اتنا ہے کہ یہ تمہارے مخالف ہندو حکمران کی بیٹی ہے۔ جب تم اسے آزاد کر دو گے تو جس طرف یہ جانا چاہے گی چلی جائے گی۔ تم اس پر اپنی مرضی قطعی طور پر مسلط نہیں کر سکتے۔''

ملک خطاب نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ہدایت اور نصیحت پر مفتوح ہندو حکمران کی قیدی بیٹی کو آزاد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اس لڑکی سے اسی وقت کہا۔ ''تم جہاں جانا چاہو جا سکتی ہو۔ میری طرف سے تم مکمل طور پر آزاد ہو۔ تمہیں اگر سواری کی سہولت درکار ہو تو وہ بھی تمہیں فراہم کر دی جائے گی۔ ہاں تو بتاؤ اب تم کہاں جانا چاہتی ہو؟''

مگر ہندو راجہ کی بیٹی نے انتہائی غیر متوقع جواب دیا جس سے تمام لوگ حیران رہ گئے۔ اس نے برجستہ کہا۔ ''میں اب کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں یہیں رہوں گی۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس لڑکی کو سمجھایا کہ اب تم آزاد ہو چکی ہو۔ اپنی آزادی کا فائدہ اٹھاؤ اور جس جگہ جانا چاہتی ہو، وہ جگہ بتاؤ تمہیں وہاں پہنچا دیا جائے گا۔

ہندو لڑکی نے کہا۔ ''یا حضرتؒ! آپ نے خود ہی تو فرمایا ہے کہ میں اب اپنی مرضی و منشاء میں آزاد ہوں۔ جب آپ نے مجھے میری مرضی پر چھوڑ دیا ہے تو میں اپنی مرضی ہی سے یہ چاہتی ہوں کہ مسلمان ہو کر اپنی باقی ماندہ زندگی آپ ہی کی خدمت میں گزار دوں۔ کیا اب آپ مجھے میری مرضی

نہیں کرنے دیں گے؟''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اگر تمہاری مرضی یہی ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ ہم ابھی تمہیں مسلمان کئے دیتے ہیں۔ تم ابھی وضو کرو۔ ہم تجھے کلمۂ شہادت پڑھاتے ہیں۔'' ایک مسلمان خاتون سے کہا گیا کہ اسے وضو کرائے۔ جب وہ وضو کر کے آئی تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اسے کلمۂ شہادت پڑھایا اور یوں وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔ بعد ازاں اسی لڑکی کا نام آپ نے امتہ اللہ رکھا اور کچھ دنوں بعد ہی اس لڑکی کی شادی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے ہوگئی۔ اس طرح آپ نے یہ سنت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پوری فرمائی۔ آپ کی شادی انتہائی سادگی سے ہوئی۔ بی بی امتہ اللہ انتہائی نیک، پاکباز اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں۔ پرہیز گاری اور تقویٰ کی چلتی پھرتی تصویر تھیں۔ آپ کے بطن سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی عبادت و ریاضت میں مشہور صاحبزادی حافظہ جمالؒ پیدا ہوئیں۔

''سیر الاقطاب'' کے مطابق حاکم اجمیر سید وجیہ الدین مشہدیؒ نے اپنی پاکدامن بیٹی محترمہ عصمت بی بی آپ کے عقد میں دینے کا عندیہ ظاہر کیا تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے عصمت بی بی سے شادی کر لی۔ عصمت بی بیؒ کے بطن سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو رب رحمٰن ورحیم نے تین ہونہار اور نیک سیرت و باکردار فرزند خواجہ فخر الدینؒ، خواجہ ضیاء الدینؒ اور خواجہ حسام الدین عطا فرمائے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ جب سے دہلی میں اپنا قیام ختم کر کے اجمیر شریف پہنچے تھے دہلی والے شب و روز آپ کے فراق میں تڑپتے تھے۔ پیغامات بھیجتے تھے۔ خطوط لکھتے تھے۔ درخواستیں ارسال کرتے تھے اور اجمیر شریف میں وفود کی شکل میں حاضر ہو کر دہلی آنے کی دعوت دیتے تھے۔ آپ کے بعض ارادت مند تو آپ کے ساتھ ہی دہلی چھوڑ کر اجمیر شریف میں آبسے تھے مگر ایک کثیر تعداد ایسے عقیدت مندوں کی تھی جو دہلی میں قیام پذیر تھے مگر لحہ لحہ آپ کی دوری کا درد محسوس کرتے تھے۔ وہ اکثر ان دنوں کو یاد کرتے تھے جب آپ دہلی میں جلوہ افروز تھے اور خدمت دین و خدمت خلق میں مصروف عمل رہتے تھے۔ دہلی میں آپ کے مریدین، عقیدت مندوں اور ارادت مندوں نے آپ کی غیر موجودگی میں آپ کا مشن جاری وساری رکھا اور گاہے بگاہے اجمیر شریف میں آپ کی خدمت میں حاضری دے کر ہدایات لیتے رہے اور دہلی کا مفصل حال احوال بھی بیان کرتے رہے۔

اگرچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ دہلی سے اجمیر شریف تشریف لے آئے تھے مگر آپ دہلی کے حالات و واقعات سے مکمل واقفیت رکھتے تھے اور ہر آتے جاتے شخص سے نہ صرف دہلی کے حالات معلوم کرتے تھے بلکہ اپنے مریدین کی خیریت و عافیت بھی دریافت

فرماتے تھے اور اگر کسی کی زبانی کسی کی ضرورت وحاجت کا علم ہوتا تھا تو حتیٰ المقدور اجمیر شریف سے ہی اس کے لیے اعانت بھجواتے تھے۔ یوں اجمیر شریف میں ہوتے ہوئے بھی آپ کا فیض جاری وساری تھا۔

دہلی والوں کے ازحد اصرار اور شدتِ آرزو کو دیکھتے ہوئے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ پھر دہلی تشریف لے گئے۔ اس وقت ہندوستان پر شمس الدین التمشؒ کی حکمرانی تھی۔ سلطان شمس الدین التمشؒ ایک درویش صفت، صاحبِ کردار حکمران تھا اور درویشوں کو ازحد قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

جب سلطان شمس الدین التمشؒ کو علم ہوا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ دہلی تشریف لے آئے ہیں تو اس نے آپ کے پاس انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ حاضری دی۔ وہ آپ کے لیے تحائف لے کر آیا۔ آپ نے وہ تحائف فوری طور پر غرباء میں تقسیم کر دیئے۔ پھر سلطان شمس الدین التمشؒ نے آپ سے دست بستہ درخواست کی کہ آپ کسی روز برکت کی خاطر دربار شاہی میں قدم رنجہ فرمائیں مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

''درویشوں کو سلطانوں سے رابطہ رکھنے کی کیا ضرورت!''

اس پر سلطان شمس الدین التمشؒ نے کہا۔ ''یا حضرتؒ! آپ کو یاد ہوگا کہ ایک دفعہ آپ نے جبکہ میں ایک نوجوان سپاہی تھا مجھے دیکھ کر فرمایا تھا کہ میں ایک دن سلطان بنوں گا۔ میں وہی نوجوان سپاہی ہوں اور آپ کی پیشین گوئی کی جیتی جاگتی تعبیر و مثال ہوں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''وہ بات رب علیم وخبیر نے ہم پر ظاہر کر دی تھی تو ہم نے بتا دی ورنہ غیب کا علم تو صرف اور صرف رب تعالیٰ جل جلالہٗ ہی کی ذات جانتی ہے۔'' اس کے بعد سلطان شمس الدین التمشؒ نے عرض کی۔ ''یا حضرتؒ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے کہ جس پر عمل کر کے دین ودنیا کی فلاح حاصل کی جا سکے۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''التمشؒ! یاد رکھو کہ جب رب قادر وقدیر کسی پر اپنا کرم اور لطف وعنایت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے جواز تلاش نہیں کرتے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ چاہیں تو گنہگاروں اور خطاکاروں کی التجائیں سن لیں اور انہیں قبولیت کا شرف عطا کر دیں۔ اگر نہ چاہیں تو پرہیزگاروں اور عبادت گزاروں کی دعائیں خاطر میں نہ لائیں۔ کسی بھی بادشاہ کے لیے لازم ہے کہ وہ غرور اور سرکشی پر نہ اُتر آئے۔ اقتدار کا نشہ فخر و بڑائی پیدا کرنے کی بجائے عاجزی اور انکساری لائے تو اسی اقتدار کو دوام حاصل ہوتا ہے ورنہ سائے ڈھلتے اور سورج غروب ہوتے دیر نہیں لگتی۔ دنیا کی ہر چیز فانی اور عارضی ہے۔ باقی رہنے والی صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات ہے جو تمام جہانوں کی خالق و مالک ہے۔ تمام عزتیں اور رفعتیں اسی ذات باری کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی کے اختیار میں کچھ نہیں۔ اختیار و

اقتدار محض ربِ قادر وقدیر کی ملکیت ہے۔ اگر تم نے ان حقیقتوں پر غور کیا تو پھر تم کامیاب و بامراد ہو گے۔ تم خود سوچو کہ تم غلام تھے۔ پھر رب کریم و عظیم نے تمہیں بادشاہ بنا دیا۔ غلاموں کو بادشاہ اور بادشاہوں کو غلام بنانے والی صرف اور صرف رب قادر وقدیر کی ذات پاک ہے۔ جس طرح رب تعالیٰ جل شانہٗ نے تمہیں غلام سے بادشاہ بنایا ہے اسی طرح وہ پھر تمہیں بادشاہ سے غلام بنا سکتے ہیں۔ وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ ہمیشہ عوام کی فلاح کا خیال رکھو اور اشاعتِ دین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ انصاف وعدل کے ساتھ ساتھ رحم واحسان سے کام لو۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ تمہیں کبھی ناکام نہیں کریں گے۔"

سلطان شمس الدین التمشؒ نے بڑے غور سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی نصیحت آموز باتیں سنیں۔ پھر اس نے دھیمی آواز میں کہا:

"یا حضرتؒ! آپ نے جو کچھ فرمایا سچ فرمایا۔ میں واقعی غلام تھا۔ مجھے میرے حقیقی بھائیوں نے میرے باپ سے جدا کر کے ایک سوداگر کے پاس چند پیسوں کے عوض بیچ دیا تھا۔ اس سوداگر نے مجھے ایک اور تاجر کے پاس بیچا۔ یوں میں کئی تاجروں کے پاس بکتا بکاتا رہا۔ آخر کار مجھے قطب الدین ایبک نے خرید لیا۔ اس نے مجھ سے متاثر ہو کر اور میری خوبیوں کے اعتراف میں اپنی ایک بیٹی میرے عقد میں دے دی کیونکہ میں نسلی طور پر غلام نہیں تھا بلکہ ترکوں کے ایک قبیلے کے سردار کا بیٹا تھا۔ میرے والد مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ بھائیوں نے حسد میں آ کر مجھے باپ سے علیحدہ کر دیا۔ میرا قصہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملتا جلتا ہی ہے۔ اور پھر جب قطب الدین ایبک کا انتقال ہوا تو رب کریم و عظیم نے ہندوستان کا تخت میرے حوالے کر دیا۔ میں اپنے آپ کو بادشاہ نہیں سمجھتا بلکہ عوام کا خادم گردانتا ہوں۔ آپ میرے حق میں دعا کیجیے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ مجھے خدمتِ خلق اور خدمتِ دین کا وافر موقع عطا فرمائیں۔ جس رب کریم و عظیم نے مجھے غلام سے بادشاہ بنایا ہے آپ دعا کیجیے کہ میں اسی ذات پاک کا قانون زمین پر نافذ کر سکوں۔ میں اپنے نفس کے شر سے محفوظ رہوں اور رعایا میرے شر سے محفوظ رہے اور شیطان اگر مجھے شر پر اکسائے بھی تو رب رحمٰن و رحیم مجھے شیطان سے پناہ دے اور میرے شر کو خیر میں بدل دے۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "التمشؒ! یاد رکھو کہ تم اپنی عاجزی، انکساری، خداترسی اور عوام الناس کے ساتھ بھلائی کے باعث شروع سے ہی رب تعالیٰ جل شانہٗ کے نیک بندوں کی دعاؤں کے سائے میں رہے ہو مگر یہ ذہن میں رکھو کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کسی سے کچھ لے کر اسے آزماتے ہیں اور کسی کو کچھ دے کر اسے آزماتے ہیں۔ یہ بادشاہت بھی خدا کی دین ہے اور تمہارے لیے بہت بڑی آزمائش ہے۔ ہم رب تعالیٰ جل شانہٗ سے دعا گو ہیں کہ وہ تمہیں اس آزمائش میں کامیاب و سرخرو فرمائیں۔ ہماری تمام تر دعائیں اور نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم جہاں جاؤ گے اور جو بھی کام کرو گے وہ نیک اور درست ہو گا اور رب تعالیٰ جل شانہٗ

تمہیں ہمیشہ بامراد کریں گے۔" دعائیں لینے کے بعد سلطان شمس الدین التمشؒ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے رخصت چاہی تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان شمس الدین التمشؒ کو خوشی خوشی رخصت کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے لبوں سے جو دعا نکلی وہ سیدھی عرش پر پہنچی اور اسے قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان شمس الدین التمشؒ ایک سلطان نہیں بلکہ درویش تھا۔ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفۂ اکبر حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اکثر حاضری دیتا اور گھنٹوں آپ کی صحبت میں بیٹھ کر فیوض و برکات سمیٹتا۔ بعض مؤرخین نے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان شمس الدین التمشؒ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا تھا چنانچہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے سلسلۂ ارادت سے منسلک تھا۔ یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ذاتِ بابرکات کی دعا کا اثر تھا کہ سلطان شمس الدین التمشؒ رات کو بھیس بدل کر رعایا کے حالات سے باخبر ہونے کی کوشش کرتا اور جہاں کہیں کوئی ضرورت مند اور حاجت مند نظر آتا اس کی حتی الوسع اور حتی المقدور حاجت پوری کرتا لیکن وہ حاجت مندوں کی حاجتیں اس طرح پوری کرتا کہ ان کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ ان کی مدد واعانت کرنے والی شخصیت کون ہے۔ سلطان شمس الدین التمشؒ نے اپنے کارندوں کو سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ جس کسی کی بھی مدد کی جائے اس پر یہ ظاہر نہ کیا جائے کہ مدد کرنے والا کون ہے۔ بعض اوقات سلطان شمس الدین التمشؒ خود سامانِ ضرورت ان لوگوں کے گھروں تک پہنچاتا جو حاجت مند ہوتے تھے۔ چونکہ اس نے بھیس بدلا ہوتا تھا اس لیے لوگ اس کو پہچان نہیں سکتے تھے اور یہ سب کچھ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی دعا کا اثر اور حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت کا اثر تھا۔

سلطان شمس الدین التمشؒ نے اپنے محل میں ایک زنجیر لٹکا رکھی تھی جس کا ایک سرا اس کی خوابگاہ میں موجود ایک گھنٹی کے ساتھ منسلک ہوتا تھا۔ اس کا اعلان تھا کہ دن کے وقت دربار شاہی میں حاضری دے کر درخواست پیش کی جائے اور جب وہ رات کو اپنے محل کی خوابگاہ میں ہو تو زنجیرِ عدل کھینچ دی جائے۔ اس وقت سلطان شمس الدین التمشؒ بذات خود باہر تشریف لاتے تھے اور مظلوم کی داستانِ ظلم اور سوالی کا سوال سنتے تھے اور فوری طور پر احکامات صادر کرتے تھے۔

سلطان شمس الدین التمشؒ میں یہ خوبی بھی تھی کہ وہ اگلے روز اس بات کا جائزہ لیتے تھے کہ گزشتہ روز انہوں نے جو احکامات صادر کئے تھے ان پر پوری طرح عمل درآمد ہوا ہے یا نہیں۔ اور یہ سب کچھ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی دعا کا اثر اور آپ کی نظرِ کرم کا فیضان تھا۔

☆======☆======☆

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ پر ذوقِ سماع کا جو الزام عائد کیا جاتا تھا اور مخالف علماء کی طرف سے اسے خلافِ شرع قرار دینے کی جو کوشش و کاوش کی جاتی تھی وہی الزام حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے قریبی مریدین و ارادت مندوں پر بھی عائد کیا جاتا تھا۔ بعض مخالفین تو اس حد تک آگے نکل گئے تھے کہ ذوقِ سماع رکھنے والے کو دائرہ اسلام سے بھی خارج سمجھتے تھے اور اس حوالے سے عوام الناس کو مختلف بے بنیاد دلائل سے بہکانے کی حتیٰ المقدور کوشش کرتے تھے مگر مخالفین کو ہمیشہ شکست ہی کا سامنا کرنا پڑا۔ کوئی شخص ان کی اس بات پر کان نہیں دھرتا تھا تاہم نام نہاد علماء کا ایک ٹولہ تھا جو پوری تندہی سے مخالفت میں سرگرم عمل تھا اور بار بار کی شکست کے باوجود بھی اپنی اس حرکت اور اپنے اس الزام سے باز نہیں آتا تھا۔

ایک دفعہ ایک خصوصی محفلِ سماع میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی شرکت فرمائی۔ محفلِ سماع کے سب سے بڑے مخالف مولانا رکن الدین سمرقندی کو کسی نے اس محفلِ سماع کے انعقاد کی خبر دے دی تو اس نے فوری طور پر اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کیا تاکہ جس جگہ محفلِ سماع ہو رہی ہے وہاں جا کر اس کے مالک مکان سے بات کر کے محفلِ سماع کو روکا جائے۔

کسی باخبر نے فوری طور پر اس بات کی خبر قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کو پہنچا دی۔ آپ نے مالک مکان سے کہا۔ ''تم فوری طور پر کہیں کسی اور جگہ جا کر چھپ جاؤ تاکہ جب مولانا رکن الدین سمرقندی آئے تو تمہیں غیر حاضر پائے۔ اس طرح وہ تمہیں محفل سماع کے روکنے کے لیے نہیں کہہ سکے گا اور اگر بالفرض تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے مکان میں داخل ہو جانے کی جسارت کرے گا تو پھر اس کے اس عمل کو شرع کے خلاف قرار دے کر اس کا اور اس کے ساتھیوں کا مواخذہ کیا جا سکے گا۔''

مالک مکان کو یہ تجویز پسند آئی اور وہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے کہنے پر مولانا رکن الدین سمرقندی کی آمد سے پہلے ہی کسی اور جگہ جا کر چھپ گیا۔ چنانچہ جب مولانا رکن الدین سمرقندی آیا تو مالک مکان کو موجود نہ پا کر واپس چلا گیا۔ وقتی طور پر تو یہ معاملہ ٹل گیا مگر یہ بات چلتے چلتے سلطان شمس الدین التمشؒ کے دو درباری علماء ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین تک جا پہنچی۔ یہ دونوں علماء قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے سخت مخالف تھے۔ انہیں جب اس صورتِ حال کا علم ہوا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ سلطان شمس الدین التمشؒ کو مجبور کیا جائے کہ وہ محافلِ سماع پر پابندی لگا دیں کیونکہ اس سے ان کے خیال میں امت مسلمہ میں تفرقہ بازی پھیل رہی ہے اور یہ کہ خلافِ شرع کام بھی ہو رہا ہے جسے بہر صورت بند ہونا چاہیے۔

سلطان شمس الدین التمشؒ تک جب یہ بات پہنچی اور اسے محافل سماع پر پابندی لگانے پر مجبور کیا گیا تو سلطان شمس الدین التمشؒ نے دونوں پارٹیوں کو ایک ہی جگہ پر بلایا تاکہ دونوں اپنے اپنے دلائل دیں۔ اس طرح صورتِ حال واضح ہو گی اور شمس الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ معترض علماء ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین بھی حاضر ہو گئے۔ اب سلطان شمس الدین التمشؒ نے ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین سے کہا کہ وہ قاضی حمید الدین ناگوری سے محفل سماع کے حوالے سے جس قسم کا سوال کرنا چاہیں کریں تاکہ اس سوال پر قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے جواب کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکے۔

ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین نے کہا۔ ''ہمارا تو صرف اور صرف ایک ہی سوال ہے اگر قاضی حمید الدین ناگوری اس سوال کا تسلی و تشفی بخش جواب دے دیں تو ہم ان کی بات مان لیں گے ورنہ انہیں ہماری بات ماننا ہو گی۔ وہ سوال یہ ہے کہ قاضی صاحب یہ بتائیں کہ کیا شرع میں سماع حلال ہے یا حرام؟'' قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے برجستہ جواب دیا۔ ''سماع اہلِ حال کے لیے حلال ہے اور اہلِ قال کے لیے حرام ہے۔''

قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کا جواب اس قدر جامع، مدلل، مؤثر اور بلیغ تھا کہ درباری علماء ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور چہرے ندامت سے جھک گئے۔ فیصلہ خود بخود ہو گیا تھا۔ مدعی پارٹی خود ہی ہار مان کر میدان چھوڑ چکی تھی۔ سلطان شمس الدین التمشؒ کو فیصلہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ سلطان شمس الدین التمشؒ نے معترض علماء سے پوچھا۔ ''کیا اور بھی کوئی سوال پوچھنا ہے؟'' درباری علماء نے نفی میں جواب دیا اور اجازت لے کر وہاں سے چل دیئے۔ انہوں نے پھر کبھی سرِ عام محفل سماع پر اعتراض نہ کیا البتہ دبے لفظوں میں اپنے ہم خیالوں کی مجلس میں اعتراض کر لیتے تھے اور وہ بھی محض دل کا غبار نکالنے کے لیے ورنہ وہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے بے مثل جواب سے مکمل طور پر لاجواب ہو چکے تھے۔ انہوں نے اس کا جواب الجواب بھی سوچنے اور تیار کرنے کی بہت کوشش و کاوش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اور آخر کار خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ اس تمام تر کارروائی کے بعد سلطان شمس الدین التمشؒ کو تمام صورتِ حال سمجھ آ گئی اور اب اس نے خود بھی محافل سماع میں شرکت کرنا شروع کر دی۔ یوں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے ارادت مندوں نے نہ صرف حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے ذوق سماع کو معترضین پر اس کے جواز کو ثابت کیا بلکہ انہیں لاجواب کر دیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے خاص ارادت مندوں اور خلیفوں کی از حد عزت کرتے تھے۔ ان کے احترام میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔ آپ کے خاص ارادت مند اور خلفاء آپ سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے اور انتہائی جوش جذبہ اور تمام تر تمازت و حرارت کے

ساتھ محبت کرتے تھے۔ اور یہ محبت کی شدت یکطرفہ نہیں تھی بلکہ دونوں جانب سے تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ بھی ارادت مندوں سے پوری شدت کے ساتھ شفقت و محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے تو آپ نے اپنے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا۔ ''مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے کہ تمہاری سرپرستی میں معرفت وحقیقت کی تلاش میں مستغرق ایک بہت بڑا مجاہد جہادِ نفس میں مصروفِ عمل ہے اور اس کا تعلق ملتان سے ہے۔ ہم نے اس کا شہرہ سنا ہے مگر ملاقات نہیں ہوئی۔ کیا اسے کہیں چھپا کر رکھا ہوا ہے؟''

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔ ''یا پیر و مرشدؒ! آپ سے کیا چھپانا۔ میں نے اسے کہیں چھپا کر نہیں رکھا ہوا بلکہ وہ خود اس دنیا سے الگ تھلگ گوشۂ تنہائی میں ریاضت اور چلہ کشی میں مصروف ہے۔ معرفت کی کچھ منزل طے کر چکا ہے اور باقی طے کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ دعا کیجیے کہ رب قادر وقدیر اسے اپنے نیک مقصد میں کامیاب و بامراد کرے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''قطب الدین! ہم اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متوالے اور عاشق سے ملنا چاہتے ہیں تاکہ اس کے عشق کی تڑپ اور اس کے مجاہدے کی حدت وحرارت کو دیکھ سکیں اور اس کی حوصلہ افزائی بھی کر سکیں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما کو اس کے کمرے کی طرف لے گئے جہاں معرفت وحقیقت کا متلاشی مردِ مجاہد نفس کے خلاف جہاد میں مصروف تھا۔ یہ دراصل مشہور بزرگ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ تھے جو اپنی روحانیت کی تکمیل کے لیے ملتان سے دہلی حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے تھے اور ایک تنہا و تاریک کمرے میں مجاہدے اور ریاضت میں مصروف تھے۔ دن بھر روزہ رکھتے تھے اور شام کو افطار سے پہلے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک خادم چپکے سے ہلکا سا دروازہ کھول کر جو سے تیار کی گئی ایک روٹی اور نمک کا پانی اندر رکھ دیتا تھا جس سے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ روزہ افطار کرتے تھے اور کچھ روٹی بچا کر رکھ لیتے تھے جسے سحری میں استعمال کرتے تھے۔ چوبیس گھنٹے میں صرف یہی ان کی خوراک تھی۔ نہ کمرے سے باہر نکلتے تھے اور نہ ہی کسی سے ملاقات کرتے تھے۔ لمحہ لمحہ ذکر و فکر اور اوراد و وظائف کے ساتھ نوافل کی ادائیگی میں مصروف رہتے تھے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی خواہش پر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے کمرے کا دروازہ آگے بڑھ کر کھولا تو اس وقت حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ ایک چٹائی پر بیٹھے آنکھیں بند کیے

کلامِ الٰہی کے ورد میں مصروف تھے بلکہ اس قدر محو و مستغرق تھے کہ انہیں اس بات کا احساس تک نہ ہوا کہ کوئی ان کے کمرے میں داخل ہو چکا ہے حالانکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ دونوں کمرے میں داخل ہو چکے تھے اور خوشی و مسرت کے ساتھ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ لمحات کے توقف کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے قدرے بلند آواز سے کہا۔ ''فرید! آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ تم سے ملاقات کے لیے اتنی بڑی اور عظیم شخصیت خود چل کر تمہارے پاس آئی ہے۔ اپنی قسمت اور اپنے بخت پر ناز کرو۔ جس شخصیت سے ملنے کے لیے بڑے بڑے بادشاہ اور رؤسا ترستے ہیں وہ تمہارے کمرے میں موجود ہے۔ آنکھیں کھولو اور اس کا دیدار کرو۔ استقبال کرو اور آگے بڑھ کر قدم چوم لو۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اپنے رہبر و رہنما کی آواز سن کر یکدم چونکے اور آنکھیں کھولیں تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے پیر و مرشد کے ساتھ ایک اور نورانی چہرہ شخصیت جلوہ افروز ہے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے سوال کرنے سے پہلے ہی حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا۔ ''فرید! یہ میرے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما اور تمہارے بھی پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ تمہاری خوش بختی اور کامیابی و کامرانی قابلِ رشک ہے کہ پورے ہندوستان کا سلطان تمہارے کمرے میں رونق افروز ہے۔ اب سمجھ لو کہ تم نے مراد پالی۔ تم کامیاب ہوئے۔ تم کامران ہوئے۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اٹھ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو سلام عقیدت ومحبت پیش کیا تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو گلے لگا لیا اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ معرفت کی منازل کامیابی کے ساتھ طے کرنے کی نوید دی۔ اس سے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو جہاں بے پایاں خوشی و مسرت ملی وہاں آپ کو بے انتہا حوصلہ ملا۔ آپ کو اک نیا ولولہ ملا اور آپ ایک نئے جوش و جذبے اور ذوق و شوق کے ساتھ ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے اور یہ سب کچھ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے حُسنِ اخلاق اور حوصلہ افزائی کا ثمر تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا یہ انداز اور حوصلہ افزائی کا یہ طریقہ صرف حضرت فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ آپ ہر مرید اور ہر ارادت مند کے ساتھ اس کے اللہ جل شانہٗ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت وعقیدت اور ریاضت و مجاہدہ کے مطابق پیش آتے تھے۔ جتنی جس کی جھولی ہوتی تھی اور جتنا جس کا دامن ہوتا تھا اس کے مطابق ہی اس پر نظرِ عنایت فرماتے تھے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ کسی کا دامن، کسی کی جھولی خالی نہیں لوٹاتے تھے۔ یہ سوالی کے دامن کی وسعت پر منحصر ہوتا تھا کہ وہ کس قدر حاصل کرنے کی صلاحیت واستطاعت رکھتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے ارادت مندوں اور مریدانِ خاص میں علم و عرفان کے موتی لٹانے کے بعد پھر اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے عقیدت مندوں و ارادت مندوں نے نمناک آنکھوں اور ہجر کے جذبات سے معمور دل کے ساتھ آپ کو رخصت کیا مگر اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما کے فیصلے پر کسی کی جرأت و جسارت نہیں تھی کہ اسے تبدیل و ترمیم کرنے کی درخواست کر سکے۔ آپ کے ارادت مند بخوبی اس امر سے آگاہ و آشنا تھے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ ان کے ایسے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما ہیں کہ جن کا ہر فیصلہ بہتر سے بہترین مصلحت اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی مرضی و رضا اور خوشی و خوشنودی کی خاطر ہی ہوتا ہے۔

زندگی دھوپ چھاؤں کا کھیل ہے۔ خوشی غمی کا میل ہے۔ ایک لمحہ اپنے اندر مسرت کی رنگینی لیے ہوتا ہے تو دوسرا لمحہ افسردگی کا پیام بھی پہنچا سکتا ہے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کے خاص بندوں پر تو ابتلاء و آزمائش کی ساعتیں آیا ہی کرتی ہیں کیونکہ دنیا جزا و سزا کی جگہ نہیں بلکہ امتحان گاہ ہے جہاں ہر شخص ایک امیدوار کی حیثیت سے اپنے اعمال کی صورت میں امتحانی پرچہ حل کرنے میں مصروف ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے نیک بندوں کا امتحان عام افراد کے امتحان سے نسبتاً مشکل ہوتا ہے کیونکہ ان کے درجات کی بلندی اس امر کی متقاضی ہوتی ہے۔

حیاتِ مستعار کی گزرتی ساعتوں میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی ایک اذیت ناک آزمائش سے گزرنا پڑا۔ آپ اگرچہ اس صورتِ حال سے پریشان ہوئے مگر رب رحمٰن و رحیم کی عنایت اور رب قادر و قدیر کے لطف و کرم سے انتہائی پُر امید تھے کہ وہی ذات ہی علیم بذات الصدور بھی ہے اور کارساز و مددگار بھی۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی پریشانی کے انہی ایام میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے عالمِ خواب میں دیکھا کہ آپ کے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آ رہے ہیں۔ خواب ہی میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ ''قطب الدین! اس قدر پریشان کیوں ہو؟ آخر کیا بات ہے؟ لازماً کوئی انتہائی غیر معمولی بات ہے جس نے تمہیں پریشان کر دیا ہے ورنہ مردِ مومن تو کبھی پریشان نہیں ہوتا!''

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔ ''یا حضرتؒ! میں ان لمحات میں سخت پریشان اس لیے ہوں کہ مجھ پر ایسی نازیبا اور ناروا تہمت لگائی جا رہی ہے جس سے لوگوں کا اہلِ اللہ پر یقین و اعتماد اٹھنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو پھر دینِ اسلام کی

تبلیغ کرنے والا کون ہوگا؟ لوگوں کی اصلاح و فلاح کون کرے گا؟ تمام شہر بھی پریشانی اور حیرت کی ملی جلی کیفیت سے گزر رہا ہے۔ دشمنانِ اسلام اور دشمنان اہلِ اللہ نے دولت کے بل بوتے پر کچھ افراد کا ایمان تک خرید لیا ہے۔ میں نے اپنی صفائی بیان کرنے کی حتی المقدور اور حتی الوسع کوشش و کاوش کی ہے مگر دشمنوں کا منصوبہ اس قدر پختہ اور ٹھوس ہے کہ میری کسی دلیل کو نہیں مانا جا رہا۔ مصیبت و پریشانی کی اس گھڑی میں رب تعالیٰ جل شانہٗ ہی کی ذات پاک میری مدد و اعانت فرمانے والی ہے۔ وہی ذات میری مددگار بھی ہے اور دوست و رفیق بھی کیونکہ مشکل کشائی صرف اور صرف اسی ذات پاک کو زیبا ہے۔ میں رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رحمت و مغفرت اور بخشش و کرم سے قطعی ناامید نہیں ہوں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ مجھے انصاف ضرور مل کر رہے گا۔ آپ میرے لیے ربِ کائنات سے دعا کیجیے کہ وہ میری عزت و آبرو قائم و دائم رکھے۔ مجھے اس آزمائش میں سرخرو فرمائے اور میری ناموس و وقعت کی چادر کو داغدار ہونے سے بچا لے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے خواب ہی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا۔ ''قطب الدین! اس بات کو بخوبی ذہن میں رکھو کہ جس شخص کا جتنا بڑا رتبہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے نزدیک ہوتا ہے اتنی ہی بڑی آزمائش سے اسے گزارا جاتا ہے تاکہ اس کے مراتب میں اضافہ کیا جا سکے لیکن یہ قانونِ فطرت و قدرت یاد رکھو کہ فتح ہمیشہ حق کی ہی ہوتی ہے۔ تمہارے دشمن دراصل دینِ اسلام کے دشمن ہیں۔ انہیں بہر صورت شکست ہوگی۔ صبر کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑنا۔ دشمنان اہلِ اللہ کو تمام حربے اور منصوبے آزما لینے دو لیکن یاد رکھو کہ بالآخر رسوائی ہی ان کا مقدر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہمارے اور تمہارے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ رب قادر و قدیر کی ذات ہو اسے دنیا کی کوئی طاقت زیر نہیں کر سکتی اور نہ ہی رسوا کر سکتی ہے۔ ہاں! ایک بات تمہیں یہ کرنا ہوگی کہ سلطان شمس الدین التمشؒ سے میری جانب سے کہو کہ وہ میری آمد تک اس مقدمے کو ملتوی کر دیں۔ میں خود آ کر تمہارا مقدمہ لڑوں گا اور اہلِ اللہ پر اعتماد و یقین کو ختم کرنے کی ناپاک کوشش کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں گا۔ اطمینان رکھو۔ میں جلد ہی دہلی پہنچ رہا ہوں۔''

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ خواب سے بیدار ہوئے تو اسی وقت انہوں نے نمازِ تہجد کے نوافل ادا کئے کیونکہ یہ وہی سعید ساعتیں تھیں جب نمازِ تہجد ادا کی جاتی ہے۔ آپ کو اس خواب کی بدولت از حد دلی سکون اور قرار ملا اور آپ کو اطمینان نصیب ہوا کہ آپ کے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ آپ کا مقدمہ لڑنے کے لیے بہ نفسِ نفیس دہلی تشریف لا رہے ہیں۔ یہ امر آپ کے لیے از حد طمانیتِ قلب کا باعث تھا۔ اب آپ نے اس خواب کو اور اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی آمد کو امرِ ربی سمجھا اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی اعانت جانا۔ آپ نے اس خواب کی خوشی میں بے شمار نوافل ادا کئے اور جو

کچھ آپ کے پاس موجود تھا وہ سب غرباء، فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا۔ آپ کے چہرے پر پریشانی کی جو کیفیت تھی وہ جاتی رہی اور آپ نے لاتحزن ان اللّٰہ معنا یعنی غم نہ کر و رب تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں کا ورد کرنا شروع کر دیا۔

جہاں اوقات اور لمحات گزرتے دیر نہیں لگتی وہاں وقت بدلتے بھی دیر نہیں لگتی۔ ایک پل خوشی کا لمحہ ہے تو دوسرا پل غم کا لمحہ ہاتھ میں غموں کی گٹھڑی تھامے کھڑا ہوتا ہے۔ زندگی اسی نشیب و فراز کا مجموعہ ہے۔ یہ ڈوبتے چاند کی اندھیری رات تھی جو اپنی ساعتیں پوری کرنے کے بعد صبح کی آمد کے اعلان کے ساتھ ہی کسی اور منزل کی جانب رخصت ہو رہی تھی۔

حسبِ معمول صبح ہوئی۔ سورج طلوع ہوا مگر فضا میں اک عجیب قسم کی اداسی اور غمگینی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے در و دیوار رو رہے ہیں۔ اک نامعلوم سی بے قراری اور بے چینی ہر عقیدت مند و ارادت مند کے دل میں موجزن تھی۔ حاکمِ وقت سلطان شمس الدین التمشؒ کا دربارِ شاہی بھی وقتِ مقررہ پر لگا ہوا تھا۔ صرف سلطان کی آمد کا انتظار تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں سلطان شمس الدین التمشؒ تشریف لے آئے اور اپنی مسندِ شاہی پر جلوہ افروز ہوئے۔ معمول کے مطابق دربارِ شاہی مصاحبین، وزراء، مشیران اور عوام الناس سے بھرا ہوا تھا۔ جیسے ہی دربارِ شاہی کی کارروائی کے آغاز کا اعلان ہوا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی دوڑتی ہوئی آئی اور سلطان کے سامنے پہنچی۔ وہ رو رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔ چلا رہی تھی اور آنسوؤں بھری آنکھوں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"بادشاہ سلامت! میرے ساتھ انصاف کیا جائے۔ میں ایک مظلوم عورت ہوں۔ میرے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ آپ جیسے انصاف پسند اور غریب پرور بادشاہ کے عہدِ حکومت میں ایسی زیادتی ناقابلِ فہم ہے۔"

جیسے ہی اس لڑکی کی زوردار آواز نے فضا میں ارتعاش پیدا کیا، دربارِ شاہی میں موجود ہر شخص اس کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ ہر شخص کی زندگی کا جو کہ وہاں موجود تھا اک انوکھا اور عجیب واقعہ تھا۔ سلطان شمس الدین التمشؒ نے لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تمہارے ساتھ ہر لحاظ سے انصاف ہوگا۔ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا ظلم و زیادتی ہوئی ہے اور ظالم کون ہے؟" لڑکی نے کہا۔ "سلطان معظم! آپ مجھ سے ظالم کا نام پوچھ تو رہے ہیں اور ظلم و زیادتی بیان کرنے کو کہہ تو رہے ہیں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ آپ اس شخص کا نام سننا پسند نہیں کریں گے اور نہ ہی میری بات پر یقین کریں گے بلکہ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ آپ اس شخص کو ظالم ماننے سے ہی انکار کر دیں گے۔ مجھے اس بات کی یقین دہانی کرائی جائے کہ میں جس کا نام لوں گی آپ کسی رعایت اور لحاظ کے بغیر اسے ہر حال میں سزا دیں گے۔"

لڑکی کی یہ بات سن کر سلطان شمس الدین التمشؒ جوش میں آ گئے اور انہوں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ "لڑکی! تم نے شاہی عدل کو چیلنج کیا ہے جبکہ اس سلطنت کا ہر شخص گواہ ہے کہ یہاں کسی امتیاز و تفریق کے بغیر ہر شخص کو انصاف فراہم کیا جاتا ہے۔ تمہیں عدلِ شاہی پر مکمل اعتماد کرنا چاہیے۔

جس دن یہاں ناانصافی ہوئی اس دن ہم سلطانی و حکمرانی کو خیر باد کہہ دیں گے۔ یاد رکھو کہ ہماری شمشیرِ عدل ظالم کی گردن سے قریب تر ہوتی ہے۔ تم بلا دھڑک اس شخص کا نام لو جس نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے اور دنیا دیکھے گی کہ ہم اسے نشانِ عبرت بنا دیں گے چاہے وہ کتنی بڑی حیثیت کا مالک ہی کیوں نہ ہو۔ انصاف کا ترازو سب کے لیے برابر ہے۔"

لڑکی نے کہا۔ "سلطان معظم! میری گود میں اس بدقسمت و بدنصیب بچے کی طرف توجہ کیجیے۔ یہ وہ بچہ ہے جس کا باپ زندہ ہے مگر یہ اپنے باپ کے زندہ ہونے کے باوجود یتیم ہو چکا ہے اور میری بدبختی بھی ملاحظہ کیجیے کہ میرا شوہر زندہ ہے مگر میں اپنے شوہر کے زندہ ہونے کے باوجود بیوہ ہوں۔ آپ نے یقیناً ایسا یتیم نہیں دیکھا ہوگا اور نہ ہی ایسی بیوہ دیکھی ہوگی۔"

سلطان شمس الدین التمشؒ نے کہا۔ "تمہاری داستان واقعی دردناک ہے۔ اب تم فوری طور پر اس شخص کا نام بتاؤ جس نے تمہارے ساتھ اور تمہارے پھول سے بچے کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ ہم ابھی اسے انصاف کے کٹہرے میں لائیں گے اور اسے اس کے ظلم کی شرعی سزا دلوائیں گے۔" اور پھر یکایک اس لڑکی نے کہا۔ "سلطان معظم! سننے کی ہمت ہے تو پھر سنیے کہ میری گود میں جو میرا بچہ ہے اس کے والد قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں جنہوں نے اب مجھے اپنی بیوی اور اپنے اس بچے کو اپنا بیٹا ماننے سے سراسر انکار کر دیا ہے۔ کیا آپ کی سلطنت میں اس ظلم کا مداوا ممکن ہے؟ سلطان معظم! کیا آپ ایسے شخص کو اس کے کئے کی سزا دے سکیں گے جس سے آپ عقیدت و محبت رکھتے ہیں؟ اگر آپ نے ایسا کرنے کی ہمت کر لی اور مجھے انصاف مل گیا تو آپ کا نام تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا لیکن اگر آپ ایسا نہ کر سکے تو نہ صرف تاریخ آپ کو معاف نہیں کرے گی بلکہ روزِ قیامت میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان! سلطان معظم! میں سمجھتی ہوں کہ یہ آپ کے لیے ایک مشکل مرحلہ ہے مگر ابھی آپ نے خود کہا تھا کہ شاہی عدل کسی تفریق و تمیز کے بغیر اپنی کارروائی کرے گا اور مظلوم کو انصاف ضرور ملے گا چاہے ظالم کس قدر طاقتور ہی کیوں نہ ہو۔ سلطان معظم! میری درخواست ہے کہ آپ کارروائی کا آغاز کیجیے۔"

سلطان شمس الدین التمشؒ نے فوری طور پر اپنے شاہی کارندے کے ذریعے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو بلوا بھیجا۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ آپ کو اس لڑکی کے الزام کے بارے بتایا گیا تو آپ نے فرمایا۔ "میں نے اس لڑکی کو ابھی پہلی دفعہ دیکھا ہے۔ اس سے پہلے میں نے اسے دیکھا تک نہیں تو پھر یہ کس طرح مجھ پر الزام لگا رہی ہے شاید اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" مگر اس لڑکی نے چیخ چیخ کر کہا۔ "سلطان معظم! میں رب تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یہی حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ میری گود میں موجود میرے اس بچے کے حقیقی والد ہیں۔" یہ جملہ اس لڑکی نے بار بار ربِ قادر قدیر کی قسم کھا کر دہرایا جس سے تمام دربار میں سناٹا چھا گیا۔ ہر چہرہ سوالیہ نشان بن گیا اور ہر دل مغموم و اداس ہو گیا

کہ یہ لڑکی کیسا الزام کس قدر بلند مرتبت روحانی شخصیت پر بے دھڑک عائد کر رہی ہے مگر مجمع میں موجود کچھ چہرے ایسے بھی تھے جن پر ایک منافقانہ مسکراہٹ صاف دکھائی دیتی تھی۔ جن کی آنکھیں چغلی کھا رہی تھیں کہ یہ ایک انتہائی منظم سازش ہے جو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مخالفین نے انتہائی مہارت و جسارت کے ساتھ تیار کی ہے اور اس طرح وہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے نیک بندے اور وقت کے ولی کو سرِ بازار رسوا کرنے کی ناپاک حرکت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

جب لڑکی نے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قسمیں کھانا شروع کیں تو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ بالکل خاموش ہو گئے البتہ سلطان شمس الدین التمشؒ نے لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”خوب جان لو کہ تم نے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قسمیں کھا کر رب قادر و عادل کے انصاف کو آواز دی ہے۔ اگر تمہارا یہ الزام غلط ثابت ہوا تو تمہیں سخت ترین سزا دی جائے گی۔ اب بھی وقت ہے۔ خوب اچھی طرح سوچ لو ورنہ دونوں جہان کی رسوائی اور سزا تمہارا مقدر ہو جائے گی۔ تم نہیں جانتی کہ کسی پر بہتان لگانا کس قدر گناہِ عظیم ہے۔“

مگر لڑکی نے اپنی رٹ جاری رکھی۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قسمیں کھا کر بار بار ایک ہی جملہ دہرائے جا رہی تھی کہ ”حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ اس بچے کے حقیقی باپ ہیں۔“

اب کافی وقت ہو چلا تھا۔ شاہی دربار کے لیے مخصوص وقت ختم ہوا چاہتا تھا اس لیے سلطان شمس الدین التمشؒ نے دربار شاہی برخواست کر دیا۔ دربار شاہی کے برخواست ہونے کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان شمس الدین التمشؒ کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا پیغام دیا کہ مقدمے کی کارروائی فی الحال اس وقت تک ملتوی کر دی جائے جب تک حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ دہلی پہنچ کر اس مقدمے کی وکالت خود نہیں فرماتے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اجمیر شریف سے روانہ ہو چکے ہیں اور چند ہی دنوں میں پہنچ جائیں گے۔

اس صورتِ حال میں سلطان شمس الدین التمشؒ نے اعلان کرا دیا کہ مقدمے کی کارروائی فی الحال ملتوی کر دی گئی ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اس مقدمے میں اپنے خلیفہ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی خود وکالت فرمائیں گے اس لیے اس مقدمے کی کارروائی اس وقت دوبارہ شروع کی جائے گی جب مدعا علیہ کے وکیل اجمیر شریف سے دہلی پہنچ جائیں گے اور یہ کہ آپ اجمیر شریف سے اس مقصد کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔

سلطان شمس الدین التمشؒ کی جانب سے مقدمے کی کارروائی کے التواء کے اعلان پر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مخالفین سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ مقدمے نے اگر طول کھینچا تو ان کا ناپاک منصوبہ کہیں کسی موقع پر طشت از بام نہ ہو جائے یا مدعی لڑکی ہی کہیں راہِ راست پر نہ آ جائے۔ اس ناپاک منصوبے میں سلطان شمس الدین التمشؒ کے بعض

مصاحبین بھی شامل تھے۔ انہوں نے سلطان شمس الدین التمشؒ سے مقدمے کی کارروائی جاری رکھنے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ بعض صاحبانِ اختیار نے بھی سلطان شمس الدین التمشؒ کو یہی مشورہ دیا مگر سلطان شمس الدین التمشؒ نے دوٹوک اور واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ جب تک حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اجمیر شریف سے دہلی تشریف نہیں لاتے مقدمے کی کارروائی کسی صورت دوبارہ شروع نہیں کی جائے گی کیونکہ وکیل کے بغیر کارروائی کس طرح شروع کی جا سکتی ہے جبکہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ خود اپنی زبان سے کچھ کہنے کو تیار نہیں اور یہ کہ انہیں ان کے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ وہ خود آ کر مقدمے کی وکالت فرمائیں گے۔“

اس صورتِ حال سے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدینؒ اور عقیدت مند و ارادت مند مطمئن ہو گئے جبکہ آپ کے مخالفین مایوس و ناامید ہو گئے۔ وہ یہی چاہتے تھے کہ مقدمے کی کارروائی جاری رکھتے ہوئے اس کا فوری فیصلہ کیا جائے تاکہ وہ اپنے مذموم و ناپاک مقصد میں کامیاب ہو سکیں۔

ابھی دو دن بمشکل ہی گزرے تھے کہ مخالفین کے اُکسانے پر وہ لڑکی سلطان شمس الدین التمشؒ کے دربار شاہی میں روتی پیٹتی پھر حاضر ہو گئی اور آنسو بہا بہا کر کہنے لگی۔ ”سلطان معظم! مجھے یقینِ کامل ہے کہ مجھے آپ کے ہاں سے انصاف ملے گا مگر مقدمے کی کارروائی ملتوی ہونے سے میرا یہ نقصان ہو رہا ہے کہ میرے اور میرے بچے کے لیے ضروریاتِ زندگی کی تنگی ہے۔ ہمارا کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ بچے کا باپ اسے اپنا بیٹا تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور نہ ہی مجھے اپنی بیوی ماننے پر راضی ہے اس لیے ہماری ضروریاتِ زندگی کا بندوبست شاہی خزانے سے کیے جانے کے احکامات صادر فرمائے جائیں۔“

سلطان شمس الدین التمشؒ نے کہا۔ ”تمہیں ہمہ قسم کی ضروریاتِ زندگی اور مراعات دینے کے احکامات صادر کیے جاتے ہیں۔ متعلقہ حکام کو حکم دیا جاتا ہے کہ تمہیں سرکاری مہمان خانے میں تمہارے بچے سمیت رہائش دی جائے اور جملہ سہولیات فراہم کی جائیں مگر یہ سہولیات اس وقت تک ہوں گی جب تک مقدمے کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ مقدمے کے فیصلے کے بعد اس فیصلے کے مطابق تمہارے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔“

اور پھر کچھ ایسا ہوا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو اجمیر شریف سے دہلی پہنچنے میں توقع سے زیادہ ہی عرصہ گزر گیا۔ آپ کی آمد کا روزانہ بے چینی و شدت کے ساتھ انتظار کیا جاتا ہے مگر جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا لمحات بھاری ہوتے جا رہے تھے۔ وہ اس لیے کہ مخالفین نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ سلطان شمس الدین التمش جان بوجھ کر مدعا علیہ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ کوئی کہتا کہ مدعا علیہ حضرت

قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے بلکہ بعض معترض و مخالفین نے تو یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ موقع پا کر دہلی سے غائب ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"میں قطعی طور پر روپوش نہیں ہوں گا۔ دہلی چھوڑنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔ میں اپنے مقدمے کی پیروی اس لیے نہیں کر رہا کہ مجھے میرے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کرنے سے منع کر دیا ہے۔ میں دہلی میں اس وقت تک قیام پذیر ضرور ہوں گا جب تک میرے مقدمے کا فیصلہ نہیں ہو جاتا اور عدالت کا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ مجھے دل و جان سے منظور ہوگا۔ اگر یہ میرے حق میں ہوا تو یہ سچ کی فتح ہوگی اور اگر یہ میرے خلاف ہوا تو میں اسے رب کی رضا سمجھوں گا کیونکہ اللہ جل شانہٗ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے اور یہ کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے اس مقدمے کے فیصلے کا جو وقت مقرر کیا ہوا ہے اسی وقت فیصلہ ہوگا۔ اس لیے بے صبری سے کام نہ لو۔ جلد یا بدیر فیصلہ ہو کر ہی رہے گا۔"

سلطان شمس الدین التمشؒ کے لیے خاص طور پر یہ دن بہت صبر آزما اور کٹھن تھے۔ سلطان کا لمحہ لمحہ فکر میں گزرتا تھا۔ سلطان شمس الدین التمشؒ بار بار آسمان کی طرف نگاہ کر کے رب ذوالجلال سے یہی دعا کرتا تھا۔ "یا رب العالمین! آپ ہی کارساز، قادر و قدیر اور عادل و رحمٰن ہیں۔ کاش یہ مقدمہ میرے دورِ حکومت میں نہ ہی ہوتا۔ یہ میرے لیے بھی بہت بڑی آزمائش ہے۔ اے رب رحمٰن و رحیم! مجھے آپ اس آزمائش میں سرخرو فرمائیں۔ اے مالک الملک! میری مشکل آسان فرمائیں اور اس کٹھن وقت میں ہماری مدد و استعانت فرمائیں۔"

سب سے زیادہ بے چینی اور بے قراری حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ کو تھی۔ آپ کی نگاہیں راستے پر لگی تھیں۔ آپ انتہائی شدت کے ساتھ اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے انتظار میں تھے۔ اجمیر شریف سے آنے والے ہر مسافر سے پوچھتے تھے۔ اس راستے سے آنے والے ہر راہ گیر سے دریافت کرتے تھے کہ اس نے کہیں راستے میں پیر و مرشد کو تو نہیں دیکھا مگر کہیں سے کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ آپ کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔ آپ طویل سجدے کر کے رب رحمٰن و رحیم سے گڑگڑا کر التجا کرتے تھے کہ آپ کو اس آزمائش میں کامیاب و کامران فرمائیں۔

اور بالآخر سب کی دعائیں رنگ لائیں۔ انتظار کے لمحات ختم ہوئے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی سواری دور سے آ رہی تھی۔ پہچاننے والوں نے پہچان لیا اور انہوں نے فوری طور پر اس کی اطلاع سلطان شمس الدین التمشؒ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے پہلے دی۔ دونوں نے اطمینان کا اظہار کیا بلکہ

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور سلطان شمس الدین التمشؒ نے راستے ہی میں جا کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا استقبال اور خیر مقدم کیا۔

اب حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین، ارادت مندوں اور عقیدت مندوں کے چہروں پر رونق لوٹ آئی۔ سب نے خوشی کا اظہار کیا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے ہاں حاضری دی اور سلامِ عقیدت و نیاز پیش کیا۔ لوگوں کا اک بے پناہ ہجوم تھا جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔

لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ حدِ نگاہ تک انسانی سر ہی نظر آتے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو آپ ایک اونچے چبوترے پر تشریف لے گئے اور لوگوں کے سلاموں کا جواب دیا۔ ہجوم میں سے بعض کہنے والوں نے کہا۔ "یا حضرت! مخالفین نے ایک ولی اللہ کا دامن داغدار کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔ آپ ان کے لیے بددعا فرمائیے کہ رب ذوالجلال ان کے کیے کی سزا فوری طور پر انہیں دے دے۔ یہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہونے کی بجائے بغلیں بجاتے پھرتے ہیں اور شہر میں یوں دندناتے اور تمسخر اُڑاتے ہیں کہ الحفیظ والامان! ہم سے یہ صورتِ حال برداشت نہیں ہوتی۔ آخر ہم کب تک اپنے پیر و مرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ناموس پر ان رذیل لوگوں کو کیچڑ اچھالتے دیکھتے رہیں گے۔ ہم رب تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے ان کے ناپاک اعمال کی فوری سزا کے طلبگار ہیں۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"لوگو! صبر سے کام لو۔ صبر کا اجرِ عظیم ہوتا ہے۔ صبر کرنا ہمارے آقا سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کا حکم ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ صبر اور نماز سے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی مدد و استعانت طلب کرو۔ قطب الدین کو میں نے ہی دہلی میں متعین کیا تھا۔ قطب الدین کی ذات پر حملہ دراصل میری ذات پر حملہ ہے۔ اس لیے اس ضعیف العمری میں بھی میں یہاں پہنچا ہوں۔ میرے دیر سے پہنچنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ناتوانی اور ضعیف العمری کی وجہ سے سفر کرنا مشکل تھا مگر یہ صورتِ حال ایسی تھی کہ جس کے لیے مجھے یہاں آنا پڑا اور میرا یہاں آنا ضروری بھی تھا کیونکہ یہ فتنہ ایسا تھا کہ جسے رفع کرنے کے لیے میری آمد اس کی متقاضی تھی۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے اس آزمائش کے لمحات میں اپنے پیر و مرشد کا ساتھ نہیں چھوڑا اور تم عنقریب دیکھ لو گے کہ رب قادر و قدیر ہمیں کس طرح نصرت عطا فرماتے ہیں۔"

☆======☆======☆

مختلف الخیال لوگوں کے ہجوم سے جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ خطاب فرما رہے تھے تو ہر چہرہ الگ الگ رنگ لیے ہوئے تھا۔ اس ہجوم میں عمومی طور پر چار قسم کے افراد تھے۔ زیادہ تعداد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں، عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کی تھی جن کے چہروں پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی آمد سے مسرت وطمانیت نمایاں تھی۔ ان افراد کو مکمل یقین تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ وکالت کے فرائض بحسن وخوبی سرانجام دے کر اپنے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کا مقدمہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد واعانت سے جیت لیں گے اور حق وسچ کی فتح ہوگی۔ جھوٹ، بہتان، الزام تراشی اور کردار کشی کے تمام منصوبے خاک میں مل جائیں گے اور دشمنانِ اولیاء کرام کو عبرتناک شکست ہوگی۔

اس ہجوم میں چند ایسے افراد تھے جو ظاہری طور پر یا خفیہ طور پر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی مخالفت کر رہے تھے۔ آپ کو موردِ الزام ٹھہرا رہے تھے حتیٰ کہ مجرم (نعوذ باللہ) سمجھ رہے تھے۔ یہ لوگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی آمد برائے وکالت کو محض وقت کا ضیاع خیال کرتے تھے اور اس بات پر وثوق کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے حق میں دلائل وثبوت نہ ہونے کی بناء پر آپ مقدمہ ہار جائیں گے اور اس طرح اولیاء وخانقاہ کا تقدس پامال ہوگا۔ انہی میں وہ لوگ تھے جو اس تمام تر سازش کی منصوبہ بندی کرنے والے تھے اور انہیں اپنے اس ناپاک وخطرناک منصوبے کی کامیابی کا مکمل یقین تھا مگر انہیں یہ یاد نہیں تھا کہ ایک قادر وقدیر، خبیر وعلیم اور عادل ومنصف ذات بھی ہے جو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرنے والی ہے اور ان کی عزت وناموس کی محافظ وامین ہے۔

تیسری قسم ان افراد کی تھی جو ہندو تھے اور سخت ترین اسلام دشمن تھے۔ انہیں اسلام کے نام لیواؤں سے خواہ مخواہ کی مخاصمت وعداوت تھی۔ وہ تماشائی بنے ہوئے تھے اور اس بات پر خوش تھے کہ مسلمان کس طرح آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کر رہے ہیں۔ وہ حضرت قطب الدین

بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مخالفین کو شہ دے رہے تھے اور انہیں ہر قسم کے تعاون کا یقین دلا رہے تھے۔ ان ہندوؤں کو مکمل یقین تھا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ مقدمہ ہار جائیں گے اور یوں مسلمان آپس میں تقسیم بھی ہوں گے اور اسلام کے سرکردہ رہنماؤں کا تقدس بھی جاتا رہے گا۔

چوتھے زمرے میں ایسے افراد آتے تھے جو نہ تو مخالف تھے اور نہ ہی غیر موافق بلکہ وہ غیر جانبدار تھے۔ وہ نہ تو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے حق میں بولتے تھے اور نہ ہی آپ کی مخالفت میں کوئی بات کرتے تھے۔ وہ حالات وواقعات کے دھارے پر نظر رکھے ہوئے تھے اور اس بات کے منتظر تھے کہ قدرت کیا فیصلہ کرتی ہے۔

بہر حال حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ خطاب کے بعد خانقاہ کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کے لیے خاص طور پر صاف ستھری اور قدرے بڑی چٹائی بچھائی گئی تھی۔ یہ چٹائی آپ نے لا کر دی تھی اور ان کی خواہش تھی کہ آپ اسی چٹائی پر تشریف فرما ہوں گے مگر آپ نے چٹائی پر بیٹھنے کی بجائے مصلیٰ منگوایا جسے فوری طور پر پیش کر دیا گیا۔ آپ نے بارگاہِ رب العزت میں نوافل ادا کئے اور ایک طویل دعا مانگی۔ اس دعا میں حجرہ میں موجود سبھی افراد نے شرکت کی۔ آپ نے رب ذوالجلال کے حضور گڑگڑا کر عرض کی۔ ''یارب العٰلمین! آج تیرا ایک نام لیوا دشمنانِ ولایت اور دشمنانِ اسلام کی سازش کا شکار ہے۔ تیری اور صرف تیری نظر عنایت وکرم کی ضرورت ہے۔ یہ بے گناہ ہے۔ اس کی بے گناہی سرِ عام ثابت فرما دے۔ بے شک تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم تیری ہر رضا پر راضی ہیں۔ ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہمیں اس آزمائش میں سرخرو اور کامیاب وکامران فرما۔ یا الٰہی! اگر تیرے یہ بندے شرمساری کا لبادہ اوڑھ کر بھری عدالت سے باہر نکلے تو دشمنانِ اسلام ہمارا مذاق اُڑائیں گے اور تیرے نام لیواؤں پر آوازے کسیں گے۔ اس طرح اشاعت وترویج اسلام کا کام رک جائے گا۔ جو ہندو اب تک مسلمان ہو چکے ہیں ان کے ایمان متزلزل ہو جائیں گے اور جو غیر مسلم دلوں میں مسلمان ہونے کا ارادہ لیے پھرتے ہیں وہ یہ ارادہ ترک کر دیں گے۔ یا غفور الرحیم! تُو ہمیں اپنی مغفرت میں لے لے۔ اپنے نام لیواؤں کی لاج رکھ لے۔ ان کا تقدس اور احترام قائم رکھ۔ ان پر اپنے کرم کی بارش کر اور خاص طور پر مجھے توفیق عظیم دے کہ میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی بہتر طور پر وکالت کر سکوں۔ ہمیں فتح نصیب فرما۔ ہمیں کامرانی عطا کر۔ کامیابی ہمارا مقدر کر دے۔ بے شک تُو ہی عظمت والا ہے اور تُو ہی اپنے بندوں کو عزت دینے والا اور ان کے تقدس کا محافظ ہے۔ ہماری مدد واعانت فرما۔ ہماری مدد واعانت فرما۔ ہمیں فتح وکامرانی عطا کر۔ ہمیں فتح وکامرانی عطا کر۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کافی دیر تک رب کریم ورحیم سے فتح ونصرت کی التجا کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے تمام ارادت مندوں، مریدین اور عقیدت

مندوں کو سورۃ فاتحہ، درود ابراہیمی اور آیت الکرسی کا ورد جاری رکھنے کی تلقین فرمائی۔ آپ کے فرمان پر تمام مسلمانوں نے جو کہ اس مقدمے کی کامرانی کے لیے دعا گو اور آرزومند تھے اس وظیفہ کو مسلسل پڑھنا شروع کر دیا۔ اکثر افراد نے تمام رات جاگ کر گزاری اور نوافل و وظائف میں مشغول و مصروف رہے کیونکہ سلطان شمس الدین التمشؒ کی طرف سے اعلان ہو چکا تھا کہ مقدمے کی کارروائی اگلے روز ہوگی۔

اگلے روز نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد رب العزت کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگی گئیں۔ اس کے بعد ہمہ قسم کی رائے کے حامل افراد دربارِ شاہی کی جانب روانہ ہونا شروع ہو گئے جہاں قاضی کی عدالت میں مقدمے کی کارروائی ہونا تھی۔ مدعی پر جرح ہونا تھی اور وکیلِ صفائی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے دلائل دینا تھے۔ ویسے سلطان شمس الدین التمشؒ نے رات گئے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو یہ بتا دیا تھا کہ قاضیٔ وقت کے تیور یہی بتا رہے ہیں کہ وہ بھی دل ہی دل کے اندر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے قدرے عناد رکھتا ہے اور اس کا زیادہ تر جھکاؤ اس بناوٹی مظلوم عورت کی طرف ہے جو سازشیوں نے خاص طور پر تیار کر کے بھیجی تھی۔ مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان شمس الدین التمشؒ کو بتا دیا تھا۔ ''رب رحمٰن و رحیم ہر حال میں ہماری مدد و نصرف فرمائیں گے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی بے گناہی بھی ثابت ہو جائے گی۔ جبکہ مخالفین کے تمام ناپاک عزائم خاک میں مل جائیں گے۔ رب تعالیٰ جسے چاہے گا عزت و وقعت بخشے گا اور جسے چاہے گا رسوا و ذلیل کرے گا۔ یہ سب رب کریم و عظیم کے راز ہیں جنہیں وہ خود بہتر جانتا ہے۔ ہم عاجز بندے صرف اور صرف اس کی مدد و اعانت کے خواستگار ہیں۔''

سلطان شمس الدین التمشؒ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے کہا۔ ''مجھے اس بات کا تمام عمر رنج و ملال اور دکھ رہے گا کہ میرے عہدِ حکومت میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی پر اتنا بڑا الزام لگایا گیا۔ بس یہی فکر مجھے شب و روز بے قرار و بے چین کیے رکھتی ہے۔ کاش یہ میرا دورِ حکومت نہ ہوتا!''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان شمس الدین التمشؒ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ ''شمس الدین! اس میں تمہارا کیا قصور ہے بلکہ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے میری آمد تک مقدمے کی کارروائی کو ہزار مخالفت کے باوجود ملتوی رکھا۔ تم تسلی رکھو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ عدالت میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ قاضیٔ وقت کی فکر نہ کرو۔ تم تسلی رکھو۔ اللہ جل شانہٗ سے بڑا قاضی کون ہو سکتا ہے۔ جب رب کریم و رحیم ہمارا ساتھ دیں گے تو تم دیکھنا کہ حالات یوں پلٹا کھائیں گے کہ سب حیران رہ جائیں گے۔''

اور بالآخر وہ وقت آ پہنچا جب مدعی، مدعا علیہ، وکیل صفائی اور قاضیٔ وقت، مقدمے کی

کارروائی شروع کرنے کے لیے اپنی اپنی نشستیں سنبھال چکے تھے۔ مقدمے کی کارروائی سننے کے لیے اس قدر ہجوم تھا کہ حدِ نگاہ تک لوگ قطار اندر قطار موجود تھے۔ اس دن اکثر لوگ اپنے اپنے کاروبار اور کام کاج چھوڑ کر عدالت پہنچے ہوئے تھے۔ ہر شخص متجسس تھا۔ ہر شخص کے چہرے پر اک عجیب سی کیفیت تھی۔ اک بے تابانہ کیفیت جو واضح طور پر اس امر کی غماز تھی کہ کیا معلوم اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے۔ البتہ لوگوں کا ہجوم قلعہ کے باہر ہی رکا ہوا تھا اور انہیں دربارِ شاہی میں داخلے کی اجازت اس لیے نہیں دی گئی تھی کہ وہاں اتنی جگہ کی گنجائش نہیں تھی کہ تمام لوگ وہاں ٹھہر سکیں۔

قاضیٔ عدالت نے جیسے ہی کارروائی کے آغاز کا اعلان کیا تو دربارِ شاہی میں سناٹا چھا گیا اور پھر چند ہی سیکنڈوں بعد ایک سنجیدہ، متین اور باوقار آواز نے عدالت کا سکوت توڑا، یہ آواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی تھی۔ آپ نے قاضیٔ عدالت سے پوچھا۔ ''کیا مدعی عورت اپنے بچے سمیت عدالت میں حاضر ہے؟'' قاضیٔ عدالت نے کہا۔ ''بالکل! وہ عورت آج کی اس عدالتِ خاص میں اپنے بچے سمیت حاضر ہے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اگر وہ مدعی عورت عدالت میں موجود ہے تو پھر اسے بلا کر سامنے لایا جائے تاکہ ہم وکیل صفائی کی حیثیت سے اس سے چند سوالات کر سکیں۔'' قاضیٔ عدالت کی ہدایت پر مدعی عورت سامنے لائی گئی۔ اس عورت نے اپنے آپ کو مکمل طور پر ایک لمبی سی چادر میں لپیٹا ہوا تھا۔ اس نے اپنا منہ نیچا کیا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر اس نے یکایک چلانا شروع کر دیا۔ ''مجھے انصاف دیا جائے۔ میرے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ میرے ظلم کی تلافی کی جائے اور ظالم کو قرار واقعی سزا دی جائے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس عورت سے پوچھا۔ ''یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے اور وہ ظالم کون ہے؟'' اس عورت نے فوراً کہا۔ ''میرے ساتھ ظلم کرنے والا وہ سامنے بیٹھا ہوا قطب الدین ہے جس نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا۔ یہ میرا غیر شرعی شوہر ہے۔ میری گود میں یہ ننھا سا بچہ اسی کا ہے۔ اب اس نے اپنا وعدہ نبھانے سے انکار کر دیا ہے۔ نہ مجھے اپنی بیوی تسلیم کرتا ہے اور نہ اس معصوم بچے کو اپنا بیٹا مانتا ہے۔ میں ایسی مظلوم عورت ہوں کہ شوہر ہوتے ہوئے بیوہ ہو گئی ہوں اور میرا بیٹا ایسا مظلوم ہے کہ باپ ہوتے ہوئے یتیم ہو گیا ہے۔ اس شخص نے مجھ سے شادی کے وعدے کیے۔ بڑے خوبصورت خواب دکھائے۔ اب میرے تمام خواب اس نے چکنا چور کر دیئے ہیں اور تمام وعدوں سے منحرف ہو گیا ہے۔ میں ایک بے سہارا لڑکی ہوں۔ اس دنیا میں میرا اور کوئی نہیں۔ ماں باپ بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ در در کی ٹھوکریں کھا کر پلی ہوں۔ میں نے سمجھا تھا کہ اب قسمت میرا ساتھ دے گی مگر اس شخص نے میرا سارا مستقبل تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اب میرے پاس تہمتوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ اپنے آپ کو بہت نیک ظاہر کرنے والا شخص ایسی حرکت کرے گا۔''

وہ لڑکی انتہائی بے باکی کے ساتھ الزام تراشی کی تمام حدیں پھلانگتی چلی جارہی تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا چہرہ مبارک سرخ ہوا جارہا تھا مگر آپ انتہائی صبر وتحمل اور ضبط سے کام لے رہے تھے کیونکہ وقت کا تقاضا یہی تھا۔ بالآخر آپ نے اس لڑکی کو ٹوک دیا اور اس سے قدرے بلند آواز میں پوچھا۔ ''کیا واقعی قطب الدین بختیار کاکی تمہارا غیر شرعی شوہر ہے؟'' اس لڑکی نے بلا جھجک کہا۔ ''مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا کوئی لڑکی سرِ عام اس طرح اپنی رسوائی برداشت کرے گی؟ میرے ساتھ زیادتی اور ظلم ہوا ہے تو میں بول رہی ہوں۔ مجھے کسی پر الزام لگا کر کیا فائدہ حاصل ہوگا؟''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے بالآخر قدرے تلخ لہجے میں اس لڑکی سے پوچھا۔ ''کیا تم اس شخص کو جانتی بھی ہو جس کا نام قطب الدین ہے؟ کیا کبھی اس سے ملاقات بھی ہوئی ہے؟'' اس لڑکی نے کہا۔ ''مجھ سے بہتر اس شخص کو کون جانتا ہوگا جو کہ میرے اس ننھے سے بیٹے کا حقیقی باپ ہے۔ میں اس شخص کو اچھی طرح جانتی بھی ہوں اور پہچانتی بھی ہوں۔ میری اس سے کئی ملاقاتیں ہوچکی ہیں۔''

وہ لڑکی اس دیدہ دلیری کے ساتھ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ پر تہمت لگا رہی تھی کہ ایسی جرأت وہاں پر موجود افراد نے پہلے نہ کبھی دیکھی اور نہ کبھی سنی۔ ہر شخص حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا۔

اب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ آپ نے فرمایا۔ ''کیا تمہیں رب تعالیٰ جل شانہٗ کے عذاب سے ڈر نہیں لگتا؟ رب ذوالجلال کی پکڑ بہت سخت ہے۔ وہ ذات گمراہ شخص کو ڈھیل ضرور دیتی ہے مگر جب اس کی گرفت ہوتی ہے تو وہ بہت سخت ہوتی ہے۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ ایک بے گناہ پر تہمت لگانا کتنا بڑا جرم ہے۔ اب بھی وقت ہے اپنے گناہوں سے توبہ کرلو اور راہِ راست پر آجاؤ۔ دشمنانِ اسلام اور مخالفین علماء کے ہاتھوں میں کھیلنا بند کردو۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ اس دروازے میں داخل ہو جاؤ مگر یاد رکھو کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور جب توبہ کا دروازہ بند ہوتا ہے تو پھر عذابِ الٰہی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ حق اور سچ بات بتا دو۔ جھوٹ اور فریب و بہتان سے مت کام لو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات رحیم وکریم ہے۔ وہ ضرور تمہیں معاف کردے گی۔''

اس لڑکی نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا۔ ''میں کس بات سے توبہ کروں۔ کیا میں نے کوئی گناہ کیا ہے؟ توبہ تو گناہ سے کی جاتی ہے۔ میں نے تو ایک ظالم کے ظلم کی داستان بیان کی ہے۔ میں نے سچ کو واضح کیا ہے۔ ایک حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔ کیا سچ بیان کرنا گناہ ہے؟''

اب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس لڑکی سے مخاطب ہونے کی

بجائے اہلِ عدالت اور اہلِ دربارِ شاہی کی طرف توجہ کی اور ان سے بلند لہجے میں فرمایا۔ ''لوگو! سن لو کہ حجت تمام ہوچکی۔ تم گواہ رہنا کہ ہم نے اس لڑکی کو راہِ راست پر لانے کے لیے پوری کوشش و کاوش کی۔ اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کے عذاب سے بچانا چاہا مگر جب تک رب ذوالجلال نہ چاہے کوئی کسی کو اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اس لڑکی نے اپنے آپ پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ ظالم تو کسی اور کو کہہ رہی ہے حالانکہ یہ خود ظالم ہے اور ایسی ظالم کہ جو اپنے آپ پر ظلم کررہی ہے۔ اس سے بڑا بدقسمت اور بدبخت کون ہوگا۔ کاش اس کو علم ہوتا کہ کسی بے گناہ اور باکردار شخص پر تہمت لگانا کس قدر بڑا گناہ ہے اور اس کی کیا سزا ہے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے جب اس مدعی لڑکی کو نصیحت کی تو قاضیٔ عدالت بول پڑا۔ اس نے کہا۔ ''عدالت وعظ ونصیحت کے لیے نہیں ہے اور نہ ہی مدعی کو اس بات پر قائل کرنے کے لیے ہے کہ وہ اپنا مقدمہ واپس لے لے۔ عدالت کا مقصد حقائق معلوم کرنا ہے اور اس کے مطابق سزا وجزا کا فیصلہ کرنا ہے۔ عدالت ثبوت چاہتی ہے۔ اگر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اپنی بے گناہی کا ثبوت ہے تو وہ عدالت میں پیش کریں۔ ان کی خاموشی شک کا باعث ہے اس لیے کہ کوئی بھی شخص کسی بھی لمحے گناہ کا ارتکاب کرسکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ خانقاہوں میں بیٹھنے والے گناہ سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ شیطان ان کو بھی بہکا اور ورغلا سکتا ہے اور وہ بھی گناہ کے مرتکب ہوسکتے ہیں۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ ہر لحظہ آزمائش کا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص اس آزمائش میں پورا اُترے۔ بہتر یہی ہوگا کہ لڑکی کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے دھمکانے کی بجائے ملزم کی بے گناہی کے ثبوت پیش کیے جائیں کیونکہ ظاہری شواہد یہی ہیں کہ لڑکی ایک بچے کی ماں ہے اور اس کا اصرار ودعویٰ ہے کہ اس بچے کے حقیقی والد حضرت قطب الدین بختیار کاکی ہیں اور وہی اس لڑکی کے غیر شرعی شوہر بھی ہیں۔ اب تمام تر ذمہ داری ملزم اور وکیل صفائی کی بنتی ہے کہ وہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو اگر اس دعویٰ سے بری کروانا چاہتے ہیں تو عدالت میں ثبوت فراہم کریں ورنہ عدالت اپنا فیصلہ سنانے میں دیر نہیں لگائے گی۔''

قاضیٔ عدالت کی اس بات پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے قاضی سے پوچھا۔ ''کیا قطب الدین بختیار کاکیؒ آپ کی نظر میں مجرم ہے؟'' قاضیٔ عدالت نے کہا۔ ''اس مقدمے میں میری رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ میں اگر قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بے گناہ سمجھ بھی لوں تو اس سے مقدمے کی کارروائی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس لیے کہ یہ عدالت ہے۔ میں تو عدالت کا ایک عہدے دار ہوں اور عدالت ملزم سے ثبوت طلب کرتی ہے جو کہ عدالت کا جائز حق ہے تاکہ کسی کے ساتھ زیادتی بھی نہ ہو اور نہ کسی کی بے جا حمایت ہو۔ مجھے سلطان نے عدالت میں قاضی کی کرسی پر بٹھایا ہی محض اس لیے ہے کہ میں مدعی اور مدعا علیہ کے بیانات، ثبوت اور شہادتوں کی روشنی میں فیصلہ کروں۔ میں نہ کسی کی حمایت میں ہوں اور نہ ہی کسی کی مخالفت میں ہوں۔ مجھے خواجہ قطب

الدین بختیار کاکیؒ کی نہ تو حمایت کرنا ہے اور نہ ہی مخالفت اور نہ ہی یہ کرسی مجھے اس بات کی اجازت دیتی ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے حق میں آپ کوئی بھی ایسا ثبوت پیش کر دیں جو ان کی بے گناہی ثابت کرتا ہو تو میں ابھی ان کے حق میں فیصلہ کئے دیتا ہوں۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "کیا خواجہ قطب الدین کی عبادت وریاضت، کردار کی پختگی، رب تعالیٰ جل شانہٗ کے دین کی خدمت، انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے شب و روز کی محنت اور لحہ لحہ کی عوام الناس میں باکردار موجودگی اس کی بے گناہی کے ثبوت نہیں ہیں؟ کیا کبھی کسی شخص نے ان کر کسی غلط بات میں ملوث پایا؟ ان کی زندگی تو کھلی کتاب کی مانند ہے جو لحظہ لحظہ عوام الناس کی نظروں میں ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود بھی کسی اور ثبوت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟"

قاضیٔ عدالت نے کہا۔ "یہاں حقوق اللہ کی بات نہیں ہو رہی۔ بے شک خواجہ قطب الدینؒ عابد و زاہد ہوں گے مگر یہ معاملہ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہے۔ یہاں بات حقوق العباد کی ہو رہی ہے۔ اس لڑکی کا دعویٰ حقوق العباد میں آتا ہے۔ لڑکی کا دعویٰ اسی حوالے سے ثبوت مانگتا ہے اور یہ ثبوت ملزم کو دینا پڑے گا۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے قاضیٔ عدالت سے کہا۔ "کیا روزِ محشر محض عبادت و ریاضت، احکام الٰہی کی پابندی اور سنت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاسداری ہی ثبوت کے طور پر پیش نہیں ہوں گے؟ کیا روزِ قیامت ہر انسان کا عمل اور کردار ہی اس کا سب سے بڑا ثبوت نہیں ہوگا جو اسے کامیاب و کامران کرے گا؟ جب اس دنیا میں یہ تمام کارگزاری ثبوت کے طور پر کام آئے گی تو پھر اس دنیا میں کیوں نہیں؟ قاضی صاحب! کیا آپ اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں؟"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے اس نکتے پر قاضیٔ عدالت اگرچہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ لاجواب ہو گیا ہو مگر اس نے اپنے حواس بحال کیے اور بولا۔ "کوئی شخص کس قدر متقی ہے، کس قدر باکردار ہے اور کتنا پرہیزگار ہے یہ سب رب تعالیٰ جل شانہٗ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ظاہری طور پر بہت عابد و زاہد ہو۔ دن کو روزہ رکھتا ہو، رات کو نوافل پڑھتا ہو مگر اس کے باوجود اس کے تمام اعمال اس کی نیتوں کے برعکس ہوں۔ اس کے من میں کچھ اور ہو اور اس کے عمل میں کچھ اور یعنی اس کے باطن اور ظاہر میں فرق ہو۔ ان سب باتوں کا معیار صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کے پاس ہے۔ جہاں تک اس دنیا کی عدالت کا تعلق ہے یہ عدالت تو مدعی کے دعویٰ کو جھٹلانے کے لیے اسی طرح کے ثبوت چاہتی ہے جس طرح کا الزام لگایا گیا ہے۔ آپ کو الزام کو غلط ثابت کرنے کے لیے اس سے متعلقہ ثبوت ہی اس عدالت کو دینا پڑے گا ورنہ یہ تو ایک مثال بن جائے گی اور کل کو کوئی بھی شخص اپنے ظاہری زہد و

تقویٰ کو پیش کر کے کوئی بھی گناہ کرنے کے بعد اپنی بے گناہی ثابت کر دے گا۔ اس لیے یہ عدالت آپ سے اس مدعی عورت کے الزام کو جھٹلانے کے لیے ٹھوس ثبوت چاہتی ہے۔ اگر ایسا کوئی ثبوت ہے تو وہ فوری طور پر پیش کریں۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "قاضی صاحب! یہاں کی عدالتیں شہادتوں پر چلتی ہیں۔ گواہی پر فیصلے کرتی ہیں اور جہاں تک شہادتوں اور گواہوں کا تعلق ہے تو پورا ہندوستان اس بات کی شہادت اور گواہی دینے کے لیے تیار ہے کہ قطب الدین جیسا باکردار، متقی اور پرہیزگار شخص پورے خطے میں نہیں لیکن کیا آپ ان لوگوں کی اس گواہی اور شہادت کو تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ قطب الدین معصوم ہے۔ بے گناہ ہے۔ اس پر محض الزام لگایا گیا ہے جو کہ اس کے مخالفین کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔"

قاضیٔ عدالت نے کہا۔ "مگر یہ تمام گواہ قطب الدین کے مریدین، ارادت مند اور عقیدت مند ہیں۔ جبکہ عقیدت انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ کھوٹے کھرے کی تمیز کھو دیتی ہے۔ ایک مرید، ایک ارادت مند اور ایک عقیدت مند کیسے اس شخص کے خلاف گواہی دے سکتا ہے جسے وہ اپنا پیر و مرشد اور رہبر و رہنما سمجھتا ہے لہٰذا یہ عدالت کسی پیر و مرشد کے مریدین، ارادت مندوں اور عقیدت مندوں کی شہادت و گواہی کیسے قبول کر سکتی ہے گواہی اور شہادت تو محض غیر جانبدار شخص کی قابلِ قبول ہوتی ہے۔ مرید تو ہمیشہ اپنے پیر و مرشد کا جانبدار ہوتا ہے اور جانبدار شخص کی شہادت اس عدالت میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "قاضی صاحب! گواہی اور شہادت کے لیے گواہ کی شرائط ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ اول یہ کہ گواہی دینے والا اپنی بات اور قول کا سچا ہو۔ دوم یہ کہ وہ رزقِ حلال کمانے اور کھانے والا ہو۔ سوم یہ کہ وہ خوفِ خدا رکھنے کے ساتھ ساتھ دنیا کی ہوس اور طلب قطعی طور پر نہ رکھتا ہو۔ چہارم یہ کہ وہ امانت دار ہو اور عہد پورا کرنے والا ہو۔ قاضی صاحب! آپ ہی بتائیے کہ کیا گواہ میں یہی چار خوبیاں ہونا لازم ہیں یا کوئی اور بات؟ اگر گواہ میں یہی چار خوبیاں لازمی ہیں تو پھر ان خوبیوں کے مالک بے شمار گواہ قطب الدینؒ کی بے گناہی کی گواہی دینے کے لیے تیار ہیں۔ کیا آپ ان کی گواہی قبول کریں گے؟"

قاضیٔ عدالت نے کہا۔ "میں فقہ کا علم رکھتا ہوں اور گواہ و گواہی کے حوالے سے تمام باتوں کا علم رکھتا ہوں۔ میں بہتر طور پر جانتا ہوں کہ کس کی گواہی لینی ہے اور کس کی نہیں۔ میں آپ سے پھر یہی کہوں گا کہ آپ جس شخص کی وکالت کر رہے ہیں اس کی بے گناہی کے لیے ٹھوس ثبوت پیش کریں۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "قاضی صاحب! آپ واقعی فقہ کا علم رکھتے ہیں۔ اگر آپ فقہ کا علم نہ رکھتے ہوتے اور فقہ کے بہت بڑے عالم نہ ہوتے تو آپ کو

قاضیٔ عدالت کی کرسی پر ہرگز نہ بٹھایا جاتا۔ آپ کا قاضی ہونا ہی اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ فقہ کے مقتدر عالم ہیں۔ اور قاضی صاحب! آپ نے فقہ کا ذکر چھیڑ ہی دیا ہے تو آپ کو یہ ضرور علم ہوگا کہ مدعی عورت پر لازم ہے کہ وہ خود کو مدعا علیہ کی غیر شرعی بیوی ثابت کرنے کے لیے چار گواہ پیش کرے۔ محض دعویٰ کرنے اور الزام عائد کر دینے سے دعویٰ کی سچائی قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتی۔ قاضی صاحب! جب عدالت مدعا علیہ کے انکار کو تسلیم نہیں کرتی تو مدعی کے اقرار کو کس طرح تسلیم کیا جا رہا ہے؟"

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف ناپاک سازش کرنے والوں نے پوری ذہانت اور مہارت استعمال کر کے اسے تیار کیا تھا اور اپنی طرف سے اس میں کوئی خامی یا سقم نہیں چھوڑا تھا۔ چنانچہ قاضیٔ عدالت کے علم میں تھا کہ مدعی عورت کے دعویٰ کے حق میں چار گواہ تیار کیے جا چکے ہیں۔ لہٰذا قاضیٔ وقت نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے نکتۂ اعتراض پر فوراً کہا۔ "مدعی عورت کے دعویٰ کی شہادت و گواہی دینے کے لیے چار گواہ عدالت کے احاطے میں موجود ہیں۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "پھر ان کو فوراً عدالت کے روبرو پیش کیا جائے تاکہ ہم بھی تو دیکھیں کہ اس گھناؤنے کھیل میں اور کون لوگ شریک کیے گئے ہیں۔" قاضیٔ عدالت کے فرمان پر مدعی عورت کے چار گواہوں کو بلایا گیا تو تھوڑی ہی دیر میں چار آدمی تیز تیز قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے سامنے پہنچ گئے اور آ کر سینے تان کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے ان چاروں افراد سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "آخر تم کس بنیاد پر یہ گواہی دینے آئے ہو کہ مدعی عورت، قطب الدین کی غیر شرعی بیوی ہے اور یہ بچہ جو کہ اس مدعی عورت کی گود میں ہے وہ قطب الدین کی غیر شرعی اولاد ہے؟ کیا تمہارے پاس اس کا کوئی ٹھوس ثبوت ہے؟ کیا تم ان من گھڑت واقعات کے واقعی عینی شاید ہو؟ اگر تمہارے دل میں ذرا سی حقیقت پسندی ہے اور عذابِ الٰہی کا خوف ہے تو سچ سچ بتا دو ورنہ رب ذوالجلال کی پکڑ اور گرفت بہت سخت ہوتی ہے۔ بولو اور سچ سچ بولو۔"

اور پھر تمام حاضرین عدالت و دربار نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ چاروں گواہ ایسے کانپ رہے تھے۔ جیسے ان کے جسم و جان پر کوئی انہونی اور ان دیکھی بجلی آ گری ہو۔ وہ بالکل ساکت زبان ہو گئے۔ مکمل طور پر خاموش اور ایسے خاموش جیسے ان کی زبانوں پر مہر لگا دی گئی ہو۔ اس صورتِ حال میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے زوردار لہجے میں ان سے کہا۔ "بولتے کیوں نہیں۔ بولو اور بتاؤ کہ اس مدعی عورت کا کردار اور پاکیزہ اوصاف مدعا علیہ کے ساتھ کیا تعلق اور واسطہ ہے؟ تم یہی گواہی دینے آئے تھے تو پھر گواہی دیتے کیوں نہیں؟"

قاضیٔ عدالت نے بھی ان سے کہا۔ "فوری طور پر گواہی دو اور عدالت کا وقت ضائع نہ کرو۔

گواہی دو تاکہ عدالت کسی فیصلے پر پہنچ سکے۔ تم تو گواہی دینے آئے تھے اب خاموش کیوں ہو؟ اگر کوئی خدشہ یا خوف ہے تو بتاؤ عدالت تمہیں مکمل ضمانت اور تحفظ فراہم کرے گی۔ بلا خوف و خطر جو حقیقت ہے وہ بیان کر دو۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور قاضیٔ عدالت نے تین تین بار ان گواہوں کو بولنے کے لیے کہا بلکہ قاضیٔ عدالت نے تو انتہائی سخت لہجے میں کہا مگر گواہان مسلسل اور مکمل خاموش رہے۔ انہوں نے لب نہ ہلانے تھے اور نہ ہلائے بلکہ ایسے کھڑے تھے جیسے پتھر کے بت ہوں یا گونگے بہرے ہوں۔

اس پر مدعی عورت نے چیخنا شروع کر دیا۔ وہ گواہوں سے مخاطب ہو کر بولنے لگی۔ "بولو! بولتے کیوں نہیں۔ ایک مظلوم اور بے آسرا لڑکی کا ساتھ دو۔ پہلے تو تم نے بڑے بلند بانگ دعوے اور وعدے کیے تھے اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ عدالت کو بتاؤ کہ اس مظلوم بچے کا غیر شرعی باپ کون ہے، عدالت کو بتاؤ کہ مجھ مظلوم اور بے سہارا لڑکی کا غیر شرعی شوہر کون ہے، تم تو سب کچھ جانتے ہو۔ تمام حالات و واقعات سے شناسا ہو، پھر کیوں چپ ہو۔ بولو تاکہ ایک مظلوم لڑکی اور ایک مظلوم بچے کو انصاف ملے۔"

پھر سلطان شمس الدین التمشؒ نے ان گواہوں سے کہا۔ "تم لوگ گواہی دینے کے لیے بڑی تیزی اور جرأت سے آگے آئے مگر آتے ہی تمہاری زبانوں کو تالے لگ گئے۔ جو کچھ بولنا ہو، بے دھڑک بولو۔ بے خطر بولو۔ بے خوف ہو کر بولو۔ اگر تم نے بولنا ہی نہیں تھا تو پھر گواہی کے لیے کیوں حاضر ہوئے؟"

سلطان شمس الدین التمشؒ کی اس بات پر مدعی عورت رو رو کر کہنے لگی۔ "سلطان معظم! یہ محض آپ کے خوف سے خاموش ہیں۔ پہلے یہ بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے اور کہتے تھے کہ سب کچھ صاف صاف بتا دیں گے۔ اب یہ ساکت و جامد ہو گئے ہیں صرف اس لیے کہ یہ لوگ آپ سے ڈرتے ہیں۔ انہیں علم ہے کہ آپ مدعا علیہ قطب الدین کی کس قدر عزت کرتے ہیں اور یہ کہ وہ آپ کے پیر و مرشد ہیں۔ اس لیے آپ کے پیر و مرشد کے خلاف بول کر کون اپنی جان گنوائے گا۔ اگر قاضیٔ عدالت تنہائی میں ان سے بیان لیں تو یہ قاضیٔ عدالت کو سب کچھ بتا دیں گے۔"

مدعی عورت کی اس تجویز پر قاضیٔ عدالت نے بھی اتفاق کیا اور کہا۔ "اگر یہ تنہائی میں مجھے اپنا بیان ریکارڈ کرانا چاہتے ہیں تو میں اس کے لیے تیار ہوں اور عدالت انہیں اس بات کی اجازت دیتی ہے۔"

سلطان شمس الدین التمشؒ نے کہا۔ "سچائی اور خوف دو متضاد چیزیں ہیں۔ انہیں ہمہ قسم کے تحفظ اور امان کی ہم مکمل ضمانت دیتے ہیں۔ انہیں مجھ سے خوف نہیں بلکہ خوفِ خدا ہے۔ عذابِ الٰہی کا خوف ہے۔ ان کی زبانیں میری وجہ سے گنگ نہیں ہوئیں بلکہ قدرتِ الٰہی نے ان کی زبانوں پر

مہریں لگادی ہیں اور یہ کہ جب تمام مقدمے کی کارروائی سرِ دربار ہورہی ہے اور ایک شخص پر سرِ عام الزام لگایا گیا ہے تو گواہیاں بھی سرِ دربار اور سرِ عام ہوں گی۔ اس میں گواہوں اور قاضی عدالت کا تنہائی میں ملنا شکوک وشبہات پیدا کردے گا اور مقدمے کی صداقت کو الجھادے گا۔ گواہوں کو جو کچھ کہنا ہے سب کے سامنے کہیں جس طرح مدعی عورت نے سب کے سامنے الزام لگایا ہے۔ جب مدعی عورت کو ہم نے کچھ نہیں کہا اور اس کے ہر دعوے کو صبر وتحمل سے سنا ہے تو یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ گواہوں کو کوئی نقصان پہنچے گا۔ اور اگر یہ چاروں گواہ جھوٹے ثابت ہوئے تو انہیں بھی قرار واقعی سزا ملے گی۔"

اور پھر حجت تمام کرنے کے لیے قاضیٔ عدالت، وکیل صفائی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور سلطان شمس الدین التمشؒ نے باری باری ایک دفعہ پھر گواہوں سے گواہی کے لیے کہا مگر وہ پہلے کی طرح خاموش کھڑے کانپتے رہے۔ ان کے جسم کا رواں، رواں لرز رہا تھا۔ ان کے ہونٹ ہلتے تھے مگر وہ کچھ بول نہیں سکتے تھے۔ اور پھر قاضیٔ عدالت کی طرف سے انہیں آخری موقع دیا گیا مگر وہ پھر بھی خاموش ہی رہے۔

اب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے حاضرینِ عدالت سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"معزز ومحترم حاضرین! آپ سب صبح سے عدالت کی کارروائی ملاحظہ کررہے ہیں۔ ہر چیز کھلی کتاب کی طرح آپ کے سامنے ہے۔ مدعی عورت کے الزامات آپ نے سن لیے۔ قاضیٔ عدالت سے میری گفتگو اور وکیل صفائی کی حیثیت سے میری کارگزاری دیکھ اور سن لی۔ رب کائنات کی ذات بہت بڑی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک رحیم وکریم بھی ہے اور علیم وخبیر بھی ہے۔ وہ ذات پاک دلوں کے بھید جانتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہیں عزت ووقعت بخشیں اور جسے عزت راس نہ آئے اسے سرِ بازار رسوا کردیں۔ خدائے بزرگ وبرتر نے ہمیشہ اپنے نام لیواؤں اور پارساؤں کی مدد کی ہے۔ رب العٰلمین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مخالفین کو رسوا کیا اور ان کی عزت وعصمت کی گواہی دی۔ رب کریم وعظیم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کو سب پر عیاں کیا اور ان پر لگایا گیا الزام خود الزام لگانے والوں نے غلط تسلیم کیا۔ اللہ اکبر نے حضرت بی بی مریمؑ کی پاکدامنی کی گواہی ان کی گود میں موجود انتہائی کم عمر ایسے بچے سے دلوائی جو ابھی بولنے کی عمر کو بھی نہیں پہنچا تھا۔ یہ سب رب رحمٰن ورحیم کے کرشمے ہیں۔ آزمائش صرف صبر کی ہوتی ہے۔ جس نے آزمائش کے لمحات میں صبر سے کام لیا رب تعالیٰ جل شانہٗ نے اسے سرخرو فرمایا۔ آپ لوگوں نے دیکھا کہ اس آزمائش میں قطب الدینؒ نے جس بے مثال صبر کا مظاہرہ کیا وہ قابلِ تقلید ہے۔ اس قدر گھناؤنے الزام کے باوجود قطب الدینؒ بالکل خاموش رہے اور اب اس صبر کا پھل انہیں ملنے کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد واعانت کے

لمحات قریب تر ہوچکے ہیں اور جلد ہی آپ لوگوں پر سب کچھ عیاں ہوجائے گا۔ مدعی عورت کے جھوٹے گواہان تو نہیں بول سکے مگر رب ذوالجلال کا سچا گواہ بولے گا اور سب کے سامنے بولے گا اور قطب الدینؒ کی بے گناہی کی گواہی دے گا۔"

اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے قاضیٔ عدالت سے کہا۔ "کیا عدالت مدعی عورت کی گود میں موجود بچے کی گواہی قبول کرلے گی؟" قاضیٔ عدالت نے کہا۔ "یہ بچہ تو اس قدر کم عمر ہے کہ کچھ بول ہی نہیں سکتا۔ یہ کیا گواہی دے گا؟" حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "یہ بچہ کم عمر ہے مگر رب تعالیٰ جل شانہٗ ہر شے پر قادر ہے۔ رب العزت نے حضرت مریم علیہ السلام کی گود میں کم عمر بچے کو زبان دے دی تھی تو کیا اس بچے کو زبان نہیں مل سکتی؟ قاضی صاحب! کیا آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قادر وقدیر ہونے پر یقین نہیں رکھتے؟"

قاضیٔ عدالت نے کہا۔ "میں رب تعالیٰ جل شانہٗ کے قادر وقدیر ہونے پر مکمل یقین رکھتا ہوں۔" حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "قاضی صاحب! اگر آپ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے قادر وقدیر ہونے پر مکمل یقین رکھتے ہیں تو پھر اپنی کرسی سے اٹھیے اور اس مدعی عورت کے پاس جاکر اس سے کہیے کہ وہ اپنی گود میں موجود بچے کے منہ سے کپڑا ہٹائے۔ اس کے بعد آپ اس بچے سے پوچھ لیجیے کہ اس کا باپ کون ہے؟ وہ کم سن بچہ آپ کو بتادے گا کہ اس کا باپ کون ہے اور یوں آج کے اس مقدمے کا فیصلہ ایک کم عمر بچے کی گواہی سے ہوجائے گا۔"

قاضیٔ عدالت پہلے تو قدرے ہچکچایا مگر سلطان شمس الدین التمشؒ نے کہا۔ "قاضی صاحب! قانون کے تقاضے پورے کیجیے اور وکیلِ صفائی نے جو گواہ پیش کیا ہے آپ اس سے سوال کرکے اس کا جواب لیجیے اور اس کے مطابق مقدمے کا فیصلہ کیجیے۔ آپ خود تو وکیل صفائی سے ٹھوس ثبوت طلب کررہے تھے۔ اب انہوں نے ثبوت دیا ہے تو دیر مت کیجیے۔ تاکہ سچ اور جھوٹ ظاہر ہوجائے۔"

اس دوران حاضرین محفل دم بخود تھے۔ مخالفین یہی سوچ رہے تھے کہ اس قدر کم سن اور کم عمر بچہ جو ابھی بولنے کے قابل نہیں ہوا کس طرح قاضی کے سوال پر اپنے باپ کا نام بتائے گا مگر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مریدین اور عقیدت مندوں کو مکمل یقین تھا کہ بچہ ضرور بولے گا اور اپنے باپ کا نام بتا کر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی بے گناہی کا ثبوت دے گا۔ احاطہ عدالت میں موجود ہندو سوچ رہے تھے کہ ہم نے کئی قسم کے جادو دیکھے مگر یہ جادو نہیں ہوسکتا۔ ضرور کوئی اور بات ہے اور وہ ہندو جو ابھی تک اسی کشمکش میں تھے کہ مسلمان ہوجائیں یا نہیں تو انہوں نے سوچ لیا تھا کہ اگر آج یہ بچہ بول پڑا تو وہ فوراً مشرف بہ اسلام ہوجائیں گے۔

قاضیٔ عدالت اپنی نشست سے اٹھا اور مدعی عورت کے پاس گیا۔ اس نے اس سے کہا کہ بچے

کے منہ سے کپڑا ہٹا دے۔ مدعی عورت نے فوری طور پر کپڑا ہٹا دیا۔ اب قاضی عدالت نے بچے سے ابھی سوال ہی نہیں کیا تھا کہ اس نے رونا شروع کر دیا۔ بہر حال قاضی نے روتے ہوئے بچے سے سوال کیا۔ ''بچے! اپنے باپ کا نام بتاؤ۔'' مگر بچے نے اپنے والد کا نام بتانے کی بجائے زیادہ تیزی کے ساتھ رونا شروع کر دیا۔

قاضی عدالت نے تین بار سوال دہرایا مگر بچے نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ وہ روتا ہی رہا۔ اس صورتِ حال سے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ قاضی عدالت نے بھی کہا۔ ''بھلا اس قدر کم سن بچہ جس کی عمر بمشکل دو ماہ ہے کس طرح بول سکتا ہے۔ وہ روئے گا نہیں تو اور کیا کرے گا۔ اس عمر کا بچہ تو صرف رو ہی سکتا ہے بول نہیں سکتا۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ ٹھوس ثبوت فراہم کریں۔ اس طرح تو عدالت کا وقت ضائع ہو رہا ہے اور مقدمے کو خواہ مخواہ الجھایا جا رہا ہے۔''

قاضی عدالت نے بالآخر اپنے دل کی بات زبان پر ظاہر کر ہی دی مگر وکیل صفائی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ انتہائی پُر امید تھے۔ آپ نے اسی لمحے آسمان کی جانب نگاہ کی اور کہا ''یا الہ العٰلمین! آج تیرا عاجز بندہ تیری اعانت کا طلبگار اور تیری مدد کا خواستگار ہے۔ اس کی عزت و وقعت تیرے ہاتھ میں ہے۔ اسے اپنی رحمت و مغفرت سے بچا لے۔ بے شک تُو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عدالت کو اشارہ کیا کہ وہ وہیں مدعی عورت کے پاس ہی ٹھہرا رہے۔ آپ اپنی نشست سے اٹھے اور خراماں خراماں چلتے ہوئے آسمان کی طرف نگاہ کر کے دعا کرتے ہوئے بچے کے قریب پہنچے۔ آپ نے بچے کے قریب پہنچ کر بلند آواز میں کہا۔ ''بچے! چپ ہو جاؤ۔''

☆======☆======☆

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے پر مدعی عورت کی گود میں روتا ہوا بچہ ایسے خاموش ہو گیا جیسے کبھی رویا ہی نہ تھا بلکہ قریب کھڑے لوگوں نے دیکھا کہ بچے کے چہرے پر اک خاص قسم کا سکون اور طمانیت عیاں تھی۔ اب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کی جانب نگاہ کر کے دعا کی۔

''یا رب العٰلمین! تُو علیم و خبیر ہے۔ دنیا کا ہر راز تجھ پر عیاں ہے۔ آج اپنے ایک نام لیوا کی خاطر اس راز کو ان تمام لوگوں کے سامنے فاش کر دے کہ اس بچے کا باپ کون ہے اور اسی بچے کو قطب الدین کی بے گناہی کا گواہ بنا دے۔ یا اللہ! میری یہ التجا قبول فرما لے۔ یا قادر و قدیر! اپنی قدرت کا نظارہ دکھا دے۔ یا مالک الملک! آج تیرے نام لیوا تجھ سے انصاف کے طلبگار ہیں۔ ان کی التجاؤں کو قبولیت کا شرف عطا کر۔''

اور پھر دیکھنے والوں نے دیکھا اور سننے والوں نے سنا کہ مدعی عورت کی گود میں لیٹے بچے کو قوتِ گویائی قدرت خدائی سے عطا ہوئی اور اس نے باریک مگر قابلِ سماعت آواز میں واضح طور پر کہا۔ ''السلام علیکم یا حضرتؒ!'' حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بچے کو سلام کا جواب دیا اور کہا۔ ''بچے! یہاں پر موجود لوگوں کو اپنے باپ کا نام بتاؤ۔''

بچے نے کسی توقف کے بغیر قدرے اونچی آواز میں کہا۔ ''یا حضرتؒ! میرا باپ سلطان شمس الدین التمشؒ کے دربار کا ایک معزز و معتبر سردار ہے اور اس کا نام یہ ہے۔'' بچے نے جیسے ہی اپنے باپ کا نام لیا دربار میں اک بھونچال سا آ گیا۔ ہر شخص لرزہ براندام ہو گیا۔ حق اور سچ سامنے آ چکا تھا۔ سچائی روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی دشمنانِ اولیاء کرامؒ کی سازش ناکام ہو چکی تھی۔ ان کے منصوبوں کے پہاڑ پاش پاش ہو چکے تھے۔ ہر شخص حیران تھا اور رب قادر و قدیر کی قدرت پر عش عش کر رہا تھا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مندوں کی زبانوں پر سبحان اللہ اور الحمد للہ رب العٰلمین کا ورد جاری تھا جبکہ مخالفین شرم کے مارے پانی پانی ہو رہے تھے۔ انہیں ایسی جگہ نہیں مل رہی تھی جہاں وہ اپنا منہ چھپائیں۔ اللہ جل جلالہٗ کی طرف سے پھٹکار ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ وہ کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اب ان کے پاس کوئی حیلہ، کوئی بہانہ اور کوئی جواز نہیں بچا تھا۔ قاضی عدالت کو فیصلہ سنانے کی حاجت ہی نہیں رہی تھی۔ رب رحمٰن و رحیم کی شانِ قدرت نے عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے فیصلہ سنا دیا تھا۔ ایسا فیصلہ جس میں کسی کے لیے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔

قدرتِ الٰہی کے اس فیصلے نے بے شمار افراد کے دل و دماغ روشن کر دیئے اور وہ گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے کلمۂ شہادت پڑھنا شروع کر دیا اور بعد ازاں محفل برخاست ہونے کے بعد باقاعدہ مسلمانوں کی صف میں شامل ہونے کے لیے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حاضری دی اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کرتے ہوئے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

جن لوگوں کے ایمان اس واقعے سے قدرے متزلزل ہو گئے تھے ان کے ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوئے۔ شیطانی وسوسوں سے انہیں نجات ملی اور انہیں یقین و اعتماد کی دولتِ بے بہا میسر آئی تاہم مخالفین منقسم ہو گئے۔ کچھ نے تو مخالفت جاری رکھی مگر سرِعام وہ بھی بات کرنے سے کتراتے تھے کیونکہ ان کی بات میں کوئی وزن نہیں رہا تھا البتہ کچھ مخالفین نے مخالفت ترک کر کے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس الگ سے حاضر ہو کر معذرت و معافی طلب کی اور آپ نے بھی انہیں کھلے دل سے معاف کر دیا۔

اس عدالت میں سب سے بری حالت مدعی عورت کی تھی۔ جیسے ہی اس کی گود میں اس کے

اپنے ہی بچے نے باپ کا صحیح نام بتایا تو وہ چکرا کر یوں نیچے گری کہ بے ہوش ہوگئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ قدرت یہ کچھ کرنے والی ہے۔ کچھ دیر بعد جب وہ ہوش میں آئی تو اس نے بہکی بہکی باتیں کرنا شروع کر دیں اور پاگلوں کی طرح کبھی رونے اور کبھی ہنسنے لگی۔ تاہم اس کے منہ سے بے تکی باتوں کے ساتھ یہ جملہ ضرور نکلتا تھا۔ ''میرا بیٹا سچ بولتا ہے۔ یہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ کبھی معصوم بچہ بھی جھوٹا ہو سکتا ہے۔'' کبھی وہ بچے کو چومنے لگتی اور کبھی اسے زمین پر لٹا دیتی اور پھر اسے اٹھا لیتی۔ الغرض وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی۔ قاضیٔ عدالت نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو اس نے حکم دیا کہ اسے دربار سے باہر لے جایا جائے۔ شاہی کارندوں نے حکم کی تعمیل کی اور اس مدعی عورت کو پکڑ کر لے گئے مگر انہیں بھی زبردستی کرنا پڑی کیونکہ وہ دربار سے جانے کو تیار نہ تھی بلکہ اس دوران وہ دوڑ کر اس سردار کے پاس پہنچی جو اس کے بچے کا حقیقی اور غیر شرعی باپ تھا۔ اس نے اس سردار کو برا بھلا کہا اور اس کی کلاہ کو اتار پھینکنے کی کوشش کی مگر اس سردار نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ وہ پسینے میں شرابور آنکھیں نیچی کئے بیٹھا سب کچھ برداشت کرتا رہا۔

اسی اثناء میں دربار میں موجود معزز افراد نے قاضیٔ عدالت سے کہا کہ اس نام نہاد مدعی عورت کو گھناؤنے مذاق جرم کے ساتھ ساتھ ایک پاکیزہ کردار بندۂ خدا پر بہتان و تہمت لگانے کی سزا کا فیصلہ کیا جائے۔ نیز اس ''معزز'' سردار کو بھی سزا دی جائے جس نے اس ناپاک سازش میں اہم کردار ادا کیا۔ قاضیٔ عدالت نے کہا۔ ''ان دونوں کی سزا کا فیصلہ اگلی نشست میں سنایا جائے گا اور مجرمین کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔'' اس موقع پر سلطان شمس الدین التمشؒ نے کہا۔ ''عدالت کی طرف سے جو سزا دی جائے گی وہ تو اس سردار کو بھگتنا ہوگی لیکن فوری طور پر میں اس بدکردار سردار کو اس کے عہدے سے معزول کرتا ہوں اور اسے حکم دیتا ہوں کہ شاہی کرسی چھوڑ کر عام درباریوں کے ساتھ جا بیٹھے۔'' اس سردار نے سلطان شمس الدین التمشؒ کے حکم پر فوری عمل کیا۔ شاہی کارندوں نے اس کی کلاہ اتار لی اور اس سے شاہی تلوار واپس لے لی اور اسے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا۔

اس تمام تر کارروائی کے دوران حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ خاموشی کے ساتھ بیٹھے درود پاک اور سورۃ الفاتحہ کا ورد کرتے رہے۔ پھر اپنی بے گناہی ثابت ہونے پر آپ اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے سینے سے لگ کر اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے آپ کا چہرہ مبارک تر ہو گیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ ''قطب الدین! رب کریم و رحیم کا شکر ادا کرو کہ اس کی پاک ذات نے اپنی قدرت سے اپنے پاکیزہ و باکردار بندے کی بے گناہی ثابت کی۔ بے شک وہ ذات ہر چیز پر قادر ہے اور صبر کرنے والوں کی مدد کرتی ہے۔ یاد رکھو کہ اس قسم کی آزمائش اللہ والوں کا مقدر ہوتی ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا

ہے کہ آزمائش کا فیصلہ روزِ محشر تک کے لیے ملتوی کر دیا جاتا ہے۔ تم بہت خوش بخت و خوش قسمت ہو کہ تمہاری آزمائش کا فیصلہ اسی دنیا میں اسی روز ہو گیا جبکہ عدالت لگی ہوئی تھی۔ میں رب رحمٰن و رحیم کا جتنا شکر ادا کروں اتنا کم ہے کہ اس نے مجھ ناچیز عاجز بندے کی التجا کو شرف قبولیت بخشا اور مجرموں کو سرِ عام بے نقاب کیا۔''

اتنے میں مجرم سردار دوڑا ہوا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور آ کر آپ کے قدموں میں گر گیا۔ وہ زار و قطار رو رہا تھا اور اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے معافی کا خواستگار تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کھڑا ہونے کو کہا تو وہ اٹھ کر قدرے خمیدہ کمر کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں نیچی تھیں اور وہ کہہ رہا تھا۔ ''یا حضرتؒ! مجھ سے خطا ہوئی۔ مجھ سے جرم سرزد ہوا۔ میں معافی کا طلبگار ہوں۔ دراصل مجھے درباری علماء نے درویشوں کے بارے میں بہت غلط باتیں بتائی تھیں اور کہا تھا کہ درویشوں کی وجہ سے دینِ اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور یہ کہ درویش محض ظاہری طور پر عابد و زاہد ہوتے ہیں۔ اپنی عبادت و ریاضت کا ڈھونگ رچا کر سادہ لوح عوام الناس کو بہکاتے ہیں اور یوں انہیں اپنا مرید اور ارادت مند بنا لیتے ہیں۔ مجھے ان درباری علماء نے یہ بھی کہا تھا کہ ان درویشوں نے سلطان معظم کو بھی اپنے قابو میں کر لیا ہے اور اب جلد ہی یہ لوگ شاہی مسند پر بھی قبضہ کر لیں گے اور پھر مجھ جیسے سرداروں کو دربارِ شاہی سے نکال باہر کریں گے۔ اسی خوف سے میں نے اس سازش میں ان کا ساتھ دیا۔ انہوں نے مجھے استعمال کیا اور میں ان کے ہتھے چڑھ گیا۔ اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ مجھ پر حقیقت منکشف ہو چکی ہے۔ میں آپ لوگوں کا مجرم ہوں۔ اسلامی شریعت و قوانین کے مطابق میرے جرم کی جو سزا ہو سکتی ہے اس کے لیے میں پوری طرح تیار ہوں۔ تاہم میں یہ کہنا چاہوں گا کہ میرے اس گناہ کی بدولت لوگوں کو دولتِ یقین ملی ہے۔ درویشوں پر اعتماد و ایقان بڑھا ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ کی ایک کرامت ظاہر کی ہے اور مجھ جیسے لوگ جو کہ درباری علماء نے گمراہ کر دیئے تھے وہ راہِ راست پر آ گئے ہیں۔ مجھے ان درباری علماء نے اس ناپاک منصوبے اور گھناؤنی سازش میں اس لیے شریک کیا کہ وہ سمجھتے تھے کہ دربارِ شاہی میں میرے اثر و رسوخ اور قدر و منزلت اور اختیار و رتبہ کی وجہ سے کوئی بھی میرے خلاف بولنے کی جسارت نہیں کرے گا۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسی سخت ترین سزا دی جائے کہ میں نمونۂ عبرت بن جاؤں اور کل کو کسی بدخواہ کو کسی درویش پر انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی گھناؤنی سازش کا آلۂ کار بنے۔''

اس کے بعد شاہی سردار نے پھر زار و قطار رونا شروع کر دیا اور روتے ہوئے پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں پر گر گیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے کی طرح اسے پھر اٹھایا تو وہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب دوڑا اور ان کے قدموں میں گر گیا۔ وہ زور زور سے کہہ رہا تھا۔ ''میں آپ ہی کا مجرم ہوں

میں آپ سے سخت شرمندہ ہوں۔ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے ایک پاکیزہ کردار درویش کی قبا داغدار کرنے کی کوشش کی۔ جسے رب کریم وعظیم کی قدرت نے ناکام کر دیا اور سرِ عام رسوائی و بدنامی میرے نام لکھ دی۔ بے شک میرا جرم ناقابلِ معافی ہے اور میں اس کی سزا بھی بھگتنے کو تیار ہوں لیکن میں آپ سے اتنی درخواست کرتا ہوں کہ رب رحمٰن و رحیم روزِ محشر مجھے معاف فرما دیں۔ آپ بس اتنی دعا میرے حق میں کر دیجیے۔"

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سردار کو اٹھنے کو کہا۔ اس نے اس کی تعمیل کی تو آپ نے بہ آوازِ بلند تمام اہلِ دربار سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"لوگ اپنی سازش کر چکے۔ منصوبہ ساز اپنے منصوبے پر عمل کر چکے۔ جس نے جو بات کرنا تھی وہ کر چکا۔ جس نے جو کہنا تھا اس نے وہ کہہ دیا اور میرے رب قادر و قدیر نے جو راز فاش کرنا تھا وہ فاش ہو چکا۔ حق اور سچ کھل کر سامنے آ چکا۔ باطل اور بدنیتی کو شکست ہوئی۔ اللہ والوں کو بدنام کرنے کی کوشش ناکام ہوئی۔ میں اس پر رب رحمٰن و رحیم کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ جن عقیدت مندوں نے مجھ سے حُسنِ ظن رکھا اور بے گناہ، بے قصور سمجھتے رہے رب تعالیٰ جل شانہٗ انہیں جزائے خیر دیں۔ جن لوگوں نے میرے لیے اور میرے حق میں رب تعالیٰ جل شانہٗ سے گڑگڑا کر دعائیں کیں رب تعالیٰ جل شانہٗ انہیں عزت و منزلت عطا فرمائیں۔ میں اس بھرے دربار میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے سازشیوں اور منصوبہ سازوں کو معاف کیا۔ میں اس مدعی عورت کو بھی معاف کرتا ہوں جو انتہائی جرأت و جسارت کے ساتھ مجھ پر سرِ عام بہتان باندھتی رہی۔ میں دربار شاہی کے سردار کو بھی معاف کرتا ہوں جو کہ اب اپنی غلطی پر پشیمان و پریشان ہے۔ میں ان لوگوں پر آج یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جو میری ذات کو اپنے اقتدار و اختیار کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ درویش کو کبھی بھی تخت و تاج سے کوئی سروکار نہیں ہوا کرتا۔ جو ایسی طلب رکھتا ہے وہ درویش نہیں ہے۔ ایک درویش کا دنیاداری اور جاہ و منصب سے کیا مطلب! لہٰذا جس جس کے دل میں بھی کوئی خطرات اور اندیشے ہیں وہ ان کو نکال دے۔ میں ایک گنہگار شخص ہوں۔ مجھے رب تعالیٰ جل شانہٗ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنے سے فرصت نہیں، مجھے دربار شاہی سے کیا غرض؟ میں تو رب تعالیٰ جل شانہٗ کے دربار کا ادنیٰ فقیر ہوں۔ اسی ذات پاک سے مغفرت و معافی کا طلبگار ہوں۔ میں یہ دنیا لے کر کیا کروں گا۔ یہ دنیا وقتی اور فانی ہے۔ مجھے تو اصلی اور ہمیشہ باقی رہنے والی دنیا چاہیے۔ رب رحمٰن و رحیم سے اسی پائیدار دنیا کا خواستگار ہوں۔ آپ سب لوگوں سے درخواست گزار ہوں کہ میرے حق میں دعا فرمائیں۔ اللہ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔"

پھر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ شاہی سردار سے مخاطب ہوئے اور اس سے کہا۔ "میں نے اگرچہ تمہیں معاف کر دیا ہے لیکن تم سے اتنا ضرور کہوں گا کہ اس خاتون اور اپنے بچے کو ان کے جائز حقوق دو۔ اس خاتون کو اپنی بیوی سمجھو اور اس بچے کو اپنا بچہ کیونکہ حقیقت یہی ہے

اور اس حقیقت کو تم خود تسلیم بھی کر چکے ہو۔ اس لیے ان کو ان کے حقوق نہ دینا زیادتی اور ظلم ہوگا۔"

شاہی سردار نے وعدہ کیا کہ وہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی نصیحت پر بحسن و خوبی عمل کرے گا اور عورت و بچے کو ان کے حقوق ضرور ادا کرے گا۔

اور پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ شاہی دربار سے باہر کی طرف چل پڑے۔ آپ اس دروازے کی جانب خراماں خراماں جا رہے تھے جو باہر کی طرف کھلتا تھا۔ آپ کے ساتھ ساتھ مگر احتراماً کچھ قدم پیچھے آپ کے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ چل رہے تھے۔ پیرِ کامل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور مرید کامل حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ جب باہر آئے تو لوگوں کا اک ٹھاٹھیں مارتا ہجوم موجود تھا۔ آپ دونوں کے عقیدت مندوں اور ارادت مندوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی بے گناہی ثابت ہونے پر مبارکباد دی البتہ مخالفین کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ منافقت سے بھی کام لے رہے تھے۔ ان کی زبانوں پر مبارکباد کے الفاظ تھے مگر ان کے چہرے صاف اور کھلی گواہی دے رہے تھے کہ ان کے من کا میل ابھی باقی ہے مگر مخالفین کی کثیر تعداد کی رائے بدل چکی تھی۔ وہ اب دل سے مردانِ درویش کی پارسائی و پاکبازی کے قائل ہو چکے تھے۔ رب رحمٰن و رحیم نے ان کو صراطِ مستقیم دکھا دی تھی اور اب وہ سچے دل سے مردانِ قلندر کا احترام اور تعظیم و توقیر کرنے لگے تھے۔

کچھ عقیدت مند اور مریدین نے اس موقع پر آگے بڑھ کر دونوں مردانِ حق کے ہاتھ چومنے کی کوشش کی مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں سختی سے منع کر دیا اور فرمایا۔ "یاد رکھو کہ سب انسان برابر ہیں۔ سوائے تقویٰ کے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں جبکہ اس بات کا فیصلہ کہ کون زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے، رب العزت کی ذات کے پاس ہے۔ چنانچہ ایسی رسم نہ ڈالو کہ جس سے درویشوں میں احساسِ تفاخر پیدا ہو۔" حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے منع کرنے پر لوگوں نے ہاتھ چومنے کی کوشش ختم کر دی۔ تاہم آپ نے اپنے عقیدت مندوں اور اپنے خلیفۂ اکبر کے ارادت مندوں کو مصافحہ کرنے کی اجازت دے دی۔

اجازت ملنے پر مریدین و عقیدت مندوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے مصافحہ کرنا شروع کیا جبکہ بعض قریبی مریدین نے معانقہ بھی کیا۔ آپ دونوں رحمتہ اللہ علیہم نے ہر شخص کو خوش آمدید کہا اور ہر مرید کو دعا دی۔ خانقاہ تک تمام راستہ ارادت مندوں نے دونوں مردانِ قلندر کے پیچھے پیچھے سفر کیا اور جب دونوں مردانِ حق خانقاہ کے اندر تشریف لے گئے تو پھر تمام مریدین نے سلام کر کے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ

اللہ علیہ کے شاہی دربار سے تشریف لے جانے کے بعد اکثر شاہی مصاحبین اور سرداروں نے مطالبہ کیا کہ مجرم سردار کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ انہوں نے یہ مطالبہ سلطان شمس الدین التمشؒ سے کیا۔ خود مجرم سردار بھی دھاڑیں مار مار کر چلاتا رہا۔ ”میں ایک مردِ قلندر کا مجرم ہوں۔ مجھے قرار واقعی سزا دی جائے۔ مجھے ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ جسے زمانہ یاد رکھے اور جو تاریخ کا حصہ بن جائے۔ میرے ہاتھ قطع کر دیئے جائیں۔ میری زبان کاٹ دی جائے اور میرا منہ سیاہ کر کے گلی گلی پھرایا جائے تاکہ ہر کسی کو عبرت ہو جائے کہ مردانِ درویش کے مجرم کس قدر رسوائی کے مستحق ہوتے ہیں۔“

مجرم سردار مسلسل روئے جا رہا تھا اور اپنے لیے مختلف سزائیں تجویز کر رہا تھا جبکہ اہل دربار کے اکثر مصاحبین کا بھی یہی مطالبہ تھا مگر سلطان شمس الدین التمشؒ نے کہا:

”آپ سب لوگ اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے سنتِ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے مجرم سردار کو معاف کر دیا ہے۔ جب انہوں نے معاف کر دیا ہے کہ جن کا یہ سردار مجرم ہے تو پھر ہم کون ہوتے ہیں اسے سزا دینے والے؟ اس سردار کو قطعی کوئی سزا نہیں دی جائے گی تاہم اسے اپنے عہدے پر سے ہٹایا گیا ہے تو وہ بحال نہیں ہوگا۔ اب یہ سردار کے طور پر نہیں بلکہ ایک عام شخص کی طرح زندگی گزارے گا۔“

مجلس و دربار برخواست ہونے سے قبل سلطان شمس الدین التمشؒ نے اہل دربار سے تفصیلی خطاب کیا جس کے اہم نکات یہ تھے کہ:

”یاد رکھو کہ اولیاء کرامؒ ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں۔ ان کی عزت و وقعت ہم پر لازم اور فرض ہے۔ جو شخص اولیاء کرامؒ سے کدورت اور مخاصمت رکھتا ہے وہ کسی صورت بھی رب تعالیٰ جل شانہٗ کی پسندیدہ شخصیت نہیں ہوسکتا۔ آپ سب لوگوں نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی عظمت اور شان کریمی ملاحظہ کر لی کہ انہوں نے کمال بردباری، تحمل اور شفقت و مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے خلاف اس ناپاک سازش اور گھناؤنے منصوبے کو تیار کرنے والوں میں سے سب کو معاف کر دیا۔ مدعی عورت کو نہ صرف معاف کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے لیے اور اس کے بچے کے لیے حقوق کی ادائیگی کی مجرم سردار سے سفارش بھی کی۔ یہ کردار کی عظمت و رفعت صرف اور صرف مردانِ قلندر ہی کا خاصہ ہے۔ رب کریم ان کا سایہ ہم پر قائم رکھے۔“

اور آج مؤذن نے حسبِ معمول صبح کی اذان دی تو اس کی آواز میں وجدانی کیفیت پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔ لوگ مسجد کی طرف لپکے۔ نمازِ فجر ادا کی اور گھروں کو لوٹ گئے۔ آج ہوا میں خنکی بھی قدرے زیادہ تھی مگر وہ تلخی نہیں تھی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ نمازِ فجر کے بعد لوگوں نے گھروں میں جا کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا شروع کر دی جبکہ کچھ نے وظائف اور اوراد پڑھنا شروع کر دیئے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ بھی کافی دیر قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف و مستغرق رہے۔ اتنے میں سورج کی کرنوں نے کھڑکیوں اور دروازوں کے اندر جھانکنا شروع کر دیا۔ عقیدت مند اور مریدین حسبِ معمول صبح ہی سے آپ کی خانقاہ کے باہر جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ کوئی تسبیح کے دانوں پر ذکرِ الٰہی میں مصروف تھا تو کوئی اللہ ھُو کو دل کی دھڑکن سے ادا کر رہا تھا۔

اور پھر یکایک کسی نے اللہ اکبر کا اس قدر بلند و بانگ نعرہ لگایا کہ سب ارادت منداس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص ہے جو انتہائی خستہ حال اور مصیبت زدہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک عورت ہے جس نے برقع اوڑھ رکھا ہے۔ اس شخص کا لباس بوسیدہ، بال الجھے ہوئے اور غبار آلود جبکہ داڑھی منتشر ہے۔ اس شخص نے دوڑ کر خانقاہ کے اندر جانے کی کوشش کی تو پہرے داروں نے اور دوسرے خدام نے اسے روک لیا۔

خانقاہ کے اندر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ موجود تھے اور مصروف عبادت و ریاضت تھے۔ اس شخص نے ضد کی اور اصرار کیا کہ اسے خانقاہ کے اندر داخل ہونے دیا جائے۔ اس نے اپنے ہمراہ آئی ہوئی عورت کا ہاتھ تھاما ہوا تھا اور وہ اسے بھی خانقاہ کے اندر لے جانا چاہتا تھا۔

اسے خدام نے سمجھایا کہ دونوں مردانِ حق عبادت و ریاضت میں مصروف ہیں۔ جب فارغ ہوں گے تو اس کی خواہش پر اجازت لے کر اسے اور اس کے ہمراہ آئی ہوئی برقع پوش عورت کو اندر ملاقات کے لیے جانے دیا جائے گا مگر وہ دیوانہ وار کہتا تھا۔ ”مجھے اندر جانے دو۔ مجھے نہ روکو۔ مجھے پاگل نہ سمجھو۔ یہ عورت میرے ساتھ میری بیوی ہے۔ مردان درویش سے میرا ملنا بہت ضروری ہے۔ میں اندر جا کر درخواست کرلوں گا۔ وہ مجھے ملاقات کا وقت ضرور دیں گے۔ میری بات ضرور سنیں گے۔ مجھے نہ تڑپاؤ مجھے ملنے دو۔“ مگر خدام نے اسے اس وقت تک روکے رکھا جب تک دونوں مردانِ قلندر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔

جب تک خدام نے اس شخص کو باہر روکے رکھا وہ مسلسل شور مچاتا رہا۔ چنانچہ جیسے ہی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ ذکرِ الٰہی سے فارغ ہوئے تو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے خادم کو آواز دی اور اسے کہا۔ ”جو شخص باہر موجود ہے اور ہم سے ملاقات کے لیے شور مچا رہا ہے اسے فوراً اندر بھیج دو۔“ چنانچہ خادم نے اس شخص کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔ وہ برقع پوش عورت کے ساتھ ہی حجرے میں داخل ہو گیا۔

اندر پہنچتے ہی عورت نے نقاب اتار دیا تو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ یہ وہی عورت ہے جس نے مدعی بن کر ان پر غلط اور ناپاک تہمت لگائی تھی اور سرِ عام انہیں

رسوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس خاتون نے زاروقطار رونا شروع کر دیا اور آگے بڑھ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں کو چھونے کی کوشش کی مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے جبکہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے اس عورت کو سمجھاتے ہوئے کہا:

''یاد رکھو کہ دینِ اسلام میں ایک نامحرم عورت کا اپنے مرد کے علاوہ کسی دوسرے مرد کو چھونا حرام ہے چاہے وہ کوئی مذہبی شخصیت ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے تم دونوں کو اسی وقت بھرے مجمع میں معاف کر دیا تھا۔ اور اے سابق سردار! تم نے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر یہاں آنے کی تکلیف کیوں کی؟ میں نے تجھے اور تیری اس بیوی کو معافی دے دی تھی پھر تم دونوں یہاں کوئی نیا کھیل تو کھیلنے نہیں آئے؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ درویش لوگ اپنے حجروں میں عورت کی آمد کو قطعی پسند نہیں کرتے اور نہ کسی عورت کو اندر آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہارے ساتھ تمہاری بیوی بھی ہے تو میں کبھی تمہیں اندر آنے کی اجازت نہ دیتا اور وہ بھی وہ عورت جس نے درویشی کی پاکیزہ چادر کو تار تار کرنے کی کوشش کی۔ اب کسی نئے منصوبے کو لے کر تو نہیں آئے ہو؟''

اس مجرم سردار نے کہ جسے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے معاف کر دیا تھا دست بستہ عرض کی:

''یا حضرتؒ! ہم دونوں اپنے کیے پر نادم و شرمندہ ہیں۔ ہم دونوں ہاتھ باندھ کر آپ سے درخواست و التجا کرتے ہیں کہ ہمیں غلط نہ سمجھئے۔ بے شک ہم نے غلطی کی اور انتہائی ناپسندیدہ اور گھناؤنی غلطی کی مگر آج ہم ایک نیک کام کی خاطر حاضر ہوئے ہیں۔ یہ عورت ایک ہندو رقاصہ ہے جس نے آپ کے مخالفین کے ہتھے چڑھ کر سازش میں شرکت کی مگر اب یہ خاتون آپ کے دستِ حق پرست پر دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہتی ہے۔ اسے کلمۂ شہادت پڑھائیے اور مسلمان کیجیے۔ یہ تمام عمر آپ کی شکرگزار رہے گی۔ مجھے پوری امید ہے کہ آپ اس کی اس خواہش کو ضرور پورا فرمائیں گے۔''

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے اس خاتون سے کہا کہ وہ وضو کرے۔ آپ نے ایک خادم کے ذریعے پانی کا ایک لوٹا منگوایا اور ہدایات دے کر اپنے سامنے وضو کرایا۔ پھر آپ نے اس خاتون کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور یوں وہ مشرف بہ اسلام ہو گئی۔ پھر آپ نے اسے چند نصیحتیں کیں۔

بعدازاں اس سردار نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے دست بستہ عرض کی۔ ''یا حضرتؒ! اب جبکہ آپ نے اتنا کرم کیا ہے کہ میرے اتنے بڑے جرم کو معاف کر دیا ہے تو میری ایک خواہش بھی پوری فرما دیجیے۔ میں تاعمر آپ کے خادم کے طور پر یہیں رہ کر ذکر و فکر میں وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ صبح و شام آپ کا وعظ و درس سنوں گا۔ لمحہ لمحہ آپ کے حجرہ کے قرب میں

رہوں گا اور لحظہ لحظہ ذکر و فکر میں مصروف لوگوں کی خدمت کروں گا اور آپ جو حکم دیں گے اسے بجا لاؤں گا۔ یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت اور اعزاز و افتخار ہو گا۔ آپ ازراہِ صد لطف و کرم مجھے یہ سعادت بخش دیجیے۔ میں تمام عمر آپ کا احسان مند رہوں گا۔''

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''تمہیں یہاں سے زیادہ شاہی دربار میں ہونا چاہیے۔ وہاں رہ کر حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کی خدمت کر کے ان کی دعائیں لو۔ شاہی دربار میں رہ کر نیک اور پاکیزہ زندگی بسر کرو۔ یہی تمہارے گناہوں کا بہترین کفارہ ثابت ہو گا۔ تمہاری عبادت یہی ہے کہ شاہی دربار کے اختیارات کو لوگوں کی بھلائی اور اصلاح و فلاح کے لیے زیادہ سے زیادہ استعمال کرو۔ اس سے تمہاری عزتِ نفس بھی مجروح نہیں ہو گی اور ڈھیروں نیکیاں بھی تمہارے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔''

سردار نے کہا۔ ''لیکن سلطان تو مجھے میرے عہدے سے معزول کر چکے ہیں۔ میں شاہی دربار میں کس طرح داخل ہو سکتا ہوں۔ وہاں میرے داخلے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ نہ میرے پاس عہدہ ہے اور نہ ہی اختیارات تو پھر میں عوام الناس کی خدمت کس طرح کر سکوں گا۔'' حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اس کا انتظام ہم ابھی کیے دیتے ہیں۔ تم بے فکر رہو۔ تمہیں تمہارے عہدے پر بحال کر دیا جائے گا اور تم اختیارات بھی حاصل کر لو گے۔''

اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی موجودگی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک خادمِ خاص کو بلوا کر اسے سلطان شمس الدین التمشؒ کے نام ایک خط لکھوایا جس میں تحریر کیا گیا۔

''شمس الدین! تمہارے شاہی دربار کا یہ سردار اپنے گناہوں سے توبہ کر چکا ہے اور میں بھی اسے معاف کر چکا ہوں۔ اس لیے اسے سابقہ عہدے پر مکمل اختیارات کے ساتھ بحال کر دیا جائے۔ تم بھی اسے معاف کر دو کیونکہ ربِ رحمٰن و رحیم ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو دوسروں کو معاف کر دیتے ہیں۔ یہ سردار اپنے اختیارات کو عوام الناس کی فلاح و بہبود اور خدمتِ خلق کے لیے استعمال کرے گا جس کا ثواب تمہارے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔''

اس سردار نے یہ خط سلطان شمس الدین التمشؒ کی خدمت میں جا کر پیش کیا تو سلطان شمس الدین التمشؒ نے فوری طور پر اس سردار کو نہ صرف اپنے عہدے پر بحال کر دیا بلکہ اسے پہلے سے بھی زیادہ اختیارات دے دیئے۔ اب وہ سردار روزانہ شاہی فرائض سے فراغت کے بعد خانقاہ پر حاضری دیتا تھا اور رات گئے تک ذکر و فکر اور عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ یہی حال اس مدعی عورت کا تھا جو مسلمان ہونے کے بعد اپنی حیاتِ ناپائیدار کا لمحہ لمحہ یادِ الٰہی میں گزارتی تھی اور جب بھی اسے اپنے اس فعل کی یاد آتی تھی کہ جب اس نے گھناؤنی سازش میں شریک ہو کر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ پر ناپاک تہمت لگائی تھی تو وہ زاروقطار روتی تھی اور ربِ رحمٰن و رحیم

سے گڑگڑا کر دعائیں مانگا کرتی تھی کہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دے۔

اس ہنگامے کے خاتمے کے بعد ایک روز سلطان شمس الدین التمشؒ نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بطور خاص حاضری دی اور عرض کی۔ ''یا حضرتؒ! جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ شیخ الاسلام کے منصب پر حضرت جمال الدین بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فائز تھے مگر وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی دہلی آمد سے چند روز پیشتر ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ اس کے بعد سازشیوں نے جو ہنگامہ کھڑا کیا اس میں وقت گزر گیا۔ اب چونکہ شیخ الاسلام کے منصب کی جگہ خالی ہے اس لیے میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہی اس منصب کو سنبھالیں کیونکہ آپ سے بہتر اور کوئی بھی اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتا اور یہ کہ آپ سے زیادہ حقدار بھی اور کوئی نہیں۔''

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان شمس الدین التمشؒ سے کہا۔ ''شمس الدین! ہم درویشوں کو منصب وعہدہ سے کیا سروکار! میں اس دنیا داری میں نہیں پڑنا چاہتا۔ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے اور میں اپنے اندر ایسا رجحان نہیں رکھتا کہ اس منصب کے تقاضے پورے کر سکوں۔ آپ کسی اور کو یہ منصب سونپ دیجیے جو اس منصب کے لیے وقت بھی نکال سکے اور اس ذمہ داری کو نبھانے کا رجحان و میلان بھی رکھتا ہو۔ مخالفین اس حوالے اور اس منصب کی کارکردگی کی بنیاد پر پھر کوئی شوشہ چھوڑ دیں گے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ کسی اور شخص کا انتخاب کر لیا جائے۔''

سلطان شمس الدین التمشؒ نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی ''یا حضرتؒ! آپ کسی شخص کا نام تجویز فرمائیے جسے شیخ الاسلام کے اعلیٰ منصب پر فائز کیا جا سکے۔''

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''شمس الدین! یہ کام آپ خود ہی کیجیے۔ اپنے رفقاء اور مصاحبین سے مشاورت کیجیے کیونکہ ان سے مشاورت ان کا حق ہے۔ جس شخصیت پر سب لوگ متفق ہوں اسے یہ منصب سونپ دیجیے۔ رب کریم و رحیم آپ کی رہبری و رہنمائی فرمائیں۔''

سلطان شمس الدین التمشؒ نے مصاحبین اور رفقاء کا اجلاس طلب کیا اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق ان سے شیخ الاسلام کے منصب پر تقرر کے لیے مناسب شخصیت کے نام کی تجویز طلب کی۔ کچھ دیر کی مشاورت کے بعد حضرت شیخ نجم الدین صغریٰ کو اس عہدہ پر فائز کر دیا گیا۔ انہوں نے یہ منصب بصد انبساط قبول کیا اور ذمہ داریوں کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف و مشغول ہو گئے۔ شیخ نجم الدین صغریٰ اپنے وقت کے مشہور بزرگ اور حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ اس حوالے سے شیخ نجم الدین صغریٰ کا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک خاص تعلق اور رشتہ وسلسلہ بنتا تھا۔ اس انتخاب پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اطمینان کا اظہار کیا کیونکہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی

رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مرتبہ تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی مریدی اختیار کی تھی اور ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تھے جبکہ شیخ نجم الدین صغریٰ کو حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ خاص ہونے کا شرف حاصل تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ناپاک مقدمے کے انوکھے اور ایمان افروز فیصلے کے بعد عوام الناس کے ساتھ ساتھ خواص اور زعماء شہر بھی اس اعلیٰ وارفع فتح پر مبارکباد دینے کے لیے خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ معززین و اکابرین میں تقریباً سبھی افراد نے حاضری دی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ڈھیروں مبارکبادیں نذر کیں۔ مگر دیکھنے والوں نے دیکھا اور محسوس کرنے والوں نے محسوس کیا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ معززین شہر کے اجتماع میں کسی خاص شخصیت کو تلاش فرما رہے ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے کہ وہ کسی کی آمد کے منتظر ہیں۔ کسی کے انتظار میں ہر آنے والے پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں اور اک خاص قسم کی بے تابی سی محسوس کر رہے ہیں۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ اپنے پیرومرشد اور رہبرورہنما حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہی تشریف فرما تھے اس لیے آپ نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا۔

رات کو تنہائی کے لمحات میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے عبادت وریاضت کے بعد ایک سوال کرنے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے فرمایا۔ ''قطب الدین! جو پوچھنا ہے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر پوچھو۔ ہم اس کا جواب دینے کے لیے تیار ہیں۔'' حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی۔ ''یا حضرتؒ! ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے صبح سے شام تک کے مجمع میں آپ کی نگاہیں کسی کی متلاشی رہتی ہیں۔ کہیں میرا اندازہ غلط تو نہیں؟''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''قطب الدین! تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں جب بھی دہلی آیا ہوں تو شیخ نجم الدین صغریٰ ان افراد میں سے ہوتے تھے جو سب سے پہلے مجھے ملنے آتے تھے مگر اس دفعہ وہ ابھی تک نہیں آئے۔ میں انہیں اپنا دوست اور رفیق سمجھتا ہوں اور جب کوئی دوست ایسا کرے تو غم تو ہوتا ہی ہے نا! میں ان کی دوستی کا اس لیے دم بھرتا ہوں کہ وہ میرے مرشد حضرت عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ کیا یہ اس بات کا نتیجہ تو نہیں کہ وہ اب شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز ہیں؟ بہر حال اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ کیوں نہیں آئے میں روزانہ ان کی راہ دیکھتا ہوں مگر ایسی بھی کیا مصروفیت ہو گی کہ وہ چند ساعتیں بھی ہمارے لیے نہ نکال سکیں۔ ضرور معاملہ کچھ اور رہا ہے! ورنہ وہ اب تک آ چکے ہوتے۔''

اس وقت حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو وہ بات بھی یاد آ گئی جب ان پر

مقدمے کی گواہی کے لیے معززین نے شیخ نجم الدین صغریٰ سے کہا تھا تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔ ''میں قطب الدینؒ کی گواہی نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ لوگ اسے جانبداری اور طرفداری سمجھیں گے کیونکہ ان کے ساتھ میرا ایک خاص تعلق ہے۔'' اور اس تمام تر مقدمے کے دوران انہوں نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے کوئی رابطہ یا ملاقات بھی نہیں کی تھی حالانکہ تمام معززین شہر نے آپ کے پاس حاضری دے کر اپنے نیک اور پُرخلوص جذبات و احساسات کا بھرپور اظہار کیا تھا۔

اگلی صبح سویرے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ الاسلام حضرت نجم الدین صغریٰ کو اپنے ایک خادم خاص کے ذریعے پیغام بھیجا کہ ''حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ آپ سے ملاقات کی خواہش رکھتے ہیں۔ اس لیے جس قدر جلد ممکن ہو، ان سے ملاقات کریں۔'' شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے اسی خادم کے ذریعے جواب بھجوا دیا۔ ''میں اپنے منصب کی ذمہ داریوں میں سخت مصروف ہوں۔ ایک لمحے کی فراغت نہیں ہے۔ کوشش کروں گا اگر وقت میسر آیا تو حاضر ہو جاؤں گا اور اگر وقت نہ ملا تو نہیں آسکوں گا۔''

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا اور نجم الدین صغریٰ کے جواب سے مطلع کیا تو اگرچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو اس بات کا دکھ ہوا مگر آپ نے فرمایا۔ ''نجم الدین صغریٰ میرے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی نشانی ہیں۔ اس تعلق اور واسطے سے وہ چاہے جو بھی سلوک اور رویہ روا رکھیں مگر میں ان سے نہ تو تعلق توڑ سکتا ہوں اور نہ ہی ان کی کسی بات پر ناراضی کا اظہار کر سکتا ہوں۔ وہ مجھے از حد محترم و عزیز ہیں۔ مجھے ان کی ہر ادا اور بات پسند ہے۔ وہ اگر نہیں ملنا چاہتے تو ان کی خوشی مگر میری خوشی یہ ہے کہ میں ان سے ملاقات کروں۔ چنانچہ میں اپنی خوشی کی خاطر خود ان کے پاس جاؤں گا اور ان سے بصد ادب و احترام ملوں گا۔ انہوں نے اگر میری کوشش کے باوجود ملنے سے انکار کر دیا تو واپس لوٹ آؤں گا کیونکہ بہر حال ان کی خوشی مجھے عزیز ہے۔''

اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحہ چلنے کی تیاری کر لی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے ساتھ تھے۔ ایک خادم خاص بھی ساتھ تھا جو نجم الدین صغریٰ کی رہائش گاہ جانتا تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کا مکان تھا۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے پیدل ہی سفر طے کیا اور تھوڑی ہی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔

شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ جب سے سرکاری منصب پر فائز ہوئے تھے تو وہ شیخ الاسلام کے عہدہ کے لیے سرکاری رہائش گاہ تعمیر کرا رہے تھے۔ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری

رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ وہاں پہنچے تو نجم الدین صغریٰ نئی زیر تعمیر رہائش گاہ پر موجود تھے۔ جیسے ہی شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی جانب آتے دیکھا تو انہوں نے بجائے اس کے کہ بڑھ کر دونوں مہمانوں کا استقبال کرتے، راج مزدوروں سے باتیں کرنا شروع کر دیں اور ایسے ظاہر کیا جیسے انہوں نے ان دونوں محترم شخصیات کو دیکھا ہی نہیں مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس بات کا برا ماننے کی بجائے خود جا کر شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو سلام کیا اور ان سے بات کرنے کی کوشش کی۔ شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے سلام کا جواب تو دے دیا مگر وہ پھر راج مزدوروں کے ساتھ مصروفِ گفتگو ہو کر انہیں مکان کی تعمیر کے لیے ہدایات دینے لگے۔

☆======☆======☆

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ پہلے تو خاموشی کے ساتھ شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کی حرکات و سکنات دیکھتے رہے اور متوقع رہے کہ وہ تھوڑی دیر میں راج مزدوروں سے فارغ ہو کر ان سے گفتگو کریں گے حالانکہ آپ کو علم تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں مگر جب کافی وقت گزر گیا اور شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے مسلسل بے اعتنائی برتی تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے بہ آواز بلند کہا۔ ''نجم الدین! ہوش کے ناخن لو۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم درویشی کی بنیادی رسم بھی بھول گئے ہو۔ کیا ایک درویش دوسرے درویش کے ساتھ یہی سلوک روا رکھتا ہے جس کا تم مظاہرہ کر رہے ہو؟ تمہیں چاہیے تھا کہ تم ملاقات کے لیے ہم سے خود ملنے آتے جیسے شیخ الاسلام کا منصب سنبھالنے سے پہلے آیا کرتے تھے مگر جب تم نہیں آئے تو ہم نے خود تمہارے ہاں حاضری دی لیکن یہاں آ کر علم ہوا اور اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا کہ منصب کے ملنے سے درویشی کے آداب جاتے رہتے ہیں اور درویش یکسر بدل کر رہ جاتا ہے۔ تمہارا رویہ اور سلوک درویشوں جیسا تو کیا، ایک عام آدمی جیسا بھی نہیں رہا۔ ایک عام شخص بھی گھر آئے مہمان کے ساتھ ایسا رویہ نہیں اپناتا جس کا تم مظاہرہ کر رہے ہو۔ کیا سرکاری منصب کسی شخص کو اس قدر بھی مغرور بنا دیتا ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ ہر چیز کو فنا حاصل ہے۔ باقی رہنے والی صرف اور صرف خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے اور وہی ذات منصب عطا بھی کرتی ہے اور منصب سے جدا بھی کرتی ہے۔ یہ تو رب علیم و خبیر بہتر جانتا ہے کہ تم کب تک شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہو۔ اسی منصب پر پہلے بھی کوئی تھا مگر وہ اب نہیں ہے۔ یہ دنیا، یہ مناصب، یہ عہدے سب فانی اور وقتی ہیں۔ اچھا عمل اور عمدہ اخلاق ہی انسان کو دوام بخشتا ہے۔ اپنی اصلی حیثیت پہچانو اور رب رحمٰن و رحیم سے خیریت و عافیت طلب کرو۔ رب ذوالجلال کے غصے کو دعوت مت دو۔ رب جبار کی پکڑ بہت سخت ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ٹھیک ہو جاؤ اور تمہارے دل و دماغ میں جو غرور سما گیا ہے اسے نکال باہر

کرو۔ انسان کی عزت کرنا سیکھو کیونکہ درویشی کی پہلی نشانی یہی ہے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی اس پُرتاثیر، سبق آموز اور عبرت افروز گفتگو کا شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ پر ازحد اثر ہوا۔ انہوں نے شرم سے سر جھکا لیا اور عرض کی۔ ''یا حضرت! میں کل بھی آپ کی عزت و احترام کرتا تھا اور آج بھی آپ کی تعظیم و تکریم کرتا ہوں۔ میرے دل میں آپ کی توقیر و تقدس میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ آپ پہلے بھی میرے مرشد اور رہبر رہنما تھے اور آج بھی میں دل و جان سے آپ کا ادنیٰ مرید ہوں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا۔ ''پھر یہ تمہارے قول و فعل میں تضاد کیوں ہے؟ تمہاری زبان پر کچھ ہے مگر تم اپنے عمل سے کچھ اور ظاہر کر رہے ہو۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟'' شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے کہا۔ ''یہ سب کچھ قطب الدین کی وجہ سے ہے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''بتاؤ تو آخر قطب الدینؒ نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ وہ تو درویش اور حق پرست شخص ہے۔ سب سے پہلے تو شیخ الاسلام کا منصب اسے ہی پیش کیا گیا تھا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اگر وہ انکار نہ کرتا تو تم کبھی بھی شیخ الاسلام کے سرکاری عہدہ پر فائز نہ ہوتے۔''

شیخ نجم الدین صغریٰ نے کہا۔ ''یا حضرتؒ! قطب الدینؒ کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں میرا کوئی مقام نہیں۔ جسے دیکھو قطب الدینؒ کے پاس جاتا ہے۔ میرے پاس چند لوگوں کے سوا کوئی نہیں آتا جبکہ قطب الدینؒ کی خانقاہ پر شب و روز عوام کا ہجوم ہوتا ہے۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی۔ میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے بھی لوگوں کے دلوں میں وہ جگہ حاصل نہیں کر سکا جو عوام کے دلوں میں قطب الدینؒ کے لیے ہے۔ اگر یہ یہاں نہ ہوتے تو پھر لامحالہ عوام الناس کو میرے پاس ہی آنا پڑتا۔ آخر میری بھی کوئی پہچان ہونی چاہیے۔ مجھے بھی قدر و منزلت ملنی چاہیے۔ کیا میں اس کا حقدار نہیں؟''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''نجم الدین! اگر لوگ تمہاری جانب زیادہ مائل و راغب نہیں ہوتے تو اس میں قطب الدینؒ کا کیا قصور ہے؟ کیا قطب الدینؒ نے لوگوں کو منع کیا ہے کہ نجم الدین کے پاس نہ جائیں یا انہوں نے تمہاری کسی کے سامنے غیبت یا بدگوئی کی ہے؟ یہ سب حُسنِ سلوک، پاکبازی اور حُسنِ اخلاق کا کمال ہے کہ جس کی وجہ سے لوگ کسی کی جانب کھچے چلے آتے ہیں۔ اپنے دل سے حسد کا مادہ نکال دو۔ لوگوں سے محبت و شفقت سے پیش آؤ۔ درویشی اختیار کرو۔ غرور کا خاتمہ کر دو۔ منصب و عہدہ کا خمار ختم کر دو۔ لوگوں کی خدمت کرو۔ مظلوموں کی دادرسی کرو اور ظالموں کے خلاف جہاد کرو۔ لوگ خود بخود تمہارے پاس آئیں گے۔ تاہم تم نے اچھا کیا کہ اپنے دل کی بات زبان پر لے آئے۔ جس شہر کے لوگ تنگ دل اور تنگ نظر ہوں۔ جہاں حسد کا دور دورہ ہو وہاں قیام کرنا بہتر نہیں ہے۔ اب میں دہلی سے جا رہا ہوں اور قطب

الدین کو بھی ساتھ لے جاؤں گا تاکہ تمہاری خواہش پوری ہو سکے۔ اور اگر قطب الدینؒ کے جانے کے بعد بھی لوگوں نے تمہاری طرف رخ نہ کیا تو پھر کیا کرو گے؟''

شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ خاموش رہا اور پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ وہاں سے واپس خانقاہ کے حجرے میں تشریف لے آئے اور دہلی سے رخصت ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

اور پھر جب لوگوں کو علم ہوا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ دہلی سے جا رہے ہیں اور یہ کہ نہ صرف خود جا رہے ہیں بلکہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی ساتھ لے جا رہے ہیں تو لوگ ازحد پریشان و بے قرار و بے تاب ہوئے۔ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ اس میں کیا راز ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے ہمراہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی ساتھ لے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے بے اختیار ہو کر رونا شروع کر دیا۔ کئی ارادت مندوں نے دھاڑیں مارنا شروع کر دیں۔ معززین شہر پہنچے اور درخواست کی۔ ''یا حضرتؒ! آپ یہاں رک جائیں۔ اگر آپ کا جانا بہت ضروری بھی ہے تو پھر حضرت قطب الدین بختیار کاکی کو یہاں چھوڑ جائیں کیونکہ پہلے تو آپ نے کبھی بھی ایسا نہ کیا۔ پہلے آپ تشریف لے آتے تھے اور پھر جاتے تھے تو حضرت قطب الدین بختیار کاکی کو یہاں چھوڑ جاتے تھے۔ آپ دونوں حضرات کے جانے سے دہلی ویران ہو جائے گا۔ ہماری روحانی دنیا اجڑ جائے گی۔ ہم اپنے دکھ درد کسے سنائیں گے۔ کون ہماری دادرسی کرے گا۔ کون ہمارے سروں پر دستِ شفقت و محبت رکھے گا۔''

سلطان شمس الدین التمشؒ بھی تشریف لائے۔ انہوں نے بھی یہی درخواست کی کہ حضرت قطب الدین کو تو یہاں چھوڑ جائیں مگر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''جس شہر میں بغض و حسد کی فضا ہو وہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔'' چونکہ سلطان شمس الدین التمشؒ کو نجم الدین صغریٰ کے رویے والے واقعے کا علم ہو چکا تھا اس لیے ان کے پاس سوائے خاموشی کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

اور پھر وہ لمحہ آ پہنچا جب دونوں مرشد و مرید یعنی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ دہلی سے رخصت ہو کر جا رہے تھے۔ آپ دونوں حضرات رحمتہ اللہ علیہم کے پیچھے پیچھے معززین اور عوام الناس کا ایک جمِ غفیر اداس دلوں اور بوجھل ذہنوں کے ساتھ چل رہا تھا۔ سلطان شمس الدین التمشؒ بھی آپ دونوں حضرات رحمتہ اللہ علیہم کے پیچھے چل رہا تھا۔

ابھی آپ دونوں حضرات رحمتہ اللہ علیہم چند قدم ہی چلے تھے کہ عقیدت مندوں، مریدین اور ارادت مندوں نے بہ آواز بلند دھاڑیں مار مار کر زار و قطار رونا شروع کر دیا کئی لوگ روتے روتے

بے ہوش ہو گئے۔ لوگ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے دست بستہ عرض کر رہے تھے۔ ”خدارا! حضرت قطب الدین کو یہاں چھوڑ جائیں۔ ہمارا ان کے بغیر گزارا نہیں۔ ہم ان کے بغیر مر جائیں گے۔ یہ آپ کا ہم پر احسان عظیم ہو گا۔“

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے جب لوگوں کو اس قدر زار و قطار روتے دیکھا تو آپ کی آنکھیں بھی اشکبار ہو گئیں چنانچہ آپ ایک جگہ پر رک گئے اور اپنے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”قطب الدین! لوگوں کی آہ اچھی نہیں۔ رب رحمٰن و رحیم کو یہ پسند نہیں کہ کسی کا دل دکھایا جائے۔ تمہارے جانے سے چونکہ لوگ دکھی اور غم زدہ ہو رہے ہیں اس لیے تم یہیں رک جاؤ اور دہلی میں رہ کر حسبِ سابق لوگوں کی اصلاح وفلاح کا کام سرانجام دو۔“

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے اس فرمان و اعلان پر لوگوں میں مسرت و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ ہر شخص کے چہرے کی اداسی دور ہوئی اور رونق لوٹ آئی۔ لوگوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے جس سے فضا میں اک جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے مجمع سے مختصر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”لوگو! خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو اور جو کچھ مانگنا ہو اسی سے مانگو۔ اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم خود رب تعالیٰ جل شانہٗ کے محتاج ہیں۔ جو رب تعالیٰ جل جلالہٗ سے جس قدر محبت کرتا ہے رب رحمٰن و رحیم کی محبت اور کرم کا اسی قدر زیادہ مستحق و حقدار ٹھہرتا ہے۔ دعا برحق ہے۔ دعا سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔ عاجزی و انکساری سے دعا مانگی جائے تو رب کریم و رحیم اسے جلد منظور فرماتے ہیں۔ اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم بھی رب رحمٰن و رحیم سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں۔ عاجزی و انکساری کرتے ہیں اس لیے جو بات کسی کے حق میں رب تعالیٰ بہتر سمجھتے ہیں وہ پوری کر دیتے ہیں۔ ہر شخص رب تعالیٰ جل شانہٗ کے روبرو اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہے تاہم رب رحمٰن و رحیم جسے چاہیں اپنے فضل و کرم سے بخش دیں اس ذات کریم و رحیم کا کرم اور رحمت و مغفرت بے کراں ہے اس کی کوئی حد نہیں۔ نیک اعمال ہی تمہیں رب تعالیٰ جل شانہٗ کا قرب عطا کریں گے۔ ہر لحظہ ذکرِ الٰہی میں گزاریں۔ موت کو ہر لحہ یاد رکھیں اور کسی کی دل آزاری نہ کریں اور نہ ہی کسی سے بغض و حسد کریں۔ حاسد ہمیشہ خود اپنی لگائی ہوئی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنائیں کیا پتہ کون سی نیکی رب تعالیٰ جل شانہٗ کو بہت پسند آ جائے اور وہ تمہارے تمام گناہ معاف فرما دے۔“

اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو گلے لگا لیا اور پھر رخصت ہوتے وقت کہا۔ ”قطب الدین! خدا حافظ! اب روزِ محشر ہی ملاقات ہو گی۔“ آپ کے اس جملے پر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ رونے لگے۔ آپ مرشد کے اس جملے کا مفہوم اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔ آپ اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ جس جس نے یہ جملہ سنا اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اور پھر انہی آنسوؤں اور سسکیوں میں لوگوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو الوداع کہا اور تمام فاصلہ آپ کے ساتھ پیچھے چل کر طے کیا اور انتہائی تقدس و توقیر کے ساتھ خدا حافظ کہا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے دہلی سے روانہ ہوتے ہی حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مخالفین، مخاصمین اور حاسدین نے پھر ایک طوفان سا کھڑا کر دیا۔ ان میں ہندو بھی شامل تھے اور درباری علماء بھی جبکہ عوام الناس کی بھی کچھ تعداد ان کے چکر میں آ کر ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ جو افراد ہندومت چھوڑ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے انہیں ہندو اپنے دیوتاؤں کے عذاب اور غصے سے ڈرا کر واپس ہندومت میں آنے کے لیے ورغلا رہے تھے۔ وہ نہ صرف ڈرا رہے تھے بلکہ روپے پیسے کا لالچ اور عہدہ و منصب کی پیش کش بھی کر رہے تھے۔ کیونکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی اس کرامت سے ہزاروں کی تعداد میں ہندوؤں نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا اور ہندوؤں کے اکابرین کے لیے بہت بڑا دھچکا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر یہی صورتِ حال رہی تو ان کے ہندومت کا جنازہ نکل جائے گا۔

کچھ ہندو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی اس کرامت کو شعبدہ بازی سے تعبیر کر رہے تھے اور حد تو یہ ہے کہ کچھ مسلمان بھی اس الزام تراشی میں ان کا ساتھ دے رہے تھے۔ درباری علماء مختلف دلائل سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی اس کرامت پر تنقید کرتے تھے۔ کچھ شعبدہ بازی کہتے تھے۔ کچھ اسے (نعوذ باللہ) جادوگری کہتے تھے اور کچھ صرف اتنا کہہ دیتے تھے کہ ”یہ کون سا کمال ہے۔ ایسا تو ہندو جوگی بھی کر سکتے ہیں۔“ بہر حال طعن و تنقید کا اک سیلاب تھا جو امڈا چلا آ رہا تھا۔ اگرچہ ایسے افراد کی تعداد شروع میں کم تھی مگر سیدھے سادے اور بھولے بھالے عوام ان کی باتوں میں آ کر تعداد میں اضافہ کر رہے تھے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت مند، مریدین اور ارادت مند بھرپور طریقے سے مخالفین و حاسدین کے اعتراضات و الزامات کا جواب دے رہے تھے۔ جگہ جگہ لوگ ٹولیوں میں اکٹھے ہو جاتے تھے اور یہی سوال و جواب ہوتے رہتے تھے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے ارادت مندوں نے معترضین کو کھلا چیلنج دیا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی کرامت تمہارے نزدیک شعبدہ بازی و جادوگری تھی تو تمام ہندو اور

درباری علماء مل کر ایسا کر کے دکھا دیں۔ انہوں نے ایسا کرنے کی کوشش و کاوش بھی کی مگر بری طرح ناکام رہے۔ معترضین یہی جواب دیتے تھے کہ کل ایسا کر کے دکھائیں گے مگر ان کا یہ آنے والا کل کبھی بھی نہ آیا لیکن ثبوت پیش نہ کرنے کے باوجود وہ اپنی بات پر ڈھٹائی کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے۔ یہ اک عجیب قسم کا سفلہ پن تھا۔

آخر ایک دن حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے صبح کے درس میں ہزاروں افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! میری بات غور سے سنو اور سوچ سمجھ سے کام لو۔ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ اسی طرح ظلم کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ دوسروں پر ناجائز الزام لگانا اور بے جا بہتان باندھنا بہت بڑا ظلم ہے۔ مجھ پر ایک گھناؤنی سازش اور ناپاک منصوبے کے تحت مذموم الزام وتہمت لگائی گئی لیکن میں نے صبر واستقامت سے کام لیا۔ صرف اور صرف خدائے وحدہٗ لاشریک سے امداد کا طالب رہا۔ غیبی مدد کی دعا کرتا رہا اور آپ سب نے دیکھا کہ رب قادر و عادل نے غیب سے میری مدد کی اور ایک معصوم بچے کے ذریعے میری بے گناہی ثابت کی اور گواہی وشہادت بھی اسی بچے نے دی جسے میرا غیر شرعی بچہ کہا جا رہا تھا۔ یہ سب میرے رب تعالیٰ جل شانہٗ کا کرم ہے مگر تم میں سے بعض لوگوں نے اپنی طرف سے میرے خلاف ہر قسم کا غلط حربہ استعمال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ تم نے مجھے ذلت کے گہرے کنوئیں میں گرانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ تم نے میرے ماضی، میرے حال اور میرے کردار کو یکسر نظر انداز کر دیا اور مخالفت ومخاصمت میں آخری حد سے بھی آگے گزر گئے۔ مگر اب جبکہ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی بے مثل وبے مثال قدرت سے میری بے گناہی ثابت کر دی تو تم نے یک دم نیا رخ بدل لیا اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرت کو شعبدہ بازی اور جادوگری (نعوذ باللہ) کہنے لگے۔ فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس رب ذوالجلال کی قدرت کاملہ دیکھ کر اسے جادوگری کا نام دیا تھا مگر تم لوگ جانتے ہو کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے عذاب سے ڈرو۔ رب ذوالجلال کی لاٹھی بے آواز ہے۔ کیا تم لوگ رب قادر وقدیر کی قدرت کے منکر ہو؟ رب تعالیٰ جل شانہٗ چاہے تو پتھروں کو زبان دے دے۔ کیا پتھروں نے نبیٔ آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت ورسالت کی گواہی نہیں دی تھی؟ کیا ان کو زبان نہیں مل گئی تھی؟ اگر رب تعالیٰ جل شانہٗ پتھروں کو زبان عطا کر سکتا ہے تو یہ بچہ تو پھر بھی زبان رکھتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ابھی بولنے کی عمر کو نہیں پہنچا تھا۔ اس میں میرے پیر ومرشد کا کوئی کمال یا فن نہیں تھا بلکہ یہ رب قادر وقدیر کی قدرت کا ایک ہلکا سا مظاہرہ تھا تاکہ تمہاری عقلوں پر پڑے پردے اٹھ جائیں مگر اس کے باوجود بھی تمہیں عقل نہیں آئی۔ اب تم نے رب قادر وقدیر کی قدرت کو شعبدہ بازی اور جادوگری کہہ کر پھر ظلم سے کام لینا شروع کر دیا۔ یاد رکھو کہ ظلم کی مدت بہت کم ہوتی ہے۔ رب جبار وقہار کے عذاب کو آواز نہ دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں ایسا پکڑے کہ تم جان نہ چھڑا سکو۔ اب

بھی وقت ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کریم ورحیم ہے۔ اس سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو۔ بے شک وہ معاف کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔

لوگو! خوب اچھی طرح سن لو کہ میں یہیں رہوں گا چاہے تم کچھ بھی کر لو۔ میں تمہیں چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جاؤں گا۔ میرے پیر ومرشد اور رہبر ورہنما مجھے یہاں سے لے کر جا رہے تھے مگر تم لوگوں نے انہیں مجبور کیا اور وہ مجھے یہیں چھوڑ گئے۔ اب چونکہ میرے مرشد کا حکم ہے اس لیے مجھے یہیں رہنا ہے اور تمہاری اصلاح کرنا ہے۔ تم میں سے اکثریت حقائق کو سمجھتی ہے مگر چند لوگوں نے اک ہنگامہ کھڑا کر کے پوری فضا کو خراب کیا ہوا ہے۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ میرے مخاطب وہی لوگ ہیں جو اقلیت میں ہو کر اکثریت کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں۔ شکست کھا کر بھی عقل سے کام نہیں لے رہے۔ شیطان نے ان کی عقلوں کو مفلوج کر دیا ہے۔

لوگو! یاد رکھو کہ میں رب تعالیٰ جل شانہٗ کا ایک عاجز اور گنہگار بندہ ہوں۔ میں لحہ لحہ رب کریم ورحیم سے استغفار طلب کرتا رہتا ہوں۔ مجھے ہندوؤں سے کوئی گلہ نہیں کیونکہ ان کا تو کام ہی اسلام دشمنی ہے۔ وہ ہمارے مذہب کے دشمن ہیں۔ ہمارے خدا اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمن ہیں۔ انہوں نے تو دشمنی کرنی ہے اور وہ کریں گے کھل کر بھی اور چھپ کر بھی مگر مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ درباری علماء جو کہ علم وعمل کے نام نہاد رہنما کہلاتے ہیں وہ اس سازش میں شریک ہیں۔ کیا وہ جانتے بوجھتے ہوئے اس شرمناک کھیل کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ وہ مسلمانوں کا ساتھ دینے کی بجائے ہندوؤں کا ساتھ دے رہے ہیں اور یہ ایک عجیب منطق ہے۔ کیا یہ لوگ حضرت خواجہ معین الدین کی شخصیت سے واقف نہیں؟ کیا ان لوگوں کو ان کے روحانی درجات کا علم نہیں۔ پھر یہ لوگ کیوں ان کی کرامت کو شعبدہ بازی اور جادوگری (نعوذ باللہ) کہہ رہے ہیں؟ خوب یاد رکھیں کہ ان نام نہاد درباری علماء کا نام ونشان تک مٹ جائے گا مگر میرے پیر ومرشد اور رہبر ورہنما کا نام قیامت تک زندہ وپائندہ رہے گا۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ صرف اسی ایک کرامت سے ہی عبارت نہیں تھی بلکہ آپ کی بے شمار کرامات لوگوں کی کثیر تعداد نے مختلف اوقات میں مشاہدہ کیں اور انہیں نامور مؤلفین سیرت الاولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم نے اپنی کتب میں مستند حوالوں کے ساتھ بیان بھی کیا ہے۔ ان کتب میں ''سیر الاولیاء'' اور ''سیر الاقطاب'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو صوفیائے چشت کی سیرت پر خصوصی تذکرے کے حوالے سے مشہور ومقبول ہیں۔ ''سیر الاقطاب'' کے لکھاری حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ کی بیان کردہ روایات ہر عقیدت مند وارادت مند کے لیے انتہائی قابلِ اعتقاد وقابلِ اعتبار ہیں۔

''سیر الاقطاب'' کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ ایک روز نمازِ ظہر سے پہلے عبادت وریاضت سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ آپ کی خانقاہ میں ایک بدحال وغم زدہ

بوڑھی عورت نے داخل ہونے کی کوشش کی تو ایک خادم نے اس سے پوچھا۔ ''ماں جی! آپ اپنا تعارف کرائیے اور یہ بتائیے کہ آپ کس سے ملنا چاہتی ہیں؟'' اس بوڑھی عورت نے کہا۔ ''ماں بھی کہتے ہو اور تعارف بھی پوچھتے ہو۔ میں ایک شکستہ حال ماں ہی ہوں اور جہاں تک یہ سوال ہے کہ میں کس سے ملنا چاہتی ہوں تو میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ولی سے ملنا چاہتی ہوں جو غم زدہ لوگوں کے کام آتا ہے۔ جو دردمندوں کے درد بانٹتا ہے۔ جو دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے تو رب تعالیٰ جل شانہٗ اس کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھتے ہیں اور اس کی دعا منظور و قبول ہوتی ہے۔ مجھے اسی مردِ خدا کے پاس لے چلو۔''

خادم نے پوچھا۔ ''ماں جی! آپ کو ان سے کیا کام ہے۔ وہ تو اب نمازِ ظہر کی تیاری کر رہے ہیں ب ملاقات نہیں ہو سکتی۔'' بوڑھی خاتون نے کہا۔ ''میرا کام ان سے یہی ہے کہ میں ان سے کہوں گی کہ میرا بیٹا واپس لے دو۔ میرا بیٹا دور چلا گیا ہے۔ وہ اسے وہاں سے بلوادیں گے۔''

خادم نے کہا۔ ''وہ تمہارے بیٹے کو کیسے بلوادیں گے؟ کہاں سے بلوانا ہے تمہارے بیٹے کو؟''

خادم کے سوالات سے تنگ آ کر اس بوڑھی عورت نے نہ صرف زور زور سے چیخنا چلانا شروع کر دیا بلکہ زار و قطار رونے اور دھاڑیں مارنے لگی۔ اس کی آواز چہار جانب گونجی تو خانقاہ کے اندر اور اردگرد موجود اکثر افراد دوڑے ہوئے آئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس عورت کی چیخ و پکار سنی تو آپ نے اپنے خادم خاص کو دوڑایا کہ خبر لو کیا معاملہ ہے؟ خادم خاص نے آ کر بتایا۔ ''ایک بوڑھی عورت اپنے بیٹے کو تلاش کرتی ہوئی یہاں آ گئی ہے اور کہتی ہے کہ اس خانقاہ والا میرے بیٹے کو واپس لا دے۔ وہ کہیں دور چلا گیا ہے۔ میں یہاں سے اپنا بیٹا لے کر جاؤں گی۔ مجھے تو کچھ پاگل سی معلوم ہوتی ہے۔ ایک طرف کہتی ہے کہ اس کا بیٹا دور چلا گیا ہے جبکہ ساتھ ہی یہ کہتی ہے کہ میں اپنا بیٹا یہاں سے لے کر جاؤں گی۔ عجیب قسم کی باتیں کرتی ہے تاہم پریشان ہے اور ازحد رنجیدہ ہے۔ شاید اس کے غم کی شدت نے اس کا یہ حال کر دیا ہے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے قدرے ناراضی کے لہجے میں فرمایا۔ ''جب تمہیں محسوس ہو رہا ہے کہ وہ عورت دکھی، رنجیدہ اور بدحال ہے تو پھر ایک فقیر کے پاس اسے آنے سے کیوں روک رہے ہو؟ وہ یہاں نہ آئے تو کہاں جائے ہم اگر اسے اس کا بیٹا نہیں دے سکیں گے تو دعا تو دے سکتے ہیں۔ آخر لوگ اپنا غم بانٹنے اور دکھ درد سنانے کے لیے کدھر جائیں؟ خادم سے کہو کہ اسے انتہائی ادب و احترام کے ساتھ ہمارے پاس لے آئے اور آئندہ بھی خیال رکھے کہ کسی درماندہ کو روکنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ فقیر کا حجرہ ہے کسی بادشاہ کا محل نہیں کہ جہاں خستہ حال لوگوں کو اندر آنے کی اجازت ہی نہ ہو۔ اس غم زدہ بوڑھی عورت کو فوراً یہاں بھیجو۔ ہم اس کی بپتا سننے کو ہمہ تن محوِ انتظار ہیں۔''

خادم دوڑا ہوا گیا اور باہر کھڑے ہوئے اس خادم کو جس نے اس بوڑھی خاتون کو اندر آنے سے روکا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا پیغام پہنچایا اور آئندہ بھی محتاط رہنے کی ہدایت بھی گوش گزار کی۔ اب وہ بوڑھی عورت دوڑی ہوئی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچی اور آتے ہی آپ کے قدموں سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ اس نے اس قدر گریہ وزاری کی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔

جب اس کی سسکیاں بند ہوئیں تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''تمہارا بیٹا کہاں کھو گیا ہے؟ کدھر ہے تمہارا بیٹا؟ پوری صورتِ حال بتاؤ۔ ہم اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رب کریم و رحیم کے فضل و کرم سے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی مرضی سے اگر اسے ملنا ہوا تو ضرور مل جائے گا۔ ہمارا کام تو صرف کوشش کرنا اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں عاجزی کرنا ہے۔''

اس بوڑھی خاتون نے کہا۔ ''یا حضرتؒ! میرے بیٹے کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ زیادتی ہوئی ہے۔ ناانصافی ہوئی ہے۔ اس بے گناہ مظلوم کے ساتھ حاکمِ شہر نے ظلم کیا ہے اور اس کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ اسے مار دیا گیا ہے میرے اس زندہ بیٹے کو لاش میں بدل دیا گیا ہے لیکن مجھے میرا بیٹا چاہیے۔ مجھے اپنا لختِ جگر اور نورِ نظر چاہیے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''جب تمہارا بیٹا قتل کر دیا گیا ہے تو ہم اسے کیسے واپس لا سکتے ہیں۔ اب تم روزِ محشر کا انتظار کرو جو کہ جزا و سزا کا دن ہے۔ اس دن تمہیں مکمل انصاف ملے گا۔ ظالم کو سزا ملے گی اور مظلوم کو جزا سے نوازا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک عادل و قادر ہے۔ تمہارے ساتھ بھی عدل ہی ہوگا۔ اس دن تمہیں تمہارا بیٹا مل جائے گا۔ جس حاکم نے اپنے وقتی اور فانی اقتدار کے نشے میں مست ہو کر تمہارے بیٹے کے ساتھ ظلم کیا ہے وہ جب حاکمِ اعلیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو اسے اس کے ظلم کی بھرپور سزا ملے گی۔ بس تم روزِ جزا کا انتظار کرو۔ تمہارے صبر اور مظلومیت کی تمہیں ضرور جزا ملے گی۔ ان حالات میں سوائے صبر کے اور کوئی چارا نہیں۔''

بوڑھی عورت نے زار و قطار روتے ہوئے کہا۔ ''یا حضرتؒ! مجھ میں صبر کا یارا نہیں۔ میں روزِ محشر تک انتظار نہیں کر سکتی۔ مجھے اس دنیا میں ہی انصاف چاہیے۔ میں اسی زمین پر عدل چاہتی ہوں۔ میں اپنے جیتے جی اپنے بیٹے کے ساتھ انصاف کی طلبگار ہوں۔ اسی لیے تو آپ کے پاس آئی ہوں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''میں ایک عاجز و کمزور انسان ہوں۔ میں ایک عرصے سے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی تلاش میں کوشش و کاوش کر رہا ہوں۔ میں کسی شہر

یا ملک کا حاکم نہیں ہوں کہ کسی کا کوئی کام کر سکوں اور پھر یہ حقیقت ہے کہ تمہارا بیٹا اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو چکا ہے۔ اگر اس کے قتل سے پہلے تم مجھے بتا دیتی تو میں رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رحمت کو گڑگڑا کر آواز دیتا اور خدا سے عرض کرتا کہ وہ تمہارے بیٹے پر ہونے والے ظلم کو ٹال دے۔ اب اس کی زندگی ختم ہو چکی ہے۔ وہ اب اس دنیا سے رخصت ہو کر اگلی دنیا میں پہنچ چکا ہے۔ اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ میری مانو تو صبر کرو۔ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ زندگی اور موت رب کریم وعظیم کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہے زندہ رکھے جسے چاہے موت دے اور جسے چاہے موت دے کر دوبارہ زندگی دے دے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب قادر وقدیر کے حکم سے مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے مگر مجھے تو رب تعالیٰ جل شانہٗ نے وہ طاقت نہیں دی۔ میں اب دعا بھی کروں تو اس کی مغفرت اور درجات کی بلندی کر سکتا ہوں۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام فیصلے اس دنیا میں ہی کرنے ہوتے تو پھر روزِ محشر کس لیے رکھا گیا ہے۔ روزِ محشر ہے ہی اسی لیے کہ جو عدل و انصاف کے تقاضے اس دنیا میں پورے نہیں ہو سکے انہیں اس روز پورا کیا جائے۔ اور یاد رکھو کہ ہر کام میں رب قادر وقدیر اور رب حاکم وحکیم کی کوئی نہ کوئی حکمت پوشدہ ہوتی ہے جسے ہم لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اب جاؤ اور اپنے بیٹے کی مغفرت اور بخشش کے لیے دعا کرو اور صبر سے کام لو۔ میں بھی تمہارے بیٹے کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں۔''

بوڑھی عورت نے کہا۔ ''یا حضرت''! آپ مجھے یہاں سے جانے کے لیے کہہ رہے ہیں لیکن میں یہاں سے واپس جانے کے لیے نہیں آئی۔ آپ نے جو باتیں اور نصیحتیں کیں وہ سب سچی اور اچھی ہیں۔ مگر میں ایک ماں ہوں جس کا بیٹا اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوا ہے۔ میں یہاں محض اور محض اس لیے آئی ہوں کہ اپنے بیٹے کو آپ کی دعا کے ذریعے رب تعالیٰ جل شانہٗ سے واپس لوں گی۔ آپ نے خود فرمایا ہے کہ رب قادر وقدیر زندگی اور موت کا مالک ہے۔ وہ جسے چاہے زندگی دے اور مُردے کو بھی زندہ کرنے والی وہی ذات ہے۔ اگر میرا مُردہ بیٹا زندہ نہیں ہو سکتا تو پھر میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔ اگر رب تعالیٰ جل شانہٗ سے آپ میرے بیٹے کی زندگی کے لیے ہاتھ بلند نہیں کر سکتے تو پھر میری موت ہی مانگ لیں کیونکہ میں اپنے بیٹے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ آپ کی یہ دعا تو سن لیں گے۔ کسی کی زندگی نہیں مانگتے تو پھر موت ہی مانگ لیں۔''

اس بوڑھی عورت نے اس دردانگیز اور پُرسوز وغمناک لہجے میں یہ باتیں کیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ نے اس بوڑھی عورت سے کہا۔ ''اچھا ذرا ٹھہرو۔ میں نمازِ ظہر ادا کر لوں پھر تمہاری بپتا پوری تفصیل سے سنوں گا۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کو جو منظور ہوا وہی ہوگا۔''

ظہر کی نماز کی ادائیگی کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس بوڑھی خاتون سے کہا کہ وہ اپنی داستانِ غم مفصل طور پر بیان کرے۔ اس بوڑھی خاتون نے پھوٹ

پھوٹ کر روتے ہوئے بتایا:

''میں ایک ایسی بدنصیب خاتون ہوں کہ جس کا شوہر اس وقت دارِ فانی سے کوچ کر گیا جب میرا بیٹا محض دو سال کا تھا۔ میرے والدین پہلے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیارے ہو چکے تھے۔ بہن بھائیوں کا ساتھ بھی نہیں تھا۔ شوہر ایک غریب مزدور تھا لہٰذا اس نے ترکے میں کچھ رقم یا جائیداد وغیرہ نہیں چھوڑی تھی کہ جس سے میری اور میرے بیٹے کی گزر بسر ہوتی۔ میں نے لوگوں کے گھروں میں مزدوری کر کے اپنے بیٹے کی انتہائی مشکل اور صبر آزما حالات میں پرورش کی۔ جب میرا بیٹا جوان ہوا اور کمانے کے قابل ہوا تو میں نے یہی سوچا کہ اب ہماری مشکل کے دن کٹ جائیں گے اور اس بڑھاپے میں میرا بیٹا نہ صرف اپنا خرچ پورا کرے گا بلکہ میرا بھی سہارا بنے گا اور جب کچھ حالات بہتر ہوں گے تو میں اپنے بیٹے کی شادی کر دوں گی۔ وہ اپنا گھر بسا لے گا اور مجھے راحت نصیب ہو گی۔ میرے بیٹے کا صرف ایک ہی دوست تھا۔ وہ بھی ایک غریب مزدور کا بیٹا تھا۔ اس غریب مزدور کے بیٹے کو ایک رئیس زادے نے معمولی سی بات پر قتل کر دیا اور پھر الزام میرے بیٹے کے سر تھوپ دیا۔ اس رئیس زادے نے دولت واختیار کے بل بوتے پر چشم دید گواہوں کو بھی خرید لیا۔ میں اکیلی عدالت میں کھڑی انصاف طلب کرتی رہی۔ روتی اور چلاتی رہی کہ میرا بیٹا بے گناہ ہے مگر اندھے قانون اور بہرے حاکم نے میری ایک نہ سنی۔ میرے بیٹے کو سزا سنا دی گئی جبکہ اصل قاتل رئیس زادے کو بچا لیا گیا۔ شروع میں دو افراد نے میرے بیٹے کے حق میں گواہی دی مگر بعد ازاں وہ بھی رئیس زادے کے ہاتھوں بک گئے اور انہوں نے اپنی گواہی بدل دی حالانکہ وہ چشم دید گواہ تھے۔

وقت مقررہ پر میرے بیٹے کو پھانسی گھاٹ پر لے جا کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور اس نے میری آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ میں دھاڑیں مارتی رہی۔ رب کریم ورحیم سے التجائیں کرتی رہی مگر میرا کوئی بس نہ چل سکا۔ آخر میں کر بھی کیا سکتی تھی؟ اب اس کی لاش پھانسی گھاٹ پر چھوڑ کر یہاں آئی ہوں۔ لوگوں نے آپ کا بتایا کہ وہی میرے مسئلے کا حل نکال سکتے ہیں اور اگر وہ چاہیں تو میرے بیٹے کی زندگی لوٹا سکتے ہیں کیونکہ ان کی دعا کبھی بے اثر نہیں گئی۔ اس لیے میں آپ کے پاس چلی آئی۔ اب آپ رب کریم ورحیم سے دعا والتجا کیجیے کہ وہ میرے بیٹے کو زندہ کر دے۔ بس یہی میری درخواست ہے اور یہی میری داستانِ الم!''

اس بوڑھی عورت کی اس درخواست وخواہش کے پس پردہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مخالفین کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے اس بوڑھی عورت سے کہا تھا کہ آپ کے پاس جائے کیونکہ آپ کی دعا سے مُردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ ایسا ہو نہیں سکے گا اور یوں انہیں آپ کے بارے میں باتیں بنانے کا وافر موقع مل جائے گا۔ مزید یہ کہ بوڑھی عورت روزانہ آپ کے لیے ایک مسئلہ بنی رہے گی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ بھی پوری بات سمجھ چکے تھے کیونکہ اس

عورت نے خود کہا کہ مجھے لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ آپ مُردوں کو بھی زندہ کر لیتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں آپ کافی دیر آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھے رہے۔ ان لمحات میں آپ سخت کرب کی حالت میں تھے۔ جب آپ نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ بوڑھی عورت ملتجی نگاہوں سے آپ کو دیکھ رہی تھی اور انتظار میں تھی کہ ابھی آپ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں گے اور اسے اس کا بیٹا زندہ ہو کر واپس مل جائے گا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی غمناک لہجے میں عورت سے کہا۔ ''دیکھو میں بہت گنہگار اور خطا کار شخص ہوں۔ لوگوں نے محبت اور حُسنِ ظن میں مجھ سے ایسی توقعات قائم کر لی ہیں کہ جو قطعی طور پر میرے بس میں نہیں۔ قادر و قدیر اور موت و حیات کی مالک صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذاتِ پاک ہے۔ کاش تجھے اس شہر کا کوئی آدمی یہ کہہ دیتا کہ معین الدین جیسا گناہوں سے پُر انسان اس پورے شہر میں کوئی اور نہیں اور یہ کہ رب تعالیٰ اس کی کوئی دعا قبول نہیں کرتا۔''

پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے آسمان کی طرف نظریں کیں اور دیر تک آسمان کی طرف ہی دیکھتے رہے اور کچھ پڑھتے بھی رہے۔ ان لمحات میں آپ کے جسم کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ دیکھنے والوں نے آپ کی پہلے کبھی ایسی حالت نہ دیکھی تھی۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی آنسو ٹپک کر آپ کے رخساروں پر آ گریں گے۔

اور پھر یکایک حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے بہ آوازِ بلند اللہ اکبر کہا۔ اتنی بلند آواز پہلے کبھی آپ کی زبان سے لوگوں نے نہیں سنی تھی۔ اور پھر اتنی ہی بلند آواز میں تھوڑے سے وقفے کے بعد آپ نے کہا ''ان اللّٰہ علیٰ کل شئی قدیر'' اس کلمے کو آپ نے کئی دفعہ دہرایا۔

اب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے آسمان کی طرف سے نظریں ہٹا کر نیچی کر لیں اور ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑے ہی وقفے کے بعد آپ نے آنکھیں کھولیں تو آپ نے اس بوڑھی عورت سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''چلو مجھے اپنے بیٹے کے پاس لے چلو۔ مجھے اس پھانسی گھاٹ لے چلو جہاں اس کی لاش بے گور و کفن پڑی ہے۔ میں رب ذوالجلال سے انصاف طلب کرنے کی پوری کوشش و کاوش کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ انصاف ضرور ملے گا اور رب تعالیٰ جل شانہٗ مجھے اس آزمائش میں ضرور کامیاب و کامران کرے گا۔ رب تعالیٰ ان لوگوں کا بھی بھلا کرے جنہوں نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے۔ آؤ چلیں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے چند مریدانِ خاص کو ساتھ لیا اور بوڑھی عورت کے ساتھ چل پڑے۔ خانقاہ سے پھانسی گھاٹ تک کا راستہ اگرچہ طویل تھا مگر آپ نے

اسے پیدل ہی سفر کر کے طے کیا۔ بوڑھی عورت مسلسل اس راستے کی رہنمائی کر رہی تھی جو پھانسی گھاٹ کی طرف جاتا تھا۔ آپ اس پھانسی گھاٹ تک پہنچے جہاں بوڑھی عورت کے لڑکے کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا تو اس حاکمِ وقت کے مقرر کردہ افسران بوڑھی عورت کے بیٹے کو پھانسی دینے کے بعد اس کے مُردہ ہونے کی تصدیق کر کے واپس جا چکے تھے البتہ وہاں پھانسی گھاٹ کا ایک پہرے دار موجود تھا۔ وہ دروازے پر اپنی ڈیوٹی سنبھالے ہوئے تھا۔ لوگوں کا اک ہجوم بھی وہاں موجود تھا جو آہنی دروازے کی سلاخوں سے اندر پڑی ہوئی لاش کو دیکھ رہا تھا۔ ہر شخص پر اک عجیب کیفیت طاری تھی۔ ہر دل مغموم نظر آتا تھا کیونکہ شہر کے اکثر لوگ اصل حقیقت سے واقف تھے۔ کئی لوگ حاکمِ وقت کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ کچھ افراد اس رئیس زادے کو بددعا دے رہے تھے کہ جس کا گناہ بوڑھی عورت کے بے گناہ بیٹے کے سر تھوپ دیا گیا تھا۔ ہر شخص اپنی سوچ اور معلومات کے مطابق اظہارِ خیال کر رہا تھا۔ کچھ افراد رو بھی رہے تھے اور خاموشی سے کھڑے رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور بوڑھی عورت کے بیٹے کی مغفرت و بخشش اور درجات کی بلندی کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ کچھ تعداد ایسے افراد کی بھی تھی جو محض تماشائی تھی۔

بوڑھی عورت نے اپنے بیٹے کی لاش کو دیکھتے ہی زار و قطار رونا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ وہ زور زور سے کہہ رہی تھی۔ ''وہ ہے میرا بیٹا جسے ایک رئیس زادے کی دولت اور ایک حاکم کی اندھی عدالت نے قتل کر دیا ہے۔ حاکمِ وقت نے ناانصافی سے کام لیتے ہوئے میرے بے گناہ بیٹے پر ظلم کیا ہے۔ حاکمِ وقت ظالم وقت ہے۔ بہت بڑا اور اندھا ظالم۔''

چوکیدار نے بوڑھی عورت کی یہ باتیں سنیں تو اس نے بوڑھی خاتون کو ڈانٹ کر کہا۔ ''خبردار، اگر ایک لفظ بھی حاکمِ وقت کے خلاف بولا۔ تیری یہ جرأت و جسارت کہ تُو حاکمِ وقت کے انصاف پر معترض ہے۔ تُو حاکمِ وقت کو ظالم وقت کہتی ہے۔ تُو نے ایسی گستاخی کر کے بہت بڑا جرم کیا ہے اور اس جرم کی سزا کے طور پر تجھے بھی پھانسی کے پھندے پر لٹکایا جا سکتا ہے۔ تجھے تو حاکمِ وقت کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے تیرے قاتل بیٹے کو گور و کفن کی اجازت دے دی ورنہ وہ تیرے بیٹے کی لاش کو کتوں کے آگے بھی ڈلوا سکتے تھے۔ تیرے بیٹے نے ناقابلِ معافی جرم کیا۔ ایک غریب مزدور کے بیٹے کو بغیر کسی قصور کے قتل کر دیا۔ اپنے بیٹے کے کرتوت کو نہیں دیکھتی۔ حاکمِ وقت کو برا بھلا کہتی ہے۔ تجھے شرم آنی چاہیے۔''

مگر وہ بوڑھی عورت اس چوکیدار پہرے دار کے ڈرانے دھمکانے کے باوجود حاکمِ وقت کو ظالم وقت کہتی رہی اور دھاڑیں مار مار کر روتی رہی۔ وہ اس قدر روئی کہ ہجوم میں موجود جن لوگوں کی آنکھیں پہلے ہی پُرنم تھیں ان کے آنسو چھلک پڑے اور یوں پوری فضا غمناک و نمناک اور سنجیدہ و رنجیدہ ہو گئی۔

اس سوگوار ماحول میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ مخصوص و

ومتانت کے ساتھ آگے بڑھے۔ آپ نے پھانسی گھاٹ کے محافظ سے کہا۔ ''کیوں ایک غم زدہ اور دکھیاری ماں کو بلا وجہ ڈانٹ رہے ہو۔ تمہیں ہوش سے کام لینا چاہیے۔ ایک مظلوم کے ساتھ تمہارا یہ رویہ درست نہیں۔ تمہیں چاہیے تھا کہ تم اس بوڑھی ماں سے ہمدردی کا اظہار کرتے مگر تم نے الٹا اسے ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ فرض کرو کہ تمہارے بیٹے کے ساتھ اگر ایسا ہوتا تو تم کیا کرتے؟ رب تعالیٰ جل جلالہٗ کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں۔ حق اور سچ کی بالآخر فتح ہوتی ہے اور ظالم کبھی بھی اور کسی صورت بھی سزا سے نہیں بچ سکتا۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس بوڑھی ماں کا بیٹا بے گناہ اور معصوم تھا۔ اسے ناجائز قتل کیا گیا ہے۔ یہاں کا قانون بھی اندھا ہے اور یہاں قانون نافذ کرنے والے بھی اندھے ہیں۔ بہرحال تم دروازہ کھولو۔ ہم لاش کے قریب جانا چاہتے ہیں۔ اس کو ہم یہاں سے لینے آئے ہیں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے لفظوں اور لہجے میں ایسی تاثیر تھی کہ مقتل کا محافظ خاموشی کے ساتھ کھڑا سب کچھ سنتا رہا۔ پھر اس نے یکا یک دروازہ کھول دیا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدین اور مقتول بیٹے کی غمزدہ والدہ کے ساتھ لاش کے قریب تشریف لے گئے۔ لوگوں کا اک جمِ غفیر باہر کھڑا یہ سب نظارہ کر رہا تھا۔

جیسے ہی لاش کے قریب اس کی والدہ پہنچی تو وہ دوڑ کر اپنے بیٹے کے مُردہ جسم سے لپٹ گئی اور زور زور سے پکارنے لگی۔ ''اٹھو بیٹا! حضرت جیؒ آئے ہیں۔ انہیں سلام کرو اور ان کی قدم بوسی کرو۔ وہ تمہیں لینے آئے ہیں۔'' مگر مُردہ جسم سے کیا جواب ملتا۔ لاش کو اس کی والدہ نے پوری قوت سے جھنجھوڑا لیکن بے روح جسم ساکت و جامد رہا۔ اس میں حرکت کہاں سے آتی۔ اس پر اس بوڑھی عورت نے زور زور سے رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگی۔ ''دیکھو! میرا بیٹا میری کسی بات کا جواب نہیں دیتا۔ ظالموں نے اسے مار دیا ہے۔ دیکھو یہ بے جان ہے۔ یہ مُردہ ہے مگر میں اسے مرنے نہیں دوں گی میں اسے زندہ ہی لے کر جاؤں گی۔ یہ بے قصور ہے یہ مظلوم ہے یہ بے گناہ ہے۔'' بوڑھی عورت اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی اور عجیب عجیب ناقابلِ بیان باتیں کر رہی تھی۔ جس پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس بوڑھی عورت سے کہا۔ ''خاموش ہو جاؤ اور صبر سے کام لو۔ جو لوگ رب ذوالجلال سے انصاف مانگتے ہیں وہ شور و غوغا نہیں کرتے۔ وہ چیختے چلاتے نہیں۔ وہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے انصاف کا انتظار کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ سے صبر و رضا کے ساتھ دعا مانگو۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات قادر و قدیر ہے۔ ہو سکتا ہے تمہیں تمہاری خواہش کے مطابق اس دنیا میں ہی انصاف مل جائے۔ اس لیے رب کریم و رحیم کے انصاف کا انتظار کرو۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے سمجھانے پر اس بوڑھی عورت نے مکمل خاموشی اختیار کر لی اور اب اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور اپنے

بیٹے کی زندگی کے لیے دعائیں کرنے لگی۔ وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''یا اللہ! مجھے اس دنیا میں ہی انصاف چاہیے۔ اگر میرا بیٹا بے گناہ ہے تو اسے زندگی دے دی جائے۔ اور یقیناً میرا بیٹا بے قصور اور معصوم ہے۔ یا اللہ! اسے اپنی قدرت سے زندہ کر دے۔ اب تو میں تیرے پیارے بندے حضرت جیؒ کو بھی ساتھ لائی ہوں جن کی کوئی دعا تُو نے کبھی رد نہیں کی اور مجھے یقین ہے کہ تُو حضرت جیؒ کی یہ دعا بھی رد نہیں کرے گا۔''

اتنے میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا ہے۔ آپ نے اپنے مریدین سے کہا۔ ''آؤ عصر کی نماز ادا کر لیں کیونکہ اس کا وقت ہو گیا ہے ورنہ نماز قضا ہو جائے گی۔ اس معاملے کو نماز کی ادائیگی کے بعد دیکھیں گے۔'' چنانچہ اسی لمحے مریدین نے وہیں اسی کمرے میں کہ جہاں بوڑھی خاتون کے بیٹے کو پھانسی دی گئی تھی، زمین پر اپنے کندھوں سے کپڑے اور رومال اتار کر نیچے بچھا دیئے۔ ایک رومال آگے بچھا دیا گیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے امامت فرمائی اور یوں انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ نمازِ عصر ادا کی گئی۔

نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے رب رحمٰن و رحیم کی بارگاہ میں دونوں ہاتھ بلند کیے اور گڑگڑا کر عرض کی۔ ''یا اللہ جل شانہٗ! لوگ مجھ سے حُسنِ ظن رکھتے ہیں۔ میرے بارے میں مشہور کرتے ہیں کہ میری کوئی دعا تیری بارگاہ میں رد نہیں ہوتی۔ تُو میری ہر دعا درخواست کو منظور کرتا ہے حالانکہ تُو بہتر جانتا ہے کہ میں کون ہوں میں ایک گنہگار اور خطا کار انسان ہوں۔ میری خامیاں اور میری کوتاہیاں تیری نظر میں ہیں مگر عوام الناس نے مجھے کیا سے کیا سمجھ لیا ہے۔ کاش ان کو کوئی سمجھا اور بتا دے کہ میری حقیقت کیا ہے تاہم میری یہ دعا ہے کہ جو حُسنِ ظن یہ لوگ مجھ سے رکھتے ہیں تُو مجھے ایسا ہی بنا دے۔ تجھے علم ہے کہ ایک غم زدہ ماں میرے پاس کیا توقع لے کر آئی ہے۔ مجھ سے حسد رکھنے والوں نے اسے کچھ سے کچھ سکھا کر میرے پاس بھیجا ہے۔ جو لوگ حُسنِ ظن رکھتے ہیں ان کے حُسنِ ظن کو پورا کر اور جو میری آزمائش کرنا چاہتے ہیں ان کی زبان بند کرنا بھی تیرے ہاتھ میں ہے۔ مجھے اس آزمائش میں سرخرو کر۔ بے شک تُو ہی عزت دینے والا ہے۔ تُو نے آج تک مجھ خطا کار کو جس قدر عزت بخشی ہے اس کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ یا رحمٰن! تُو آج بھی مجھے عزت و توقیر سے نواز دے اور یہ بوڑھی ماں جو توقع لے کر آئی ہے اسے پورا کر۔ یہ اسی دنیا میں انصاف چاہتی ہے، اس کی یہ آرزو پوری کر دے۔ اگر آج تُو نے اس کی یہ خواہش پوری کر دی تو عوام الناس میں تیری قدرت کی اک اور واضح نشانی جلوہ گر ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ اس نشانی سے کئی گمراہ لوگ راہِ راست پر آ جائیں اور کئی غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ جتنی دیر دعا کرتے رہے آپ کی آنکھوں

سے آنسوؤں کی بارش ہوتی رہی جس سے آپ کے رخسار اور ریش مبارک تر ہو گئے۔ آپ جب دعا سے فارغ ہوئے تو آپ انتہائی انکساری و عاجزی کے ساتھ اٹھے اور سیدھے اس بوڑھی عورت کے بیٹے کی لاش کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ وہاں تھوڑی دیر ساکت و جامد کھڑے رہے۔ پھر آپ نے اپنا عصا پہلے ہوا میں بلند کیا پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس کے بعد آپ نے عصا کی نوک کو لاش کی گردن پر رکھا اور تین بار ان اللّٰہ علیٰ کل شئٍ قدیر بہ آواز بلند کہا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا "اے لڑکے! اگر تُو واقعی مظلوم ہے تو رب قادر و قدیر کے حکم سے زندہ ہو جا، حیات و ممات کے مالک کی مرضی و حکم سے زندہ ہو جا، اس رب کریم و عظیم کے حکم سے زندہ ہو جا جو مُردوں کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اٹھ اور ثابت کر دے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات ہی زندگی اور موت دینے والی ہے۔"

اور پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس لڑکے کی لاش میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ پھر اس نے جھرجھری سی لی۔ اس کے پاؤں متحرک ہوئے اور پھر اس نے دھیرے دھیرے پلکوں کو حرکت دیتے ہوئے آہستہ آہستہ دونوں آنکھیں کھول دیں۔ اس کی پہلی نظر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ پر پڑی تو وہ فوراً اٹھ بیٹھا اور آپ کے قدموں سے لپٹ گیا۔ اس کی بوڑھی والدہ بھی دوڑ کر آپ کے قدموں سے چمٹ گئی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے دونوں کو اٹھنے کو کہا۔ دونوں ماں اور بیٹا اٹھ کر کھڑے ہوئے تو آپ نے دونوں کے سروں پر دست شفقت رکھتے ہوئے دعا دی اور پھر آپ نے بوڑھی والدہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اب یہاں سے چلے جاؤ اور اس رب قادر و قدیر کا شکر ادا کرو کہ جس نے تمہارے بیٹے کو نئی زندگی دی اور تمہیں اور تمہارے بیٹے کو اس دارِ فانی ہی میں انصاف سے سرفراز فرمایا۔ بے شک رب تعالیٰ جل شانہٗ ہر کام کی قدرت رکھتا ہے۔ وہ جسے چاہے زندگی دے اور جسے چاہے موت دے اور یہ کہ جسے چاہے اس دنیا ہی میں موت کے بعد پھر سے زندگی عطا کر دے۔ بالآخر ہم سب نے اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اب تم دونوں فوری طور پر یہاں سے چلے جاؤ اور میری ذات کو تماشا نہ بناؤ کیونکہ میں ایک گنہگار اور خطا کار شخص ہوں۔ خواہ مخواہ لوگ مجھ سے کہانیاں منسوب کر لیں گے اور مجھ سے حُسنِ ظن کی انتہا کر دیں گے۔ میں رب رحمٰن و رحیم کا شکر گزار ہوں کہ اس نے میری التجا کو شرفِ قبولیت بخشا اور مجھ گنہگار کی لاج رکھ لی۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کی تعمیل میں دونوں ماں بیٹا اپنے گھر کی طرف چل دیئے۔ اس کے بعد آپ بھی اپنے مریدین کے ہمراہ خانقاہ میں تشریف لے آئے۔

پھانسی گھاٹ کے باہر لوگوں کا اک ہجوم تھا جس نے یہ سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان

میں جو افراد مسلمان تھے وہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرت دیکھ کر ذکرِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ ہر زبان پر اللہ اکبر اور سبحان اللہ کا ورد تھا البتہ اس ہجوم میں جو لوگ غیر مسلم تھے ان میں سے اکثریت نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا ارادہ کر لیا اور اسی لمحے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ پر حاضری دی اور آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ پھانسی گھاٹ سے چلے تھے تو راستے کی طوالت کی وجہ سے سفر کے دوران ہی ایک جگہ ٹھہر کر نمازِ مغرب ادا کی اور جب آپ خانقاہ پہنچے تھے تو حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے بے شمار غیر مسلم آپ کے منتظر تھے۔ آپ نے انہیں کلمۂ شہادت پڑھایا۔ پھر مختصر سی گفتگو فرمائی جس میں آپ نے انہیں اسلامی آدابِ زندگی بتائے اور پھر کسی اور وقت حاضر ہونے کا کہا۔

خانقاہ پہنچ کر سوائے غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کرنے کے آپ نے کسی سے کوئی بات نہ کی۔ آپ کے چہرے پر اک مخصوص قسم کی سرخی، رقت، جلالت اور عاجزی کی ملی جلی کیفیت نمایاں تھی۔ آپ نے حجرہ میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ آپ کے مریدین عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کے لیے یہ ایک پہلی اور انوکھی بات تھی۔ اس بات سے آپ کے مریدین سوچ میں پڑ گئے۔ نمازِ عشاء کے لیے آپ حجرہ سے باہر آئے اور نماز کی ادائیگی کے بعد پھر فوراً حجرہ میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اس صورتِ حال میں آپ کے مریدین اور ارادت مند تمام رات جاگتے رہے اور حجرے کی دیواروں سے کان لگا کر آپ کی رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور رونے کی آواز سنتے رہے۔ آپ کے رونے کی آواز سے تمام مریدین اور ارادت مندوں نے بھی روتے ہوئے اور ذکرِ الٰہی میں رات گزاری۔ پوری خانقاہ کی فضا پر اک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔

صبح کی نماز کے لیے جب مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا لگائی تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے باہر تشریف لے آئے۔ مریدین نے دیکھا کہ آپ کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔ نقاہت بھی آپ کے چہرے سے نمایاں تھی کیونکہ آپ نے رات کا کھانا بھی تناول نہیں فرمایا تھا اور تمام رات میں ایک لمحے کے لیے بھی سوئے نہیں تھے بلکہ لحظہ لحظہ عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ گریہ وزاری میں گزارا تھا۔

نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے معمول کے وظائف و اوراد کے لیے حجرے میں تشریف لے گئے۔ بوڑھی عورت کے پھانسی شدہ مُردہ بیٹے کے زندہ ہونے کی خبر شہر میں آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ مختلف ادیان اور طبقہ ہائے فکر کے افراد جوق در جوق حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں رات ہی سے جمع ہونا شروع ہو گئے تھے اور جب سورج اپنی پوری تمازت کے ساتھ چمکا تو لوگوں کی ایک کثیر تعداد حجرہ کے باہر موجود تھی جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ایک جھلک دیکھنے کے متمنی و

مشتاق تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو آپ حجرہ سے باہر تشریف لے آئے۔ آپ کو دیکھتے ہی آپ کے عقیدت مندوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے اور کچھ لوگوں نے آپ کی شان میں بھی نعرے بلند کرنا شروع کر دیئے۔ اس صورتِ حال میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے لوگوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے واضح انداز میں فرمایا:

''لوگو! باخبر اور خبردار رہو کہ معین الدین ایک گنہگار انسان ہے۔ اس کی خطائیں رب کریم و رحیم بخوبی جانتا ہے مگر رب تعالیٰ جل شانہٗ چونکہ قادر وقدیر ہے اس لیے وہ اپنی قدرت کے کرشمے ظاہر کرتا رہتا ہے جس میں کسی انسان کا ذرہ بھر بھی دخل نہیں ہوتا۔ رب تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے بغیر پیدا کر کے اور حضرت آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کر کے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار کیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مُردے زندہ کرنے کی صلاحیت سے نوازا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں جب چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے تا کہ جو لوگ بھٹکے ہوئے ہیں وہ راہِ راست پر آ جائیں اور صاحبانِ ایمان کا یقین واعتماد پختہ سے پختہ تر ہو جائے۔''

اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے لوگوں سے سوالیہ انداز میں فرمایا:

''لوگو! وہ ذات جو اپنے بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے کیا وہ اپنے عاجز بندے کی دعاؤں کو نہیں سنتی؟ اللہ تبارک وتعالیٰ تو دلوں کے حال جاننے والا ہے۔ وہ علیم بذات الصدور ہے۔ وہ خبیر ہے۔ اسے ہر چیز کی خبر ہے۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں نہ صرف سنتا ہے بلکہ قبول بھی کرتا ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ سے جب اس کا بندہ عاجزی وانکساری کے ساتھ مانگتا ہے تو رب تعالیٰ جل شانہٗ خوش ہوتا ہے اور خوب ذہن میں رکھ لو کہ رب تعالیٰ جل جلالہٗ سے اگر اس کا بندہ کوئی چیز نہ مانگے اور ہاتھ نہ پھیلائے تو رب تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ اور اکثر اوقات اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے بندے کی ایسی التجا ودعا بھی منظور فرما لیتا ہے کہ جو بظاہر ناممکن اور ناقابلِ عمل نظر آتی ہے جیسا کہ اس لڑکے کے زندہ ہونے کی مثال ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ یہ تو ہم اور آپ اسے بہت بڑا اور ناقابلِ عمل سمجھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں تو یہ ادنیٰ سا کام ہے تو کیا اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے بندے کی دعا والتجا پر اتنا سا کام بھی نہ کریں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اور بندے کے تعلق کا کس طرح پتہ چلے گا۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے اس مدلّل، معنی آفریں اور پُرمغز خطاب کا لوگوں کے ذہنوں اور دلوں پر گہرا اثر ہوا۔ ان افراد میں جتنے بھی غیر مسلم موجود تھے ان کی

کثیر تعداد نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر دینِ اسلام قبول کرنے کے تقاضے پورے کئے۔ آپ نے باری باری سب کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور دینِ اسلام کے بنیادی اصول بتائے۔ آپ نے ہر ایک کو مبارکباد کے ساتھ ساتھ ڈھیروں دعائیں بھی دیں البتہ اب بھی ایک قلیل تعداد ایسے افراد کی تھی جن کے دلوں پر رب تعالیٰ جل شانہٗ نے مہریں لگا دی تھیں اور وہ کبھی کوئی عذر کرتے تھے کبھی کوئی اعتراض کرتے تھے کبھی ہنستے تھے اور کبھی عجیب و غریب قسم کی باتیں بناتے تھے۔ آپ کے مریدین نے آپ کو اس بات کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا: ''ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ رب کریم ورحیم نے چاہا تو ان کو ہدایت مل جائے گی ورنہ یہ لوگ ساری عمر یوں ہی بھٹکتے رہیں گے اور شیطان کے پیروکار بن کر اپنی آخرت خراب کرتے رہیں گے۔ ہاں البتہ تمہارا یہ فرض ہے کہ جب بھی موقع میسر آئے تو ان لوگوں کو دینِ اسلام کی طرف بلاتے رہو۔ اگر وہ لوگ مناسب سمجھیں تو ان کو میرے پاس لے آؤ میں انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کروں گا تا کہ اتمام حجت ہو جائے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ہدایت پر آپ کے مریدین نے کٹر اور ضدی غیر مسلم افراد کو اپنے طور پر سمجھانے کی از حد کوشش وکاوش شروع کر دی مگر وہ لوگ نہ تو کسی دلیل سے قائل ہوتے تھے اور نہ ہی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہو کر آپ سے ہدایت لینا چاہتے تھے۔ وہ صاف صاف انکار کر دیتے تھے اور اپنی بات پر ہی ڈٹے رہتے تھے بلکہ الٹا تمسخر اُڑاتے تھے مگر ان لوگوں کی تعداد قلیل ہی تھی۔

بوڑھی خاتون کے نوجوان پھانسی شدہ مُردہ بیٹے کے زندہ ہونے کی خبر سن کر کئی روز تک دور دور سے لوگ آپ کی خانقاہ پر حاضری دیتے رہے۔ ان میں سے اکثر لوگ آپ کے مریدین سے دریافت کر کے اس لڑکے سے بھی جا کر ملتے جسے رب قادر وقدیر نے اپنی قدرتِ کاملہ سے نئی زندگی عطا کی تھی۔ اس کی گردن پر اب بھی پھانسی کے پھندے کا نشان موجود تھا مگر اس کی حالت ایسی ہشاش بشاش تھی کہ جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ویسے بھی وہ لڑکا روزانہ اپنی والدہ محترمہ کے ہمراہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ پر حاضری دیتا۔ آپ کے درس سے فیض یاب ہوتا۔ آپ کے مریدین اور ارادت منداس کی بہت عزت کرتے تھے اور اسے اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرتے تھے۔ ان کی پاکیزہ صحبت میں وہ بہت عبادت گزار بن گیا۔ پھر اس نے چند گھنٹوں کی بجائے ہمہ وقت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں رہ کر ذکر وفکر اور عبادت وریاضت شروع کر دی۔ اس کی والدہ بھی اس کے ہمراہ ہی عبادتِ الٰہی میں مصروف ومشغول رہتی تھی۔

اس لڑکے نے اپنی عبادت اور زہد کے بل بوتے پر اتنی ترقی کی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اسے اپنے خدامِ خاص میں شامل کر لیا۔ پھر اس نے وعظ ونصیحت بھی

کرنا شروع کر دیا۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اسے اپنا نمائندہ خاص بنا کر مختلف علاقوں میں بھیجتے جہاں وہ اپنے وعظ ونصیحت کے جوہر دکھاتا۔لوگ اس کے خطاب کو از حد پسند کرتے۔اس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی محافل وعظ و درس میں جو کچھ سیکھا تھا اور آپ سے جو تربیت حاصل کی تھی اب وہ اس کے کام آرہی تھی اور وہ حُسن وخوبی کے ساتھ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی شاگردی اور مریدی کا حق ادا کر رہا تھا۔

مختلف علاقوں کے دوروں کے دوران اس نے کئی غیر مسلموں کو مسلمان بھی کیا۔اس کی زبان میں رب ذوالجلال نے تاثیر کا کمال رکھا تھا۔وہ جو بات کرتا تھا لوگوں کے دل میں اُترتی تھی اور وہ اسے نہ صرف پوری توجہ اور دھیان سے سنتے تھے بلکہ اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔اور یہ تمام ترفیض اور تربیت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ ہی کی تھی اور سب سے بڑھ کر آپ کی دعائیں تھیں جو لحظہ لحظہ اس کے ہمرکاب رہتی تھیں۔یوں وہ کامیابی وکامرانی کے زینے طے کرتا رہا۔

اس کی بوڑھی والدہ کچھ عرصہ زندہ رہنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیاری ہو گئیں تو وہ لڑکا اس وقت کافی رنجیدہ ہوا۔مگر وہ رب تعالیٰ جل جلالہٗ کی رضا پر راضی تھا۔اس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی والدہ کی مغفرت اور بخشش کے لیے دعا کرائی اور خود بھی جب تک زندہ رہا اپنی والدہ کی قبر پر جا کر مغفرت کی دعا کرتا رہا۔

☆======☆======☆

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں کئی مذاہب کے لوگ ہندوستان میں رہائش پذیر تھے۔اسی طرح جب آپ بغداد میں تھے تو وہاں بھی مختلف مذاہب کے لوگ آباد تھے۔ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو مریدین اور ارادت مندوں نے عرض کی۔"یا حضرتؒ! دریا کے کنارے چند آتش پرستوں نے ڈیرا جمایا ہوا ہے۔وہ لوگ نظر بندی اور جادوئی کمالات میں ماہر ہیں۔لوگوں کو عجیب وغریب کرتب دکھا کر ان کے ایمان میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔کئی ضعیف الاعتقاد ان کے ہتھے چڑھ چکے ہیں۔ان کی وجہ سے آتش پرستی آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے۔سادہ لوح افراد کو گمراہ کرنا قدرے آسان ہوتا ہے۔اس لیے خطرہ ہے کہ آتش پرستوں کا یہ گروہ دھیرے دھیرے بہت بڑی جماعت نہ بن جائے۔ان لوگوں کو اس غلط اور گمراہ کن کام سے روکنا ضروری ہے ورنہ ہندو، عیسائی اور دوسرے مذاہب کے لوگ تو ایک طرف، ہمارے اپنے مسلمان بھائیوں کے ایمان متزلزل ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ کئی ضعیف الایمان مسلمانوں کو ہم نے ان کے بارے میں باتیں کرتے اور ان کی طرف مائل ہوتے سنا ہے۔ہم نے اپنی مقدور بھر کوشش سے ان کو روکا اور سمجھایا تو ہے مگر جب تک آپ اس حوالے سے کوئی عملی قدم نہیں اٹھائیں گے تو آج کی اس گمراہ کن ندی کا ایمان شکن پانی کل کو سیلاب کی صورت

میں اختیار کر لے گا جسے روکنا اک کارِ دشوار ہوگا۔اس لیے اس آتش پرستی کے پودے کو ابھی سے ہی جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے تا کہ یہ کل کو تناور درخت نہ بن جائے جسے کاٹنا مشکل امر ہو جائے گا۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کافی دیر تک اپنے مریدین اور ارادت مندوں کی باتیں خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ہر مرید اپنی اپنی رائے دے رہا تھا اور آتش پرستوں کے خاتمہ کے لیے اپنی اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق تجویز بیان کر رہا تھا۔جب سب لوگ اپنی اپنی بات کہہ چکے تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے آنکھیں بند کر لیں۔تمام ارادت مند خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہے۔پھر آپ نے تھوڑی دیر بعد یکا یک آنکھیں کھولیں اور بلند آواز سے اللہ اکبر کہا۔آپ رحمتہ اللہ کے مریدین اور ارادت مندوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا جس سے فضا میں شدت اور دلوں میں حدت وحرارت پیدا ہوئی۔

اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اعلان کیا۔"آؤ چلیں ان آتش پرستوں کے اکابرین کے پاس جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور دیکھیں کہ وہ کتنے پانی میں ہیں! ہمارے ہمراہ کون کون چلے گا؟" اس وقت جتنے مریدین آپ کے پاس یہ بات کرنے کے لیے آئے تھے سب نے کہا۔"یا حضرتؒ! ہم سب آپ کے ساتھ چلیں گے۔"حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے خلافِ معمول سب کو اپنے ہمراہ چلنے کی اجازت دے دی حالانکہ آپ کی یہ عادت تھی کہ آپ چند منتخب مریدین کو ہی ساتھ لے کر چلتے تھے تا کہ آپ کی غیر موجودگی میں خانقاہ کا نظم ونسق بحسن وخوبی چلتا رہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا یہ قافلہ پیدل اس دریا کی طرف روانہ ہوا جہاں آتش پرستوں نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا اور ہر آنے جانے والے کو گمراہ کرتے تھے۔آگ کو (نعوذ باللہ) خدا کہتے تھے اور خود بھی اس کی پوجا کرتے تھے جبکہ لوگوں کو بھی آگ کی پرستش کی جانب مائل وقائل کرتے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدین اور ارادت مندوں کے ہمراہ مشرکین کی اس ٹولی کے قریب پہنچ گئے جو آگ کا الاؤ روشن کئے اس کی پوجا میں مصروف تھے۔اس ٹولی میں کُل سات افراد تھے۔انہوں نے جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے ساتھیوں کو اپنی جانب آتے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ ان کی جانب بڑھ رہا ہے۔وہ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید یہ لوگ ان پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔چنانچہ وہ آگ کے الاؤ کے قریب تر ہو گئے اور اپنے بچاؤ کے لیے کوئی منتر وغیرہ زور زور سے پڑھنے لگے۔ان کے عقیدہ کے مطابق اس طرح وہ دشمن کے حملہ سے بچ جائیں گے اور دشمن بھاگ جائے گا۔مگر ان کے منتر ان کے کسی کام نہ آئے۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ

اللہ علیہ اپنے مریدین کے ہمراہ مسلسل آگے بڑھتے رہے اور بالآخر ان کے بالکل قریب پہنچ گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آتش پرستوں کی اس ٹولی کے قریب پہنچ کر بہ آواز بلند ان سے کہا۔ ''یہ تم لوگ یہاں کیوں اکٹھے ہو اور آگ کا الاؤ جلا کر کیا کر رہے ہو؟'' ان لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ ''ہم اپنے خدا کی پرستش کر رہے ہیں۔'' حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ''تم کسے خدا مانتے ہو اور کیوں مانتے ہو؟''

آتش پرستوں کی ٹولی میں سے ایک عمر رسیدہ شخص نے جواب دیا۔ ''ہمارے نزدیک آگ ہی خدا ہے۔ آگ اس کائنات کی سب سے طاقتور چیز ہے۔ یہ ہر شے کو جلا کر راکھ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کی اسی طاقت وقوت نے ہمیں یہ یقین کرنے پر مجبور کیا ہے کہ ہم آگ کو ہی خدا کا درجہ دیں۔ آگ کے مقابلے میں دنیا کی کوئی اور چیز اتنی طاقتور نہیں۔ اور جو چیز سب سے زیادہ طاقتور ہو وہی خدا ہو سکتی ہے۔ ہمیں آگ کی پرستش و پوجا کرتے ایک عرصہ ہو گیا ہے۔ ہمارے آباء و اجداد بھی آگ کی پوجا کرتے تھے اور ہماری اولاد بھی آگ ہی کی پوجا کرتی ہے۔ ہمارا اور آگ کا جنم جنم کا ساتھ ہے۔ یہ ہمارے لیے نجات دہندہ ہے۔ ہم پورے یقین و ایمان اور صدقِ دل کے ساتھ آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ بے شک آگ ہی معبود ہے۔ آگ ہی مسجود ہے اور آگ کی ہی تمام کائنات میں بادشاہی اور حاکمیت وحکومت ہے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آتش پرستوں سے کہا۔ ''جس آگ کی تم پوجا کرتے ہو یہی آگ قیامت کے روز تمہیں جلائے گی۔ جب روزِ محشر تمہارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا اور تمہیں رب وحدہٗ لاشریک کی بجائے آگ کی پوجا کرنے کی سزا کے طور پر جہنم میں ڈالا جائے گا جہاں تمہارے وہم وگمان سے بھی زیادہ تیز آگ دہک رہی ہوگی۔ اور اس جہنم میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اور جہاں تک تمہاری یہ دلیل ہے کہ آگ اس کائنات کی سب سے طاقتور چیز ہے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ ابھی تمہارے اس آگ کے الاؤ پر ایک بالٹی پانی ڈالو تو تمہاری یہ آگ بجھ جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پانی زیادہ طاقتور ہے جو آگ کو بھی بجھا دیتا ہے۔ اس لیے تم پانی کی پوجا شروع کر دو۔ دریاؤں اور سمندروں کی پوجا کرو۔ کیا تم ایسا کرو گے؟ تمہارا خدا تو پانی کے ایک گلاس کے آگے بے بس ہے تو پھر وہ کائنات کا طاقتور ترین کیسے ہوا؟''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس مدلل خطاب کا آتش پرستوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مبہوت اور ساکت وجامد ہو کر رہ گئے۔ کافی دیر خاموش رہے اور سوچتے رہے۔ پھر ایک آتش پرست نے کافی سوچ بچار کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ ''ہم اس لیے آگ کو پوجتے ہیں تا کہ روزِ محشر یہ ہمیں نہ جلائے۔ کیونکہ آگ اپنے پجاریوں کو نہیں جلائے گی۔ ہم اس کی پرستش محض اسی لیے کرتے ہیں تا کہ یہ ہمیں نہ جلائے بلکہ آگ ان کو جلائے گی جو اس کی پرستش نہیں کرتے۔''

آتش پرستوں نے جہنم کی آگ کے حوالے سے تو بے ڈھنگی سی دلیل پیش کر دی تھی مگر پانی کے ذریعے آگ کے بجھنے کا ان کے پاس مطلقاً کوئی جواب نہیں تھا چاہے وہ غیر معقول اور بے وزن ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آتش پرستوں کی نامعقول توجیہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''اگر تم آگ کو اس لیے پوجتے ہو کہ وہ تمہیں نہ جلائے تو تم میں سے کوئی اس آگ میں کھڑا ہو جائے۔ اس سے صاف واضح ہو جائے گا کہ آگ اپنے پوجنے والوں کو نہیں جلاتی کیونکہ تم نے یہی دعویٰ کیا ہے اور اپنے دعویٰ کے سچ ہونے کے لیے تمہیں اس کو عملی ثبوت سے ثابت کرنا ہوگا۔ اگر آگ نے اپنے پجاری کو نہ جلایا تو ہم تمہاری بات، تمہاری دلیل اور تمہارا دعویٰ مان لیں گے اور اگر آگ نے تمہیں جلا دیا تو پھر تمہارا تمام تر دعویٰ و دلیل جھوٹی اور بے بنیاد ہے۔ ہمیشہ دعویٰ کو عملی ثبوت ہی سے ثابت کیا جاتا ہے۔ تو پھر جلدی کرو فیصلہ کرو کہ تم ساتوں آتش پرستوں میں سے کون آگ کے اس الاؤ میں کھڑا ہو کر اپنے دعویٰ کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ جلدی کرو ابھی فیصلہ ہو جاتا ہے اور فیصلہ بھی تمہارا خدا یعنی یہی آگ کرے گی۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان آتش پرستوں کو اپنی ہی دلیل کو ان کے لیے چیلنج بنا دیا تو وہ از حد حیران و پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور بغلیں جھانکنے لگے۔ انہیں سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ کیا جواب دیں کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ جو بھی آگ کے اس الاؤ میں گیا آگ اسے جلا کر خاکستر کر دے گی۔ انہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ کافی سوچ بچار کے بعد ایک بوڑھے آتش پرست نے کہا۔ ''ابھی ہماری ریاضت وعبادت اس منزل تک نہیں پہنچی کہ آگ ہمیں نہ جلائے۔ ابھی ہماری عبادت و پرستش کی ابتداء ہے۔ آگ ابھی ہم سے اور ہماری عبادت و ریاضت سے پوری طرح خوش وشادمان نہیں ہوئی۔ جب ہم اپنی پوجا سے اسے پوری طرح خوش کر دیں گے تو پھر یہ ہمیں نہیں جلائے گی۔''

آتش پرستوں نے انتہائی نامعقول دلیل پیش کی تھی۔ اس پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا۔ ''خوب جان لو کہ اگر تم قیامت تک بھی اس آگ کی پوجا کرتے رہو تو یہ تمہیں جلانے سے اور خاکستر کرنے سے باز نہیں آئے گی کیونکہ تم رب وحدہٗ لاشریک کے منکر ہو۔ تم مشرک ہو اور مشرکین کو آگ ہمیشہ جلاتی ہے۔ آگ کا ایندھن تو بنیادی طور پر مشرکین ہی ہیں۔ جو لوگ رب تعالیٰ جل شانہٗ پر ایمان و یقین رکھتے ہیں اور ایک رب وحدہٗ لاشریک کی عبادت و پرستش کرتے ہیں آگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی کیونکہ صاحبانِ ایمان کے لیے بہشت بنائی گئی ہے اور مشرکین کے لیے جہنم تیار کی گئی ہے۔ یاد رکھو کہ آگ ہی تمہارا مقدر ہے۔ تم جتنی کوشش کر لو آگ سے تم لوگ نہیں بچ سکتے آگ ہی مستقل طور پر تمہاری قسمت میں لکھ دی گئی ہے جب تک تم مشرک ہو البتہ تم ایک خدا اور ایک رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ تو تمہیں آگ

سے نجات مل سکتی ہے۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ان باتوں کو سن کر آتش پرستوں نے کافی سوچ بچار کے بعد آپ سے کہا۔ "اگر آپ کہتے ہیں کہ آگ ہمارے لیے ہی بنائی گئی ہے کیونکہ تمہارے نزدیک ہم مشرک ہیں اور تم ایک اللہ کو مانتے ہو اس لیے آگ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ آپ نے اپنے ایک پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی حوالہ دیا ہے جن کے لیے تمہارے مطابق آگ نے گل و گلزار کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اگر واقعی تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو اور حق پر ہو تو پھر تم ہی اس آگ میں سے گزر کر دکھا دو۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کو ماننے والے کیسے آگ سے محفوظ رہتے ہیں۔"

آتش پرستوں نے اپنی جانب سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو بہت بڑا چیلنج دے دیا تھا اور انہیں پورا یقین تھا کہ آگ آپ کو بھی جلائے گی تاہم حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ آتش پرستوں کے اس چیلنج پر زیر لب مسکرائے اور آپ نے اسی لمحے اپنے جوتے اتار لیے۔ لوگ یہ سمجھتے کہ اب آپ ننگے پاؤں آگ میں داخل ہوں گے۔ آپ کے مریدین بھی آپ کی ایک اور کرامت دیکھنے کے منتظر تھے۔ مگر یکا یک آپ نے اپنے ایک خادم خاص سے کہا۔ "میرے یہ جوتے لے جاؤ اور انہیں آگ کے الاؤ میں ڈال دو۔ اگر میرے یہ جوتے آگ میں جل گئے تو میں اپنی ہار مان لوں گا اور اگر رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرت کاملہ سے میرے یہ جوتے آگ سے محفوظ رہے تو پھر آتش پرست ہار جائیں گے۔"

جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا خادم خاص آپ کے جوتے اٹھا کر آگ میں ڈالنے کے لیے جا رہا تھا تو آپ نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ بلند کئے اور التجا کی:

"اے رب قادر و قدیر! تیرا عاجز و مجبور اور گنہگار و خطا کار معین الدین آج پھر ایک آزمائش میں ہے۔ اگر تُو نے اپنے معین الدین کو سرخرو نہ کیا تو یہ لوگ جو مشرک و منکر ہیں اور تیری ذات پاک کے انکاری ہیں مذاق اُڑائیں گے۔ اپنے معین الدین کی خطاؤں کو نہ دیکھ بلکہ اپنی رحمت اور اپنے فضل و کرم اور اپنی قدرت کا مظاہرہ فرما اور ان جوتوں کو آگ سے محفوظ رکھ۔ بے شک تُو ہر کام کی قدرت رکھنے والا ہے۔ یا رب رحمٰن و رحیم! میں نے ان آتش پرست مشرکین کو راہِ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش و کاوش کی ہے مگر اب ایسا لمحہ آ پہنچا ہے کہ جو میری بساط اور طاقت سے باہر ہے۔ تُو نے جتنی قوت اور عقل مجھے بخشی ہے میں وہ بروئے کار لا چکا ہوں۔ اب تو اپنی قدرت دکھا اور ان مشرکین کو شکستِ فاش سے ہمکنار کر۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خادم خاص نے آپ کے حکم کی تعمیل میں آپ کے جوتے اٹھا کر آگ کے الاؤ میں پھینک دیئے اور پھر دیکھنے والوں نے رب قادر و قدیر کی اس قدرت کا کھلی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ

علیہ کے جوتے صحیح سلامت آگ کے الاؤ میں ایسے پڑے تھے جیسے وہ آگ سے باہر تھے۔ آگ ان جوتوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ جب کافی دیر گزر گئی تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے آتش پرستوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ تم نے خوبی دیکھ لی۔ میرا خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ میں اگر چاہتا تو خود بھی آگ میں جا سکتا تھا اور آگ مجھے یقیناً مجھ نہ کہتی مگر میں نے اپنے رب کریم و رحیم کے منکرین کو عاجز کرنے کے لیے اور شرمندہ کرنے کے لیے ایسا کیا کہ اپنے جوتے آگ میں ڈال کر رب قادر و قدیر سے اپنی قدرتِ کاملہ کے اظہار کی التجا کی اور رب رحمٰن و رحیم نے مجھے سرخرو کیا۔ اب تم نے دیکھ لیا کہ تمہارا معبود کس قدر کمزور ہے۔ اس میں کس قدر قوت و طاقت ہے کہ وہ اپنے منکر کے جوتوں کو بھی نہیں جلا سکا تو اپنے منکر کو کیسے جلائے گا۔ ویسے تمہارا خدا ہے ہی میرے جوتوں کے قابل کیونکہ یہ خدا نہیں ہے بلکہ میرے رب قادر و قدیر کی ایک تخلیق ہے۔ اسی خالق و مالک کی تخلیق جس نے تمہیں اور مجھے وجود بخشا ہے۔ وہ ہر چیز کی زندگی دینے والا اور وہی موت دینے والا ہے اور وہی موت کے بعد دوبارہ روزِ قیامت زندہ کرے گا اور پھر روزِ حساب ہر کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ تم نے دیکھ لیا کہ جس معبود کو تم نے برسوں سے پوجا۔ تمہارے آباء و اجداد نے اس کی پرستش کی۔ اب اس نے تمہارا ساتھ نہیں دیا بلکہ تمہیں واضح شکست، شرم اور ہزیمت سے ہمکنار کیا۔ اب بتاؤ کیا تمہارا خدا سچا ہے یا میرا رب وحدہٗ لاشریک؟ کیا اب بھی تمہیں حق اور باطل کے درمیان فرق محسوس نہیں ہوا۔ تمہیں تمہارے خدا نے ذلت دی جبکہ میرے رب تعالیٰ جل شانہٗ نے مجھے وہ عزت و وقعت دی کہ میرے جوتوں کو بھی معتبر کر دیا۔ اب تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟ کیا تمہیں اب بھی توقع ہے کہ تمہارا خدا غضب میں آ کر میرے جوتوں کو جلا دے گا؟ تم کب تک اپنے آپ کو فریب میں مبتلا رکھو گے؟ میں نے تمہارے خدا کی اتنی توہین کی کہ اس میں اپنے جوتے ڈال دیئے۔ اگر وہ خدا ہوتا تو اپنی توہین ہرگز ہرگز برداشت نہ کرتا مگر تم دیکھ رہے ہو کہ اتنا وقت گزر جانے کے باوجود میرے جوتے صحیح سلامت ہیں حالانکہ آگ کا الاؤ پوری شدت و تمازت و حرارت کے ساتھ بھڑک رہا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ایک وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ اور آگ کی پوجا چھوڑ دو۔ تمہارا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا۔ میرا دعویٰ سچ ثابت ہوا۔ اب بھی تمہارے دلوں میں کوئی شک و شبہ ہے تو بیان کرو۔"

اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اسی خادم خاص سے کہا:

"جاؤ اور آگ سے میرے جوتے نکال لاؤ۔" آپ کے حکم کی تعمیل میں آپ کا خادم خاص آگے بڑھا اور بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ کے عین درمیان سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے جوتے اٹھا لایا۔ آگ نے آپ کے خادم خاص پر کوئی اثر نہ ڈالا۔ نہ تو اس کے

کپڑے جلے اور نہ ہی اسے کوئی گزند پہنچا۔ اور جب جوتے لائے گئے تو وہ بالکل اسی طرح تھے جیسے آگ میں ڈالنے سے پہلے تھے۔ وہ گرم تک نہیں ہوئے تھے جلنا تو دور کی بات ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے جوتے پہن لیے اور ایک بار پھر آتش پرستوں سے سوال کیا:

''تم نے پھر کیا سوچا ہے؟''

آتش پرستوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا:

''کیا ہمیں بھی تمہارا رب معاف کر دے گا؟ کیا ہماری خطاؤں کی ہمیں سزا تو نہیں دی جائے گی؟'' حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''رب تعالیٰ جل شانہٗ بہت رحم کرنے والا ہے۔ وہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ وہ رحمت کا دروازہ ہر لمحہ کھلا رکھتا ہے۔ وہ توبہ کا دروازہ بھی ہر لحظہ کھلا رکھتا ہے۔ وہ توبہ کرنے والوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ بہت شفیق اور مہربان ہے۔ اس کی بارگاہ میں جب بھی کسی نے التجا و دعا کی اس نے اسے رد نہیں کیا۔ وہ اپنے بندوں کو سنتا ہے اور ان کی مرادیں پوری کرتا ہے۔ وہ دلوں کے حال بہتر طور پر جانتا ہے۔ وہ علیم و خبیر ہونے کے ساتھ ساتھ رحیم و کریم ہے۔ وہ اپنے بندوں کو عزیز رکھتا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ رحم کرتا ہے۔ وہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو صراطِ مستقیم دکھاتا ہے تو ان کے سابقہ گناہ معاف کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتا۔''

آتش پرستوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا:

''ہمیں بھی اپنے خدا کا پیروکار بنالو۔ آج اور ابھی اسی وقت ہم تمہارے خدا پر ایمان لانے کو تیار ہیں۔ ہمیں وہ طریقہ بتاؤ کہ ہم کس طرح تمہارے خدا پر ایمان لے آئیں۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے ان ساتوں آتش پرستوں کو وضو کرنے کو کہا۔ آپ کے خدام نے ان کو وضو کرانے میں مدد دی۔ اور جب وہ وضو کر چکے تو آپ نے ان سب کو باری باری کلمۂ شہادت پڑھایا اور یوں تمام آتش پرست حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدین اور ارادت مندوں کے جھرمٹ میں یوں بیٹھے ہوتے تھے جیسے چاند جگمگ کرتے ستاروں کے درمیان جلوہ گر ہوتا ہے۔ آپ اپنے عقیدت مندوں سے ان کے حالات اور گزر اوقات کے بارے تفصیلاً پوچھا کرتے تھے۔ اگر کوئی مرید اپنی کوئی مشکل بیان کرتا تھا تو اس کی ہر ممکن مدد فرماتے تھے اور اگر کوئی آپ کو اطلاع دیتا تھا کہ فلاں ارادت مند بیمار ہے تو آپ اس کی تیمارداری کے لیے تشریف لے جاتے تھے تاہم آپ کا بیشتر وقت مریدین کی فلاح و اصلاح میں گزرتا تھا۔ جب بھی ذکرِ الٰہی اور ریاضت و عبادت سے فارغ ہوتے تھے تو ارادت مندوں کے پاس آ بیٹھتے تھے اور ان سے دینِ اسلام کے بارے گفتگو فرمانے کے ساتھ ساتھ حال احوال بھی پوچھتے تھے۔

ایک دن آپ عقیدت مندوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک انتہائی دولت مند ہندو راجپوت سامنے سے گزرا۔ وہ جاتے جاتے اچانک رکا اور اس نے دونوں ہاتھ باندھ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے کہا۔ ''خواجہ صاحبؒ! مجھ گنہگار، بدکار اور خطا کار کا سلام بھی قبول فرما لیجیے۔'' اس نے صرف اتنا ہی کہا اور تیزی کے ساتھ آگے چلا گیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے عقیدت مندوں سے کہا۔ ''یہ شخص ایک نہ ایک دن رب تعالیٰ جل شانہٗ کے دوستوں میں شمار ہوگا۔'' آپ کے اس ارشاد پر آپ کے ارادت مند حیران و متعجب ہوئے کیونکہ وہ اس ہندو راجپوت کو اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ گناہوں کی دلدل میں بہت بری طرح پھنسا ہوا ہے۔ وہ اپنی نازیبا اور غلط حرکات و سکنات کی وجہ سے مشہور تھا۔ تاہم انہیں یہ بھی یقین تھا کہ رب وحدہٗ لاشریک جسے چاہیں اپنی ہدایت سے نواز دیں چنانچہ آپ کے عقیدت مند خاموش رہے۔

ایک دفعہ پھر ایسا ہوا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدین کے ہمرکاب تشریف فرما تھے کہ وہی دولت مند ہندو راجپوت گزرا۔ اس نے پھر رک کر انتہائی مؤدبانہ اور منکسرانہ انداز میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو دونوں ہاتھ باندھ کر سلام کیا۔ اس پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے عقیدت مندوں سے کہا۔ ''یہ شخص بڑا صاحبِ نعمت ہے۔'' آپ کے مرید پھر حیران ہوئے کہ ایسا شخص بھی ''صاحبِ نعمت'' ہو سکتا ہے۔

تیسری دفعہ پھر ایک دن اسی طرح کا عمل ہوا اور اس دولت مند ہندو راجپوت نے حسبِ معمول دور سے آپ کو سلام نیاز ازحد ادب و آداب کے ساتھ پیش کیا۔ آپ نے پھر اس ہندو راجپوت کے بارے میں کلمۂ خیر ادا کیا تو مریدین میں سے چند مرید بول پڑے۔ انہوں نے کہا۔ ''یا حضرت! اس شخص کا کردار انتہائی قابلِ نفرت ہے۔ یہ ہمہ وقت شراب میں دھت رہتا ہے اور رات بھر ایسے مشاغل میں مشغول رہتا ہے جنہیں سرِ عام بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی شخص بھی اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا۔ پھر یہ شخص کس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کا دوست اور صاحبِ نعمت ہو سکتا ہے؟''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات غفور الرحیم ہے۔ رب رحمٰن و رحیم جس پر اپنی نعمت و رحمت کی بارش برسانا چاہیں اور جس پر اپنا کرم فرمانا چاہیں فرما سکتے ہیں۔ تم اطمینان رکھو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ضرور اس کا دل موڑ دیں گے اور ایک وقت آئے گا کہ اس کا شمار نیک لوگوں میں ہوگا۔''

اور پھر ایک دن آپ کے مریدوں نے آپ کو اطلاع دی کہ اس ہندو پنڈت نے تمام برائیوں سے توبہ کر لی۔ اس نے شراب پینا بند کر دی ہے اور رات بھر کی رنگین محفلوں کو ترک کر دیا

ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ ان غلط اعمال کو ناپسند کرنے لگا ہے۔ وہ اکثر خاموش اور گم صُم اپنے خیالوں میں کھویا رہتا ہے۔

اور وہ صبح کس قدر اجلی اور پاکیزہ تھی جب وہی دولت مند ہندو راجپوت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کے قریب آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اسے قریب آنے کی اجازت دے دی۔

ہندو راجپوت نے آتے ہی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے دست بستہ عرض کی:

''یا حضرتؒ! میں حلقہ بگوش اسلام ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے کلمۂ شہادت پڑھا دیجیے۔'' اور پھر اگلے ہی لمحے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اسے کلمۂ شہادت پڑھایا تو وہاں پر موجود آپ کے مریدین نے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس سے گرمجوشی کی اک فرحت بخش فضا قائم ہو گئی۔

ہندو راجپوت کے مسلمان ہونے کی خبر دشمنانِ اسلام پر بجلی بن کر گری جبکہ سرفروشانِ اسلام اس خبر سے ازحد خوش ہوئے۔ بعض مسلمانوں نے اس موقع پر مٹھائی تقسیم کی۔ ہندو راجپوت مسلمان ہوا تو اب وہ ایک عام مسلمان نہیں تھا بلکہ اس نے زہد و عبادت اور تقویٰ و پرہیزگاری کا وہ بے مثل مظاہرہ کیا کہ سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ جو شخص کل تک بے شمار بتوں کی پوجا کرتا تھا۔ شراب پیتا تھا اور رنگین محافل منعقد کرتا تھا آج وہی شخص اس قدر زاہد و عابد بن گیا تھا کہ لوگ اس کی مثالیں دیتے تھے۔ یہ سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کا کرم اور اسی ذات پاک کی ہدایت کا کرشمہ تھا جس کا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے بہت پہلے اعلان کر دیا تھا۔ آپ کی پیش گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔

اور پھر ایک روز رات کے آخری لمحات میں جبکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز تھے تو آپ نے رب رحمٰن و رحیم سے گڑگڑا کر التجا کی۔ ''اے رب العٰلمین! اس ہندو راجپوت کو جو کہ مسلمان ہو کر ہمہ قسم کے گناہوں سے تائب ہو چکا ہے اس کو معرفت کی ارفع منازل عطا فرما۔ اسے صاحب نعمت بنا دے۔ اسے اپنا دوست بنا لے۔ اس پر اپنے کرم کی بارش فرما۔ اسے اپنی رحمت کے سائے میں لے لے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی دعا کو رب ذوالجلال کی بارگاہ میں قبولیت کا شرف حاصل ہوا اور پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہی نومسلم جو کہ ہندو راجپوت تھا آج رب رحمٰن و رحیم کا ولی تھا۔ وہ صاحب نعمت بھی ہوا اور صاحب کرامت بھی۔ اس نے لوگوں کو فیض پہنچانا شروع کیا تو عوام کا اک ہجوم اس کے پاس اُمڈ آیا۔ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا تو مریض شفایاب ہو جاتے۔ وہ ضرورت مندوں کے لیے رب کریم و رحیم کے حضور گڑگڑاتا تو ان کی

ضرورتیں خزانۂ غیب سے پوری ہو جاتیں اور یہ سب کچھ رب رحمٰن و رحیم کی عنایات کی معمولی نشانیاں تھیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک روز اس نومسلم راجپوت کو اپنے پاس بلایا اور اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''یاد رکھو کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات بہت کریم و رحیم ہے۔ رب رحمٰن و رحیم جسے چاہے ہدایت سے نواز دے۔ تمہاری تمام تر تبدیلی رب تعالیٰ جل شانہٗ کے فیض و عنایت کا نتیجہ ہے۔ ہم لوگ تو محض رب تعالیٰ جل شانہٗ سے التجا و دعا کرتے ہیں۔ بخشنے والی وہی ذات ہے۔ کرم کرنے والا وہی ہے۔ جسے چاہے اور جو چاہے نواز دے۔ وہ اپنی حکمتیں خود جانتا ہے۔ وہ اپنے رازوں سے خود واقف ہے۔ اسے بخوبی علم ہے کہ کسے راہِ ہدایت پر لانا ہے اور کس کی کس وقت مدد کرنی ہے۔ میری تم سے یہی توقع ہے کہ ہمیشہ غریبوں کا خیال رکھو۔ حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرنے والی اگرچہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات ہی ہے مگر تم اس کے لیے کوشش ضرور کرو اور رب تعالیٰ جل شانہٗ اپنے بندے کی کسی اچھی کوشش کا صلہ ضرور دیتے ہیں اور اس کی کاوش کو کامیاب و بامراد کرتے ہیں۔ اس دنیا میں سب انسان برابر ہیں۔ تقویٰ کا معیار صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کے فیصلے کا پابند ہے۔ ہم کسی کو گنہگار اور خطا کار یا ولی اللہ کہنے کا استحقاق قطعی طور پر نہیں رکھتے البتہ رب تعالیٰ جل شانہٗ معرفت کے ذریعے علم دے دیں تو اور بات ہے۔ وہ ذات کچھ خبر نہ دے تو انسان کو کچھ پتہ نہیں چل سکتا۔ غرور و تکبر اور فخر انسان کے قاتل ہیں۔ ان سے ہمیشہ دور رہو اور عاجزی و انکساری کو اختیار کرو۔ ابلیس محض غرور ہی کی وجہ سے ملعون ٹھہرا۔ اس لیے کسی کو حقیر اور کمتر مت سمجھو۔ سب کی عزت کرو اور سب کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آؤ۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے فرمودات و ارشادات محض زبانی کلامی یا قولی حد تک محدود نہیں تھے بلکہ آپ اپنے حسنِ عمل اور فعل سے ان باتوں کو اپنے مریدین و ارادت مندوں کے لیے مثال بنا کر پیش کرتے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں کی اس حد تک مدد و امداد کی کہ آپ غریب نوازؒ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

آپ نے تمام زندگی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ بادشاہ و امراء آپ کے ہاں حاضری دیتے تھے مگر آپ نے ان کے نذرانوں کو کبھی قبول نہیں کیا۔ اگر کبھی انہوں نے اصرار کیا تو آپ نے اسی وقت ان کے تحائف اور نذرانوں کو غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے جو کچھ مانگا صرف اور صرف رب رزاق و رازق سے مانگا اور خدائے لم یزل نے خزانۂ غیب سے آپ کو اس قدر عطا کیا کہ روزانہ ایک

بھاری لنگر چلتا تھا جس کے تمام تر اخراجات حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ ہی برداشت کرتے تھے اور یہ راز تمام عمر راز ہی رہا کہ یہ اخراجات کہاں سے آتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ کے مطبخ کے ناظم نے اس راز کو افشاء کرنے کی غلطی کی مگر معاملہ سنبھل گیا اور آپ نے اپنے اس مرید کو ہلکی سی تنبیہ کر کے معاف کر دیا۔

آپ کا لنگر خانہ ہر شخص کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ جو فرد بھی خانقاہ میں آتا تھا چاہے وہ مسافر ہو یا وہاں کا رہائشی ہو اسے کھانا ضرور پیش کیا جاتا تھا۔ اس میں مذہب کی کوئی تمیز نہیں رکھی جاتی تھی۔ عیسائی، ہندو، بدھ مت یا کسی اور مذہب کا شخص بھی آپ کی خانقاہ پر حاضری دیتا تھا تو اسے سب سے پہلے کھانا پیش کیا جاتا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزاج میں ازحد سادگی و انکساری تھی۔ آپ کا لباس اگرچہ دھلا ہوا ہوتا تھا اور صاف ہوتا تھا مگر اس میں جگہ جگہ پیوند لگے ہوتے تھے۔ آپ کے مریدین آپ کے لیے لباس تحفتاً لے آتے تھے مگر آپ خود پہننے کے بجائے اسے فوری طور پر کسی حاجت مند کو دے دیتے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ ہمسایوں کے حقوق کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کے ہمہ قسم کے دکھ سکھ میں کام آتے تھے اور ان کی لحظہ لحظہ خبر گیری رکھتے تھے اگر کسی ہمسائے کا انتقال ہو جاتا تو اس کے جنازہ میں ہر حال میں شرکت فرماتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہمسائے کی تدفین کے بعد دیر تک قبرستان میں اس کی قبر کے پاس رہتے تھے اور جب سب لوگ گھروں کو واپس چلے جاتے تھے تو آپ قبر کے نزدیک ایک چھوٹا سا رومال بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے تھے اور دیر تک اپنے فوت شدہ ہمسائے کی مغفرت اور بخشش کے لیے رب غفور و رحیم کے حضور گڑگڑا کر دعائیں والتجائیں کرتے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سراپا محبت، شفقت اور حلم و مروت تھے۔ آپ کو تمام عمر غصہ کبھی نہیں آیا تھا۔ اگر دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کے بارے سنتے تھے تو چہرے کی رنگت ضرور سرخ ہوتی تھی مگر پھر بھی اس بات کا اظہار برملا نہیں کرتے تھے بلکہ رب ذوالجلال کے حضور مدد و اعانت اور نصرت و استعانت کے لیے دعا و التجا کرنا شروع کر دیتے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ انتہائی گداز قلب اور رقت آمیز طبیعت کے مالک تھے۔ جب بھی عذابِ قبر، عذابِ حشر اور جزا و سزا کی بات ہوتی تھی تو آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ بعض اوقات آپ اس قدر روتے تھے کہ آپ کے رخسار مبارک، ریش مبارک اور حتیٰ کہ دامن تک بھیگ جاتے تھے۔ اسی طرح جب سرورِ کائنات نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہوتا تھا تو عشق رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کی آنکھیں نم آلود ہو جاتی تھیں۔ آپ نعت سننے کے ازحد مشتاق تھے۔ تقاضا کر کے اشتیاق اور ذوق و

شوق کے ساتھ نعت سنتے تھے اور جتنی دیر تک نعت جاری رہتی تھی آپ روتے رہتے تھے کیونکہ۔

وہ دانائے سبلؐ، ختم الرسلؐ، مولائے کلؐ، جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادئ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کرامات کے ساتھ ساتھ کشف میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ایک دن آپ کا ایک مرید آپ کے پاس حاضر ہوا۔ وہ مسلسل روئے جا رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ ”تمہیں کیا تکلیف پہنچی ہے اور کس نے پہنچائی ہے جس کی وجہ سے تم بے حد دکھی ہو؟“ اس نے بتایا۔ ”حاکم شہر مجھ سے بلا وجہ ناراض ہو گیا ہے اور اس نے مجھے شہر سے نکل جانے کا حکم دیا ہے۔ اب میں اپنے شہر سے نکل کر یہاں آپ کے شہر میں آیا ہوں مگر میری بیوی اور میرے بچے اسی شہر میں ہیں۔ میں سخت پریشان ہوں۔ اپنے بچوں اور بیوی سے جدا ہوں۔ خدا معلوم وہ کس حال میں ہوں گے۔ آپ میرے لیے دعا کیجیے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ میری مشکل آسان فرمائیں۔“

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے کہا۔ ”یہ حقیقت ہے کہ میں تمہارے شہر کے حاکم کو قطعی طور پر نہیں جانتا اور نہ ہی مجھے اس بات کا علم ہے کہ اس کی تمہارے ساتھ کیا دشمنی ہے اور اس نے تمہیں کس وجہ سے سزا دی ہے۔ تاہم میں اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ وہ فوت ہو چکا ہے۔ تم بلا خوف و خطر اپنے شہر جاؤ۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔“ چنانچہ وہ شخص جب اپنے شہر پہنچا تو جو بات حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کشف کے ذریعے اسے بتائی تھی وہ بالکل صحیح تھی اور وہ حاکم شہر واقعی فوت ہو چکا تھا۔

اور پھر وہ وقت قریب آ پہنچا جس کے لیے ارشادِ ربانی ہے کہ کل نفس ذائقۃ الموت یعنی ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تمام تر زندگی انتہائی خوش اسلوبی اور حُسن عمل سے گزاری اور بالآخر 6 رجب 633 ہجری کا سورج جب طلوع ہوا تو اس دن حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے چہرۂ مبارک کی کیفیت کچھ الگ سی تھی۔ اس دن آپ نے اگرچہ حسبِ معمول تمام نمازیں با جماعت ادا کیں مگر لوگوں نے محسوس کیا کہ ہر نماز کے بعد دعا میں آپ معمول سے کچھ زیادہ ہی روتے رہے۔ آپ نے اس روز اپنے درس میں بھی موت و حیات اور حیات بعد از موت کے فلسفہ پر انتہائی سہل اور آسان زبان میں روشنی ڈالی اور اعمال و افعال کی سزا و جزا کے بارے میں تفصیلی تذکرہ کیا۔

جب اس روز کا سورج غروب ہوا تو آپ نے حسبِ معمول مغرب اور پھر عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں۔ پھر آپ اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

اس رات آپ کے ذکر میں اک خاص سوز و گداز اور آواز میں اک نمایاں رقت تھی۔ آپ مسلسل رو رہے تھے اور ایسی آہ وزاری کر رہے تھے کہ اس کی آواز باہر تک صاف اور واضح آ رہی تھی۔ مریدین اور ارادت مند اکٹھے ہو گئے۔ وہ بھی تمام رات جاگتے رہے اور ذکرِ الٰہی کے ساتھ ساتھ آنسو بہاتے رہے۔

اور جب صبح ہوئی تو موذن نے نمازِ فجر کے لیے اذان دی۔ اس وقت اذان کی آواز کے ساتھ ہی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی آہ وفغاں بھی بند ہو گئی۔ آپ کے عقیدت مندوں اور مریدین نے یہی سمجھا کہ ابھی تھوڑی ہی دیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے باہر تشریف لائیں گے مگر کافی انتظار کے بعد جب آپ تشریف نہ لائے تو آپ کے ارادت مندوں اور خدامِ خاص کو تشویش لاحق ہوئی اور بالآخر یہی فیصلہ کیا گیا کہ آپ کے حجرے کا دروازہ توڑ دیا جائے کیونکہ اب نمازِ فجر ہو چکی تھی اور سورج پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہو چکا تھا۔ جب دروازہ توڑا گیا تو اک مخصوص قسم کی عطر بیز اور منزہ فضا نے سب کو متاثر کیا اور جب لوگ آپ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ آپ انتہائی سکون کے ساتھ لیٹے ہوئے ہیں جبکہ آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔

ہر گز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

☆======☆======☆

حضرت جنید بغدادیؒ

التجاؤں میں رقت تو دعاؤں میں قبولیت...... ''سید الطائفہ'' آپؒ کا لقب تو ''ابوالقاسم'' آپؒ کی کنیت...... تاریخ پیدائش 215 ہجری اختلافی تو تاریخ وفات 302 ہجری اتفاقی...... تصوف کے رموز و نکات سکھانے والے حضرت حارث محاسبیؒ تو خرقۂ خلافت پہنانے والے حضرت سری سقطیؒ...... درویشانہ آن بان تو عارفانہ عظمت و شان...... اپنا نام جنید بغدادیؒ تو دادا کا نام جنید قواریریؒ...... فقہ کی تعلیم حاصل کی حضرت ابوثورؒ سے اور پڑھے قرآن و حدیث بڑے فکر و غور سے...... ارادتاً کبھی نہ ظاہر کی کوئی کرامت مگر خدا کا فضل ایسا کہ پوری ہوئی ہر سوالی کی حاجت...... بقول حضرت علامہ اقبالؒ۔

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کارآفریں کارکشا و کارساز

اور پھر اچانک آگ بھڑک اٹھی۔ تیز ہوا نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ یہ ایک پُر رونق بازار تھا جس کے چاروں جانب دکانیں ہی دکانیں تھیں۔ شام ڈھل چکی تھی اکثر دکاندار دکانیں بند کر کے اپنے اپنے گھروں کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔ وہاں پر اگرچہ چند دکانیں ابھی تک کھلی تھیں مگر بازار میں خریدار نہ ہونے کے برابر تھے۔ موقع پر موجود چند راہ گیروں اور چند دکانداروں نے چیخ وپکار بھی کی اور حتی الوسع آگ بجھانے کی کوشش بھی کی مگر آگ کا غصہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری دکان آگ کی لپیٹ میں آگئی اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا، پورا بازار جل کر کوئلہ ہو گیا۔ دکانیں کیا جلیں ان کا تمام تر سامان بھی جل کر راکھ ہو گیا۔

اسی اثنا میں دکانداروں کو گھروں پر اطلاع ہوئی تو وہ بھاگے دوڑے ہوئے آئے مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ سب دکاندار ہاتھ مل کر رہ گئے۔ کچھ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ کچھ سینہ کوبی کر رہے تھے۔ کچھ چیخ چلا رہے تھے۔ کچھ قدرت کی ستم ظریفی کی گردان کر رہے تھے۔ کچھ واضح طور پر رب ذوالجلال سے شکوہ کر رہے تھے۔ ہر دکاندار پریشان، بے حال وبدحال تھا کہ اب اس کے گھر کا چولہا کیسے جلے گا۔ نئی دکان تعمیر کرنا، پھر سے اس میں سامان ڈالنا جُوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ آنسوؤں کا ایک بے روک طوفان تھا جو ہر دکاندار کی آنکھوں سے امڈا چلا آ رہا تھا۔ کچھ دکاندار ایسے بھی تھے جنہوں نے چند روز پیشتر ہی نیا نیا کاروبار کیا تھا۔ وہ سب سے زیادہ پریشان تھے۔ کچھ دکاندار مقروض بھی تھے انہیں یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ ان کا قرض کیسے اُترے گا اور مستقبل کا فرض کیسے ادا ہو گا۔ سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے مگر کسی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کا حل کیا ہے۔

ان دکانداروں میں ایک دکاندار ایسا بھی تھا جو ابھی تک جائے وقوعہ پر نہیں پہنچا تھا۔ وہ گھر پر ہی تھا۔ تاہم ایک شخص دوڑا ہوا گیا اور اسے اطلاع دی کہ اس کی دکان جل گئی ہے۔ جیسے ہی اس نے دکان جلنے کی اطلاع پائی تو اس نے انتہائی صبر وسکون کے ساتھ صرف اتنا کہا۔ ”رب رحمٰن ورحیم کا

شکر ہے کہ اب میں دکان اور مال کی قید سے آزاد ہو چکا ہوں۔“

اطلاع دینے والے نے اس سے کہا کہ میرے ساتھ چلئے اور جا کر اپنی دکان کی حالت تو دیکھیئے اس نے کہا۔ ”اس کی کیا ضرورت ہے۔ رب تعالیٰ کی چیز تھی اس نے لے لی۔ وہ بڑا رحیم وکریم ہے پھر چاہے گا تو دے دے گا۔“ مگر اطلاع دینے والے کی ضد پر اس کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑی دیر میں بازار میں پہنچے۔ لوگوں کا ایک جم غفیر ہو چکا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک دکاندار اب آ رہا ہے تو وہ سب اسے لے کر اس کی دکان پر گئے تاکہ اسے جلی ہوئی دکان دکھا سکیں۔ مگر جیسے ہی وہ سب وہاں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ اس کی دکان بالکل محفوظ تھی۔ نہ دکان جلی تھی اور نہ سامان جلا تھا حالانکہ سارا بازار جل کر راکھ ہو چکا تھا مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

دکان کے مالک نے رب تعالیٰ کا یہ فضل وکرم اور لطف وعنایت دیکھی تو اس قدر خوشی ومسرت ہوئی کہ اس نے اسی لمحے دکان کا سارا سامان فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا اور خود درویشی وفقر کا راستہ اپنا لیا۔ یہ وہی دکاندار تھے جو بعد میں مشہور ولی اللہ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کہلائے۔ یہ وہی مردِ قلندر تھے جو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے ماموں بھی تھے اور استاد بھی۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ابھی کم سن ہی تھے کہ آپ کے والد محترم انتقال فرما گئے چنانچہ آپ کے ماموں حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ آپ کو اپنے گھر لے گئے اور آپ کی پرورش بھی کی اور تربیت بھی۔

☆======☆======☆

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم فقہ اور حدیث کے ساتھ ساتھ قرآن پاک اپنے ماموں حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ حضرت سری سقطیؒ انتہائی زاہد وعابد تھے اور توحید کا پیغام تصوف کے ذریعے عام کرنے میں مشہور تھے۔ آپ اپنے دور کے ممتاز ترین عالم دین اور صوفی تھے۔ آپ نے اپنے بھانجے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت انتہائی دلچسپی اور ذوق وشوق سے کی اور ہمہ قسم کے دینی مسائل وتعلیمات سے آگاہ کیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ بتاتے ہیں۔ ”میں نے اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ جیسا عبادت گزار، متقی اور صاحب علم اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ اپنی تمام عمر میں وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ سونا اور آرام کرنا کسے کہتے ہیں۔ اس کیفیت سے وہ قطعی ناواقف تھے۔ ان کا لمحہ لمحہ یاد الٰہی اور لحظہ لحظہ خوف خدا اور ذکر وفکر میں گزرتا تھا۔ خاص طور پر غذا کے بارے میں انتہائی محتاط تھے۔ صرف اتنا ہی کھاتے تھے کہ جس سے جسم وروح کا رشتہ برقرار رہ سکے۔“

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ پر اپنے ماموں کی شخصیت وتربیت کا رنگ ایسا چڑھا کہ آپ ان سے بھی زیادہ عابد وزاہد اور متقی ہونے کے ساتھ ساتھ عالم وفاضل بن کر ابھرے۔ آپ معرفت کے اس مقام پر پہنچ گئے تھے کہ آپ کے استاد اور ماموں حضرت سری سقطیؒ بھی بعض مسائل

میں آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور آپ کی رائے کو اپنی رائے سے بہتر قرار دیتے تھے۔

کسی شخص نے ایک مرتبہ حضرت سری سقطیؒ سے سوال کیا۔ ''یا حضرت! یہ فرمایئے کہ کیا کبھی مرید کا درجہ مرشد سے بھی بلند ہو جاتا ہے؟'' حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا۔ ''بے شک ایسا ہو سکتا ہے کہ مرید اپنی عادت، اور لیاقت کی بنا پر اپنے مرشد سے بھی آگے نکل جاتا ہے کیونکہ رب تعالیٰ کے نزدیک بلندی کا معیار تقویٰ ہے۔'' اس شخص نے پوچھا۔ ''یا حضرت! اس کی کوئی مثال بھی آپ بتا سکتے ہیں؟'' حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ نے کہا۔ ''کیوں نہیں۔ دور نہ جایئے خود میرا بھانجا جنید بغدادی اگرچہ میرا مرید ہے لیکن مراتب میں مجھ سے زیادہ ہے اور سب کچھ اس نے اپنی محنت اور مشقت سے حاصل کیا ہے۔ میں نے تو صرف اسے راستہ دکھایا اور سمجھایا ہے مگر اس نے اپنے عمل سے اعلیٰ درجہ حاصل کر لیا ہے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو رب تعالیٰ نے بچپن ہی سے ذہانت وفطانت عطا کی تھی۔ آپ اکثر اوقات ایسی باتیں کہہ جاتے تھے کہ جو بڑوں کی زبان پر بھی نہیں آسکتی تھیں۔ آپ دلیل دینے کے ماہر تھے۔ ہر بات جواز کے ساتھ کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ آپ کے والد محترم انتہائی افسردہ اور غم زدہ ہیں اور اس قدر دکھی ہیں کہ آنسو ان کی آنکھوں میں تیر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے والد محترم کو اس قدر دکھی دیکھا تو پوچھا۔ ''ابا جان! آج آپ اس قدر غمگین کیوں ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟'' والد نے کہا۔ ''جانِ پدر! دراصل بات یہ ہے کہ آج میں نے تمہارے ماموں حضرت سری سقطیؒ کو مال زکوٰۃ میں سے کچھ درہم بھیجے تھے جو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور آج مجھے احساس ہوا کہ میں نے اپنی زندگی ایسے مال کے حصول میں گنوادی جسے رب تعالیٰ کے دوست لینا پسند نہیں کرتے پھر اس مال کا کیا فائدہ؟''

اس وقت حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بمشکل چھ سال تھی۔ آپ نے اپنے والد محترم سے کہا۔ ''ابا جان! رقم مجھے دیجئے میں جا کر اپنے ماموں جان کو پیش کرتا ہوں اور دریافت کرتا ہوں کہ آخر وہ یہ رقم لینے سے کیوں انکاری ہیں۔'' آپ کے والد محترم نے وہ رقم آپ کے حوالے کر دی۔

حضرت جنید بغدادی وہ رقم لے کر اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے گھر پہنچے۔ آپ نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آپ کے ماموں نے پوچھا۔ ''دروازے پر کون ہے؟'' آپ نے کہا۔ ''میں جنید ہوں اور زکوٰۃ کی رقم لے کر آیا ہوں تاکہ آپ اسے قبول فرمائیں۔'' حضرت سری سقطیؒ نے دروازہ کھولے بغیر اندر ہی سے جواب دیا۔ ''بھانجے جنید! رب تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور بلند مراتب عطا فرمائے۔ میں یہ رقم نہیں لے سکتا۔ یہ کسی اور مستحق کو دے دو۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کم سنی کے باوجود ایسا خوبصورت جواب دیا جو آپ کی ذہانت وفطانت کا واضح ثبوت ہے۔ آپ نے کہا۔ ''ماموں جان! قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کے اوپر فضل اور میرے والد کے ساتھ عدل کیا ہے۔ اب آپ کو مکمل اختیار ہے کہ رقم قبول کریں یا واپس کر دیں کیونکہ میرے والد محترم کے لیے جو حکم تھا کہ زکوٰۃ حق دار کو پیش کر دو انہوں نے وہ پورا کر دیا۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بے مثل ذہانت وفطانت کا مظاہرہ اس وقت بھی کیا جب آپ کے ماموں حضرت سری سقطیؒ آپ کو اپنے ہمراہ مکہ معظمہ لے گئے۔ آپ دونوں وہاں ایک درس گاہ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں چار علماء کرام میں شکر کے مسئلہ پر بحث جاری تھی۔ ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں شکر کا مفہوم ومطلب بیان کر رہا تھا۔ حضرت سری سقطیؒ اپنے بھانجے کے ساتھ اس تمام بحث کو غور سے سنتے رہے۔ جب چاروں علماء اپنی اپنی رائے دے چکے تو سری سقطیؒ نے ان سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو شکر کی تعریف کی بحث میں ہم بھی اپنی رائے کا اظہار کریں؟ انہوں نے کہا، آپ کو مکمل اجازت ہے۔ اس پر حضرت سری سقطیؒ نے حضرت جنید بغدادیؒ سے کہا۔ ''بیٹا! تم شکر کا مفہوم بتاؤ اور اپنی رائے سے ہمیں آگاہ کرو۔'' چاروں علماء کرام حیران ہوئے کہ ایک چھوٹا سا بچہ کس طرح اس علمی بحث میں اپنی رائے دے سکے گا۔ انہوں نے پوچھا اس بچے کی عمر کیا ہے؟۔ حضرت سری سقطیؒ نے بتایا صرف سات سال۔ انہوں نے کہا۔ ''جناب! آپ نے رائے دینی ہو تو دیجئے یہ بچہ کیا بولے گا!'' حضرت سری سقطیؒ نے کہا۔ ''اسے بولنے کی اجازت تو دیجئے پھر فیصلہ کیجئے گا کہ یہ بچہ ہے یا بڑوں جیسی باتیں کرتا ہے۔''

ان علماء نے بالآخر حضرت جنید بغدادیؒ کو اپنی رائے کا اظہار کرنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے فرمایا۔ ''شکر کی تعریف یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ نعمت عطا کرے تو اس نعمت کی وجہ سے نعمت دینے والے کی نافرمانی کبھی نہ کی جائے۔'' شکر کی یہ تعریف اس قدر جامع اور بہترین تھی کہ سب عش عش کر اٹھے اور سب نے یک زبان ہو کہا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر بڑا عالم بنے گا۔

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے ماموں اور مرشد حضرت سری سقطیؒ کے پاس چونکہ ہر وقت موجود رہتے تھے اس لیے آپ ان کی مجلس کی ہر بات غور سے سنتے تھے اور بعض اوقات اس میں حصہ بھی لیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سری سقطیؒ کے پاس ایک نوجوان آیا۔ وہ زار وقطار رو رہا تھا۔ حضرت سری سقطیؒ نے اس سے پوچھا۔ ''تم اس قدر کیوں رو رہے ہو؟ کیا تمہیں کسی نے دکھ پہنچایا ہے؟ کیا کسی نے تمہارے ساتھ ناانصافی کی ہے؟'' اس نوجوان نے کہا۔ ''میرے ساتھ کسی اور نے کوئی ناانصافی یا ظلم نہیں کیا بلکہ میں نے اپنی جان پر خود ظلم کیا ہے۔'' حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا۔ ''تم نے آخر کیا کیا ہے؟''

اس نوجوان نے کہا۔'' اس کی تفصیل نہ پوچھئے۔ بس میں اتنا کہتا ہوں کہ مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔ اب مجھے ایک پل چین نصیب نہیں۔ میں سخت پچھتاوے میں ہوں۔ میں نے رب تعالیٰ سے کئی بار معافی مانگی ہے۔ میں اب بھی رب تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔ میں روتا ہوں۔ گڑگڑاتا ہوں۔ منت زاری کرتا ہوں لیکن کسی طور بھی میرا دل مطمئن نہیں ہوتا۔ یہ رب تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میری توبہ قبول ہوئی بھی یا نہیں۔ آپ مجھے توبہ کی حقیقت سے آگاہ کیجئے تاکہ میرے دل کو قرار آئے۔''

حضرت سری سقطیؒ نے اس نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔'' تمہارے نزدیک توبہ کا کیا مطلب ہے؟'' اس نوجوان نے کہا۔'' میرے نزدیک توبہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے گناہوں کو بھلا دے اور دوبارہ نہ کرنے کا وعدہ کرے۔''

حضرت سری سقطیؒ نے کہا۔'' اے نوجوان! توبہ کا یہ مطلب تو نہیں کہ تُو اپنے گناہ ہی بھول جائے۔'' اس پر وہ نوجوان پھر دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ اس کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ وہ کافی دیر تک ہچکیاں لے لے کر روتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔'' یا حضرت! اس کا تو یہ مطلب ہے کہ میرا اس دلدل سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے حالانکہ میں نے تو توبہ کا مطلب یہ سنا ہے کہ آدمی اپنے گناہ بھلا دے۔''

حضرت سری سقطیؒ کے ساتھ اس نوجوان کی گفتگو کے وقت حسبِ معمول حضرت جنید بغدادیؒ بھی موجود تھے۔ آپ پوری توجہ کے ساتھ اپنے مرشد اور اس نوجوان کی گفتگو سن رہے تھے۔ آپ نے اپنے ماموں اور مرشد حضرت سری سقطیؒ سے پوچھا۔'' یا حضرت! کیا مجھے اجازت ہے کہ میں بھی اس بارے میں کچھ عرض کروں؟'' حضرت سری سقطیؒ نے کہا۔'' کیوں نہیں۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو پوری خوشی اور آزادی کے ساتھ کہو۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔'' اے نوجوان! تُو نے توبہ کے بارے میں جو کچھ بھی سنا ہے وہ سچ ہے۔ توبہ کا مطلب ہی یہی ہے کہ انسان اپنے گناہ بھلا دے۔'' حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ بات سن کر حضرت سری سقطیؒ قدرے ناراض ہوئے اور ان کی یہ ناراضگی ان کے چہرے سے ظاہر ہوئی مگر منہ سے انہوں نے کچھ نہیں کہا۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ ان کے مرشد حضرت سری سقطیؒ نے ان کی اس بات کو پسند نہیں کیا۔ تاہم انہوں نے اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ سے مخاطب ہو کر کہا۔'' یا حضرت! میں خیال کرتا ہوں کہ اگر ایک انسان کا اس کے کسی عمل کی وجہ سے رب تعالیٰ جل شانہٗ سے تعلق خراب ہو جائے تاہم اگر وہ توبہ اور استغفار کے ذریعے اپنے رب تعالیٰ کو منا لے اور اس کا دل مطمئن ہو جائے تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ اس کا تعلق رب تعالیٰ سے دوبارہ قائم ہو گیا ہے۔ پھر

اس صورت میں پرانے خیال کو بھلا دینا ہی بہتر ہے۔ جب وہ گناہ کرنا ہی نہیں کہ جس کی وجہ سے رب تعالیٰ سے تعلق خراب ہوا تھا تو پھر اس کا بھلا دینا میرے خیال میں اچھا ہے۔'' حضرت سری سقطیؒ نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ وضاحت سنی تو آپ نے برملا کہا۔'' بیٹا! تُو نے بالکل سچ کہا۔ رب تعالیٰ تجھے اور ذہانت سے نوازے!''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی بے مثل ذہانت و فطانت کی ایک اور مثال اس طرح ہے کہ ایک روز حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ عبادت و ریاضت کے بعد اپنے مرشد و استاد حضرت سری سقطیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ استاد نے سلام کا جواب دیا۔ اتنے میں حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک شخص وہاں بے ہوش پڑا ہے اور حضرت سری سقطیؒ اس شخص کے قریب بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ حیران و پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ یہ منظر دیکھ کر اور اپنے مرشد کو پریشان دیکھ کر فکرمند ہو گئے۔ آپ دوڑے ہوئے حضرت سری سقطیؒ کے پاس گئے اور عرض کی۔'' یا حضرت کیا بات ہے؟ آپ اس قدر حیران کیوں دکھائی دے رہے ہیں اور یہ کہ اس شخص کو کیا ہوا ہے کہ جس کے قریب آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آخر یہ اپنے ہوش و حواس کیوں کھو بیٹھا ہے؟''

حضرت سری سقطیؒ نے کہا۔'' بیٹا جنید! اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں قرآن پاک کی تلاوت بہ آواز بلند کروں۔ میں نے اس کے سامنے صرف ایک آیت کی تلاوت کی تھی کہ یہ اسے سنتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ اب مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ اسے دوبارہ ہوش میں کیسے لاؤں۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔'' یا حضرت! یہ تو بالکل آسان سا مسئلہ ہے اور اس کا حل بھی انتہائی آسان ہے۔'' حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا۔'' بیٹا وہ حل کیا ہے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ یہ شخص جلد سے جلد ہوش میں آجائے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔'' یا حضرت! آپ وہی آیت دوبارہ تلاوت فرما دیجئے۔ یہ شخص اسی وقت ہوش میں آجائے گا۔''

حضرت سری سقطیؒ نے اپنے بھانجے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف دیکھا ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر بلند آواز کے ساتھ وہی آیت تلاوت فرما دی جس کی وجہ سے وہ شخص بے ہوش ہوا تھا۔ آیت کا تلاوت کرنا تھا کہ وہ شخص ہوش میں آ گیا۔

حضرت سری سقطیؒ کو یہ صورتِ حال دیکھ کر سخت حیرانی اور تعجب ہوا تاہم آپ اس شخص کی موجودگی میں خاموش رہے۔ وہ شخص کچھ دیر ٹھہرا۔ اس کے بعد وہ اجازت لے کر چلا گیا۔

اس شخص کے جانے کے بعد حضرت سری سقطیؒ نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔'' مجھے یہ تو بتاؤ کہ تمہیں یہ تدبیر کیسے معلوم ہوئی کہ وہی آیت تلاوت کرنے سے وہ شخص ہوش

میں آجائے گا کہ جس کی تلاوت سے وہ بے ہوش ہوا تھا؟''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی ادب کے ساتھ عرض کی۔'' یا حضرت حضرت یوسف علیہ السلام کے لباس مبارک سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی چلی گئی تھی اور پھر اسی قمیض سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کی روشنی واپس آگئی تھی۔ پس میں نے اسی دلیل کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ سے کہا کہ اسی آیت کی تلاوت فرمائیں اور پھر آپ نے بخوبی دیکھ لیا کہ واقعی وہ شخص ہوش میں آگیا۔'' حضرت سری سقطیؒ کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دلیل ازحد پسند آئی اور آپ نے اپنے بھانجے کی ذہانت وفطانت کی تعریف کی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ خطابت کے ماہر تھے مگر اپنے پیر و مرشد اور استاد محترم حضرت سری سقطیؒ کی موجودگی میں تقریر کرنے سے گریز فرماتے تھے۔ آپ نے سوچ رکھا تھا کہ جب تک حضرت سری سقطیؒ زندہ ہیں آپ وعظ کی مسند پر نہیں بیٹھیں گے۔ اکثر لوگ تقاضا کرتے تھے کہ یا حضرت! آپ اپنے خطاب سے ہمیں نوازیئے۔ مگر آپ ہمیشہ انہیں یہی جواب دیتے کہ میرے استاد و مرشد مجھ سے بہتر وعظ فرماتے ہیں اس لیے وہی میری جگہ بھی وعظ کو جاری و ساری رکھیں گے۔

ایک رات حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ عبادت و ریاضت کر رہے تھے کہ آپ کو نیند آگئی۔ خواب میں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔'' اے جنید! لوگوں کو کچھ بتاؤ اس لیے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے تمہیں خطابت کی نعمت سے نوازا ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے تمہاری زبان کو مخلوق کی نجات کا ذریعہ بنایا ہے اس لیے لوگوں کو نیکی کا راستہ بتاؤ اور انہیں وعظ اور نصیحت کرو۔''

جب صبح ہوئی تو حضرت سری سقطیؒ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو پیغام بھیجا کہ جب تمہیں کہا جاتا تھا کہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کرو تو تم وعظ ونصیحت نہیں کرتے تھے لیکن اب جبکہ سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے تو پھر وعظ ونصیحت فوری شروع کر دو اور محبوب رب العالمین حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرو۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حیران ہوئے کہ حضرت سری سقطیؒ کو ان کے خواب کا علم کیسے ہو گیا۔ آپ دوڑے ہوئے اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے پاس پہنچے اور پوچھا۔'' یا حضرت! آپ نے میرے خواب کی تفصیل کیسے معلوم کی؟ میں نے تو ابھی تک یہ خواب کسی کو نہیں بتایا۔'' حضرت سری سقطیؒ نے کہا۔'' میں نے بھی اپنے خواب کے ذریعے تمہارے خواب کی کیفیت معلوم کی، مجھے خواب کے ذریعے پتہ چلا کہ تمہیں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کرو۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اسی دن جامع مسجد میں حاضر ہوئے۔ جب سب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے نمازیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔'' اے اہل ایمان! میں آپ لوگوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ نیکی کی چند باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ فلاح کے چند کلمے آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے جب لوگوں نے یہ اعلان سنا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا۔'' یا حضرت! ہم تو ایک عرصے سے آپ سے درخواست کر رہے تھے کہ آپ وعظ ونصیحت شروع فرمائیں۔ ہم تو کافی مدت سے آپ کی باتیں سننے کے لیے تیار ہیں مگر آپ کچھ بیان ہی نہیں کرتے۔ آپ یہی کہہ دیتے ہیں کہ اپنے پیر و مرشد کی موجودگی میں آپ نہیں بولیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کی گفتگو بڑی اثر والی ہوگی۔ اس سے بہت سے سوئے ہوئے ذہن جاگ جائیں گے اور بہت سے مُردہ دل زندہ ہو جائیں گے۔ آپ اپنا خطاب شروع کیجئے۔ ہم پوری توجہ کے ساتھ سننے کے لیے تیار ہیں۔''

اب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا خطاب شروع کیا۔ سب سے پہلے آپ نے رب تعالیٰ کی حمد بیان کی۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی۔ اس کے بعد خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کی اور عقیدت کا اظہار کیا۔ پھر آپ نے فقر کے موضوع پر اس قدر پُر اثر تقریر کی کہ لوگ جذبات میں آگئے۔ بعض لوگ رو رہے تھے۔ بعض مسجد کے فرش پر تڑپنے لگے۔ جن لوگوں کو بعد میں پتہ چلا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد میں خطاب فرما رہے ہیں تو وہ بھی دوڑے ہوئے آئے اور لوگوں کا ایک بہت بڑا اجتماع انتہائی توجہ کے ساتھ آپ کا خطاب سن رہا تھا۔ اس کے بعد آپ نے توحید پر تقریر کی۔ آپ کی تقریر کا ایک ایک لفظ دل نشین تھا اور معنوں سے لبریز تھا۔ یوں آپ نے روزانہ خطاب کرنا شروع کر دیا جسے دور دور سے لوگ سننے کے لیے آتے تھے۔

وہ حسن و جمال میں بے مثال تھی۔ گفتار و اخلاق میں باکمال تھی۔ تہذیب و شائستگی میں لاجواب تھی گویا لاکھوں میں مہتاب تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خلیفہ وقت کا انتخاب تھی۔ خلیفہ نے اسے اس لیے منتخب کیا تھا کہ اسے ایک ولی کامل، مردِ عامل کے امتحان و آزمائش کے لیے بھیجا جائے کیونکہ اس مرد باصفا کے حاسدین و مخالفین نے اس مردِ قلندر کی عوام میں بڑھتی ہوئی مقبولیت کو خلیفہ کے لیے خطرہ قرار دیا تھا اور اسے خبردار کیا تھا کہ اگر یہی صورتِ حال رہی تو عوام الناس خلیفہ کو بھول جائیں گے اور اس مردِ مومن کو بے تاج بادشاہی مل جائے گی۔

خلیفہ کی طرف سے مقرر کردہ حسین و جمیل خاتون نے بہترین لباس زیب تن کیا۔ قیمتی زیورات آراستہ کیے اور مردِ قلندر کے حجرے کی جانب چل دی۔ اس کو سکھایا گیا تھا کہ وہ جاتے ہی

بے نقاب ہو کر صاحبِ کردار کے قدموں میں اپنا سرِ نیاز رکھ دے اور پھر ان سے کہے۔ "عالی جاہ! میرے پاس مال و دولت کی کمی نہیں۔ رب قادر قدیر نے بہت کچھ دیا ہے مگر اس کے باوجود میرا دل دنیا سے بے زار ہے۔ سکونِ قلب نہیں ہے اس لیے اب میں آپ کی ادنیٰ کنیز بن کر رہنا چاہتی ہوں۔ ازراہِ کرم مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دیجئے۔"

اسے ہدایت کی گئی تھی کہ جب وہ مردِ قلندر اسے اپنی کنیز بنا لے تو پھر وہ خلیفہ کے بتائے ہوئے خاص منصوبے پر عمل درآمد شروع کرے۔ چنانچہ وہ حسین و جمیل خاتون بن ٹھن کر خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں ایک شاہی خدمتگار کے ہمراہ مردِ مومن کے حجرے پر پہنچی۔ خدمت گار باہر ٹھہر گیا۔

وہ دبے پاؤں حجرے کے اندر داخل ہوئی۔ منہ سے نقاب اتار کر اس نے دیکھا کہ مردِ فقیر یادِ الٰہی میں مشغول ہے۔ اس خاتون نے جب یہ دیکھا کہ مردِ قلندر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تو اس نے ہلکا سا کھنکا کیا۔

مردِ مومن نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کون شخص حجرے میں داخل ہوا ہے اپنی نگاہیں اوپر اٹھائیں تو فوراً ہی ایک نوخیز مہ جبیں، حسنِ بے مثال کو دیکھ کر سر جھکا لیا اور نظریں نیچی کر لیں اور آنکھیں بند کر لیں۔

اس کنیز نے حسبِ ہدایت انتہائی شائستگی، متانت اور تہذیب کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا۔ وہ گفتگو کرتی رہی اور مردِ قلندر سنتے رہے مگر جب اپنے عشق کا حال کہنا شروع کیا تو اس مردِ قلندر، وقت کے سکندر حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے سر اٹھایا اور زبانِ مبارک سے دو مرتبہ "آہ آہ" فرمایا جس سے خلیفہ کی بھیجی ہوئی کنیز زمین پر ایسی گری کہ پھر نہ اٹھ سکی کیونکہ اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

جب خلیفہ کو اس کی بھیجی ہوئی کنیز کے انجام کے بارے میں علم ہوا تو وہ دوڑا ہوا حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچا اور شکایت کے انداز میں بولا۔ "آپ نے اپنی عبادت و ریاضت کے جوش میں آ کر میری کنیز کو جلا کر راکھ کر دیا۔ کیا یہ آپ نے اچھا کیا؟" حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "اے خلیفہ! رب تعالیٰ کی رضا اسی میں تھی۔ جو رب تعالیٰ کے عتاب میں آ جائے وہ بھلا کہاں بچ سکتا ہے۔"

خلیفہ نے کہا۔ "رب تعالیٰ تو غفور و رحیم ہے۔ معاف کر دینے والا ہے۔"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "خلیفہ! یہ بھی رب تعالیٰ کا رحم ہی ہے کہ میں نگاہیں نیچی کیے تم جیسے ظالم شخص سے مخاطب ہوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم اپنے ظلم کدے میں واپس

لوٹ جاؤ جو ابھی تک راکھ کا ڈھیر ہونے سے بچا ہوا ہے۔" خلیفہ یہ بات سن کر کانپنے لگا اور لرزتے ہوئے قدموں سے واپس لوٹ گیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے وعظ کی شہرت دور دور تک پھیلی تو ہر خاص و عام آپ کے خطاب میں شرکت کرنے لگا۔ لوگ میلوں کا سفر طے کر کے محض اس لیے آتے کہ آپ کی وعظ و نصیحت کی مجلس میں شرکت کر سکیں۔ آپ کی عبادت و خطابت کو دیکھتے ہوئے لوگوں نے آپ کو "شیخ زمانہ" کا لقب دیا جو بہت مشہور ہوا اور زبان زد عام ہوا۔ کچھ علماء کرام نے آپ کو "سید الطائفہ" اور "طاؤس العلماء" جیسے القابات بھی دیئے مگر آپ ہمیشہ ان القابات سے گھبراتے تھے اور لوگوں کو یہ القابات استعمال کرنے سے منع فرماتے تھے۔

ایک دن ایک عیسائی نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا۔ "لوگ آپ کو شیخ زمانہ کہتے ہیں۔" حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "یہ لوگوں کی محبت ہے۔ اگر تم یہی بات کہنے کے لیے میرے پاس آئے ہو تو اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ میں رب تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ شیخ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔ میرے جیسا آدمی شیخ نہیں ہو سکتا۔ میں شیخ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔"

اس عیسائی نوجوان نے کہا۔ "دراصل میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول و فرمان کی تشریح معلوم کر سکوں کہ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ مومن کی فراست یعنی دانائی سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔"

عیسائی نوجوان کی یہ بات سن کر حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے سر جھکا لیا۔ چند لمحوں کے بعد آپ نے سر اٹھایا اور عیسائی نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اس کا مطلب، اس کا مفہوم اور اس حدیث کی تشریح صرف اور صرف یہی ہے کہ تم اب مسلمان ہو جاؤ اور اسلام لے آؤ۔"

جیسے ہی حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس عیسائی نوجوان سے یہ بات کی تو وہ فوراً حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر ایمان لے آیا۔ رب کائنات کی وحدانیت اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

اس مجلس میں موجود تمام لوگ حیران تھے کہ یہ سب کچھ کیا ہوا ہے۔ عیسائی نوجوان نے سوال کچھ کیا تھا اسے اس کے سوال کا جواب کچھ اور ملا وہ ازحد مطمئن ہو گیا اور اسلام بھی لے آیا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

ان لوگوں نے اس نوجوان سے پوچھا۔ "تمہارا سوال تو کچھ اور تھا اور حضرت نے جواب کچھ اور دیا مگر تم مطمئن ہو گئے جیسے تمہارے سوال کا جواب مل گیا ہو۔"

نومسلم نوجوان نے کہا۔ ”حضرت جنید بغدادی نے میرے سوال کا صحیح جواب دیا۔ دراصل میں کافی روز سے ایک عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ میرا ذہن کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ میں اس نتیجے پر نہیں پہنچ رہا تھا کہ مذہب اسلام اختیار کروں یا نہ کروں؟ میرا دل تو اسلام کی سچائی کی طرف مائل تھا مگر چونکہ میرے آباؤ اجداد عیسائی تھے اس لیے میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اسی دوران میں نے سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ سنی کہ مومن کی دانائی سے ڈرو کیونکہ وہ رب تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے اور اس کی تشریح کے لیے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے واقعی رب تعالیٰ کے نور سے دیکھ کر میری ذہنی حالت معلوم کر لی اور مجھے کہا کہ فوری مسلمان ہو جاؤ جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ مومن واقعی رب تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ مجھے میرا جواب مل گیا اور یوں میں مسلمان ہو گیا۔“

قسطنطنیہ کے بادشاہ کی نازو نعم میں پلی چہیتی بیٹی اچانک پاگل ہو جاتی ہے اور اس پر اس حد تک جنونی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ اسے لوہے کی بھاری زنجیروں میں جکڑنا پڑتا ہے۔ ہر قسم کے طبیب اور حکیم بلائے جاتے ہیں مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اس صورتِ حال میں بادشاہ کے ہمراہ رعایا بھی پریشان ہے اور کسی کی سمجھ میں کوئی حل نہیں آ رہا۔

لوگ مجمع لگائے اس فکر اور سوچ میں گم ہیں کہ آخر شہزادی کا علاج کیا ہوگا اور کون کرے گا کہ ایک دن انہیں ایک مردِ قلندر اونٹنی پر سوار خراماں خراماں اپنی جانب آتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ مجمع کے قریب پہنچ کر اونٹنی سے اُترتا ہے اور ان سے پوچھتا ہے۔ ”تمہیں کہیں کوئی پریشانی تو نہیں۔ میں دراصل بغداد سے مکہ مکرمہ کی طرف حج بیت اللہ کی غرض سے جا رہا ہوں سفر میں ہوں لیکن میں نے بہتر خیال کیا کہ آپ لوگوں کو سلام بھی کر لوں اور آپ سے احوال بھی پوچھ لوں کیونکہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آپ کسی پریشانی میں مبتلا ہیں۔“

لوگ اسے بتاتے ہیں کہ بادشاہ کی بیٹی پاگل ہو چکی ہے۔ اسے زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور کسی بھی حکیم یا طبیب کا علاج اور دوا اس پر اثر نہیں کر رہی۔ آپ نے صحیح خیال کیا۔ ہم لوگ واقعی پریشانی میں ہیں۔

مردِ قلندر انہیں تسلی دیتا ہے کہ شہزادی کے پاگل پن کا شافی علاج اس کے پاس ہے۔ لوگ یہ بات سن کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اس مردِ قلندر سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ہمراہ بادشاہ کے پاس چلیے۔ چل کر شہزادی کو دیکھیے اور اس کا علاج کیجیے۔ اگر شفا ہو گئی تو منہ مانگا انعام آپ کو دیا جائے گا۔

مردِ قلندر کہتا ہے۔ ”مجھے انعام نہیں چاہیے اور نہ میں یہ غرض رکھتا ہوں۔ البتہ میں شہزادی کے علاج کی خاطر بادشاہ کے پاس جانے کو تیار ہوں۔“

لوگ اس مردِ قلندر کو بادشاہ کے پاس لے جاتے ہیں اور بادشاہ کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہیں۔ بادشاہ اپنی بیٹی کو مردِ قلندر کے سامنے لاتا ہے۔ مردِ قلندر اس شہزادی پر ایک نظر ڈالتے ہی دوا تجویز کرتا ہے۔ دوائی ایسی ہے جسے نہ کھایا جا سکتا ہے اور نہ پیا جا سکتا ہے اور نہ ہی جسم پر لگایا جا سکتا ہے بلکہ وہ تو محض چند لفظوں پر مشتمل ایک کلمہ ہے جسے مریضہ نے ادا کرنا ہے۔ بادشاہ پوچھتا ہے کہ وہ کلمہ کیا ہے؟ فوراً بتایئے تاکہ شہزادی اسے ادا کرے۔

مردِ قلندر بتاتا ہے۔ ”وہ کلمہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ!“ شہزادی جیسے ہی یہ کلمہ ادا کرتی ہے اس کی گردن اور ہاتھوں سے لپٹی لوہے کی زنجیریں یک دم ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہیں اور وہ ایسے صحت مند اور تندرست ہو جاتی ہے جیسے کبھی بیمار ہی نہ ہوئی ہو۔“

بادشاہ یہ منظر دیکھتا ہے تو بے اختیار بول اٹھتا ہے۔ ”اے حضرت جنید بغدادیؒ مجھے بھی کوئی کلمہ سکھا دیجیے تاکہ میں بھی اپنی سلطنت کی جملہ پریشانیوں سے نجات حاصل کر سکوں۔“ بادشاہ کو بھی یہی کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہونے کو کہا جاتا ہے تو وہ فوراً اس پر عمل کرتا ہے اور یوں بادشاہ سلامت کو دیکھ کر بے شمار لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

☆======☆======☆

وہ اس قدر خوبصورت کہ جسے حور بھی دیکھے تو شرمائے، چاند بادلوں میں چھپ جائے اور اس قدر نیک سیرت کہ کبھی گھونگھٹ تک نہ اٹھائے۔ شرم و حجاب کی ایسی مجسم شکل کہ عقل دنگ رہ جائے لیکن غرور کا گمان نہیں اور تکبر کا نشان نہیں بلکہ عاجزی و انکساری کی اک نرالی شان ہے اور صبر و اطاعت کی اک انوکھی آن بان ہے۔ یوں ہمہ قسم کی خوبی اس کے پاس ہے مگر پھر بھی آج وہ اداس ہے، مغموم ہے، لاچار ہے کیونکہ اس کا شوہر دوسری شادی کے لیے تیار ہے اور یہ اس کی برداشت سے باہر ہے۔ وہ بے چین ہے دکھوں کی رین ہے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اس صورتِ حال میں وہ کیا کرے۔ کہاں جائے۔ کسے اپنا دکھڑا سنائے اور کس سے اپنے مسئلے کا حل پائے۔

آخر وہ وقت کے ولی کے پاس پہنچتی ہے۔ دروازہ کھٹکھٹاتی ہے تو اندر سے آواز آتی ہے۔ ”کون ہے؟“ وہ بتاتی ہے کہ میں ایک غم زدہ خاتون ہوں۔ اپنا ایک مسئلہ لے کر حاضر ہوئی ہوں آپ سے اس مسئلے کا حل پوچھنا چاہتی ہوں۔

مردِ قلندر، وقت کے سکندر دروازہ کھول دیتے ہیں تو وہ انہیں بتاتی ہے کہ میرا شوہر مجھ پر ظلم کرنا چاہتا ہے۔ وقت کے ولی پوچھتے ہیں۔ ”کیسا ظلم اور کس طرح کا ظلم؟“ وہ کہتی ہے۔ ”میرا شوہر میرے ہوتے ہوئے کسی اور عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ صورتِ حال میرے ضبط سے باہر ہے۔ آپ ہی اس کا کوئی حل بتایئے۔“

وقت کا ولی کہتا ہے۔ ”اگر اس وقت تیرے شوہر کے نکاح میں چار عورتیں نہیں ہیں اور وہ

انصاف کے تقاضے بھی پورے کرسکتا ہے تو اس کے لیے دوسرا نکاح جائز ہے۔ آخر تجھے اپنے شوہر کے اس ارادے پر کیا اعتراض ہے؟''

وہ عورت کہتی ہے۔ ''اے وقت کے ولی! آپ بالکل صحیح فرمارہے ہیں لیکن میں اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ اگر غیر مرد کے لیے عورتوں کو دیکھنا منع نہ ہوتا تو میں اپنا نقاب اتار کر آپ کو اپنا چہرہ دکھاتی اور آپ میرا حسن دیکھ کر ضرور کہتے کہ جس کے نکاح میں مجھ جیسی حسین وجمیل اور نیک سیرت عورت ہو اس کو میرے علاوہ کسی دوسری عورت کی طرف توجہ کرنا جائز ہے یا نہیں جبکہ نکاح تو دور کی بات ہے!''

وقت کے ولی پر اس عورت کے ان جملوں نے ایسا زبردست اثر کیا کہ انہوں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر یک لخت بے ہوش ہوگئے۔ عورت نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اٹھ کر چل دی۔ کافی دیر کے بعد جب وقت کے ولی کو ہوش آیا تو ایک پوچھنے والے نے ان سے پوچھا۔

''آپ اس عورت کی داستان سن کر بے ہوش کیوں ہوگئے تھے؟ اس میں ہوش کھونے والی تو کوئی بات نہیں تھی!''

وقت کے ولی حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اس عورت کی گفتگو سن کر میرے ذہن میں رب تعالیٰ کا فرمان یاد آیا جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو دنیا میں مجھے دیکھنا جائز ہوتا تو میں اپنا حجاب اٹھا کر اس پر ظاہر ہوجاتا اور وہ مجھے دیکھتا تو اسے معلوم ہوجاتا کہ جس کا پروردگار مجھ جیسا ہو اس کے دل میں میرے علاوہ کسی غیر کی محبت ہونی چاہیے یا نہیں۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے رہبر ومرشد حضرت سری سقطیؒ کی تعلیم وتربیت اور درس وتدریس کا انداز منفرد بھی تھا اور دلچسپ بھی۔ خاص طور پر اپنے بھانجے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت سری سقطیؒ مختلف امور سمجھانے کے لیے اچھوتا طریق کار اختیار کرتے تھے جس میں وہ کوشش کرتے تھے کہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ باتوں اور نصیحتوں کا مفہوم ومطلب از خود اخذ کرنے کی کوشش کریں۔ یوں وہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی ذہانت کا امتحان بھی لیتے تھے اور انہیں شریعت کے احکامات اور طریقت کے درجات بھی سمجھاتے تھے۔ اگرچہ انہیں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ہر امتحان میں کامیاب وکامران ہوں تاہم وہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے اعتماد میں اضافہ اور ذہانت کی مشق کے لیے ایسا کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت سری سقطیؒ اکثر اوقات مختلف ضروری باتیں سمجھانے کے لیے مباحثہ کی شکل میں بھی حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو تعلیم دیتے تھے۔ آپ خود بتاتے ہیں کہ میرے استاد حضرت سری سقطیؒ جب چاہتے کہ میں ان سے کچھ علم حاصل کروں تو وہ مجھ پر سوال کرتے تھے۔ مجھے سوچنے اور غور وفکر کرنے کا مکمل موقع دیتے تھے اور جب میں ان کو صحیح جواب دیتا تھا تو خوشی سے مسرت کا

اظہار فرماتے تھے تاہم کبھی کبھی وہ میری باتوں میں اضافہ بھی فرماتے تھے۔ یہ ایسی ذہنی اور فکری مشق تھی کہ جس نے میرے ذہن کو مسلسل متحرک رکھا ہوا تھا اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی توفیق اور بخشش وعنایت تھی کہ مشکل سے مشکل سوال بھی میرے لیے آسان ہوجاتا تھا۔

ایک دن حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ماموں اور مرشد حضرت سری سقطیؒ سے عرض کی۔ ''یا حضرت! مجھے کوئی ایسا واقعہ سنائیے کہ جس سے عشق کی سچائی کا اظہار ہوتا ہو۔'' چونکہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو علم ومعرفت کے حصول کی سخت خواہش اور تمنا رہتی تھی اور ہر وقت آپ کی کوشش بھی یہی ہوتی تھی اس لیے اگر حضرت سری سقطیؒ آپ سے کوئی سوال نہیں کرتے تھے تو آپ خود ہی ان سے سوال کرکے سیکھنے سکھانے کے عمل کو شروع کردیتے تھے۔

چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے اس سوال پر کہ انہیں عشق کی سچائی کے متعلق کوئی واقعہ سنایا جائے، حضرت سری سقطیؒ نے کاغذ اور قلم منگوایا۔ جب ان کے پاس کاغذ قلم لایا گیا تو انہوں نے کاغذ پر کچھ تحریر کیا۔ پھر اس کاغذ کو ایک لفافے میں بند کرکے آپ کے حوالے کیا اور حکم دیا۔ ''اس لفافے کے اندر جو کاغذ موجود ہے اس کی تحریر پڑھ لینا وہ تمہارے لیے ۱۰۰ قصوں سے بہتر ہے۔ ہاں یہ یاد رکھنا کہ ان جملوں کو محض پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہوگا بلکہ تم ان پر غور وفکر بھی کرتے رہنا۔ اور یہ لفافہ اس وقت کھولنا جب تم بالکل تنہا ہو اور تمہارا ذہن پوری یکسوئی کے ساتھ اس تحریر پر غور کرنے کے لیے تیار ہو۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر ومرشد اور استاد کامل سے وہ لفافہ پورے ادب واحترام کے ساتھ وصول کیا اور اسے کمرے میں جا کر ایک محفوظ جگہ پر رکھ دیا۔ تمام دن کی مصروفیات سے فارغ ہونے کے بعد رات کے لمحات میں کہ جب تمام دنیا خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی تھی آپ نے رب تعالیٰ کی عبادت کرنے کے دوران تھوڑا سا وقفہ لیا اور پھر لفافہ اٹھایا۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس لفافے کو کھولا۔ کاغذ نکالا اور اسے پڑھنا شروع کیا۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کے مرشد ورہبر حضرت سری سقطیؒ نے اس کاغذ پر عربی کے تین اشعار درج کئے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں غور سے پڑھا۔ ان اشعار کا مفہوم تھا:

جب میں نے محبت کا دعویٰ کیا تو آواز آئی کہ تم جھوٹے ہو اگر تمہیں محبت ہے تو تمہارے ہاتھ پاؤں اتنے درست کیوں نظر آرہے ہیں؟

یاد رکھو محبت اس وقت تک نہیں جب تک کہ پیٹ کمر سے نہ لگ جائے اور تم اتنے کمزور ہوجاؤ کہ کوئی تمہیں پکارے تو جواب نہ دے سکو۔

اس قدر گھل جاؤ کہ آنکھوں کے سوا کچھ باقی نہ رہے جن سے تم آنسو بہاؤ اور عاجزی کرو۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے ان اشعار کو انتہائی غور سے پڑھا۔ ایک ایک لفظ کے

مفہوم ومطلب پر پوری یکسوئی کے ساتھ غور کیا۔ آپ جس قدر غور کرتے جاتے تھے اسی قدر آپ کی آنکھوں سے آنسو زیادہ تیزی سے نکلتے جاتے تھے۔ آپ اس قدر روئے کہ آج تک نہیں روئے تھے۔ یہ اشعار کیا تھے علم ومعرفت کا ایک خزانہ تھے۔ ذہن ودل میں اُتر جانے والے تھے۔ محبت کرنے کا دستور وقانون تھے۔ محبت کرنے والوں کی حالت کا آئینہ تھے۔ کائنات کے ایک سچے جذبے کا حقیقت پسندانہ اظہار تھے۔ اس لیے انہوں نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے دل پر ایسا اثر کیا کہ آپ روتے روتے بے ہوش ہوگئے۔ جب کچھ دیر بعد ہوش میں آئے تو پھر اشعار پڑھنے لگے۔ اشعار پڑھتے جاتے تھے اور پھر روتے جاتے تھے یوں آپ نے تمام رات رونے میں گزار دی۔ صبح کو یعنی اگلے روز حضرت سری سقطیؒ نے اپنے شاگرد عزیز حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں عشق کی سچائی کا مفہوم واضح ہوگیا؟'' حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ ''یا حضرت! بات ایسی سمجھ میں آئی ہے کہ تمام عمر نہیں بھولے گی۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے انتہائی سادہ اور رازدارانہ انداز میں مجھے عشق ومحبت کا مطلب سمجھا دیا۔''

کاغذ پر کچھ تحریر فرما کر سمجھانے کا طریقہ حضرت سری سقطیؒ اکثر استعمال کرتے تھے۔ یہ آپ کا خاص، جداگانہ اور منفرد انداز تھا۔ اس انداز کا اثر بھی بہتر، نمایاں اور دلفریب تھا۔ ایک روز حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اپنے رہبر ومرشد حضرت سری سقطیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت سری سقطیؒ نے آپ کو دیکھتے ہی خوشی اور مسرت کے لہجے میں فرمایا: ''آؤ بیٹا! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔ ''یا حضرت! فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت! میں آپ کا ہر جائز حکم ماننے کو تیار ہوں۔ آپ لب کھولئے حکم کی تعمیل فوری ہوگی۔'' حضرت سری سقطیؒ اپنے بھانجے اور شاگرد حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ جواب سن کر ازحد خوش ہوئے۔ آپ کا چہرہ کھل اٹھا اور آپ نے فرمایا:

''بیٹا! میرا ایک کام کردو۔ اس کا اجر تمہیں رب تعالیٰ دے گا۔''

اور جب حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد حضرت سری سقطیؒ کا کام کر کے واپس لوٹے تو حضرت سری سقطیؒ نے اپنی جیب سے تہہ کیا ہوا ایک کاغذ نکالا اور حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو دیتے ہوئے فرمایا:

''بیٹا! تم نے میرا کام انتہائی لگن، دلچسپی اور مہارت کے ساتھ کیا ہے۔ یہ لو میری طرف سے ایک تحفہ تمہارے لیے ہے۔ اسے پڑھو اور اس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرو۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے استاد محترم حضرت سری سقطیؒ سے وہ کاغذ لے لیا۔ آپ اپنے کمرے میں تشریف لے گئے اور انتہائی اطمینان وسکون کے ساتھ اس کاغذ کو

پڑھا۔ کاغذ پر تحریر تھا:

''میں نے صحرا میں ایک اونٹ سوار کو دیکھا جو انتہائی پُر درد اور پُر سوز آواز میں یہ اشعار گا رہا تھا!

''میں روتا ہوں اور جانتے بھی ہو کہ میں کیوں روتا ہوں۔ میں اس خوف سے روتا ہوں کہ کہیں تُو مجھے جدائی میں مبتلا نہ کردے اور میری امیدیں توڑ کر مجھے تنہا نہ چھوڑ دے۔''

حضرت سری سقطیؒ نے نصیحت کا یہ انوکھا اور نرالا انداز اختیار کر کے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو رونے پر مجبور کردیا۔ آپ نے اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ سے لپٹ کر عرض کی:

''محترم ماموں جان! اگر یہ کلام میرے لیے ہے تو آپ اتنا سمجھ لیجئے کہ میں اس در کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں!''

حضرت سری سقطیؒ نے اپنے بھانجے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ جواب سنا تو آپ بہت خوش ہوئے اور مسرت وشادمانی آپ کے چہرے پر گلاب کے پھول کی طرح مہکنے لگی۔

وہ مسجد میں ذکر وفکر اور نوافل کی ادائیگی میں مصروف تھے۔ کبھی سجدے میں جاتے تو کبھی قیام میں رکتے۔ کبھی لبوں پر حرفِ دعا تو کبھی آنکھیں خوفِ خدا سے بھیگی ہوئیں۔ اک عجیب عالم کیف ہے طاری کہ یہی ہے لطف انکساری۔ اتنے میں ایک شخص دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا۔ ''یا حضرت! آپ کا وعظ صرف شہر میں ہی کام کرتا ہے یا جنگل میں بھی کچھ تاثیر رکھتا ہے!''

انہوں نے پوچھا۔ ''اے اجنبی! کہو جنگل میں ایسا کیا ہوگیا کہ جس کی وجہ سے تم پریشان ہو؟ جنگل میں جانور رہتے ہیں انہیں میرے وعظ کی کیا ضرورت ہے! صحیح صحیح بتاؤ آخر بات کیا ہے؟''

اس نے بتایا۔ ''یا حضرت! چند افراد جنگل میں ایک مقام پر ڈیرہ لگائے ہوئے ہیں۔ وہ شہر سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں تاکہ لوگوں سے چھپ کر گناہ کرسکیں۔'' انہوں نے پھر پوچھا۔ ''آخر وہ کیا کر رہے ہیں؟''

اس نے کہا۔ ''یا حضرت! وہ شراب ومخمور اور رقص وسرور سے معمور ہیں۔ وہ لوگ اگر سیدھے راستے پر آجائیں تو ایک بہت بڑی خرابی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انہیں سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش آپ نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا! اور مجھے یہ کامل یقین ہے کہ آپ کی کوشش سے وہ سیدھے راستے پر ضرور آجائیں گے۔''

جیسے ہی انہوں نے سنا تو فوراً مسجد سے نکلے اور ایک پاک صاف کپڑے سے منہ لپیٹ کر جنگل کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے اس شخص سے جس نے انہیں اطلاع دی تھی اس مقام کا پتہ پوچھ لیا تھا کہ جہاں وہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے۔

جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں پر بھٹکے ہوئے لوگ محفل جمائے بیٹھے تھے تو وہ لوگ گھبرا کر بھاگنے لگے کہ خدا معلوم کون شخص ہے اور کس نیت سے یہاں تک پہنچا ہے مگر انہوں نے ان کو آواز

دے کر روک لیا اور ان سے کہا۔ ''اے بھائیو! تم لوگ بھاگو مت! تم آخر مجھے دیکھ کر کیوں بھاگ رہے ہو! سنو میں بھی تمہاری طرح کا شخص ہوں۔ مجھے بھی پینے پلانے کی عادت ہے۔ میں اسی واسطے تو یہاں آیا ہوں۔ لاؤ مجھے بھی پلاؤ۔ شہر میں تو پی نہیں سکتا تھا اس لیے چھپتا چھپاتا یہاں تک پہنچا ہوں۔ کچھ شراب باقی بچی ہو تو فوری لاؤ تاکہ میں بھی دل راضی کرلوں۔''

ان لوگوں نے جب ایسی باتیں سنیں تو ان کا خوف جاتا رہا اور انہوں نے انہیں اپنا ساتھی سمجھ کر انہیں قریب بٹھایا اور کہنے لگے افسوس ہے کہ اس وقت ہم سب کچھ پی چکے ہیں کچھ باقی نہیں بچا۔ جتنی شراب لائے تھے سب ختم ہوگئی ہے۔ اگر تم کہو تو ایک آدمی بھیج کر آپ کے لیے شہر سے شراب منگوا دیں۔ آخر تم اتنی دور سے یہاں پہنچے ہو اور ہمارے مہمان ہو۔ اس لیے تمہاری خاطر تواضع کرنا ہمارا فرض ہے۔

اس نیک سیرت اور خوب صورت شخص نے کہا۔ ''تم بھی عجیب لوگ ہو۔ اب ایک آدمی شہر بھیجو گے جو شراب لائے گا۔ اس میں تو خطرے والی بات ہے۔ کیا خبر یہ آدمی راستے میں پکڑا جائے۔ ہاں یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں کوئی ایسا طریقہ نہیں آتا کہ شراب خود بخود آجایا کرے اور اسے جا کر شہر سے نہ لانا پڑے؟''

وہ حیران ہو کر بولے۔ ''اے بندہ خدا! یہ کمال تو ہم میں نہیں۔ آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں تاہم اگر تم ایسا کرنا جانتے ہو تو ہمیں بھی بتاؤ کہ ہم یہاں بیٹھے ہوئے شراب کے مزے لیتے رہیں۔''

اس نے کہا۔ ''آؤ آج میں تمہیں ایک ایسی بات سکھادوں کہ شراب خود بخود آجایا کرے گی اور پھر اس شراب کا مزہ بھی ایسا کہ پہلے نہ کبھی سنا، نہ چکھا۔''

وہ لوگ مزید حیران ہوئے اور منت سماجت کرنے لگے کہ ایسا طریقہ ضرور بتاؤ اور ابھی بتاؤ۔ مگر اس پاکیزہ انسان نے کہا۔ ''چلو تم بھی کیا یاد کرو گے میں تمہیں بتا ہی دیتا ہوں لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے کہ پہلے غسل کرو اور کپڑے بدل کر میرے پاس آؤ۔''

سب افراد نے فوراً اس بات پر عمل کیا اور نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے بدل کر تھوڑی دیر میں آموجود ہوئے اور پوچھنے لگے۔ ''ہاں تو جلدی بتاؤ وہ طریقہ کون سا ہے کہ جس سے شراب خود بخود آجایا کرے گی؟''

اس مردِ مومن نے کہا۔ ''ایک شرط اور بھی ہے۔'' انہوں نے پوچھا۔ ''بتاؤ وہ کون سی شرط ہے؟'' اس نے کہا۔ ''پہلے سب وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھو۔'' انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم ایسا بھی کر لیتے ہیں۔ چنانچہ سب نے وضو کیا اور مل کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔

جب وہ نماز میں مصروف ہوئے تو اللہ کے ولی نے مالک صراطِ مستقیم سے دعا مانگی
''یا الٰہی! میرا اتنا ہی اختیار تھا کہ میں نے تیرے حضور ان گناہ گاروں کو لا کھڑا کیا۔ اب یہ

تیرے ہی اختیار میں ہے کہ تُو انہیں ہدایت بخش دے۔''

چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی دعا قبول و منظور ہوئی اور جب وہ لوگ دو رکعت نماز سے فارغ ہوئے تو ہدایت خداوندی سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ انہوں نے شراب پینے سے توبہ کی اور گناہوں کو چھوڑ کر نیکیوں کی طرف مائل ہو گئے۔

☆======☆======☆

ایک دفعہ جب میں مکہ مکرمہ میں تھا تو میں ایک حجام کی دکان پر اپنے بال کٹوانے کی غرض سے گیا۔ میری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ لوگ بال کٹوا رہے تھے اور حجام کو اس کی اجرت دے کر جا رہے تھے۔ میں کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا اور سوچتا رہا کہ اگر بال کٹواؤں گا تو اجرت کے پیسے کہاں سے ادا کروں گا۔

اچانک حجام کی نظر مجھ پر پڑی۔ اس نے مجھے فکرمند دیکھا تو وہ سمجھا کہ ضرور کوئی معاملہ ہے جو میں گہری سوچ میں ہوں۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''جناب! آپ بھی بال کٹوانے آئے ہیں یا مجھ سے کوئی اور کام ہے؟'' میں نے جواب دیا ''میں آیا تو بال ہی کٹوانے ہوں اور آپ سے کیا کام ہو سکتا ہے!''

حجام نے کہا۔ ''جس شخص کے بال کاٹ رہا ہوں اس سے فارغ ہو لوں تو پھر آپ کے بال کاٹوں گا کیونکہ یہاں باری کے مطابق کٹائی ہوتی ہے۔ بس اس شخص کے بعد آپ ہی کی باری ہے۔ تھوڑا سا انتظار کیجئے۔''

میں نے حجام سے کہا۔ ''میری جیب میں پیسے بالکل نہیں ہیں۔ اسی فکر میں ہوں کہ آپ کو اجرت کیسے دوں گا۔ چونکہ میں اجرت ادا نہیں کر سکتا اس لیے آپ کو میرے بال رب تعالیٰ کے نام پر کاٹنے ہوں گے۔''

حجام نے جیسے ہی رب تعالیٰ جل شانہٗ کا نام سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے اسی لمحے اس شخص کی حجامت کرنا روک دی اور اسے کہا:

''باقی بالوں کی کٹائی میں بعد میں کروں گا پہلے اس شخص کے بال کاٹوں گا جس نے رب تعالیٰ جل شانہٗ کا نام لیا ہے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام آگیا ہے تو یہ کام پہلے ہوگا اور دوسرے کام بعد میں ہوں گے۔''

میں نے حجام سے کہا۔ ''آپ جس شخص کے بال کاٹ رہے ہیں وہ کاٹ لیں پھر میرے کاٹنا۔ میں اتنی دیر انتظار کر لیتا ہوں۔'' مگر اس نے کہا۔ ''میں نے جو بات کی ہے اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ رب تعالیٰ کے نام بال پہلے کاٹوں گا اور دوسرے بال بعد میں۔''

چنانچہ اس نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور جس شخص کی وہ حجامت کر رہا تھا اسے کہا۔ ''میاں! تم ابھی تھوڑی دیر انتظار کرو۔ میں اس شخص کے بال کاٹ لوں پھر تمہارے کاٹوں گا۔'' اس شخص نے

حجام سے کہا۔ ''یہ کیسا اصول ہے کہ میرے آدھے بال کاٹ کر تم دوسرے شخص کے بال کاٹنا شروع کر رہے ہو۔'' مگر حجام نے کہا۔ ''یہ میں اس لیے کر رہا ہوں کہ اس شخص کے بال رب تعالیٰ جل شانہٗ کے نام کاٹنا ہیں جب کہ تم اجرت دو گے۔''

حجام نے انتہائی شفقت کے ساتھ میرے بال تراشے۔ اس کے بعد اس نے مجھے ایک کاغذ دیا جس میں چند درہم لپٹے ہوئے تھے۔ حجام نے کہا۔ ''میاں! یہ تھوڑے سے پیسے ہیں انہیں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کر لینا۔'' میں حجامت بنوا کر اور حجام سے پیسے لے کر گھر آ گیا اور دل ہی دل میں طے کیا جب بھی مجھے رب رحمٰن و رحیم پیسوں سے نوازے گا تو سب سے پہلے میں اسی حجام کو دوں گا اس جیسا بااخلاق شخص پہلے میں نے نہیں دیکھا تھا۔

رب ذوالجلال کا کرنا ایسا ہوا کہ چند دنوں کے بعد مجھے بصرہ سے کچھ عقیدت مندوں نے اشرفیوں کی ایک تھیلی پیش کی۔ میں کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر وہ تھیلی لے کر فوراً حجام کے پاس گیا اور اسے وہ تھیلی پیش کی۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''جب تم نے میرے ساتھ نیکی کی تھی تو میں نے اسی وقت نیت کر لی تھی کہ جو کچھ مجھے پہلے ملے گا وہ تمہاری خدمت میں پیش کر دوں گا۔''

میری یہ بات سن کر حجام نے کہا۔ ''کس قدر افسوس کی بات ہے۔ تم نے مجھے کہا تھا کہ رب تعالیٰ کے نام پر حجامت بناؤ اور وہ ریزگاری بھی میں نے تمہیں رب تعالیٰ کے نام پر دی تھی۔ تم نے بھلا یہ کہیں دیکھا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نام پر کوئی کام کرے یا کوئی چیز دے اور پھر اس کا بدل وصول کرے۔ جاؤ یہ تھیلی لے جاؤ اور میری نیکی کو ضائع نہ کرو بلکہ میری نیکی کو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا موقع دو۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اپنا تمام تر یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے زندگی میں اگر اخلاق کا سبق سیکھا تو اسی حجام سے سیکھا۔

ان کے ایک مرید کو اپنی عبادت و ریاضت کے بل بوتے پر یہ وہم ہو گیا کہ وہ درجہ کمال کو پہنچ گیا ہے اور اس نے ولایت کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ اس نے سوچا کہ جب وہ خود ولایت کے اعلیٰ درجے پر پہنچ چکا ہے اور رب تعالیٰ نے اسے ولی اللہ بنا دیا ہے تو اب اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ دوسرے اولیاء اللہ کے ہاں حاضری دے۔ چنانچہ اس نے تنہائی میں رہنا شروع کر دیا اور اس غرور میں آ گیا کہ اب لوگ خود اس کے پاس آئیں گے اور اس کی عزت و تکریم کریں گے۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ یکدم اسے روشنی سی محسوس ہوئی۔ وہ چونکا اس نے دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت اس کے پاس آ پہنچی ہے۔ اس جماعت نے یک زبان ہو کر کہا۔ ''یا حضرت! آپ کو تو جنت میں جانا چاہئے۔'' وہ جماعت اپنے ہمراہ ایک خوبصورت اونٹ بھی لائی تھی۔ اس نے سمجھا کہ

چونکہ وہ ولی اللہ ہے اس لیے رب تعالیٰ نے اسے بلا بھیجا ہے چنانچہ وہ اونٹ پر سوار ہو گیا۔

چند گھنٹوں کے سفر کے بعد اس کا اونٹ ایسی جگہ پر پہنچا جہاں چاروں طرف باغات ہی باغات تھے۔ وہاں حسین و جمیل لوگوں کا گروہ تھا جو زرق برق لباس پہنے خدمت کے لیے تیار تھا۔ قسم قسم کے لذیذ کھانے تھے۔ جن کی خوشبو سے دماغ معطر ہوا جاتا تھا۔ دودھ اور شہد سے بھری بہتی ہوئی نہریں تھیں۔ وہ ساری رات وہاں رہا اور اس جگہ کو جنت سمجھ کر اس میں موجود چیزوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ وہ بہت خوش تھا کہ رب تعالیٰ نے اسے اس کی زندگی میں جنت کی سیر کرا دی اور اس کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔

رات کے آخری پہر اسے نیند آ گئی مگر جب وہ صبح بیدار ہوا تو اس نے اپنے آپ کو اس حجرہ میں پایا جہاں وہ رہتا تھا اور عبادت کرتا تھا۔ چند دنوں تک اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہا کہ وہ رات کو اس جنت میں پہنچا دیا جاتا اور صبح کو اپنے حجرے میں ہوتا۔ اس صورتِ حال سے اس کے دل میں غرور بڑھتا گیا اور وہ لوگوں کو بلا بلا کر اس صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا اور رب تعالیٰ کے قرب کے حصول کا چرچا کرنے لگا۔

بات کب چھپتی ہے۔ چلتے چلتے لوگوں کی زبانی اس کے مرشد تک بھی جا پہنچی۔ جب اس کے رہبر و مرشد نے یہ سنا تو وہ معاملے کی نزاکت کو سمجھ گئے۔ وہ خود چل کر اس کے حجرے میں پہنچے اور اس سے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے نہیں سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔

مرشد نے اس کی روداد سن کر کہا۔ ''اگر آج رات تیرے ساتھ وہی صورتِ حال پیش آئے تو تم تین مرتبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ لینا اور پھر کل مجھے بتانا کہ اس کے بعد کیا ہوا۔'' مرید نے ہامی بھر لی۔ چنانچہ جب رات ہوئی اور وہ پہلے کی طرح اس جنت میں پہنچایا گیا تو اسے اپنے مرشد کے فرمان کا خیال آیا۔ پہلے تو اس نے دل ہی دل میں کہا کہ مرشد کے فرمان پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر اس کے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ مرشد کے فرمان پر عمل کر کے دیکھوں تو سہی کہ آخر کیا ماجرا ہے؟

یوں اس نے جیسے ہی تین مرتبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا تو جنت ایک لمحے میں غائب ہو گئی اور وہ جماعت بھی بھاگ گئی جو اسے روزانہ وہاں لے جایا کرتی تھی۔ اور اس نے اپنے آپ کو ایسی جگہ پایا جہاں گندگی اور استعمال شدہ بدبودار ہڈیوں کا ڈھیر تھا۔

اب وہ تمام صورتِ حال سمجھ گیا۔ اس کا غرور جاتا رہا تھا۔ اسے علم ہو گیا کہ یہ سب شرارت شیطانی تھی چنانچہ اس نے اپنے رہبر و مرشد حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی طلب کی اور اپنے آپ کو ولی اللہ کہنا اور کہلوانا بند کر دیا۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مرید کے لیے رب تعالیٰ کے حضور لطف و کرم کی دعا کی۔

وہ رات بھی ایک عجیب رات تھی چاند غائب تھا کیونکہ وہ اگلے ماہ کے چاند کو لانے کے لیے گیا ہوا تھا۔ ہر جانب گہرا اندھیرا تھا زمین سے آسمان تک اک ہُو کا عالم طاری تھا۔ لوگ نیند کی وادی میں لیٹے خوابوں کے جھولے جھول رہے تھے۔ مگر وقت کے سکندر، مردِ قلندر حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ قیام و سجود میں مشغول تھے۔ آپ کبھی نوافل پڑھتے تو کبھی قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔ کبھی ذکر کرتے تو کبھی تسبیح پڑھتے۔ رات کا زیادہ تر حصہ یادالٰہی میں ہی گزر گیا۔

تسبیح و تحمید میں مصروف حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے قدرے سکون کے لیے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی تو ان پر نیند نے غلبہ پالیا۔ آپ نے اس دوران خواب میں شیطان لعین کو دیکھا جو قہقہے لگا رہا تھا۔ آپ نے اس سے کہا۔ ''کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تُو انسانوں کو بہکاتا ہے انہیں ورغلاتا ہے اور انہیں ربّ تعالیٰ سے دور لے جاتا ہے۔ بہت ہو چکی۔ اب اپنے اس کھیل کو ختم کر اور اپنی ہار مان لے۔''

شیطان لعین نے کہا۔ ''کیا آپ کے خیال میں یہ لوگ انسان ہیں؟'' حضرت جنید بغدادی نے پُر زور الفاظ میں جواب دیا۔ ''اے شیطان لعین! یہ لوگ واقعی انسان ہیں اور اشرف المخلوقات ہیں۔ ربِ کائنات نے انہیں تمام مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی اس بات پر شیطان لعین نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ ''اگر یہ لوگ انسان ہوتے تو جیسے بچے گیند کے ساتھ کھیلتے ہیں میں ان کے ساتھ نہ کھیلتا۔ میں ان کو جدھر چاہتا ہوں موڑ لیتا ہوں۔ یہ تو میرے کھلونے ہیں کھلونے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے شیطان لعین سے پوچھا۔ ''ان میں کافی انسان ایسے ہیں جو تیری بات نہیں مانتے۔ تیرے بہکاوے میں نہیں آتے اور تیرے کھلونے نہیں بنتے۔ کیا کبھی تیرا واسطہ ایسے انسانوں سے بھی پڑا ہے؟ کیا کبھی تُو نے ایسے انسان نہیں دیکھے؟''

شیطان لعین نے کہا۔ ''جی ہاں! میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو مجھے تنگ کرتے ہیں۔ اب بھی مسجد شونیزیہ میں چند لوگ موجود ہیں جن کی عبادت و ریاضت اور پرہیز گاری و دین داری سے میں بہت عاجز آ گیا ہوں۔ میں نے ان کو ورغلانے اور بہکانے کی ہزار کوشش کی۔ ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ طرح طرح کے حربے آزمائے مگر وہ لوگ اپنی دھن کے پکے اور دین کے سچے ہیں۔ انہوں نے میری ہر ترکیب کو بری طرح ناکام کیا ہے۔ ان پر میرا بس چل ہی نہیں سکا۔''

گفتگو کا سلسلہ یہاں تک پہنچا تھا کہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھ کھل گئی آپ اسی وقت مسجد شونیزیہ تشریف لے گئے تاکہ ان لوگوں کو دیکھیں جو شیطان کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ آپ ان سے ملنا چاہتے تھے۔ اس مسجد میں آپ کو تین درویش نظر آئے ان درویشوں

نے اپنے اپنے سر گدڑیوں میں ڈالے ہوئے تھے اور انہیں جھکایا ہوا تھا۔ ان سر جھکائے ہوئے درویشوں نے جب حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی آمد کی آہٹ سنی تو ان میں سے ایک درویش نے گدڑی سے اپنا سر باہر نکالا اور بلند آواز سے بولا۔ ''اے جنید! شیطان مردود کی بات سے ہرگز دھوکہ نہ کھانا۔'' یہ بات کہہ کر اس درویش نے اپنا چہرہ پھر گدڑی میں چھپا لیا۔

اس درویش نے انتہائی معرفت کی بات کی تھی جسے حضرت جنید بغدادی نے فوراً سمجھ لیا اور آپ مسجد سے واپس تشریف لے آئے۔

حضرت جنید بغدادی نے خواب میں شیطان لعین کو تو دیکھا ہی تھا مگر آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ آپ جاگتی آنکھوں سے بھی اسے دیکھیں۔ اس پر لعنت بھیجیں اور اس کو منع کریں کہ وہ انسانوں کو بہکانے اور ورغلانے سے باز آجائے۔

ایک دن حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد تشریف لے گئے تو انہیں مسجد کے دروازے کے باہر سے کچھ فاصلے پر ایک بوڑھا شخص آتا دکھائی دیا۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے جیسے ہی اس بوڑھے شخص کی طرف دیکھا تو آپ کے دل میں ایک وحشت اور نحوست کا اثر محسوس ہوا۔ آپ پریشان بھی ہوئے اور حیران بھی کہ آخر یہ شخص کون ہے کہ جس کو دیکھتے ہی دل بوجھل سا محسوس ہونے لگا ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں جب وہ بوڑھا لاٹھی ٹیکتے ہوئے آہستہ آہستہ چل کر آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے اس سے پوچھا۔ ''تم آخر کون شخص ہو کہ جس کو دیکھ کر میں نے اپنے دل میں وحشت اور نحوست محسوس کی ہے؟ اگرچہ تمہاری شکل کچھ اور ہے مگر اندر سے یقینی طور پر تم کچھ اور ہی ہو۔ تم خود ہی بتاؤ کہ تمہاری اصل کیا ہے؟''

اس بوڑھے شخص نے پہلے تو ٹال مٹول کی مگر پھر بول پڑا۔ اس نے کہا۔ ''میں وہی ہوں جس کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کی آپ نے خواہش اور آرزو کی تھی۔ آپ کی خواہش پوری ہوئی اور اب اس لمحے میں آپ کے سامنے ہوں۔ بتایئے کہ آپ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اے لعین و بدبخت! پہلے تو یہ بتا کہ تجھے کس چیز نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے روکا تھا حالانکہ رب تعالیٰ نے واضح طور پر تمہیں حکم دیا تھا۔''

شیطان لعین نے پہلے تو ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر کہنے لگا۔ ''اے جنید! تم بہت بڑے توحید پرست ہو۔ تم جیسے توحید کے قائل شخص کے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ میں رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کروں۔ سجدہ کے قابل تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے پھر میں رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کیوں کرتا۔ کیا تم رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا پسند کرتے ہو جب رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا توحید اور اسلام کے خلاف سمجھتے ہو اور اسے کافر سمجھتے ہو جو رب

تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرتا ہے تو پھر تم نے یہ سوال کیسے مجھ سے پوچھ لیا۔ کیا میں بھی رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کر کے کافر و مشرک ہو جاتا؟"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے جب شیطان لعین کی اس دلیل کو سنا تو آپ ایک لمحے کے لیے خاموش سے ہو گئے۔ آپ سوچ ہی رہے تھے کہ اسے کیا جواب دوں کہ آپ کے دل پر رب تعالیٰ کی طرف سے یہ بات نازل ہوئی کہ اے جنید! اس خبیث لعین سے کہہ دو کہ تُو بالکل جھوٹا ہے اور بے ایمان ہے۔ اگر تُو رب تعالیٰ کا بندہ تھا اور اس کا فرمانبردار اور اطاعت گزار تھا تو پھر تُو نے رب تعالیٰ کی حکم عدولی کیوں کی۔ رب تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا تیرا فرض تھا تو اس لیے لعین ٹھہرا کہ تُو نے رب تعالیٰ کا حکم ماننے سے سراسر انکار کر دیا۔

شیطان لعین نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے دل کی آواز سن لی اور ایک زبردست چیخ مار کر بولا۔ "اللہ کی قسم! اے جنید! تُو نے مجھے جلا ہی ڈالا۔" یہ کہہ کر وہ لعین حضرت جنید بغدادی کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

ایک دفعہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے حج کی ادائیگی کا قصد کیا تو کافی تعداد میں آپ کے ارادت مند بھی آپ کے ہمراہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے آپ سے درخواست کی۔ "یا حضرت! ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلیے۔ آپ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل ہو گی تو اطمینان قلب زیادہ ملے گا۔ مزید یہ کہ آپ قدم قدم پر ہماری رہنمائی بھی فرمائیں گے ہمیں نصیحتوں سے نوازیں گے تو ہمارے حج کی قبولیت کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو مجھے بھی خوشی ہو گی کہ آپ میرے ہمراہ چلیں گے۔"

چنانچہ سب لوگ ایک قافلہ کی شکل میں حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی سربراہی میں مناسب زادِ راہ لے کر حج کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

راستے میں جہاں کہیں نماز کا یا طعام کا وقت آتا تو سب لوگ ٹھہر جاتے۔ تمام لوگ راستے میں روزے بھی رکھتے تھے۔ سفر کے دوران جب سحری یا افطار کا وقت ہوتا تو ٹھہر کر سحری افطاری کر لیتے اور پھر سفر جاری رکھتے۔ سفر کے دوران تسبیح و تحمید اور ذکرِ الٰہی بھی جاری رکھتے یوں اس پُرنور قافلے کا سفر بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ جاری و ساری رہا۔

سفر کے دوران راستے میں ایک جنگل پڑتا تھا۔ جب یہ قافلہ جنگل سے گزر رہا تھا تو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک نہایت تکلیف دہ جگہ پر ایک درویش کو بیٹھے دیکھا جو یادِ الٰہی میں مصروف تھا۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ قافلے سمیت وہاں رک گئے۔ آپ نے اس شخص سے پوچھا۔ "اے بھائی! تم یہاں ایسی سخت جگہ پر اس طرح آرام سے کیسے بیٹھے ہو؟"

اس شخص نے کہا۔ "میں نے ایک لمبا عرصہ یہاں پر ضائع کیا ہے اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ اب اس سخت جگہ پر بیٹھ کر وقت ضائع ہونے کا دکھ اور درد محسوس کرتا ہوں اور آنسو بہاتا ہوں۔" حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا۔ "تمہیں یہاں پر بیٹھے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟" اس نے جواب دیا۔ "میں یہاں پر بارہ سالوں سے بیٹھا ہوں۔ اب اگر آپ جیسے ولی اللہ کی توجہ اور دعا میرے شاملِ حال ہو جائے تو رب تعالیٰ ضرور مجھے کامیابی عطا فرمائیں گے اور یوں مجھے میرا کھویا ہوا وقت مل جائے گا۔"

حضرت جنید بغدادی نے اس شخص سے کہا۔ "میں حج پر جا رہا ہوں۔ وہاں پر رب کریم و رحیم کے حضور تمہارے لیے دعا کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ رب رحمٰن و عظیم اسے قبول فرمائیں گے اور تمہاری مراد پوری ہو جائے گی۔" اس شخص نے کہا۔ "یا حضرت! میں بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کروں گا اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہوں گا۔"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اس جنگل سے گزرتے ہوئے بالآخر کافی سفر طے کرنے کے بعد مکہ مکرمہ پہنچے۔ آپ کے عقیدت مند آپ کے ہمراہ تھے۔ تمام افراد نے حج ادا کیا اس کے تمام فرائض ادا کیے۔ رب تعالیٰ کے حضور التجائیں کیں۔ نوافل ادا کیے۔ مدینہ منورہ میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی۔ وہاں سے برکتیں اور سعادتیں سمیٹیں اور جنگل میں موجود درویش کے لیے بھی دعا کی۔

حج کے اختتام پر حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں اور مریدین کو واپسی کا حکم دیا۔ سب نے سامانِ سفر باندھا اور واپس چل پڑے۔ سفر بھی طے ہو رہا تھا اور حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی نصیحتیں بھی جاری تھیں۔ آپ لحہ لحہ خود بھی ذکرِ الٰہی میں مصروف تھے اور ارادت مندوں کو بھی یہی نصیحت تھی کہ ذکر و فکر میں مصروف رہیں۔

حج سے واپسی پر حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے ارادت مندوں کو اسی جنگل سے پھر گزرنا پڑا جہاں سے وہ حج پر جاتے ہوئے گزرے تھے۔ راستے میں آپ کی ملاقات پھر اسی درویش سے ہوئی کہ جس نے وقت کے ضائع ہونے کی شکایت کی تھی اور جس کے لیے آپ نے حج کے موقع پر دعا کی تھی۔ آپ نے اس شخص سے کہا۔ "اے بھائی! سناؤ اب تمہارا کیا حال ہے؟ کیا تمہیں تمہارا کھویا ہوا وقت واپس مل گیا ہے یا نہیں؟"

اس شخص نے کہا۔ "یا حضرت! آپ کی دعا سے رب تعالیٰ نے مجھے میرا کھویا ہوا وقت جو کہ میرا کھویا ہوا سرمایہ تھا واپس لوٹا دیا ہے۔ میں رب تعالیٰ کا انتہائی شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھ پر اپنا فضل و کرم کیا ہے۔ وہ ذات اپنے بندوں کے لیے رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "اے بھائی! جب تمہیں تمہارا کھویا ہوا سرمایہ مل

گیا ہے تو تم اب بھی یہیں بیٹھے ہو۔ جاؤ اور کسی بہتر جگہ پر اپنا ٹھکانہ کرلو۔'' اس شخص نے کہا۔''یا حضرت جس جگہ پر میں نے اپنا سرمایہ کھودیا تھا وہ وہیں سے مل گیا ہے تو اب کیا یہ اچھا لگتا ہے کہ جس جگہ سے سرمایہ ملا ہے اس جگہ کو چھوڑ کر چلا جاؤں۔ میرے لیے تو یہ محبت وعقیدت کی جگہ ہے مجھے تو اس جگہ سے پیار ہے چنانچہ میں اپنی مٹی اس جگہ کی مٹی میں ملاؤں گا اور قیامت کے روز اسی مٹی سے اٹھوں گا۔'' حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے ارادے کی تعریف کی اور وہاں سے چل دیئے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں لوگ قسم قسم کے نذرانے اور تحائف لے کر حاضر ہوتے تھے اور آپ کو پیش کرتے تھے۔ آپ جس کا نذرانہ یا تحفہ مناسب خیال فرماتے اسے لے لیتے تھے اور جس کا مناسب خیال نہیں فرماتے تھے اسے واپس کردیتے تھے۔ اس کے بعد آپ ان نذرانوں اور تحفوں کو غرباء اور مساکین میں تقسیم کردیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں ایک دولت مند شخص حاضر ہوا۔ اس نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے انتہائی خوش دلی کے ساتھ اس کے سلام کا جواب دیا اور اسے بیٹھنے کو کہا۔ جب وہ شخص بیٹھ گیا تو اس نے آپ کی خدمت میں ایک تھیلی پیش کی۔ آپ نے اس سے پوچھا ''اس تھیلی میں کیا ہے؟'' آپ کو اس نے جواب دیا۔ ''حضرت اس میں ۵۰۰ دینار ہیں جو میں نے آپ کو بطور نذرانہ پیش کئے ہیں آپ انہیں قبول فرمائیے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص نے پوچھا۔ ''کیا تمہارے پاس ان ۵۰۰ دینار کے علاوہ اور بھی کچھ موجود ہے؟'' وہ دولت مند شخص کہنے لگا۔ ''میرے پاس بہت کچھ ہے۔'' آپ نے پھر اس سے پوچھا۔ ''کیا تمہارے پاس بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی اور کچھ کی ضرورت ہے؟''

''وہ کہنے لگا۔ ''یا حضرت! جی مجھے اور بھی ضرورت ہے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فوراً وہ تھیلی اٹھائی اور اس کے ہاتھ میں واپس تھماتے ہوئے کہا۔ ''تو پھر تم ان دیناروں کو اپنے پاس ہی رکھو۔ اس لیے کہ مجھ سے زیادہ تم کو ان دیناروں کی ضرورت ہے اور تم ان کے زیادہ مستحق ہو جبکہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے اس کے باوجود مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے لیکن تمہیں بہت کچھ ہونے کے باوجود بھی کچھ اور کی ضرورت ہے اس لیے اصل مستحق تم ہو نہ کہ میں ہوں۔''

وہ رات اگرچہ روشن ترین رات تھی کیونکہ چودہویں کا چاند اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا مگر حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو عبادت اور یادِ الٰہی میں وہ لطف نہیں آرہا تھا جو آپ روزانہ محسوس کرتے تھے۔ اک عجیب سی بے کلی تھی۔ آپ نے سونا چاہا نیند نے بھی ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ آپ نے پھر ذکرِ الٰہی شروع کیا مگر عبادت کی مخصوص لذت آپ کو پھر بھی محسوس نہ

ہوئی چنانچہ آپ اپنے حجرے سے باہر نکل کر ٹہلنے لگے۔ سکون محسوس نہ ہوا تو آپ وہاں سے چل پڑے۔ راستے میں آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو کمبل لپیٹے لیٹا ہوا تھا۔

جب اس شخص نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی آمد کی آہٹ محسوس کی تو وہ اٹھ بیٹھا اور دور ہی سے اس نے بلند آواز میں کہا۔ ''یا حضرت میری طرف تشریف لایئے۔'' حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اس کی طرف کھچے چلے گئے۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ ''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو اور یہ کہ تمہاری آواز میں یہ کیسی طاقت ہے کہ میں تمہاری طرف دوڑا آیا ہوں؟''

اس شخص نے کہا۔ ''میں نے رب تعالیٰ جل شانہٗ سے دعا کی تھی کہ وہ آپ کے دل میں تحریک اور جذبہ پیدا کرے کہ آپ میرے پاس آجائیں تاکہ میں آپ سے ایک سوال کا جواب حاصل کرسکوں۔'' حضرت جنید بغدادی نے فرمایا:

''رب تعالیٰ جل شانہٗ نے تمہاری دعا قبول فرمالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت میں تمہارے پاس ہوں۔ بتاؤ تمہارا سوال کیا ہے؟''

اس شخص نے پوچھا۔ ''یا حضرت یہ فرمایئے کہ نفس کی بیماری کا علاج کیا ہے؟'' حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے بتایا۔ ''نفس کی بیماری کا واحد علاج یہی ہے کہ نفس کی خواہشات کی مخالفت کی جائے۔'' اس شخص نے جیسے ہی حضرت جنید بغدادی کی زبان سے یہ بات سنی تو اس نے اپنے آپ سے مخاطب ہوکر کہا۔ ''اے میرے نفس! میں نے سات مرتبہ تجھے یہی بات بتائی تھی لیکن تُو نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے سوا کسی کی بات سننے سے انکار کردیا تھا۔ اب خوب سن لے اور یاد کرلے کہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا فرمایا ہے۔ آئندہ اس بات پر عمل کرنا اور کسی قسم کی ضد نہ کرنا۔'' اس شخص نے یہ کہا اور وہاں سے اٹھ کر چل دیا۔ اب حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے دلی سکون محسوس کیا اور آپ اپنے حجرے میں واپس تشریف لائے۔ اس کے بعد آپ نے ذکرِ الٰہی شروع کیا تو آپ کو وہی لذت اور لطف محسوس ہوا جو آپ پہلے محسوس کیا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ رب کائنات کی طرف سے معرفت کا واضح سبق اور اشارہ تھا جو اپنے محبوب بندے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو تعلیم کیا گیا۔

☆======☆======☆

وہ ایک خوبصورت اور دلفریب شام تھی۔ اگر چہ اس شام آسمان کی سطح صاف تھی مگر پھر بھی مختلف فاصلے پر بادلوں کے ننھے منے ٹکڑے آوارہ ہرنوں کی طرح اٹھکیلیاں کرتے نظر آرہے تھے۔ اس سے فضا کے حسن اور دلفریبی و دلکشی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے آسمان کی نیلی چادر میں سفید موتی ٹانک دیئے ہوں۔

دور بہت دور جہاں آسمان اور زمین آپس میں ملتے دکھائی دیتے تھے وہاں فضا میں سرخ اور گلابی رنگوں کی پھوار اپنی جدا بہار دکھا رہی تھی۔ ایسے میں مؤذن کی آواز نے ہوا کے دوش پر سفر کرتے ہوئے کانوں میں رس گھولا تو حی علی الصلوٰۃ پر لبیک کہتے ہوئے لوگ مسجد کی طرف لپکے۔

یہ نمازِ مغرب کا وقت تھا۔ پرندے اپنے اپنے گھونسلوں کی جانب رواں دواں تھے۔ ان کے منہ سے بھی رب تعالیٰ جل شانہٗ کی حمد جاری تھی جبکہ لوگ اپنے رب تعالیٰ کے حضور قیام و سجود میں مصروف ومشغول تھے۔ نمازِ مغرب سے فراغت کے بعد اکثر نمازیوں نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور غور سے دیکھا۔ اتنے میں مبارکبادوں کا شور اٹھا۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے چاند نظر آنے کی خوشی کا اظہار کررہا تھا۔ ہر چہرے پر پھول کھل اٹھے تھے۔ ہر لب ایک مسکراتی کلی بن گیا تھا۔ آخر خوشی کیوں نہ ہوتی کیونکہ یہ چاند بھی تو عام مہینوں کے چاند جیسا نہیں تھا۔ یہ تو وہ چاند تھا جس کا مسلمان سال بھر انتظار کرتے ہیں۔ یقیناً یہ ماہ رمضان کا چاند تھا جو کہ رحمتیں، برکتیں اور وسعتیں سمیٹنے کا مہینہ ہوتا ہے۔ اس ماہ میں رب رحمٰن ورحیم کے کرم و بخشش کی بارش پورے زور وشور کے ساتھ برستی ہے۔

رمضان المبارک کی اس چاند رات کو نمازِ عشاء سے پہلے ایک درویش نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حاضری دی اور عرض کی۔ ''یا حضرت! ماہ رمضان کی آج پہلی تاریخ ہے۔ نمازِ عشاء کے بعد تراویح ہوگی۔ میں حافظ قرآن ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ماہ مبارک میں نمازِ تراویح کی امامت کی سعادت مجھے حاصل ہو۔ آپ اپنی مسجد میں مجھے یہ سعادت حاصل کرنے کی اجازت عطا فرمائیں گے تو یہ میرے لیے ازحد اعزاز کی بات ہوگی۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس درویش کی اس درخواست کو سن کر فرمایا۔ ''اگر تم حافظ قرآن ہو اور تلاوت کے آداب کے ساتھ قرات کے اصول جانتے ہو تو میری طرف سے تمہیں مکمل اجازت ہے کہ تم اس ماہ رمضان میں تراویح کی امامت کرو۔ مجھے اس سے خوشی ہوگی کہ میں نے ایک مخلص کو نیکی کرنے کا پورا پورا موقع دیا۔''

اس درویش نے کہا۔ ''یا حضرت! یہ آپ کی عنایت ہے۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ میں ایسی تلاوت کروں گا کہ جو قرأت کے اصولوں پر پورا اُترتی ہوگی۔ مزید یہ کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے مجھے لحن بھی اچھا عطا کیا ہے لوگ یقیناً میری قرأت کو پسند فرمائیں گے۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ مجھے اس سعادت میں کامیاب وکامران فرمائے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قاری و حافظ قرآن درویش کی کامیابی کے لیے ہاتھ بلند کئے اور خداوند تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ ''یا باری تعالیٰ! تُو رحمٰن ورحیم ہے۔ یہ مخلص تیری کتاب کی قرات کی سعادت نمازِ تراویح میں حاصل کرنے کا خواہش مند ہے تُو اپنا خاص کرم فرما اور اس کو اپنے مقصد میں کامیاب کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا بہتر اجر عطا فرما۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدین کو حکم دیا کہ اس مردِ درویش حافظ قرآن کو ایک حجرہ دیا جائے جبکہ روزانہ اس کے حجرے میں ایک روٹی اور ایک پیالہ پانی پہنچایا جائے۔ آپ کے عقیدت مندوں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں روزانہ اس درویش کے کمرے میں ایک روٹی اور ایک پیالہ پانی پہنچانا شروع کر دیا۔

اس حافظ قرآن نے انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ خوبصورت لحن میں نمازِ تراویح میں قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔ اس ماہ رمضان المبارک میں تیس روزے ہوئے۔ جب عید کا دن آیا تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مردِ درویش کو انتہائی عزت واحترام کے ساتھ رخصت کیا کیونکہ اس نے عید کا چاند دیکھتے ہی وہاں سے جانے کی درخواست کی تھی۔

جب وہ درویش چلا گیا تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت منداس درویش کے حجرہ میں گئے۔ وہ وہاں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حجرے کے ایک کونے میں انتہائی حفاظت کے ساتھ تیس روٹیاں صحیح سلامت پڑی تھیں۔ اس مردِ درویش نے ہر رات کو پانی کا صرف ایک پیالہ ہی پیا تھا مگر روٹی کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

لوگ جوق در جوق اکٹھے ہو رہے تھے۔ روزانہ کی طرح آج بھی وہ اسی لیے آئے تھے کہ حضرت جنید بغدادی انہیں وعظ ونصیحت فرمائیں گے۔ علم ومعرفت کے انمول موتی ان کی جھولیوں میں ڈالیں گے۔ رب تعالیٰ جل جلالہ کے حضور ان کی سلامتی وکامرانی کے لیے دستِ دعا دراز کریں گے، انہیں ان کی پریشانیوں سے نجات کے لیے وظائف بتائیں گے مگر آج حضرت جنید بغدادی

رحمتہ اللہ علیہ نے آتے ہی ایک ایسا جملہ کہا کہ سب لوگ حیران رہ گئے۔ آپ نے اعلان کیا۔ ''لوگو سنو اور غور سے سنو کہ میں نے اپنے پروردگار کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں دیکھا ہے۔''

لوگوں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ ''یا حضرت! وہ کیسے ہیں؟ کیا رب تعالیٰ جل شانہٗ گلیوں میں سے گزر رہے تھے؟'' کچھ لوگوں نے دبے لفظوں میں کہا۔ ''مگر ایسا تو نہیں ہوسکتا۔'' کچھ نے کہا۔ ''پہلے سن تو لو پھر بات کرنا۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی بات میں ضرور کوئی نہ کوئی معرفت اور راز ہوگا۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ایک دن میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں سے گزر رہا تھا کہ مجھے چند خستہ حال لوگ دکھائی دیئے جن کی پریشان حالی کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ انہیں دیکھ کر مجھے ان پر بہت ترس آیا میرے دل نے چاہا کہ میں بھی ان کے ساتھ رہوں۔ چنانچہ میں نے ان کے ساتھ رہنا شروع کردیا۔ وہ جدھر جاتے تھے میں بھی اُدھر ہی جاتا تھا۔ وہ جو کچھ کھاتے تھے میں بھی وہی کھاتا تھا۔ وہ فاقے کرتے تھے تو میں بھی فاقہ کرتا تھا۔ اس وقت کچھ پر یہ راز کھلا جسے میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ ان خستہ حال لوگوں کے ساتھ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں شکستہ اور ٹوٹے ہوئے دلوں کے قریب ہوں۔ اور واقعی میں نے رب تعالیٰ کو ان کے قریب پایا۔ یوں میں نے رب تعالیٰ جل شانہٗ کو دیکھا اور اس میں حیرانی والی کوئی بات نہیں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ تو انسان کی شہ رگ کے بھی قریب ہے۔ رب تعالیٰ کا جلوہ کائنات کے ذرے ذرے میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ضرورت صرف اور صرف اس آنکھ کی ہے جو رب تعالیٰ کے جلوے کو دیکھ اور محسوس کرسکے۔''

وہ بازار کی گہما گہمی سے الگ تھلگ ذکرِ الٰہی میں مصروف چلے جارہے تھے کہ اچانک ان کے قدم رک گئے۔ وہ وہیں ٹھہر گئے اور ایک نوجوان پر ان کی نظریں رک گئیں۔ وہ نوجوان انتہائی حسین وجمیل تھا۔ اس کا حسن رب تعالیٰ جل شانہٗ کی خوبصورت قدرت کی گواہی دیتا تھا مگر وہ نوجوان آتش پرست تھا۔ وہ وہیں کھڑے تھے کہ ادھر سے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا گزر ہوا۔

آپ نے ان سے پوچھا۔ ''اے ابوعبداللہ احمد بن یحییٰ بن جلال! آخر تم یہاں کھڑے ایک ہی جانب نگاہ کیے کیا کررہے ہو؟ یہ بازار ہے اور یہاں پر ٹھہرنا اور اس طرح رکنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کیا بات ہے؟'' حضرت عبداللہ احمد بن یحییٰ بن جلال نے کہا۔ ''یا حضرت! وہ سامنے دیکھئے کس قدر حسین وجمیل نوجوان ہے۔ میں نے لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا ہے تو وہ بتاتے ہیں کہ یہ نوجوان آتش پرست ہے۔ اے جنید بغدادیؒ! یہ فرمائیے کہ کیا رب تعالیٰ جل شانہٗ ایسی خوبصورت شکل کو بھی آگ میں جلائے گا؟''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اے ابوعبداللہ یہ چند لمحے کی گرم بازاری ہے جس نے تجھے یہ سوچنے پر اکسایا ہے۔ تم نے ان چیزوں کو عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اگر تم عبرت کی نگاہ سے دیکھو تو دنیا کے ہر ذرہ میں ایسی ہی عجیب چیزیں موجود ہیں مگر تمہاری اس سوچ کی وجہ سے تمہیں ضرور سزا ملے گی کیونکہ تمہاری یہ سوچ سراسر غلط ہے۔''

کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حضرت ابوعبداللہ احمد بن یحییٰ بن جلال کو یہ سزا ملی کہ ان سے کیف قرآنی جاتا رہا۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے مگر انہیں وہ کیف وسرور نہ ملتا جو پہلے ملتا تھا۔ انہوں نے کئی برس تک رب ذوالجلال کی بارگاہ میں توبہ استغفار کی، گڑگڑا کر دعائیں مانگیں پھر کہیں جا کر ان کی سزا معاف ہوئی۔

ان کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر کسی پر تنقید کیا کرتے تھے۔ کسی کی کوئی بھی بات ہو اور وہ کیسی ہی ہو اس میں خامی نکالنا ان کی فطرت میں داخل ہوچکا تھا۔ اس معاملے میں وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ بات کہنے والا شخص کس مرتبہ کا ہے اور کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ وہ مقام ومرتبہ دیکھے بغیر ہر کسی پر تنقید کرنے میں مہارت رکھتے تھے اور اس حوالے سے انہوں نے کافی شہرت بھی حاصل کرلی تھی۔ وہ اپنی تنقید سے کئی لوگوں کو جو اپنے علم ومرتبہ میں بلندی کے حامل تھے شکست دے چکے تھے۔ اس حوالے سے ان کی ایک خاص پہچان تھی۔ اکثر لوگ ان کے سامنے بات کرنے سے کتراتے تھے کہ کہیں انہیں تنقید کا نشانہ نہ بننا پڑے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے کہا۔ ''اے عبداللہ بن سعید! یہ ٹھیک ہے کہ آپ ہر کسی کی بات کو تنقید کی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ یہاں جنید نام کے ایک بزرگ ہیں۔ ذرا ان کی باتیں سنیں پھر ہم دیکھیں گے کہ تم ان کی باتوں پر کوئی تنقید یا اعتراض کرسکتے ہو یا نہیں۔ ہم تو تمہیں تب مانیں گے اگر تم حضرت جنید بغدادی کی باتوں پر اپنی مہارت ظاہر کرسکو۔''

لوگوں کی طرف سے یہ چیلنج محض ان کے اس عقیدے اور عقیدت کی بناء پر تھا کہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ جیسے عالم فاضل شخص کی باتوں پر تنقید یا اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سعید نے یہ چیلنج قبول کیا اور اسی لمحے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی محفل میں پہنچے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اس لمحے مجلس میں وعظ کررہے تھے اور لوگ اشتیاق کے ساتھ آپ کی باتوں کو سن رہے تھے۔ اس قدر خاموشی تھی کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں سوائے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے اور کوئی موجود ہی نہ ہو حالانکہ وہاں تو سینکڑوں کی تعداد میں عقیدت مند آپ کا وعظ سن اور سمجھ رہے تھے مگر آپ کی گفتگو میں ان کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ وہ آپ کے وعظ کے سحر میں اس قدر گرفتار تھے کہ ان کی توجہ صرف اور صرف آپ کے بیان وگفتگو پر تھی۔

ایسے میں حضرت عبداللہ بن سعید نے خاموشی کو توڑا اور حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا۔ ''یا حضرت! میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ کیا مجھے اس کی اجازت ہے؟'' حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''جی بالکل آپ کو مکمل اجازت ہے جو سوال چاہیں پوچھیں میں اس کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔''

حضرت عبداللہ بن سعید نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے توحید کے بارے میں سوال کیا کہ توحید کی وضاحت فرمائیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس قدر جامع، پُرمغز اور معلومات افزا وضاحت فرمائی کہ حضرت عبداللہ بن سعید حیران رہ گئے تاہم انہوں نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ پر کوئی تنقیدی بات نہ کی کیونکہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی گفتگو اس قدر مکمل تھی کہ اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی تھی۔

اب حضرت عبداللہ بن سعید نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا۔ ''یا حضرت مجھے آپ کی کچھ باتیں یاد نہیں رہیں آپ انہیں دہرا دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔'' حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے وہی باتیں بالکل مختلف انداز اور جدا اسلوب میں بیان فرما دیں۔ اس دفعہ بھی حضرت سعید کو اعتراض کا کوئی موقع نہ مل سکا۔ انہوں نے پھر کہا۔ ''یا حضرت! مجھے آپ کی بیان کی ہوئی باتیں پھر بھی یاد نہیں رہیں۔ آپ انہیں پھر سے دہرا دیجئے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے تیسری بار پھر ایک نئے انداز اور نئے رنگ ڈھنگ سے وہ باتیں دہرا دیں۔ اس دفعہ بھی حضرت عبداللہ بن سعید کوئی تنقید نہ کر سکے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت جنید بغدادی سے کہا۔ ''یا حضرت یہ باتیں مجھے ہر وقت یاد نہیں رہیں گی آپ مجھے لکھوا دیں؟'' حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے وہی باتیں بالکل نئے پیرائے میں انہیں لکھوا دیں اور وہ کوئی بھی اعتراض نہ کر سکے۔ بالآخر انہوں نے برملا کہا۔ ''حضرت جنید بغدادی کی علمی عظمت و فضیلت کا میں قائل ہو گیا ہوں۔ میں نے پوری کوشش کی کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں لیکن میں اپنی بے بسی کا اعتراف کرتا ہوں اور حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی علمی قدر و منزلت کا اقرار کرتا ہوں۔''

مطلع اگرچہ قدرے ابر آلود تھا مگر عید کا چاند اپنا چہرہ دکھانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ یہ عید الفطر کا چاند تھا، روزہ داروں کی خوشی دیدنی تھی۔ اگلی صبح عید منائی جانے والی تھی۔ ہر مسلمان اس تیاری میں تھا اور فیصلہ کر رہا تھا کہ وہ عیدالفطر کی نماز کہاں ادا کرے گا؟

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے ارادت مندوں میں چونکہ بعض جنات بھی شامل تھے اور وہ مسلمان تھے۔ اس لیے وہ عید کے چاند کی مبارکباد دینے کے لیے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حاضر ہونے والے جنات کی تعداد چار تھی۔ وہ انسانی

روپ میں آئے تھے۔ آپ نے بھی جواباً انہیں مبارکباد دی۔

آپ نے ان سے پوچھا۔ ''یہ بتاؤ تم میں سے ہر کوئی کل عید کی نماز کہاں کہاں ادا کرے گا؟''

چونکہ ان کے پاس طاقت پرواز تھی اس لیے ان میں سے ایک نے کہا۔ ''یا حضرت میرا پکا ارادہ ہے کہ میں کل عید کی نماز مکہ مکرمہ میں ادا کروں گا۔ دعا کیجئے گا کہ میری یہ آرزو پوری ہو اور رب کائنات مجھے یہ توفیق عطا فرما دیں۔''

دوسرے جن نے کہا۔ ''یا حضرت! میری یہ خواہش ہے کہ میں کل عید کی نماز مدینہ منورہ میں پڑھوں۔ میں ایک مدت سے یہ آرزو رکھتا ہوں مگر ہر بار کوئی رکاوٹ ہو جاتی ہے۔ آپ رب تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ اس بار میری یہ تمنا ضرور پوری ہو۔''

مرادنِ غیب میں سے تیسرے نے بتایا۔ ''یا حضرت! میں کل ہر صورت میں عید کی نماز بیت المقدس میں ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ میرے لیے بھی دعا کیجیے گا کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ مجھے میرے مقصد میں کامیابی عطا فرمائیں۔''

چوتھے سے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ بھی بتائیں کہ آپ کل عید کی نماز کہاں ادا کریں گے۔ اس نے عرض کی۔ ''یا حضرت! میں کل عید کی نماز ان شاء اللہ بغداد شریف ہی میں ادا کروں گا۔ دعا کیجئے گا کہ رب تعالیٰ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائیں۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے چاروں جنات کے لیے دعا فرمائی اور کہا۔ ''تم لوگ بڑے فضیلت والے ہو اس لیے کہ تم نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اب عید کی نماز انتہائی بہترین جگہوں پر ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔''

یہ رات کے وہ لمحات تھے جب رب تعالیٰ کے محبوب بندے رب رحمٰن و رحیم کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ عاجزی اور انکساری کے ساتھ قیام کرتے ہیں۔ آنسوؤں کی بارش میں رب کریم وعظیم سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں۔ توبہ استغفار طلب کرتے ہیں اور رب تعالیٰ کے قرب کے طریقے سوچتے ہیں۔ انہی لمحات میں حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ عا سے آپ کے پیر و مرشد حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا۔ ''اے جنید! کیا تم سو گئے ہو؟''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''میں سویا نہیں بلکہ جاگ رہا ہوں اور ذکر و فکر میں مصروف ہوں۔ بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا۔ ''مجھے ابھی قدرے اونگھ آ گئی تھی اس دوران مجھے رب تعالیٰ کی طرف سے ایک پیغام پہنچا جس نے میرے قلب و ذہن کو منور کر دیا ہے اور حیران بھی۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا۔ ''مجھے بھی تو بتائیے کہ آپ کو رب کائنات نے معرفت کی کس بات سے آگاہ فرمایا ہے؟'' حضرت سری سقطیؒ نے کہا۔ ''اے جنید! مجھے رب

کائنات کی طرف سے بتایا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا تو سب نے رب تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا لیکن جب رب کائنات نے دنیا پیدا فرمادی تو ہر دس ہزار میں سے نو ہزار دنیا میں مصروف و مشغول ہو گئے اور اس قدر مصروف ہوئے کہ انہیں سوائے دنیا کے کسی اور چیز کا ہوش نہ رہا۔ ان لوگوں نے رب تعالیٰ کی محبت چھوڑ دی اور یوں رب تعالیٰ جل شانہٗ سے محبت کرنے والے صرف ایک ہزار رہ گئے۔ پھر رب قادر و قدیر نے بہشت کو پیدا کیا تو بہشت کی محبت میں اس ایک ہزار میں سے نو سو گرفتار ہو گئے اور انہوں نے رب تعالیٰ کی محبت چھوڑ دی۔ یوں باقی صرف ایک سو رہ گئے جو رب تعالیٰ سے محبت کرتے تھے۔

پھر رب تعالیٰ نے ان پر بلا نازل کر دی تو ان سو میں سے نوے لوگ اس بلا میں مشغول ہو گئے اور انہوں نے بھی رب تعالیٰ کی محبت چھوڑ دی۔ اس طرح صرف دس باقی رہ گئے جو رب تعالیٰ سے محبت کرتے تھے۔ اب رب تعالیٰ نے انہی دس لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے میرے بندو! تم نے دنیا طلب کی اور نہ ہی بہشت کی رنگینیوں میں گرفتار ہوئے مزید یہ کہ تم کسی بلا سے بھی نہیں بھاگے آخر تم کیا چاہتے ہو؟ تمہاری مرضی کیا ہے؟ یا باری تعالیٰ تُو دلوں کے بھید خوب جانتا ہے۔ تُو ہمارے ارادوں سے اچھی طرح واقف ہے۔" ان لوگوں نے کہا۔

رب تعالیٰ نے فرمایا:

"یاد رکھو کہ میں تم پر ایسی بلا مسلط کر دوں گا کہ جسے مضبوط سے مضبوط پہاڑ بھی نہیں اٹھا سکیں گے۔ کیا تم پھر بھی میری محبت کا دم بھرتے رہو گے؟ کیا تم پھر بھی ثابت قدم رہو گے؟" انہوں نے دست بستہ عرض کی:

"اے رب رحمٰن و رحیم! جب تُو خود ہمیں بلا میں مبتلا کرے گا تو پھر تیری ہی مدد سے اور تیری ہی رضا میں ہم تیرے ہی لیے وہ ساری مصیبتیں برداشت کر لیں گے جو پہاڑوں سے بھی نہ اٹھائی جا سکیں گی۔ یقیناً تیری اعانت ہمارے شاملِ حال ہو گی جو ہمیں استقامت دے گی اور ہم میں حوصلہ اور صبر پیدا کرے گی۔"

رب تعالیٰ نے فرمایا:

"بے شک تم ہی میرے سچے بندے ہو اور مجھے تمہاری بندگی اور اطاعت پر خوشی ہے۔"

حضرت سری سقطیؒ نے یہ تمام واقعہ بیان کرنے کے بعد اپنے مرید خاص حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ "اے جنید! تم نے دیکھا کہ رب تعالیٰ کیسے بندوں کو پسند فرماتا ہے اور یہ کہ رب تعالیٰ سے سچی محبت کرنے والوں کی تعداد ایک ہزار میں سے صرف دس ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب و بامراد ہیں اور آخرت میں یہی لوگ سرخرو ہوں گے۔ تم ان باتوں کو ذہن نشین کر لو۔" حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ "یا حضرت! میں نے بہت کچھ سمجھ لیا ہے اس پر ضرور

عمل کروں گا۔"

وہ مسلسل رو رہے تھے۔ آنسو تھے کہ بارش کے قطروں کی طرح گر رہے تھے جس سے ان کا دامن بھیگ گیا تھا۔ وہ کافی دیر روتے رہے اور رب تعالیٰ سے توبہ استغفار کرتے رہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ دیر تو اس منظر کو دیکھا مگر پھر آپ سے رہا نہ گیا۔ آپ نے پوچھا۔ "یا پیر و مرشد! یہ فرمائیے کہ آج اس قدر رونا اور اس شدت کے ساتھ رونا میرے ذہن میں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔ اگر میرا خیال درست ہے تو کیا آپ مناسب سمجھیں گے کہ مجھے اس قدر رونے کی وجہ بتائیں تا کہ میں بھی اس سے سبق حاصل کروں۔"

حضرت سری سقطیؒ نے کہا۔ "اے جنید! پوچھ کر کیا کرو گے؟" حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ "یا حضرت! آپ میرے استاد بھی ہیں اور پیر و مرشد بھی اور قریبی رشتہ دار بھی، میں محض اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ کوئی معرفت کی بات حاصل کر سکوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ جو سبب بھی بتائیں گے اس میں میرے لیے کوئی نہ کوئی سبق ضرور ہو گا۔"

حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ کل رات میری بیٹی میرے پاس آئی اور ضد کرنے لگی کہ پانی کی صراحی کسی جگہ پر لٹکا دیتی ہوں تا کہ رات بھر میں اس کا پانی ٹھنڈا ہو جائے تو اس شدید گرمی کے موسم میں دن کے وقت آپ کو ٹھنڈا اور خوش گوار پانی پینے کو ملے۔ میں نے اسے کافی روکا مگر وہ اصرار کرتی رہی بالآخر میں نے اسے اجازت دے دی کہ وہ پانی کی صراحی کسی مناسب جگہ پر لٹکا دے۔ چنانچہ اس نے ایک اچھی سی قدرے ہوادار جگہ منتخب کی اور پانی کی صراحی وہاں لٹکا کر چلی گئی۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ "یا حضرت! اس میں رونے والی کیا بات ہے؟ موسم شدید گرم ہے۔ اگر صبح کو قدرے ٹھنڈا پانی مل جائے تو دل و دماغ کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ پانی رب تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو بغیر قیمت ہر جاندار کو ملتا ہے اس میں کون سی رقم خرچ ہوتی ہے یا پیسے کا ضیاع ہوتا ہے۔ ویسے بھی آپ ہر چیز مناسب مقدار میں استعمال کرتے ہیں اور کسی چیز کو بلا ضرورت ضائع نہیں کرتے۔ آپ نے کون سا پانی ضائع کرنا تھا۔"

حضرت سری سقطیؒ نے کہا۔ "اے جنید! تم نے میری بات مکمل تو سنی نہیں۔ سنو گے تو پھر خود فیصلہ کرنا کہ آخر میں کیوں رو رہا ہوں؟" حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ "یا حضرت فرمائیے اصل بات کیا ہے؟" حضرت سری سقطیؒ نے کہا۔ "جب میری بیٹی پانی کی صراحی ایک اونچی جگہ پر لٹکا کر چلی گئی تو تھوڑی دیر بعد مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک انتہائی حسین و جمیل عورت کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ آسمان سے اُتری اور زمین پر آئی تھوڑی دیر میں وہ میرے پاس آئی تو میں نے اس سے پوچھا کہ تُو کون ہے اور کس لیے آئی ہے؟ رب تعالیٰ کا وہ

کون نیک اور برگزیدہ بندہ ہے جس کے لیے رب رحمٰن ورحیم نے تجھے آسمان سے اتارا ہے؟ وہ کہنے لگی کہ میں یہ تو نہیں بتاؤں گی کہ میں کس کے لیے آسمان سے زمین پر اُتری ہوں کیونکہ یہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی حکمت اور راز ہے تاہم میں اتنا ضرور بتا دیتی ہوں کہ میں اس شخص کے لیے قطعاً نہیں اُتری جو ٹھنڈا پانی پینے کی خواہش رکھتا ہو۔‘‘

حضرت سری سقطیؒ نے مزید بتایا۔’’اس خواب کے بعد یکدم میری نیند کھل گئی۔اس وقت میں رب تعالیٰ کے پیغام کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔میں نے فوراً وہ صراحی جو میری بیٹی نے پانی ٹھنڈا ہونے کے لیے لٹکائی تھی اتار کر توڑ ڈالی اور اب رب تعالیٰ سے معافی طلب کر رہا ہوں اور گڑگڑا کر استغفار کر رہا ہوں کیونکہ وہی خطاؤں کو معاف کرنے والا ہے۔‘‘حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔’’یا حضرت! میں نے آپ کے اس واقعہ سے بہت کچھ سیکھا۔‘‘

موت اور بیماری کا کوئی وقت مقرر نہیں۔جس طرح موت کسی وقت بھی آ سکتی ہے اسی طرح بیماری بھی اطلاع دیئے بغیر ہی آتی ہے البتہ بیماری کا علاج ہو سکتا ہے مگر موت کا کوئی علاج نہیں۔ایک دفعہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت سری سقطیؒ بیمار ہو گئے۔کمزوری اس قدر بڑھ گئی کہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا مگر انہوں نے یادِ الٰہی اور ذکر و فکر میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ آنے دی۔ آپ ”واذا مرضت فھو یشفین“ کا مسلسل ورد کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ اگر میرے حق میں رب تعالیٰ بہتر سمجھیں گے تو مجھے شفا عطا فرما دیں گے تاہم علاج چونکہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لیے کسی نہ کسی حکیم یا طبیب سے مشورہ کر کے دوائی ضرور لی جائے۔اس مقصد کے لیے انہوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ وہ کسی اچھے حکیم سے رابطہ کریں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ دوڑے ہوئے ایک نامور حکیم کے پاس پہنچے اور ان سے حضرت سری سقطیؒ کی بیماری کے بارے میں گفتگو کی اور درخواست کی کہ کوئی دوائی دی جائے کہ جس سے رب تعالیٰ انہیں شفا عطا فرما دیں۔حکیم نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔’’دوائی بعد میں ملے گی پہلے تفتیش تو مکمل ہو جائے اور مجھے علم تو ہو جائے کہ حضرت سری سقطیؒ کو بیماری کون سی ہے۔حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم سے پوچھا۔’’بیماری کا فیصلہ کیسے ہو گا؟ آپ میرے ساتھ چلیے اور حضرت کی نبض وغیرہ دیکھیے تاکہ آپ کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ ان کو بیماری کون سی ہے؟‘‘

حکیم نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا اور دونوں تھوڑی ہی دیر میں حضرت سری سقطیؒ کے ہاں پہنچے۔اپنے وقت کے ماہر اور قابل حکیم نے حضرت سری سقطیؒ کا تفصیلی معائنہ کیا مگر وہ کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکا۔اس نے حضرت جنید بغدادی سے کہا۔’’وہ کل حضرت سری سقطیؒ کا قارورہ لے کر اس کے مطب میں پہنچیں تاکہ بیماری کا فیصلہ کر کے دوائی دی جا سکے۔‘‘

اگلے روز وقت مقررہ پر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس حکیم کے مطب پہنچے۔آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی جس میں مریض کا قارورہ تھا۔حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم کو وہ شیشی پیش کی۔حکیم کافی دیر تک شیشی کو دیکھتا رہا پھر اس نے یکدم یہ اعلان کیا کہ مریض کو سوائے عشق الٰہی کے اور کوئی مرض نہیں۔حکیم کے منہ سے یہ بات سننا تھی کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نعرہ تکبیر بلند کیا اور بے ہوش ہو گئے۔

جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوش آیا تو آپ سیدھے اپنے پیر و مرشد حضرت سری سقطیؒ کے پاس پہنچے اور انہیں تمام واقعہ بتایا۔حضرت سری سقطیؒ نے جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے تمام بات سنی تو آپ قدرے مسکرائے اور آپ نے فرمایا:

’’وہ حکیم واقعی قابل اور ماہر ہے۔وہ بالکل صحیح کہتا ہے۔اس نے بیماری کو خوب پہچانا ہے۔دراصل بات یہی ہے اور میری بیماری ہی یہی ہے جو اس نے بتائی ہے۔میں واقعی قربِ الٰہی کا طالب ہوں۔میں رب تعالیٰ کے عشق میں گرفتار ہوں اور اس بیماری کا علاج صرف رب تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔‘‘

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر حضرت سری سقطیؒ سے درخواست کرتے ہوئے کہا۔’’یا حضرت! آپ میرے لیے بھی رب تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی یہی بیماری لگ جائے۔‘‘حضرت سری سقطیؒ نے فوری طور پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور رب رحمٰن ورحیم کے حضور عرض کی۔’’یا الٰہی جنید کو اپنا عشق عطا فرما دے اسے اپنی محبت کی بے پایاں دولت سے نواز دے اور راستے میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کا حوصلہ بھی دے دے۔‘‘

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیر و مرشد حضرت سری سقطیؒ مسجد میں اکٹھے ہی ذکر الٰہی کیا کرتے تھے۔نماز ادا کرنے کے بعد نوافل پڑھتے تھے۔قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور مختلف علمی و فکری مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔دونوں استاد شاگرد بھی تھے۔پیر مرید بھی تھے اور رشتہ دار بھی تھے اس لیے اکثر اوقات اکٹھے ہی رہتے تھے۔

ایک دن حضرت سری سقطیؒ قدرے کمزوری محسوس کر رہے تھے تو آپ نماز پڑھنے کے بعد محراب کی طرف اپنے پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئے۔اس شکل میں حضرت سری سقطیؒ کا بیٹھنا ہی تھا کہ غیب سے آواز آئی۔’’کیا بادشاہوں کے دربار میں اس طرح بیٹھا کرتے ہیں؟‘‘ آپ یہ آواز سن کر چونکے اور سب سمجھ گئے۔چنانچہ آپ نے فوراً اپنے پاؤں سمیٹ لیے۔اس وقت خوفِ الٰہی کے مارے آپ پر لرزہ طاری ہو گیا۔آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے آپ کافی دیر روتے رہے اس کے بعد آپ نے رب کائنات کے حضور ہاتھ پھیلائے اور گڑگڑا کر کہا:

’’اے رب تعالیٰ! اے رب العالمین! اے رب رحمٰن ورحیم! میری خطاؤں کو بخش دے مجھے

تیری عزت وعظمت کی قسم اب میں کبھی بھی اپنے پاؤں نہیں پھیلاؤں گا۔ مجھ سے قصور ہوا خطا سرزد ہوئی۔ تُو معاف کرنے والا ہے مجھے معاف فرما دے۔ مجھے معاف فرما دے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ہمراہ تھے۔ انہوں نے حضرت سری سقطیؒ پر لرزہ طاری دیکھا اور پھر توبہ استغفار سنی تو آپ نے اپنے پیر ومرشد اور رہبر ورہنما حضرت سری سقطیؒ سے پوچھا۔''یا حضرت! کیا ہوا؟ آپ خوف کے مارے پسینے سے شرابور کیوں ہو رہے ہیں؟ خیریت تو ہے؟''حضرت سری سقطیؒ نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا تو آپ نے بھی اس سے سبق حاصل کیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت سری سقطیؒ ساٹھ سال زندہ رہے مگر انہوں نے مسجد تو کیا گھر میں بھی بلکہ کسی بھی جگہ پاؤں نہیں پھیلائے بلکہ ہمیشہ سمیٹ کر رکھتے تھے اور اپنی پچھلی غلطی کی معافی مانگتے رہتے تھے اور سوچتے رہتے تھے کہ کیا خبر رب تعالیٰ نے مجھے معاف بھی کیا ہے یا نہیں۔

سفر وسیلہ ظفر بھی ہے اور ذریعہ سبق بھی کیونکہ سفر میں مسافر کو قدم قدم پر نت نئے تجربات اور مشاہدات سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ تجربات اسے تازہ معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت کی اصلاح اور تعمیر بھی کرتے ہیں۔ مشاہدات اس کے دل ودماغ کو روشن بھی کرتے ہیں اور سوچ وفکر کے نئے دروازے بھی کھولتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سفر پر روانہ ہوئے تو حضرت خواجہ شبلی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ دونوں حضرات بغداد سے کافی دور نکل آئے۔ اب نماز کا وقت ہو چلا تھا۔ دونوں نے ایک قریبی چشمے کے اچھلتے پانی سے وضو کیا اور نماز کی تیاری کرنے لگے۔ آپ دونوں اس تلاش میں تھے کہ مناسب جگہ مل جائے تو نماز ادا کریں اتنے میں حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک بزرگ لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ان کی طرف آ رہا ہے۔ اس شخص نے ان کے قریب آ کر لکڑیوں کا گٹھا سر سے اتارا اور دونوں کو سلام کیا۔ دونوں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔

پھر وہ شخص اسی چشمہ کے پانی سے وضو کرنے لگا جس سے آپ دونوں نے کیا تھا۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ دونوں نے مناسب خیال کیا کہ اس شخص کو وضو کرنے دیا جائے تاکہ اکٹھے ہی نماز ادا کی جا سکے۔ جب وہ شخص وضو کر کے فارغ ہوا تو آپ دونوں نے اس سے درخواست کی کہ وہ نماز کی امامت کرے کیونکہ وہ شخص آپ دونوں سے زیادہ برگزیدہ اور عمر رسیدہ نظر آتا تھا۔ اس نے آپ دونوں کے کہنے پر نماز کی امامت کی ہامی بھر لی چنانچہ ایک مناسب جگہ پر وہ دونوں کو لے گیا اور وہاں اس نے نماز کی امامت کرائی۔

نماز کی ادائیگی کی یہ صورتِ حال تھی کہ وہ بزرگ کافی دیر تک رکوع میں رکتا اور بہت دیر تک

سجدے میں رہتا۔ جب نماز سے فراغت ہوئی تو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص سے پوچھا آپ رکوع وسجود میں اس قدر دیر لگاتے ہیں، اس کا کوئی خاص سبب تھا یا یہ آپ کی عادت بن چکی ہے۔ اگرچہ یہ بہت اچھی عادت ہے تاہم میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ اس کی کوئی خاص وجہ تو نہیں۔ اگر کوئی خاص وجہ ہے تو ضرور بتایئے۔

اس شخص نے کہا۔''دراصل میں رکوع وسجود میں اس لیے دیر کرتا ہوں کہ جب تک مجھے لبیک عبدی یعنی اے میرے بندے میں حاضر ہوں کی آواز نہیں آتی میں نماز کو آگے نہیں بڑھاتا۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے جب اس شخص کی بات سنی تو آپ نے رب تعالیٰ کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی:

''یا الٰہی مجھے بھی ایسی قربت عطا فرما جیسی تُو نے اس شخص کو عطا فرمائی ہے۔''

ان کے ایک مرید نے اپنے مکان میں دھمال ڈالنا شروع کر دی۔ دھمال کے ساتھ ساتھ وہ آہ وزاری بھی کرتا جاتا تھا۔ اک عجیب کیفیت تھی۔ اک عجب سماں تھا۔ یہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ابوالحسن نوری تھے۔ احباب نے اطلاع دی کہ آپ کا مرید اس حال میں مست ہے تو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فوراً دوڑے ہوئے اس کے گھر پہنچے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو نہ صرف کتاب وسنت کی تعلیم دیتے تھے بلکہ لحہ لحہ ان کی تربیت بھی کرتے تھے۔ اور کوئی مرید جب آپ کے درس سے فراغت حاصل کر کے چلا جاتا تھا تو پھر بھی آپ اس کا حال معلوم کرتے رہتے تھے اور جب بھی ضرورت محسوس کرتے تھے کہ اسے کسی قسم کے درس یا تربیت کی ضرورت ہے تو آپ فوراً اس کے پاس پہنچتے تھے اور اسے قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھاتے تھے۔ شاگرد بھی آپ کی اس بات کا برا نہیں مناتے تھے بلکہ خوش ہوتے تھے اور شکریہ ادا کرتے تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ جب اپنے مرید اور شاگرد حضرت ابوالحسن نوری کے گھر پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ وہ واقعی دھمال ڈل رہا تھا اور ساتھ ساتھ گریہ زاری بھی کر رہا تھا تو آپ نے اس سے کہا۔''اے ابوالحسن! اگر تجھے اس بات کا یقین ہے کہ پاؤں کا مارنا اور اس کے ساتھ منہ سے آواز نکالنا فائدہ کی بات ہے تو پھر مجھے بھی بتا تاکہ میں بھی تیرے ساتھ شامل ہو کر اسی طرح کرتا اور اگر ایسی بات نہیں ہے تو پھر تجھے چاہیے کہ تُو رضائے الٰہی کو طلب کر اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رضا پر اپنے دل کو جھکا دے تاکہ تیرا دل سکون حاصل کرے۔ بے شک رب تعالیٰ کا ذکر ہی دلوں کو سکون واطمینان بخشتا ہے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی اس بات کو سن کر ابوالحسن نوری پر بہت اثر ہوا اسے اپنے استاد کی بات خوب سمجھ آ گئی اور وہ خاموشی کے ساتھ بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔''یا حضرت آپ بہترین

استاد اور شفیق دوست ہیں۔"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ذکر الٰہی اور عبادت و ریاضت میں اتنے مصروف و مشغول ہوتے تھے کہ آپ کو اس بات کا علم بھی نہیں ہوتا تھا کہ آپ کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ بعض اوقات آپ کے مریدین آپ کے حجرے میں آ کر کافی دیر بیٹھے رہتے تھے۔ ان میں کئی واپس بھی چلے جاتے تھے اور پھر دوبارہ آ جاتے تھے۔ مگر آپ اپنی عبادت میں اس قدر محو ہوتے تھے کہ آپ کا دھیان کسی دوسری طرف بالکل نہیں جاتا تھا۔

بعض اوقات آپ حجرے میں بالکل اکیلے ہوتے تھے۔ اس دوران کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا کہ کوئی چور آپ کے حجرے کے اندر داخل ہو کر کوئی نہ کوئی چیز چرا کر لے جاتا تھا مگر آپ اس کے لیے فکرمند نہیں ہوتے تھے۔ آپ ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو اس لیے اچھا ہوا کہ کسی حاجت مند کی حاجت پوری ہو گئی۔

ایک دفعہ ایک چور آپ کے حجرے میں دبے پاؤں داخل ہوا اس نے سارے حجرے کا جائزہ لیا تو اسے صرف اور صرف ایک ہی چیز ہاتھ آئی اور وہ تھا آپ کا ایک عدد کرتہ جو کہ ایک مرید نے آپ کو ایک روز پہلے ہی پیش کیا تھا۔ اگرچہ آپ نے اسے لینے سے انکار کر دیا تھا مگر اس کے بے حد اصرار پر آپ نے اسے اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ اس کرتہ کو آپ کے حجرہ کے ایک کونے میں لٹکا کر چلا جائے۔ چور نے وہ کرتہ آپ کے حجرے سے لیا اور بھاگ گیا مگر آپ کو علم نہ ہوا کہ کون چرا لے گیا ہے۔

دوسرے دن اتفاقاً آپ بازار سے گزر رہے تھے تو ایک شخص وہی کرتہ کسی کے پاس فروخت کر رہا تھا۔ آپ وہاں رک گئے۔ اب آپ کو علم ہو گیا کہ یہی چور ہے کہ جس نے آپ کا کرتہ چرایا تھا اور اب بیچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس چور اور خریدار میں یہ بحث چل رہی تھی کہ اگر کوئی یہ گواہی دے دے کہ یہ مال تیرا ہے تو پھر میں اسے خریدوں گا کیونکہ جس قیمت پر وہ چور اس کرتہ کو بیچنا چاہتا تھا وہ ایسی تھی کہ جس سے گمان ہوتا تھا کہ یہ چوری کا ہے مگر آپ نے وہاں رک کر اس خریدار سے صرف اتنا کہا کہ میں واقف ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ کرتہ کس کا ہے۔

خریدار یہ سمجھا کہ آپ نے یہ گواہی دے دی ہے کہ کرتہ واقعی اسی شخص کا ہے جو کہ اسے بیچ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے وہ کرتہ اس چور کی منہ مانگی قیمت پر خرید لیا۔ آپ کے ایک مرید کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے آپ سے عرض کی۔ "یا حضرت! یہ آپ نے کیا کیا؟ اچھا بھلا پہچانا ہوا چور آپ نے نہ صرف دوڑا دیا بلکہ اس کی مدد کی اور اپنا کرتہ گنوا دیا۔" آپ نے فرمایا۔" اس چور کی حالت ہی ایسی تھی کہ وہ سخت ضرورت مند دکھائی دیتا تھا۔ دوسرے یہ کہ میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ کسی شخص کی میری وجہ سے بے عزتی ہو اور وہ دوسروں کے سامنے شرمندہ ہو۔ میں نے رب تعالیٰ

سے دعا کر دی ہے کہ وہ اس شخص کو ہدایت سے نوازے اور مجھے امید ہے کہ وہ آئندہ چوری نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ اس وقت بھی نادم دکھائی دیتا تھا اور مجھ سے آنکھ ملانے سے کتراتا تھا۔ میں نے اسے اسی لمحے معاف کر دیا تھا رب رحمٰن و رحیم بھی اسے معاف کرے۔"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اپنی مجلس میں اپنے عقیدت مندوں کے ہمراہ بیٹھے ان کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے۔ انہیں نصیحتیں فرما رہے تھے اور ان کے مسائل بھی سن رہے تھے کہ اتنے میں ایک امیر شخص وہاں حاضر ہوا اس نے سب سے آخر میں بیٹھے ہوئے ایک درویش کو ساتھ لیا اور چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہی درویش دوبارہ حاضر ہوا تو وہ مالدار شخص بھی ساتھ تھا۔ جبکہ اس نے درویش کے سر پر خوان رکھوائے ہوئے تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے جیسے ہی یہ صورتِ حال دیکھی تو آپ نے اس درویش کو حکم دیا کہ یہ خوان اس دولت مند شخص کے سر پر رکھ دے۔ اس نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور ایسا ہی کیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ "اس دولت مند کو درویش کے علاوہ کوئی اور نہیں ملتا تھا کہ جس کے سر پر وہ خوان رکھتا۔ درویش صاحبِ نعمت نہ ہونے کے باوجود اہلِ ہمت ہوتے ہیں اور اگر وہ دنیاوی دولت سے محتاج ہوں تو آخرت کا اجر ان کا حصہ ہے۔ اور یہ کہ درویش تو ہوتا ہی وہی ہے جو دنیاوی دولت سے بے نیاز ہو اور اخروی دولت کا طالب ہو۔"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک ارادت مند کافی دولت مند تھا۔ وہ آپ کے پاس اکثر حاضر رہنے لگا۔ آپ کی صحبت اور رفاقت کے ساتھ مجلس درس کا اس پر یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنا تمام اثاثہ رب تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ محتاجوں، یتیموں، مسکینوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ اس بات کی خبر حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپ نے خوشی کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا۔ "کیا تمہارے پاس کچھ اور باقی رہ گیا ہے؟" اس نے بتایا۔ "صرف ایک مکان باقی رہ گیا ہے۔" حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے حکم دیا جاؤ وہ مکان فروخت کر کے اس کی رقم بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں دے دو۔" اس نے آپ کے حکم کی فوری تعمیل کی اور پھر صبح شام، دن رات آپ کے ساتھ رہنے لگا کیونکہ وہ اپنی رہائش گاہ کا مکان تک فروخت کر چکا تھا۔ وہ آپ کے ساتھ ہی عبادت الٰہی میں مشغول و مصروف رہتا اور آپ سے دعائیں لیتا۔ آخر کار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر بلند مرتبہ پر پہنچا۔

ہر ماں کے لیے اس کا بچہ اس کی اپنی جان سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ وہ لمحہ لمحہ اس کے لیے دعا گو رہتی ہے۔ اس کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتی ہے اور اسے ہر قسم کا سکھ پہنچانے کے لیے پوری کوشش کرتی ہے۔ وہ اسے ہر وقت اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتی ہے ایک لمحہ کی دوری برداشت نہیں کر سکتی اور اگر خدانخواستہ اس کا بچہ کھو جائے تو اس کی دنیا اندھیر ہو جاتی ہے اسے کسی پل چین نہیں آتا اور

اس کی زندگی دکھوں کا مرکز بن جاتی ہے۔

ایک ماں کا بچہ بازار میں کہیں کھو گیا اس نے اسے تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ علاقے کا کونہ کونہ چھان مارا مگر اس بچے کا کوئی پتہ نہ چلا۔ بالآخر وہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی وہ از حد بے حال اور پریشان تھی حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا۔"بتاؤ تم رو کیوں رہی ہو؟ تمہیں کس بات کی پریشانی ہے؟"اس نے بتایا۔"یا حضرت! میرا بچہ کھو گیا ہے۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہوگا اس کی دوری مجھے کسی پل چین نہیں لینے دیتی۔ دن رات روتے ہوئے گزرتے ہیں۔ آپ رب رحمٰن ورحیم سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے میرا بچہ واپس ملا دے۔"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس عورت کو تسلی دی اور تلقین کی کہ صبر سے کام لو۔ وہ عورت آپ کی یہ بات سن کر چلی گئی۔ اس نے کمال صبر کا مظاہرہ کیا۔ رونا دھونا بند کر دیا اور رب تعالیٰ کی رحمت کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ روز کے بعد وہ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی۔ "میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں صبر کیا۔ مگر آخر ماں ہوں۔ بچے کی دوری برداشت نہیں ہوتی۔ آپ رب تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے میرے بچے سے ملا دے۔"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے پھر وہی الفاظ کہے۔"صبر کرو رب تعالیٰ بہتری فرمائیں گے۔" وہ عورت واپس چلی گئی اور آپ کی تلقین پر عمل جاری رکھا۔ کچھ عرصہ بعد وہ آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئی اور کہنے لگی۔"یا حضرت! اب مجھ میں صبر کی طاقت باقی نہیں رہی۔ مجھ سے مزید صبر کی توقع نہ رکھیں۔ رب تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ یا تو مجھے صبر کی طاقت دے یا میرا بچہ مجھے ملا دے۔" حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔"اگر تیری بات صحیح ہے تو جا تجھے تیرا بیٹا مل گیا۔" وہ عورت خوشی خوشی گھر پہنچی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کا بیٹا گھر میں موجود تھا۔

اس نے ایک خواب دیکھا۔ خواب بھی ایسا خوبصورت کہ اس جیسا کوئی خواب نہیں ہو سکتا۔ اس خواب پر ہزاروں راتیں قربان کیونکہ وہ رات بھی نرالی تھی اس نے خواب میں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اتنے میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کوئی فتویٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ ہادی کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر دیا جو کہ اس محفل میں موجود تھے۔ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف فرما ہیں تو پھر کسی دوسرے کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر نبی کو اپنی اُمت پر فخر ہے لیکن مجھے اپنی اُمت میں جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ پر اس سے بھی زیادہ فخر ہے۔"

اس خواب کے بعد اس شخص کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا کیونکہ اس نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی جو کہ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے۔ وہ بھی ایک مدت سے یہی خواہش رکھتا تھا۔ آخر اس کی یہ خواہش پوری ہوئی۔ وہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک عقیدت مند تھا اس نے صبح حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب کی پوری تفصیل بیان کی۔ آپ نے خواب سنا تو صرف اتنا فرمایا۔"یہ سب میرے آقا جی صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے اور عنایت ہے کہ انہوں نے میرے بارے میں یہ کہا ورنہ میں گناہ گار شخص اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا۔"

ایک دفعہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ایسا ہوا کہ آپ آشوبِ چشم میں مبتلا ہو گئے۔ آنکھوں کی تکلیف میں بھی آپ نے معمول کی ریاضت وعبادت میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ ایک آتش پرست طبیب کا وہاں سے گزر ہوا تو اس نے آپ کو ہدایت کی کہ آپ کوشش فرمائیں کہ آنکھوں پر پانی نہ لگنے پائے لیکن آپ نے فرمایا وضو کرنا تو میرے لیے از حد ضروری ہے اور جب میں وضو کروں گا تو پانی تو آنکھوں میں ضرور لگے گا۔

اس طبیب کے چلے جانے کے بعد حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے عشاء کی نماز کے لیے وضو کیا اور پانی کی کوئی احتیاط نہ کی۔ صبح کی نماز کے لیے جب آپ دوبارہ وضو کرنے لگے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ رب تعالیٰ کی قدرت اور عنایت سے آشوبِ چشم ختم ہو چکا تھا۔ سب تکلیف رفع ہو چکی تھی۔ اس لمحے ندا آئی۔"اے جنید! تم نے ہماری عبادت کی وجہ سے آنکھوں کی پرواہ نہیں کی اس لیے ہم نے تیری تکلیف ختم کر دی۔"

اگلے روز اسی آتش پرست طبیب کا وہاں سے گزر ہوا اس نے آپ کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔"یہ ایک ہی رات میں آپ کی آنکھیں کس طرح اچھی ہو گئیں۔ آپ نے کون سی دوا استعمال کی ہے؟" حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔"اے نادان! میں نے کوئی دوا نہیں لی۔ صرف وضو کیا اور وضو کے پانی کی برکت ہے کہ میری آنکھوں کی تکلیف جاتی رہی ہے حالانکہ تم نے پانی سے پرہیز کی ہدایت کی تھی مگر میں نے اس پر عمل نہیں کیا اور رب تعالیٰ کی عبادت کی خاطر وضو کیا۔"

اس آتش پرست طبیب نے کہا۔"یا حضرت! دراصل میں مریض تھا اور آپ طبیب۔" یہ کہہ کر وہ آتش پرست طبیب خود وضو کر کے آیا اور آپ کے دستِ مبارک پر مسلمان ہو گیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف بغداد ہی میں تبلیغ اور اشاعت دین میں مصروف

رہتے تھے کہ صرف وہاں کے لوگ ہی فائدے حاصل کریں بلکہ وقتاً فوقتاً دوسرے شہروں میں بھی تشریف لے جاتے تھے اور وہاں خاص طور پر توحید کے موضوع پر خطاب فرماتے تھے۔آپ لوگوں کو بتاتے تھے کہ قرآن وحدیث پر عمل کرتے رہو۔انسان سیرت سے انسان ہوتا ہے نہ کہ صورت سے کیونکہ یہ صورت تو بالآخر مٹی میں مل جاتی ہے۔جہنم میں جلنے سے زیادہ رب تعالیٰ سے غافل رہنا سخت ہے۔شام فتوحات کا،عراق فصاحت کا اور خراسان صدق کا مرکز ہے لیکن ان راہوں میں قزاقوں نے اپنے جال بچھا رکھے ہیں۔قدرت کا مشاہدہ کرنے والا سانس تک نہیں لے سکتا اور عظمت کا مشاہدہ کرنے والا حیرت زدہ رہتا ہے اور ہیبت کا مشاہدہ کرنے والا سانس لینے کو کفر تصور کرتا ہے۔افضل ہے وہ بندہ جس کو ایک لمحہ کے لیے بھی قربِ الٰہی حاصل ہوا ہو۔صوفی وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خلیل ہونے کا درس اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تسلیم کا درس اور حضرت داؤد علیہ السلام سے غم کا درس اور حضرت ایوب علیہ السلام سے صبر کا درس اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شوق کا درس اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاق کا درس حاصل کرے۔

تکلیف پر شکایت نہ کرتے ہوئے صبر کرنا زندگی کی بہترین علامت ہے۔مہمان نوازی نوافل سے بہتر ہے۔جو جتنا رب تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے رب تعالیٰ بھی اتنا ہی اس سے قریب رہتا ہے۔ جس کی زندگی کا دارومدار روح پر ہو وہ روح نکلتے ہی مر جاتا ہے جبکہ جس کی زندگی کا دارومدار رب تعالیٰ پر ہو وہ کبھی نہیں مرتا بلکہ طبعی زندگی سے حقیقی زندگی حاصل کر لیتا ہے جو زبان رب تعالیٰ کے ذکر سے عاری ہو اس کا گنگ ہونا ہی بہتر ہے اور جو کان حق کی بات سننے سے قاصر ہو اس کا بہرہ ہونا اچھا ہے اور جو جسم رب تعالیٰ کی عبادت سے محروم ہو اس کا مُردہ ہو جانا افضل ہے۔عبادت الٰہی اس طرح کرنی چاہیے کہ رب تعالیٰ کے سوا کسی کا خیال تک نہ آئے۔محبت کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خود کو فنا نہ کر لے۔ذکرِ الٰہی سے ایک لمحہ کی غفلت بھی ہزار سالہ عبادت سے بدتر ہے۔

میرے نزدیک نیک خو فاسق کی صحبت بدخو عابد سے بہتر ہے۔اپنے اختیارات کو ختم کر کے مصائب کو نعمت تصور کرنے کا نام رضا ہے۔توحید نام ہے خود کو فنا کر کے رب تعالیٰ میں ضم ہو جانے اور عجز کے ساتھ حصولِ نعمت کا اور محبت کا مفہوم یہ ہے کہ محبوب کے تمام اوصاف محب میں موجود ہوں۔اخلاص کی تعریف یہ ہے کہ بندہ اپنے بہترین اعمال کو قابلِ قبول تصور نہ کرتے ہوئے نفس کو فنا کر ڈالے اور شفقت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی پسندیدہ شے دوسرے کے حوالے کر کے احسان نہ جتائے۔ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے جو احسان کر کے بھول جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے وعظ وتبلیغ کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ معرفت کا خزانہ ہوتا تھا۔آپ نے نصیحتوں کے ساتھ ساتھ عملی طور پر جہاد میں بھی حصہ لیا۔آٹھ مریدین آپ کے ایسے تھے کہ جو آپ کے انتہائی مقرب تھے۔انہوں نے ایک دفعہ جہاد کا ارادہ کیا تو آپ بھی ان

کے ساتھ کفار سے مقابلہ کرنے کے لیے روم تشریف لے گئے۔وہاں زبردست جنگ ہوئی۔آپ کے آٹھوں مریدوں نے جام شہادت پیا۔آپ نے دیکھا کہ نو عدد ہودے ہوا میں معلق ہیں اور آٹھوں مریدوں کی روحوں کو آٹھ ہودوں میں رکھا جا رہا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو خیال ہوا کہ شاید نواں ہودہ میرے لیے ہے یہ خیال کر کے آپ پوری شدت کے ساتھ جہاد میں مصروف ہو گئے تاکہ جلد سے جلد شہادت جیسا عظیم رتبہ حاصل کر سکیں لیکن آپ نے دیکھا کہ ایک کافر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا حضرت مجھے مسلمان کر کے اسلام کے احکامات کی تعلیم دیں۔آپ نے اسے کلمۂ شہادت پڑھایا تو وہ اسی لمحے جہاد میں مصروف ہو گیا اور اس نے شہادت کا رتبہ پایا پھر آپ نے دیکھا کہ اس نوویں ہودہ میں اس کی روح کو رکھا جا رہا ہے۔اس موقع پر آپ کی زبان سے یہی نکلا یہ بلند مرتبہ خدا جسے چاہے عنایت کر دے۔دیکھو وہ کافر ابھی مسلمان ہوا اور ابھی جام شہادت پی کر جنت میں داخل ہو گیا حالانکہ اس نے نہ کوئی روزہ رکھا اور نہ ہی کوئی نماز پڑھی مگر یہ رب تعالیٰ کی عنایت ہے کہ اسے یہ بلند مقام عطا فرما دیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا جب وقت آخر قریب آیا تو آپ نے اپنے ارادت مندوں سے کہا کہ مجھے وضو کرا دو چنانچہ آپ کو وضو کرایا گیا مگر وضو کے دوران آپ انگلیوں میں خلال کرنا بھول گئے آپ کو یاد آیا تو خلال کر دیا گیا۔اس کے بعد آپ رب تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے اور گریہ زاری شروع کر دی۔اس لمحے آپ کے مریدوں نے سوال کیا۔یا حضرت آپ اس قدر عابد وزاہد ہو کر روتے کیوں ہیں؟ آپ نے فرمایا اس وقت سے زیادہ میں کبھی محتاج نہیں ہوا۔

اس کے بعد آپ نے تلاوت قرآن مجید شروع کر دی۔اس دوران آپ نے فرمایا اس وقت قرآن سے زیادہ میرا کوئی ہمدرد اور غمگسار اور دوست نہیں۔اس وقت میں اپنی عمر بھر کی عبادت کو اس طرح ہوا میں معلق دیکھ رہا ہوں کہ جس کو تیز وتند ہوا کے جھونکے ہلا رہے ہیں۔اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ ہوا فراق کی ہے یا وصال کی جبکہ دوسری طرف فرشتہ اجل ہے اور پُل صراط ہے اور میں رب تعالیٰ کی طرف نظریں لگائے اس بات کا انتظار کر رہا ہوں کہ نہ جانے مجھے کس طرف لے جانے کا حکم دیا جائے۔

آپ نے قرآن پاک کی سورۃ بقرہ کی ستر آیات تلاوت فرمائیں اور پھر انگلیوں پر وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا۔آپ نے انتہائی آخری وقت میں دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اوپر اٹھا کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا اور آنکھیں بند کر لیں اس طرح آپ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

آپ کی وفات کے بعد کسی بزرگ نے آپ کو خواب میں دیکھا۔اس نے پوچھا ''یا حضرت! یہ فرمائیے کہ آپ نے منکر نکیر کو کیا جواب دیا؟'' آپ نے فرمایا کہ'' جب انہوں نے پوچھا کہ من ربک یعنی تمہارا رب کون ہے؟'' تو میں نے مسکرا کر جواب دیا کہ'' میں نے تو روزِ اول ہی ''الست بربکم'' کا جواب ''بلیٰ'' میں دے دیا تھا اور جو شخص شہنشاہ کو جواب دے چکا ہو اس کے لیے غلاموں کو

جواب دینا کون سی مشکل بات ہے چنانچہ منکر نکیر میری یہ بات سن کر چلے گئے۔

اسی طرح کسی اور بزرگ نے آپ کی وفات کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا اور آپ سے پوچھا۔ "یا حضرت! یہ فرمائیے کہ رب تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟" آپ نے فرمایا رب تعالیٰ نے محض اپنے کرم اور بخشش وعنایت کا مظاہرہ کیا۔ میری کوئی عبادت میرے کام نہ آسکی سوائے اس دو رکعت نماز کے جو کہ میں رات کو پڑھا کرتا تھا۔

الغرض حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ایک معتبر عالم تھے۔ ذہانت میں بے مثال تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، عقائد اور تصوف کے مسائل پر بہت عالمانہ گفتگو کرتے تھے۔ آپ نے ساری عمر شریعت کی پابندی میں گزاری۔

☆======☆======☆

حضرت بایزید بسطامیؒ

نمازِ قلندر، وقت کے سکندر...... عشقِ الٰہی رگ رگ میں رواں تو عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم من کے اندر...... سنتوں کے داعی...... چاہی ہر کسی کی بھلائی...... یتیم ہوئے پیدا مگر ہوگئی اک دنیا آپؒ کی شیدا...... شب و روز گزارے سجدوں میں تو عمر گزاری روزوں میں...... کرامات کے اظہار سے ہمیشہ کیا گریز اور خواہشات دنیاوی سے ہمیشہ کیا پرہیز...... "سلطان العارفین" کا درجہ کیا حاصل کیونکہ سخت مجاہدہ و ریاضت کے تھے حامل...... حضرت امام صادقؒ آپؒ کے اساتذہ میں شامل تو حضرت ابوسعید راعیؒ جیسے بزرگ آپ کے تلامذہ کے قابل...... بقول اقبالؒ:

دار و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

ایک تو خاموشیوں کے شہر قبرستان کا ماحول، دوسرے رات کی تاریکی اور خاموشی۔ گویا اک عجیب فضا اور غمگین ہوا تھی۔ آسمان پر اگرچہ بادلوں کے چند آوارہ ٹکڑے بے مقصد اِدھر سے اُدھر آ جا رہے تھے مگر چاند کی میٹھی روشنی در و دیوار کو چاندی میں نہلائے دیتی تھی۔ ایسے میں ہوا ترنگ میں آ کر فضا میں سرگوشیاں کرتی تھی تو ہلکی سی سیٹی بجنے کی آواز کانوں میں رس گھولتی تھی۔ مگر ان سب باتوں سے بے نیاز وہ قبرستان کے ایک کونے میں نوافل پڑھنے میں مصروف تھے۔ نوافل سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اس جہانِ فانی سے کوچ کرنے والوں کے لیے رب رحمٰن و رحیم کے حضور گڑگڑا کے مغفرت کی دعا کی اور قبرستان سے باہر نکل آئے۔

باہر آ کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک منچلا نوجوان قبرستان کے قریب سے تیز آواز میں بربط بجاتا ہوا گزر رہا ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے رک گئے۔ نوجوان ان ہی کی جانب آ رہا تھا۔ جب وہ ان کے قریب سے بربط بجاتا ہوا گزرا تو انہوں نے بلند آواز سے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا اور قدرے دور ہٹ گئے۔

اس نوجوان کو ان کی اس بات پر سخت غصہ آیا۔ وہ دوڑا ہوا آیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنا بربط سیدھا کیا اور پوری طاقت کے ساتھ ان کے سر پر دے مارا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے سر پر چوٹ آئی۔ خون بہہ نکلا جبکہ بربط بھی ٹوٹ گیا۔ وہ نوجوان ٹوٹے ہوئے بربط کے ساتھ بھاگ گیا۔

راہ گیروں نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو ان کی مرہم پٹی کرائی۔ بربط والے نوجوان کو راہ گیروں نے پہچان لیا تھا۔ بہرحال وہ مرہم پٹی کرانے کے بعد اپنے گھر پہنچے البتہ انہوں نے بربط والے نوجوان کے گھر کا پتہ راہ گیروں سے معلوم کر لیا۔

انہوں نے رات کا بیشتر حصہ عبادت و ریاضت میں گزارا۔ صبح کی نماز سے فراغت کے بعد انہوں نے معقول مقدار میں حلوہ تیار کرایا اور بازار سے بربط کی قیمت دریافت کرائی۔ پھر انہوں نے حلوے کو ایک طباق میں ڈالا۔ بربط کی قیمت جیب سے نکالی اور اپنے ایک ارادت مند کو بلا کر فرمایا۔

''یہ حلوہ اور یہ رقم لے کر فلاں نوجوان کے پاس جاؤ اور اسے یہ دونوں اشیاء دے کر میرا نام لے

کر کہنا کہ اس رقم سے نیا بربط خرید لے کیونکہ پرانا بربط ٹوٹ چکا ہے اور یہ حلوہ کھا لے تاکہ بربط کے ٹوٹنے کے غصہ اور تلخی کے جذبات ختم ہو جائیں۔''

ارادت مند نے حسبِ ارشاد اس نوجوان کے مکان پر پہنچ کر دستک دی۔ نوجوان باہر آیا تو اس نے حلوہ اور رقم اس کے حوالے کی اور پیغام بھی حرف بہ حرف پہنچایا۔ نوجوان نے جب اپنی زیادتی کا یہ ردِعمل دیکھا تو حیران بھی ہوا اور سخت شرمندہ بھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہونے لگی۔ دل ندامت کے احساسات سے لبریز ہو گیا۔ وہ فوراً ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ کافی دیر تک روتا رہا۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ جب دل کا غبار قدرے کم ہوا تو اس نے دست بستہ عرض کی:

''یا حضرت! مجھے معاف فرما دیجئے۔ میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ میں اپنے تمام غلط کاموں سے توبہ کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ نیکی کی راہ پر چلوں گا۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اس سے ناراض تو نہیں تھے۔ وہ تو اسے پہلے ہی معاف کر چکے تھے بلکہ انہوں نے تو اس نوجوان کے نقصان کی تلافی کے لیے رقم اور خفگی کے خاتمہ کے لیے حلوہ بھجوایا تھا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ مشہور و معروف شہر بسطام کے ایک نامور اور ہر دلعزیز مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا شمار بسطام کے عظیم بزرگوں میں ہوتا تھا اور وہ مفادِ عامہ اور رفاہِ عوام کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ آپ لوگوں کا روحانی علاج بھی کرتے تھے اور ان کی مالی مدد بھی کر دیا کرتے تھے۔ سینکڑوں لوگ روزانہ حاضری دیتے تھے اور آپ کے والد محترم کے فیض سے مستفید ہوتے تھے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ انتہائی پابند صوم وصلوٰۃ خاتون تھیں۔ آپ کے پاس ہمہ وقت خواتین کا مجمع لگا رہتا تھا۔ آپ ان کے مسائل پوری دلجمعی اور خوش اخلاقی کے ساتھ سنتی تھیں اور ان کے حل کے لیے مقدور بھر کوشش کرتی تھیں۔ جب حضرت بایزید بسطامی شکمِ مادر میں تھے تو اگر کوئی مشتبہ غذا آپ کی والدہ کھا لیتی تھیں تو انہیں اس قدر بے کلی اور بے چینی اور اضطراب ہوتا تھا کہ انہیں وہ خوراک حلق میں انگلی ڈال کر نکالنا پڑتی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ ہمہ وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتی تھیں قرآن پاک کی تلاوت کرتیں۔ نوافل ادا کرتیں اور رب کائنات کے حضور گریہ وزاری کرتیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا معمول تھا کہ وہ باوضو ہو کر درود پاک پڑھ کر آپ کو دودھ پلاتی تھیں۔

حضرت بایزید بسطامی نے بچپن میں جب بولنا شروع کیا تو سب سے پہلا لفظ جو آپ نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا وہ لفظ اللہ تھا۔ پھر آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے کلمۂ توحید پڑھایا جسے آپ انتہائی کم سن ہونے کے باوجود انتہائی صاف اور واضح لحن سے سناتے تھے۔ اس کے بعد آپ

نے نماز سیکھی۔ یہ آپ کی والدہ ماجدہ کی نیک تربیت کا اثر تھا کہ آپ نے انتہائی کم عمر میں ہی نماز پڑھنا شروع کر دی۔ پہلے آپ والدہ ماجدہ کے ساتھ نماز پڑھتے پھر آپ اپنے والد محترم کے ساتھ مسجد جانے لگے۔ آپ کے والد مسجد میں نماز کی امامت کرتے تھے۔ آپ اپنے والد محترم کے ساتھ ہی تھوڑا سا پیچھے کھڑے ہو جاتے اور مکمل یکسوئی اور طمانیت کے ساتھ رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے۔

آپ کی دیکھا دیکھی دوسرے نمازی بھی اپنے کم سن بچوں کو مسجد میں لانے لگے اور یوں بچوں کی ایک معقول تعداد مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے پانچوں وقت حاضری دینے لگی۔ صبح کی نماز کی ادائیگی کے بعد آپ مسجد میں اپنے والد محترم سے قرآن مجید پڑھتے۔ آپ کے ساتھ دوسرے بچے بھی قرآن پاک اور ناظرہ پڑھتے۔ آپ نے رفتہ رفتہ قرآن پاک حفظ کرنا بھی شروع کر دیا۔ والد کی وفات کے بعد آپ کو ایک مکتبہ میں داخل کرا دیا گیا جہاں آپ نے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔

جب آپ قرآن پاک پڑھ چکے تو پھر آپ نے اسے باترجمہ پڑھنا شروع کیا۔ قرآن پاک کا ترجمہ پڑھتے ہوئے جب آپ نے سورۃ لقمان کی یہ آیت پڑھی ان اشکر لی ولوالدیک یعنی "میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔" آپ دوڑے ہوئے والدہ ماجدہ کے پاس آئے اور آ کر رونے لگے۔ والدہ ماجدہ نے پوچھا۔ "بیٹا! خیریت تو ہے۔ آج تمہاری آنکھوں سے آنسو کیوں رواں ہیں؟" حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "امی جان! رب کائنات کا حکم ہے کہ اس کا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو مگر میں بیک وقت دو ہستیوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا لہٰذا آپ یا تو مجھے رب تعالیٰ سے طلب کر لیں تا کہ میں آپ کا شکر ادا کرتا رہوں یا پھر مجھے رب رحمٰن ورحیم کے سپرد کر دیں تا کہ اس کے شکر میں دن رات مشغول ومصروف رہوں۔"

حضرت بایزید بسطامیؒ کی والدہ ماجدہ نے کہا۔ "بیٹا! میں رب تعالیٰ کی خوشی وخوشنودی چاہتی ہوں۔ اپنے حقوق سے دستبرداری کا اعلان کرتی ہوں اور تجھے رب قادر وقدیر کے سپرد کرتی ہوں۔ رب عزیز وحکیم تمہارا حامی وناصر ہو۔ میری طرف سے تم مکمل آزاد ہو۔ رب تعالیٰ کی جس طرح چاہو عبادت کرو۔ جس طور چاہو اسے راضی کرو۔ رب کی رضا ہی میں میری رضا ہے۔ رب خوش تو میں بھی خوش!"

حضرت بایزید بسطامیؒ نے والدہ کی مکمل اجازت ملنے کے بعد پھر بھی والدہ محترمہ سے پوچھا۔ "امی جان میں ملک شام جانا چاہتا ہوں تا کہ وہاں لمحہ لمحہ اور لحظہ لحظہ یادِ الٰہی اور فکرِ آخرت میں گزار سکوں۔" والدہ نے فرمایا۔ "بیٹا! میں تو پہلے تمہیں مکمل آزادی، اختیار اور اجازت دے چکی ہوں۔ تمہاری مرضی ومنشاء پر منحصر ہے کہ تم جہاں جاؤ۔ بس صرف ایک بات یاد رکھنا کہ رب تعالیٰ کو کبھی نہ بھلانا۔ اس راستے کی ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا۔ اگر تم نے رب کو راضی کر لیا تو مجھے کامل یقین ہے کہ ولایت کے درجہ تک پہنچ جاؤ گے۔ میں بھی رب العالمین سے دعا گو ہوں

گی کہ تمہیں خیر وعافیت سے رکھے۔ تمہاری عبادت وریاضت کو قبول فرمائے اور تمہیں ولایت کا درجہ عطا فرمائے۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ مختصر زادِ سفر کے ہمراہ کچھ ہی عرصے میں شام پہنچے۔ وہاں آپ تین سال تک شام کے میدانوں اور صحراؤں میں ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ آپ نے اپنی خوراک آہستہ آہستہ کم کرنا شروع کر دی حتیٰ کہ یہ نوبت آ پہنچی کہ کئی کئی روز فاقہ میں گزار دیتے۔ شام اور اردگرد کے علاقوں میں آپ نے علماء، فقہا اور مشائخ کی مجالس میں بھی شرکت کی اور علمی موتی سمیٹے۔ جہاں سے بھی اچھی بات ملی پلے باندھ لی۔ آپ نے پوری کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ علماء وفقہا سے فیض حاصل کیا جائے۔ آپ کی اسی کوشش وکاوش کا نتیجہ تھا کہ آپ نے تقریباً 117 علماء ومشائخ سے استفادہ کیا۔ ان میں سب سے نمایاں اور ممتاز نام حضرت امام جعفر صادقؒ کا ہے۔

آپ نے حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں کافی وقت گزارا۔ آپ شب وروز کا زیادہ تر حصہ حضرت امام جعفر صادقؒ کے ساتھ گزارتے تھے۔ ان کی مجلسِ درس میں شریک ہوتے۔ ان کی امامت میں نمازیں ادا کرتے اور ان سے مختلف مسائل دریافت کرتے۔ آپ کی کوشش تھی کہ ان سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جائے۔

آپ چونکہ حضرت امام جعفر صادقؒ کے پاس ہمہ وقت موجود ہوتے تھے اس لیے ایک دن انہوں نے آپ سے کہا۔ "اے بایزید! فلاں طاق میں جو کتاب رکھی ہے وہ اٹھا لاؤ۔ ہم اس میں سے کچھ دیکھنا چاہتے ہیں۔" حضرت بایزید بسطامی نے عرض کی۔ "یا حضرت! یہ فرمائیے کہ وہ طاق کس جگہ ہے تا کہ میں وہاں سے آپ کی مطلوبہ کتاب اٹھا کر آپ کو لا دوں۔"

حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔ "اے بایزید! تم نے میرے پاس ایک عرصہ گزار دیا ہے اور ابھی تک تم نے طاق نہیں دیکھا۔" حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔ "یا حضرت آپ طاق کی بات کرتے ہیں میں نے تو آج تک آپ کے روبرو سر تک نہیں اٹھایا۔ میں تعظیم و ادب سے بیٹھا محض آپ کی گفتگو ذہن نشین کرتا رہتا ہوں۔" اس پر حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔ "اے بایزید! اب تم کامل ہو چکے ہو۔ تمہاری تعلیم وتربیت مکمل ہو چکی۔ اب تمہیں مزید یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں لہٰذا میرا مشورہ یہی ہے کہ واپس بسطام چلے جاؤ۔"

حضرت امام جعفر صادقؒ کے کہنے پر حضرت بایزید بسطامی اپنے آبائی وطن بسطام پہنچے۔ اگرچہ آپ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ ان کی رفاقت چھوڑ دیں مگر ان کے حکم کو ٹال مٹول بھی نہیں سکتے تھے۔ گھر پہنچے تو آپ کو علم ہوا کہ آپ کی والدہ آپ کی راہ تک رہی ہیں اور رب ذوالجلال سے دعا گو ہیں کہ اس کے بیٹے بایزید کو گھر واپس پہنچا دے کیونکہ وہ اب بہت ضعیف ہو چکی تھیں۔ حضرت بایزید بسطامی سمجھ گئے کہ یہ والدہ ہی کی دعا تھی کہ انہیں حضرت امام جعفر صادقؒ نے گھر بھیج دیا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔

اب حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے شب و روز اپنی والدہ کی خدمت شروع کی۔آپ اپنی والدہ کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے ان کی ہر خواہش پوری کرتے۔ان کی بیماری کے علاج کے لیے حکیم کو بلاتے۔نماز سے پہلے انہیں وضو کراتے۔کھانا دینے سے پہلے ان کے ہاتھ دھلاتے۔ان کے لیے موسم کے پھل خرید کر لاتے۔انہیں قرآن حکیم،اسوہ حسنہ اور صحابہ کرامؓ کے ناقابلِ فراموش، سبق آموز اور ایمان آفریں واقعات سناتے۔ان کی باتیں پورے انہماک اور توجہ سے سنتے۔یوں زیادہ تر وقت اپنی والدہ کے پاس ہی گزارتے تاکہ وہ خوش و خرم اور شاداں و فرحاں رہیں۔

یوں تو حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت،عقیدت،خلوص اور محبت کے بڑے نرالے انداز تھے اور آئے روز کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ہوتا تھا کہ جس کی مثال دی جاسکتی تھی مگر دو واقعات ایسے ہیں جنہیں خاص طور پر حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے خود بیان کیا۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ رب رحمٰن و رحیم کی طرف سے مجھے جو کچھ بھی عطا ہوا وہ انہی دو واقعات کی وجہ سے ہوا۔

یہ موسم سرما کی یخ بستہ رات تھی۔نصف چاند کی روشنی ادھ کھلی کلی کی طرح مسکرا رہی تھی۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ عشاء کی نماز کی ادائیگی کے بعد چند اوراد و وظائف پڑھ کر سو چکی تھیں مگر حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ یادِ الٰہی میں مصروف تھے۔قیام و سجود جاری تھا کہ اتنے میں آپ کی والدہ ماجدہ نے آواز دی۔"بیٹا بایزید! مجھے پیاس لگی ہے ذرا پانی کا ایک گلاس تو لے آؤ۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی والدہ ماجدہ کی آواز پر لبیک کہا۔"امی جان! آپ تھوڑا سا ٹھہریئے۔میں ابھی پانی کا بھرا ہوا گلاس لے کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر حضرت بایزید بسطامی گھر میں موجود گھڑے کے طرف لپکے تاکہ اس میں سے پانی بھر کر والدہ ماجدہ کو پیش کریں مگر انہیں ایک عجیب صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔گھڑا بالکل خالی تھا،اس میں تو پانی کی ایک بوند تک بھی نہیں تھی۔آپ گھبرا گئے اور دوڑے ہوئے والدہ ماجدہ کے پاس گئے۔ان سے کہا۔"امی جان! گھڑا پانی سے خالی ہے۔میں باہر جا رہا ہوں۔گھڑا پانی سے بھر کر لاتا ہوں اور ابھی آپ کو پانی پیش کرتا ہوں۔"

آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو ڈھیروں دعائیں دیں اور پانی کا انتظار کرنے لگیں۔حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے گھڑا اٹھایا،باہر کا دروازہ کھولا اور گھر سے نکل گئے۔آپ کے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر پانی کا ذخیرہ تھا۔آپ گھڑا پکڑے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے جا رہے تھے تھوڑی ہی دیر میں پانی کے ذخیرے پر پہنچ گئے۔آپ نے وہاں سے گھڑا پانی سے بھرا اور تیزی کے ساتھ واپس لوٹے۔

گھر پہنچ کر پانی سے بھرا گھڑا اپنے کندھے سے اتارا اور اسے مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔پھر آپ

نے اس گھڑے سے ایک گلاس پانی بھرا اور اسے لے کر اپنی والدہ ماجدہ کے پاس پہنچے مگر یہ دیکھ کر آپ پریشان ہو گئے کہ والدہ ماجدہ سو چکی تھیں۔آپ نے اس خوف سے انہیں جگانے کی کوشش نہ کی کہ کہیں ان کی نیند میں خلل واقع ہو اور وہ خفاء ہو جائیں تاہم آپ پانی کا گلاس ہاتھ میں لیے اس انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ والدہ ماجدہ جاگیں تو انہیں پانی پیش کروں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ پانی کا گلاس ایک طرف رکھ کر سو بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ آپ کو خیال آتا تھا کہ خدا معلوم والدہ ماجدہ کس وقت جاگیں اور اگر انہوں نے اس وقت مجھے سوتا ہوا پایا تو انہیں پانی کون پلائے گا۔

یوں انتظار میں تمام رات گزر گئی حتیٰ کہ مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا لگائی تو حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ جاگ گئیں۔انہوں نے دیکھا کہ ان کا بیٹا بایزید ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے کھڑا تھا۔والدہ نے بیٹے کو یوں کھڑے دیکھا تو پوچھا۔"بیٹا! کیا تم سوئے نہیں ساری رات اسی طرح گزار دی۔"

حضرت بایزید بسطامیؒ نے کہا۔"امی جان! مجھے بار بار خیال آتا تھا کہ خدا معلوم آپ کس وقت جاگ جائیں اور پانی طلب کریں۔اس وقت اگر میں سو رہا ہوں گا تو آپ کو پانی کون دے گا۔اسی وجہ سے میں نے تمام رات آپ کے سرہانے گزار دی۔" والدہ نے کہا۔"بیٹا! پانی کا گلاس میرے بستر کے قریب رکھ دیا ہوتا۔میں اگر اٹھ جاتی تو پانی اٹھا کر پی لیتی۔اس طرح آپ سو کر اپنی نیند پوری کر لیتے۔" حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔"امی جان! آپ نے مجھے پانی پلانے کو کہا تھا اور یہ سعادت میں خود حاصل کرنا چاہتا تھا کہ اپنے ہاتھوں سے آپ کو پانی پیش کروں۔دوسرے یہ کہ آپ نے مجھے ہی پانی پلانے کو کہا تھا اگر میں آپ کو پانی نہ پلاتا تو آپ کی حکم عدولی ہوتی۔اب میں خوش ہوں کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو پانی کا گلاس پیش کیا ہے اور آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔"

والدہ نے کہا۔"بیٹا! رب کائنات تمہیں سلامت رکھے۔تمہیں دین و دنیا میں سرخروئی عطا فرمائے۔تمہیں ولی کامل بنائے،تمہیں عزتیں دے،تمہیں رفعتیں دے اور تمہارے دنیاوی و اخروی درجات بلند کرے۔بیٹا! میری یہ دعائیں ضرور عرشِ رب کریم تک پہنچیں گی اور قبولیت کی سند پائیں گی۔وقت تمہیں ہمیشہ یاد رکھے گا۔زمانے میں تم تاقیامت عزت پاؤ گے اور روزِ محشر بھی تمہاری قدر و منزلت دیدنی ہو گی۔"

یہ تو ایک واقعہ تھا جسے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے۔اپنی والدہ کی خدمت کے حوالے سے دوسرا واقعہ بھی آپ نے بتایا۔آپ نے کہا:

"یہ موسم بہار کی ایک خوبصورت اور سہانی رات تھی۔چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا۔اس روشن چاند نے زمین کی ہر چیز کو رات کے اندھیرے کی دست برد سے محفوظ

کیا ہوا تھا۔ میں اس دلفریب اور دلکش رات میں اس ربِ کائنات قادر و قدیر کی تسبیح و تحمید میں مصروف تھا کہ جس نے یہ کائنات تخلیق کی ہے اور انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ میری والدہ سو چکی تھیں کہ اچانک وہ نیند سے بیدار ہوئیں اور مجھے آواز دے کر کہا کہ فلاں بند دروازے کا ایک کواڑ کھول دو۔ شاید انہیں بند کمرے میں گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔

والدہ کا حکم ملتے ہی میں دوڑا ہوا گیا اور دروازے کا ایک کواڑ کھول دیا مگر یکا یک مجھے خیال آیا کہ خدا معلوم والدہ محترمہ دایاں کواڑ کھلوانا چاہتی ہیں یا بایاں؟ اسی کشمکش میں دوڑا ہوا والدہ محترمہ کے پاس آیا۔ جب ان کے سرہانے پہنچا تو قدرتِ خداوندی دیکھئے کہ وہ سو چکی تھیں حالانکہ میں ان سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ دروازے کا دایاں کواڑ کھول دوں یا بایاں کھولوں۔

اس طرح میں پھر دوڑ کر دروازے کی طرف گیا اور پہلے جو دایاں کواڑ کھولا تھا اسے بند کر کے بایاں کھول دیا اور سوچا کہ شاید والدہ ماجدہ نے بایاں کواڑ کھولنے ہی کا کہا ہو۔ اس کے بعد والدہ ماجدہ کے پاس دوڑا ہوا آیا کہ شاید وہ جاگ گئی ہوں تو ان سے پوچھ سکوں کہ وہ کون سا کواڑ کھلوانے کی خواہش مند ہیں مگر والدہ تو سو رہی تھیں۔

یوں میں ساری رات والدہ کے سرہانے آتا رہا اور دروازے کی طرف جاتا رہا۔ کبھی دایاں کواڑ کھولتا اور بایاں کواڑ بند کر دیتا اور کبھی دایاں کواڑ بند کر دیتا اور بایاں کواڑ کھول دیتا۔ دراصل مجھے خوف تھا کہ کہیں والدہ ماجدہ کی حکم عدولی نہ ہو اور والدہ ماجدہ کی حکم عدولی میں کسی قیمت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

والدین کی فرمانبرداری اور اطاعت کا سبق میں نے اس وقت پڑھا تھا جب میں بچپن میں قرآن پاک پڑھنے جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے سبق میں پڑھا" وبالوالدین احسانا " میں نے استاد سے پوچھا کہ اس کا کیا مفہوم ہے تو انہوں نے بتایا کہ بیٹا! اس کا یہ مفہوم ہے کہ ماں باپ کی تابع داری کرو۔ ان کی اطاعت میں کوئی کسر نہ چھوڑو۔ ان کا ہر کہا مانو۔ ان کی ہر قسم کی خدمت کرو اور جس طرح چاہیں ان کی خواہش پوری کرو۔ ہاں اگر وہ رب تعالیٰ سے دوری کی بات کریں تو ان کا کہا مت مانو۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے سرپرست کا نہیں مانا تھا لیکن اگر وہ رب تعالیٰ کے احکامات کے مطابق بات کریں تو ان کے ہر حکم کی فوری تعمیل کرو۔ جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد کے کہنے پر اپنے آپ کو ذبح ہونے کے لیے پیش کر دیا تھا۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ مجاہدے اور ریاضت کے حوالے سے بہت پُر خلوص اور سختی کے ساتھ پابندی کرنے والے تھے۔ آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی یادِ الٰہی کے بغیر نہیں گزرتا تھا۔ اسوۂ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا باعثِ نجات اور وجہ افتخار سمجھتے تھے۔ نفس کو، کڑی سے کڑی اور کٹھن سے کٹھن آزمائش میں ڈال کر اپنے من کو مارنے کی از حد کوشش فرماتے تھے۔ آپ کے

نزدیک ریاضت محض احکام اور فرائض پر عمل کرنے کا نام نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تمام دنیاوی خواہشات اور لذات سے مکمل دوری بھی اس میں شامل تھی۔ آپ کہتے تھے کہ جب دل میں رب تعالیٰ سما جائے تو پھر دوسری کوئی چیز کیسے وہاں جگہ پا سکتی ہے۔ اگر کوئی اور خواہش آپ کے دل میں جگہ پیدا کر رہی ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ رب تعالیٰ کی محبت و عقیدت میں کوئی کمی باقی رہ گئی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا۔ "یا حضرت! آپ نے رب تعالیٰ کا قرب کیسے حاصل کیا؟" آپ نے فرمایا:

"میں نے بارہ سال تک نفس کو ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر مجاہدے کی آگ سے تپایا اور ملامت کے ہتھوڑے سے ضربیں لگاتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرا دل آئینہ بن گیا۔ پھر پانچ سال تک مختلف قسم کی عبادات سے اس پر قلعی چڑھاتا رہا۔ اس کے باوجود بھی جب میں نے خود اعتمادی کی نظر سے اس کا مشاہدہ کیا تو اس میں تکبر اور خود پسندی کا مادہ موجود پایا۔ چنانچہ پھر مسلسل پانچ سال تک مختلف طریقوں سے اپنے من اور نفس کو مارتا رہا۔ اب میں نے اپنے دل کا جائزہ لیا تو وہ سچا مسلمان ہو چکا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ مجھے اللہ تبارک تعالیٰ تک پہنچنے کا مرتبہ حاصل ہو گیا اور میں نے ربِ رحمٰن و رحیم کو پا لیا۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ آپ جب عبادت و ریاضت کے لیے مسجد کی طرف تشریف لے جاتے تو مسجد میں داخلے سے پہلے مسجد کے دروازے پر رک جاتے اور وہاں کھڑے ہو کر روتے رہتے۔ سخت گریہ زاری کرتے۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب ہوتا تھا کہ جو تھمنے میں نہیں آتا تھا۔ آپ کے ارادت مند روزانہ آپ کو اس حالت میں دیکھتے تو ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے۔ آخر ایک روز کچھ عقیدت مندوں نے آپ سے پوچھا۔ "یا حضرت! یہ فرمائیے کہ آپ مسجد میں داخل ہونے سے قبل بے تحاشا روتے کیوں ہیں؟" آپ نے فرمایا۔ "میں اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے آپ کو نجس تصور کرتا ہوں اور جب رب تعالیٰ کے پاک گھر میں داخل ہونے لگتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ مجھ جیسا ناپاک شخص اس پاکیزہ گھر میں داخل ہو کر کہیں اسے نجس نہ کر دے۔ اس وجہ سے میں روتا ہوں اور رب رحمٰن و رحیم سے دعا کرتا ہوں کہ میری وجہ سے اگر اس کا گھر آلودہ ہوتا ہو تو مجھے معاف فرما دے۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو حج بیت اللہ کا از حد ذوق و شوق تھا۔ آپ ہر سال اسی کوشش میں ہوتے تھے کہ کسی طرح حج کی سعادت سے فیض یاب ہوں۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ حج کی مکمل تیاری فرماتے تھے۔ زادِ راہ ساتھ لیتے تھے۔ کچھ منازل طے بھی کرتے تھے مگر پھر کسی نہ کسی وجہ سے واپس آ جاتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ نے پورے زور و شور سے حج کی تیاری کی اور حج پر روانہ ہوئے

چند منزل پہنچنے کے بعد واپس آ گئے۔ آپ کے ارادت مندوں نے دریافت کیا۔ ''یا حضرت! یہ آپ نے کیا کیا کہ حج پر روانہ بھی ہوئے۔ زادِ راہ بھی مکمل تھا۔ کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی۔ چند منازل بھی آپ نے طے کرلی تھیں پھر آپ واپس لوٹ آئے۔ آخر اس کی کوئی وجہ تو ہوگی!''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''دراصل میرے ساتھ یہ معاملہ ہوا کہ میں تیزی کے ساتھ حج کے سفر پر روانہ تھا کہ راستے میں مجھے ایک حبشی نے روک لیا۔ میں نے اس کے کہنے پر اپنی سواری کی باگیں کھینچ لی اور اس سے پوچھا۔ 'بتاؤ میاں! تم نے مجھے کیوں روکا ہے؟ کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے یا میں نے کوئی غلط کام کیا ہے؟'

اس حبشی نے مجھے زور دے کر کہا۔ 'اے بایزید! رب تعالیٰ کو بسطام میں چھوڑ کر کیوں جاتا ہے؟' اس کے اسی ایک جملے نے میرے دل اور دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ میں اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس کے اس زوردار جملے نے مجھے لاجواب کر دیا۔ میرے دل و دماغ میں اک عجیب سی کشمکش شروع ہوگئی۔ میں وہاں رک کر کافی دیر تک سوچ بچار کرتا رہا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا مجھے اس حبشی کے جملے کا جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔ آخر کار میرے دل و دماغ نے یہی فیصلہ کیا کہ واپس لوٹ چلوں اور بسطام میں ہی رہ کر رب تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کروں۔ ہاں ایک بات میری سمجھ میں ضرور آتی ہے، وہ یہ کہ میری والدہ انتہائی ضعیف ہیں۔ ان کو میری خدمت کی ضرورت ہے۔ ہوسکتا ہے میری والدہ نے کوئی دعا کی ہو۔ یا رب تعالیٰ نے یہی بہتر سمجھا ہو کہ میں اپنی والدہ کی خدمت کے لیے بسطام ہی میں رہوں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ اپنی حکمتیں خود ہی جانتا ہے۔''

اسی طرح ایک دفعہ آپ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا، آپ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے بلکہ زادِ راہ جمع کر رہے تھے۔ حج پر روانہ ہونے میں کچھ دن باقی تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے آکر آپ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے اسے بلا کر اپنے پاس بٹھایا۔ اس نے آپ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! کہاں کا ارادہ ہے؟'' آپ نے بتایا کہ میں چند دنوں میں ہی حج پر جانے والا ہوں اور اس کی تیاریوں میں مصروف ہوں۔ اس نے کہا۔ ''پھر تو آپ نے کچھ رقم بھی مختص کرلی ہوگی۔'' آپ نے فرمایا۔ ''بالکل! میں نے حج کے لیے کچھ رقم بھی علیحدہ سے رکھ لی ہے''

اس نے پوچھا۔ ''یا حضرت! آپ نے حج کے لیے کتنی رقم مخصوص کی ہے؟'' آپ نے فرمایا۔ ''میں نے حج کے لیے دوسو دینار رکھے ہیں۔''

اس شخص نے کہا۔ ''یا حضرت! یقین کیجئے کہ میں انتہائی غریب آدمی ہوں۔ عیال دار ہوں۔ ذریعہ آمدنی قلیل ہے۔ جس سے گھر کا خرچہ بمشکل چلتا ہے بلکہ بیشتر اوقات چلتا ہی نہیں ہے بعض اوقات فاقے کرنے پڑتے ہیں۔ کم آمدنی کی وجہ سے مقروض بھی ہوگیا ہوں۔ آپ کے سوا میری نظر میں کوئی شخص نہیں ہے جس سے اپنی بپتا بیان کرتا۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''میں آپ کے لیے کیا کرسکتا ہوں۔ تم جو طلب کرو میں حاضر ہوں۔''

اس شخص نے کہا۔ ''وہ دوسو دینار جو آپ نے حج بیت اللہ کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں وہ مجھے دے دیں۔ میرا بھلا ہو جائے گا اور آپ کو گھر بیٹھے حج کا ثواب مل جائے گا اور اگر رب تعالیٰ نے چاہا تو کئی حجوں کا ثواب آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے وہ دوسو دینار منگوائے اور اس شخص کے حوالے کر دیئے اور کہا۔ ''کوئی بات نہیں۔ میں اگلے سال حج پر چلا جاؤں گا۔'' اور وہ شخص آپ کو ڈھیروں دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

اگلے سال پھر آپ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ آپ سارا سال اس کے لیے کچھ نہ کچھ جمع کرتے رہے۔ جب کچھ زادِ راہ جمع ہوگیا تو آپ حج کے ارادہ سے چل پڑے۔ آپ کا طریق کار یہ تھا کہ چند قدموں کے بعد آپ دو رکعت نفل نماز ادا کرتے تھے۔ اس طرح ایک منزل کو طے کرنے میں دو ماہ کے قریب لگ جاتے تھے۔ بعض منازل آپ نے چھ چھ ماہ میں بھی طے کیں۔ آپ سے کسی نے پوچھا۔ ''یا حضرت! آپ چند قدم کے بعد رک جاتے ہیں اور دو رکعت نماز نفل کے بعد پھر روانہ ہوتے ہیں اور دو رکعت نماز نفل بھی آپ طویل سجدوں میں کرتے ہیں۔ اس طرح تو کئی سال لگ جائیں گے پھر آپ مکہ مکرمہ پہنچ پائیں گے۔''

آپ نے فرمایا۔ ''یاد رکھو کہ بیت اللہ دنیاوی بادشاہوں کا دربار نہیں کہ جہاں انسان گھر سے نکلے اور تھوڑی ہی دیر میں پہنچ جائے۔ یہ اس شہنشاہ کا گھر ہے جو دو جہاں کا خالق و مالک ہے لہٰذا اس مالک الملک کے گھر پہنچنا خاص آداب کا طالب ہے۔ طلب جس قدر گہری ہوگی آداب اسی قدر باسلیقہ، باقرینہ اور شایانِ شان ہوں گے۔ لہٰذا رب تعالیٰ کے گھر پہنچنے کے لیے اس کے شایانِ شان آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اسی طرح سفر کرتے ہوئے پورے بارہ سال میں مکہ مکرمہ پہنچے۔ ابھی وہاں حج کا موسم نہیں ہوا تھا۔ آپ وہاں عبادت و ریاضت میں مشغول رہے جب حج کے ایام آئے تو آپ نے حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا اور اس کے بعد مدینہ منورہ جانے کی بجائے بسطام کی طرف واپس روانہ ہوئے تو آپ کے ارادت مندوں نے پوچھا۔ ''یا حضرت! یہ کیا کہ آپ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے لیے مدینہ منورہ تشریف نہیں لے جا رہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟''

آپ نے فرمایا۔ ''مجھے یہ کوئی معقول بات معلوم نہیں ہوتی کہ میں وجہ تخلیق کائنات، محبوب خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حج کے طفیل جاؤں۔ اس قدر عظیم ہستی کے روضہ پر خصوصی طور پر جانا چاہئے ضمنی طور پر نہیں کیونکہ وہ ایسی ہستی ہیں کہ ان کے روضہ پر محض اسی نیت سے گھر سے نکلنا چاہیے کہ صرف ان ہی کے روضہ پر حاضری دینا ہے۔ لہٰذا میں ان شاء اللہ العزیز کسی

دوسرے موقع پر خالصتاً مدینہ منورہ کا قصد کر کے وہاں پہنچوں گا۔"

حج کی ادائیگی کے بعد آپ بسطام پہنچے اور والدہ کی خدمت میں مصروف ہوگئے کیونکہ آپ کی والدہ آپ کی راہ تک رہی تھیں لیکن آپ اپنی والدہ کی اجازت سے ہی گئے تھے اور اپنے ارادت مندوں کے ذمہ ان کی خدمت گزاری کی ذمہ داری تفویض کر گئے تھے۔ آپ جب گھر پہنچے تو والدہ نے بے حد دعائیں دیں۔ آپ نے والدہ ماجدہ کو بتایا کہ میں اگلے سال صرف مدینہ منورہ جاؤں گا۔ آپ کی اجازت ہو تو میں تیاری جاری رکھوں۔ والدہ نے کہا۔ "بیٹا! محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر جانے سے بھلا میں کیسے روک سکتی ہوں البتہ اتنا ضرور کرو کہ ایک سال کے اندر اندر ہی واپس آجانا۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے والدہ ماجدہ سے وعدہ کیا اور کہا۔ "امی جان! آپ ایک سال کا کہتی ہیں میں تیزی کے ساتھ جاؤں گا اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دے کر چند یوم وہاں رہ کر واپس آجاؤں گا۔" اس پر آپ کی والدہ ماجدہ بہت خوش ہوگئیں اور انہوں نے آپ کو ڈھیروں دعائیں دیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سال بھر تیاری کرنے کے بعد دوسرے سال مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو سینکڑوں ارادت مند آپ کے ہمرکاب ہوگئے۔ آپ تنہائی چاہتے تھے اس لیے آپ نے ارادت مندوں سے کہا کہ مجھے اکیلے ہی جانے کی اجازت دیں گے تو آپ لوگوں کی عنایت ہوگی۔ چنانچہ آپ کے عقیدت مندوں نے آپ کی خواہش کے مطابق آپ کو تخلیہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔ وہ اگرچہ آپ کے ساتھ ہوتے تھے مگر آپ سے ایک خاص فاصلے پر رہتے تھے تاکہ آپ کو عبادت وریاضت کا پُرسکون ماحول میسر آسکے۔

آپ تیزی سے مسافت طے کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے اور آپ نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی۔ وہاں چند روز عبادت وریاضت میں گزارے اور پھر آپ نے مدینہ منورہ سے واپسی کا ارادہ کرلیا تاکہ والدہ ماجدہ سے وعدہ کے مطابق بسطام پہنچ سکیں۔

آپ نے مدینہ منورہ سے واپسی کے سفر میں بہت زیادہ بوجھ لاد لیا۔ آپ کے ارادت مندوں اور عقیدت مندوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے آپ سے کہا۔ "یا حضرت! آپ نے اپنے اونٹ پر اتنا زیادہ بوجھ لاد دیا ہے۔ یہ بوجھ اونٹ کی طاقت اور استطاعت سے کافی زیادہ ہے۔ جانور پر اس قدر بوجھ لادنا زیادتی ہے اور آپ کی شان اور بزرگی کے بھی برخلاف ہے کہ آپ کسی جانور پر اس کی طاقت وقوت سے زیادہ بوجھ لاد دیں۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "آپ لوگوں کی بات بظاہر تو درست ہے اور آپ نے جو کچھ دیکھا وہی کہہ دیا مگر آپ لوگ اگر غور سے ملاحظہ کریں تو آپ کو معاملہ مختلف نظر آئے گا۔" لوگوں نے پوچھا۔ "یا حضرت! ہم کیا دیکھیں اور کیا ملاحظہ کریں؟"

آپ نے کہا۔ "تم لوگ اونٹ کے قریب جا کر دیکھو کہ آیا بوجھ اونٹ کے اوپر ہے بھی یا نہیں؟" چنانچہ جب آپ کے ارادت مندوں نے اونٹ کے قریب جا کر غور سے دیکھا تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ تمام بوجھ اونٹ کی کمر سے اوپر معلق تھا اور اونٹ کی کمر پر نہیں تھا۔ یوں اونٹ نے وہ بوجھ نہیں اٹھایا ہوا تھا کیونکہ وہ تو اونٹ کی کمر پر تھا ہی نہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آپ کے ارادت مند دوڑے ہوئے آئے اور آپ سے معافی طلب کی اور کہنے لگے۔ "یا حضرت! ہمیں تو اس بات کا علم نہیں تھا کہ بوجھ دراصل اونٹ نے اٹھایا ہوا ہی نہیں حالانکہ ظاہری طور پر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تمام بوجھ اونٹ کی کمر پر ہے جبکہ اونٹ کی کمر سے بوجھ تو الگ اوپر معلق ہے۔"

اس پر آپ نے کہا۔ اگر میں اپنا حال پوشیدہ رکھتا ہوں تو دوسروں کو خبر نہیں ہوتی اور وہ اعتراض کرتے ہیں اور اگر ظاہر کر دیتا ہوں تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ مجھے تنہائی اور خلوت میں رہنے دو اور میرے ساتھ مت چلو۔ اب ان حالات میں تم خود ہی بتاؤ کہ میں تمہارے ساتھ کیسے رہ سکتا ہوں اور یہی بات حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ان کے ساتھ سفر کرنے کو کہا تھا۔ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے واضح طور پر کہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ سفر میں خاموش نہیں رہ سکیں گے اور اعتراض کریں گے۔ تم نے بھی اعتراض شروع کر دیا ہے اس لیے میں تمہیں پھر سے کہتا ہوں کہ تم اپنا سفر جاری رکھو اور میں اپنا سفر کرتا ہوں۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو والدہ ماجدہ سے کیا گیا وعدہ یاد تھا۔ انہوں نے تیزی سے واپسی کا سفر طے کیا اور تھوڑے سے عرصے میں واپس بسطام پہنچ گئے۔ جب اہلِ شہر کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ کافی فاصلہ پر آپ کے استقبال کے لیے پہنچ گئے مگر آپ نے ان کو استقبال کرنے سے روک دیا جس پر وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

آپ جب مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد اپنے مکان کے دروازے پر پہنچے تو ابھی دروازہ کھٹکھٹانے ہی والے تھے کہ آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کی کچھ بات کرنے کی آواز آئی۔ آپ اسی لمحے رک گئے اور دروازہ نہ کھٹکھٹایا بلکہ دروازے سے کان لگا کر کھڑے ہوگئے۔ آپ نے سنا کہ آپ کی والدہ ماجدہ وضو کرتے ہوئے رب تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ "یا اللہ! تُو بڑا غفور ورحیم ہے۔ تیرا کرم پورے عالم پر محیط ہے۔ میں تجھ سے تیری رحمت کا واسطہ دے کر دعا کرتی ہوں کہ میرے مسافر کو راحت سے رکھنا اور اس کو اس کی اطاعت وعبادت کا اچھا بدلہ دینا۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے جب والدہ ماجدہ کی یہ دعا سنی تو آپ اپنے گھر کے دروازے کے باہر کھڑے روتے رہے۔ پھر آپ نے تھوڑی دیر بعد جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ وضو

سے فارغ ہو چکیں تو دروازے پر دستک دے دی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے دستک سنی تو پوچھا۔ "کون ہے؟" آپ نے عرض کیا۔ "آپ کا مسافر واپس آ گیا ہے۔" والدہ ماجدہ نے دروازہ کھول دیا اور اپنے بیٹے کو دیکھ کر ازحد خوش ہوئیں اور آپ کو ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت میں اس حد تک منہمک رہتے کہ آپ کو عبادت کے اوقات میں یہ خوف لاحق رہتا کہ کہیں کسی طور میری عبادت میں کوئی خلل واقع نہ ہو جائے۔ آپ نے اپنے مکان کے تمام سوراخ بند کروا دیئے تھے۔ کسی نے پوچھا۔ "یا حضرت! یہ آپ نے کس لیے کیا؟" آپ نے فرمایا۔ "میں چاہتا ہوں کہ میں انتہائی پُرسکون اور شوروغل سے محفوظ جگہ پر رب تعالیٰ کی عبادت کروں۔ میں نے سوراخ اس لیے بند کرائے ہیں تاکہ باہر سے کسی قسم کی کوئی آواز نہ آ سکے۔ ہو سکتا ہے وہ آواز میری عبادت وریاضت میں خلل کا باعث ہو۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ تخلیہ اور تنہائی محض اس وقت چاہتے تھے جب آپ عبادت وریاضت میں مشغول ہوتے تھے تاہم آپ نے کچھ وقت لوگوں سے ملاقات کے لیے بھی مخصوص کیا ہوا تھا۔ اس دوران آپ کے عقیدت مند آپ سے اپنے مسائل بیان کرتے تھے۔ آپ ان کو ذکرِ الٰہی سے مسائل کو حل کرنے کا طریقہ سمجھاتے تھے۔ لوگوں کو دین کی باتیں سکھاتے تھے۔ ان کے دکھ درد اور ہنسی خوشی میں شریک ہوتے تھے۔ کوشش فرماتے تھے کہ ہر عقیدت مند کی جائز ضرورت کسی نہ کسی طرح پوری کر سکیں۔ بعض اوقات لوگ اپنے ذاتی جھگڑوں کے لیے آپ کو ثالث مقرر فرماتے تھے تو آپ انتہائی خلوص ومحبت کے ساتھ یہ فریضہ سرانجام دیتے تھے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک دور ایسا بھی گزرا کہ آپ زیادہ تر وقت مسجد میں قیام فرماتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ تقریباً چالیس برس تک مسجد میں مقیم رہے لیکن آپ اس درجہ محتاط تھے کہ مسجد کا اور مسجد سے باہر کا لباس الگ الگ ہوتا تھا۔ جو لباس اللہ کے گھر میں زیب تن کرتے تھے وہ لباس اس سے مختلف ہوتا تھا جو آپ مسجد سے باہر کے اوقات میں پہنتے تھے۔ مسجد میں آپ جتنا عرصہ بھی قیام پذیر رہے آپ نے کوئی بستر، تکیہ یا چادر وغیرہ استعمال نہیں کی نہ ہی مسجد میں کبھی لیٹتے تھے۔ آپ سمجھتے تھے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے گھر کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ آپ اگر کبھی تھکاوٹ محسوس کرتے تھے تو مسجد کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لیتے تھے لیکن اس دوران بھی ذکر وفکر جاری وساری رہتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے چالیس برس تک مسجد میں قیام کے دوران عام انسانوں کی غذا چکھی تک نہیں۔ کسی ارادت مند نے پوچھا۔ "یا حضرت! پھر آپ جسم وجان کا روح سے رشتہ کیسے برقرار رکھتے تھے؟" آپ نے فرمایا:

"دراصل میرا رزق کہیں اور سے آتا تھا۔ میں اس دوران اپنے دل کی نگرانی میں مصروف رہا۔ جب تک دل صاف نہ ہو جائے تو رب تعالیٰ نہیں ملتا۔ ہر قسم کی خواہش اور ہمہ قسم کی آلائش سے

دل پاک صاف ہو تو پھر رب تعالیٰ ملتا ہے۔"

آپ کے ایک عقیدت مند نے آپ سے سوال کیا۔ "یا حضرت یہ فرمایئے کہ رب تعالیٰ کی تلاش اور جستجو میں سب سے زیادہ دشوار اور مشکل مقام آپ کو کیا نظر آیا؟" آپ نے ایک لمحہ کے لیے توقف فرمایا اور پھر بتایا:

"رب تعالیٰ کی مدد اور اعانت کے بغیر قلب کو رب تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا بہت ہی مشکل اور کٹھن بلکہ ناممکن مرحلہ ہے اور جب رب تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ رب تعالیٰ اپنی نظرِ کرم اپنے بندے پر ڈالتے ہیں تو پھر بندے کو کوشش وکاوش کے بغیر بھی رب تعالیٰ مل جاتا ہے۔ سعی کے بغیر بھی قلب رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور مجھے اس وقت ان لمحات دل پذیر میں ایک خاص قسم کی کشش ومقناطیسیت محسوس ہونے لگتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ خدائے بزرگ و برتر وہ مراتب اور درجات عطا فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں پر بھی ظاہر ہو جاتے ہیں اور کچھ پھر بھی مخفی رہتے ہیں۔ جیسے میری کچھ باتیں آپ پر ظاہر ہیں لیکن بہت سی باتیں ایسی ہیں جو کسی پہ بھی ظاہر نہیں۔ سب رب تعالیٰ کی حکمتیں اور عنایتیں ہیں۔ وہ جسے چاہے نواز دے۔ اس کے کرم کی کوئی حد نہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو اولیاء اللہ میں وہی مقام حاصل ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں میں حاصل ہے اور یہ کہ مقامِ توحید میں تمام بزرگوں کی انتہا آپ کی ابتداء ہے۔

رب ذوالجلال اپنے خاص بندوں کو لطف وعنایت کے سائے تلے رشد وہدایت سے بھی نوازتا ہے تاکہ رب تعالیٰ کا بندہ اپنی منزل، اپنی راہ سے بھٹک نہ جائے اور رب کریم کی شانِ کریمی کی متاع بے بہا جو اسے میسر آئی ہوا سے کھو نہ بیٹھے۔ صاحبانِ معرفت اسے آزمائش کی منزل بھی کہتے ہیں اور صبر ورضا کے امتحان سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ اس حوالے سے کبھی اشاروں سے، کبھی سبق آموز واقعات سے اور کبھی حادثاتِ زمانہ سے اپنے پیارے بندوں کو خبردار کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ میرے خاص بندے دوسروں کے لیے ہدایت وتبلیغ کا ذریعہ بھی بنیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سبق حاصل کر کے صراطِ مستقیم کی طرف گامزن اور رواں دواں رہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بھی وقتاً فوقتاً ایسے واقعات پیش آتے رہتے تھے جو انہیں اس امر کی یاد دلاتے تھے کہ قادرِ مطلق کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا اور یہ کہ جو لوگ صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے آخرت کی منزل انتہائی کٹھن اور پریشان کن ہوتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی ایک جنگل سے گزر رہے تھے۔ تنہا اور غیر آباد مقامات اولیاء کرام کا محبوب مسکن رہے ہیں۔ وہ قدرت کی گود میں ذکر وفکر کرتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اوقات اولیاء کرام نے اپنا بیشتر وقت غاروں، چٹانوں، صحراؤں، بیابانوں، جنگلوں اور دریاؤں کے کنارے گزارا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی کو بھی یہی شوق تھا کہ وہ تنہا اور ویران جگہوں پر جا کر رب

تعالیٰ کی یاد میں حیاتِ ناپائیدار کے لمحات گزاریں۔ چنانچہ جب آپ جنگل میں پہنچے تو آپ کو اچانک ایک کھوپڑی نظر آئی۔ آپ قریب گئے تو پتہ چلا کہ یہ ایک انسانی کھوپڑی ہے۔ آپ وہاں رک گئے اور سوچنے لگے کہ خدا معلوم یہ کس انسان کی کھوپڑی ہوگی۔ کیا پتہ وہ اپنی زندگی میں کس قدر دنیاوی شان وشوکت رکھتا ہوگا مگر آج اس کی کھوپڑی اِدھر سے اُدھر لڑھکتی پھر رہی ہے۔ بہرحال آپ کے من میں نہ جانے کیا آیا کہ آپ نے وہ کھوپڑی دونوں ہاتھوں سے اٹھالی اور اسے گھما کر دیکھنے لگے۔ ابھی آپ نے اسے تھوڑا سا ہی گھمایا تھا کہ آپ نے اس کھوپڑی پر لکھی ایک تحریر دیکھی۔ آپ نے اس تحریر سے مٹی صاف کی تو وہ واضح ہوگئی۔ آپ نے وہ تحریر پڑھی تو کانپ سے گئے۔ وہاں لکھا تھا "صم بکم عم فھم لایعقلون "یعنی وہ گونگے، بہرے اور اندھے ہیں۔ اس لیے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔ آپ نے اس تحریر کو بار بار پڑھا اور پھر آپ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ کافی دیر کے بعد آپ ہوش میں آئے تو آپ نے اس کھوپڑی اور اس پر لکھی تحریر کے بارے میں غور وفکر کرنا شروع کیا۔ آپ جس قدر سوچتے جاتے معنی ومفہوم کی تہہ در تہہ پرتیں آپ پر واضح ہو تی جاتیں۔ آپ سمجھ گئے کہ رب کائنات کی طرف سے یہ ایک ہدایت بھی تھی اور بہت ساری باتوں کی وضاحت بھی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ بھی دوسرے اولیاء کرام کی طرح کھانے پینے سے بہت کم تعلق واسطہ رکھتے تھے۔ بیشتر دنوں میں روزہ رکھتے تھے مگر سحری وافطاری کا کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے۔ اکثر اوقات کھجور اور پانی ہی سے روزہ رکھتے تھے اور انہی چیزوں سے روزہ کھولتے تھے۔ اگرچہ آپ کے ارادت مند آپ کے لیے قسم قسم کے میوے اور کھانے لاتے تھے لیکن آپ نے ان کی طرف کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ آپ کی توجہ محض اتنی ہوتی تھی کہ آپ ان چیزوں کو فقراء اور مساکین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے ایک عقیدت مند نے آپ کی کم خوراکی کو دیکھتے ہوئے صرف ایک ہی سیب لا کر آپ کو دیا۔ آپ نے دیکھا کہ وہ سیب انتہائی سرخ، خوشبودار اور ہلکا ہے۔ آپ نے اگرچہ وہ سیب اپنے عقیدت مند کو واپس کر دیا مگر آپ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے اتنا کہا۔ "یہ تو بہت ہی لطیف ہے۔"

آپ کا یہ کہنا تھا کہ اسی وقت غیب ندا سے آئی۔ "اے بایزید! تم نے ہمارا نام سیب کے لیے استعمال کر کے اچھا نہیں کیا۔" حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے غیبی آواز سنی تو سکتے میں آگئے۔ آپ نے سوچا کہ واقعی "لطیف" رب تعالیٰ جل شانہٗ کا نام ہے اور میں نے بے دھیانی میں اسے سیب کے لیے استعمال کر کے واقعتاً اچھا کام نہیں کیا۔ آپ نے فوراً رب تعالیٰ سے معافی مانگی۔ رحم وکرم کے طالب ہوئے اور آپ نے اپنے آپ کو سزا دیتے ہوئے اس دن سے یہ عہد کر لیا کہ نہ تو کسی پھل کی تعریف میں ایسے الفاظ استعمال کریں گے جو اسماء الحسنیٰ میں آتے ہوں اور نہ کبھی کوئی پھل کھائیں گے۔

کبریائی اور بڑائی صرف رب العالمین کو زیب دیتی ہے۔ انسان کی بنیادی صفت تو محض عاجزی اور انکساری ہے۔ اللہ اکبر کی صدا پانچ وقت پورے عالم کی فضا میں گونجتی ہے اور اس امر کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ کی ذات ہی سب سے اعلیٰ وارفع ہے باقی تمام مخلوق عاجز وادنیٰ ہے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے دل ودماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بہت بڑا بزرگ اور شیخِ وقت ہوگیا ہوں۔ اگلے ہی لمحے آپ کو احساس ہوا کہ میرا یہ خیال فخر وتکبر کی نشاندہی کرتا ہے جو کہ رب تعالیٰ کے نزدیک اچھی بات نہیں ہے۔ اب آپ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اس کا حل کیا ہوگا اور اس کی تلافی کیسے ہوگی۔ چنانچہ آپ نے اسی لمحے خراسان کا رخ کیا وہاں ایک ویرانے میں پہنچ کر آپ سجدے میں گر گئے اور رب کریم ورحیم سے دعا کی۔ "اے مالک الملک! تُو دلوں کے بھید بہتر جانتا ہے۔ تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کس شخص کا کیا مقام ومرتبہ ہے۔ اے رب کریم! جب تک تُو ایسے کامل بندے کو نہیں بھیجے گا جو مجھ کو میری حقیقت سے روشناس نہیں کرائے گا میں اس وقت تک یہیں پڑا رہوں گا۔ اے رب تعالیٰ! میری رہنمائی فرما۔ مجھے ہدایت سے نواز!"

اور پھر ایسا ہوا کہ چوتھے روز ایک شخص اونٹ پر آیا اور اس نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے بایزید! جس وقت تم نے رب تعالیٰ جل شانہٗ سے عہد کیا تھا کہ تم اس وقت تک یہیں پڑے رہو گے جب تک تمہیں تمہاری حقیقت سے آگاہ نہیں کر دیا جائے گا تو اس وقت میں یہاں سے تین ہزار میل دور تھا۔ مجھے حکم ربی ہوا تو میں سیدھا وہاں سے چلا آرہا ہوں کیونکہ میں نے ہی تمہیں مطلع کرنا ہے اس لیے میں تمہیں رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کرتا ہوں کہ اپنے دل ودماغ کی نگرانی کرتے رہو۔ اسے کسی لمحے بھی بھٹکنے نہ دو اور غرور وتکبر کو کبھی تصور تک میں نہ لاؤ۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ وہ شخص یہ ہدایت دیتے ہی غائب ہوگیا اور آپ سمجھ گئے کہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت تھی جو سب کا ہادی ورہبر اور رہنما ہے اور حضرت بایزید بسطامی نے بھی رب تعالیٰ ہی سے رہنمائی طلب کی تھی جو اللہ تعالیٰ نے آپ تک پہنچادی۔

جس طرح دنیاوی بادشاہوں کی اپنی ایک دنیا، اپنا مزاج، اپنا برتاؤ اور اپنا رکھ رکھاؤ ہوتا ہے اسی طرح ولایت کے بادشاہ یعنی اولیاء اللہ بھی اپنی ایک خاص دنیا میں رہتے ہیں۔ ان کی عاجزی، ان کی انکساری، ان کی معرفت اور ان کی طریقت کی اک جداگانہ آن بان ہوتی ہے اور ایک ولی اللہ جب دوسرے ولی اللہ سے کسی قسم کا رابطہ یا معاملہ کرتا ہے تو اس میں تشنگانِ معرفت وعلم کے لیے کئی اسرار پوشیدہ ہوتے ہیں جنہیں صرف سمجھنے والے ہی سمجھ پاتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ بھی ایسے ولی اللہ تھے کہ جنہوں نے اپنے ہم عصر اولیاء اللہ سے جو بات بھی کی اس میں کئی رموز پوشیدہ تھے۔ اور اگر کسی ولی اللہ نے آپ سے کوئی سوال کیا اور اس غرض سے کیا کہ اس سے دوسروں کے علم میں اضافہ ہو تو حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے ایسا بے مثل جواب

دیا کہ وہ ضرب المثل کی صورت مشہور ہو گیا۔ اسی طرح اگر کسی ولی اللہ نے بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی نامہ و پیام یا علم و معرفت کی کوئی بات کی تو آپ نے انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس کا زبانی یا عملی جواب دیا کہ اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ولایت کا ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو کیسا جواب دیتا ہے!

ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اپنے ایک قاصد کے ذریعے پیغام بھیجا۔ ''اے بایزید! تمہارا یہ کیا طریقہ ہے کہ تم رات کو سکون اور اطمینان کے ساتھ نیند کے مزے لیتے ہو اور اس طرح قافلے والوں سے پیچھے رہ جاتے ہو!'' حضرت ذوالنون مصری کا سوال اور پیغام بڑا معنی خیز اور فکر انگیز تھا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو جب قاصد نے یہ پیغام پہنچایا تو آپ زیر لب مسکرائے اور قاصد سے کہا کہ ذرا پیغام کو ایک بار پھر سے کہنا۔ قاصد نے پیغام دہرا دیا۔

اب حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سنجیدہ ہو گئے۔ آپ کے ارد گرد بہت سے ارادت مند اور عقیدت مند موجود تھے۔ ان میں کافی لوگ اہلِ علم اور جہاندیدہ بھی تھے اور معرفت کے رموز سمجھتے تھے مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس پیغام کا جواب کیا ہونا چاہیے۔ سبھی حیران بھی تھے اور متفکر بھی کہ آپ خدا معلوم کیا جواب دیتے ہیں۔ مگر آپ نے انتہائی متانت اور شائستگی کے ساتھ قاصد کو اپنے قریب بلایا۔ اسے مخصوص جگہ دی اور اس سے کہا کہ حضرت ذوالنون مصری سے یہ کہہ دینا کہ رات کو پُرسکون نیند لینے کے بعد اہلِ قافلہ سے بچھڑنے کے باوجود جو شخص پہلے منزل پر پہنچ جائے وہ کامیاب و کامران بھی ہے اور وہی کامل و اکمل بھی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ پُر مغز جواب سن کر مجلس میں موجود ہر شخص عش عش کر اٹھا۔ جب قاصد نے حضرت بایزید بسطامی کا یہ جواب حضرت ذوالنون مصری تک پہنچایا تو انہوں نے انتہائی خوش دلی و خندہ پیشانی سے فرمایا۔ ''رب قادر و قدیر بایزید کو یہ مرتبہ مبارک فرمائے۔''

اسی طرح ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصری نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں ایک جائے نماز بھجوائی۔ قاصد جب جائے نماز لے کر آپ کے پاس پہنچا تو آپ اس وقت نماز ادا کر رہے تھے۔ قاصد نے دیکھا کہ آپ کے پاس جائے نماز نہیں ہے بلکہ آپ ایک چادر بچھا کر رب کائنات کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو قاصد نے آپ کو جائے نماز پیش کی۔ آپ نے پوچھا۔ ''یہ کس نے بھجوائی ہے؟'' قاصد نے بتایا ''یا حضرت! میں حضرت ذوالنون مصری کا قاصد ہوں اور یہ جائے نماز انہوں نے آپ ہی کے لیے بھجوائی ہے۔ آپ اسے قبول فرمائیے۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے قاصد سے کہا۔ ''ذوالنون سے کہہ دو کہ مجھے جائے نماز کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس لیے یہ میں تمہیں واپس بھجوا رہا ہوں۔ تمہارے تحفہ کا شکریہ!'' قاصد

وہ جائے نماز لے کر واپس پہنچا اور تمام صورتِ حال سے حضرت ذوالنون مصری کو آگاہ کیا۔ اس پر حضرت ذوالنون مصری زیر لب مسکرائے اور آپ نے ایک نفیس اور عمدہ قسم کی مسند قاصد کے ہاتھ حضرت بایزید بسطامی کو بھجوائی۔ قاصد وہ مسند لے کر پہنچا تو وہ بھی آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ مجھے اس کی بالکل ضرورت نہیں۔ ذوالنون سے کہہ دو کہ جس کے پاس الطافِ خداوندی کی مسند موجود ہو اسے دنیاوی مسند کی ضرورت کیسے ہو سکتی ہے! حالانکہ دونوں چیزوں کی حضرت بایزید بسطامی کو ضرورت تھی اور وہ آپ کے پاس موجود بھی نہیں تھیں مگر آپ کے تقویٰ اور خودداری نے یہ گوارا نہ کیا کہ آپ انہیں قبول فرماتے۔

☆======☆======☆

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے بہت بڑے متقی اور ولی تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اپنے ایک معتمد خاص کے ذریعے ایک روٹی بڑے اہتمام و شوق کے ساتھ بھیجی اور کہلوایا کہ آپ اسے قبول کر کے تناول فرما لیں اس لیے کہ اس کا آٹا آبِ زمزم سے گوندھا گیا ہے اس وجہ سے اس کا کھانا باعثِ فضیلت ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کا قاصد جب وہ روٹی لے کر آپ کے پاس پہنچا تو اس وقت آپ ذکرِ الٰہی میں مصروف تھے۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر آپ کی خدمتِ اقدس میں اس وقت وہ روٹی پیش کی جب آپ فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ قاصد نے یحییٰ بن معاذ کا سلام عقیدت پہنچایا۔ پھر روٹی پیش کرتے ہوئے اس کی اہمیت بتائی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے قاصد سے کہا حضرت یحییٰ بن معاذ کو میرا سلام دینا، ان کا شکریہ ادا کرنا اور ان سے کہنا کہ آبِ زمزم سے آٹا گوندھنے کی اہمیت و فضیلت اپنی جگہ پر بے شک ایک مقام رکھتی ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ کسے معلوم کہ گندم کی فصل حاصل کرنے کے لیے جو بیج بویا گیا تھا وہ کسبِ حلال کا تھا یا نہیں؟ اس لیے کہ اس کے حلال ہونے میں مجھے شک ہے چنانچہ میں اس روٹی کو واپس کرتا ہوں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کا قاصد جب حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا پیغام لے کر پہنچا اور حضرت یحییٰ بن معاذ کو بتایا تو انہوں نے فوراً اس بات کا قصد کیا کہ حضرت بایزید بسطامی سے ملاقات کا شرف حاصل کیا جائے کیونکہ اس قدر صاحب تقویٰ انہوں نے نہ پہلے سنا تھا اور نہ اس سے ملے تھے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ لمبی مسافت طے کرتے ہوئے بسطام پہنچے۔ اس وقت رات ہو چکی تھی۔ آپ بسطام میں رات بھر کے لیے کہیں ٹھہر گئے محض اس لیے کہ اگر رات کو حضرت بایزید بسطامیؒ کے پاس حاضری دی تو کہیں انہیں تکلیف نہ ہو۔

اگلی صبح نماز سے فراغت کے بعد حضرت یحییٰ بن معاذ تیز قدموں کے ساتھ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے مکان پر پہنچے تو وہاں سے معلوم ہوا کہ آپ قبرستان میں ہیں۔ حضرت یحییٰ

بن معاذ نے پوچھا۔ ''کیا بایزید فجر کی نماز کے بعد قبرستان گئے ہیں؟'' وہاں پر موجود عقیدت مندوں نے بتایا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ عشاء کی نماز کے بعد سے قبرستان ہی میں ہیں اور وہیں عبادت و ریاضت میں مشغول ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معاذ فوراً قبرستان پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں حضرت بایزید موجود ہیں اور عبادت میں مشغول ہیں جب اچھی طرح دن نکل آیا تو حضرت بایزید بسطامی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور با آواز بلند کہا۔ ''اے رب ذوالجلال! تُو دلوں کے حال بہتر جاننے والا ہے۔ میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں اس بات کی کہ میں تجھ سے اس مقام کا حال دریافت کروں۔''

اس کے بعد حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ قبرستان سے باہر نکل آئے۔ آپ جیسے ہی باہر نکلے تو آپ کو حضرت یحییٰ بن معاذ نے سلام کیا اور اپنا تعارف کرایا۔ آپ نے اپنے مہمان سے مل کر ازحد خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ آپ انہیں اپنے مکان پر لے آئے اور ان کی خاطر تواضع کی۔

باتوں باتوں میں حضرت یحییٰ بن معاذ نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ ''کیا آپ رب تعالیٰ جل شانہٗ سے معرفت کے طلب گار ہیں؟'' آپ نے فرمایا۔ ''میں معرفت کا طلب گار ہرگز نہیں اس لیے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس چیز سے آشنا ہو جاؤں جس کے لیے میری خواہش اور آرزو ہے کہ رب تعالیٰ کے سوا اس سے کوئی واقف نہ ہو۔'' اس پر حضرت یحییٰ بن معاذ نے آپ سے پوچھا۔ ''تو پھر آپ کس شے کے طلب گار ہیں؟'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ بتایا کہ میں صرف رب تعالیٰ ہی کو طلب کرتا ہوں۔ رب مل گیا تو سب مل گیا۔ رب نہ ملا تو کچھ نہ ملا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی اس بات پر یحییٰ بن معاذ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے کہ انہوں نے تو تمام زندگی ایسے ہی ضائع کر دی اور آج پتہ چلا کہ رب تعالیٰ سے کیا طلب کرنا چاہیے۔

رب کو رب سے طلب کرنے کی یہ بات کافی مشہور ہوئی اور اسے مقبولیت حاصل ہوئی۔

حضرت ابوتراب بخشی رحمتہ اللہ علیہ مشہور بزرگ تھے۔ ان کا ایک عقیدت مند عبادت و ریاضت میں بہت ارفع و اعلیٰ مقام کا حامل تھا۔ حضرت ابوتراب بخشیؒ اپنے اس ارادت مند کو اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کرو۔ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے ملوا دیں گے مگر وہ ہر بار یہی کہتا کہ مجھے بایزید بسطامیؒ سے ملنے کا کیا فائدہ ہوگا۔ مجھے خود کائنات کے ذرے ذرے میں رب تعالیٰ نظر آتا ہے۔ کیا بایزید بسطامی کا خدا کوئی اور ہے! جب سب کا رب ایک ہی ہے تو پھر بایزید بسطامی سے ملنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

مگر حضرت ابوتراب بخشیؒ اپنے اس مرید سے اصرار کرتے رہے کہ اگر صحیح معنوں میں مشاہدہ حق کرنا ہے تو پھر تمہیں حضرت بایزید بسطامی سے ضرور ملنا ہوگا۔ حضرت ابوتراب بخشیؒ اپنے اس

ارادت مند کو سمجھاتے۔ ''ابھی تک تم نے رب تعالیٰ کا مشاہدہ اپنے پیمانے اور اپنے زاویے سے کیا ہے لیکن جب حضرت بایزید بسطامی کی توجہ حاصل ہوگی تو ایسا دیدار ہوگا جیسا کہ دیدار کا حق ہوتا ہے۔ پھر تجھے پتہ چلے گا کہ رب تعالیٰ کیسے نظر آتا ہے کیونکہ روزِ محشر بھی رب تعالیٰ مختلف مدارج و مراتب کے لوگوں کو مختلف قرینوں سے اپنا دیدار عطا کریں گے۔''

حضرت ابوتراب بخشیؒ کے سمجھانے پر ان کا مرید قائل ہوگیا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے ملنا چاہیے۔ اس کے دل میں جیسے ہی ذوق و شوقِ ملاقات پیدا ہوا تو حضرت ابوتراب بخشیؒ اسے اپنے ہمراہ لے کر آپ کے مکان پر پہنچے مگر اس وقت آپ گھر پر موجود نہ تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کسی دور جگہ پر پانی بھرنے گئے ہیں اور تھوڑی دیر میں لوٹیں گے چنانچہ حضرت ابوتراب بخشیؒ اور ان کا مرید وہاں بیٹھ گئے۔ انہوں نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ دور سے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ ہاتھ میں پانی سے بھرا گھڑا لیے آ رہے ہیں۔ حضرت ابوتراب بخشیؒ نے اپنے مرید سے کہا۔ ''وہ دیکھو! یہی حضرت بایزید بسطامی ہیں جو ہاتھ میں گھڑا لیے ادھر ہی آ رہے ہیں۔ میں ابھی ان سے تمہیں ملواؤں گا اور تمہارے لیے نظر کرم کی درخواست کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ تمہیں اپنے ارادت مندوں میں شامل فرما لیں گے۔ بس تھوڑا سا انتظار اور کرو اور خاموشی سے بیٹھے رہو۔ ہاں جب وہ قریب آئیں تو بڑھ کر ان کا استقبال کرنا اور سلام جھک کر کرنا۔''

حضرت ابوتراب بخشیؒ اپنے مرید کو یہ باتیں سمجھا رہے تھے اور حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ قریب آتے جا رہے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ جیسے ہی حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت ابوتراب بخشیؒ کے مرید میں چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ اس مرید پر حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اسے کپکپی جاری ہوگئی۔ اس سے پہلے کہ حضرت ابوتراب بخشیؒ کا مرید آپ کا حسبِ ہدایت استقبال کرتا وہ یک لخت زمین پر گر پڑا۔ حضرت ابوتراب بخشیؒ نے دوڑ کر اسے اٹھایا مگر وہ تھوڑا سا اٹھا اور پھر ایسا گرا کہ اٹھایا نہ جا سکا۔ حضرت ابوتراب بخشیؒ نے دیکھا کہ اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

جب حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ قریب پہنچے تو ابوتراب بخشیؒ نے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا۔ سلام دعا کے بعد آپ کو حضرت ابوتراب بخشیؒ نے اپنے مرید کے بارے میں تمام صورتِ حال سے آگاہ فرمایا۔ پھر حضرت ابوتراب بخشیؒ نے آپ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! یہ کیا معاملہ ہوا ہے کہ میرا مرید پہلے تو آپ کے پاس آنے سے کتراتا تھا۔ پھر یک دم اسے اشتیاق پیدا ہوا۔ اور جب وہ آپ کی صحبت میں رہ کر رب تعالیٰ کا حقیقی دیدار کرنے کی خواہش لے کر یہاں پہنچا تو آپ نے ایک ہی نظر میں کام ختم کر دیا۔'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''دراصل بات یہ ہے کہ وہ خود ارفع مقام کا مالک تھا تاہم اس کے اندر کشف کا ایک خاص مقام باقی رہ گیا تھا

جو اس وقت اس کو حاصل ہوا جب میں نے اس پر نظر ڈالی لیکن وہ اسے برداشت نہیں کر سکا اور واصلِ حق ہو گیا۔"

حضرت بایزید بسطامی کے اپنے مریدین تو کثیر تعداد میں تھے ہی لیکن آپ کے اکابر ہمعصر اولیاء کے مریدین بھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کو اپنے لیے باعثِ اعزاز اور وجۂ افتخار سمجھتے تھے۔ ان کو جب کبھی موقع ملتا تھا تو وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر شرفِ نیاز حاصل کرتے تھے۔ دعا کے طالب ہوتے تھے۔ نصیحت کے خواستگار ہوتے تھے اور آپ کی نگاہِ التفات کے طلب گار ہوتے تھے۔ آپ وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے انتہائی محبت و شفقت اور مہربانی و اخوت سے پیش آتے تھے۔ آپ ان کا گرم جوشی کے ساتھ استقبال کرتے تھے اور ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ میرا خاص مہمان ہے۔ یہ میرے فلاں دوست کا سفیر اور نمائندہ ہے۔ اس کی خاطر داری مجھ پر لازم ہے۔ آپ نے اپنے مریدوں کو خاص ہدایت دے رکھی تھی کہ جب بھی کسی دوسرے ولی کا مرید یہاں آئے تو اس کے ساتھ انتہائی تعظیم و تکریم کا برتاؤ کیا جائے اور اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے تا کہ وہ یہ محسوس نہ کرے کہ میں کسی دوسری اجنبی مجلس میں آ گیا ہوں بلکہ اسے یہ احساس ہو کہ یہ بھی میرا اپنا ہی گھر ہے اور اپنے ہی لوگ ہیں جہاں میں جتنی دیر چاہوں رہ سکتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت شقیق بلخیؒ کے ایک مرید نے سفرِ حج کا ارادہ کیا مگر وہ حج پر جانے سے پہلے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا تا کہ شرفِ نیاز حاصل کرے اور دعائیں لے۔ اس نے آتے ہی آپ کو جھک کر سلام کیا۔ آپ نے اس کے سلام کا انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ جواب دیا اور اسے اپنے قریب بلا کر بٹھایا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ "کیسے آئے ہو؟ کوئی کام ہو تو بتاؤ۔" اس نے کہا۔ "میں صرف آپ کی نظرِ شفقت اور دعاؤں کا طالب ہوں۔ حج کے سفر کا ارادہ ہے۔ دعا کیجئے کہ رب تعالیٰ مجھے خیر و عافیت سے لے جائے اور حفظ و امان سے واپس لائے اور یہ کہ میری اس کوشش و کاوش کو قبول و منظور فرمائے۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اس شخص کے حق میں بڑی لمبی دعا کی۔ پھر آپ سے اس نے عرض کی۔ "یا حضرت! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے جو ساری زندگی میرے کام آئے۔" آپ نے فرمایا۔ "ہمیشہ رب تعالیٰ کو حاکمِ اعلیٰ جانو۔ اسی سے مانگو اور کسی کا برا نہ چاہو۔ اللہ تبارک تعالیٰ تمہیں کامیاب و بامراد رکھیں گے۔" اس مرید نے آپ کی نصیحت پلے باندھ لی اور وعدہ کیا کہ وہ تاحیات اس پر عمل کرے گا۔

اس کے بعد آپ نے اس سے پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ تمہارے مرشد کے اقوال و اعمال کیا ہیں؟"
اس نے عرض کی۔ "یا حضرت! جہاں تک ان کے عمل کا تعلق ہے تو وہ مخلوق سے بے نیاز ہو کر متوکل علی اللہ ہو گئے ہیں اور جہاں تک ان کے اقوال کا تعلق ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر بارش نہ

ہونے سے غلہ پیدا نہ ہو تو پوری مخلوق میری عیال میں داخل ہو جب بھی میں توکل ترک نہیں کر سکتا۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شقیق بلخیؒ کی یہ بات ان کے مرید کی زبانی سنی تو آپ نے اس مرید سے کہا کہ ابھی اپنے مرشد کے پاس جاؤ اور اسے میرا پیغام دو کہ صرف دو روٹیوں کی خاطر تُو رب تعالیٰ کو آزماتا ہے جو کہ دونوں جہانوں کا پالنہار ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تیری وجہ سے تیرا شہر تباہ نہ ہو جائے۔"

حضرت شقیق بلخیؒ کے مرید نے فوراً جا کر اپنے مرشد کو حضرت بایزید بسطامیؒ کا پیغام پہنچایا۔ پیغام سن کر حضرت شقیق بلخیؒ نے اپنے مرید سے کہا۔ "ابھی حضرت بایزید بسطامی کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اگر شقیق بلخیؒ غلطی کر رہا ہے تو ان کا اپنا کیا مرتبہ ہے؟" حضرت شقیق بلخؒ کے مرید نے یہ پیغام جب حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو پہنچایا تو آپ نے اس مرید سے کہا۔ "میں جو پیغام تجھے دوں گا وہ تیری سمجھ سے بالاتر ہے اس لیے تُو اسے صحیح طور پر نہیں پہنچا سکے گا لہٰذا اسے میں تحریر کر کے دیتا ہوں۔" اس کے بعد آپ نے کاغذ اور قلم منگوایا اور یہ تحریر لکھ کر دی۔ "بایزید کچھ بھی نہیں جب بایزید کچھ نہیں ہے تو اس کے اوصاف کیا ہو سکتے ہیں لہٰذا اس کا مرتبہ دریافت کرنا بے سود ہے۔"

دوسرے اولیاء کرام کے مریدین اور ارادت مندوں کے ساتھ اولیاء کرام خود بھی بعض اوقات حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں حاضری دیتے تھے اور آپ کی مجلس میں شمولیت کو باعثِ برکت و سعادت سمجھتے تھے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کا مرتبہ چونکہ آپ کے تمام ہم عصر اولیاء کرام میں ممتاز و منفرد تھا اس لیے سبھی آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ کے فیضانِ علم و معرفت کے حصول کے ساتھ ساتھ آپ کی دعاؤں کا فیض بھی حاصل کرتے تھے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جو بھی حاضری دیتا تھا اور جو بھی آپ کی مجلس میں شامل ہوتا تھا اس کا از حد خیال بھی رکھتے تھے اور اس کی فلاح و اصلاح کے لیے بھی کوئی نہ کوئی طریقہ، راستہ اور ذریعہ اختیار کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی مجلس ہمہ وقت بھر پور ہوتی تھی جس میں ذکر و فکر ہی نہیں ہوتا تھا، دنیاوی معاملات میں جن کا تعلق معاشرتی فلاح اور اصلاحِ عامہ سے ہوتا تھا وہ بھی زیرِ بحث آتے تھے اور اس کے ساتھ ہی علم و معرفت کی باتیں بھی سمجھائی جاتی تھیں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی کہ آپ ہر شخص سے اس کے مرتبے اور ذہنی سطح کے مطابق ہی بات کرتے تھے تا کہ آپ کی کہی ہوئی بات کا ابلاغ زیادہ سے زیادہ ہو۔ اور آپ بات ایسی منفرد کرتے تھے کہ ہر شخص کی زبان پر یہی جملہ ہوتا تھا کہ ایسی معرفت کی بات تو پہلے کبھی نہ سنی تھی۔

ایک دفعہ حضرت احمد خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ نے قصد کیا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کی جائے۔ آپ کے اس ارادے کا آپ کے مریدوں کو پتہ چلا تو اکثر نے یہ خواہش

ظاہر کی اور حضرت احمد خضرویہؒ پر زور دیا کہ وہ بھی آپ کے ہمراہ حضرت بایزید بسطامی سے ملنے چلیں گے۔ حضرت احمد خضرویہؒ نے اپنے ارادت مندوں کا جوش وخروش اور ذوق وشوق دیکھا تو آپ ان کو روک نہ سکے۔ یوں ایک ہزار عقیدت مندوں کے ہمراہ آپ حضرت بایزید بسطامیؒ سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے اور کئی ہفتوں کی مسافت کے بعد وہاں پہنچے۔ حضرت احمد خضرویہؒ کے مریدین میں ایک مرید ایسا بھی تھا جو فضل وکمال میں اعلیٰ درجے پر فائز تھا۔ اس کی یہ کیفیت تھی کہ پانی پر چل سکتا تھا اور اس نے یہ درجہ اپنی بے پناہ عبادت وریاضت سے حاصل کیا تھا۔

جب حضرت خضرویہؒ اپنے مریدین کے ہمراہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے مکان پر پہنچے تو حضرت احمد خضرویہؒ نے اپنے مریدین سے مخاطب ہوکر کہا۔ ''دیکھو میری ایک بات غور سے سنو اور اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ بات دراصل یہ ہے کہ جس شخص میں حضرت بایزید بسطامیؒ کے دیدار کی طاقت ہو اور وہ اتنی ہمت رکھتا ہو تو صرف وہی میرے ہمراہ آئے ورنہ یہیں ٹھہر جائے۔''

مگر حضرت احمد خضرویہؒ کے تمام ارادت مندوں نے کہا۔ ''ہم نے اتنا سفر کس لیے کیا ہے ہم تو سب حضرت بایزید بسطامیؒ سے ملاقات کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔'' اس پر حضرت احمد خضرویہؒ اپنے تمام مریدین کے ہمراہ حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب آپ کے سامنے پہنچے تو آپ نے ان سب کا استقبال کیا۔ حضرت احمد خضرویہؒ نے بھی جھک کر سلام کیا۔

اب حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت احمد خضرویہؒ سے پوچھا۔ ''تمہارا وہ مرید کہاں ہے جو سب سے افضل ترین ہے۔ وہ باہر کیوں کھڑا رہ گیا ہے اور اندر کیوں نہیں آیا؟ اس کو بھی اندر بلالو۔'' چنانچہ حضرت احمد خضرویہؒ نے اسے بھی اندر بلوالیا۔ اب حضرت بایزید بسطامی نے حضرت احمد خضرویہؒ سے پوچھا۔ ''آپ کب تک دنیا کی سیر وسیاحت میں مشغول رہیں گے؟'' حضرت احمد خضرویہؒ نے کہا۔ ''یا حضرت! پانی ایک ہی جگہ ٹھہرا رہے تو اس میں نہ صرف بدبو پیدا ہوجاتی ہے بلکہ اس کا رنگ بھی بدل جاتا ہے۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''تو پھر آپ دریا کیوں نہیں بن جاتے جس میں نہ کبھی بدبو پیدا ہوتی ہے اور نہ رنگ تبدیل ہوتا ہے۔'' حضرت احمد خضرویہؒ نے کہا۔ ''یا حضرت! اسی کی تو کوشش کررہا ہوں۔ آپ دعا فرمائیے کہ رب کائنات مجھے دریا بننے کی صلاحیت اور طاقت عطا فرمائے۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں اولیاء کرام کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ آپ کے ارادت مندوں کے لیے بھی یہ مواقع باعث اعزاز ہوتے تھے کیونکہ انہیں بھی مختلف اولیاء اللہ کو دیکھنے اور ان کی باتیں سننے کا وافر موقع مل جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامیؒ اپنے ارادت مندوں کے ہمراہ مجلس میں تشریف فرما تھے کہ یکا یک آپ نے کہا۔ ''ساتھیو! رب تعالیٰ جل شانہٗ کا

ایک دوست آرہا ہے آؤ چل کر اس کا استقبال کرتے ہیں۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی دعوت پر جب سب لوگ باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک بزرگ خچر پر سوار ان کی جانب چلے آرہے ہیں۔ آپ کے مریدین نے آپ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! یہ کون ہیں؟'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں بتایا۔ ''یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ولی حضرت ابراہیم ہرویؒ ہیں۔'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اور آپ کے ارادت مندوں نے آگے بڑھ کر حضرت ابراہیم ہرویؒ کا شایانِ شان استقبال کیا اور انہیں اندر لے آئے۔

اس موقع پر حضرت بایزید بسطامیؒ نے حضرت ابراہیم ہرویؒ سے کہا۔ ''مجھے آپ کے استقبال کا منجانب اللہ اشارہ ملا ہے اس لیے میری کوشش ہوگی کہ آپ کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں۔'' اس کے بعد آپ نے خلافِ معمول حضرت ابراہیم ہرویؒ کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ دسترخوان لگوایا اور قسم قسم کے کھانے چنوائے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت ابراہیم ہرویؒ نے اکٹھے کھانا تناول فرمایا مگر اس دوران حضرت ابراہیم ہرویؒ کے دل میں خیال گزرا کہ حضرت بایزید بسطامی جیسے زاہد وعابد اور صاحبِ تقویٰ کو ایسے عمدہ ولذیذ کھانوں سے احتراز کرنا چاہیے۔ حضرت ابراہیم ہرویؒ کے اس خیال کا علم حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو کشف کے ذریعے ہوگیا چنانچہ آپ نے حضرت ابراہیم ہروی سے کہا۔ ''یہ سب اہتمام تو آپ کی عزت وعظمت کے اعتراف اور آپ کا شایانِ شان استقبال اور خدمت وخاطر تواضع کے لیے کیا ہے ورنہ یہاں ایسا نہیں ہوتا تاہم یہ بھی خیال نہ کرو کہ عمدہ اور لذیذ کھانوں کو کھانے والا اہلِ تقویٰ نہیں ہوسکتا۔'' حضرت ابراہیم ہرویؒ نے آپ کی اس بات سے اتفاق کیا اور ایسے استقبال پر آپ کا شکریہ ادا کیا۔

اگرچہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ پوری کوشش کرتے تھے کہ لوگوں کے سامنے کوئی کرامت ظاہر نہ ہونے دیں لیکن پھر بھی بعض اوقات بہ امر مجبوری آپ کو کسی نہ کسی کرامت کے اظہار کا حالات وواقعات اور صورتِ حال کے تحت موقع مل جاتا تھا۔ جس پر اکثر لوگ آپ کی ولایت اور عظمت کے مزید قائل ہوجاتے تھے مگر آٹے میں نمک کے برابر ایسے افراد بھی تھے جو آپ کی کرامات پر خواہ مخواہ اعتراض کرتے تھے یا یہ کہ آپ کا امتحان لینے کی خاطر آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے مگر آپ ان کی نیت پہلے سے بھانپ جاتے تھے اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے امتحان کی غرض سے شیخ ابوسعید میخوارانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے آتے ہی آپ نے اس کی نیت کو بھانپ لیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا آپ نے اس سے کہا۔ ''تم ابوسعید راعی کے پاس چلے جاؤ وہ میرا عالم وفاضل اور خدمت گار مرید ہے اس لیے میں نے اپنی تمام ولایت اسی کے حوالے کردی ہے۔ جو کچھ کہنا ہے اسی سے جا کر کہو وہ تمہارے ہر سوال کا جواب دیں گے۔''

چنانچہ ابوسعید میخوارانی فوری طور پر ابوسعید راعی کے پاس پہنچا۔اس نے دیکھا کہ ابوسعید راعی عبادت میں مشغول ہیں لہٰذا ابوسعید میخوارانی انتظار میں کھڑے رہے۔جیسے ہی ابوسعید راعی عبادت الٰہی سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ابوسعید میخوارانی سے پوچھا۔"کیا چاہتے ہو؟"ابوسعید میخوارانی نے کہا۔"مجھے تازہ انگور چاہئیں اور اسی وقت چاہئیں۔"ابوسعید راعی کو علم تھا کہ یہ انگوروں کا موسم نہیں ہے اور ابوسعید میخوارانی محض امتحان لینے کی غرض سے کر رہا ہے۔نیز انہوں نے کشف کے ذریعے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ ابوسعید میخوارانی ان کے مرشد حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اسی غرض سے گیا تھا اور انہوں نے ان کے پاس اسے بھیجا ہے چنانچہ ابوسعید راعی نے ابوسعید میخوارانی سے کہا۔"بیٹھ جاؤ میں ابھی انگور دیتا ہوں۔"

ابوسعید راعی نے اسی لمحے ایک چھری لی اور اس کے دو ٹکڑے کیے۔ان دو ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا اپنے قریب اور دوسرا ٹکڑا ابوسعید میخوارانی کے قریب زمین میں دفن کر دیا اور پھر رب کائنات کے حضور التجا کے لیے ہاتھ بلند کیے۔تھوڑے ہی وقفہ کے بعد دونوں جگہوں سے کہ جہاں چھری کے دو ٹکڑے زمین میں دفن تھے انگور کی سرسبز بیلیں نمودار ہونا شروع ہو گئیں۔وہ آہستہ آہستہ بڑھتی گئیں حتیٰ کہ ایک لمحہ ایسا آیا کہ ان میں انگور بھی لگ گئے۔

ابوسعید راعی کے قریب بیل پر نہایت خوشبودار سفید قسم کے انگور لگے جبکہ ابوسعید میخوارانی کے قریب بیل پر انتہائی بدنما، بدذائقہ اور سیاہ قسم کے انگور لگے۔اب ابوسعید راعی نے ابوسعید میخوارانی سے کہا۔"لو جلدی کرو بیل سے انگور توڑو اور کھاؤ۔تم نے انگور طلب کیے تھے وہ بھی تازہ، انتہائی تازہ انگور تمہارے سامنے ہیں۔جتنے کھانا چاہتے ہو کھاؤ۔"ابوسعید میخوارانی نے اپنے قریبی بیل سے انگور توڑے تو انتہائی بدمزہ اور بدذائقہ تھے۔پھر ابوسعید راعی نے اسے اپنے قریبی بیل کے انگور چکھائے تو وہ انتہائی خوشبودار، لذیذ اور خوش ذائقہ تھے۔

ابوسعید میخوارانی نے ابوسعید راعی سے پوچھا۔"یہ کیا بات ہے اور اس کا کیا راز ہے کہ تمہارے قریبی بیل اور میرے قریبی بیل کے انگوروں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

ابوسعید راعی نے کہا۔"مجھے صدق و یقین کی دولت حاصل ہے جبکہ تمہیں شک وشبہ کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقبول بندوں کا امتحان مقصود ہے اس لیے خدائے بزرگ و برتر نے دونوں بیلوں سے ہم دونوں کی قلبی کیفیت ظاہر فرما دی ہے۔تم اگر عقل وشعور رکھتے ہو تو ہر بات تم پر واضح اور روشن ہے۔"

اس کے بعد ابوسعید راعی نے ابوسعید میخوارانی کو ایک کمبل دیا اور کہا۔"یہ کمبل تم لے لو۔اسے استعمال میں لاؤ مگر اس کی حفاظت کرنا اور اسے گم نہ ہونے دینا تاہم مجھے خطرہ ہے کہ تم اسے گم کر دو گے۔"ابوسعید میخوارانی نے کہا۔"میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں یہ کمبل انتہائی حفاظت سے رکھوں گا اور اسے کسی صورت گم نہیں ہونے دوں گا۔"

پھر ابوسعید میخوارانی وہ کمبل لے کر حج پر چلا گیا۔اس نے پوری کوشش کی کہ وہ اس کمبل کی حفاظت کرے اور اسے گم نہ ہونے دے مگر اس کی تمام تر کاوش کے باوجود وہ کمبل میدانِ عرفات میں گم ہو گیا۔اور پھر جب وہ حج سے فراغت کے بعد واپس بسطام پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہی کمبل ابوسعید راعی کے پاس موجود تھا۔

اب ابوسعید میخوارانی کے تمام شکوک وشبہات جاتے رہے۔اسے یقین ہو گیا کہ رب قادر و قدیر اپنے محبوب بندوں کو کرامات سے ضرور نوازتے ہیں مگر یہ کرامات عوام الناس کی اصلاح وفلاح کے لیے ہوتی ہیں۔ان سے بہتوں کا بھلا ہوتا ہے اور مخلوق خدا اپنے رب کی زیادہ عبادت گزار اور منکسر المزاج ہوتی ہے کیونکہ ان کی تکالیف اور پریشانیاں کسی نہ کسی حوالے سے دور کر دی جاتی ہیں۔یہ سب رب کائنات کسی اپنے محبوب بندے کی دعا کی قبولیت کو بنیاد بنا کر اپنے محبوب بندے کو عزت ومقام بخشتا ہے تاکہ اللہ کا پیارا بندہ اس کی مخلوق کو بھی پیارا ہو۔

ایک مرتبہ شہر میں بلا کا قحط پڑا۔لوگ دانے دانے کے لیے محتاج ہو گئے کیونکہ بارش بالکل ہی نہیں ہوئی تھی۔چہار جانب مایوسی، پریشانی اور رنج والم تھا۔لوگ فاقوں مرنے لگے۔اتنے میں کچھ لوگوں نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں حاضری دی اور عرض کی۔"یا حضرت!لوگوں کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔بادل کا کوئی ٹکڑا آسمان کی طرف رخ نہیں کر رہا ہر شخص پریشان اور بدحال ہے۔قحط سے ہزاروں انسانی وحیوانی جانوں کے ضیاع کا خطرہ ہے آپ رب کائنات کے برگزیدہ بندے ہیں۔رب رحمٰن ورحیم آپ کی درخواست نہیں ٹالیں گے آپ ازراہِ صد لطف وکرم رب کریم ورحیم سے التجا کیجئے کہ بارش بھیجے تاکہ سوکھی فصلیں ہری ہو جائیں، بے جان زمین میں جان آ جائے، لوگ فاقوں مرنے سے بچ جائیں۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے اپنا سر رب کائنات کے حضور سجدہ میں جھکا دیا اور گڑگڑا کر عرض کی۔"اے پروردگار!تُو ہی دو جہانوں کا پالنہار ہے۔تیرے کرم اور نوازش کی ہمیں ازحد ضرورت ہے۔اپنے فضل ورحمت کی بارش سے ہمارے کھیتوں اور کھلیانوں کو سرسبز وشاداب اور اپنے نام لیواؤں کو شاد وآباد کر دے۔اے اللہ!ہم بہت گناہ گار ہیں تُو ہمارے گناہوں کی طرف نہ دیکھ بلکہ اپنی رحمت کی طرف دیکھ۔ہماری خضرت فرما دے اور ہمیں اپنی عنایتوں، رحمتوں، وسعتوں اور برکتوں سے نواز۔بے شک تُو ہی تمام کائنات کو اپنے کرم اور بخشش کے سائے تلے رکھے ہوئے ہے۔تُو عظیم ہے تجھے اپنی عظمت کا واسطہ، تُو کریم ہے تُو رحیم ہے تجھے اپنی کریمی کا واسطہ، ہم تیرے گناہ گار بندے تیری بارگاہ میں دست بستہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے تجھ سے مدد کے طلب گار ہیں۔تُو ہماری مدد اور اعانت فرما۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے جب سجدے سے سر اٹھایا تو آپ کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔آپ نے اسی لمحے لوگوں سے کہا۔"فوراً جا کر اپنے نالوں کو درست کر لو۔بارش ہونے

والی ہے۔ اپنے کھیتوں کھلیانوں کو دیکھ لو۔ بارش ہونے والی ہے۔ پانی ذخیرہ کرنے والی جگہوں اور برتنوں کو سنبھال لو۔ بارش ہونے والی ہے۔''

حضرت بایزید بسطامی جیسے جیسے یہ کہتے جاتے تھے جوق در جوق بادل آتے جاتے تھے حالانکہ اس سے پہلے بادل کا ایک ٹکڑا بھی آسمان پر موجود نہیں تھا۔ پھر یکا یک بادل گھرے ہوئے۔ بجلی چمکی۔ بادل گرجا اور چھما چھم بارش ہونے لگی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بارش نہیں ہو رہی بلکہ پانی کا سمندر امڈ آیا ہے۔ بارش قطروں میں نہیں بلکہ بوچھاروں میں ہو رہی تھی۔ اتنی بارش برسی کہ جل تھل ہو گیا۔ زمین سیراب ہو گئی۔ دھرتی کی پیاس بجھ گئی۔ فصلیں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ رب کی رحمت نے وہ رنگ دکھایا کہ ہر ذی روح کا انگ انگ جھوم اٹھا۔ یوں ایک دن اور ایک رات مسلسل پانی برستا رہا۔

حضرت بایزید بسامی رحمتہ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک یہودی رہا کرتا تھا۔ وہ روزگار کی تلاش میں شہر سے دور تھا۔ اس کے بیوی بچے گھر میں اکیلے رہتے تھے مگر غربت اور افلاس کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو علم ہوا تو آپ نے ان کے لیے سامان خورد و نوش بھجوایا۔ ایک دن جبکہ آپ تمام عبادت و ریاضت سے فارغ ہو کر مسجد سے گھر پہنچے تو اس وقت رات ہو چکی تھی۔ آپ اس یہودی کے گھر کے قریب سے گزرے تو آپ نے وہاں سے اس یہودی کے چھوٹے بیٹے کے رونے کی آواز سنی۔ آپ وہیں رک گئے مگر آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر بچہ کیوں رو رہا ہے! یکا یک آپ کی نظر نے یہودی کے مکان کا احاطہ کیا تو آپ نے دیکھا کہ پورے گھر میں اندھیرا چھایا ہوا ہے اور کسی قسم کا کوئی چراغ روشن نہیں ہے۔ آپ نے خیال کیا کہ شاید بچہ اندھیرے کی وجہ سے رو رہا ہے آپ اپنے گھر پہنچے۔ ایک چراغ روشن کیا اور اسے لے کر اس یہودی کے مکان کے باہر والی دیوار پر جا کر رکھ دیا۔ بچہ اسی لمحے خاموش ہو گیا اور اس نے رونا بند کر دیا۔ آپ سمجھ گئے کہ آپ کا خیال درست تھا کہ بچہ روشنی نہ ہونے کی وجہ سے رو رہا تھا۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ معمول بنا لیا کہ نمازِ مغرب کے بعد اس یہودی کے گھر کی دیوار پر ایک عدد روشن چراغ روزانہ رکھ آتے۔ ایسا آپ ایک مدت تک کرتے رہے اور جب ایک دن یہودی واپس گھر لوٹا تو اس کی بیوی نے اسے سارا ماجرا سنایا جس کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ دونوں میاں بیوی آپ کے دستِ مبارک پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

جنگل تنہائی، ویرانی، وحشت اور اجنبیت کا نام ہے۔ جنگل میں عام طور پر جانوروں اور درندوں کا راج ہوتا ہے جو خوفناک بھی ہوتے ہیں اور خطرناک بھی۔ انسانوں کے وجود کو کسی صورت برداشت نہیں کرتے اور ان پر حملہ آور ہو کر انہیں جان سے مارنے کی کوشش کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض جنگلی جانور تو آدم خور بھی ہوتے ہیں مگر اس تمام تر صورتِ حال کے باوجود رب تعالیٰ کے متلاشی ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت کے لیے جنگل کا رخ کرتے ہیں اور کسی درخت کی اوٹ میں،

کسی پہاڑ کی غار میں، کسی جھونپڑے میں بیٹھ کر اس ذات پاک کو یاد کرتے ہیں جو نفع و نقصان کی مالک بھی ہے اور حیات و ممات کی بھی۔

وہ اپنے ساتھی کے ہمراہ جنگل میں پہنچے تو انہوں نے ایک چٹائی بچھائی اور رب رحمٰن و رحیم کے حضور سر بسجود ہو گئے۔ انہوں نے اس جگہ کا انتخاب اس لیے کیا تھا کیونکہ یہاں قریب ہی ایک قدرتی چشمہ تھا جس کا پانی انتہائی ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ وہ اور ان کا ساتھی لمحہ لمحہ یادِ الٰہی میں مصروف رہتے تاہم ان کا ساتھی جنگل کے چہار جانب تھوڑی دیر کے لیے دن میں ایک بار چکر لگا آتا اور کوئی بات بتانے کی ضرورت ہوتی تو اس سے انہیں مطلع کرتا۔

جنگلی جانور ان کے قریب سے گزرتے۔ ان کے پاس چند لمحوں کے لیے ٹھہرتے اور پھر چپکے سے اپنی راہ لیتے۔ جنگل میں کئی قسم کے میوہ دار درخت بھی تھے مگر انہوں نے کبھی کوئی چیز کسی درخت سے نہیں کھائی تھی۔ مسلسل روزانہ روزہ رکھتے تاہم سحری اور افطاری کے وقت کھجور کے دو دانے اور پانی استعمال میں لے آتے۔ کھجوریں وہ اپنے ساتھ ہی لائے تھے۔

ویسے تو روزانہ نماز، روزہ، نوافل اور ذکر و فکر معمول تھا مگر جمعتہ المبارک کے روز خاص اہتمام کے ساتھ عبادت کرتے۔ خود جھاڑو دیتے اور کپڑے دھوتے۔ ایک جمعتہ المبارک کے دن انہوں نے کپڑے دھو لیے تو ان کے ساتھی نے کہا۔ ''یا حضرت! ان کپڑوں کو انگور کی باڑ پر پھیلا دیں تا کہ سوکھ جائیں۔'' انہوں نے کہا۔ ''اگر کوئی مسافر اِدھر سے گزرا اور اس نے انگور توڑنا چاہے تو اسے تکلیف ہو گی لہٰذا میں انگور کی باڑ پر کپڑے نہیں ڈالوں گا۔''

ان کے ساتھی نے تجویز دی۔ ''یا حضرت! کپڑوں کو درخت پر لٹکا دیں۔'' اس پر انہوں نے کہا۔ ''درخت کی نازک ٹہنیاں ہیں۔ ہو سکتا ہے کوئی ٹہنی ٹوٹ جائے۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔'' ساتھی نے کہا۔ ''یا حضرت! پھر سب سے بہتر یہی ہو گا کہ آپ کپڑوں کو گھاس پر پھیلا دیں تا کہ وہ دھوپ کی تمازت اور ہوا کے جھونکوں سے سوکھ جائیں۔'' انہوں نے کہا۔ ''کیا بات کرتے ہو۔ یہ جانوروں کا چارہ ہے ہم اس کو جانوروں سے نہیں چھپا سکتے۔ خدا معلوم کس وقت کون سا جانور چرنے کی ضرورت محسوس کرے اور کپڑوں کی وجہ سے چر نہ سکے۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔''

ان کے ساتھی کے پاس جتنی تجاویز اور آرا تھیں اس نے سب انہیں پیش کیں مگر انہوں نے کسی نہ کسی وجہ سے اس پر عمل درآمد کرنے سے احتراز کیا۔ اور پھر ان کے اپنے من میں ایک تجویز آئی انہوں نے گیلے کپڑے اپنی پیٹھ پر ڈال لیے اور سورج کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے۔ جب ایک مناسب وقت گزر گیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ کپڑے اس طرف سے سوکھ گئے ہیں تو انہوں نے کپڑوں کو الٹ دیا اور پھر اسی طرح سورج کی طرف پشت کر لی۔ تھوڑی دیر میں کپڑے دوسری طرف سے بھی سوکھ گئے۔ اب حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کپڑے پشت سے اتارے اور انہیں تبدیل کیا کیونکہ آپ نے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے وہ میلے ہو چکے تھے کپڑے

تبدیل کر کے انہوں نے ساتھی سے کہا۔ ''آؤ! نمازِ جمعتہ المبارک کی ادائیگی کا آغاز کرتے ہیں۔'' یوں انہوں نے تمام واجبات وفرائض اور سنتوں کو پورا کرتے ہوئے جمعتہ المبارک کی نماز ادا کی اور پھر شکرانہ کے لیے رب قادر وقدیر کے حضور ہاتھ بلند کیے کافی دعا والتجا کرتے رہے اور اپنے لیے استغفار کی دعا بھی کرتے رہے۔ انہوں نے دنیا کے تمام مسلمانوں کی فلاح واصلاح کے لیے بھی دعا کی اور نماز کے بعد پھر ذکر وفکر میں مشغول ہو گئے (غنیتہ الطالبین)

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کچھ عرصہ جنگل میں عبادت وریاضت میں گزارنے کے بعد پھر شہر تشریف لے آتے تھے کیونکہ آپ کے عقیدت مند آپ کی راہ تک رہے ہوتے تھے۔ قریب ودور سے سینکڑوں کی تعداد میں ارادت مند آپ کی مجلس میں روزانہ حاضری دیتے تھے۔ ان میں کچھ افراد محض زیارت کے لیے آتے تھے۔ کچھ لوگ علمی وفقہی مسائل دریافت کرتے تھے جبکہ کثیر تعداد ایسے افراد کی ہوتی تھی جنہیں کوئی نہ کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تھا۔ یہ لوگ باری باری اپنے مسائل بیان کرتے تھے اور آپ ہر ایک کو اس کے مسئلے کے مطابق حل بتاتے تھے۔ کسی کو کسی قرآنی آیت کا وظیفہ بتاتے تھے تو کسی کو اسماء الحسنیٰ میں سے کوئی اسم ورد کے لیے تجویز کرتے تھے۔ کسی کے لیے رب تعالیٰ سے التجا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تھے تو کسی کی ڈھارس بندھا کر اسے نماز روزے کا پابند کرتے تھے۔ آپ جب بھی دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتے تھے تو مجلس میں موجود تمام افراد آپ کی دعا میں شریک ہو جاتے تھے۔

سوال وجواب کی مجلس کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں تھا۔ جس وقت کسی کا جی چاہتا وہ سوال کر سکتا تھا اور آپ انتہائی فراخدلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا جواب دیتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! یہ فرمایئے کہ آپ کا مرشد کون ہے؟'' لوگوں کو توقع تھی کہ آپ کسی بہت بڑے ولی اللہ کا نام لیں گے مگر آپ نے فرمایا۔ ''ایک بوڑھی عورت میری مرشد ہے۔'' لوگ حیران ہوئے اور انہوں نے انتہائی اشتیاق وانہماک سے پوچھا۔ ''یا حضرت! کون سی بوڑھی عورت؟ وہ کہاں رہتی ہے؟ کیا کرتی ہے؟ اس کا مکمل پتہ بتایئے؟''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''وہ بوڑھی عورت ایک دفعہ مجھے جنگل میں ملی تھی۔ وہ سر پر آٹا رکھے ہوئے جا رہی تھی۔ آٹا وزنی تھا جبکہ بڑھیا کمزور تھی۔ آٹے کے وزن سے اس کی کمر دوہری ہوئی جاتی تھی۔ میں اس کے قریب گیا اور اس سے پوچھا کہ کیا میں اس کے کسی کام آ سکتا ہوں۔ اس پر بڑھیا نے کہا یہ آٹا میرے گھر تک پہنچا دو۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بڑھیا کے سر سے آٹا اتار کر اپنے سر پر رکھوں اور بڑھیا کے پیچھے پیچھے چل کر اس کا آٹا اس کے مکان تک پہنچا دوں مگر اسی دوران مجھے وہاں جنگل میں ایک شیر نظر آ گیا۔ میں نے آواز دے کر اسے بلایا اور جب وہ قریب آیا تو میں نے بڑھیا کے سر سے آٹا اتار کر شیر کی کمر پر رکھ دیا اور شیر کو حکم دیا کہ وہ بڑھیا کے ہمراہ جائے اور آٹا اس کے گھر تک پہنچا آئے۔

جب بڑھیا اور شیر چلنے لگے تو میں نے بڑھیا سے پوچھا کہ وہ شہر میں جا کر لوگوں کو کیا بتائے گی۔ اس نے انتہائی جرأت اور اعتماد کے ساتھ کہا کہ میں لوگوں کو بتاؤں گی کہ آج جنگل میں میری ملاقات ایک خود نما اور خود پسند شخص سے ہوئی۔ میں نے اس بڑھیا سے پوچھا کہ تُو نے مجھے خود نما اور خود پسند کیوں کہا۔ میں نے ایسا کون سا کام کیا ہے کہ جس کی وجہ سے تُو نے مجھے یہ خطاب دیا ہے۔ وہ کہنے لگی کہ قدرت نے شیر کو مکلف نہیں بنایا جبکہ تم ایک غیر مکلف کی پشت پر بوجھ لادنا چاہتے ہو یہ خود پسندی نہیں تو اور کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ تم خود کو لوگوں پر صاحب کرامت ظاہر کرنا چاہتے ہو اور یہ خود نمائی نہیں تو اور کیا ہے۔ چنانچہ میں نے بڑھیا کی اس بات سے زبردست نصیحت اور عبرت حاصل کی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خود نمائی اور خود پسندی سے توبہ کر لی۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس بڑھیا کو اپنا مرشد تسلیم کرتا ہوں جس نے مجھے انتہائی قیمتی اور کارآمد سبق دیا۔ اور اب میری یہ حالت ہے کہ کسی کرامت کے ظاہر کرنے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتا ہوں اور جب تک رب کریم ورحیم سے واضح اشارہ نہ مل جائے کرامت ظاہر نہیں ہونے دیتا۔''

حضرت بایزید بسطامی اگرچہ خلیق، ہمدرد، ملنسار اور قدر شناس تھے، مگر آپ بزرگوں کی عزت ووقعت کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ کسی کا دل دکھانا گناہِ کبیرہ تصور کرتے تھے۔ آپ کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اپنے اخلاق سے دوسروں کے دلوں میں مقام بنا سکیں اور آپ نصیحت وتلقین بھی اسی بات کی کرتے تھے۔ انسانیت نوازی آپ کی شخصیت کا نمایاں پہلو تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک خلقت آپ کے حسنِ اخلاق اور خوش خلقی کی دیوانی تھی۔ بچے، بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں سبھی آپ کے ارادت مندوں میں داخل تھے۔ آپ کسی بچے کو دیکھتے تو اسے گود میں اٹھا لیتے۔ اسے پیار کرتے اور جو کچھ پاس ہوتا اسے کھانے کے لیے دیتے۔ بوڑھوں کی خاص طور پر عزت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں انہیں اپنے والدین کے برابر سمجھتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ نے اپنا عصا ایک کونے میں کھڑا کر دیا اور ذکر وفکر میں مشغول ہو گئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ آپ کا عصا زمین پر گر پڑا۔ وہاں قریب ہی ایک بوڑھا شخص وضو کر رہا تھا۔ اس نے آپ کا عصا زمین پر گرا ہوا دیکھا تو وضو سے فارغ ہو کر اس نے عصا دوبارہ کھڑا کر دیا اور پھر اپنی عبادت میں مصروف ہو گیا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ جب مسجد سے واپس جانے لگے تو آپ نے دیکھا کہ آپ کا عصا اس انداز میں نہیں کھڑا کہ جس طریقے سے آپ نے اسے کھڑا کیا تھا۔ آپ کے دل میں فوراً خیال آیا کہ کہیں میرا عصا گر گیا ہو گا اور کسی نے اسے کھڑا کر دیا ہو گا۔ آپ نے وہاں موجود افراد سے پوچھا تو ایک شخص نے بتایا کہ آپ کا عصا گر گیا تھا اور فلاں بوڑھے شخص نے آپ کا عصا دوبارہ اسی جگہ کھڑا کر دیا تھا۔ آپ نے پوچھا۔ ''وہ بوڑھا شخص کہاں ہے؟'' لوگوں نے کہا وہ مسجد سے جا چکا ہے آپ نے لوگوں سے اس کے مکان کا پتہ پوچھا اور اسی لمحے اس کے مکان پر پہنچے۔

دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی۔ ''کون؟'' آپ نے جواب دیا۔ ''آپ کا ایک احسان مند۔'' بوڑھا حیران ہوا کہ یہ کون شخص میرا احسان مند آ گیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دروازے پر آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ باہر حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کھڑے تھے۔ وہ بہت خوش ہوا اور آپ کا شکریہ ادا کرنے لگا کہ آپ نے مجھے یہ عزت بخشی کہ میرے گھر تشریف لائے۔ اس نے آپ سے کہا اندر تشریف لایئے تاکہ آپ کی خاطر تواضع کر سکوں مگر آپ نے اسے یہ کہہ کر اور حیران و پریشان کر دیا کہ جناب والا! میں تو آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ بوڑھے نے پوچھا۔ ''یا حضرت! معافی کس بات کی؟'' آپ نے فرمایا۔ ''میرا عصا مسجد میں گر گیا تھا آپ نے ازحد تکلیف کر کے اسے دوبارہ کھڑا کر دیا۔ اس تکلیف پر معذرت کرنے آیا ہوں۔ امید ہے آپ میری معذرت قبول کر لیں گے۔'' وہ بوڑھا عجیب مخمصے میں پڑ گیا۔ ایک طرف تو اسے اس بات کی خوشی تھی کہ حضرت بایزید بسطامی اس کے گھر پر تشریف لائے تھے جبکہ دوسری طرف وہ یہ سن کر پریشان تھا کہ آپ معذرت طلب کر رہے تھے۔ بہرحال آپ نے اس بوڑھے شخص کی کیفیت کو بھانپ لیا اور اسے تسلی دی کہ وہ پریشان نہ ہو۔

دراصل حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اپنے اس عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے اور دوسروں کو بھی یہ سبق دینا چاہتے تھے کہ بوڑھے ہمارے لیے انتہائی قابلِ قدر اور قابلِ صد احترام ہیں۔ ان کی عزت ہم سب پر لازم ہے۔ حضرت بایزید بسطامی بیشتر اوقات اپنے عمل سے دوسروں کے لیے کوئی نہ کوئی سبق آموز پہلو عیاں کرتے تھے تاکہ معاشرے کی اصلاح ہو اور لوگ صراطِ مستقیم پر گامزن ہوں۔

☆======☆======☆

ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سفر کے دوران نماز کے وقت ایک قریبی مسجد میں پہنچے تو جماعت تیار تھی۔ آپ باوضو تھے چنانچہ آپ نے اس مسجد کے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ بعد ازاں آپ نے سنتیں اور نوافل ادا کیے۔ امام مسجد نے دیکھا کہ ایک اجنبی شخص آج ان کی مسجد میں آیا ہے تو وہ آپ سے تعارف حاصل کرنے کے لیے آپ کے پاس پہنچا۔ سلام دعا کے بعد اس نے آپ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! یہ فرمایئے کہ آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''محترم! پہلے میں اپنی نماز کی قضا پڑھ لوں پھر آپ کو اس سوال کا جواب دوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''حضرت! ابھی تو آپ نے نماز پڑھی ہے تو پھر قضا کس بات کی؟'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے برجستہ جواب دیا۔ ''جو شخص رزق پہنچانے والے سے ہی واقف نہ ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں اس لیے میں نماز قضا پڑھ رہا ہوں۔'' اس امام مسجد نے آپ کی یہ دلیل سنی تو وہ ازحد شرمندہ اور نادم ہوا۔ (تذکرہ الاولیاء)

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ عاجزی و انکساری کا اک بحرِ بے کراں تھے۔ آپ میں خدا

خوفی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا تھا جب آپ آخرت سے غافل رہتے ہوں۔ ہر وقت اپنے آپ کو رب ذوالجلال کے سامنے سمجھتے تھے اور زار و قطار روتے رہتے تھے۔ آپ رب کائنات کے حضور ازحد گریہ وزاری کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ گریہ کرتے کرتے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت سنی جس میں رب رحمٰن و رحیم فرماتے ہیں کہ تمہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو صرف دنیا ہی کو اپنے ارادوں میں رکھتے ہیں اور اس طرح کے لوگ بھی ہیں جو محض آخرت اور عقبیٰ کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی نے یہ آیت سنی تو زار و قطار رونے لگے۔ آنسوؤں کی جھڑی تھی کہ تھمنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ آپ جب ذرا سنبھلے تو آپ نے فرمایا کہ یہ رب کائنات کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے ایک شکوہ ہے، یہ ایک شکایت ہے کہ اے لوگو! تم نے صرف دنیا یا آخرت ہی کو طلب کر کے قناعت کر لی ہے اگر تم اپنے آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ سے وابستہ کر کے اللہ جل شانہ ہی کے سپرد کر دیتے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و فضل و کرم سے تمہیں بے حساب و بے مقدار عطا فرماتا۔ رب رحمٰن و رحیم اپنے بندے کے قریب تر ہو جاتا۔ وہ ذات پاک رحمٰن و رحیم ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ تمہاری بصیرت، تمہاری سماعت، تمہاری بصارت اور تمہارے اعمال و افعال اور حرکات و سکنات بن جاتا اور اللہ تبارک و تعالیٰ سب کچھ ہو کر کافی ہو جاتا لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ ہی کو اللہ سے طلب کرو اور اسے مکمل طور پر اپنا مالک و خالق جانتے ہوئے اپنے آپ کو کلی طور پر اس کے سپرد کر دو۔ پھر دیکھو رب کائنات کس طرح تمہاری مدد و اعانت کرتا ہے (معالی الہمم)

حضرت احمد خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے خواب میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم سب تو مجھ سے اپنی ضروریات کو طلب کرتے ہو لیکن بایزید مجھ سے مجھ ہی کو طلب کرتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک دفعہ کسی شخص نے کہا۔ ''یا حضرت! آپ نے کبھی اپنی کوئی کرامت ظاہر نہیں کی کیا وجہ ہے؟'' آپ نے فرمایا ''میں تو صرف اور صرف کریم کا طالب ہوں کرامت کا طالب میں کبھی نہیں رہا۔'' یعنی کہ میں صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی چاہت رکھتا ہوں۔ مجھے اس بات کی قطعاً خواہش نہیں کہ مجھے کوئی کرامت ظاہر کرنے کا موقع مل جائے۔ اگرچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو بہت کچھ عنایت کیا ہوا تھا مگر آپ اکثر یہ کوشش کرتے تھے کہ لوگوں کا بھلا ایسے طریقے سے ہو کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکے کہ میں نے کوئی کرامت ظاہر کی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے اور آپ کا استغراق ایسا ہوتا تھا کہ آپ کو سوائے یادِ الٰہی کے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ آپ کا ایک ارادت مند تیس سال سے آپ کی خدمت میں رہتا تھا۔ جب بھی وہ آپ کے سامنے آتا تو آپ اس سے پوچھتے۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟'' وہ فوراً اپنا نام بتاتا۔ اس صورتِ حال کو برسوں گزر گئے ایک دن اس

نے آپ سے عرض کی۔ ''یا حضرت! کیا آپ میرے ساتھ مزاح کرتے ہیں کہ جب کبھی بھی میں آپ کے سامنے آتا ہوں تو آپ مجھ سے میرا نام پوچھتے ہیں حالانکہ بے شمار دفعہ میں آپ کو اپنا نام بتا چکا ہوں۔'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں آپ کے ساتھ مزاح نہیں کرتا بلکہ میرے قلب و روح اور جسم وجان میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام اس قدر جاری وساری ہو چکا ہے کہ رب تعالیٰ کے نام کے سوا مجھے کسی اور کا نام یاد ہی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جب بھی ملتے ہیں تو میں آپ سے آپ کا نام پوچھتا ہوں۔''

ایک دفعہ لوگوں نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا۔ ''یا حضرت! اپنی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ بتایئے جو ناقابلِ فراموش ہو اور جس نے آپ کی دنیا ہی بدل دی ہو۔'' آپ نے فرمایا۔ ''ایک دفعہ رات کا بڑا سہانا وقت تھا۔ چودھویں کے چاند کی روشنی نے زمین کو منور کیا ہوا تھا ہر چیز چاندنی میں نہائی ہوئی تھی۔ ایسے لمحات میں ذکر وفکر کرتا ہوا میں شہر سے باہر نکل گیا۔ جب ایک ویرانے میں پہنچا تو مجھے دور سے روشنیوں کا ایک اجتماع نظر آیا جن کی چمک آنکھوں کو خیرہ اور دل و دماغ کو معطر کئے دیتی تھی، میں ان روشنیوں کے قریب پہنچا تو ایک ایسا خوبصورت و حسین وجمیل دربار لگا ہے کہ جس کے مقابلہ میں ساری دنیا ہیچ معلوم ہوتی تھی اس قسم کا دربار واقعی میرے لیے انتہائی حیران کن بات تھی۔ اس وقت میں نے رب تعالیٰ سے عرض کی۔ ''اے رب العالمین! تُو حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے لیکن ایسا حسین وجمیل دربار دنیا کی نگاہوں سے کیوں پوشیدہ رکھا ہوا ہے؟''

اسی لمحے ندا آئی۔ ''اے بایزید! سن لو کہ اس دربار میں صرف وہی لوگ آسکتے ہیں جو اس قابل ہوتے ہیں۔ یہاں نااہل لوگوں کی رسائی ممکن نہیں۔''

اس وقت مجھے یہ خیال آیا کہ کیوں نہ میں تمام عالم کی شفاعت رب کائنات سے طلب کروں تا کہ وہ لوگ بھی اس دربار میں آنے کے قابل بن جائیں مگر یکدم میرے جی میں آیا کہ شفاعت تو نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے مخصوص ہے میں کیسے شفاعت کرسکتا ہوں۔ میں تو خود حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا محتاج ہوں۔ جیسے ہی میرے دل میں یہ خیال آیا تو پھر سے ندا آئی۔ ''اے بایزید! تُو نے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا پاسِ ادب کیا اس لیے ہم تمہیں وہ رتبہ عطا کرتے ہیں کہ تا حشر تمہارا نام سلطان العارفین لوگوں کی زبان پر رہے گا۔''

عبادت وریاضت میں انکساری وعاجزی کا یہ عالم تھا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ عشاء کی چار رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے تو آپ کو کوئی نہ کوئی خیال آتا کہ ضرور اس نماز میں کوئی سقم رہ گیا ہوگا چنانچہ فرماتے کہ یہ نماز قابل قبول نہیں۔ کیا معلوم رب تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کی سند حاصل کرسکے یا نہیں۔ اس طرح یہ کہہ کر پھر چار رکعت نماز کی نیت باندھ لیتے اور پورے ذوق

وشوق اور انہماک کے ساتھ نماز پڑھتے مگر جب نماز پڑھ لیتے تو پھر خیال آتا کہ خدا معلوم یہ نماز قبولیت کے لائق بھی تھی یا نہیں۔ اسی طرح چار چار رکعت نماز پڑھتے پڑھتے صبح ہونے کو آجاتی۔ اب آپ صبح کی نماز ادا فرماتے اور پھر رب تعالیٰ کے حضور زار وقطار روتے اور گڑگڑا کر عرض کرتے:

''اے باری تعالیٰ! میں تیرا انتہائی عاجز اور گناہ گار بندہ ہوں۔ میں نے تیری بارگاہ کے لائق اور تیری بلند ذات کے شایانِ شان نماز ادا کرنے کی بہت سعی وکوشش کی مگر تجھے معلوم ہے اور تُو بہتر جانتا ہے کہ میں اس کاوش میں کامیاب رہا نہیں۔ تاہم میں اتنا ضرور عرض کرتا ہوں کہ جیسا میں خود ہوں ویسی ہی میری نماز ہے لہٰذا اے رب العالمین! تُو مجھے اپنے بے نماز بندوں میں شمار کرلے۔ میں تیری مغفرت کا طالب ہوں۔ میرے گناہوں پر پردہ ڈال اور مجھے معاف فرمادے بے شک تُو ہی غفور الرحیم، غفار الذنوب اور ستار العیوب ہے۔ میں تجھ سے تیری رضا کا طالب ہوں۔ تیرے کرم کا آرزومند ہوں اور تیری رحمت کا طلب گار ہوں۔''

ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جذب ومستی کی کیفیت میں ہے اور رب تعالیٰ سے انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ التجا کررہا ہے کہ اے رب کریم ورحیم! میری جانب نظر فرما! میری جانب نظر فرما! آپ نے اس کی یہ دعائیہ اور التجائیہ تکرار سنی تو آپ نے اس سے پوچھا۔ ''تم نے کون سے نیک اعمال کئے ہیں جو رب تعالیٰ کی نظر تیری طرف اٹھے؟'' اس شخص نے جواب دیا۔ ''جب رب رحمٰن ورحیم کی نظر کرم مجھ پر پڑ جائے گی تو اعمال خود بخود اچھے اور بہتر ہو جائیں گے کیونکہ اس کی منشاء ومرضی کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہلتا۔'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص کی یہ دلیل سنی تو آپ نے کہا۔ ''تُو بالکل صحیح کہتا ہے۔ جس پر رب تعالیٰ کی نظرِ کرم ہو جائے وہ کامیاب اور بامراد ہو جاتا ہے اور دنیا وآخرت میں سرخروئی حاصل کرتا ہے۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ قرآن وسنت کی تعظیم وتکریم کے ساتھ ساتھ مسجد ومحراب اور قبلہ ومنبر کے احترام وتقدس کا بھی ازحد خیال رکھتے تھے۔ آپ نے اس بات کی نہ صرف عوام الناس میں تبلیغ کی بلکہ اپنے حسن عمل سے بھی ثابت کیا۔ آپ زبانی کلامی باتوں پر یقین رکھنے سے زیادہ عملی باتوں کو اہمیت دیتے تھے۔ آپ کسی شخص کا عمل دیکھنے کے بعد ہی اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتے تھے۔

☆======☆======☆

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ چونکہ اللہ والوں سے ملنے کے خواہش مند رہتے تھے اس لیے آپ کے ارادت مند بھی آپ کو ایسے افراد کے بارے میں اطلاع دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کو کسی نے بتایا کہ فلاں شہر میں ایک ولی اللہ رہتا ہے۔ وہ وہاں کے لوگوں میں نہایت احترام و عقیدت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ بسطام سے وہ شہر دو ماہ کی مسافت پر تھا یعنی صرف آنے

جانے میں چار ماہ کا عرصہ لگتا تھا۔ مگر آپ نے مسافت کی طوالت کی پرواہ کیے بغیر وہاں کا ارادہ کیا اور تھوڑا سا زادِ راہ لے کر اپنے ایک قریبی ارادت مند کے ہمراہ چل پڑے۔ سفر دور کا بھی تھا اور کٹھن بھی تاہم آپ دو ماہ کی مسلسل تھکا دینے والی مسافت طے کرنے کے بعد اس شخص کے شہر پہنچے جو ولی اللہ مشہور تھا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں دیکھا کہ وہ شخص اپنے گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ ابھی وہ مسجد سے کچھ دور تھا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ آپ چاہتے تھے کہ جب وہ مسجد میں پہنچ کر سکون سے بیٹھ جائے گا تو آپ اس سے ملاقات کریں گے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ اس شخص نے مسجد میں داخل ہوتے ہی قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوک دیا۔ آپ نے جیسے ہی اس کا یہ عمل دیکھا تو آپ اسی لمحے واپس چلے آئے۔ ملنا تو ایک طرف آپ نے اسے سلام تک بھی نہ کیا۔ آپ سے آپ کے مرید نے جو آپ کے ساتھ پوچھا۔ "یا حضرت! آپ اس شخص سے ملنے کی بڑی خواہش اور آرزو لے کر آئے تھے مگر اب ملاقات کیے بغیر حتیٰ کہ سلام تک کیے بغیر واپس جا رہے ہیں۔ آخر وجہ کیا ہے؟"

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا ہے۔ یہ شخص جب رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آدابِ زندگی میں سے ایک ادب اور سنت پر محفوظ نہیں ہے تو یہ اپنے دعوئ ولایت میں کس طرح محفوظ اور قابلِ اعتماد ہو سکتا ہے؟ یہ شخص محض ولایت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔ اپنے آپ کو ولی اللہ ظاہر کرتا ہے مگر ولایت کا درجہ اس سے کوسوں دور ہے۔" (رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ خود مسجد کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ آپ گھر سے مسجد جاتے ہوئے راستے میں بھی کہیں نہ تھوکتے تھے اور گھر سے ہی باوضو ہو کر جاتے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تسبیح ہوتی تھی جس پر آپ ورد کرتے ہوئے جاتے تھے۔ آپ کا ورد اکثر درود پاک کا ہوتا تھا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اتباعِ سنت ہی کو زندگی کا حاصل سمجھتے تھے۔ آپ کے نزدیک سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ اسوہ حسنہ پر عمل کیا جائے۔ آپ کہتے تھے کہ کوئی شخص اتباعِ سنت کے بغیر خود کو صاحبِ طریقت کہتا ہے وہ جھوٹا ہے کیونکہ اتباعِ شریعت کے بغیر طریقت کا حصول ممکن نہیں اور یہی اتباعِ سنت ہی ایک جیتی جاگتی کرامت ہے۔

☆======☆======☆

ایک دفعہ ایک شخص آپ کے پاس آ کر ٹھہرا۔ وہ صبح شام آپ کی خدمت میں حاضر رہتا۔ آپ کی ہر بات کو غور سے سنتا اور آپ کے ہر عمل کو پوری توجہ سے دیکھتا حتیٰ کہ اسے آپ کے پاس رہتے ہوئے ایک معقول عرصہ گزر گیا۔ ایک روز اس نے بددل ہو کر واپس جانے کا ارادہ کیا تو آپ

نے اس سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا۔ "دراصل بات یہ ہے کہ میں اتنا عرصہ آپ کے پاس اس لیے رہا تھا کہ آپ کی کسی کرامت کا مشاہدہ کر سکوں مگر میں نے آج تک آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی اس لیے بددل ہو کر واپس جا رہا ہوں۔" حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے کہا۔ "اچھا بتاؤ کہ مجھے تُو نے کبھی سنت کی خلاف ورزی کرتے دیکھا ہے؟" اس نے برجستہ جواب دیا۔ "شریعت و سنت کے تو آپ پوری طرح سختی کے ساتھ پابند ہیں اس معاملے میں اس قدر محتاط شخص میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "پھر اس سے بڑھ کر تجھے اور کیا کرامت چاہیے؟ اتباعِ سنت ہی تو دراصل سب سے بڑی کرامت ہے۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عقیدت مند برسوں تک آپ کی صحبت میں رہا۔ عبادت و ریاضت کے اوقات میں آپ کے ساتھ رہتا۔ عوام الناس کی مجلس میں بھی شریک ہوتا۔ آپ کی محفلِ وعظ و نصیحت میں بھی شرکت کرتا مگر اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود اس نے اپنے اندر کوئی روحانی تبدیلی محسوس نہ کی تو وہ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ "یا حضرت! اگر آپ محسوس نہ فرمائیں تو ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔" آپ نے کہا۔ "جو کچھ کہنا چاہتے ہو اگرچہ مجھے اس کا علم ہے تاہم تم خود اپنی زبان سے کہو۔"

آپ کے اس ارادت مند نے کہا۔ "یا حضرت! سچی بات یہ ہے کہ آپ کے پاس اتنا عرصہ رہنے کے باوجود آپ کی تعلیم مجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکی۔ میں نماز، روزے کا پابند ہوں۔ کوئی غیر شرعی کام بھی نہیں کرتا لیکن کوئی نمایاں روحانی تبدیلی اپنے من میں محسوس نہیں کرتا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ "اس سے پہلے کہ میں اس کی وجہ بیان کروں تم اگر چاہتے ہو کہ تم پر میری تعلیم کا کوئی اثر ہو تو اس کی صرف ایک ہی شکل ہو سکتی ہے اور وہ تمہارے لیے قابلِ قبول نہیں ہو گی۔" اس نے عرض کی۔ "یا حضرت! میں کوشش کروں گا کہ اس کو قبول کروں لیکن آپ بتائیں تو سہی کہ وہ شکل کیا ہے؟" حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ "تم یوں کرو کہ تم ایک کمبل اوڑھ کر ایک جگہ بیٹھ جاؤ اور ساتھ ہی ایک تھیلے میں کافی سارے اخروٹ بھر کر اپنے پاس رکھ لو۔"

اس نے پوچھا۔ "یا حضرت! اس کے بعد کیا کروں؟" حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ "تم زور زور سے اعلان کرو کہ جو بچہ مجھے ایک پتھر مارے گا اس کو ایک اخروٹ دوں گا۔ بس یہی واحد شکل اور تمہارا علاج ہے۔ جس سے تم پر میری تعلیم اثر کرنا شروع کر دے گی۔" اس نے جھٹ سے کہا۔ "یا حضرت! آپ کی یہ ترکیب میرے لیے قابلِ قبول نہیں۔ میں اسے نہیں کر پاؤں گا۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "میں نے تجھے پہلے ہی کہا تھا کہ تجھے میری بتائی ہوئی ترکیب قابلِ قبول نہیں ہوگی اور تم میری بات پر عمل نہیں کرو گے۔" اس نے پھر پوچھا۔ "یا حضرت! آپ مجھ پر کرم فرمایئے اور مجھے اصل وجہ بتایئے۔" آپ نے کہا۔ "میں نے یہ ترکیب تمہیں اس لیے بتائی تھی تاکہ تمہیں دیکھوں کہ تم میری بات پر عمل کرتے ہو یا نہیں۔ تم نے انکار کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ تم میری بتائی ہوئی باتوں پر پوری طرح عمل نہیں کرتے اور پھر کہتے ہو کہ میری تعلیم نے تمہارے اندر کوئی بڑی روحانی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ دراصل ابھی تک تجھے اپنے نفس پر قابو نہیں ہوسکا اس وجہ سے تم میری باتوں کو سنتے تو ضرور ہو مگر ان پر عمل پوری طرح نہیں کرتے جبکہ تبدیلی کے لیے عمل کی ضرورت ہے۔"

ایک شخص حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی ولایت اور روحانی عظمت کا قائل نہیں تھا۔ ایک دن وہ آپ کا امتحان لینے کے لیے حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی کہ مجھے رموزِ خداوندی سے آگاہ کیجئے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اس کی نیت سمجھ گئے کہ یہ شخص کس لیے یہاں آیا ہے چنانچہ آپ نے اس سے کہا۔ "فلاں پہاڑ پر چلے جاؤ۔ وہاں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ اس سے جا کر کہو کہ وہ تمہیں رموزِ خداوندی سے آگاہ کرے۔ تم اس سے میرا نام لینا کہ میں نے بھیجا ہے وہ تمہاری مدد ضرور کرے گا۔"

وہ شخص دوڑا ہوا گیا۔ اگرچہ وہ پہاڑ کافی اونچا تھا اور راستہ بھی دشوار تھا مگر جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں تو ایک انتہائی خطرناک قسم کا اژدہا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اژدہے کو دیکھ کر اس قدر خوف زدہ ہوا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ کافی دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو وہ واپس دوڑا ہوا حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچا۔ آپ نے جب اسے حواس باختہ دیکھا تو پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کیا تم میرے دوست سے ملاقات کر آئے ہو؟ اس نے تمہیں تمہارے سوال کا کیا جواب دیا؟"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ان تمام سوالات کا اس کے پاس صرف ایک ہی جواب تھا کہ "وہاں ایک بہت بڑا اژدہا موجود تھا اور اگر میں آگے بڑھتا تو وہ مجھ پر حملہ کر کے مجھے ہلاک کردیتا۔ میں نے وہاں آپ کا کوئی دوست نہیں دیکھا جس سے میں اپنا سوال پوچھتا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "تم بھی عجیب شخص ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق سے اس قدر ڈرے کہ بے ہوش ہوگئے مگر تعجب ہے کہ خالق کائنات کی ہیبت تمہارے دل میں قطعی طور پر نہیں ہے۔ اگر تمہارے دل میں خالق کائنات کا خوف ہوتا تو تم مجھ سے رموزِ خداوندی پوچھنے نہ آتے بلکہ تمہیں ان کے دریافت کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑتی۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی ازحد کوشش و کاوش ہوتی تھی کہ اپنی کرامت ظاہر نہ فرمائیں مگر بعض اوقات عوام کی فلاح کے لیے ایسا کرنا ضروری ہو جاتا تھا تو بعض افراد محض بغض و عناد کی بناء پر آپ کی کرامت پر اعتراض کرتے تھے۔ اسی طرح ایک رنگریز بھی آپ کی کرامت کے

حوالے سے یہی کہتا تھا کہ یہ تو میں بھی کرسکتا ہوں۔ ایک دفعہ وہ تنقید کرنے کے ارادہ سے آپ کے پاس حاضر ہوا تو آپ اس کے ارادے کو بھانپ گئے اور آپ نے ایک ایسی آہ کھینچی کہ وہ غش کھا کر گرا اور تین یوم تک بے ہوش رہا۔ جب تیسرے دن کے بعد چوتھے دن اسے ہوش آیا تو وہ شرمندگی اور ندامت کے احساس کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچا اور معافی مانگنے لگا۔ آپ نے اسے علم ومعرفت کا ایسا جملہ ارشاد فرمایا جو ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ نے کہا۔ "یہ بات اچھی طرح یاد کرلو کہ ہاتھی کا بوجھ گدھے پر نہیں ڈالا جاسکتا۔"

جو لوگ آپ کی کرامات پر اعتراض کرتے تھے ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی مگر لوگوں کی کثیر تعداد ایسی تھی جو آپ سے کرامات ظاہر کرنے کا مطالبہ کرتی تھی۔ ہر کوئی اپنے مسئلے کے حل کے لیے یہی چاہتا تھا کہ آپ اپنی کوئی کرامت ظاہر کریں اور کرامت کے کمال سے اس کا مسئلہ حل کردیں مگر آپ لوگوں کو اکثر یہی ہدایت کرتے تھے کہ رب تعالیٰ سے خود طلب کرو۔ وہ ذات پاک دلوں کے حال جاننے والی ہے۔ وہ قادر وقدیر اور رحیم وکریم ہے۔ اس سے جو کچھ بھی طلب کرو، وہی کچھ ملتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کی یہی ہدایت تھی کہ لوگ وحدانیت کی طرف ہی مائل اور قائل رہیں اور اولیاء اللہ کو ہی نجات دہندہ نہ سمجھنے لگیں۔ جو لوگ آپ سے دعا کرنے کے لیے کہتے تو آپ ہاتھ بلند کر کے رب تعالیٰ سے یہی عرض کرتے۔ "اے باری تعالیٰ! مخلوق مجھے واسطہ بنا کر تجھ سے مانگ رہی ہے اور تو ان کی طلب سے بھی بخوبی واقف ہے اس لیے اے رب تعالیٰ! جو کچھ ان کے حق میں بہتر ہے انہیں عنایت فرمادے۔"

اپنے مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ بعض افراد حصول علم ومعرفت کے لیے بھی آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے اور آپ پوری کوشش کرتے تھے کہ ان کی رہنمائی ہوجائے۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی۔ "یا حضرت! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ اسم اعظم جانتے ہیں میں اسم اعظم جاننے کا انتہائی آرزومند ہوں۔ میری آپ سے التجا ہے کہ مجھے اسم اعظم سکھا دیں کیونکہ میں اسم اعظم کا ورد کرنا چاہتا ہوں اور اس طرح رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اسم اعظم ضرور سکھائیں گے۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اللہ جل شانہٗ کے تمام اسمائے حسنہ اسم اعظم ہیں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے تمام ناموں میں کوئی تقسیم، تفریق یا حد بندی نہیں ہے۔ ان میں کوئی اعلیٰ یا ادنیٰ اور چھوٹا یا بڑا نہیں ہے۔ ان میں سے عظیم اور اعظم کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بندہ کس قدر پرہیزگار، متقی اور توحید پرست ہے۔ وہ کس شوق و ذوق اور جوش وجذبہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ناموں کو چاہنے والا اور ان کی قدر کرنے والا ہے۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا بندہ اللہ جل شانہٗ کے مقابل کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو وہ رب تعالیٰ کے قرب کی لذت سے آشنا ہوسکتا ہے اور معرفتِ الٰہی بھی حاصل کرسکتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ

اپنی ہمت، حوصلہ، یقین، بھروسہ، اعتماد، توکل اور قوتِ پرواز کے باعث اونچی سے اونچی اُڑان کرسکتا ہے۔ اس میں کچھ خدائی اوصاف بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ یوں وہ رب تعالیٰ کی طرف سے حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک بن سکتا ہے۔

جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قبر سے مُردوں کو اٹھا کر انہیں زندہ کر دیتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام بحر و بر اور ہوا و فضا میں حکومت کرتے تھے یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی عنایات اور اسی کا فضل و کرم تھا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی ان تمام باتوں کا جو کہ ٹھوس دلائل پر مشتمل تھیں بہت مثبت اثر ہوا اور وہ شخص جو اسم اعظم سیکھنے کے لیے آیا تھا وہ مکمل طور پر قائل ہو گیا اور اس نے اس کا برملا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''یا حضرت! آپ کی تمام باتیں حقائق پر مبنی ہیں اور یہ سچ ہے کہ اہلِ ہمت کے لیے اسم اعظم کا حصول کوئی مشکل کام نہیں۔'' اس کے بعد حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص کو مزید سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ حقیقت ہے کہ اہلِ ہمت اور بلند حوصلہ لوگوں کے لیے اسم اعظم کا حصول کوئی مشکل بات نہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ بندہ کی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طلب ہی سب سے اعظم و افضل ہے۔ جو بندہ اپنے رب تعالیٰ کی طلب رکھتا ہے اسے ہی رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اس لیے رب تعالیٰ سے ہمیشہ اسی کی ذات کی طلب کرنا چاہیے۔ اس طرح معرفت کے تمام مراحل طے ہونے کے بعد رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔''

(معالی الہم)

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات میں عاجزی و انکساری حد درجہ پائی جاتی تھی آپ ہر چھوٹے، بڑے اور امیر و غریب کا اس درجہ احترام کرتے تھے کہ ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اسی کی زیادہ عزت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ عوام و خواص میں یکساں مقبول تھے۔ تکبر اور فخر و غرور سے آپ سخت نفرت کرتے تھے اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی یہی نصیحت فرماتے تھے کہ آدمی عجز ہی سے بلندی حاصل کرسکتا ہے آپ اپنے ارادت مندوں کو سمجھاتے ہوئے فرماتے تھے کہ اس درخت کی طرح ہو جاؤ جس کو جتنا پھل زیادہ لگتا ہے وہ اتنا زیادہ جھکتا ہے۔ انسان کو بھی رب تعالیٰ جس قدر عنایت کرے اسے چاہیے کہ وہ اپنے اندر زیادہ سے زیادہ عجز اور انکساری پیدا کرے کیونکہ جو کچھ بھی دیا ہے وہ رب تعالیٰ نے ہی دیا ہے اس میں انسان کا اپنا کوئی کمال نہیں ہے اور یہ کہ بڑائی صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے نزدیک وہی افضل ہے جو متقی اور پرہیزگار زیادہ ہے۔''

ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ہمراہ ایک تنگ گلی سے گزر رہے تھے کہ یکایک ایک کتا آپ کے سامنے آ گیا۔ آپ نے جیسے ہی اس کتے کو دیکھا تو آپ نے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا اور جب تک کتا گزر نہیں گیا آپ وہیں رکے رہے۔ آپ کے ساتھ آپ

کے عقیدت مند بھی وہیں رک گئے۔ جب وہ کتا گزر گیا تو آپ کے ایک عقیدت مند نے آپ سے سوال کیا۔ ''یا حضرت! رب کائنات جل شانہٗ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے لیکن آپ نے ایک کتے کی خاطر راستہ چھوڑ دیا۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟ آپ کے اس عمل سے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کتا انسان سے برتر ہے جبکہ یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے اور شرعی طور بھی درست نہیں۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ارادت مند کی تمام بات کو غور سے سنا اور پھر آپ نے فرمایا۔ ''دراصل جب کتا میرے سامنے آیا تو اس نے مجھے دیکھتے ہی مجھ سے سوال کیا کہ ازل میں مجھے کتا اور آپ کو سلطان العارفین کیوں بنایا گیا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور تھا اور آپ کی کیا فضیلت تھی؟ چنانچہ کتے کے اس سوال پر میں نے اس بات کو اپنے لیے رب تعالیٰ جل شانہٗ کا بہت بڑا انعام خیال کیا کہ اس ذات پاک نے مجھے کتے پر فضیلت عطا فرمائی۔ اس خیال ہی کی وجہ سے میں نے کتے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے اس عمل سے آپ کے ارادت مندوں نے کئی سبق حاصل کئے اور معرفت کے کئی نکات ان کی سمجھ میں آئے۔ دراصل حضرت بایزید بسطامی اپنے قول اور افعال سے اپنے عقیدت مندوں کو قابلِ تقلید باتیں سمجھانے کی کوشش کرتے تھے تاکہ اس سے ان کی اصلاح بھی ہو اور وہ دوسروں تک بھی آپ کے پیغامات کو پہنچائیں۔

حضرت بایزید بسطامی کے ہر فعل میں کوئی نہ کوئی رمز پوشیدہ ہوتی تھی۔ بظاہر وہ بات کچھ اور معلوم ہوتی تھی مگر جب آپ اس سے پردہ اٹھاتے تھے تو سب لوگ اس سے سبق حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ ایک گلی سے گزر رہے تھے تو آپ کے سامنے ایک کتا آ گیا۔ آپ نے کتے کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنا دامن سمیٹ لیا تاکہ کتے کے ساتھ نہ لگے کیونکہ کتا ناپاک ہے اس لیے آپ نے چاہا کہ کہیں آپ کا لباس بھی ناپاک نہ ہو جائے۔

جب کتے نے آپ کو دامن سمیٹتے ہوئے دیکھا تو اس نے عرض کی۔ ''یا حضرت! آپ نے مجھ سے اپنا دامن کیوں بچایا حالانکہ میں بھیگا ہوا نہیں ہوں۔ اگر میں بھیگا ہوا ہوتا تو پھر آپ کو ناپاکی کا خطرہ تھا مگر اب تو آپ کو ناپاکی کا خطرہ نہیں تھا۔ تاہم فرض کریں کہ اگر میں بھیگا ہوا بھی ہوتا اور آپ کے کپڑے ناپاک بھی ہو جاتے تو پھر بھی آپ اپنے کپڑے صاف کر سکتے تھے لیکن آپ نے مجھ سے نفرت کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ تو سات سمندروں کے پانی سے بھی پاک نہیں ہو سکتی۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ کہا۔ ''تم سچ کہتے ہو اس لیے کہ تمہارا تو ظاہر ناپاک ہے اور میرے باطن میں اشرف المخلوقات ہونے کے حوالے سے تھوڑا سا فخر آ گیا تھا۔ اس لیے ہم دونوں کو ایک ساتھ رہنا چاہیے تاکہ جو تھوڑا بہت فخر میرے دل کے اندر ہے وہ دور ہو جائے۔''

کتے نے جب آپ کی یہ بات سنی تو اس نے کہا۔ ''ہم دونوں کا ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے اس

لیے کہ میں نجس ہوں اور آپ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہیں۔اس کے علاوہ مجھ میں اور آپ میں ایک اور فرق یہ بھی ہے کہ میں دوسرے دن کے لیے ایک ہڈی بھی جمع نہیں کرتا جبکہ آپ سال بھر کا غلہ جمع کر لیتے ہیں۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے عقیدت مندوں کو یہ واقعہ سنا کر فرمایا۔''پاک ہے وہ ذاتِ باری تعالیٰ کہ جو بدترین مخلوق کی باتوں سے بہترین مخلوق کو عبرت اور سبق دلاتی ہے۔دراصل یہ کتے کے ساتھ میرا سوال وجواب رب تعالیٰ کی طرف سے ایک ہدایت اور نصیحت تھی کہ میں اس سے نہ صرف خود سبق حاصل کروں بلکہ دوسروں کو بھی یہ واقعہ سنا کر نصیحت کروں اس طرح لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اگر غور کرنا شروع کر دیں تو ان کی زندگی قابلِ تقلید ہو جائے اور انہیں معرفت کی باتیں سمجھ آنے لگ جائیں۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جو کچھ ہوتا تھا وہ سب آپ غریبوں، یتیموں اور مسکینوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔اکثر اوقات آپ کے عقیدت مند آپ کی خدمت میں نقد وجنس کی شکل میں آپ کو تحائف دیتے تھے۔آپ اسی لمحے ان تمام اشیاء کو ضرورت مندوں میں بانٹ دیتے تھے اور گھر میں کچھ بھی نہیں رکھتے تھے۔آپ کا یہ فعل سنت رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل اتباع کی بہترین مثال تھا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی ضرورت مند آپ سے اپنی ضرورت بیان کر کے مدد کا طالب ہوتا تھا مگر آپ کے پاس اسے دینے کو کچھ نہیں ہوتا تھا تو پھر آپ یا تو اپنے کسی ارادت مند کو کہتے تھے کہ ضرورت مند کی ضرورت پوری کرے یا پھر آپ وقتی طور پر کسی سے عاریتاً کچھ لے کر اسے دے دیتے تھے مگر کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیتے تھے۔

حضرت بایزید بسطامی نے کبھی یہ خیال نہیں کیا تھا کہ دوسرے وقت کا کھانا کہاں سے آئے گا۔آپ نے کبھی دوسرے وقت کے لیے کوئی چیز نہیں رکھی کہ یہ پھر کام آئے گی۔جو کچھ آیا اسی لمحے غرباء کی نذر ہو گیا۔اگر کوئی چیز بچ جاتی تھی تو آپ اس وقت تک پریشان رہتے تھے جب تک وہ کسی حاجت مند تک نہیں پہنچ جاتی تھی۔

ایک رات آپ عبادت الٰہی میں مصروف ہوئے تو آپ کو یادِ الٰہی میں لذت محسوس نہ ہوئی آپ نے فوراً سمجھ لیا کہ گھر میں کچھ موجود ہے۔آپ نے خادم خاص کو آواز دی وہ دوڑا آیا۔آپ نے اس سے فرمایا۔''پورے گھر میں تلاش کرو کوئی چیز موجود تو نہیں جو کسی ضرورت مند کے کام آنے والی ہو اور ہم نے ابھی تک اس کو نہ دی ہو۔'' خادم نے گھر کی مکمل تلاشی لی تو ایک جگہ انگور کا ایک خوشہ ملا آپ نے فرمایا۔''یہ خوشہ فوراً کسی کو دے آؤ۔اس کی وجہ سے آج کی عبادت میں وہ لطف محسوس نہیں ہو رہا جو روزانہ ہوا کرتا ہے۔'' چنانچہ خادم نے وہ خوشہ انگور اٹھایا اور باہر نکلا ہی تھا کہ ایک مسکین مل گیا۔اس نے وہ خوشہ اسے دے دیا اور گھر کے اندر آ گیا۔آپ نے کہا۔''اب وہی

لذت میں پھر سے محسوس کر رہا ہوں جو ذکر وفکر میں پہلے محسوس کیا کرتا تھا۔اور یاد رکھو کہ گھر میں کوئی چیز بھی ضرورت سے زائد نہ رہنے دیا کرو۔اسے فوراً ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا کرو اور میری اس ہدایت کو اچھی طرح یاد رکھو اور اس پر عمل کرو۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اکثر اپنی محفل میں لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے تھے جنہیں حاضرین انتہائی توجہ اور ذوق وشوق سے سنتے تھے۔آپ لوگوں کے سوالوں کے جواب بھی دیتے تھے اور جو افراد آپ سے ہدایت کے طالب ہوتے تھے آپ انہیں ہدایت بھی فرماتے تھے۔آپ کی وعظ ونصیحت کا ایک ایک لفظ خوبصورت اور دل نشین ہوتا تھا۔آپ کی ہر بات معنی خیز اور سبق آمیز ہوتی تھی۔یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کہ فکر وخیال کا ایک بے کراں سمندر ہے جو امڈا چلا آتا ہے۔

ایک موقع پر آپ نے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''رب تعالیٰ کی یاد میں فنا ہو جانا زندہ جاوید ہو جانا ہے۔عارف کامل وہی ہے جس محبت میں جلتا رہے اور ذاتی ودنیاوی خواہشات کو ترک کر کے رب تعالیٰ کی خوشنودی کو مدِنظر رکھے۔دنیا اہل دنیا کے لیے غرور ہی غرور آخرت اہل آخرت کے لیے سرور ہی سرور اور حبِ الٰہی عارفین کے لیے نور ہی نور ہے۔عارف کی ریاضت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کا نگران رہے اور لحہ لحہ رب تعالیٰ کا طالب رہے۔''

''بندہ خود کو ہیچ سمجھتے ہوئے کبھی اپنے علم وعمل کی زیادتی پر فخر وغرور نہ کرے کیونکہ جب تک انسان میں عجز اور انکساری نہ ہو وہ رب تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔علم وخبر ایسے فرد سے سیکھو اور سنو جو علم سے معلوم تک اور خبر سے مخبر تک رسائی حاصل کر چکا ہو۔خدا شناس خدا کو ضرور دوست رکھتا ہے کیونکہ محبت کے بغیر معرفت بے معنی ہے۔یاد رکھو کہ جب تک ندی نالے بہتے رہتے ہیں اس وقت تک ان میں شور ہوتا ہے اور جب دریا میں مل جاتے ہیں تو تمام شور ختم ہو جاتا ہے۔خدا دوست لوگوں کی نظر میں جنت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔نیک لوگ ہر حال میں مطلوب کے طالب رہتے ہیں۔چنانچہ عاشق کو عشق کے اور طالب کو مطلوب کے سوا اور کچھ طلب کرنا مناسب نہیں۔اگر مخلوق اپنی ہستی کو پہچان لے تو خدا کی معرفت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔بندے کو ایسا وقت ضرور نکالنا چاہیے جس میں اس کی نظر اپنے مالک کے سوا کسی پر نہ اٹھے۔

رب تعالیٰ جل شانہٗ اپنے محبوب بندوں کو تین چیزیں عطا فرماتے ہیں اول دریا کی طرح سخاوت، دوم آفتاب کی طرح روشنی اور سوم زمین کی سی عاجزی اور یہی تینوں چیزیں انسان کو صحیح معنوں میں انسان بناتی ہیں۔علوم میں ایک ایسا علم بھی ہے جس سے عالم واقف نہیں اور زہد میں ایک ایسا زہد ہے جس کو زاہد بھی نہیں جانتے۔گفتگو اور آواز وحرکت سب پردے کے باہر کی چیزیں ہیں لیکن پردے میں سوائے ہیبت ورعب اور خاموشی کے کچھ بھی نہیں۔بندے کو جب تک قربِ الٰہی حاصل نہیں ہوتا اسی وقت تک باتیں بناتا ہے لیکن جب حضوری حاصل ہو جاتی ہے تو سکتہ طاری

ہو جاتا ہے۔

''خدا شناس جہنم کے لیے عذاب ہے اور خدا ناشناس کے لیے جہنم عذاب ہے۔ نفسانی خواہشات چھوڑ دینا درحقیقت واصل الی اللہ ہو جانا ہے اور جو اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے مخلوق اس کی فرمانبردار ہو جاتی ہے۔ انسان کو رب تعالیٰ نعمتوں سے نوازے تو اسے مغرور نہیں ہونا چاہیے اور اگر اذیتیں پہنچیں تو مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جس رب نے ''کن'' کہہ کر تمام عالم بنایا ہے اس کے قبضہ قدرت سے کوئی شے خارج نہیں۔''

ایک اور موقع پر حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''بندے کو خود اپنے مرتبے کے مطابق ہی ظاہر کرنا چاہیے یا جس قدر وہ خود کو ظاہر کرے وہ مرتبہ حاصل کرنا چاہیے۔ بھوک ایک ایسا بادل ہے جس سے رحمت کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ وہ شخص رب تعالیٰ سے دور ہوتا ہے جو مخلوق کی اذیت پسند کرتا ہے اور جو مخلوق سے خندہ پیشانی سے پیش آتا ہے وہ رب تعالیٰ کے بہت نزدیک ہوتا ہے۔''

''رب تعالیٰ کی یاد کا مفہوم اپنے نفس کو فراموش کر دینا ہے اور جو شخص رب تعالیٰ کو رب تعالیٰ کے ذریعے شناخت کرتا ہے وہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے لیکن جو شخص اپنے نفس کے ذریعہ رب تعالیٰ کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے وہ فانی ہے۔ عارف کا دل اس شمع کی طرح ہے جو فانوس کے اندر ہر سمت اپنا نور پھیلاتی رہتی ہے۔ اور جس کو یہ مقام حاصل ہو گیا اس کو تاریکی کا خطرہ نہیں رہتا۔ دو عادتیں مخلوق کی تباہی کا باعث بنتی ہیں اول یہ کہ رب تعالیٰ کی مخلوق کا احترام نہ کرنا، دوم یہ کہ خالق کے احسان کو ٹھکرا دینا۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک عقیدت مند نے سفر اختیار کرنے سے پہلے آپ کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور عرض کی۔ ''یا حضرت! مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔'' آپ نے فرمایا۔ ''اگر تمہیں کسی بری عادت سے واسطہ پڑ جائے تو اس کو اچھی عادت میں بدلنے کی بھرپور کوشش کرنا اور جب تمہیں کوئی کچھ دینا چاہے تو پہلے رب رازق کا شکر ادا کرنا بعد میں دینے والے کا شکریہ ادا کرنا کیونکہ رب تعالیٰ ہی نے اسے تم پر مہربان کیا ہے اور جب تم کسی مشکل میں پھنس جاؤ تو عجز وانکساری سے کام لینا اور بے صبری سے پرہیز کرنا۔''

اسی طرح ایک اور شخص نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے نصیحت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

''آسمان کی طرف دیکھو اور یہ بتاؤ کہ اس کا خالق کون ہے؟'' اس نے کہا ''آسمان کو رب تعالیٰ جل شانہٗ نے تخلیق فرمایا ہے۔'' آپ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ ''بس رب تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ تمہارے ہر حال سے باخبر ہے اور دلوں تک کے بھید جانتا ہے۔'' اس شخص نے پوچھا۔ ''یا حضرت! یہ فرمایئے کہ کیسے بندوں کی صحبت میں رہنا چاہیے؟'' آپ نے اسے سمجھایا

کہ تمہیں ایسے شخص کی صحبت اختیار کرنی چاہیے جو تمہاری عیادت کرے، جو تمہاری خطا معاف کرتا رہے اور جو حق بات تم سے کبھی نہ چھپائے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک دفعہ ایک ارادت مند نے پوچھا۔ ''یا حضرت! آپ کو یہ مراتب کیسے حاصل ہوئے؟'' آپ نے فرمایا۔ ''میں نے دنیا کے وسائل کو قناعت کی زنجیر میں جکڑ کر صدق کے صندوق میں بند کیا اور مایوسیوں کے دریا میں غرق کر دیا۔'' اس نے پھر پوچھا۔ ''یا حضرت! یہ بتایئے کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟'' آپ نے فرمایا۔ ''میری عمر صرف چار سال ہے'' اس نے پوچھا۔ ''وہ کیسے؟'' آپ نے بتایا۔ ''اس لیے کہ میں صرف چار سال سے رب تعالیٰ جل شانہٗ کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ اس سے پہلے کے 70 سال صرف کہنے سننے میں گزر گئے اس لیے میں ان سالوں کو اپنی عمر میں شمار نہیں کرتا۔'' اس ارادت مند نے آپ سے ایک اور سوال کیا کہ یا حضرت! یہ بتایئے کہ نماز کی صحیح تعریف کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ''صحیح نماز وہ ہے جس کے ذریعے رب تعالیٰ جل شانہٗ سے ملاقات ہو سکے لیکن یاد رکھو کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ سے ملاقات اتنی آسان نہیں۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس کی ایک نمایاں خوبی یہ تھی کہ آپ وعظ ونصیحت یا نماز کی ادائیگی کے بعد بہت لمبی دعا مانگتے تھے اور اس قدر گڑگڑا کر مانگتے تھے کہ ہر آنکھ آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی اور بعض لوگ تو رب کریم ورحیم کے حضور دھاڑیں مار مار کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے زار وقطار روتے تھے۔ ایک عجیب روحانی کیفیت اور دل سوز سماں ہوتا تھا جس طرح وعظ و نصیحت کے وقت حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے منہ سے پھول جھڑتے تھے اسی طرح دعا کے وقت بھی آپ کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ موتی اور ایک ایک حرف نگینہ ہوتا تھا۔ وعظ ونصیحت کے وقت آپ کا ہر ایک جملہ ضرب المثل کی طرح دل میں اُتر جانے والا اور سننے والے کو عمل پر مائل وقائل کرنے والا ہوتا تھا۔ اسی طرح دعا کے وقت بھی آپ کا ہر ایک جملہ ایسا ہوتا تھا جیسے آسمان سے اُتر رہا ہو۔ یہ سب رب رحمٰن ورحیم کی عنایت اور فضل وکرم تھا۔ بعض افراد مختلف شہروں سے لمبا سفر طے کر کے صرف دعا میں شامل ہونے کے لیے پہنچتے تھے اور لوگوں میں یہ تاثر عام تھا کہ آپ کی اجتماعی دعا میں شامل ہو کر رب کائنات سے صدق دل کے ساتھ جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی دعا کا ایک ایک لفظ جہاں رب کائنات کے حضور عاجزی وانکساری کا اظہار ہوتا تھا وہاں زبان و بیان کے حوالے سے بھی اعلیٰ اور عمدہ ہوتا تھا۔ آپ اپنی دعا میں اکثر کہا کرتے تھے:

''اے باری تعالیٰ! اے رحمٰن ورحیم! میرے اور اپنے درمیان سے پردہ ختم فرما دے تاکہ میں تیری ذات میں فنا ہو جاؤں۔ اے اللہ! جب تک میں اپنے آپ میں رہا سب سے ادنیٰ رہا لیکن جب تیرا ساتھ ملا اس وقت میں سب سے اعلیٰ و برتر ہو گیا۔ اے باری تعالیٰ! فقر وفاقہ سے تیرا قرب حاصل ہوا۔ اور تیرے کرم وفضل نے مجھے تجھ سے روشناس کیا۔ اسی لیے میں تجھ پر ناز کرتا ہوں۔

اے رب رحیم وکریم! دل کے لیے بہترین چیز تیرا الہام اور غیب کی راہوں میں سب سے افضل تیرا نور ہے۔اے اللہ! بہترین زبان وہ ہے جو تیری خوبیاں بیان کرے مگر بیان نہ کر سکے کیونکہ انسان تیری خوبیاں بیان کرنا چاہے تو پوری زندگی میں تیری خوبیوں کا معمولی سا حصہ بھی بیان نہیں کرسکتا۔

اے مالک وخالق اللہ! یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ میں تجھے اپنا دوست سمجھتا ہوں بلکہ حیران کن بات یہ ہے کہ تُو مجھے اپنا دوست سمجھتا ہے کیونکہ تُو قوت والا ہے اور ہر چیز کا مالک بھی ہے اور ہر چیز پر اختیار بھی رکھتا ہے جبکہ میں ایک کمزور اور محتاج بندہ ہوں۔ایک ادنیٰ اور لاچار انسان ہوں۔

اے رب تعالیٰ! میں تجھ سے خوفزدہ رہتا ہوں لیکن تُو نے اپنے فضل سے میرا خوف دور کردیا۔یہی وجہ ہے کہ میں ہر وقت خوش خوش رہتا ہوں۔میں تیری نعمتوں کا کسی طرح بھی شکر ادا نہیں کرسکتا۔اے میرے مالک! میں اپنی عبادت پر ناز نہیں کرتا بلکہ فخر کی بات یہ ہے کہ تُو نے مجھے اس قابل بنایا اور اس قدر قوت دی کہ میں تیرے حکم پورے کرتا ہوں۔

اے میرے رحیم وعظیم اللہ! نہ تجھے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت ہے اور نہ قبولیت کے لیے کسی عبادت کی اور نہ ہی تیری یہ عادت ہے کہ گناہوں کی کثرت کی بناء پر تُو گناہ گاروں کو کسی طرح معاف ہی نہ کرے بلکہ تجھے مکمل اختیار ہے کہ جسے چاہے معاف کردے اور اپنے قرب سے نواز دے۔

اے اللہ! اگرچہ میں نے کوشش کی ہے کہ نیک کام کروں لیکن وہ تیری بارگاہ میں قبولیت کے ہرگز قابل نہیں لہٰذا ان کو نظر انداز فرما کر صرف اپنے رحم وکرم سے میری مغفرت فرمادے۔مجھے صرف تیرا کرم چاہئے۔صرف تیری بخشش چاہیے۔صرف اور صرف تیری عطا چاہیے۔"

آپ کی دعا کی شہرت ہی کے حوالے سے ایک دفعہ ایک شخص بہت دور کا سفر طے کرکے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔"یا حضرت! میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔آپ کی ہر دعا مقبول ومنظور ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بہت اعلیٰ شرف بخشا ہے۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔"نادان! دعائیں تو پروردگار ہر ایک کی قبول فرماتا ہے تو پھر مومن کی دعا کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔مومن کی دعا تو پہلے قبول ہوتی ہے اور ضرور قبول ہوتی ہے۔" اس شخص نے پھر کہا۔"یا حضرت! میں نے آپ کے بارے میں یہ بھی سنا ہے کہ آپ ہوا میں اُڑتے ہیں اور پانی پر بھی چل سکتے ہیں۔" اس پر حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔"اے نادان شخص! کیا تجھے دکھائی نہیں دیتا پرندے بھی ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں اور بے شمار جانور بھی پانی میں چلتے پھرتے ہیں لیکن مومن کی شان ان پرندوں اور جانوروں سے بہت اعلیٰ ہے۔انسان اشرف المخلوقات ہے۔اصل بات یہ ہے کہ اسے رب تعالیٰ کا قرب کس قدر حاصل ہے اور وہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں کیا مقام اور مرتبہ رکھتا ہے۔اس کے اعمال کیسے ہیں اور اس کی نیت میں خلوص کتنا ہے۔اگر

وہ محض دکھاوے کی خاطر رب تعالیٰ کا نیک بندہ بنا پھرتا ہے تو پھر اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور اگر وہ صرف اور صرف رب تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر نیک اعمال کرتا ہے تو پھر رب تعالیٰ ضرور اس سے خوش ہوتے ہیں اور اس پر اپنے فضل وکرم کی بارش فرماتے ہیں۔"

☆======☆======☆

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اپنی مجلس میں وعظ ونصیحت کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی کوشش فرماتے تھے کہ لوگوں کی اصلاح ہو۔وہ غلط کاموں کو چھوڑ کر نیک کاموں کی طرف مائل ہوں تاکہ ان کی دنیا بھی منور ہو جائے اور آخرت بھی۔اس کے لیے بعض اوقات آپ کو مختلف طریقے اختیار کرنا پڑتے تھے مگر بیشتر اوقات آپ دوسروں کی اصلاح کرنے کے مقصد میں کامیاب ہو جاتے تھے۔اس سے آپ کو از حد خوشی ہوتی تھی۔

ایک دفعہ چند افراد حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔"یا حضرت! فلاں جگہ پر ایک ناچ گانے والی عورت رہتی ہے۔اس نے ایک بالا خانہ سجایا ہوا ہے اور لوگ اس کے پاس پہنچتے ہیں اور گانا سنتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں خرابی پیدا ہو رہی ہے۔آپ اصلاح کی کوئی صورت نکالیے۔"

آپ نے جب ان افراد کی یہ بات سنی تو آپ اگلے ہی روز رات کے وقت اس عورت کے دروازے پر جا کر بیٹھ گئے۔آپ نے زمین پر ہی چٹائی بچھالی اور ہاتھ میں تسبیح لے کر ذکر کرنے لگے مگر ہر آنے والے شخص پر آپ کی نظر بھی تھی۔

اس روز جو شخص بھی اس عورت کا گانا سننے کی غرض سے آیا تو وہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو باہر بیٹھے ہوئے دیکھ کر واپس چلا گیا۔کسی کو بالا خانہ پر جانے کی جرأت نہ ہوئی۔جب اس عورت نے یہ صورتِ حال دیکھی کہ آج اس کے پاس کوئی شخص بھی نہیں آیا تو وہ بہت حیران پریشان ہوئی اور سوچنے لگی کہ آخر اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے کیونکہ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

اس عورت نے اپنی لونڈی سے کہا کہ پتہ کرو کہ لوگ کیوں نہیں آرہے۔وجہ کیا ہے؟ حالانکہ روزانہ تو اتنے لوگ آتے ہیں کہ بیٹھنے کو جگہ نہیں ملتی اور آج یہ صورتِ حال ہے کہ ایک شخص بھی ادھر نہیں آیا۔اس عورت کی ملازمہ دوڑی ہوئی نیچے گئی تو اس نے دیکھا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ بذاتِ خود تشریف فرما ہیں اور چٹائی پر بیٹھے تسبیح میں مصروف ہیں۔

ملازمہ نے اس عورت کو آکر بتایا کہ نیچے ہمارے دروازے پر حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے ہیں۔اس لیے جو بھی آتا ہے انہیں دیکھ کر شرم کے مارے واپس چلا جاتا ہے۔

اس عورت نے ملازمہ سے کہا۔"حضرت جی کو اوپر میرے پاس بلا کر لے آؤ۔" ملازمہ نیچے آئی اور اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔"یا حضرت! میری مالکن آپ کو اوپر بلا رہی ہیں۔آپ مہربانی فرمائیے اور ہمارے پاس تشریف لے آئیے۔" جب آپ اوپر تشریف لے گئے تو اس عورت

نے عرض کی: ''یا حضرت! آپ کہاں اور میں کہاں؟ آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔'' آج رات یہاں پر میں رہوں گا۔'' اس عورت نے کہا۔ میری فیس تو دوسو اشرفیاں ہیں۔ آپ نے اپنی گدڑی میں سے دوسو اشرفیاں نکالیں اور اسے دے دیں اور پھر اس سے کہا۔'' میں نے تمہاری فیس دوسو اشرفیاں ادا کر دی ہے اب میں جو کہوں گا وہ تمہیں کرنا ہوگا۔'' عورت نے کہا۔'' مجھے منظور ہے۔'' آپ اپنے ہمراہ کپڑوں کا ایک جوڑا لائے تھے۔ آپ نے اس عورت سے کہا یہ جوڑا پہن لو۔ اس نے وہ جوڑا پہن لیا تو پھر آپ نے کہا دو قدم آگے بڑھو اور نظریں قبلہ کی طرف رکھو۔

جب اس عورت نے آپ کے حکم کے مطابق ایسا کیا تو آپ نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور دعا کی۔'' اے باری تعالیٰ! میں نے اس عورت کا ظاہر بدل کر نیک کر دیا ہے۔ اب تُو اپنے کرم سے اس کا باطن بھی نیک کر دے۔''

اس کے بعد حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اس عورت سے کہا۔'' اب میں چلتا ہوں مجھے میرا جوڑا واپس کر دو۔'' اس عورت نے کہا۔'' یا حضرت! میرا ذہن اب وہ نہیں رہا۔ میں اب یہ کپڑے آپ کو واپس نہیں کروں گی۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کر لی ہے۔ آپ میرے حق میں دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اس عورت کو راہِ راست پر لانے کے بعد گھر واپس آ گئے۔ (نزہتہ المجالس)

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے۔ آپ نے تمام قرآن پاک نہ صرف حفظ کیا بلکہ اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف کے معنوں پر غور کیا فکر کیا اور نہ صرف غور و فکر کیا بلکہ ان پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کوشش میں انہوں نے اپنے ارادت مندوں کو بھی شامل کیا۔ آپ نے اپنے ہر عقیدت مند کو قرآن پاک کے مطالعہ اور رب تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن پاک کے ساتھ ساتھ حدیث و سنت کا بھی مطالعہ کیا۔ آپ سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے چونکہ حدیث شریف کا درس لیا تھا اور اس حوالے سے خوب محنت کی تھی اس لیے آپ اپنے وعظ میں حدیثوں کو کثرت کے ساتھ اپنے عقیدت مندوں تک پہنچاتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا۔'' یا حضرت! آپ کے علم کا ماخذ کیا ہے؟ آپ کو علم سکھانے والا کون ہے؟'' آپ نے جواب میں فرمایا۔'' رب تعالیٰ کی بخشش اور عطا میرے علم کا ماخذ ہے جبکہ مجھے علم سکھانے والی رب تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ جس شخص نے اس چیز پر عمل کیا کہ جس کو وہ جانتا ہے تو رب تعالیٰ اس کو ایسے علم کا وارث بنا دے گا جو اسے معلوم نہیں ہے۔''

چونکہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کامل ولی تھے اور ولی کے لیے سنت سے پوری طرح باخبر ہونا ضروری ہے تاکہ اس کا کوئی عمل بھی سنت کے خلاف نہ ہو اور وہ اپنے مریدوں کے لیے بھی ایک اعلیٰ نمونہ ثابت ہو۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ خود فرمایا کرتے تھے کہ خلاف سنت کام کرنے والا کبھی ولی نہیں ہو سکتا۔

آپ نے کچھ احادیث روایت بھی کی ہیں۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں، امام شعرانیؒ نے ''طبقات کبریٰ'' میں جبکہ امام ابوعبدالرحمٰن السلمیٰ نے ''طبقات الصوفیہ'' میں اس بات کا حوالہ دیا ہے کہ آپ ایک قابلِ اعتماد اور مستند راوی تھے۔ آپ کی روایت کردہ ایک مشہور حدیث یہ ہے:

''رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک یقین کی کمزوری میں سے یہ بات ہے کہ تُو رب تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرے۔ رب رازق کے دیئے ہوئے رزق پر لوگوں کی تعریفیں کرتا پھرے اور اگر ربِ کائنات تجھے کوئی چیز عطا نہ کرے تو لوگوں کی برائیاں بیان کرنے لگے۔ بے شک رب تعالیٰ کا رزق ایسا ہے کہ جس کو کسی حرص کرنے والے اور کسی ناگوار سمجھنے والے کی ناگواری روک نہیں سکتی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور جلال سے کام لیتے ہوئے اطمینان اور خوشی کو اپنی رضا اور یقین میں رکھا ہے اور غم کو شک اور ناراضی میں رکھ دیا ہے۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنے نفس اور خواہشات کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ آپ نے خود بتایا کہ آپ نے تیس سال تک اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا اور نفس کو پاک کرنے کے بعد ہی قربِ الٰہی حاصل کیا۔ نفس دراصل ایسا آستین کا سانپ ہے جس کا سر کچلنا بہت ضروری ہے۔ جب تک اسے نہ مارا جائے بندہ صحیح معنوں میں رب تعالیٰ کا بندہ نہیں بن سکتا۔ علم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر علم کے ساتھ عمل بے حد ضروری ہے۔ عمل کے بغیر قرب خداوندی حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک دفعہ ایک شخص حاضر ہوا اور درخواست کی کہ یا حضرت! مجھے کوئی ایسی نصیحت فرمائیے کہ جس سے میری نجات ہو جائے۔ آپ نے فرمایا:

''صرف دو باتیں یاد رکھو کہ علم سے تمہارے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے اور اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رب تعالیٰ تمہارے عمل سے بے نیاز ہے۔''

حضرت بایزید بسطامی سے ایک دفعہ ایک ارادت مند نے پوچھا۔'' یا حضرت! آپ اپنے نفس کو مارنے کی تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔'' آپ نے فرمایا۔'' اگر میں اپنے نفس اور اپنی خواہشات کو مارنے کی مکمل تفصیل بیان کروں تو آپ میں سننے کی اتنی ہمت نہیں تاہم میں ایک معمولی سا واقعہ بیان کئے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آدھی رات کو میرے دل میں آیا کہ باقی

آدھی رات رب تعالیٰ کے ذکر اور حمد وثنا میں گزاروں گا لیکن میرے نفس نے اس کی مخالفت کی اس پر میں نے قسم کھائی کہ چونکہ رب تعالیٰ کی عبادت میں نفس نے میرا ساتھ نہیں دیا اس لیے میں ایک سال تک اسے پیاسا رکھوں گا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور سال بھر پانی نہیں پیا۔"

مولانا رومؒ نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے اس واقعہ کو مثنوی میں بیان کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی طبیعت میں جو سستی پیدا ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ پانی کا بکثرت استعمال کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے نفس کو یہی سزا دی کہ مسلسل ایک سال تک پانی نہ پیا اور رب تعالیٰ نے بھی آپ کو برداشت کرنے کی طاقت عطا فرمائی۔

حضرت ابوموسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ طریقت میں مشکل کام کون سا ہے؟ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"میں ایک مدت تک اپنے نفس کو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتا تھا مگر وہ روئے جاتا تھا مگر جب رب تعالیٰ نے توفیق بخشی اور اللہ تعالیٰ کا کرم شاملِ حال ہوا تو میں اب اسے جب بھی رب کریم ورحیم کی بارگاہ کی طرف لے جاتا ہوں تو وہ ہنسی خوشی چلا جاتا ہے۔"

دراصل نفس کی خواہشات کا رخ موڑنا ہی اصل کام ہے جس نے نفس پر غلبہ پالیا اس نے سب کچھ پالیا کیونکہ نفس کی خواہشات اگر غالب آجائیں تو وہ انسان کو ہلاک کر دیتی ہیں یا کم از کم عیب دار اور ذلیل وخوار ضرور کر دیتی ہیں۔ اور رب تعالیٰ کے ہاں ولی کا درجہ وہی حاصل کرتا ہے جو نفس کی خواہشات پر مکمل غلبہ حاصل کر لیتا ہے اور یہی وہ کمال تھا جو حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے حاصل کیا جس کی وجہ سے وہ سلطان العارفین کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نفس کی نفسیات سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ نفس پر قابو کیسے پایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ انہیں توفیقِ الٰہی بھی حاصل تھی۔ اس لیے انہوں نے طریقت اور ولایت کے تمام درجے جلد ہی طے کر لیے اور رب تعالیٰ کے محبوب بندوں میں شمار ہونے لگے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ پیٹ بھر کر کھانے کو نفس پروری سمجھتے تھے اور نہ صرف خود بہت کم کھاتے تھے بلکہ اپنے ارادت مندوں سے بھی یہی کہتے تھے کہ اتنا کھاؤ کہ جس سے جسم اور روح کا رشتہ برقرار رہ سکے۔ آپ فرماتے تھے کہ بھوکا رہنے سے ذکر الٰہی کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے اور انسان میں فرشتوں والی صفات پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ فرشتے بھی بغیر کھائے پیئے اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے ان کے ایک ارادت مند نے پوچھا "یا حضرت! یہ فرمائیے کہ آپ نے معرفت کس چیز کے ذریعے حاصل کی؟" حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔ "میں نے بھوکے پیٹ اور ننگے بدن یعنی پھٹے پرانے کپڑے پہن کر

معرفت حاصل کی۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک بار کسی نے پوچھا "یا حضرت! کیا وہی شخص ولی اللہ ہوتا ہے جس کے پاس لوگوں کو دکھانے کے لیے کرامات ہوں؟" آپ نے فرمایا۔ "یاد رکھو کہ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کرامات ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ہوا میں اُڑتا ہوا نظر آئے تو دھوکے میں نہ آجانا اور اسے ولی نہ سمجھ لینا بلکہ اچھی طرح دیکھ لینا کہ کیا وہ شریعت کے احکامات کی پابندی مکمل طور پر کرتا ہے۔ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے انہیں کرتا ہے اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان سے رکا رہتا ہے۔ اور وہی ولی ہوگا جو شریعت کے احکامات کو عمدگی کے ساتھ ادا کرتا ہوگا۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ دل کے انتہائی نرم تھے۔ انسان تو انسان حتیٰ کہ جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کا بھی خیال رکھتے تھے کہ کہیں انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ مخلوقِ خدا سے محبت آپ کی تمام عادات میں نمایاں اور قابلِ ذکر تھی۔ آپ جانتے تھے کہ رب تعالیٰ ان بندوں سے پیار کرتے ہیں جو اس کی مخلوق سے پیار کرتے ہیں۔ خدا ترسی اور مخلوقِ خدا سے بے کراں شفقت ومحبت آپ کے انگ انگ میں سمائی ہوئی تھی۔ درحقیقت جس شخص کے دل میں احکامات الٰہی کی عزت وعظمت ہوتی ہے۔ وہی شخص رب تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے۔ آپ کی انسان دوستی اور ایثار و شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"اگر رب تعالیٰ تمام مخلوق کو بخش دیں اور ان کے گناہوں کے بدلے میں مجھے دوزخ میں ڈال دیں تو مجھے اس سے خوشی حاصل ہوگی۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اپنے ارادت مندوں سے بھی کہا کرتے تھے کہ میرا اچھا مرید تو وہ ہے کہ جو گناہ گاروں کو جہنم کے عذاب سے بچانے کے لیے کوشش کرتا رہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کسی کام کے سلسلے میں بسطام سے ہمدان تشریف لے گئے۔ بسطام سے ہمدان کافی فاصلے پر تھا اس لیے وہاں پہنچنے میں کئی روز لگ گئے۔ آپ ایک عرصہ تک ہمدان ٹھہرے رہے۔ ایک دن آپ نے ہمدان میں رہائش کے دوران ایک جگہ قرطم کے کچھ دانے خریدے اور انہیں استعمال میں لے آئے لیکن ان دانوں میں سے چند دانے بچ گئے جنہیں آپ نے کسی کپڑے کی پوٹلی میں باندھ لیا کیونکہ ان دانوں کے استعمال کی اس وقت ضرورت نہیں تھی۔

آپ جس کام سے ہمدان گئے تھے اس سے فراغت کے بعد آپ نے بسطام واپسی کا ارادہ کیا زادِ راہ ساتھ لیا۔ زادِ راہ کے ساتھ قرطم کے دانوں کی وہ پوٹلی بھی آپ نے ساتھ لے لی جس میں بچے ہوئے دانے بندھے ہوئے تھے۔

آپ واپس بسطام پہنچے تو آپ نے دانوں کی وہ پوٹلی ایک محفوظ جگہ پر رکھ دی تاکہ اگر پھر ضرورت پڑے تو انہیں استعمال کیا جا سکے۔ اتفاقاً آپ کو جلد ہی ان دانوں کے استعمال کی ضرورت

پڑ گئی۔ آپ نے وہ پوٹلی اٹھائی اور دانے باہر نکالے تو آپ یہ دیکھ کر حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی کہ ان دانوں کے ساتھ بسطام تک ہمدان کی دو چیونٹیاں بھی آ گئی تھیں۔

اب آپ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ ناحق ان دو چیونٹیوں کو وطن سے بے وطن کیا۔ چنانچہ طبیعت میں ایک عجیب سی پریشانی کی کیفیت پیدا ہوئی اور کسی پل چین محسوس نہ کیا۔ بالآخر آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان چیونٹیوں کو واپس ان کے وطن ہمدان پہنچایا جائے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے پھر سے ایک لمبا سفر طے کیا اور ہمدان پہنچے۔ پھر آپ اسی جگہ تشریف لے گئے جہاں سے دانے خریدے تھے۔ آپ نے ان چیونٹیوں کو وہاں چھوڑا اور اس کے بعد ہی آپ بسطام واپس تشریف لائے۔ (رسالہ قشیریہ)

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت میں عجز و انکساری بہت زیادہ تھی۔ آپ ہر شخص کی عزت کرتے تھے چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا بلکہ کسی کی دل آزاری کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ انسانیت کا احترام اور رب تعالیٰ کی مخلوق سے حسنِ سلوک آپ کے حسنِ عمل کی بنیاد تھی۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بسطام میں ایک مدت تک بارش نہ ہوئی۔ لوگ بوند بوند کو ترس گئے۔ زمین بنجر ہونے لگی۔ فصلیں تباہ ہونے لگیں۔ ہر کوئی پریشان ہو گیا۔ لوگ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ایک بہت بڑے میدان میں جمع ہوئے۔ سب نے مل کر بارش کی آمد کے لیے نماز پڑھی اور رب تعالیٰ سے دعا کی کہ بارش جلد ہو مگر بارش نہ ہوئی اس پر کچھ لوگوں نے یہ کہا چونکہ ہمارے درمیان کچھ ایسے لوگ رہتے ہیں جن کے اعمال برے ہیں اس لیے ان کے برے اعمال کی وجہ سے رب تعالیٰ ناراض ہیں اور یوں بارش نہیں ہو رہی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے جب یہ خبر سنی تو آپ نے فوراً بوریا بستر باندھا، زادِ راہ ساتھ لیا اور شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے آپ سے شہر چھوڑنے کا مطالبہ ہرگز نہیں کیا تھا۔ وہ تو دل و جان سے آپ کی قدر کرتے تھے۔ جب انہیں علم ہوا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ شہر چھوڑ کر جا رہے ہیں تو وہ دوڑے ہوئے آپ کے پاس پہنچے اور عرض کی۔ ''یا حضرت! آخر ہم سے کیا غلطی ہو گئی کہ آپ شہر ہی چھوڑے چلے جا رہے ہیں؟''

آپ نے اسی لمحے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''چونکہ آپ لوگوں کے خیال کے مطابق برے لوگوں کی وجہ سے بارش نہیں ہو رہی۔ اس لیے میں نے سوچا کہ کیونکہ سب سے برا اس شہر میں تو میں ہی ہوں۔ اس بناء پر میں اس شہر سے چلا جاتا ہوں تا کہ آپ لوگ میرے برے اعمال کی شامت کی وجہ سے رب تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہ رہیں۔''

لوگوں نے کہا۔ ''یا حضرت! آپ تو ہمارے شہر کی برکت ہیں۔ آپ ہی کے دم سے تو یہ شہر قائم ہے۔ آپ چلے گئے تو برکت اٹھ جائے گی۔ آپ دن رات رب تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مصروف

رہتے ہیں۔ آپ نے یہ کیسے خیال کر لیا کہ آپ کے اعمال برے ہیں!''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''میں نے چونکہ اب ایسا سوچ لیا ہے اس لیے اب آپ لوگ مجھے یہاں سے جانے دیں اور مجھے نہ روکیں۔'' لوگوں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ ''یا حضرت! جدھر آپ جائیں گے ہم بھی ادھر ہی جائیں گے۔ جہاں آپ وہیں ہم۔ اگر آپ شہر چھوڑ رہے ہیں تو پھر ہم بھی یہ شہر چھوڑ دیتے ہیں۔'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''آپ لوگ ایسا نہ کریں بلکہ صرف مجھے ہی جانے دیں کیونکہ میں ہی اس شہر میں برا آدمی ہوں۔''

لوگوں نے آپ کی بے حد منت سماجت کی تو آپ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور کہنے لگے۔

''آپ لوگوں کا دل توڑنا نہیں چاہتا۔ آپ اگر اس بات پر بضد ہیں تو پھر میں اس شہر میں ہی رک جاتا ہوں۔'' چنانچہ آپ لوگوں کے ہمراہ شہر میں واپس تشریف لے آئے تو بسطام کے شہریوں نے سکھ کا سانس لیا۔

رب تعالیٰ کے نیک بندوں کے ہاں یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے سب لوگوں سے برا سمجھتے ہیں اس کی وجہ صرف اور صرف خدا خوفی، عاجزی اور انکساری ہوتی ہے۔ بعض اوقات رب تعالیٰ کے نیک بندے جان بوجھ کر ایسا کام بھی کرتے ہیں کہ جس سے لوگ انہیں برا سمجھنے لگیں تا کہ وہ اس تکبر اور غرور میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ ان کے چاہنے والے اور عقیدت مند بہت زیادہ ہیں اور یہ کہ انہیں کہیں اس بڑائی کا احساس نہ ہو جائے کہ وہ نیک ہیں۔ اس انداز کو ملامتی انداز کہتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ کی زیارت سے فارغ ہو کر بسطام کی طرف روانہ ہوئے تو لوگوں کو علم ہوا کہ آپ بسطام کی طرف واپس آ رہے ہیں۔ انہوں نے آپ کے شایانِ شان استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں جبکہ آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ ان کا کسی قسم کا استقبال کیا جائے چنانچہ جب آپ بسطام شہر سے تھوڑے فاصلے پر تھے تو لوگوں نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کرنے کی خاطر سفر کرنا شروع کر دیا اور بالآخر آپ تک پہنچ گئے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں کا ایک بہت بڑا اجتماع ہے جو آپ کے استقبال کے لیے بڑھا چلا آ رہا ہے تو آپ پریشان ہو گئے کہ اس طرح کا استقبال تو دنیاوی بادشاہوں کا کیا جاتا ہے اور میں تو ایک معمولی سا فقیر ہوں۔ دوسرے یہ کہیں میرے دل میں غرور اور تکبر نہ آ جائے کہ اتنے لوگ میرے چاہنے والے ہیں۔ یہ بات سوچ کر آپ نے لوگوں کے سامنے اپنی آستین سے ایک روٹی نکالی اور کھانا شروع کر دی۔

چونکہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور افطار کا وقت بھی نہیں تھا اس لیے لوگ آپ سے بدظن ہو کر واپس چلے گئے اور آپ کی یہ ترکیب بڑی کامیاب رہی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور اپنے نفس سے کہنے لگے۔ ''دیکھا تم نے کہ لوگ تم سے بدظن ہو کر چلے گئے ہیں۔ اب وہ تمہیں نیک آدمی نہیں سمجھتے بلکہ برا شخص کہنے لگے ہیں اور یہی تمہارے غرور کی سزا ہے۔ تمہیں یہ سزا ضرور ملنی چاہیے تھی

تاکہ تم راستے سے بھٹک نہ جاؤ۔"

اس وقت آپ کے چند ارادت مند پھر بھی آپ کے پاس موجود تھے جو کہ آپ کی ان باتوں کو جانتے تھے کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"لوگ کس قدر سادہ ہیں۔ وہ صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ مسافر پر روزہ فرض نہیں ہے۔"

ان باتوں کے باوجود بھی حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ارادت مندوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا تھا لوگ اگرچہ وقتی طور پر کسی احساس کا اظہار کرتے تھے مگر جب وہ بات کی تہہ تک پہنچتے تھے یا دوسرے سمجھدار انہیں سمجھاتے تھے تو پھر وہ آپ کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

آپ کی اس شہرت کو دیکھ کر آپ کے حاسد بھی پیدا ہو گئے تھے۔ بعض حقیقت ناآشنا علماء آپ کی قدر و منزلت اور عزت و عظمت کو دیکھ کر آپ پر طرح طرح کی باتیں بناتے تھے اور جھوٹے من گھڑت الزامات لگاتے تھے تاکہ لوگ آپ سے نفرت کرنے لگیں۔ ان کو آپ کی مقبولیت ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ آپ کا جرم محض اتنا تھا کہ آپ لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے تھے اور برائی سے روکتے تھے مگر آپ کے حاسدین نے لوگوں کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کے کان بھرے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو سات مرتبہ اپنے شہر بسطام سے نکالا گیا مگر ہر دفعہ نکل جانے کے بعد بھی آپ واپس بسطام آتے تھے تو آپ کے ارادت مندوں کی تعداد میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہو چکا ہوتا تھا۔ آپ کی تعظیم بڑھ چکی ہوتی تھی کیونکہ آپ حق اور سچ بات کرتے تھے۔ کبھی بھی کسی کے خلاف بات نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ جو لوگ آپ کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور آپ کو شہر سے باہر نکلوانے میں نمایاں کردار ادا کرتے تھے آپ ان کے لیے بھی دعا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو جب شہر بدر کیا جا رہا تھا تو آپ نے لوگوں سے پوچھا:

"مجھے کس لیے شہر سے نکالا جا رہا ہے۔ آخر میں نے کیا جرم کیا ہے؟" لوگوں نے جواب دیا۔

"اس وجہ سے کہ تم اچھے آدمی نہیں ہو۔" حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ جواب سن کر شہر پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی اور فرمایا۔ "کتنا اچھا ہے وہ شہر جس کا برا آدمی میں ہوں!"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے قربِ خداوندی حاصل کرنے کی کوشش اور معرفت کے مراحل کے دوران یہ دیکھا اور محسوس کیا کہ لوگ ظاہری عمل پر زیادہ یقین رکھتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں تو دکھاوے کے لیے اور صرف نمازی کہلانے کے لیے مسجد میں جاتے ہیں۔ حج کرتے ہیں تو نمائش کی خاطر اور حاجی کہلانے کے لیے کرتے ہیں۔ ان کی اذانیں روحِ بلالیؓ سے خالی ہیں۔ وہ مختلف بہانے تلاش کر کے زکوٰۃ دینے سے کتراتے ہیں۔ خوفِ خدا ان میں نام کو نہیں۔ وہ ظاہری طور پر عشق الٰہی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے دل عشق الٰہی سے بالکل خالی ہیں۔ وہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے گھبراتے ہیں مگر عشق رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ ان کے قول و فعل ایک جیسے نہیں۔ ان کی زبان پر کچھ اور ہوتا ہے جبکہ ان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ ان کا یہ منافقانہ رویہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے لیے دکھ کا باعث تھا۔

ان حالات میں ضروری تھا کہ کوئی مردِ قلندر لوگوں کی رہنمائی کرے۔ ان کو صحیح راستہ بتائے۔ ان کے قول و فعل کو ایک جیسا کرے۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اس ذمہ داری کو نبھانے کا ارادہ کیا اور لوگوں کو تبلیغ کرنا شروع کی۔ ابتداء میں اگرچہ آپ کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی لیکن رفتہ رفتہ رب تعالیٰ نے لوگوں کے ذہن بدلے اور صحیح راستے پر آنے لگے۔ آپ نے لوگوں کے دلوں کو عشقِ الٰہی کی حرارت سے گرما دیا۔ لوگوں کی سوچ کے زاویے بدل دیئے۔ لوگوں کو بتایا کہ عشق الٰہی میں ہر چیز کو عقل سے نہیں پرکھنا چاہیے۔ عقل تو کئی بہانے تلاش کر لیتی ہے مگر عشق صرف اور صرف اطاعت سکھاتا ہے۔ عقل مادی نفع نقصان دیکھتی ہے مگر عشق ہر چیز سے بے نیاز ہوتا ہے اسے صرف رب تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی درکار ہوتی ہے۔ اگر رب تعالیٰ راضی ہو گیا تو دنیا و آخرت کی کامیابی مل گئی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے لوگوں کو نصیحت کے ساتھ ساتھ اپنے عمل سے بھی ان باتوں کو ظاہر کیا۔ آپ نے تمام زندگی عشق الٰہی میں بسر کی۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے۔ "یاالٰہی! جب تک میں تیرے ساتھ ہوں سب سے زیادہ ہوں اور جب اپنے ساتھ ہوں سب سے کم ہوں۔ یاالٰہی! مجھے عالم بننے کی ضرورت نہیں۔ اگر مجھے اہلِ خیر میں سے کرنا چاہتا ہے تو اپنے دوستوں کے درجے تک پہنچا دے۔ یاالٰہی میں تجھ ہی سے ناز کرتا ہوں ورنہ میرے دامن میں سوائے گناہوں کے اور کچھ نہیں۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ خط و کتابت کے ذریعے بھی لوگوں کی رہنمائی فرماتے تھے۔ خط و کتابت کرنے والوں میں عوام کے ساتھ ساتھ خاص لوگ بھی شامل ہوتے تھے۔ کئی بزرگ روحانی مسائل آپ کو لکھ بھیجتے تھے اور آپ ان کے تسلی بخش جواب دیتے تھے۔ آپ ہر ایک کی پورے خلوص کے ساتھ رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ اپنے دور کے دوسرے ولیوں کے لیے روحانی استاد کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ بھی آپ سے وقتاً فوقتاً رہنمائی حاصل کرتے رہتے تھے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے دور کے ایک اور ولی حضرت ذوالنون مصریؒ نے ایک دفعہ اپنے ایک مرید کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ شخص بسطام میں حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے مکان پر پہنچا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ باہر تشریف لے آئے اور اس شخص سے سلام دعا کے بعد پوچھا۔ "تم کون ہو؟ اور کس سے ملنا چاہتے ہو؟" اس شخص نے کہا۔ "میں حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے ملنا چاہتا ہوں۔" آپ نے یہ سنا تو فرمایا۔ "بایزید کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟"

وہ شخص یہ سن کر واپس حضرت ذوالنون مصریؒ کے پاس پہنچا اور انہیں ساری صورتِ حال بتائی۔ حضرت ذوالنون مصریؒ یہ سن کر رو دیئے اور فرمایا۔ "میرا بھائی یقیناً اس جانے والی جماعت

میں شریک ہوگیا ہے کہ جو رب تعالیٰ کی طرف سفر کر رہی ہے۔'' دراصل حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ یادِ الٰہی میں اس قدر مصروف و مشغول ہوتے تھے کہ انہیں اپنے آپ کی خبر بھی نہ رہتی تھی۔ ان کے دل و دماغ میں صرف ایک ہی جذبہ سمایا ہوا ہوتا تھا اور وہ عشقِ الٰہی ہی کا جذبہ تھا۔

حضرت احمد بن خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے روحانی تربیت حاصل کی تھی اور آپ کے قابلِ فخر اور قابلِ اعتماد شاگرد تھے۔ حضرت احمد بن خضرویہؒ کی اہلیہ محترمہ اگرچہ بلخ کے امیر کی بیٹی تھیں مگر انتہائی نیک، متقی اور پرہیزگار تھیں۔ دونوں میاں بیوی خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ وہ دونوں حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی پاس حاضر ہوتے تھے۔ حضرت فاطمہؒ پردے کی سخت پابند تھیں مگر حضرت احمد بن خضرویہؒ نے انہیں اپنے استادِ محترم حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے پردہ نہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی جبکہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی حضرت فاطمہؒ کو ان کے روحانی مرتبہ کی وجہ سے اپنے پاس حاضر ہونے سے منع نہیں کیا تھا۔ دونوں میاں بیوی ایک دن حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ کی نظر حضرت فاطمہ کے مہندی لگے ہاتھوں پر اچانک پڑ گئی تو آپؒ نے فرمایا:

''اے فاطمہ! تم نے اپنے ہاتھوں پر اتنی مہندی کیوں لگائی؟ اور اگر لگائی بھی تھی تو ایک روحانی مرشد کے سامنے اس کی نمائش کیوں کی؟''

حضرت فاطمہؒ نے یہ سنا تو آپ اسی وقت وہاں سے چل دیں۔ اس واقعہ سے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت فاطمہ کی پاکیزگی اور تقویٰ ظاہر ہوتا ہے اس کے بعد حضرت فاطمہ کا روحانی تعلق اگرچہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے قائم رہا مگر وہ پھر کبھی حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے نہیں آئیں۔

بعض اولیاء اللہ ایسے بھی تھے کہ جن کی ولایت کی پیش گوئی حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے بہت پہلے یعنی ان کی پیدائش سے بھی پہلے فرمادی تھی۔ ان میں حضرت ابوالحسن خرقانی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت ابوالحسن خرقانی کی ولادت اگرچہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ہوئی مگر ان کی آمد کی اطلاع حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے بہت پہلے دے دی تھی۔

ایک روز حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ جنگل سے گزر رہے تھے جب آپ قصبہ خرقان کی جگہ پر پہنچے تو وہاں یک دم ٹھہر گئے۔ آپ کے ہمراہ چند عقیدت مند تھے۔ انہوں نے دریافت کیا۔'' یا حضرت! آپ کے یہاں اچانک ٹھہرنے کی آخر کیا وجہ ہے؟'' پھر آپ کے عقیدت مندوں نے دیکھا کہ آپ وہاں کی ہوا سونگھ رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے آپ کو وہاں کسی کی خوشبو آرہی ہے۔ عقیدت مندوں کو اور زیادہ شوق پیدا ہوا اور انہوں نے دوبارہ سوال کیا۔'' یا حضرت! کچھ تو فرمایئے کہ آپ رک کر کس چیز کو سونگھ رہے ہیں۔'' آپ نے کہا:

''یہاں اللہ کا ایک ولی پیدا ہوگا جس کا نام ابوالحسن خرقانی ہوگا۔ وہ میری وفات کے بعد پیدا

ہوگا اور میری قبر پر حاضری دے گا۔''

حضرت داتا گنج بخشؒ نے ''کشف المحجوب'' میں اور مولانا رومؒ نے ''مثنوی معنوی'' میں اس واقعہ کو انتہائی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے خاص خادم حضرت ابوموسیٰ بسطامیؒ تھے۔ وہ آپ کے بھتیجے بھی تھے۔ آپ کے اکثر حالات انہوں نے ہی بتائے ہیں۔ وہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے مؤذن بھی تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ بسطامیؒ بیمار ہوگئے اور حالت یہاں تک پہنچی کہ اذان نہ دے سکے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ خود اذان دینے لگے تو عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ اذان دیتے دیتے بے ہوش ہوگئے اور یوں اذان مکمل نہ کر سکے۔ جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے آپ سے انتہائی حیرت کے ساتھ پوچھا۔'' یا حضرت! آپ اذان دیتے دیتے بے ہوش کیوں ہوگئے؟''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ نے فرمایا۔'' اس آدمی پر حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہیں جو اذان دیتا ہے تو صرف بے ہوش ہوجاتا ہے۔ حیرانی تو اس شخص پر ہے کہ جو اذان مکمل کر لیتا ہے اور پھر بھی زندہ رہتا ہے مر نہیں جاتا۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے علم و عمل اور طریقت کا ایک اہم سلسلہ شروع ہوا۔ چونکہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا اصل نام طیفور تھا۔ اس لیے اس نسبت سے یہ سلسلہ طیفوریہ کہلاتا ہے اور مشہور کنیت بایزید سے بایزیدیہ بھی کہلاتا ہے۔ یہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سلسلے سے گہری مشابہت رکھتا ہے اس سلسلے کی بنیادی تعلیمات میں پہلی تعلیم یہ ہے:

سب سے پہلے اپنے اساتذہ سے پورے ادب و احترام کے ساتھ علم سیکھا جائے۔ خاص طور پر قرآن و سنت کا مطالعہ کیا جائے۔ علم کے حاصل کرنے کا مقصد روپیہ پیسہ کمانا یا نام و شہرت پیدا کرنے کی خواہش نہ ہو بلکہ اللہ کی رضا اور آخرت میں نجات کی تمنا ہو۔

قرآن و سنت کی محض تعلیم ہی کافی نہیں بلکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی بھرپور طریقے سے کیا جائے کیونکہ عمل کے بغیر علم بے کار اور بے فائدہ ہے۔ اگرچہ عمل آسان نہیں اور محنت چاہتا ہے لیکن عمل کے بغیر مسلمان بننا ممکن نہیں اور یہ عمل بھی صرف رسمی نہ ہو بلکہ اس میں خلوص ہو، نیت نیک ہو، دل میں پختہ ارادہ ہو، اور مکمل یقین ہو۔

عمل کرتے وقت نفس ضرور مخالفت کرے گا کیونکہ نفس کا کام ہی یہی ہے۔ اس لیے نفس کو پاکیزہ کرلیا جائے نفس کی پاکیزگی کے لیے اسے مارنا پڑتا ہے۔ اس کے ہر کہنے کو ٹالنا پڑتا ہے اس طرح نیکی کرنے کی عادت جب پختہ ہوجاتی ہے تو پھر توفیقِ الٰہی بھی شامل ہوجاتی ہے۔ سنت و شریعت کے ایک ایک جزو کی پابندی کی جائے اور خالص تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کی جائے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ نفس مخالفت کی بجائے ساتھ دیتا ہے۔

عمل کا آغاز کرنے سے پہلے کسی شیخ کو اپنا رہنما و رہبر بنا لینا چاہیے ورنہ بھٹکنے کا خطرہ

ہوتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہوتا ہے۔ شیخ وہ ہونا چاہیے جو پوری طرح شریعت کا پابند ہو۔ سنت پر سختی کے ساتھ عمل کرنے والا ہو۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ ایسے شخص کو ہرگز شیخ ماننے کو تیار نہیں جو کسی ایک سنت پر عمل نہ کرتا ہو۔ ہر عمل میں شیخ سے رہنمائی حاصل کی جائے اور اپنی تمام صورتِ حال سے شیخ کو باخبر رکھا جائے۔ ذکرِ الٰہی لحہ لحہ کیا جائے خاص طور پر اسم ذات ''اللہ اللہ'' کا ذکر دل کو پاک وصاف کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

دنیا کو ترک اس طرح کیا جائے کہ اس کے غلط کاموں پر توجہ نہ دی جائے۔ لوگوں سے تعلقات رکھے جائیں اگر وہ رب تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنے میں رکاوٹ نہ ہوں کسی سے محبت اور نفرت صرف اور صرف رب تعالیٰ کی خاطر ہو۔ اگر کسی سے دشمنی کی جائے تو وہ محض اس لیے کہ وہ خدا کا دشمن ہے۔ بندوں کے حقوق پورے کئے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ محبت وشفقت سے پیش آیا جائے۔

رب تعالیٰ کی رحمت اور کرم سے کبھی مایوس نہ ہوا جائے کیونکہ رب تعالیٰ کی رحمت ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارا نہیں تاہم رب تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس کے احکامات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ رب تعالیٰ سے رحمت کی امید کے ساتھ ساتھ اس کا خوف بھی دل میں ہونا چاہیے اور یہی خوف خدا ہی ہے جو مومن کو تمام اعمال میں احتیاط سے کام لینے پر مجبور کرتا ہے۔

جس کام کے بارے میں علم ہو کہ اسے رب تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہے اس پر فوراً لوگوں کی پرواہ کئے بغیر عمل کیا جائے خواہ وہ کام ظاہری طور پر درست معلوم نہ ہوتا ہو اور اس کے کرنے سے مادی نقصان کا خطرہ ہو مگر عمل کرتے وقت ہمیشہ یہ خوش گوار احساس رہے کہ اپنے محبوب کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ جب محبوب کی پسند و ناپسند تمہاری پسند و ناپسند بن جائے گی تو پھر تمہاری محبت سچی ہوگی۔ اس لیے پوری زندگی یہ کوشش کی جائے کہ کون سے کام خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور کس کام سے منع فرمایا کرتے تھے اور جو کام کیا کرتے تھے وہ کس انداز اور طریقے سے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہی انداز وطریقہ اپنایا جائے۔ ایسا کرنے سے ایک روحانی خوشی حاصل ہوگی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ قربِ الٰہی حاصل ہو جائے گا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے وعظ ونصیحت میں اس قدر اثر تھا کہ جو بھی سنتا تھا آئندہ کے لیے گناہوں سے توبہ کر لیتا تھا۔ ایک دفعہ ایک کفن چور نے آپ کا وعظ سن کر کفن چوری سے توبہ کی اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو توبہ کی صورتِ حال بتا کر دعا کے لیے درخواست کی۔ آپ نے اس سے پوچھا ''تم نے اب تک کتنے مُردوں کے کفن چرائے ہیں؟'' اس نے جواب دیا کہ یا حضرت! تقریباً ایک ہزار مُردوں کے کفن چرا چکا ہوں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص سے پوچھا ''ان ایک ہزار مُردوں میں

سے کتنے ایسے تھے کہ جن کے چہرے قبلہ رخ تھے؟'' اس شخص نے بتایا۔ ''یا حضرت! صرف دو مُردے ایسے تھے کہ جن کے چہرے قبلہ رخ تھے۔ باقی سب کے چہرے قبلہ کی دوسری جانب ہو گئے تھے۔'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں موجود ارادت مندوں نے آپ سے پوچھا کہ یا حضرت! اس کی کیا وجہ ہے کہ صرف دو آدمی قبلہ رخ تھے اور باقی سب قبلہ سے پھرے ہوئے تھے؟ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''دراصل یہ دو ایسے شخص ایسے تھے کہ جو رب تعالیٰ جل شانہٗ پر بھروسہ کرتے تھے اور اسی کی ذات پر کامل ومکمل یقین واعتماد کرتے تھے جبکہ دوسرے ایسا نہیں کرتے تھے۔''

ایک دفعہ مجلس میں آپ نے بتایا:

''بلخ کے ایک نوجوان نے ایک مرتبہ مجھے لاجواب کر دیا۔ وہ نوجوان میرے پاس حج کے سفر کے دوران آیا اس نے مجھ سے زاہد کی تعریف پوچھی۔ میں نے اسے بتایا کہ زاہد کو جو کچھ ملتا ہے کھا لیتے ہیں اور اگر نہ ملے تو صبر کر لیتے ہیں خاموش ہو جاتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اس سے پوچھا کہ تم بتاؤ تمہارے نزدیک زاہد کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ زاہد وہ ہوتا ہے کہ جسے کچھ نہ ملے تو شکر کرے اور اگر کچھ مل جائے تو ایثار کرے اور دوسرے ضرورت مندوں کو دے دے۔''

ایک دفعہ ایک نوجوان نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! یہ فرمائیے کہ انسان کی ہلاکت کن چیزوں میں ہے؟'' آپ نے فرمایا۔ ''انسان کی ہلاکت دو چیزوں میں ہے۔ اول یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی عزت کا خیال نہ رکھے۔ دوم یہ کہ وہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے احسانات کو نہ پہچانے۔''

ایک روز حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے تو ایک نوجوان آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں کے نشانات پر اپنے قدم رکھتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ بزرگوں کے نقشِ قدم پر یوں چلا جاتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نوجوان نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا تو اس نوجوان نے آپ سے ایک مطالبہ کر دیا۔ اس نے کہا۔ ''یا حضرت! یہ جو آپ نے پوستین پہنی ہوئی ہے اس پوستین سے مجھے ایک ٹکڑا عطا فرما دیجئے تا کہ آپ کی برکت اور فیض مجھے بھی مل سکے۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اس نوجوان کی بات سنی تو آپ نے اس سے کہا:

''اگر تم بایزید کی کھال بھی پہن لو تو تب بھی تمہیں کوئی فائدہ اور فیض حاصل نہیں ہوگا جب تک تم بایزید جیسے کام نہیں کرتے۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی باکمال اور لازوال زندگی گزاری مگر چونکہ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اس لیے جب آپ کا آخری وقت آیا تو آپ نے رب تعالیٰ کے حضور دعا کے لیے ہاتھ بلند کئے اور عرض کی:

"یاالٰہی! میں ساری عمر کی عبادتوں کو بیچنے نہیں آیا۔ رات رات بھر کی نمازیں پیش نہیں کرتا۔ عمر بھر کے روزوں کا ذکر نہیں کرتا۔ قرآن پاک کے ختم نہیں گنواتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ عبادت کا جو حق تھا وہ میں ادا نہیں کرسکا۔ میں نادم اور شرمسار ہوں۔ اے رحیم وکریم! تیری مہربانیاں اسباب اور وجوہات کی بدولت نہیں ہوتیں تیرے ہاں قبولیت محض اطاعت پر نہیں۔ یاالٰہی! میں نے جو کچھ نیکی کی ہے اسے بھلائے دیتا ہوں تُو بھی میرے گناہوں کو بھلا دے۔"

وفات کے وقت حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی زبان مبارک پر اسم ذات تھا۔ صحیح قول کے مطابق آپ کا وصال 261 ہجری مطابق 875 عیسوی میں ہوا۔ ماہ شعبان کی 15 تاریخ تھی اور نصف شب کا وقت تھا کہ آپ نے رب تعالیٰ کے حضور حاضری دی۔ آپ ایران کے صوبہ قومس کے شہر بسطام کے محلہ موبدان میں پیدا ہوئے تھے اور اسی کی خاک میں دفن ہوئے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے ایک مرید نے خواب میں آپ کی زیارت کی اور آپ سے پوچھا کہ منکر نکیر کے ساتھ کیسے گزری؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

"انہوں نے مجھ سے رب تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے جواب دیا کہ تمہارا اس سوال سے مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے کہ اگر میں کہتا ہوں کہ میرا رب وہ ہے کہ جو وحدہ لاشریک ہے تو میرا یہ کہہ دینا آسان ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ تم واپس جا کر رب تعالیٰ سے ہی پوچھ لو کہ وہ مجھے کیا سمجھتا ہے۔ جو کچھ وہ کہے وہی میں ہوں کیونکہ میں اگر سو بار بھی کہوں کہ میرا رب وہ ہے لیکن جب تک رب تعالیٰ مجھے اپنا بندہ قرار نہیں دیتا میرے کچھ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے وفات کے بعد پوچھا گیا۔ "اے مردِ پیر! تُو کیا لایا ہے؟" آپ نے جواب دیا کہ جب کوئی درویش کسی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے تو اس سے یہ نہیں پوچھا جاتا کہ تُو کیا لایا ہے بلکہ اس سے پوچھا جاتا ہے کہ بتا تُو کیا چاہتا ہے؟"

ایک مجوسی حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ آپؒ کے انتقال پر اس نے سخت صدمے کا اظہار کیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہوجاتے؟" وہ کہنے لگا۔ "کیسا مسلمان بنوں؟ اگر اسلام وہ ہے کہ جو حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ رکھتے تھے تو افسوس مجھ سے وہ کچھ نہیں ہوسکتا اور اگر اسلام یہ ہے کہ جو تم اختیار کئے ہوئے ہو تو مجھے ایسی مسلمانی سے شرم آتی ہے۔"

☆======☆======☆

حضرت بہاء الدین زکریاؒ

علم وحکمت میں لاثانی، سلسلۂ سہروردیہ کے بانی...... 566 ہجری آپؒ کی پیدائش تو ملتان شریف آپؒ کی آخری رہائش...... بہاء الحق آپؒ کی عرفیت تو ابوالبرکات آپؒ کی کنیت......سلسلۂ نسب کا نبی آخری الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سترھویں پشت میں حضرت ہاشم سے ملاپ تو "زکریا" آپ کا لقب القاب...... حضرت شیخ شہاب الدینؒ نے بیک وقت تین خرقے پہنائے تو سلطان ناصر الدین قباچہ بھی آپؒ کی عظمت ومعرفت سے خم کھائے...... سربسجود ہو کر رب کو پکارا تو سرسبز ہوگیا قحط زدہ بخارا...... 27 رمضان المبارک کو عالمِ ناپائیدار میں آئے تو 7 صفر المظفر 661 ہجری کو دارِ بقا کی جانب گئے...... مدینۃ الاولیاء ملتان شریف میں آپؒ کا مزار مرجع خلائق اور شہر بھی ایسا کہ جس کے بارے میں شاعر نے کہا:

ملتان مابہ جنت اعلیٰ برابر است
آہستہ پابنہہ کہ ملک سجدہ می کند

حکمتِ الٰہی کے تحت مطہر و اطہر اور سعد وسعید ساعتوں کا ملاپ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ، ستائیسواں روزہ، جمعتہ المبارک کا دن، صبح صادق کا وقت اور یہی تو وہ لمحات دلپذیر و بے نظیر تھے جب حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ عالمِ بقا سے عالمِ فنا میں تشریف لائے۔ یہ ہجری اعتبار سے سن 566 جبکہ عیسوی معیار سے سن 1172 تھا۔

بہاء الدین آپ کا نام، زکریا آپ کا لقب، بہاء الحق آپ کی عرفیت، ابومحمد اور ابوالبرکات آپ کی کنیت جبکہ سہروردیہ آپ کا سلسلہ طریقت ہے کیونکہ آپ کے مرشد حضرت شہاب الدین عمرؒ، ان کے مرشد حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیبؒ اور ان کے مرشد حضرت وجیہ الدینؒ ہمدان اور زنجان کے درمیان واقع ایک قصبہ سہرورد کے رہنے والے تھے اس طرح آپ سہروردی کہلائے اور یوں برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی ٹھہرے۔

آپ کا سلسلہ نسب قصی سے ملتا ہے جو ہاشم کے دادا عبدالمناف کے والد تھے۔ آپ کا نسب نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سترھویں پشت میں حضرت ہاشم سے ملتا ہے۔ یوں آپ قریشی اسدی ہاشمی تھے۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے دادا حضرت شیخ کمال الدین رحمتہ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے۔ وہاں سے وہ خوارزم پہنچے۔ بعد ازاں انہوں نے خوارزم سے ہجرت کر کے ملتان کے مضافات میں کوٹ کہروڑ کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ وہاں ان کے صاحبزادے اور حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت شیخ وجیہ الدینؒ کا عقد حضرت سیّد حسام الدینؒ کی صاحبزادی محترمہ حضرت زبیدہ سے ہوا۔ ان ہی کے بطن سے حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی یہ خوش بختی لائقِ رشک تھی کہ آپ کے دادا، والد اور نانا سبھی اپنے وقت کے پیرانِ طریقت اور مردانِ قلندر تھے اور اپنے علم و معرفت اور مال و منال کے ذریعے انسانیت کی فوز و فلاح میں مصروف و مستغرق رہتے تھے۔

آپ کو بچپن میں کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ زیادہ تر وقت والد محترم کے پاس گزارتے جہاں ہمہ وقت کلام اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر و فکر جاری رہتا۔ آپ ان باتوں میں از حد دلچسپی لیتے۔ آپ کے اسی انہماک اور اشتیاق کو دیکھتے ہوئے آپ کے والد محترم حضرت شیخ وجیہ الدینؒ نے آپ کو مولانا نصیر الدین بلخیؒ کے پاس تعلیم و تربیت کے لیے بھجوا دیا۔ مولانا نصیر الدین بلخیؒ اس وقت کے جید عالم اور صاحبِ عمل بزرگ تھے۔ وہ مختلف علوم و فنون پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے ذہنِ رسا، رغبتِ علم اور خداداد صلاحیتوں کا فوری اندازہ کر لیا اور آپ کی تعلیم و تدریس پر خصوصی توجہ دی۔

☆======☆======☆

رب کریم وعظیم کے فضل و کرم سے حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے محض سات برس کی عمر میں ہی مکمل قرآن مجید اپنے قلب و سینہ میں محفوظ و منقش کر لیا۔ آپ نے آدابِ تلاوت اور اصولِ قرات میں بھی کمال حاصل کیا۔ پھر آپ نے صرف و نحو پر توجہ دی۔ ابھی آپ نے تعلیم مکمل نہیں کی تھی کہ آپ کے والد ماجد شیخ وجیہ الدین رحمتہ اللہ علیہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ایک بہت بڑا سہارا و سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ ابھی آپ کی عمر ہی کیا تھی یہی بارہ برس کے قریب مگر آپ نے کم سنی کے باوجود اس صدمہ کو انتہائی صبر و تحمل اور ہمت و حوصلہ کے ساتھ برداشت کیا اور رب قادر و قدیر کی رضا پر سرِ تسلیم خم کیا۔

آپ کے والد ماجد کی وفات کے بعد آپ کے چچا حضرت شیخ احمد غوثؒ نے آپ کی دستار بندی فرمائی اور آپ کے والد مرحوم کی مسند آپ کے حوالے کی۔ آپ مسند پر بیٹھ تو گئے مگر تحصیلِ علم کا ذوق و شوق لحہ لحہ فزوں تر ہوتا گیا۔ بالآخر آپ نے اپنے عم بزرگوار حضرت شیخ احمد غوثؒ سے درخواست کی:

''میرے قابلِ صد تعظیم و تکریم چچا جان! آپ میرے والد محترم کی جگہ ہیں۔ یہ تمام انتظام و انصرام آپ سنبھالئے اور مجھے تحصیل علم کی اجازت مرحمت فرمایئے کیونکہ یہی میری تعلیم و تربیت کا زمانہ ہے۔ میں علم و معرفت کی تمام منازل طے کرنا چاہتا ہوں تا کہ اپنے والد مرحوم کی مسند کا معنوی لحاظ سے بھی مکمل پر اہل ہو سکوں۔''

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے عم محترم حضرت شیخ احمد غوثؒ کو آپ کی اس خواہش پر دلی خوشی ہوئی۔ انہوں نے آپ کو حصول علم و معرفت کی نہ صرف اجازت دی بلکہ آپ کے لیے اکابر علماء و فضلاء کا انتظام بھی فرما دیا جن سے آپ نے انتہائی خلوص اور لگن کے ساتھ مختلف علم و فنون حاصل کیے مگر جوں جوں علم حاصل کرتے جاتے تھے آپ کا اشتیاق مزید بڑھتا جاتا تھا اور آپ علم و معرفت کی بلندیوں کو چھونا چاہتے تھے۔

اس دور میں خراسان کی درس گاہیں عالمی شہرت کی حامل تھیں چنانچہ مقامی اور قرب و جوار

کے علماء و مشائخ سے مستفید ہونے کے بعد آپ خراسان تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے مختلف علمی مراکز کے نامور علماء اور فضلاء سے مختلف علوم پر دسترس حاصل کی۔ آپ خراسان میں سات برس تک سکونت پذیر رہے اور اپنی حیاتِ ناپائیدار کا لحظہ لحظہ علوم کے حصول میں محنت و مشقت کے ساتھ صرف کیا۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ بخوبی جانتے تھے کہ علم ایک وسیع سمندر ہے جس کا پانی پیاس بجھانے کی بجائے اور بڑھاتا ہے اور اگر طالب علم کی لگن سچی اور امنگ و آرزو پُر خلوص ہو تو وہ کبھی بھی اپنے آپ کو مکمل نہیں سمجھتا۔ یہی وہ وجہ تھی کہ آپ خراسان کے بعد بخارا تشریف لے گئے۔ وہاں بھی آپ ایک عرصہ تک رہے اور جب تک وہاں کے ہر جید عالم سے علم حاصل نہیں کیا واپس نہیں لوٹے۔ آپ نے بخارا میں تقریباً آٹھ برس قیام کیا۔

حصولِ تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کو حصولِ کتب کا ازحد شوق تھا۔ خراسان و بخارا میں قیام کے دوران پندرہ سالوں میں آپ نے تقریباً دو ہزار کتب کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ اس دور میں طباعت و اشاعت کا خاطر خواہ انتظام نہ ہونے کے باعث آپ کے پاس زیادہ تر کتب مخطوطات کی شکل میں تھیں۔ ان میں اکثر کتب ایک ہزار یا اس سے زائد صفحات پر مشتمل تھیں۔ یہ تو وہ کتب تھیں جو آپ کے پاس محفوظ تھیں اور ذاتی ملکیت میں تھیں۔ ان کے علاوہ آپ نے کس قدر کتب پڑھی ہوں گی ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ امر اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ آپ کے جسم میں حصولِ علم کی حدت و حرارت خون بن کر گردش کر رہی تھی اور یہ کہ آپ علماء و فضلاء کی فضیلت کے ہمرکاب کتاب کی اہمیت سے بھی بخوبی شناسا و آشنا تھے۔

بخارا میں علم و عمل آفریں قیام کے بعد حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور حج بیت اللہ و زیارات سے مشرف ہونے کے بعد تقریباً پانچ سال تک مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نامور محدث حضرت کمال الدین یمنیؒ سے علم و حدیث میں مہارتِ تامہ حاصل کی اور سندِ فضیلت پائی۔ پھر آپ نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تزکیہ نفس کے لیے طویل مجاہدہ کیا۔ ''خلاصۃ العارفین'' میں روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ سے کسی نے پوچھا ''یا حضرتؒ! اپنے مجاہدہ کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں۔'' آپ نے کہا۔ ''میں اپنے مجاہدہ اور ریاضت و عبادت کی کیفیت بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتا اس لیے کہ اس سے غرور و تکبر کا اظہار ہو گا اور مجھے خوف ہے کہ کہیں میری محنت و مشقت ضائع نہ ہو جائے جبکہ میری تمام تر مشقت و ریاضت، رب رحمٰن و رحیم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر تھی جس کی تشہیر میں قطعاً نہیں چاہتا۔''

بعد ازاں آپ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وہاں پر انبیاء علیہ السلام کے مقابر کی زیارت کی۔ آپ کو مرشد کامل کی تلاش تھی تا کہ سلوک و معرفت کی منازل طے کرتے ہوئے

بام عروج تک پہنچ سکیں چنانچہ بیت المقدس کے بعد دمشق و سمرقند سے ہوتے ہوئے بغداد پہنچے۔ وہاں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ مخلوقِ خدا کی تعلیم و تربیت اور دعوتِ حق میں ہمہ تن مصروف تھے۔ آپ نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ مرید کامل کو مرشد کامل مل چکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے یوں قریب آئے جیسے برسوں سے ملنے کے تمنائی ہوں۔

اس موقع پر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے حضرت بہاء الدین زکریاؒ کو بیک وقت تین خرقے عطا فرمائے اور کہا۔ ''بہاء الدین! عظمت، رحمت اور برکت کے یہ تینوں خرقے صرف اور صرف تیرے لیے ہیں انہیں اپنے سر پر رکھ لے۔ یہ وہ خرقے ہیں جو آج تک کسی کا مقدر و نصیب نہیں ٹھہرے اور کوئی بھی تینوں خرقے ایک ساتھ حاصل نہیں کر سکا۔''

بعد ازاں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنا ذاتی مصلیٰ بھی حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا۔ اس مرحلہ پر وہ تمام درویش اور مردانِ حق پرست موجود تھے جو برسوں سے معرفتِ الٰہی کی معراج حاصل کرنے کے لیے عبادت و ریاضت میں لحہ لحہ مصروف رہتے تھے۔ انہوں نے جب شیخ شہاب الدین سہروردی کے لطف و عنایت کا یہ عالم دیکھا تو آپس میں کہنے لگے۔ ''یہ معاملہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ کیسا درویش ہے کہ جس نے حضرت شہاب الدینؒ کو اس قدر گرویدہ کر لیا ہے اور وہ بھی ایک دن اور ایک رات کی مختصر مدت میں، حالانکہ ہم برسوں سے ریاضت اور مجاہدے میں مصروفِ عمل ہیں۔ اس درویشِ نووارد سے حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک الطاف و عنایت سے کام لیا ہے کہ اسے دو خرقوں کے ساتھ تیسرا خرقہ وہ عطا کیا ہے جو انہوں نے خود زیب تن کیا ہوا تھا جبکہ آج تک آپ نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ مزید یہ کہ ذاتی خرقہ کے ساتھ ساتھ وہ ذاتی مصلیٰ بھی دے دیا جس پر انہوں نے برسوں رب ذوالجلال کی عبادت کی تھی۔ کیا ہماری ریاضت و مشقت میں کوئی کمی رہ گئی ہے؟ کیا ہم سے کوئی کوتاہی سرزد ہو گئی ہے؟ آخر یہ کیا قصہ ہے؟''

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے مریدین اور امیدوارانِ اوجِ معرفت میں جب یہ باتیں عام ہوئیں تو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام متعلقین اور درویشانِ طریقت کو ملاقات کے لیے بلا بھیجا۔ جب سب مدعوئین جمع ہو گئے تو آپ نے پوچھا۔ ''صاف صاف بتاؤ کہ کیا بات ہے؟ آخر آپ لوگ اس قدر اندیشوں اور فکرمندیوں میں کیوں مبتلا ہیں؟ آپ کو جو بھی پریشانی ہے اس سے مجھے تمہیں آگاہ کرنا چاہئے تھا تمہارا فرض بنتا تھا۔''

ایک مرد درویش نے تمام مردانِ باصفا کی نمائندگی کرتے ہوئے عرض کی:

''یا حضرتؒ! ہم اس وجہ سے فکرمند ہیں کہ ہم برسوں سے آپ سے منسلک ہیں اور عبادت و ریاضت میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھ رہے لیکن آپ کی وہ توجہ برسوں بعد بھی ہم پر نہ ہوئی جو

اس نو وارد مردِ کامل پر پہروں میں ہوگئی۔"

حضرت شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے جب ان درویشوں کی یہ بات سماعت فرمائی تو آپ نے تمام حاضرینِ محفل کو ایک ایک کبوتر عطا فرمایا۔ ان حاضرین میں حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ آپ نے سب کو کبوتر دینے کے بعد حکم دیا:

"تم سب یہ کبوتر لے جاؤ اور اپنا اپنا کبوتر چھپا کر ایسی جگہ سے ذبح کر کے لاؤ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔"

حضرت شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی ہدایت پر تمام درویش اپنا اپنا کبوتر لیے چہار جانب دوڑ پڑے اور جلد ہی ذبح کئے ہوئے کبوتروں کو لیے واپس آ پہنچے۔ آپ نے تمام درویشوں سے پوچھا۔ "کیا تم نے ان کو ایسی جگہ پر جا کر ذبح کرلائے ہو جہاں تمہیں کوئی نہیں دیکھ رہا تھا؟"

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔ "یا حضرت! یقین کیجئے کہ ہم نے آپ کی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا ہے اور ہم انتہائی خفیہ جگہوں پر جا کر یہ کبوتر ذبح کرلائے ہیں حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو بھی نہیں دیکھ پایا۔"

اب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے دریافت کیا کیا بہاء الدین بھی واپس پہنچ گئے؟ سب نے اِدھر اُدھر دیکھا اور عرض کی کہ قبلہ محترم! بہاء الدینؒ ابھی تک نہیں پہنچے چنانچہ شہاب الدین سہرودی نے فرمایا:

"انتظار کرو جب تک بہاء الدین واپس نہیں آتے مزید بات نہیں ہوسکتی۔"

تمام درویش انتہائی اشتیاق کے ساتھ حضرت بہاء الدین زکریا کا انتظار کرنے لگے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ منتظرین نے دیکھا کہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ دوڑے دوڑے آرہے ہیں۔ جیسے ہی بہاء الدین زکریاؒ مجمع میں پہنچے تو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا۔ "بہاء الدین کیا اپنا کبوتر ذبح کرلائے ہو۔"

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے اس استفسار پر حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے زندہ کبوتر آپ کے حوالے کردیا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے پوچھا

"بہاء الدین! یہ تم نے کیا کیا؟ کبوتر کو بغیر ذبح کئے ہی واپس آگئے حالانکہ میں نے تمہیں ہدایت کی تھی کہ کبوتر کو ذبح کر کے لاؤ۔ جبکہ باقی تمام درویش اپنے اپنے کبوتر ذبح کر کے ہی لائے ہیں۔"

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے اس سوال پر حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے خاموشی اختیار کی۔ اس موقع پر موجود تمام درویش دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے کہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے جس شخص پر اتنی مہربانی اور عنایت کی ہے وہ

آپ کا ادنیٰ سا حکم بھی بجالانے سے قاصر رہا ہے۔ تمام درویش ابھی ایسا سوچ ہی رہے تھے کہ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار پھر حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ سے کہا:

"بہاء الدین! اس بات کا فوری جواب دو کہ آخر تم نے میری ہدایت کے باوجود کبوتر ذبح کیوں نہیں کیا؟"

اب حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے لب کھولے اور آپ نے اپنے مرشد کامل سے عرض کی۔ "یا حضرت! آپ کے حکم کے ساتھ یہ شرط عائد تھی کہ میں کبوتر وہاں سے ذبح کر کے لاؤں جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ مگر میں جدھر بھی گیا۔ جہاں بھی پہنچا مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی طرف کوئی جگہ میں نے نہیں چھوڑی لیکن میں نے ہر جگہ پر رب کریم و عظیم کا جلوہ پایا۔ رب ذوالجلال کی ذات کو موجود پایا۔ اگر میں کبوتر کو ذبح کر کے لاتا تو وہ شرط پوری نہیں ہوتی تھی جو کہ آپؒ نے عائد کی تھی۔ اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں رب کائنات کی ذات نہ دیکھ رہی ہو تو میری رہنمائی فرمائیں میں دوبارہ جا کر کبوتر ذبح کر کے لاتا ہوں۔"

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے جب حضرت بہاء الدین زکریا کا یہ استدلال سنا تو آپ زیرلب مسکرائے اور تمام درویشوں کی جانب دیکھا تو سب نے نظریں نیچی کرلیں۔ اب آپ نے حضرت بہاء الدین زکریا کو سینے سے لگالیا اور مسرت و انبساط کا اظہار کرتے ہوئے امتحان میں کامیابی و کامرانی کی نوید دی۔

تمام درویش پریشان ہوگئے۔ ان کے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت بہاء الدین کی قدر و منزلت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی نظروں میں کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گئی ہے۔ اس پر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے ان درویشوں کو آزمائش کا ایک اور موقع دینے کا فیصلہ کیا۔

اب حضرت شیخ شہاب الدین سہرودی نے ان تمام مردان باصفا سے کہا:

"تم سب جاؤ اور جس جگہ سے سرسبز گھاس ملے وہاں سے اسے کاٹ کر اس کا ایک ایک پشتارہ لے کر واپس پہنچو تا کہ گھاس کو خانقاہ کے صحن میں بچھایا جاسکے۔"

حضرت شیخ شہاب الدین سہرودی رحمتہ اللہ علیہ کے اس حکم پر تمام درویش دوڑے گئے اور جہاں انہیں سرسبز اور نرم سے نرم گھاس ملی اسے کاٹ کر لے آئے۔ ہری ہری گھاس کے ڈھیر لگ گئے۔ اتنے میں سب نے دیکھا کہ حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ بھی گھاس کا ایک پشتارہ لئے خراماں خراماں چلے آرہے ہیں۔ مگر سب درویش یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت بہاء الدین زکریا جو گھاس لائے تھے وہ انتہائی مردہ، بے جان اور سوکھی ہوئی تھی۔ اس دفعہ پھر تمام درویشوں نے سوچا کہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے ہری بھری گھاس نہ لاکر حضرت شیخ شہاب الدین

سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی ہدایت پر صحیح طور پر عمل نہیں کیا۔ اب وہ انتظار میں تھے کہ دیکھیں اس دفعہ حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کیا جواب دیتے ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بہاء الدین زکریاؒ سے درویشوں کی حسبِ توقع پوچھا:

''بہاء الدین! کیا تم دیکھ رہے ہو کہ تمام درویش سبز سبز گھاس لے کر آئے ہیں اور نرم سے نرم گھاس کاٹ لائے ہیں مگر تم سوکھی گھاس لے کر آگئے ہو جو کہ خانقاہ کے صحن میں بچھانے کے قابل معلوم نہیں ہوتی۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟''

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے بغیر کسی توقف کے دست بستہ عرض کی:

''یا حضرت! مجھے ہر جگہ سرسبز گھاس نظر تو ضرور آئی مگر جب اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اسے یادِ الٰہی میں محو و مستغرق پایا چنانچہ میں نے اپنا ہاتھ وہیں روک دیا۔ میں کسی کو یادِ خداوندی سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ میرے بس سے باہر تھا۔ بالآخر میں نے سوکھی، مردہ اور بے جان گھاس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ذکر و عبادت میں مشغول نہیں تھی۔ اس لیے میں اسے ہی کاٹ لایا ہوں۔''

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کا استدلال سنا تو ازحد خوش ہوئے اور آپ کو قریب بلا کر سینے سے لگایا۔ بعد ازاں حضرت شیخ شہاب الدین سہرودی رحمتہ اللہ علیہ نے درویشوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے میرے پیارے دوستو! غور سے دیکھو اور دھیان سے سنو کہ بہاء الدین پر میری نظرِ التفات بے جا نہیں تھی۔ آپ لوگوں نے خود ملاحظہ کر لیا کہ بہاء الدین دونوں دفعہ آزمائش میں پورے اُترے۔ انہوں نے جو دلائل پیش کئے کیا تم ان سے انکار کر سکتے ہو؟ معرفت کے اوجِ کمال پر پہنچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

''اے میرے پیارے دوستو! دراصل تم لوگ گیلی لکڑیوں کی مانند ہو جن پر آگ جلدی اثر نہیں کرتی مگر جہاں تک بہاء الدین کا تعلق ہے وہ سوکھی لکڑی کی مانند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشقِ الٰہی کی آگ نے اس کو بہت جلد معرفت کی منازل طے کرا دیں۔''

''فوائد الفواد'' اور ''آبِ کوثر'' میں لکھا ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ محض سترہ یوم حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس رہے اور ان سے سترہ دنوں میں آپ نے تمام منازل معرفت طے کر لیں اور خرقہ خلافت پایا۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کو رخصت کرنے سے پہلے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پاس بلایا اور چند ضروری باتیں کیں جن کا تعلق خلقِ خدا کی خدمت اور رہبری و رہنمائی سے تھا۔ پھر مرشد مکرم شیخ شہاب الدین سہروردی نے آپ کو ایک کٹا ہوا انار دیا اور

کہا۔ ''بہاء الدین! یہ نعمتِ خداوندی ہے۔ اسے ہمارے سامنے کھاؤ اور رب قادر و قدیر کا شکر ادا کرو کیونکہ اس کی نعمتوں کا شمار نہیں۔ رب کائنات صحیح فرماتے ہیں کہ تم میری کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے مرشد کے حکم پر عمل کرتے ہوئے انار کھانا شروع کیا تو معاً ایک دانہ نیچے گر گیا۔ آپ نے فوراً وہ دانہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیا کہ کہیں مرشد کے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے جب یہ دیکھا کہ حضرت بہاء الدین زکریا نے انار کا گرا ہوا دانہ بھی اٹھا کر کھا لیا ہے تو آپ نے حضرت بہاء الدین زکریاؒ سے کہا:

''بہاء الدین! انار کا یہ دانہ دراصل دنیا تھی اور باقی تمام انار دین تھا۔ تم نے یہ دانہ کھا کر دین اور دنیا دونوں اپنے نام کر لیے ہیں۔ لہٰذا اب دین اور دنیا دونوں تمہارے ہوئے۔'' حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! یہ فرمایئے کہ کیا یہ برا ہوا؟'' شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی نے فرمایا۔ ''برا قطعاً نہیں ہوا بلکہ اچھا ہی ہوا۔'' حضرت بہاء الدین زکریا نے دریافت فرمایا۔ ''یا حضرت وہ کیسے؟''

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''بہاء الدین! وہ اس طرح کہ اس دنیا کے باسیوں کو راہِ راست پر لانا اور ان کی رہبری و رہنمائی کرنا اب تمہارے سپرد ہوا۔ خلقِ خدا کی خدمت کرو اور رب رحمٰن و رحیم کی خوشنودی حاصل کرو۔'' حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا۔ ''یا حضرت! دنیا تو بہت وسیع و عریض ہے۔ کوئی خاص جگہ ہو تو بتایئے تا کہ میں وہال جا کر لوگوں کی خدمت کر سکوں۔''

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اب تم سیدھے ملتان جاؤ۔ وہاں باقاعدہ سکونت اختیار کرو۔ وہاں کے لوگوں کو ہدایت دو۔ دینِ مبین کی عملی دعوت دو۔ رب تعالیٰ تمہیں کامیاب و بامراد کرے گا اور تمہیں مبارک ہو کہ رب رحیم و کریم تمہیں ضرور کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرمائے گا۔''

اپنے مرشد کامل شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی حسبِ ہدایت حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ ملتان پہنچے۔ ملتان میں اس وقت شیخ احمد غوثؒ کے بڑے صاحبزادے مخدوم عبدالرشیدؒ قیام پذیر تھے اگرچہ کوٹ کہروڑ کی ولایت شیخ احمد غوثؒ کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بیٹے مخدوم عبدالرشیدؒ کے حصے میں آئی تھی مگر مخدوم عبدالرشیدؒ نے کوٹ کہروڑ کا انتظام و انصرام سلطان کے نائب علی کرماج کے سپرد کیا اور خود اپنے خدام کے ہمرکاب ملتان تشریف لے آئے تھے۔ حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی ہمشیرہ معصومہ بی بی کمال خاتون مخدوم عبدالرشیدؒ کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ یوں عبدالرشیدؒ، حضرت بہاء الدین رحمتہ اللہ علیہ کے بہنوئی

تھے۔

مخدوم عبدالرشید ؒ نے حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی ملتان آمد پر بہ حسن وخوبی اور بہ صد مسرت و انبساط استقبال کیا۔مخدوم عبدالرشید ؒ نے یہاں کا تمام انتظام وانصرام اور ساز وسامان حضرت بہاء الدین زکریا کے سپرد کیا اور کہا۔''میں اب حجاز مقدس جانا چاہتا ہوں۔آپ ازراہِ کرم مجھے اجازت مرحمت فرمائیں۔''حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔''اے میرے پیارے بھائی! ایک مدت تمہاری جدائی اور فراق میں گزری ہے۔اب ملاقات ہوئی تو تم نے پھر جدائی کی خبر سنا دی۔''مخدوم عبدالرشید ؒ نے کہا۔''یا حضرت! آپ جس طرح مقدس ومطہر فرائض کی خاطر اپنے تمام عزیز واقارب سے دور رہے اسی طرح میں بھی علم ومعرفت کے حصول کی خاطر قریبی رشتہ داروں کی جدائی برداشت کرلوں گا۔آپ مجھے اجازت مرحمت فرمایئے اور دعا کیجئے کہ رب رحیم وکریم مجھے اپنے مقصد میں کامیاب وبامراد کرے۔''

''خزینتہ الاصفیاء'' کے مطابق اس وقت ملتان علماء مشائخ کی کثرت کے باعث گلستان کی طرح مہک رہا تھا۔ان علماء ومشائخ نے حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی آمد اور علمیت و فضیلت کے بارے سنا تو ان میں سے کچھ بزرگوں نے دودھ سے لبالب ایک پیالہ حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا۔ان کا مقصد آپ کو پیغام دینا تھا کہ ملتان تو پہلے ہی پیروں سے پُر ہے آپ اس میں کیسے سما سکیں گے۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے جیسے ہی دودھ کے لبالب پیالے کو دیکھا تو آپ تمام مفہوم ومطلب فوری طور پر سمجھ گئے۔آپ تھوڑا سا زیرلب مسکرائے۔پھر آپ نے گلاب کا ایک پھول منگوایا اور اسے پیالے میں لبالب بھرے دودھ کے اوپر رکھ دیا۔یوں وہ پیالہ گلاب کے پھول کے اضافے کے ساتھ واپس بزرگوں کو بھجوادیا۔گویا آپ نے جواب دیا تھا کہ اگر دودھ سے لبالب پیالے میں گلاب کا پھول سما سکتا ہے تو پھر میرے یہاں قیام کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟

مخدوم عبدالرشید رحمتہ اللہ علیہ نے حجاز مقدس روانگی سے قبل اپنے والد بزرگوار کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اپنی ہمشیرہ رشیدہ خاتون المعروف نصیراں بی بی کا نکاح حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ سے کردیا۔پھر مخدوم عبدالرشید ؒ حجاز مقدس تشریف لے گئے۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے فوری طور پر لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کا کام سنبھالا۔دینِ اسلام کو عام کرنے کا باقاعدہ منصوبہ بنایا اور لوگوں سے رابطہ مہم تیز کردی۔دروازہ ہر خاص وعام کے لیے کھلا تھا۔کسی مذہب،فقہ،فرقہ یا امیر وغریب کی کوئی تفریق روا نہ رکھی گئی۔ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ بلا روک ٹوک آپ سے ملاقات کرکے علم ومعرفت کے موتیوں سے اپنی جھولی بھرلے۔

حضرت بہاء الدین زکریا کی علمیت وفضیلت،زہد واطاعت اور عبادت وریاضت کی شہرت

دور دور تک پھیلی تو ایک روز ملتان وسندھ کا تاجدار سلطان ناصر الدین قباچہ آپ کے پاس اس غرض سے پہنچا تاکہ آپ سے کوئی سوال کرکے آپ کا امتحان لے۔اس نے آتے ہی حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔نشانِ اولیاء چی است؟ یعنی ولی کی شناخت کیا ہے؟ جب سلطان ناصر الدین قباچہ یہ سوال کر رہا تھا تو اس لمحے ایک مکھی سلطان کی ناک پر آبیٹھی۔سلطان نے ہر چند اسے اُڑانے کی کوشش کی مگر وہ اُڑ کر پھر آبیٹھتی تھی۔سلطان ناصر الدین قباچہ نے اپنا سوال پھر دہرایا۔حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان ناصر الدین قباچہ کے دلی وذہنی غرور اور شرارت کو بھانپ لیا تھا۔آپ نے فرمایا۔''ولی کی شناخت یہ ہے کہ اس کے ناک پر مکھی نہیں بیٹھتی ہے جبکہ وہ سلطان کی ناک پر بیٹھتی ہے۔''سلطان ناصر الدین قباچہ نے بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کا یہ برجستہ اور برمحل جواب سنا تو اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور اپنی ناک سے مکھی اُڑاتا ہوا واپس چلا گیا۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی فراست وذہانت اور خوش خلقی وخوش مزاجی کے باعث بہت ہی جلد لوگوں کے دل جیت لیے۔آپ نے دینِ اسلام کی تعلیمات کی تدریس و ترویج کے لیے مبلغین اور واعظین کے گروپ ایک جامع پروگرام کے تحت ترتیب دیئے اور انہیں سندھ اور بلوچستان کے مختلف علاقوں میں خصوصی ہدایات دے کر روانہ کیا۔آپ کی روانہ کردہ یہ جماعتیں لوگوں کو کلام اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متحرک ومتموج کرتی تھیں۔یوں تھوڑے ہی عرصے میں ہزاروں فاسق وفاجر لوگوں نے دینِ اسلام کو خوش آمدید کہا۔سابقہ برائیوں کو ترک کیا اور ایک خدا اور ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے ایک کتاب قرآن پاک کی روشنی سے اپنے قلوب واذہان کو منور ومزین کرنا شروع کردیا۔

اسلامی تعلیمات کی اشاعت وتبلیغ کے اس جامع عملی پروگرام کے تمام تر اخراجات کی ذمہ داری حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔آپ سامان تجارت خریدتے تھے۔آپ کی روانہ کردہ جماعتیں جہاں پر پڑاؤ ڈالتیں تھیں تو وہاں ہمہ قسم کی دکانیں کھل جاتی تھیں جہاں کھانے پینے کی اشیاء ضرورت کے علاوہ گھریلو استعمال کی دوسری چیزیں بھی سستے داموں دستیاب ہوتی تھیں۔یوں بیشتر اوقات اس قسم کی تجارت وسہولت سے تبلیغی واشاعتی پروگرام کا خرچ آسانی کے ساتھ پورا ہوجاتا تھا۔

☆======☆======☆

''انوارِ غوثیہ'' کے مطابق بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی سلطنت روز بروز ترقی کی منازل طے کر رہی تھی۔آپ نے مخلوقِ خدا کی فلاح کے لیے بے شمار منصوبے ترتیب دیئے اور انہیں عملی شکل دے کر پایہ تکمیل تک پہنچایا۔آپ نے زراعت کو ترقی دی۔تجارت کو فعال کیا۔ملتان کے گرد ونواح میں مناسب وموزوں مقامات پر شجرکاری کرائی۔جنگل آباد

کئے۔کنوئیں کھدوائے۔نہریں بنوائیں اور روحانی علاج کے ساتھ ساتھ خلقِ خدا کا دنیاوی علاج بھی کیا۔

ایک دفعہ خشک سالی کی وجہ سے کھیت وکھلیان سنسان اور ویران ہوگئے۔قحط نے ڈیرے ڈال لیے۔لوگ گندم کے ایک ایک دانے کے محتاج ہوگئے۔یہ سلطان ناصرالدین قباچہ کا عہدِ حکومت تھا۔اس صورتِ حال کے باوجود حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کا لنگر خانہ پورے اہتمام واحتشام کے ساتھ جاری وساری رہا۔آپ کے ذخیرہ خانے میں رب رحمٰن ورحیم کے فضل وکرم سے کافی مقدار میں گندم موجود تھی۔چنانچہ ناصرالدین قباچہ نے آپ سے گندم کی فراہمی کی درخواست کی تو آپ نے اپنے ذخیرہ کے دروازے عوام الناس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کھول دیئے۔سلطان ناصرالدین قباچہ نے آپ کی خدمت میں گندم کے حصول کے لیے ملازم بھیجے تو آپ نے ان کی طلب کے مطابق انہیں ذخیرہ خانے سے گندم لے جانے کی اجازت دے دی۔

سلطان ناصرالدین قباچہ کے پاس جب ملازمین گندم کے بورے لے کر پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ گندم کے ساتھ چاندی کے سکوں سے بھرے ہوئے سات بڑے کوزے بھی ہیں۔انہوں نے اس بات کی اطلاع سلطان ناصرالدین قباچہ کو دی تو اس نے حکم دیا کہ گندم رکھ لی جائے جبکہ چاندی کے سکوں کے کوزے واپس حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے پاس روانہ کئے جائیں۔

جب سلطان ناصرالدین قباچہ کے ملازمین سکوں کے کوزے لے کر حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا۔''ہمیں علم ہے کہ تم لوگ کیا چیز لائے ہو اور کس لیے لائے ہو۔یہ چاندی کے سکوں سے بھرے ہوئے کوزے ہمارے علم میں تھے اور ہم نے دانستہ انہیں گندم کے ساتھ ہی بھجوایا تھا تاکہ عوام الناس کی فوز وفلاح کے لیے استعمال میں لائے جاسکیں۔انہیں واپس لے جاؤ اور سلطان ناصرالدین قباچہ سے کہہ دو کہ وہ انہیں لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کام میں لائے۔''

قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد جیسے ہی شمس الدین التمش حکمران ہوا تو سلطان ناصرالدین قباچہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خودمختاری کا اعلان کردیا مگر حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے ناصرالدین قباچہ کے اس منصوبے پر سخت برہمی کا اظہار کیا۔آپ نے اسے بار بار سمجھایا مگر وہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔جب آپ کی تمام کوششیں بے اثر ثابت ہوئیں تو آپ نے سلطان شمس الدین التمش کو خط لکھا جس میں واضح طور پر اسے بتادیا کہ ناصرالدین قباچہ بغاوت پر آمادہ ہے اور خودمختاری کا اعلان کرنے والا ہے۔وہ سلطنت دہلی کے زیر اثر نہیں رہنا چاہتا جبکہ عوام الناس پہلے ہی اس سے تنگ ہیں۔وہ نہ شریعت کا پابند ہے اور نہ ہی

لوگوں کی فلاح وبہبود کے لیے کوشاں ہے اسی طرح کا ایک خط قاضی شرف الدین اصفہانی نے بھی لکھا جس میں انہوں نے وہی باتیں تحریر کیں جو حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی تھیں۔

چند پیشہ ور منافقین نے انعام کے لالچ میں راستے میں ہی ان خطوط کو اُچک لیا اور انہیں فوری طور پر ناصرالدین قباچہ کے پاس پہنچادیا۔سلطان ناصرالدین قباچہ نے اپنے خلاف لکھے گئے ان خطوط کو پڑھا تو غصے سے پاگل ہوگیا۔اس نے حضرت بہاء الدین زکریا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے پاس بلا بھیجا۔دونوں معززین حسنِ اتفاق سے اکٹھے ہی اس کے پاس پہنچے۔سلطان ناصرالدین قباچہ نے بظاہر تو دونوں کا استقبال کیا مگر وہ دل ہی دل میں جل رہا تھا۔اس نے حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کو تخت پر اپنے دائیں جانب بٹھایا جبکہ قاضی شرف الدین اصفہانی کو سامنے ایک مخصوص جگہ پر بٹھایا گیا جس کی منصوبہ بندی اس نے پہلے ہی کر رکھی تھی۔

اب سلطان ناصرالدین قباچہ نے قاضی شرف الدین اصفہانی کا لکھا ہوا خط اپنی جیب سے نکال کر انہیں تھمادیا۔اس سے پہلے کہ قاضی شرف الدین اصفہانی کوئی جواب دیتے سلطان ناصرالدین قباچہ نے جلاد کو خاص اشارہ کیا۔جلاد کو پہلے ہی سے اس امر کا حکم دیا جاچکا تھا۔وہ محض اشارے کا منتظر تھا۔اس نے پلک جھپکتے ہی قاضی شرف الدین اصفہانی کا سر قلم کر کے انہیں شہادت کے اعلیٰ رتبہ کا حقدار بنادیا۔

دربار میں سناٹا چھا گیا کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان ناصرالدین قباچہ اس حد تک بھی جاسکتا ہے۔پھر اس نے حضرت بہاء الدین زکریا کا لکھا ہوا خط اپنی جیب سے نکال کر آپ کے سامنے رکھا اور پوچھنے لگا کہ یہ خط آپ نے کیوں لکھا ہے؟حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی جرأت اور دلیری کے ساتھ جواب دیا:

''یہ خط میں نے رب ذوالجلال کے ارشاد کے مطابق لکھا ہے اور اس کا لفظ لفظ صداقت پر مبنی ہے۔''سلطان ناصرالدین قباچہ کہنے لگا۔''یہ خط ارشاد ربانی کے مطابق کس طرح ہے؟''

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے ناصرالدین قباچہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرمایا۔''یہ رب قادر وقدیر کا ارشاد ہے کہ کسی بے گناہ انسان کا خون نہ بہایا جائے۔ایک بے گناہ انسان کا خون تمام انسانیت کا خون ہے۔تم جو قدم اٹھانے والے ہو اس سے معصوم مسلمانوں کا ناجائز خون خرابہ ہوگا۔میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ خودمختاری کا اعلان کرنے سے باز رہو اور اس ذلت ورسوائی سے بچنے کی کوشش کرو جو اس اعلان کے نتیجے میں تمہارا مقدر بن جائے گی۔''

''فوائد الفواد'' اور ''سیر العارفین'' میں ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی اس

حق گوئی پر اگرچہ سلطان ناصر الدین قباچہ خاموش رہا تاہم وہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ اس نے خود مختاری کا اعلان کیا تو شمس الدین التمش کی سپاہ نے اسے للکارا وہ مقابلے کی تاب نہ لاسکا اور بھاگ کھڑا ہوا اور یوں اس کوشش میں دریائے سندھ کے عین وسط میں ڈوب مرا۔ اس طرح حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے اسے جس ذلت و رسوائی سے خبردار کیا تھا وہ اس کا مقدر ٹھہری۔ تاہم آپ کی دور اندیشی اور حق گوئی کی بدولت بے گناہ مسلمانوں کا خون ہونے سے بچ گیا۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ لوگوں کی فلاح و بہبود اور مفادِ عامہ کے لیے دل کھول کر رقم خرچ کرتے تھے۔ آپ ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرتے، مسکینوں کو کھانا کھلاتے اور یتیموں کو سہارا فراہم کرتے تھے۔ آپ کے دروازے سے کبھی کوئی سائل خالی نہیں گیا تھا۔ بلکہ آپ خود ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ عبادت و ریاضت میں مشغول و مصروف تھے کہ یکایک آپ اٹھ کھڑے ہوئے آپ کے ساتھ ہی وہاں پر موجود تمام درویش اور مریدین بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ حاضرین حیران تھے کہ آپ نے اچانک اٹھنے کا عمل کیوں کیا مگر پھر انہوں نے دیکھا کہ حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے روپوں کا ایک مخصوص قسم کا تھیلا اٹھایا اور انتہائی تیزی اور سرعت کے ساتھ باہر نکل گئے۔ تمام حاضرین جو اس وقت وہاں موجود تھے وہ بھی دوڑے ہوئے آپ کے پیچھے آئے۔

تھوڑے ہی فاصلے پر انہوں نے دیکھا کہ چند افراد ایک غریب اور مفلوک الحال شخص کو پیٹ رہے ہیں اور اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے ان لوگوں کو دور ہی سے آواز دی اور کہا۔ ''رک جاؤ، رک جاؤ۔ تمہاری رقم ابھی تمہیں واپس مل جائے گی۔'' جب آپ ان لوگوں کے قریب گئے تو انہوں نے پوچھا۔ ''اس شخص کی رقم کون دے گا؟'' آپ نے روپوں کا تھیلا ان کی طرف پھینکا اور فرمایا۔ ''جس قدر تمہارا قرض ہو اس میں سے لے لو اور اس شخص کو چھوڑ دو۔'' یوں آپ نے ایک غریب اور نادار شخص کی اس طرح مدد کی کہ کسی کے وہم و گمان اور سوچ و خیال میں بھی نہیں تھا کہ آپ ایسا کریں گے۔ اس لیے کہ آپ بہ نفس نفیس وہاں موجود نہیں تھے مگر رب کائنات جس سے جو کام لینا چاہتا ہے لے لیتا ہے اور جس کو نیکی تفویض ہونا ہوتی ہے وہی اسے سرانجام دیتا ہے۔ اللہ کے راز اللہ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ وہی ذات علیم بذات الصدور ہے۔

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء روایت کرتے ہیں کہ جن ایام میں حضرت بہاء الدین زکریا بخارا میں مقیم تھے ان دنوں وہاں پر سخت قحط پڑا۔ یہ قحط ایسا سخت اور پُر آزمائش تھا کہ زمین خشکی کے مارے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرنے لگی۔ اس صورتِ حال سے ہر شخص رنجیدہ اور نم دیدہ

تھا۔ شہر بھر کے معززین و بزرگ ایک جگہ جمع ہوئے کہ آخر کیا کیا جائے؟ بالآخر یہی متفقہ فیصلہ ہوا کہ حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کو کہا جائے کہ وہ رب قادر و قدیر کے حضور بارش کے لیے بدست دعا ہوں۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ اس موقع پر رب ذوالجلال کے حضور کافی دیر تک سجدہ ریز رہے پھر آپ سجدہ سے اٹھے تو آپ نے اپنی کلاہِ سرمبارک سے اتار کر رب رحمٰن و رحیم کے حضور دعا کے لیے ہاتھ بلند فرمائے۔ آپ نے عرض کی:

''اے رب کائنات میں نے یہ کلاہ تیری رضا اور تیرے دین کی سربلندی کے لیے پہنی ہے تیری رضا ہی میرے لیے سعادت و نجات ہے۔ تُو میرے اس خلوص کو قبول و منظور فرما اور مظلوم لوگوں کے لیے آسمان سے رحمت نازل فرما۔ کرم کی بارش کر اور زمین کو یوں سیراب کردے کہ اس سے شادابی و خوشحالی کے غنچے مسکرانے لگیں۔ اے رب رحمٰن و رحیم! تُو میری اس التجا کو قبولیت کا شرف عطا فرما کر اپنا کرم، اپنی عنایت اور اپنا فضل ہمارے نام کر۔ بے شک تُو ہی کریم و رحیم ہے۔''

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کافی دیر تک ہاتھ بلند کئے بیٹھے رہے حتیٰ کہ آپ کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔ رحمتِ خداوندی جوش میں آئی گھنگھور گھٹا اٹھی، بادل گرجا، بجلی چمکی اور زمین جل تھل ہوگئی۔ فصلیں زندہ ہوگئیں اور پژمردہ چہروں پر خوشی کے ستارے جگمگ کرنے لگے۔

حضرت بہاء الدین زکریاؒ کو تلاوت کلام پاک سے گہرا شغف تھا۔ ''سیر العارفین'' کے مطابق حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ آپ باقاعدگی کے ساتھ نمازِ تہجد ادا فرماتے تھے۔ اس کے بعد قرآن پاک کی تلاوت شروع کرتے تھے اور نمازِ فجر تک بدستور تلاوت فرماتے رہتے تھے۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ مجسم عجز و انکسار تھے۔ آپ اپنی تعظیم و تکریم کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کا ایک مرید وضو کرنے میں مصروف تھا کہ اس نے اچانک آپ کو آتے دیکھا۔ وہ وضو نامکمل چھوڑ کر آپ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور اسے ہدایت کی کہ آئندہ ایسا نہ کرے۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدین کو یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ ذکرِ الٰہی کو اپنے اوپر لازم کر لو اور محبت کو اپنا شعار بناؤ کیونکہ محبت ہی ایک ایسی آگ ہے جو انسان کی تمام کثافتوں کو جلا ڈالتی ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ ذکر و فکر سے سلوک کی راہیں طے کی جائیں تو سالک عارف بن جاتا ہے۔ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے والا حق کے سوا ہر چیز کو اپنے دل سے نکال دیتا ہے۔ جسم کی سلامتی کم کھانے میں ہے۔ روح کی سلامتی ترکِ گناہ میں ہے۔ عقل کی سلامتی

حصولِ علم میں ہے۔دل کی سلامتی ذکر وفکر میں ہے اوردین کی سلامتی نبی آخرالزماں ﷺ پر بکثرت درود بھیجنے میں ہے۔

حضرت بہاء الدین زکریا سہروردی ایک مردِ کامل، عالم باعمل اور شیخ الاسلام ہونے کے ساتھ ساتھ غوث العالمین تھے۔آپ نے اپنی طویل عمر میں رشدوہدایت کی شمع جلائے رکھی۔تقریباً 90 برس یعنی 27 رمضان المبارک 566 ہجری تا 7 صفرالمظفر 661 ہجری تک یہ منارہ نور دور دور تک علم ومعرفت کی کرنیں بکھیرتا رہا۔آپ کا مزار مبارک ملتان میں قلعہ کہنہ قاسم باغ پر مرجع خلائق ہے۔جہاں ملک کے کونے کونے سے زائرین حاضری دے کر نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

☆======☆======☆

حضرت داتا گنج بخشؒ

سلسلۂ نسب ملتا ہے حضرت امام حسینؓ سے براہِ راست...... عبادت وریاضت کی انتہا کی چاہے رات ہو کہ چاشت...... 400 ہجری میں غزنی شہر میں ولادت ہوئی تو 465 ہجری میں لاہور شہر میں وفات ہوئی......علوم شریعت کے حصول کے لئے طویل سیاحت کی تو سلوک ومعرفت کے لئے انتھک مشقت کی......عوام الناس نے ''داتا گنج بخش'' کا لقب دیا تو آپؒ نے اس لقب سے سخت بے زاری کا اظہار فرمایا......آپؒ کا بے مثل فرمان کہ ''داتا'' تو صرف اللہ ہے باقی فنافی اللہ ہے......تصوف کے موضوع پر ''کشف المحجوب'' لکھی بے مثل کتاب کہ جس کا اب تک نہیں ہے کوئی جواب......خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ جیسے عظیم بزرگوں نے دی حاضری آپؒ کے مزار پر کیونکہ ہر خاص وعام کے لئے ہر دم کھلا ہے آپ رحمتہ اللہ علیہ کا در...... بقول حضرت علامہ اقبالؒ:

سیّد، ہجویر، مخدوم امم
مرقدِ اُو پیر سنجر را حرم

لوگوں کا اک جمِ غفیر اک وسیع و عریض میدان میں جمع تھا۔ ان میں زیادہ تعداد ہندو مذہب کے پیروکاروں کی تھی جو ربِ وحدہٗ لاشریک کے پرستاروں کو نفرت و حقارت سے دیکھتے تھے۔ اس مجمع میں مسلمان بھی تھے مگر ان کی تعداد کافی کم تھی البتہ ان میں سلطانِ وقت محمود غزنوی بھی شامل تھا جو خاص طور پر وہاں پہنچا تھا۔

سلطانِ معظم محمود غزنوی کی آمد اور موجودگی اس بات کا بیّن ثبوت تھی کہ معاملہ انتہائی سنجیدہ اور حساس نوعیت کا ہے۔ ہندوستان کے جملہ ممتاز و معتبر ہندو فلاسفر خاص طور پر مدعو کیے گئے تھے کیونکہ یہ اجتماع مخصوص موضوع پر مناظرہ کے لیے اکٹھا ہوا تھا۔ مناظرہ کا موضوع ''جہاد'' تھا۔

محمود غزنوی نے چونکہ سترہ بار سومنات پر حملہ کر کے ہندوؤں کے کفر کو توڑا اور غرور کو جھنجھوڑا تھا اس لیے وہ مذہب اسلام میں فلسفۂ جہاد کے سخت خلاف تھے۔ ہندو فلسفی اپنے آپ کو علم کے اعلیٰ و ارفع مقام پر متمکن گردانتے تھے اور خاص طور پر فلسفۂ جہاد کے خلاف ان کی نظر میں ان کے پاس ناقابلِ تردید دلائل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج کا میدان فتح کرنے کے کامل یقین اور مکمل اعتماد و اعتقاد کے ساتھ آئے تھے۔

دشمنانِ اسلام ابتدائی ادوار سے لے کر لمحۂ موجود تک اسلامی فلسفۂ جہاد کے سخت مخالف رہے ہیں۔ ان کے نزدیک جب تک دینِ اسلام میں فلسفۂ جہاد اور مسلمانوں میں جذبۂ شہادت موجود ہے اہلِ اسلام کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ دشمنانِ اسلام کی ہمیشہ کوشش و کاوش رہی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کے اذہان سے فلسفۂ جہاد اور قلوب سے جذبۂ شہادت نکال دیا جائے تو پھر مسلمانوں کو شکست دینا سہل ہو جائے گا مگر انہیں یہ غلط فہمی ہے کیونکہ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

اس میدان میں ہندو فلسفیوں کے اجتماع کا مقصد و محور بھی یہی تھا کہ دلائل و براہین کی کسوٹی پر مسلمانوں کو بھرپور شکست دے کر ان کے جذبۂ شہادت اور فلسفۂ جہاد کو یکسر باطل ثابت کرتے

ہوئے ان کے دین کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی جائیں۔

معرکہ و مناظرہ کا آغاز کا اعلان ہوا تو کثیر تعداد ہندوؤں کے ساتھ ساتھ قلیل تعداد مسلمانوں نے بھی کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ ہندوؤں کی طرف سے ایک انتہائی تجربہ کار چرب زبان ہندو فلسفی آگے بڑھا اور مقررہ جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔ پھر ایک مسلمان نوجوان آگے بڑھا جس نے زندگی کی بمشکل اکیس بہاریں دیکھی تھیں۔ جس نے تجربے کے تھپیڑے نہیں کھائے تھے، جو چہرے مہرے سے زیادہ چالاک و چرب زبان بھی نہیں لگتا تھا مگر چونکہ سلطانِ وقت محمود غزنوی نے اسے اشارہ کر کے مناظرہ کے لیے مخصوص نشست پر جانے کو کہا تھا اس لیے وہ خراماں خراماں اک شانِ بے نیازی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔

مسلمان نوجوان کو دیکھ کر ہندو کھلکھلا دیئے تھے۔ بعض نے تو زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ مناظرہ محض ایک آدھ سوال و جواب تک ہی محدود رہے گا۔ وسیع تر تجربہ و چرب زبانی کے حامل ہندو فلسفی کے سامنے وہ چند لمحے ہی ٹھہر سکے گا اور پھر چاروں شانے چت ہو جائے گا۔

مجمع میں موجود مسلمان بھی کچھ زیادہ پُرامید نظر نہیں آتے تھے۔ وہ تجربہ کار عمر رسیدہ ہندو فلسفی کا چرچا سن چکے تھے۔ وہ کئی مناظرے اور معرکے کر چکا تھا مگر مسلمان نوجوان کا تو پہلا تجربہ اور پہلا مناظرہ و مذاکرہ تھا جبکہ موضوع بھی ایسا تھا کہ جس پر ہندو فلسفی برسوں سے سوچ بچار کرتے رہے تھے اور انہوں نے اس بار بڑے سخت اور چبھتے ہوئے سوالات تیار کر رکھے تھے اور انہیں یقینِ کامل تھا کہ کوئی بھی مسلمان ان کے جوابات نہیں دے سکتا۔

مناظرہ شروع کرنے کا اعلان ہوا تو ہندو فلسفی نے مسلمان نوجوان سے پوچھا۔

''کیا تمہارے دین میں دشمن دین کو قتل کرنا تمہارے ایمان کا جزو ہے؟''

مسلمان نوجوان نے بانگ دہل کہا۔

''بالکل یہ ہمارے ایمان کا جزو ہے۔ جذبۂ جہاد کے بغیر کسی بھی مسلمان کا ایمان نامکمل ہے۔'' ہندو فلسفی کے چہرے پر چالاکی و عیاری کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے سوال کیا:

''کیا تمہارا دین سلامتی اور انسانیت کی فلاح کا دعوے دار ہے یا نہیں؟''

مسلمان نوجوان نے کامل اعتماد اور اکمل اعتقاد کے ساتھ جواب دیا۔

''ہمارے دین کا نام ہی اسلام ہے یعنی انسانیت کی فلاح و بہبود اور سلامتی و اصلاح اس کا بنیادی مقصد و محور ہے۔ ہمارا دین امن و اخوت اور محبت و مروت کا درس دیتا ہے۔''

اب ہندو فلسفی نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ قدرے پُرزور لہجے میں مسلمان نوجوان سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

''جس دین میں انسانیت کا قتل جزوِ ایمان ہو وہ دین امن و سلامتی کا دعوے دار کس طرح ہو

سکتا ہے؟"

مسلمان نوجوان نے اپنے سے چار گنا عمر رکھنے والے بوڑھے ہندو فلسفی کو بڑے جامع الفاظ میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"جس طرح تخریب کا مزدور تعمیر کا معمار ہوتا ہے۔"

اکیس سالہ مسلمان نوجوان کا یہ مدلل ومختصر جواب اگرچہ مجمع میں موجود عام ہندوؤں کی سمجھ میں واضح طور پر نہ آسکا مگر ہندو فلسفی جس قدر بھی موجود تھے وہ اس کا مفہوم ومطلب اچھی طرح جان گئے۔اب بوڑھے ہندو فلسفی نے پینترا بدلا اور بڑے دھیمے لہجے میں بولا۔

"آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک اچھی اور اعلیٰ چیز ہے جسے آپ دینِ اسلام کہتے ہیں۔ پھر اس دین کو دوسروں پر زبردستی کیوں تھوپتے ہیں؟ اگر کوئی مذہب تیر وتلوار کے زور پر نافذ کیا جائے تو یہ تو اس دین کی خامی کی غمازی ہے۔دین تو وہ ہوتا ہے جسے کوئی شخص اپنی رضا ورغبت اور مرضی ومنشا سے تسلیم کرے۔"

مسلمان نوجوان نے بلاتوقف وبلا جھجک جھٹ سے جواب دیا۔

"ہمارے دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ہم کسی پر اپنے دین کو زبردستی نہیں تھوپتے۔ہمارے خدا اور ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ حکم نہیں دیا کہ دینِ اسلام کو تلوار کے زور پر پھیلاؤ۔ہم کو تو محبت وشفقت کے ساتھ قائل کرنے اور اخلاق ومروت کے ساتھ مائل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔یہ ہم پر سراسر الزام اور بہتان ہے۔"

بوڑھے ہندو فلسفی کے چہرے پر مسلمان نوجوان کا جواب سن کر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ قہقہہ لگانا چاہتا ہے مگر اسے روکے بیٹھا ہے۔اس نے جھٹ سے کہا۔

"کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ دینِ اسلام کے آغاز سے ہی آپ لوگوں کے ترتیب وار تین مطالبے ہوتے ہیں۔یہ مطالبات ہر جنگ سے پہلے تمہارے اسلاف دہراتے رہے ہیں۔یہ ترتیب وار تین مطالبے یہ ہوتے ہیں کہ اول دینِ اسلام پر ایمان لے آؤ۔دوم یہ کہ اگر ایمان نہیں لے آتے تو جزیہ ادا کرو اور محکوم بن کر رہو اور سوم یہ کہ اگر ان دونوں مطالبوں میں سے کوئی بھی قابلِ قبول اور منظور نہیں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔کیا یہی محبت واخوت کے ساتھ قائل کرنے اور اخلاق ومروت کے ساتھ مائل کرنے کا طریقہ وسلیقہ ہے؟یہ زبردستی نہیں تو اور کیا ہے؟کیا یہی وہ رویہ ہے جسے آپ لوگ جہاد کا نام دیتے ہیں؟یہ سراسر زیادتی ہے۔"

بوڑھے ہندو فلسفی نے بظاہر بڑی مدلل بات کی تھی۔مجمع میں موجود ہر شخص نے یہی سمجھا کہ مناظرہ کا فیصلہ ہو چکا ہے۔اکیس سالہ مسلمان نوجوان اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دے سکے گا اور یوں وہ مات کھا جائے گا۔مجمع میں موجود ہندوؤں کے چہرے تمتما اٹھے جبکہ مسلمانوں کے چہروں پر بے چینی اور گھبراہٹ واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی حتیٰ کہ سلطان محمود غزنوی بھی اپنی پریشانی نہیں

چھپا پا رہا تھا۔بظاہر بوڑھے ہندو فلسفی کی دلیل میں بڑا وزن تھا اور اس نے جو حوالہ دیا تھا وہ حقیقت پر مبنی تھا۔مزید یہ کہ اس کی چرب زبانی اور الفاظ ولہجے کی روانی نے اس میں رنگ بھر دیا تھا۔یہی وجہ تھی کہ مجمع میں موجود ہر شخص کو یقین ہو چلا تھا کہ بوڑھے ہندو فلسفی نے بالآخر مسلمان نوجوان کو لاجواب کر دیا ہے۔

مگر بوڑھے ہندو فلسفی کی دلیل کے ساتھ مات کرنے کی یہ امید اور فاتح ہونے کی توقع اس وقت دم توڑ گئی جب اکیس سالہ مسلمان نوجوان نے انتہائی فلسفیانہ طرزِ استدلال اپناتے ہوئے پُر زور الفاظ میں کہا.......

"یاد رکھو کہ دل میں رچی بسی ہوئی سچائی اظہار کے لیے مضطرب وبے تاب ہوتی ہے۔وہ اپنے اظہار کا مطالبہ کرتی ہے۔انسان دنیا کی عدالت سے جھوٹ بول کر اور الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھا کر جان چھڑا سکتا ہے مگر انسان کی سب سے بڑی عدالت اس کے من میں ہوتی ہے۔اس کے اندر ہوتی ہے جو اس کے ضمیر کو لمحہ لمحہ جھنجھوڑتی ہے اور دل کو کچوکے لگاتی ہے۔اگر انسان سچائی کا اظہار نہ کرے تو اندر کی عدالت اسے منافق قرار دے دیتی ہے۔ہر انسان اپنے اندر کی عدالت کو جوابدہ ہے جو اسے سچائی کے اظہار پر اکساتی ہے۔اگر وہ سچائی کا اظہار نہیں کرتا تو پھر اس کے دو ہی طریقے ہیں کہ یا تو وہ سچائی سے تائب ہو جائے۔سچائی سے منہ موڑ لے یا پھر اسے دلائل سے قائل کر لے۔"

بوڑھے ہندو فلسفی نے قدرے تمسخرانہ لہجے میں کہا:

"تو پھر تلوار آپ لوگوں کے ہاں سب سے بڑی اور مؤثر ومعتبر دلیل ہے جسے آپ بے دریغ استعمال کرتے ہیں!"

نوجوان مسلمان نے انتہائی پُر اعتماد انداز میں جواب دیا:

"تلوار ہمارے ہاں مؤثر ومعتبر دلیل نہیں بلکہ سب سے آخری انتخاب ہے۔جب ہمہ قسم کی دوا ناکام اور غیر مؤثر ہو جائے تو ہر کوئی جانتا ہے کہ ناسور کو پورے جسم میں پھیلنے سے روکنے کے لیے جسم کا مختصر سا حصہ کاٹ دینا ہی کسی طبیب کا آخری فیصلہ ہوا کرتا ہے۔اگر مدِ مقابل تلوار لہراتا ہوا اس نیت سے میدان میں اُترتا ہے کہ وہ مرنے مارنے پر تُلا ہوا ہے تو پھر اسے کسی صورت بھی دلائل سے قائل نہیں کیا جا سکتا۔اس کا واحد حل یہی ہوتا ہے کہ اسے گھائل کیا جائے۔ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اسے گھائل کرنے کے بعد سینے سے لگایا جا سکتا ہے۔"

نوجوان مسلمان نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے قدرے بلند لہجے میں کہا:

"یاد رکھیے کہ اگر ایک کم سن اور کم عقل بچہ اپنی ناتجربہ کاری کے باعث بھڑکتی آگ کے شعلوں کی جانب ہاتھ بڑھائے تو لازم ہے کہ اسے سختی بلکہ انتہائی سختی کے ساتھ روکا جائے کیونکہ وہ اس حقیقت سے ناواقف ونا آشنا ہے کہ آگ اسے کس قدر نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

''ہمارے مبلغینِ اسلام عوام الناس کو دعوتِ حق محض اس لیے دیا کرتے تھے تا کہ وہ اپنے حریف کو سینے سے لگا سکیں اور تاریخ اس بات کی غماز وشاہد ہے کہ دعوت دینے والے اور دعوت قبول کرنے والے کا چند ہی لمحات میں اس قدر مضبوط اور پختہ رشتہ قائم ہو جاتا تھا کہ دیکھنے والے اس کی مثال دیا کرتے تھے اور اس باہمی رشتے کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی ذات پر دوسرے کو زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر ترجیح دیتے تھے۔

''اب اس نوع کے رشتے کے قیام کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے مسترد کرنے والے کو نفسیاتی سزا دی جاتی تھی اور یہ سزا اس طرح دی جاتی تھی کہ اس سے حکومت کرنے کا حق چھین لیا جاتا تھا اور آپ اس حقیقت سے کبھی بھی انکار نہیں کریں گے کہ جو فرد دن کی روشنی میں اس حقیقت سے انکاری ہو جائے کہ سورج چمک رہا ہے تو پھر وہ انسانی سطح سے گر کر حیوانی سطح پر آ جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اگر بہت سی بھیڑیں ایک اندھے کنوئیں میں گرنے لگیں تو انہیں لاٹھی سے مار کر بھگانا دانش مندی کا بیّن ثبوت ہے اور فلاحِ عامہ کا اولین تقاضا ہے۔ بعض اوقات ہزاروں کے ریوڑ کی فلاح و اصلاح اور حفاظت وسلامتی کی خاطر چند بھیڑوں کو ہلاک بھی کرنا پڑے تو کوئی غلط بات نہیں بلکہ وقت کی ضرورت اور صورتِ حال کا عین تقاضا ہے۔

''اسی حکمتِ عملی اور انسانی اصلاح وفلاح کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دعوت حق قبول نہ کرنے والوں کو جزیہ دینے کا کہا جاتا ہے تا کہ انہیں لحہ لحہ محکومیت اور نچلی سطح پر گرنے کا احساس ہوتا رہے۔ یہی احساس اسے ایک نہ ایک دن صراطِ مستقیم پر لے آئے گا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور یوں اس کی اصلاح ہو جائے گی جو اس کے لیے اَن گنت اچھائیوں کا پیغام لائے گی اور اس کی فلاح کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔''

مسلمان نوجوان کی بات اگر چہ طویل ہوتی جارہی تھی مگر اس کی گفتگو میں اس قدر چاشنی اور دلائل میں اس قدر روانی تھی کہ ہر شخص اسے انتہائی غور وفکر کے ساتھ سن رہا تھا جبکہ بوڑھا ہندو فلسفی حیرت واستعجاب میں ڈوبا کم عمر مسلمان کی جانب پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے قطعی توقع نہیں تھی کہ ایک نوجوان اور کم تجربہ کا حامل مسلمان اس قدر دلیل و برہان کے ساتھ گفتگو کرے گا اور کڑی کے ساتھ کڑی کو ملائے گا۔

نوجوان مسلمان نے چند گھونٹ پانی پیا اور اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے بولا:

''فرض کرو کہ ایک فرد یا محض چند افراد ساری عمر گمراہی میں گزار دیتے ہیں تو اس سے صرف انہیں ہی نقصان ہوتا ہے وہ کسی اور کا نقصان نہیں کرتے مگر اقتدار پر فائز شخص اگر گمراہ ہے تو وہ اپنی گمراہی کو وسعت دینے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے ذریعے سے لاکھوں لوگ گمراہی کے اندھے غار میں گر سکتے ہیں۔ وہ برائی وگمراہی کا منبع بن جاتا ہے۔ وہ اندھیرے اور تاریکی کا سرچشمہ ہو جاتا ہے اس لیے دانش مندی یہی تقاضا کرتی ہے کہ اس صاحبِ اقتدار واختیار کو بہ یک

جنبش تیغ ختم کر دیا جائے کیونکہ کسی بھی شخص کو قطعی طور پر یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ برائی وگمراہی پھیلائے۔

''آپ خود غور کیجیے کہ ایک شخص آپ کے سینے سے لگنے کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں اور واضح طور پر انکاری ہے مگر گمراہی و برائی پھیلانے کا حق مانگتا ہے تو ایسے شخص کے ساتھ آپ کیا سلوک روا رکھیں گے؟

''اب اپنی تمام تر گفتگو کے اختتام پر میں آپ کو اپنی تمام تر سچائی کی توانائی کے ساتھ اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے دعوت دیتا ہوں کہ آپ میری دعوتِ حق کو قبول کر لیں تو میں تاحیات آپ کو سینے سے لگانے کو تیار ہوں۔ جب ہم گلے مل لیں گے تو ہمارے لیے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا حرام ہو جائے گا بلکہ ہم پر لازم ہو جائے گا کہ ہم ایک دوسرے کی اعانت ومعاونت کریں۔ کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟''

نوجوان مسلمان کی اس دعوت پر بوڑھا ہندو فلسفی بدک سا گیا اور قدرے پیچھے ہٹ گیا۔ وہ تو مسلمان کو اچھوت سے بھی کم تر درجہ دیتا تھا۔ بھلا وہ نوجوان مسلمان کی دعوت کس طرح قبول کر سکتا تھا اور اس سے کس طرح گلے مل سکتا تھا۔ کسی مسلمان کے لمس سے وہ اپنے آپ کو ناپاک سمجھتا تھا۔ پھر وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا۔

نوجوان مسلمان نے عملی طور پر صورتِ حال پیدا کر کے اسے بتایا:

''یہی وہ غیر فطری رویہ ہے جسے ہم انسانی سطح سے گرنے کا نام دیتے ہیں اور کھلے عام دعوت دیتے ہیں کہ یا تو ہماری دعوت قبول کر کے ہمارے سینے سے لگ جائیں یا پھر جزیہ ادا کر کے نفسیاتی طور پر ہمارے غلام بن جائیں مگر گمراہی و برائی پھیلانے کا حق ہم سے نہ طلب کریں۔ یہ حق ہم آپ کو ہرگز ہرگز نہیں دیں گے۔ ہم تو یہاں تک سلامتی کے قائل ہیں کہ اگر آپ خود کو بھی کوئی نقصان یا گزند پہنچانے کی کوشش کریں گے تو ہم اس کی بھی مخالفت کریں گے اور آپ کو ایسا نہیں کرنے دیں گے کیونکہ ہمارے نزدیک ہر فرد کی زندگی قیمتی ہے سوائے ان افراد کے جو کسی بھی صورت گمراہی و برائی پھیلانے سے نہیں رکتے۔''

بوڑھے ہندو فلسفی نے کسی نوجوان مسلمان سے پہلی بار اس قدر مدلل و مدبر گفتگو سنی تھی۔ اس کے پاس کسی بھی بات کا جواب نہیں تھا۔ وہ قطعی طور پر لاجواب ہو چکا تھا۔ حیرت و پریشانی نے اس کی پیشانی پر ندامت کی بوندوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس نے پیشانی پونچھتے ہوئے اک نیا جال پھینکنے اور اک نیا ڈول ڈالنے کی کوشش کی۔ اس نے تمام تر فلسفیانہ بحث وتمحیص سے کنارہ کشی کرتے ہوئے یکا یک مطالبہ کیا:

''اگر آپ سچے ہیں تو آپ کوئی کرامت دکھائیں۔ کوئی انہونی بات ظاہر کریں۔ کوئی اَن دیکھا عمل دکھائیں ورنہ میں آپ کو چمتکاری دکھاؤں گا۔ یوں ہمارا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے گا کہ کون

سچا ہے اور کون جھوٹا؟''

مسلمان نوجوان نے ایک لمحے کے لیے تفکر کیا اور پھر بوڑھے ہندو فلسفی سے کہا:

''کیا آپ یہی چاہتے ہیں کہ میں آپ کو پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑ کر دکھاؤں؟ یا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنی یا آپ کی ہتھیلی پر چمکتا دمکتا سورج یا چاند رکھ دوں؟ آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟ یہ جو کچھ آپ خواہش کر رہے ہیں یہ میرے نزدیک کوئی ٹھوس دلیل نہیں۔ آپ فلسفی ہیں تو پھر اپنے فلسفے کے زور پر مجھ سے سوال و جواب کریں۔ یہ آپ شعبدہ بازیوں کی طرف کیوں نکل آئے؟ ہم یہاں شعبدہ بازی کے مقابلے کے لیے تو اکٹھے نہیں ہوئے بلکہ ہم تو یہاں مناظرہ کے لیے آئے ہیں۔''

بوڑھے ہندو فلسفی نے اپنی خفت کو چھپاتے ہوئے اور اپنی واضح ہزیمت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے مسلمان نوجوان سے ڈھٹائی کے ساتھ مخاطب ہو کر کہا:

''ہمارے ہاں سچائی کا معیار یہی ہے کہ ہم کوئی انہونی بات آپ کی جانب سے دیکھنا چاہتے ہیں۔''

مسلمان نوجوان نے کچھ لمحوں کے لیے خاموشی اختیار کی اور مکمل غور و فکر کیا۔ اس دوران میں ہندوؤں نے یہی سمجھا کہ مسلمان نوجوان مات کھا گیا ہے اور اب پریشانی کے عالم میں مہر بہ لب ہے مگر وہ اس وقت حیران ہوئے جب مسلمان نوجوان نے کہا:

''اگر آپ کو یہی پسند ہے اور آپ ایسا ہی مقابلہ چاہتے ہیں تو پھر ایسا ہی ہوگا۔ بتائیں آپ کیا چاہتے ہیں؟'' بوڑھے ہندو فلسفی نے طنزیہ ہنسی اور اک فاتحانہ خوشی کے ساتھ مسلمان نوجوان سے مطالبہ کیا:

''میں آپ کی ہتھیلی پر اسی لمحے اور اسی وقت منفرد نوعیت کے حامل درخت کا قلیل مقدار میں لگنے والا پھل ''لدراس'' دیکھنا چاہتا ہوں جو کہ آج کل کے موسم میں درخت پر نہیں لگتا۔ جس کا دانہ رنگین چمکتے موتی کی طرح ہوتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ''لدراس'' جس کے پاس ہو اس پر دولت و ثروت کی دیوی خاص مہربان ہوتی ہے۔''

اس موقع پر سلطان محمود غزنوی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

''یہ کیا فضول مطالبہ ہے یہاں مناظرہ ہو رہا ہے یا شعبدہ بازی کا مقابلہ؟''

مسلمان نوجوان نے سلطان محمود غزنوی کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

''سلطان معظم! میں ان دشمنانِ اسلام کا یہ مطالبہ بھی پورا کر کے دکھا دوں گا اور یہ سب کچھ رب قادر و قدیر کی مرضی و منشا سے ہوگا۔ رب العزت ہمیں ضرور فتح نصیب فرمائیں گے۔''

اور پھر مسلمان نوجوان نے اپنا دایاں ہاتھ دراز کیا اور آسمان کی جانب نگاہ کی تو یکا یک اس کی ہتھیلی پر تر و تازہ ''لدراس'' موجود تھا۔ بوڑھے ہندو فلسفی اور دوسرے دشمنانِ اسلام کی حیرت کی حد

نہ رہی اور انہوں نے اپنی شکست کا اعتراف کر لیا۔

یہ اکیس سالہ مسلمان نوجوان جس نے دشمنانِ اسلام کو شکست سے دو چار کیا حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کے نام نامی سے مشہور و معروف ہوا۔

آپؒ کا اسم گرامی علی جبکہ والد محترم کا نام عثمان تھا (نفحات الانس) آپؒ کی کنیت ابوالحسن تھی (سفینۃ الاولیاء) جبکہ لقب داتا گنج بخشؒ ہے (حدائق الحنفیہ) آپؒ افغانستان کے شہر غزنہ (غزنی) کے رہنے والے تھے۔ جلاب اور ہجویر مضافات غزنی میں واقع دو محلے ہیں۔ آپؒ ایک محلے سے دوسرے محلے میں منتقل ہو گئے چنانچہ اس نسبت سے آپؒ الجلابی الغزنوی الہجویری کہلائے۔ زندگی کے آخری ایام میں لاہور آ کر رہے اس لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے۔

آپؒ کے سالِ ولادت پر مؤرخین متفق نہیں ہیں۔ ''مقالات دینی و علمی'' میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لکھتے ہیں:

''مفصل حالات پرانے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے نہیں لکھے یہاں تک کہ ان کی تاریخِ ولادت و وفات اور ان کے ورودِ لاہور کی تاریخ بھی قطعی طور پر معلوم نہیں۔ اندازے سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی ہجری کے شروع میں ہوئی ہوگی۔''

''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' میں ہے کہ ''تاریخ ولادت کسی ماخذ میں نہیں ملتی۔ قرائن 400 ہجری کے حق میں ہیں۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا عہد اور دارالسلطنت غزنہ کے عروج کا زمانہ تھا۔''

صاحب ''خزینۃ الاصفیا'' نے آپؒ کا سلسلۂ نسب یہ لکھا ہے:

حضرت مخدوم علی بن عثمان بن سیّد علی بن عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابن ابوالحسن علی بن حسین اصغر بن سیّد زید شہید بن حضرت امام حسنؓ بن حضرت علی المرتضیٰؓ۔

آپؒ کی والدہ ماجدہ ہجویر کی رہنے والی تھیں جبکہ آپؒ کے والد محترم جلاب کے رہائشی تھے چنانچہ والد محترم کی وفات کے بعد آپؒ مستقل طور پر ننھیال یعنی ہجویر میں مقیم ہو گئے۔

آپؒ کے لقب گنج بخش کے حوالے سے مولانا عبدالماجد دریا آبادی ''تصوف اسلام'' میں رقم طراز ہیں:

''روایت ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ قطبیت ہند کا منصب پانے کے بعد جب حضرت علی ہجویریؒ کے مزار گوہر بار سے رخصت ہونے لگے تو مرقد مقدس کے سامنے کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش فیض عالم ، مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اور اس وقت سے ہی آپؒ گنج بخش کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ صاحب ''خزینۃ الاصفیا''

نے بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ گنج بخشؒ کا لقب آپؒ کے نام اور شخصیت کے ساتھ یوں مزین ہوتا ہے جیسے کسی انگوٹھی میں بیش قیمت نگینہ چمکتا ہو اس لیے کہ آپؒ نے اپنی تمام حیات ناپائیدار میں علم و معرفت کا خزانہ ہی تقسیم فرمایا۔ ''کشف المحجوب'' اس کا تحریری ثبوت اور معتبر دستاویز بھی ہے اور تصوف کا بجا طور پر دستور العمل بھی ہے۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ نے اپنے وقت کے جید علما، فضلا اور شیوخ سے کسب فیض کیا۔ آپؒ کافی عرصہ تک شیخ ابوالفضل محمد حسن الختلیؒ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ پھر سیر و سیاحت کے ہمرکاب حج و زیاراتِ مقاماتِ مقدسہ سے فیض یاب ہوئے۔ آپؒ نے بعض علوم حضرت ابو العباس احمد بن محمد اشقانیؒ سے بھی حاصل کیے اور شیخ ابوالقاسم بن عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ، شیخ ابو سعید بن ابی الخیرؒ، ابوعلی فضل بن محمد فارمدی، شیخ ابوجعفر محمد بن المصباحؒ، حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانیؒ کے علاوہ بہت سے علما و محدثین کے ہاں حاضری دے کر علم و معرفت کے خزانے سمیٹے۔

''کشف المحجوب'' میں آپؒ اپنے اساتذہ کا ذکر انتہائی ادب و احترام کے ساتھ کرتے ہیں۔ اپنے ایک استاذ مکرم شیخ ابوجعفر محمد بن المصباحؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''وہ روسائے صوفیہ میں تھے۔ تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھیں۔'' اسی طرح اپنے استاد معظم شیخ ابوالقاسم بن عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وہ اپنے دور کے بے مثال اور نادر روزگار لوگوں میں سے تھے۔ ان کی عزت بلند اور مرتبہ رفیع تھا۔ وہ ہر فن میں خاصی فضیلت کے مالک تھے۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو بےکار باتوں سے محفوظ فرمایا۔''

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ اپنے پیر طریقت شیخ ابوالفضل ختلیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''طریقت میں میری پیروی اور اقتدا ان کے ساتھ ہے۔ وہ علم تفسیر و حدیث کے زبردست عالم تھے اور طریقت میں مسلکِ جنیدؒ رکھتے ہیں۔ آپ صوفیانہ لباس اور رسم و رواج نہیں رکھتے تھے اور رسمی چہروں کے سخت خلاف تھے۔ میں نے اس اللہ والے سے بڑھ کر کسی کو بارعب نہیں دیکھا۔ آپؒ فرماتے تھے کہ دنیا کی زندگی ایک دن کے مثل ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے۔''

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ نے روحانی کسب کمال کے لیے تقریباً تمام اسلامی ممالک مثلاً شام، عراق، بغداد، آذربائیجان، طبرستان، کرمان، خوزستان، خراسان، ترکستان اور حجاز وغیرہ کا سفر کیا۔ آپؒ ان مقامات میں مقیم اولیائے کرام کی ایمان افروز صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ صرف خراسان میں آپ نے 300 مشائخ سے ملاقات کی۔ جن میں شیخ القاسم سرسیؒ، شیخ الشیوخ ابوالحسن بن سالبہؒ، شیخ ابواسحٰق شہریارؒ، شیخ محمد زکی بن العلاءؒ، شیخ ابوعبداللہ جنیدیؒ، شیخ خرقانیؒ، خواجہ

علی بن الحسن السیر کانیؒ، خواجہ رشید مظفر بن شیخ سعیدؒ اور خواجہ شیخ احمد حمادی سرخسیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ اگرچہ چالیس سال مسلسل سفر میں رہے لیکن کبھی بھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی اور نہ کبھی جمعہ چھوڑا۔ ہمیشہ جمعۃ المبارک کی نماز کسی نہ کسی قصبے میں ادا فرماتے تھے۔ آپؒ کو عقیدے اور طریقت میں کمال بہت سے راستے طے کرنے اور دور دراز علاقوں میں مجاہدہ کرنے کے بعد حاصل ہوا۔ آپ نے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی اور ہر گلستان سے گل چینی کی یہاں تک کہ صوفیا کی تعلیمات کے سلسلہ میں معراج حاصل کرلی۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ نے دورانِ سفر نہ تو کسی جانور کی سواری کو اختیار فرمایا اور نہ ہی زادِ راہ ساتھ لیا۔ آپؒ کے پاس ایک چمڑے کے لوٹے، ایک عصا اور ایک مصلّٰی کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا تاکہ توکل اور بے نیازی کی شان و ادا برقرار رہے۔ آپؒ نے مصائب بھی برداشت کیے اور تکالیف کا سامنا بھی کیا مگر عزم صمیم لیے راہِ طریقت پر چلتے رہے۔ جسم پر پیوند زدہ کپڑے ہوتے تھے۔ بے سروسامانی آپؒ کا زادِ سفر ہوتی تھی مگر آپؒ نے مجاہدہ و ریاضت اور نفس کشی جاری و ساری رکھی۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کی لاہور تشریف آوری کے حوالے سے ''خزینۃ الاصفیا'' میں لکھا ہے:

''حضرت علی ہجویریؒ کی لاہور تشریف آوری سے قبل شیخ ابوالفضل بن حسن ختلیؒ کے مرید و خلیفہ خواجہ حسین زنجانیؒ لاہور کی قطبیت پر مامور تھے۔ اس کے بعد مخدوم حضرت علی ہجویریؒ کو حکم دیا گیا کہ ''لاہور جاؤ اور وہاں قیام کرو'' حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ''جناب عالی! وہاں شیخ حسین زنجانی (رحمۃ اللہ علیہ) مقرر ہیں۔ اس ناچیز کے تقرر میں کیا حکمت ہے؟'' شیخ ابو الفضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''تم وہاں جاؤ اور سکونت اختیار کرو۔ حکمت دریافت کرنے سے تمہیں کیا کام!''

جب حضرت علی ہجویریؒ لاہور پہنچے تو اس وقت رات تھی۔ اس لیے شہر کے باہر ہی قیام فرمایا۔ صبح کے وقت جب شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگ حضرت حسین زنجانیؒ کا جنازہ اٹھائے لیے چلے آرہے ہیں کیونکہ اسی شب حضرت حسین زنجانیؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بھی جنازے کے ساتھ شامل ہوگئے اور ان کی تدفین میں حصہ لیا۔ اگرچہ بعض محققین نے اس روایت کو اختلافی قرار دیا ہے تاہم سیرت نگاروں کی اکثریت اس روایت کو معتبر گردانتی ہے۔

اختلاف و اتفاق محققین و مؤرخین کے ساتھ ساتھ سیرت نگاروں اور تذکرہ کاروں کا سلیقہ و طریقہ رہا ہے اور اسی سے مختلف رازہائے سربستہ سے پردہ اٹھتا رہا ہے۔ اس ضمن میں بعض محققین

اس بات سے متفق نہیں کہ ''گنج بخش فیض عالم، مظہر نورِ خدا'' والا شعر واقعتاً حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ہے اور یہ کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر ہی کی وجہ سے حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو عوام الناس نے ''گنج بخش'' کہنا شروع کیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ''گنج بخش'' کا لقب حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مستعار ہی میں مشہور و معروف ہو چکا تھا اور شہرت و وقعت پا چکا تھا۔

اس بات کا سب سے ٹھوس ثبوت حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی تصنیف ''کشف الاسرار'' میں خود اپنا اقرار ہے جس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اے علی! تجھے مخلوق خدا ''گنج بخش'' کہہ کر پکارتی ہے حالانکہ تیرے پاس ایک دانہ تک بھی نہیں۔ تُو کبھی بھی اپنے آپ کو ''گنج بخش'' نہ سمجھنا ورنہ یہ محض دعویٰ اور غرور باطل ہوگا۔ گنج بخش یعنی خزانے بخشنے والی تو صرف اور صرف ایک ہی ذات وحدہٗ لاشریک ہے جو لاریب مالک الملک ہے۔ اس کے ساتھ شرک نہ کر بیٹھنا ورنہ اپنی زندگی تباہ و برباد کر لے گا کیونکہ رب العزت کی ذات پاک اکیلی اور تنہا ہے اور اس کا بلاشک وشبہ کوئی شریک نہیں۔''

اسی طرح روزمرہ زندگی میں جب بھی کبھی کوئی عقیدت مند حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو ''گنج بخش'' کے لقب سے بلاتا تھا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر خفگی کے آثار ہویدا ہو جاتے تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ اس شخص سے انتہائی سختی کے ساتھ کہتے تھے کہ:

''خبردار! پھر کبھی مجھے گنج بخش نہ کہنا کیونکہ گنج بخش تو صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہی ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا لقب جس نے ''گنج بخش'' سے بھی زیادہ شہرت حاصل کی وہ ''داتا'' ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ ''داتا'' کے لقب سے اس قدر معروف و مشہور ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں کی اکثریت آپ کے اصل نام سے قطعی طور پر ناواقف و آشنا ہے۔ ہر ایک کی زبان پر ''داتا صاحب'' کا ورد ہوتا ہے۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے آپؒ کو عوام الناس نے کبھی بھی یاد نہیں کیا۔

''داتا'' کا لفظ بنیادی طور پر ہندی زبان کا ہے جس کا مطلب ہے ''دینے والا'' یہی وجہ ہے کہ اکثر ہندو ''داتا'' کو بھگوان یعنی خدا کے مفہوم و مطلب میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مسلمانانِ عالم کی بھی یہی صورتِ حال ہے کہ وہ ''داتا'' سے خدا کا مفہوم لیتے ہیں۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ''داتا'' اور ''گنج بخش'' دونوں القابات ہم معنی و ہم مفہوم اور مترادف و متماثل ہیں۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ''داتا'' کا لقب سب سے پہلے کس نے استعمال کیا اور کس بنیاد و وجہ سے کیا؟ تاہم اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ''داتا'' کا لقب اگر حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں استعمال ہوتا

تو آپؒ انتہائی سختی کے ساتھ اسے منع فرماتے اور کہنے والے کے ساتھ خفگی سے پیش آتے۔ ''داتا'' کا لقب لازمی طور پر آپ کے وصال کے بعد ہی مشہور و معروف ہوا ہے۔

یوں سوچا جا سکتا ہے کہ شاید حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور تشریف لائے تو اس دور میں ہندوستان پر ہندوؤں کا سکہ چلتا تھا اور ہندوازم کا غلبہ تھا۔ اس دور میں صورتِ حال یہاں تک تھی کہ عام ہندو مزارع بھی اپنے زمیندار کو ''اَن داتا'' کہہ کر پکارتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ نومسلم عقیدت مندوں نے فرطِ عقیدت میں آپؒ کو ''داتا'' کہنا شروع کر دیا ہو اور یوں آپؒ ''داتا'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ پھر اس میں ''گنج بخش'' کا لقب شامل ہوا تو آپؒ ''داتا گنج بخش'' کے دُہرے لقب سے مشہور و مقبول ہوئے اور ایسے ہوئے کہ لمحۂ موجود تک آپؒ کو اسی لقب سے پکارا جاتا ہے کیونکہ اب اس نے یکجا ہو کر ایک ہی لقب کی صورت اختیار کر لی ہے۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن ہی سے جہاں کتب بینی کا شوق تھا وہاں آپؒ کو اپنے خیالات و محسوسات لکھنے کا بھی ذوق تھا۔ آپؒ کی تحریروں کے موضوعات دینی و اسلامی حوالے سے ہوتے تھے۔ آپؒ کی یہ صلاحیت خداداد تھی۔ آپؒ مختصر صفحات کی اپنی تحریروں کو جمع کر کے اسے کتاب کا نام دیتے تھے۔ یوں آپؒ کو کم سنی ہی سے کتابیں لکھنے کی لگن تھی اور آپؒ اسی میلان طبع میں مگن رہتے تھے۔

اس حوالے سے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''کشف الاسرار'' میں لکھتے ہیں کہ:

''غزنی میں میرے گھر سے چند قدم کے فاصلے پر ایک مردِ درویش رہتے تھے۔ وہ ہمہ وقت عبادت و ریاضت میں مصروف و مشغول رہتے تھے۔ میں اکثر ان کے پاس جایا کرتا تھا۔ اس وقت میری عمر بمشکل بارہ سال تھی۔ اس پاکباز و باصفا شخص کا نام حضرت شیخ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ وہ صرف نام ہی کے بزرگ نہیں تھے بلکہ بزرگی کی جملہ جمیلہ صفات ان میں موجود تھیں۔ میں ان سے ازحد متاثر تھا۔

''میں جب بھی ان کے پاس جاتا تھا وہ پیار سے مجھے اپنے قریب بٹھاتے تھے اور اچھی اچھی باتیں بتاتے تھے۔ وہ میرے ہر قسم کے سوال کا جواب انتہائی سلیس اور سادہ زبان اور عام فہم مفہوم میں دیتے تھے۔ میں اپنی چھوٹی چھوٹی کتابیں جو میں لکھتا تھا انہیں دکھاتا تھا۔ وہ میری تحریروں کو بڑے انہماک سے پڑھتے تھے اور میری حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے۔

''ایک روز میں نے انہیں اپنی ایک تحریر کردہ مختصر سی کتاب دکھائی تو وہ بہت خوش ہوئے مگر ساتھ ہی انہوں نے مجھ سے انتہائی میٹھی زبان اور دل نشین انداز میں کہا:

''علی! کوئی ایسی کتاب لکھو کہ جو رہتی دنیا تک تمہارا نام روشن رکھے۔ کوئی یادگار کتاب لکھو۔''

میں نے بڑی عاجزی و انکساری کے ساتھ عرض کی:

"یا حضرت! میں اس قدر مطالعہ اور علم نہیں رکھتا کہ آپ کا مطالبہ پورا کرسکوں۔ میری عمر دیکھیے۔ میرا تجربہ و مشاہدہ دیکھیے اور میری علمی استطاعت دیکھیے۔ میں کس طرح ایک یادگار کتاب لکھ سکتا ہوں۔ میں علم کے اسرار و رموز سے اس قدر واقف و آشنا نہیں جس قدر آپ مجھ سے توقع فرما رہے ہیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل میرے لیے کس طرح ممکن ہوگی؟"

حضرت شیخ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"علی! ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق تمہاری تحریریں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ تم ایک یادگار کتاب لکھ سکتے ہو۔ رب قادر و قدیر نے تمہیں جہت کچھ لکھنے کی طاقت و استطاعت عطا کی ہے۔ تم دین کے میدان میں بہت بڑے بزرگ بنو گے اور ایسی کتاب ضرور لکھو گے جو تاقیامت زندہ و تابندہ رہے گی۔"

"حضرت شیخ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات سن کر میں حیرت و حیرانگی کے عالم میں گم ہو گیا۔ اس دوران میں مَیں حضرت شیخ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب دیکھتا رہا کیونکہ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے کیا سنا ہے اور حضرت شیخ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کہا ہے میں سوچ رہا تھا کہ کیا میں بھی ایسا کرسکتا ہوں؟

"حضرت شیخ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے قدرے سہما سہما سا دیکھا تو وہ میری کیفیت کو بھانپ گئے اور مجھے یقین دلاتے ہوئے پورے وثوق سے کہا:

"علی! حیران نہ ہو۔ ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ تم ضرور کتاب لکھو گے اور معرکۃ الآرا یادگار کتاب لکھو گے۔"

"اور پھر میں نے حضرت شیخ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ:

"حضرت! آپ دعا فرمائیے کہ میں آپ کی توقع پر پورا اُتر سکوں۔ اگر آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو مجھے خدائے بزرگ و برتر ضرور کامیابی و کامرانی سے ہمکنار فرمائیں گے۔"

حضرت شیخ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے پُرزور الفاظ میں بلند آہنگ کے ساتھ فرمایا:

"علی! بے شک ہماری دعائیں لحہ لحہ تیرے ساتھ ہیں اور تم دیکھو گے کہ ہماری دعائیں کس طرح بارگاہِ رب العزت میں قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہیں۔ ہماری دعاؤں کی قبولیت کو ساری دنیا دیکھے گی۔"

اور پھر آسمان نے کھلی آنکھوں سے دیکھا اور زمین نے کھلے کانوں سے سنا کہ حضرت علی ہجویری گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے یادگار زمانہ کتاب "کشف المحجوب" لکھی جسے لحہ موجود تک پذیرائی حاصل ہے اور ایک زمانہ نہ صرف اس کتاب کا مطالعہ کرتا ہے بلکہ اس سے فیض حاصل کرتا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جسے تصوف کے میدان میں شہرت و وقعت کا وہ مقام عروج حاصل ہے کہ جو بہت کم تحریروں کے حصے میں آتا ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بھی

اکثر کہا کرتے تھے کہ "میری یہ کتاب "کشف المحجوب" حضرت شیخ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کا نتیجہ اور رب وحدہٗ لاشریک کی عطا ہے۔ اس پر میں رب کریم و رحیم کا جس قدر شکر ادا کروں کم ہے۔"

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے والدین نے دستورِ زمانہ کے مطابق آپؒ کو چار برس کی عمر میں ہی حروف شناسی اور لفظ آشنائی کے بعد قرآن الحکیم کی تعلیم سے منور و مزین کرنے کا انتظام و انصرام کیا۔ قرآنی تعلیم کی تکمیل کے بعد مختلف زبانوں کے قواعد و ضوابط، صرف و نحو اور گرائمر پر عبور کے حصول کی خاطر حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے عربی اور فارسی کے اسرار و رموز سیکھنے کے لیے ماہر ترین اساتذہ سے استفادہ کیا۔

بعد ازاں فقہ و تفسیر پر عبور حاصل کرنے کے لیے حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے ممتاز و منفرد علمائے دین سے فیض پایا۔ علم کلام اور منطق بھی سیکھی اور پھر فلسفہ کے میدان میں قدم رکھا۔ فلسفہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خاص اور پسندیدہ مضمون تھا۔ اس میں آپؒ ازحد دلچسپی لیتے تھے اور نئے نئے نکات زیر بحث لا کر عوام الناس حتیٰ کہ اپنے اساتذہ کرام کو بھی حیرت زدہ کر دیتے تھے۔

علومِ ظاہری کی تعلیم و تکمیل کے بعد حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کسی نادر و نایاب دستِ حق پرست کی تلاش و جستجو شروع کر دی تاکہ بیعت کر کے معرفت کے مراحل طے کر سکیں۔ ہر ایک کو دیکھا اور ہر ایک پر غور کیا مگر نظر کسی پر جا کر نہیں ٹھہرتی تھی کیونکہ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

حضرت سیدعلی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو حالتِ خواب میں اشارہ ہوا کہ ملک شام کی جانب سفر کریں۔ شام میں سلسلہ جنیدیہ کے پیشوائے طریقت و رہنمائے معرفت حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تمام تر علمی و عملی ضوفشانیوں کے ہمرکاب موجود تھے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فوری طور پر ملک شام کی طرف سفر کا آغاز کیا۔ فاصلے سمٹتے گئے اور گوہرِ مراد ملنے کے آثار قوی تر ہوتے گئے بالآخر آپؒ منزلِ مقصود پر پہنچ ہی گئے۔ وہاں پر پہلے ہی سے حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ آپؒ کی آمد کے شدت سے منتظر تھے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فوری طور پر حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہء ارادت میں داخل ہو کر انہیں اپنا مرشد و مربی اور راہبر و رہنما بنا لیا۔ حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ جلال و جمال کا حسین مرقع تھے۔ نابغہء روزگار شخصیت تھے۔ مزاجاً و طبعاً جلالی کیفیت کے مالک تھے اور تنہائی پسندی کی بنا پر اکثر سنسان جگہوں کی تلاش میں پہاڑوں کی جانب نکل جاتے تھے مگر ارادت مند پھر بھی انہیں ڈھونڈ نکالتے تھے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلۂ جنیدیہ سے تعلق رکھنے والے حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی و مریدی اختیار کی تو آپؒ بھی سلسلۂ جنیدیہ سے منسلک ہو گئے۔ سلسلۂ جنیدیہ سے تعلق رکھنے والے افراد ''صحو'' (عالم ہوش مندی) کو ''سکر'' (عالم مدہوشی) پر ترجیح دیتے ہیں۔ دراصل ''صحو'' اور ''سکر'' تصوف کی دو معروف و مشہور اصطلاحیں ہیں۔ ''سکر'' کے بانی حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

ایک سالک و مجاہد اور عارف و زاہد جب جمالِ یار کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے ہوش وخرد مغلوب ہو جاتے ہیں اور اس پر عالم مدہوشی و بے خودی طاری ہو جاتا ہے۔ اس عالم مدہوشی میں محویت کی کیفیت دیوانگی اور فنا تک لے جاتی ہے جبکہ ''صحو'' اس سے بلند تر مقام ہے۔

''صحو'' میں سالک جمالِ یار کے مشاہدہ کے باوجود عالم ہوش مندی میں رہتا ہے۔ کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اور جس طرح وہ عالم مدہوشی میں چلے گئے وہ ''سکر'' کی عمدہ اور بہترین مثال ہے جبکہ رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی شب جمالِ یار کے قریب تر مشاہدہ کے باوجود عالم ہوش مندی میں رہے۔ یہ ''صحو'' کی عمدہ اور بہترین مثال ہے۔

حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ ''صحو'' کے مردِ میداں تھے اور حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انتہائی سوجھ بوجھ اور سوچ سمجھ کے ساتھ یہ سلسلہ اختیار کیا اور یہی وہ سلسلہ ہے جو شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچتا تھا۔ یہ سلسلہ کچھ اس طرح ہے کہ:

حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ مرید حضرت شیخ ابوالحسنؒ حضرت علی حضریؒ، حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سری سقطی، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت داؤد طائی، حضرت حبیب عجمیؒ، حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔

یوں حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ نسب اور سلسلۂ طریقت و معرفت دونوں حوالوں سے باب مدینۃ الحکمت حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے جا ملتے ہیں اور آپؒ کی یہ نسبت قابلِ اعزاز وافتخار بھی ہے اور لائقِ رشک بھی۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ظاہری علوم سے تو مالا مال تھے۔ اپنے پیرو مرشد اور رہبر و رہنما حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ سے باطنی تربیت شروع کی تو استادِ مکرم نے پہلے روز پہلا سبق دیتے ہوئے آپؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''علی! آج کا پہلا سبق محض تین باتوں پر مشتمل ہے۔ انہیں غور سے سنو اور پلے باندھ لو۔ یہ تمام عمر تمہارے کام آئیں گی۔ پہلی بات اور نصیحت یہ ہے کہ کم کھاؤ۔ یاد رکھو کہ رزق کا استعمال دو وجوہات کی وجہ سے صحیح ہے ورنہ غلط ہے ایک یہ کہ جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے کھایا

جائے دوم یہ کہ یادِ خدا اور ذکرِ الٰہی کے لیے قوت و طاقت اور توانائی و حرارت حاصل کرنے کی غرض سے رزق استعمال کیا جائے۔ ہر فالتو ہمارے مسلک میں حرام ہے۔

''دوسری نصیحت یہ ہے کہ ہمیشہ کم سے کم وقت سونے کے لیے استعمال کرو۔ زیادہ سونے سے اجتناب کرو کیونکہ زیادہ سونا غفلت و کاہلی کی نشانی ہے۔ ہمارے مسلک میں غفلت کو کبیرہ گناہوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ سہل پسندی، کاہلی اور غفلت ایک سالک کے لیے زہر قاتل ہے جو اسے تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

''تیسری نصیحت یہ ہے کہ مقدور بھر اور حتیٰ الامکان کوشش کرو کہ گفتگو سے پرہیز کیا جائے۔ حتی الوسع خاموشی سے کام لو تاہم مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تمہیں گفتگو کی کافی ضرورت پڑے گی مگر یہ گفتگو بامعنی اور فلاحی و اصلاحی ہوگی۔

''یہ بھی یاد رکھو کہ گناہ و ثواب کا معیار عوام اور خواص کے لیے مختلف ہوتا ہے۔ ایک عام آدمی جب تک کوئی گناہ نہ کرلے اس کے نامۂ اعمال میں نہیں لکھا جاتا۔ اس کے گناہ کا اندراج اس کے گناہ کے ارتکاب پر ہوتا ہے مگر نیک اعمال کی محض نیت ہی کر لینے سے ثواب لکھا جانا شروع ہو جاتا ہے لیکن خواص کے لیے یہ دستور اور یہ قاعدہ قانون نہیں ہے۔ خواص تو محض نیک اعمال میں سستی ہی کرلیں تو ان کے نامۂ اعمال میں گناہ لکھا جاتا ہے۔ خواص کے لیے قوانین بھی خاص ہی ہوتے ہیں۔''

اس پہلے سبق کے بعد حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد و مربی اور رہبر و رہنما حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی و مریدی میں سلوک و معرفت کی منازل طے کرنا شروع کر دیں۔ آپؒ کی عبادت و ریاضت کو اک خاص نہج مل گئی۔ آپؒ کے مراقبہ و مجاہدہ کو اک مخصوص طریقہ و سلیقہ عطا ہوا اور یوں آپؒ درجہ بہ درجہ بلندیوں اور رفعتوں کی جانب بڑھنے لگے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخشؒ نے ملک شام میں قیام کے دوران یہ معمول بنا رکھا تھا کہ آپؒ اکثر و بیشتر سنسان و ویران پہاڑوں کی جانب نکل جاتے۔ کوئی چھپا ہوا گوشہ یا کوئی پوشیدہ غار ڈھونڈتے اور عبادت و ریاضت میں مصروف ہو جاتے۔ یہ آپؒ کو اپنے مرشد و مربی حضرت ابو الفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت تھی کیونکہ وہ خود بھی ایسا ہی کرتے تھے اور انہوں نے اپنے مرید خاص حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہی سبق دیا تھا۔

ایک روز آپؒ پہاڑوں کی اوٹ میں ایک خفیہ مقام پر محوِ مراقبہ تھے کہ آپؒ کے خیالات بھٹکنے لگے۔ عبادت میں یکسوئی نہ رہی۔ ریاضت میں دلچسپی نہ رہی۔ محسوسات میں اک ہیجان سا محسوس ہوا۔ آپؒ پریشان سے ہو گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

معاً آپؒ کے دل میں خیال آیا کہ یہ شیطان کی شرارت ہوسکتی ہے۔ وسوسے ڈالنے والا وہی

ملعون ہوسکتا ہے۔ آپ نے فوراً لاحول پڑھا اور استادِ مکرم کے بتائے ہوئے قرآنی وظیفے کا ورد کیا تو شیطان لعین بھاگ گیا اور پھر آپ نے کامل سکون واطمینان کے ساتھ مراقبہ ومجاہدہ شروع کر دیا۔

ایک دفعہ جبکہ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ عبادت و ریاضت میں مصروف تھے تو آپ کے ساتھ ایک یادگار و معرفت آفریں واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ آپؒ نے یکا یک روشنی کی بہت تیز چمک دیکھی۔ آپؒ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ چندھیا دینے والی روشنی کی جھلک پڑی تو آپؒ نے سر اٹھا کر دیکھا۔

آپؒ دیکھ کر حیران ہوئے کہ آپؒ کے سامنے ایک نورانی صورت بزرگ کھڑے تھے۔ وہ خراماں خراماں آپؒ کے قریب آئے اور آپؒ سے مخاطب ہو کر کہا:

"علی! آج ہم رب قادر وقدیر کے حکم سے تمہیں کچھ ودیعت کرنے آئے ہیں۔ یہ تم پر رب وحدہٗ لاشریک کی خاص عنایت اور خاص فضل و کرم ہے۔ رب علیم و بصیر کی بھیجی ہوئی دولت سمیٹنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ یہ کہیں شیطانی چال نہ ہو چنانچہ آپؒ قدرے پیچھے کی طرف ہٹے مگر اس نورانی صورت بزرگ نے کہا:

"علی! ڈرو نہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ شیطان وقتاً فوقتاً تم پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اس لیے تم حیران بھی ہوا اور قدرے پریشان بھی مگر اس بار ایسا نہیں ہے۔"

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ازحد متانت و شائستگی کے ساتھ عرض کی:

"تو پھر آپ اپنا تعارف کرا دیجیے تاکہ مجھے پہچاننے میں دشواری نہ ہو اور آپ سے گفتگو کرنے میں دقت نہ ہو۔"

اس نورانی صورت بزرگ نے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"علی! ہم خضر (علیہ السلام) ہیں اور رب کائنات کی جانب سے تمہیں کچھ عطا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔"

اور پھر حضرت خضر علیہ السلام نے رب قادر وقدیر کی مرضی و منشا سے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو علوم باطنی سے فیض یاب کیا۔ آپؒ علوم باطنی سے مستفید و مستفیض ہوئے تو آپؒ کا سفرِ معرفت برسوں کی بجائے دنوں میں طے ہونے لگا۔ آپؒ نے معرفت کے درجات انتہائی تیزی و سرعت کے ساتھ طے کرنا شروع کر دیئے اور اس فضل و کرم پر رب رحمٰن و رحیم کا شکر بجا لائے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ مختلف سنسان و بیابان پہاڑوں میں گوشۂ تنہائی میں چھپ کر عبادت و ریاضت کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف صحابہ عظام رضوان اللہ اجمعین اور

اولیاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے مزارات پر بھی جا کر ذکرِ الٰہی میں مصروف و مشغول رہتے تھے۔ ان مقامات پر ذکرِ الٰہی کرنے سے آپؒ کو اک ناقابلِ بیان طمانیت اور قلبی سکون ملتا تھا۔ آپؒ اکثر و بیشتر دنیاوی ہنگاموں سے گھبراتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ دورانِ ذکر و فکر کسی قسم کی مداخلت نہ ہو تاکہ آپ کا دل اور ذہن مکمل یکسوئی کے ساتھ صرف ایک ہی مرکز پر ٹھہرا رہے۔

ایک دفعہ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ مزارات پر قیام کی سیاحت کے دوران عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤذن کعبہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ اقدس پر پہنچے۔ روضہ کے ایک کونے میں چٹائی بچھا کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ یہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ہر روضہ اور ہر مزار پر معمول تھا۔

آپؒ تمام رات بلا تکان ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے۔ کبھی تلاوت کلام الٰہی کرتے۔ کبھی اوراد اور وظائف پڑھتے اور کبھی نوافل ادا کرنا شروع کر دیتے۔ نمازِ فجر کے بعد آپؒ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار کے ایک ستون کے سہارے ٹیک لگا کر قدرے آرام کرنے ہی لگے تھے کہ آپؒ پر نیند نے غلبہ پا لیا۔

عالم خواب میں آپؒ نے ہادی کون و مکان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل میں اک عمر رسیدہ شخص تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز ایسا تھا جیسے شفقت و محبت کے ساتھ کسی لاڈلے بچے کو بغل میں لیا جاتا ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے لپک کر پائے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے بغل میں لیے ہوئے عمر رسیدہ شخص کے بارے پوچھ رہے ہوں۔

سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"علی! یہ تمہارا امام ابوحنیفہؒ ہے۔"

جب حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ خواب سے بیدار ہوئے تو مزار بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضا عطر بیز پائی۔ اک خاص خوشبو اور اک خاص مہک تھی جو دل و جان کو منزہ و مطہر کیے دیتی تھی۔

اس خواب نایاب سے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعبیر پائی کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و وقعت دائمی و ابدی ہے اور یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف حمیدہ صرف رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہی ہیں اور یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت ہی کا ثمر ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تمام عمر نہ صرف حنفی مسلک پر قائم و دائم رہے بلکہ اس کے زبردست مبلغ بھی رہے۔

عشقِ الٰہی اور عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت جبکہ ذکرِ الٰہی اور درود مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت سے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے مقام ولایت و معرفت کے درجات اتنی تیزی اور سرعت کے ساتھ طے کیے کہ کم عمری ہی میں ولی کے رتبہ پر پہنچنے میں کامیاب و کامران ہو گئے۔

آپؒ کے مرشد و مربی اور رہبر و رہنما حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمتہ اللہ علیہ نے آپؒ کو مقام ولایت پر فائز پایا تو فوری طور پر مقام خلافت سے سرفراز فرمایا اور از حد مسرت و انبساط کا اظہار کیا۔ کسی استاد کے لیے اس کا ہونہار شاگرد ہی اس کے لیے سب سے بڑا سرمایۂ افتخار اور وجہ اعزاز ہوتا ہے۔ اور حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ جیسے شاگرد تو صدیوں بعد ہی پیدا ہوتے ہیں۔ بقول اقبال ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد کے ساتھ ایک عرصہ تک رہے اور ان کی تمام تر علمی و عملی زندگی سے فیض یاب ہوتے رہے۔ بسا اوقات بعض واقعات ایسے ہوتے تھے کہ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کو از حد حیرانی بھی ہوتی تھی اور خوشی بھی کیونکہ آپؒ کے پیر و مرشد بھی ولی اللہ تھے اور ان سے اکثر دفعہ خرقِ عادت عمل ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میرے پیر و مرشد حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمتہ اللہ علیہ ''بیت الجن'' سے دمشق کی جانب محوِ سفر تھے۔ بعض اوقات وہ سفر میں مجھے اپنے ہمرکاب رکھتے تھے اس سفر میں بھی انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔

''اس روز رات کے وقت بہت تیز بارش ہوئی جس سے ہمارا راستہ کیچڑ سے لبریز ہو گیا۔ جو بھی شخص گزرتا تھا اس کے پاؤں اور کپڑے کیچڑ میں لت پت ہو جاتے تھے۔ مسافر پریشانی کے عالم میں سفر کر رہے تھے۔ ہر راہگیر اگرچہ کپڑے بچا کر گزر رہا تھا مگر جوتے ہر ایک کے خراب ہو رہے تھے۔ میں بھی کپڑے قدرے اونچے کر کے چل رہا تھا اور میرے جوتے بھی کیچڑ کی وجہ سے میلے کچیلے ہو رہے تھے۔

''یکا یک میرے دل میں خیال آیا کہ اپنے پیر و مرشد کے پاؤں دیکھوں کہ ان کا کیا حال ہے۔ جب میری نظر ان کے جوتوں پر پڑی تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی حد نہ رہی کہ میرے پیر و مرشد کے پاؤں، جوتا اور پاجامہ مکمل طور پر کیچڑ سے اس قدر محفوظ و مامون تھے جیسے راستے میں کسی قسم کا کیچڑ ہی نہ ہو۔

''میں نے اپنے پیر و مرشد سے ڈرتے ڈرتے پوچھا:

''یا حضرت یہ کیا کہ اس قدر کیچڑ کے باوجود آپؒ کے جوتوں اور پاجامے پر کسی قسم کے آثار نہیں؟''

''میرے پیر و مرشد نے میری طرف غور سے دیکھا۔ پھر قدرے مسکرائے اور فرمایا:

''علی! جب سے میں نے اپنی ذات کی نفی کی ہے اور رب السموات والارض پر توکل اختیار کیا ہے اس روز سے رب وحدہٗ لاشریک نے میرے قدموں کو بھی ہمہ قسم کی آلائشوں سے پاک صاف کر دیا ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت ابو الفضل محمد بن حسن ختلی رحمتہ اللہ علیہ کی حتی الوسع خدمت کرتے تھے۔ اپنے مرشد کو وضو کراتے تھے۔ ان کے لیے کھانے کا بندوبست فرماتے تھے۔ سفر میں ان کا سامان تھامتے تھے۔ بعض اوقات ان کے کپڑے دھوتے تھے۔ مرشد کبھی تھکاوٹ محسوس کرتے تھے تو ان کے پاؤں دباتے تھے۔ غرض یہ کہ ان کی ضروریات اور آسانی کا ہر طرح سے خیال رکھنے کی کوشش و کاوش کرتے تھے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک روز میں اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ دھلا رہا تھا کہ یکا یک میرے ذہن میں خیال آیا کہ دنیا کے تمام کام تقدیر پر منحصر ہیں تو پھر ہم غلاموں کی طرح اپنے پیروں اور مرشدوں کی خدمت میں کیوں مصروف و مشغول رہتے ہیں؟''

''میرا یہ خیال جیسا بھی تھا اور جس طرح کا بھی تھا مگر پیر و مرشد نے کشف کے ذریعے سے بھانپ لیا اور انتہائی محبت و شفقت سے میری جانب دیکھتے ہوئے از حد نرم لہجے میں فرمایا:

''علی! جو کچھ تم اب سوچ رہے ہو وہ مجھے معلوم ہے مگر یاد رکھو کہ ہر حکم کے لیے ایک سبب ہوا کرتا ہے۔ جب رب العزت چاہتا ہے کہ کسی کو تاج و تخت سے نوازے تو سب سے پہلے رب قادر و قدیر اس میں تاج و تخت سنبھالنے کی صلاحیت و دیعت کرتا ہے اور پھر وہی خدمت اس کی بزرگی کا سبب بن جاتی ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کا سوال جہاں فلسفیانہ تھا وہاں مرشد و مربی کا جواب بھی اسی نوعیت کا فلسفیانہ ہی تھا۔ اور اس سوال و جواب میں اک خاص نکتے کا پوری شدت و حدت کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے جو اہل غور و فکر کے لیے کافی اہمیت کا حامل ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے چونکہ اَن گنت اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ اس لیے آپؒ کو کافی تجربات و مشاہدات ہوئے۔ آپؒ اپنے ایک استادِ محترم حضرت ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ مسجد میں بیٹھے مسجد کے ایک ستون سے محوِ گفتگو ہیں۔

اس وقت مسجد میں اور کوئی بھی شخص نہیں تھا۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ

کچھ دیر وہاں خاموش کھڑے رہے اور حضرت ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کو ستون سے باتیں کرتے ہوئے سنتے رہے۔

جب حضرت ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بات مکمل کر لی تو حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے اور اپنے استادِ مکرم سے پوچھا:

''یا حضرتؒ! آپؒ اس وقت کس سے باتیں کر رہے تھے؟ مسجد میں تو کوئی بھی آپؒ کے علاوہ نہیں تھا۔''

حضرت ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''علی! رب قادر وقدیر نے مسجد کے ستون کو گویائی کی قوت عطا کی تو اس نے مجھ سے ایک بات پوچھی جس کا میں پوری تفصیل وتشریح کے ساتھ اسے جواب دے رہا تھا۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اسی وجہ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ:

''اساتذہ کے حوالے سے جس قدر میں خوش قسمت رہا ہوں، شاید ہی کوئی اور ہو۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ان اساتذہ کے علاوہ کہ جن سے آپؒ نے براہِ راست فیض حاصل کیا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا روحانی استاد مانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے اپنے حنفی مسلک کا تذکرہ اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں متعدد مقامات پر کیا ہے۔

آپؒ نے عالمِ خواب میں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو گود میں اٹھائے دیکھا تھا تو اس حوالے سے ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں:

''مجھے اس خواب سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے ذاتی اوصاف سے فانی ہوتے ہیں اور شرع کے احکام کے ساتھ باقی رہتے ہیں اس طرح کہ ان کے اٹھانے والے رہبرِ کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود چلتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ اپنی صفات کے ساتھ باقی ہیں اور جو شخص ذاتی صفات کے ساتھ باقی ہوتا ہے وہ یا تو غلطی کرتا ہے یا پھر صحیح فیصلہ کرتا ہے اور چونکہ ان کے لے جانے والے محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس لیے یہ بات ظاہر ہوئی کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فانی الصفت ہیں اور صفتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقی ہیں اور چونکہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطا کا صدور نہیں ہوسکتا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کے ساتھ باقی ہیں ان سے بھی استنباطِ مسائل میں خطا صادر نہیں ہوسکتی۔ واضح ہو کہ یہ بڑا لطیف اشارہ ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت وریاضت بالآخر رنگ لائی۔ محنت

ومشقت نے اپنا جوبن دکھایا۔ لحہ لحہ معرفت ووحدانیت کی مستی جلوہ فگن ہوئی تو نوعمری ہی میں حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو مقامِ ولایت پر فائز ہونے کا اعلیٰ وارفع شرف حاصل ہوا۔ آپؒ کے پیر ومرشد اور رہبر ورہنما حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ کو خلافت عطا فرما کر دینِ اسلام کی خدمت اور رب العزت کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تبلیغ کے لیے حکم دیا کہ آپؒ رب کائنات کی وسیع وعریض سرزمین پر پھیل جائیں اور خدمتِ دین کا متبرک ومقدس فریضہ سرانجام دیں۔

اپنے پیر ومرشد کے حکم کی تعمیل میں حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے طویل مسافت طے کی اور اہم مقامات پر رک کر اشاعتِ دین اور ترویجِ وحدانیت ورسالت کا فرض انتہائی خلوصِ نیت، جانفشانی اور محنت کے ساتھ ادا کیا۔ اس ضمن میں آپؒ نے عراق وایران، عرب وشام، آذربائیجان وخراسان، طبرستان وخوزستان اور ماوراالنہر وکرمان کے ساتھ ساتھ رب قادر وقدیر کی وسیع وعریض زمین پر رہائش پذیر انسانوں کو خالق ومالک کا پیغام پہنچایا۔ انہیں نیکی کی تلقین کی۔ بدی سے بچنے کی ترغیب دی اور رب رحمٰن ورحیم کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی کیونکہ محض یہی وہ طریقہ وسلیقہ ہے کہ جس سے دین ودنیا اور دونوں جہانوں کی فلاح حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس طویل سفر کے دوران آپؒ تعلیم وتبلیغ اور درس وتدریس کے ساتھ ساتھ حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کی مالی مدد واعانت بھی مقدور بھر فرماتے رہے۔ کسی سوالی کو در سے خالی نہ جانے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اوقات آپؒ کو حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لیے قرض لینا پڑتا تھا۔ مزید یہ کہ پیشہ ور بھکاریوں کو جب یہ علم ہوا کہ آپؒ کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تو ان کی چاندی ہوگئی مگر آپؒ نے تمام صورتِ حال کے باوجود کسی کو اپنے دروازے سے کچھ دیئے بغیر واپس لوٹانا مناسب نہ سمجھا۔

اشاعتِ دین کی اس مشقت آفریں مسافت کے بعد حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ واپس غزنی پہنچے تو مرشد ومربی حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے دعاؤں سے نوازا اور کامیاب سفر کی مبارکباد دی۔

پھر ایک روز حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ کو اپنے پاس بلایا اور کہا:

''علی! فوری طور پر لاہور پہنچو۔ وہاں تمہاری سخت ضرورت ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے دست بستہ عرض کی:

''یا حضرتؒ! اور آپ کیا میرے ساتھ نہیں تشریف لے چلیں گے؟ مجھے آپ کی رہنمائی ورہبری کی لحہ لحہ ضرورت ہے اور رہے گی۔''

حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''علی! میں اپنی زندگی کی تمام بہاریں دیکھ چکا ہوں۔ اب تو صرف رب العزت سے ملاقات

کی تمنا ہے اور وہ وقت اور وہ ساعت بالکل قریب دکھائی دیتی ہے۔ میری حیاتِ ناپائیدار کے ایام پورے ہوا چاہتے ہیں اور پھر قبر ہمارا گھر ہوگی۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرشد و مربی اور رہبر و رہنما حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمتہ اللہ علیہ کی زبان سے ایسی باتیں سنیں تو ازحد رنجیدہ و نم دیدہ ہوئے۔ مرشد کی جدائی کا غم ناقابل بیان شدت وحدت کا حامل تھا مگر مرشد کا حکم اس سے بھی زیادہ ضروری تھا۔ چنانچہ آپؒ نے لاہور کی جانب سفر آغاز کیا اور مسلسل و متواتر چھ ماہ کے سفر کے بعد لاہور پہنچے۔

''تاریخ لاہور'' کے مؤلف سیّد محمد لطیف اور ''فرہنگ آصفیہ'' کے مطابق حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اپنے دو رفقاء کار حضرت ابوسعید ہجویری رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ احمد حماد سرخسی رحمتہ اللہ علیہ کے ہمرکاب لاہور تشریف لائے۔ اس وقت 431 ہجری کا سن تھا۔ یہاں آپؒ نے اپنی تمام تر بقیہ زندگی گزاری۔ بقول شاعرِ مشرق، حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ۔

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

''سوانح حیات حضرت علی ہجویریؒ'' میں مولوی محمد دین فوق لکھتے ہیں:

''قلمی پنجابی کتاب میں لکھا ہے کہ جہاں حوض ہے وہاں سیّد علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے قیام فرمایا۔ اس جگہ ایک بلند ٹیلہ تھا اور اس پر کریر کا ایک درخت بھی تھا۔ اس درخت کی لکڑی اب تک دربار میں موجود ہے۔''

جس وقت حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے تو اس وقت لاہور میں مسلمانوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ آپؒ نے لاہور آتے ہی ایک نئی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ مقامی باشندوں نے دیکھا کہ ایک مردِ درویش لاہور میں وارد ہوا ہے جس نے اپنی آمد کے فوراً بعد ہی خدا کے گھر کی تن تنہا تعمیر شروع کر دی ہے۔ کچھ لوگ ان لمحات میں آپ کے پاس حاضر ہوئے اور آپؒ سے پوچھا:

''محترم! ہم آپ کو بھی بتانے آئے ہیں کہ یہاں پہلے ہی کئی مساجد ہیں پھر نئی مسجد کی کیا ضرورت ہے؟'' حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے ان مقامی باشندوں سے کہا:

''پہلے آپ سکون سے تشریف رکھیے۔ پھر میں آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔''

جب وہ لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے تو تب آپؒ نے ان کی حسب توفیق خاطر تواضع کی اور پھر فرمایا:

''مجھے علم ہے کہ یہاں کئی مساجد پہلے ہی سے موجود ہیں لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ رُوئے زمین پر جس قدر بھی زیادہ مساجد ہوں پھر بھی وہ کم ہیں دوسرا یہ کہ یہاں جتنی مساجد ہیں وہ امراء نے

بنوائی ہوئی ہیں جبکہ یہ پہلی مسجد ہے جو یہاں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک مزدور بندہ تعمیر کرنے کی ہمت کر رہا ہے۔ دعا کرو کہ رب رحمٰن و رحیم مجھے اپنے نیک مقصد میں کامیاب و کامران اور شاد و بامراد کرے اور اس مسجد کی تکمیل کے بعد اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آباد کرے۔''

وہاں کے مقامی رہائشی حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی ان باتوں سے لاجواب ہوگئے اور وہاں سے چلے گئے۔ کسی نے کچھ نہ کہا اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے۔

جواں سال و جواں ہمت حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے پوری استقامت و پامردی کے ساتھ مسجد کی تعمیر تیز رفتاری و سرعت کے ساتھ جاری و ساری رکھی اور بلا تکان دن رات اینٹیں اور گارے کے ساتھ دیواریں اونچی کرتے رہے۔

لوگ حیران بھی تھے اور پریشان بھی کہ اک مردِ درویش کے پاس اتنی دولت کہاں سے آ رہی ہے جو وہ مسجد کے تعمیری لوازمات پر خرچ کر رہا ہے؟ سب سے زیادہ حیرت وہاں کے امراء کو تھی کہ اس مردِ درویش نے ان سے کسی قسم کی کوئی مالی مدد اور معاونت طلب نہیں کی تھی۔

کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ مردِ درویش ذاتی طور پر مالدار ہے مگر ظاہراً ایسا محسوس نہیں ہوتا جبکہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ کچھ لوگ خفیہ طور پر اس کی مدد کر رہے ہیں۔ بہرحال علاقے کا ہر شخص کسی نہ کسی حوالے سے مسجد کی تعمیر کا ذکر ضرور کرتا تھا اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق فکر و خیال کے تانے بانے بنتا تھا۔

مسجد کی تعمیر تکمیل کی جانب بڑھ رہی تھی۔ مردِ درویش رب العزت کے گھر کی نہ صرف بے دام مزدوری کر رہا تھا بلکہ اس پر بساط بھر پیسہ بھی خرچ کر رہا تھا اور پھر یکا یک ایک روز ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ اس حوالے سے مغل شہزادہ داراشکوہ اپنی مشہور زمانہ کتاب ''سفینۃ الاولیاء'' میں اس واقعے کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

ہوا یوں کہ لاہور کے کچھ علما ایک وفد کی صورت میں حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئے اور آتے ہی یک زبان و یک آواز کہنے لگے۔

''محترم! تمہاری ساری محنت و مشقت ضائع گئی ہے اور تمہارا پیسہ بھی اکارت گیا ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے حیرت واستعجاب کے عالم میں پوچھا:

''کچھ بتاؤ تو سہی کہ میری محنت کس طرح ضائع گئی۔ پیسے کی تو مجھے فکر نہیں مگر میں نے تو انتہائی نیک نیتی اور خلوص دل کے ساتھ رب رحمٰن و رحیم کے گھر کی مزدوری کی ہے۔ اس کی ایک ایک اینٹ پر میرے پسینے کی بوندیں نقش ہیں۔ رب غفور و رحیم میری محنت کیسے ضائع کر سکتا ہے۔ رب رحمٰن و رحیم ضرور اسے قبولیت کی سند عطا فرمائے گا۔ تم لوگ کس وجہ اور کس بنیاد پر یہ کہہ رہے ہو کہ میری محنت اکارت گئی؟''

علما کے وفد کے اراکین نے بلند آہنگ کے ساتھ کہا:

"محترم! یہ سب کچھ تمہاری لاعلمی اور بے خبری کی وجہ سے ہوا ہے۔ تمہیں چاہیے تھا کہ کسی سے پتہ کر لیتے۔ کسی سے معلوم کر لیتے۔ کسی سے پوچھ لیتے تو آج تمہیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اب تو تمہیں یہ مسجد گرانا پڑے گی اور پھر نئے سرے سے بنانا ہوگی۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو ہم تمہاری سخت مخالفت کریں گے۔ عوام الناس کو تمہاری غلطی سے آگاہ کریں گے اور پھر یہاں کوئی بھی نماز پڑھنے نہیں آئے گا۔ بھلا اپنی نمازوں کو کون جان بوجھ کر ضائع کرے گا۔"

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اس تمام ترصورتِ حال سے حیران و پریشان ہوگئے اور آپؒ نے انتہائی حیرت واستعجاب اور ملال آمیز کیفیت میں علما لاہور سے پوچھا:

"آخر بتایئے تو سہی کہ ایسی کون سی غلطی مجھ سے سرزد ہوگئی؟ مسجد میں کیا نقص رہ گیا کہ اسے گرانا پڑے گا؟ مجھے صحیح صورتِ حال سے تو آگاہ کیجیے۔ ہوسکتا ہے کہ میں اس کا کوئی مناسب حل نکال لوں۔"

علما لاہور کے وفد کے اراکین نے بیانگ دہل کہا:

"محترم! تمہاری تعمیر کردہ مسجد کا قبلہ صحیح رخ پر نہیں ہے۔ غور سے خود دیکھ لو کہ اس کا جھکاؤ کسی قدر جنوبی جانب ہے جو کہ سراسر غلط ہے۔ کیا غلط قبلے والی مسجد میں نماز جائز ہے؟ کیا ایسی مسجد بنانی چاہیے؟ کیا اسے گرا کر دوبارہ صحیح قبلے کے ساتھ بنانے کی ضرورت نہیں؟"

علما لاہور کے اس اعتراض پر حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ قدرے زیرلب مسکرائے اور آپؒ کی تمام تر پریشانی و حیرانی جاتی رہی۔ اب آپؒ مسئلے و معاملے کی تہہ تک پہنچ چکے تھے۔ آپؒ نے انتہائی پُرسکون و پُراطمینان لہجے میں علما لاہور کے وفد کے اراکین کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"میری نظریں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ اگرچہ آپ لوگوں کو نظر نہیں آ رہا لیکن میں پورے وثوق اور یقین و اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ مسجد کا قبلہ بالکل درست ہے۔ اس میں کسی قسم کا نقص مطلقاً نہیں ہے۔ یہ محض آپ لوگوں کا وہم ہے۔ شیطانی وسوسہ ہے۔"

علما لاہور نے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی اس بات سے سراسر اختلاف کیا اور ناراضی کے عالم میں یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیئے کہ:

"آخر کون اسے صحیح کہے گا؟ ایک تو قبلہ غلط بنا دیا ہے دوسرا ہم سے کہتا ہے کہ ہمیں نظر نہیں آ رہا۔ جلد ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ اندھا کوئی نہیں ہے۔ رب کریم نے سب کو بصارت عطا کی ہے۔ سب دیکھ لیں گے کہ ہم صحیح بات کر رہے ہیں یا تم کر رہے ہو۔ ایک تو مسجد میں نقص ڈال دیا ہے دوسرے اپنی بات پر بضد بھی ہو۔"

علما لاہور کی اس بات پر حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ خاموش رہے اور پھر آپؒ نے حسب معمول مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔ جو کام نامکمل رہ گیا تھا اسے تیزی کے ساتھ مکمل

کیا۔ اس دوران علما لاہور نے جگہ جگہ یہ مشہور کر دیا کہ جو مسجد غزنی سے آیا ہوا درویش بنا رہا ہے اس کا قبلہ درست نہیں ہے۔ وہاں کسی کو نماز پڑھنے کے لیے نہیں جانا چاہیے کیونکہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اور وہ دن بہت جلد آ گیا جب مسجد اپنے تمام تر لوازمات کے ساتھ مکمل ہوگئی۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے لاہور کے جملہ علما کو اس روز مسجد میں مدعو کیا اور رب کریم و رحیم سے سرخروئی کی دعا کی۔

اختلاف و اعتراض کے باوجود علما لاہور مسجد میں تشریف لائے اور سب نے مسجد کی تعمیر کی تعریف کی مگر قبلے کی غلط سمت کے نقص کی بار بار نشاندہی کی تاہم حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی صبر و تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کیا اور خاموش رہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے علما لاہور کا پُرجوش و پُرتپاک استقبال کیا۔ تمام افراد کی آبِ زم زم اور کھجوروں سے تواضع کی گئی مگر کسی بھی شخص کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اسے یہاں کس لیے بلایا گیا ہے۔ کچھ افراد نے آپؒ سے دریافت بھی کیا تو آپؒ نے فرمایا:

"ابھی پتہ چل جائے گا کہ آپ لوگوں کو یہاں کیوں بلایا گیا ہے۔ بس تھوڑا سا انتظار کیجیے۔"

انتظار کے لمحات میں علما لاہور صرف ایک ہی بات پر بحث کرتے رہے کہ مسجد کا رخ اور قبلہ صحیح نہیں ہے۔ کیا اس میں نماز بھی جائز ہوگی یا نہیں۔ طرح طرح کی سرگوشیاں جاری تھیں کہ یکایک مؤذن نے نمازِ عصر کی اذان دی کیونکہ نماز کا وقت ہو چکا تھا۔

اذان کے تھوڑی دیر بعد علما لاہور نے دیکھا کہ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ آگے بڑھے اور امامت کے مصلے پر تشریف لے گئے۔ آپؒ نے سب سے مخاطب ہو کر کہا:

"آیئے حضرات! مل کر رب العزت کی بارگاہ میں حاضری دیں اور عصر کی نماز ادا کریں۔"

اکثر علما نماز ادا کرنے میں ہچکچا رہے تھے مگر حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی زبان میں رب وحدہٗ لاشریک نے اس قدر مقناطیسی قوت بھر دی تھی کہ کسی نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا اور سب نے خاموشی کے ساتھ صفیں درست کیں اور نماز کے لیے تیار ہوگئے۔

اقامت ہوئی اور نماز شروع ہوگئی۔ علما لاہور نے محسوس کیا کہ انہیں آج نماز میں اک خاص قسم کا سرور حاصل ہوا ہے۔ انہیں ایک ناقابلِ بیان اطمینان قلب ملا ہے۔ وہ حیران تھے کہ غلط قبلہ والی مسجد ہونے کے باوجود انہیں نہ تو نماز کی ادائیگی سے انکار کی جرأت و جسارت ہوئی ہے اور نہ ہی انہیں کوئی پریشانی ہوئی ہے بلکہ انہیں جو سکون آج ملا ہے وہ پہلے انہوں نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

نماز ختم ہوئی تو حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے آسمان کی طرف نگاہ کر کے رب العزت کے حضور دعا والتجا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی:

"یارب العالمین! اس عاجز و گنہگار بندے کی یہ ادنیٰ سی کاوش قبول فرما۔ میری اس معمولی سی

مزدوری کو مقبول فرما۔ میرے گناہوں سے درگزر فرما اور اپنی رحمت وشفقت نازل فرما۔ بے شک تُو غفور ورحیم ہے۔ غفار وستار ہے۔ رحمٰن ورحیم ہے۔"

نماز کے اختتام کے بعد آپؒ نے علما لاہور کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"معزز حضرات! مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگوں کو اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض تھا مگر میں نے اس کا رخ تبدیل نہیں کیا اور اسی رخ پر آج یہاں آپ سب کے ہمرکاب نماز بھی ادا ہوگئی ہے۔"

آپؒ نے محض اتنا ہی کہا تھا کہ علما لاہور بول پڑے:

"محترم! اعتراض تو ہمیں اب بھی ہے۔ ہم نے تمہارے احترام میں نماز بھی ادا کر لی ہے مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تم نے قبلے کے رخ کو خواہ مخواہ اپنی انا کا مسئلہ بنالیا ہے حالانکہ اگر اسے درست کر دیتے تو بہتر تھا۔ تم نے ہماری تجویز پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنی ضد پر ڈٹے رہے۔ آخر اس کی کوئی وجہ؟"

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے انکساری کے ساتھ کہا:

"مجھے آپ سے کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی میں اپنی ضد پر ڈٹا رہا ہوں۔ جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہی کیا ہے۔"

علما لاہور نے پوچھا۔

"محترم! آپؒ نے کیا دیکھا ہے؟ ہم بھی تو دیکھیں۔ کیا ہمیں بھی دکھا سکو گے؟"

اور پھر حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کے میناروں کی جانب اشارہ کر کے فرمایا۔

"وہ دیکھو۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔"

اور سب نے دیکھا کہ حقیقی قبلہ ان کی آنکھوں کے سامنے روشن ومنور تھا۔ انہوں نے جب کھلی آنکھوں سے قبلہ دیکھا تو بے اختیار اپنے اعتراض پر نادم وشرمندہ ہوئے اور آپؒ سے معذرت طلب کرتے ہوئے آپؒ کے شکر گزار ہوئے کہ انہیں خانۂ خدا کی زیارت نصیب ہوئی۔ اب وہ لوگ آپؒ کے روحانی مرتبہ کے صدق دل سے قائل ہوگئے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کی وجہ سے علما لاہور کو آپؒ کی نو تعمیر مسجد کے میناروں کے پاس خانہ کعبہ کی کھلی آنکھوں سے جو زیارت نصیب ہوئی اس نے آپؒ کی شخصیت ومعرفت کا شہرہ دور دور تک پھیلا دیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح چہار جانب پھیل گئی۔ اس کا مثبت ردعمل ظاہر ہوا اور بہتر نتیجہ نکلا کیونکہ نہ صرف ہندوؤں کی کثیر تعداد آپؒ کی طرف مائل ہوئی بلکہ سوئے ہوئے مسلمانوں میں بھی بے داری کی لہر دوڑ گئی۔ جوق در جوق مرد وزن روزانہ آپؒ کے پاس آنے لگے اور آپؒ کی تعلیمات سے فیض یاب ہونے لگے یوں "فیض عالم" کا فیض شروع ہوا جو رہتی دنیا تک جاری وساری رہے گا۔

تعلیمات کے حصول کے لیے دور ونزدیک سے معقول تعداد کی آمد نے مدرسہ کی ضرورت کو جنم دیا تو حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد سے متصل وملحق مدرسہ ومکتب کے لیے تعمیرات کرائیں۔ جب یہ تعمیرات مکمل ہوگئیں تو آپؒ نے اسے باقاعدہ مرکز درس وتدریس کی شکل دی جہاں آپؒ نے روزانہ درس دینا شروع کر دیا۔ اس مکتب کے ساتھ ہی آپؒ نے ایک چھوٹا سا حجرہ بھی بنوایا جس میں آپؒ عبادت وریاضت اور ذکرِ الٰہی میں مصروف ومشغول رہتے تھے۔

مکتب میں خاص طور پر قرآن مجید فرقان حمید کے معارف ومطالب کا درس دیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ عربی زبان کے اسرار ورموز بھی سکھائے جاتے تھے۔ اس مکتب میں طلبا کی کثیر تعداد مسلمان نوجوانوں پر مشتمل تھی تاہم کچھ عمر رسیدہ افراد بھی ان کے ساتھ درس میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے مکتب کو ہر شخص کے لیے اشاعتِ دین کا مرکز ومحور بنا رکھا تھا۔ نہ تو تعلیمات کے لیے کسی قسم کے واجبات مقرر تھے اور نہ ہی عمر اور مرتبہ وحیثیت کی کوئی قید تھی۔ علم کی طلب رکھنے والا ہر فرد اس مدرسہ سے مستفید ومستفیض ہو سکتا تھا۔

رفتہ رفتہ آپؒ نے اپنے مدرسہ ومکتب میں حدیث کی تعلیم بھی دینا شروع کر دی۔ طلبا کا ایک گروپ فقہ کی تعلیم بھی حاصل کرتا تھا۔ کچھ تلامذہ گرائمر اور صرف ونحو بھی پڑھتے تھے جبکہ کچھ مبتدی اور نو مسلم صرف مبادیاتِ اسلام کی تعلیمات سے فیض یاب ہونے کے لیے آتے تھے۔ یوں تشنگانِ علم اور طالبانِ علم کی ایک کثیر تعداد آپؒ کے قائم کردہ مدرسہ ومکتب سے فیض یاب ہوتی تھی۔

عوام الناس اور خاص طور پر غیر مسلم اپنے ذاتی مسائل ومصائب کے حل کے لیے بھی آپؒ سے مدرسہ میں آکر اپنی بپتا بیان کرتے تھے۔ آپؒ کمال شفقت ومحبت اور اخوت ومروت کے ساتھ ان کے مسائل کے حل کے لیے مقدور بھر کوشش وکاوش فرماتے تھے تو رب رحمٰن ورحیم کے فضل وکرم سے بیشتر افراد کی پریشانیاں دور ہو جاتی تھیں۔ اس رویے اور سلوک سے غیر مسلم از حد متاثر ہوتے تھے۔ نتیجتاً بے شمار غیر مسلم آپؒ کے اعلیٰ اخلاق، ان کے مسائل میں دلچسپی اور ارفع رہنمائی کی بدولت برائی چھوڑ کر پارسائی اختیار کرنے میں کامیاب وکامران ہوئے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ واشاعت اور تدریس وتعلیم سے بہت کم عرصہ میں ہزاروں کی تعداد میں مختلف طبقۂ فکر اور شعبہ ہائے زندگی کے افراد عالم باعمل ہوگئے۔ جو لوگ عرصۂ دراز سے جہالت کی تاریکیوں میں گم تھے انہیں روشنی ملی اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا اصول تبلیغ وتعلیم یہی تھا کہ آپؒ پہلے تزکیۂ نفس کرتے تھے اور پھر تحلیہ یعنی پہلے نفس کی بیماریوں سے لوگوں کو نجات دلاتے تھے اور پھر ذکرِ الٰہی سے قلوب واذہان کو گرماتے تھے۔ رائے راجو ایک ہندو تھا جو کہ مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا گورنر تھا۔ وہ آپؒ کے زہد وتقویٰ اور اخلاقِ عالیہ سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا اور اس نے "شیخ ہندی" کا لقب پایا۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو رب قادر و قدیر نے انتہائی مؤدب، لائق اور ہونہار شاگردوں سے نوازا تھا۔ آپؒ کے تلامذہ آپ کی اک جنبشِ ابرو کو سمجھتے تھے اور آپ کی ہدایات وتعلیمات پر کامل ایمان واعتماد کے ساتھ عمل پیرا ہوتے تھے۔

ایک استاد کے لیے اس کی سب سے بڑی دولت اس کے وفادار و ہونہار شاگرد ہوا کرتے ہیں اور اس دولتِ بے بہا سے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو رب علیم وخبیر نے فراوانی کے ساتھ مالا مال کیا تھا۔ آپؒ اپنے شاگردانِ رشید پر بجا طور پر فخر کرتے تھے۔ ان میں کچھ شاگرد ایسے بھی تھے جو اپنی علمی قابلیت اور عملی لیاقت کی وجہ سے آپؒ کی قربت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ایسے تلامذہ ہمہ وقت شب و روز آپؒ کی صحبت میں رہتے تھے اور جب بھی موقع ملتا تھا آپؒ سے سوالات کر کے آپؒ کے علم سے فیض یاب ہوتے رہتے تھے۔ ایسے تلامذہ آپؒ کی عملی زندگی سے بھی بہت سبق حاصل کرتے تھے اور اپنی زندگیوں کو بھی آپؒ کے افعال و اعمال کے مطابق ڈھالنے کی حتی الامکان سعی وکاوش کرتے تھے۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے بہت خوشی وطمانیت محسوس ہوتی تھی اور بسا اوقات آپؒ کی زبان مبارک سے ان کے لیے دعائیہ کلمات نکلتے تھے تو تلامذہ کے جوش وجذبہ میں اک نئی جولانی وجلوہ سامانی پیدا ہو جاتی تھی۔ کیونکہ ایک شاگرد کے لیے اس کے استاد کا ایک توصیفی لفظ اور ایک دعائیہ فقرہ ہی اس کی تمام تر کوشش وکاوش کا اطمینان بخش ثمر بن جاتا ہے جس کی حدت وحرارت سے وہ مزید حدت و حرارت کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے بقول اقبال۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

جب حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے یہ محسوس کیا کہ آپ کے تلامذہ اس قدر قابل ہو گئے ہیں کہ قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس کے فرائض بحسن وخوبی سرانجام دے سکتے ہیں تو آپؒ نے بتدریج تدریسی ذمہ داریاں ان کے سپرد کرنا شروع کر دیں اور خود تصنیف وتالیف میں وقت صرف کرنا شروع کر دیا۔

آپؒ کے شاگردانِ رشید نے اپنی ذمہ داریوں کو انتہائی خلوص نیت اور محنت ولگن کے ساتھ نبھایا۔ وہ وقتاً فوقتاً مختلف امور ومسائل پر آپؒ سے مشورہ کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کے لیے آپؒ سے درخواست کرتے تھے کہ آپؒ خصوصی طور پر اس اہم موضوع پر خطاب فرمائیں۔ آپؒ انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ ان کی درخواست پر تشنگانِ علم سے خطاب فرماتے تھے اور موضوع کے پیچیدہ نکات کو ازحد سہل بنا کر پیش کرتے تھے۔ یوں یہ سلسلہ درس و تدریس آپؒ کے قائم کردہ مدرسہ ومکتب میں بحسن وخوبی جاری وساری رہا۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا درس وخطاب آپؒ کے شاگرد، مرید اور عام افراد انتہائی انہماک، توجہ اور دلچسپی سے سنتے تھے کیونکہ آپؒ کا اندازِ تدریس اور طرزِ خطاب

انتہائی دل نشیں، سادہ اور عام زندگی کی مثالوں سے مزین ومنور ہوتا تھا۔ اکثر اوقات آپؒ حاضرینِ درس کو تاریخی اسلامی واقعات بیان کر کے انہیں مختلف موضوعات کو زیادہ بہتر طور پر سمجھانے کا سلیقہ و طریقہ بروئے کار لاتے تھے۔ قرآن مجید فرقان حمید بھی سبق آموز واقعات سے منقش ہے اور ہادی کون ومکاں، معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو واقعات سنا کر انہیں اخلاقیات ودینیات کا درس دیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دوران تدریس بیان کردہ اسلامی تاریخی واقعات ازحد سبق آموز اور لطافت وذہانت کا مرقع ہوتے تھے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر اکابرین اسلام کی حیاتِ مبارکہ سے قابلِ ذکر واقعات ایسے پُراثر اور دل گرفتہ انداز میں سناتے تھے کہ پتھر دل بھی موم ہو جایا کرتے تھے اور مسافرانِ گم کردہ منزل کو نشانِ منزل دکھائی دینے لگتا تھا۔ بے شمار بھٹکے ہوئے افراد نے آپؒ کے بیان کردہ پُر تاثیر واقعات سے راہِ راست پائی۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخشؒ سے ایک دفعہ حاضرین مجلس نے تقاضا کیا کہ آپؒ ایثار اور قربانی پر گفتگو فرمائیں۔ آپؒ نے اس موضوع پر لمبی چوڑی تقریر کرنے کی بجائے پہلے محض ایک جملہ ارشاد فرمایا اور پھر اکابرین اسلام کا ایک واقعہ سنایا جس سے ہر سطح کے سامع کو ایثار اور قربانی کا صحیح مفہوم ومطلب سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری کے بجائے انتہائی آسان اور سہل انداز میں تمام بات ذہن نشین ہو گئی۔

واقعہ بیان کرنے سے پہلے آپؒ نے فرمایا:

''یاد رکھو کہ جب تک انسان اپنی نفسانی خواہشات کو اپنے مسلمان بھائیوں کی اچھائی اور بھلائی کے لیے قربان نہیں کر دیتا اس وقت تک نہ تو اس پر پاکیزہ زندگی کے راز عیاں ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کے من کی کثافتیں دور ہوتی ہیں۔''

قربانی وایثار کے حوالے سے اس ایک جملے کے بیان کے بعد آپؒ نے اس کی وضاحت کے لیے اکابرین اسلام کا ایک واقعہ حاضرینِ مجلس کو سنایا۔ یہ واقعہ مشہور عالم دین حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ، صاحبِ تقویٰ حضرت رقام رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبِ کردار حضرت شیخ ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تھا۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ان تینوں بزرگوں کے خلاف خلیفۂ وقت کا خلیل نامی ایک غلام اپنے دل میں کدورت ومخاصمت رکھتا تھا اور ان بزرگانِ دین کو موقع پا کر نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔

خلیفۂ وقت کا یہ غلام بہت چہیتا تھا۔ خلیفۂ وقت اس پر ازحد اعتماد کرتا تھا اور اس کی باتوں پر بغیر کسی تحقیق کے اعتبار کرتا تھا۔ اس غلام نے اپنی چرب زبان سے خلیفۂ وقت کو رام کیا ہوا تھا۔

بعض اوقات خلیفہء وقت انتہائی اہم اور خفیہ فیصلوں کے لیے نہ صرف اس کی فراہم کردہ معلومات پر انحصار کرتا تھا بلکہ اس سے مشورہ بھی لیتا تھا تاہم اس بات کی کسی بھی وزیر و مشیر کو خبر نہیں تھی کیونکہ خلیفہء وقت اس غلام سے ایسے اوقات میں ملاقات کرتا تھا جب اراکینِ سلطنت میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہوتا تھا۔

خلیل نے ایک دن موقع پا کر خلیفہء وقت سے انتہائی رازدارانہ لہجے میں کہا:

''یا امیر المومنین! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ آپ کی اور آپ کی سلطنت کی خیر خواہی و بھلائی چاہی ہے۔ میں نے ہمیشہ آپ کو صحیح اور کھری معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ میں آپ کا دیرینہ وفادار غلام ہوں اور مرتے دم تک رہوں گا۔ ایک بات جو میں آپ کو بتانے میں کچھ تامل محسوس کر رہا تھا آج بتانے پر مجبور ہو گیا ہوں کیونکہ معاملہ حد سے آگے بڑھنے کا سخت خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔''

خلیفہء وقت نے اس کو مزید قریب بلاتے ہوئے کہا:

''جو بھی بات ہے فوراً بتاؤ اور یاد رکھو کہ آئندہ کسی قسم کا تامل نہ کیا کرو۔ بے دھڑک اور بلا جھجک بولا کرو۔''

خلیل نے انتہائی عیاری و مکاری کے ساتھ خلیفہء وقت کے سامنے آنکھیں نیچی کر کے کہا:

''یا امیر المومنین! سچی اور کھری بات تو یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن نوریؒ، شیخ رقامؒ اور شیخ ابوحمزہ بغدادیؒ عوام الناس کو گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ دینِ اسلام کی بربادی کا باعث بن رہے ہیں (نعوذ باللہ) یہ لوگوں کو دینِ اسلام سے منسوب ایسے عقائد کی تعلیم و تلقین کر رہے ہیں جو ان کے خود ساختہ اور من گھڑت ہیں۔ یوں دینِ اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان ہو رہا ہے۔ اس نقصان کی شدت کا اندازہ آپ تو نہیں کر سکیں گے لیکن میں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ مذہب اسلام ان شیوخ کی وجہ سے مسخ ہو کر رہ جائے گا۔''

خلیفہء وقت نے بڑی بے تابی، بے چینی اور مایوسی کے عالم میں کہا:

''خلیل! تمہارے خیال میں اس مسئلے کا کیا حل ہے؟ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

خلیل نے جھٹ سے جواب دیا:

''یا امیر المومنین! خدا آپ کا اقتدار تا قیامت سلامت رکھے اور میری عمر بھی آپ کو لگا دے۔ میری ناقص رائے میں اس مسئلے کا واحد حل یہی ہے کہ ان تینوں شیوخ کو سرِعام قتل کرا دیا جائے تا کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔''

خلیفہء وقت نے کچھ دیر کے لیے سوچا اور پھر اس سے پوچھا:

''کیا اس عمل سے اور اس قتل سے ان شیوخ کے بے شمار عقیدت مند ہمارے خلاف علمِ بغاوت تو بلند نہیں کریں گے؟ اگر عوامی ردِعمل ہوا تو پھر کیا ہوگا کیونکہ ان شیوخ کا عوام الناس میں

کافی اثر و رسوخ ہے اور لوگ انہیں اپنے مرشد و مربی اور رہبر و رہنما مانتے ہیں؟''

خلیل نے از حد وثوق بھرے لہجے اور پُر اعتماد و پُر زور الفاظ میں کہا۔

''یا امیر المومنین! آپ کسی قسم کی فکر نہ کیجیے۔ یہ بات مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ عوام الناس کو قائل و مائل کرنا میرا کام ہے۔ میرے پاس ان شیوخ کے خلاف ٹھوس دلائل ہیں جنہیں کوئی بھی جھٹلا نہیں سکے گا۔''

خلیفہء وقت نے خلیل کی باتوں پر کامل یقین کرتے ہوئے کسی تحقیق و تفتیش کے بغیر فوری طور پر حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ رقام رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابوحمزہ بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے قتل کے احکامات جاری کر دیئے۔

خلیفہء وقت کی جانب سے شاہی مہر کے ساتھ یہ احکامات جیسے ہی حاکمِ شہر تک پہنچے تو اس نے فوری طور پر ان تینوں بزرگانِ دین کو گرفتار کر کے اپنے سامنے پیش ہونے کا حکم دیا تا کہ شاہی احکامات کے مطابق انہیں سزا دی جائے اور احکامات پر عمل درآمد کی جوابی اطلاع خلیفہء وقت تک پہنچائی جائے۔

جب حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ رقام رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابو حمزہ بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے حاکمِ شہر کے سامنے پیش کیا گیا تو حاکمِ شہر نے ان تینوں شیوخ سے گرجدار آواز میں پورے رعب و دبدبے کے ساتھ پوچھا:

''تم عوام الناس کو گمراہ کرتے ہو اور لوگوں کے عقائد خراب کر کے دینِ اسلام کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے؟ اب تم اس کا مزہ چکھو۔ تمہارے لیے خلیفہء وقت نے قتل کا حکم نامہ بھیجا ہے اور مجھے اس سزا پر عمل درآمد کے لیے کہا گیا ہے لہٰذا قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ البتہ اپنی موت سے پہلے کچھ کہنا چاہو تو تمہیں اجازت ہے۔''

حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی تحمل اور متانت کے ساتھ کہا:

''واللہ! ہم تینوں نے اس قسم کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ہم نے تو حتیٰ الوسع عوام الناس کو راہِ راست پر لانے اور انہیں خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلانے کی کاوش کی ہے۔ یہ محض ہم پر جھوٹا الزام ہے۔ ہم اس الزام کی بھرپور الفاظ میں تردید کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اس سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ یہ ہمارے خلاف گھناؤنا منصوبہ اور گہری سازش ہے۔ کیا اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے تمہارے پاس یا خلیفہء وقت کے پاس کوئی گواہ موجود ہے؟ کیا اس حکم نامہ کو جاری کرنے سے پہلے کسی قسم کی کوئی تحقیق و تفتیش کی گئی ہے؟ کیا ہم سے اس الزام کے بارے میں پوچھا گیا ہے؟ اور یقینی طور پر یہ سب کچھ نہیں ہوا تو پھر الزام ثابت کس طرح ہو گیا اور سزا بھی سنا دی گئی؟''

حاکمِ شہر نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ کہا۔

"تم لوگ موت کے خوف سے اب جھوٹ بولنے پر اُتر آئے ہو جبکہ اس سلطنت کا ایک ایک فرد تمہاری کارستانیوں اور فتنہ انگیزیوں پر گواہ ہے۔ کوئی ایک گواہ ہو تو اس کا ذکر کیا جائے پورا زمانہ تمہارے خلاف شہادت دے رہا ہے۔"

حضرت شیخ ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"ہم جھوٹے پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ہمیں سچ کے علاوہ کسی بات سے سروکار نہیں۔ ہمیں جھوٹ سے نہ کبھی واسطہ رہا ہے اور نہ رہے گا۔ رب رحمٰن و رحیم نے ہمیں جھوٹ سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھا ہے۔"

حاکمِ شہر نے غضبناک ہو کر کہا۔

"بس اب خاموش ہو جاؤ اور قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تمہاری الٹی سیدھی باتیں سننے کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ مجھے سزا پر فوری عمل درآمد کا حکم ملا ہے۔"

اور پھر حاکمِ شہر کے ایک اشارے پر تین کارندے آگے بڑھے۔ انہوں نے تینوں بزرگانِ دین کے ہاتھ باندھ دیئے جبکہ جلاد نے اپنی شمشیر کو بے نیام کر لیا اور تلوار کو ہوا میں لہراتا ہوا حضرت شیخ رقام رحمۃ اللہ علیہ کی جانب بڑھا کیونکہ وہ اس کی پہنچ میں سب سے قریب کھڑے تھے۔

ابھی وہ حضرت شیخ رقام رحمۃ اللہ علیہ کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے پوری شدت وحدت کے ساتھ چیخ کر کہا:

"جلاد! ادھر میری طرف آؤ اور پہلے مجھے قتل کرو کیونکہ پہلے میرا حق ہے کہ تمہاری تلوار پہلے میرے خون سے تر ہو۔ ادھر آؤ بعد میں دوسروں کی طرف جانا۔"

حضرت شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ کی آواز میں اس قدر جلال تھا کہ جلاد کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے حاکمِ شہر بھی گھبرا سا گیا۔ اس نے حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"شور کیوں مچاتے ہو؟ تمہاری باری بھی آ جائے گی۔ کیا تلوار کی دھار میں ایسی کوئی لذت ہے کہ پہلے تم اسے چکھنا چاہتے ہو؟ موت میں ایسا کیا مزہ ہے؟ موت تو لرزہ طاری کر دینے والی شے ہے۔" حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے ازحد تمکنت و جرأت کے ساتھ کہا:

"واقعی تلوار کی دھار میں لذت ہے اور اس لذت سے سب سے پہلے میں لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔"

حاکمِ شہر نے کہا۔ "مجھے یوں لگتا ہے جیسے موت کے خوف اور تلوار کی دھار کی دہشت نے تمہارے ہوش و حواس چھین لیے ہیں اس لیے تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔"

حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی حوصلے و ہمت کے ساتھ جواب دیا:

"میں مکمل ہوش و حواس میں ہوں بلکہ تم گھبرائے گھبرائے سے لگتے ہو۔"

حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات پر حاکمِ شہر اگرچہ غصے میں آ گیا تاہم یہ حقیقت تھی کہ گھبراہٹ اور سراسیمگی اس کے دل و دماغ اور جسم و جاں کا تیزی کے ساتھ گھیراؤ کیے جا

رہی تھی۔ وہ اک عجیب کیفیت میں مبتلا تھا۔ وہ کچھ بولنا چاہتا تھا۔ حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی بات کا جواب دینا چاہتا تھا مگر وہ بول نہ سکا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی اَن دیکھی قوت نے اس کے ہونٹ سی دیئے ہوں اور اس کی زبان پر تالا لگا دیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب مسلسل و متواتر دیکھے جا رہا تھا اور مکمل خاموش تھا۔

حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے قدرے توقف کے بعد اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"حاکمِ شہر! یاد رکھو کہ میرا مذہب ایثار و قربانی ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے ایثار ایک مردِ درویش کی شان اور آن بان ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ دوسرے انسانوں کی طرح مجھے اپنی جان عزیز نہیں؟ ایسی بات نہیں۔ مجھے بھی اپنی جان سب سے زیادہ عزیز ہے میں بھی جینا چاہتا ہوں۔ مرنے کی خواہش کرنا تو ہمارے دینِ اسلام میں حرام ہے مگر میں چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ یہ چند سانسیں اور یہ چند لمحات جو میری زندگی کی آخری پونجی ہیں انہیں اپنے بھائیوں کی بہتری کے لیے صرف کر دوں۔ آخرت میں تو خدمتِ انسانی نہیں ہو سکتی۔ اک آپا دھاپی کا عالم ہو گا ہر کسی کو اپنی پڑی ہو گی وہاں ایثار کی لذت نہیں ہو گی۔ ایثار اور قربانی کا لطف و مزہ تو صرف اسی دنیا میں ہے۔

اے حاکمِ شہر! میری تجھ سے دست بستہ درخواست ہے کہ مجھے ایثار کی اس بے پایاں لذت سے محروم نہ رکھ۔ تو نے مجھ سے آخری بات اور آخری خواہش پوچھی تھی۔ بس یہی میری آخری خواہش اور آخری بات ہے۔ میں اپنے دوسرے بھائیوں سے پہلے تلوار کی دھار کے نیچے آنا چاہتا ہوں جلاد کو حکم دے کہ وہ کسی توقف کے بغیر میرا سر قلم کر دے۔"

اس سے پہلے کہ حاکمِ شہر کی زبان سے کوئی کلمہ ادا ہوتا، حضرت شیخ رقام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بیک وقت بول پڑے اور دونوں نے یہی کہا کہ وہ سب سے پہلے قتل ہونا چاہتے ہیں۔ حضرت شیخ رقام رحمۃ اللہ کہتے تھے کہ وہ پہلے جلاد کی تلوار کا نشانہ بننا چاہتے ہیں جبکہ حضرت شیخ ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ زوردار آواز میں کہہ رہے تھے کہ انہیں دوسرے ساتھیوں سے پہلے قتل کیا جائے۔

حاکمِ شہر نے یہ صورتِ حال دیکھی تو وہ سناٹے میں آ گیا۔ اب وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ ایسی صورتِ حال میں کیا کرے۔ اس کے سامنے اس کی توقع کے برخلاف منظر تھا۔ وہ سوچ کر آیا تھا کہ تینوں بزرگانِ دین موت کے خوف سے کپکپائیں گے اور رحم کی درخواست کریں گے مگر یہاں تو نظارہ ہی اور تھا۔ ایثار کی اک انوکھی مثال نے اس کے دل و دماغ کو شل کر دیا تھا۔ بالآخر اس نے لب کھولے اور محض اتنا کہا۔

"جلاد! اپنی تلوار نیام میں کر لو۔"

جلاد نے حاکمِ شہر کے حکم کی تعمیل میں تلوار نیام میں ڈال لی اور واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔ اب

اس نے ریاستی کارندوں کو حکم دیا:

''ان تینوں کو قید خانے لے جاؤ اور الگ الگ کال کوٹھڑیوں میں بند کر دو اور میرے اگلے حکم کا انتظار کرو۔''

حاکمِ شہر کے اس حکم کی تعمیل میں حکومتی کارندے آگے بڑھے۔ انہوں نے تینوں بزرگانِ دین کے بندھے ہوئے ہاتھ کھولے اور انہیں اپنے ہمراہ لے کر زنداں پہنچے۔ قید خانہ کے ناظم کو حاکمِ شہر کا زبانی حکم سنایا تو اس نے ان تینوں شیوخ کو الگ الگ تنہا و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر دیا۔

یہ تینوں کوٹھڑیاں انتہائی تنگ، غیر ہوادار اور تاریک تھیں۔ بنیادی طور پر یہ سزائے موت کے لیے منتظر قیدیوں کے لیے بنائی گئی تھیں اور ان تینوں بزرگانِ دین کی بھی یہی صورتِ حال تھی۔ انہیں بھی موت کی سزا ہو چکی تھی جو وقتی طور پر معطل کر کے انہیں ان کوٹھڑیوں میں پہنچایا گیا تھا۔ یہ کوٹھڑیاں اس قدر تنگ تھیں کہ نہ تو وہاں کا مکین سیدھا لیٹ سکتا تھا اور نہ ہی صحیح طریقے سے نماز کی ادائیگی کر سکتا تھا۔ بس محض اتنی جگہ تھی کہ اکڑوں بیٹھا جا سکتا تھا تاہم تینوں بزرگانِ دین نے انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ ان کوٹھڑیوں میں رہنا شروع کر دیا اور ربِ رحمٰن و رحیم کا شکر جاری رکھا۔ عبادت و ریاضت میں بھی کسی قسم کی کوئی کمی نہ آنے دی اور حاکمِ وقت کے نئے حکم کا انتظار کرنے لگے۔

حاکمِ وقت نے تینوں شیوخ کو کال کوٹھڑیوں میں بھیجنے کے بعد خلیفہء وقت کے نام اسی وقت ایک تفصیلی خط لکھا جس میں اس روز واقع ہونے والے حالات کا مکمل نقشہ پیش کیا۔ تینوں بزرگانِ دین کے ایثار و قربانی کی تفصیل بیان کی اور پھر دوٹوک الفاظ میں لکھا کہ:

''امیر المومنین! یہ معاملہ انتہائی گھمبیر اور پیچیدہ و پُرپیچ ہے۔ مجھے اس امر کا قطعی علم نہیں کہ ان شیوخ کے خلاف جو شہادتیں ان کی پھانسی کے حکم کی بنیاد بنی ہیں وہ کس قدر صحیح، کھری اور صداقت پر مبنی ہیں البتہ میری آنکھوں نے جو رنگ وانگ دیکھا ہے وہ انتہائی عجیب و غریب ہے اور اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ ان افراد کے قتل کا حکم قابلِ غور اور لائقِ نظرِ ثانی ہے۔ اگرچہ میں نے ان کی سزا پر عمل درآمد وقتی طور پر روک دیا ہے تاہم آپ کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کر دیا ہے اور آپ کے اگلے حکم کا منتظر ہوں۔ میں نے سزا پر عمل درآمد کو وقتی طور پر روکنے کا عمل دل و دماغ کے ہاتھوں مجبور ہو کر کیا ہے کیونکہ اس وقت جس کیفیت سے میں گزر رہا تھا وہ ناقابلِ بیان ہے تاہم میں اس فعل کے لیے معذرت خواہ ہوں۔''

حاکمِ وقت نے انتہائی برق رفتار اور سرعت آفریں ہرکارے کے ذریعے یہ خط ایک سربمہر لفافے میں خلیفہء وقت کی جانب روانہ کیا اور اسے تاکید کی کہ خلیفہء وقت جس کسی کام میں بھی مصروف ہوں انہیں نہ صرف یہ خط ضروری پہنچانا ہے بلکہ زبانی عرض کرنا ہے کہ وہ اس کا اسی لمحے مطالعہ کریں۔

حاکمِ وقت کا فرستادہ ہرکارہ تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ خلیفہء

وقت کے محل تک پہنچا اسے علم ہوا کہ خلیفہء وقت دربار شاہی سے رخصت ہو کر آرام کرنے کی خاطر محل میں چلے گئے ہیں۔ اس نے خلیفہء وقت کے معتمد خاص کو تمام تر صورتِ حال سے آگاہ و آشنا کیا اور تقاضا کیا کہ خلیفہء وقت کو اس سے ملوایا جائے تاکہ وہ حاکمِ شہر کا بھیجا ہوا خط انہیں پہنچائے۔

معتمد خاص نے ہرکارے سے کہا کہ وہ یہ خط اسے دے دے۔ وہ اس خط کو خلیفہء وقت کے فراغت کے اوقات میں پہنچا دے گا مگر ہرکارہ حاکمِ شہر کی ہدایات کی روشنی میں مُصر رہا کہ وہ یہ خط خود ہی خلیفہء وقت تک پہنچائے گا اور اسی لمحے پہنچائے گا چاہے اسے اس کی کوئی بھی قیمت ادا کرنا پڑے۔

معتمد خاص نے جب صورتِ حال کی نزاکت دیکھی تو اس نے چار و ناچار خلیفہء وقت کو مصاحب خاص کے ذریعے سے اطلاع بھجوائی چنانچہ خلیفہء وقت نے ہرکارے کو اندر ہی بلا لیا اور اس سے حاکمِ شہر کا بھیجا ہوا سربمہر خط وصول کیا۔ خلیفہء وقت سمجھ گیا کہ ضرور کوئی نازک صورتِ حال ہوگی جس کی وجہ سے حاکمِ شہر نے ہرکارے کو ایسی ہدایات دی ہیں۔

ہرکارے نے حاکمِ شہر کے حکم کے مطابق خلیفہء وقت سے دست بستہ عرض کی کہ اس خط کو ابھی اور اسی وقت ملاحظہ کیا جائے تو بہتر ہوگا کیونکہ حاکمِ شہر کی درخواست یہی ہے کہ اس خط کو کسی تاخیر کے بغیر ہی مطالعہ کیا جائے۔

خلیفہء وقت نے ہرکارے کو جانے کی اجازت دی اور پھر تخلیہ میں جا کر حاکمِ شہر کی طرف سے بھیجے ہوئے خط کے مندرجات کا غور سے مطالعہ کیا تو وہ یک دم سکتے میں آ گیا۔ اس پر اک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی اور اس کی زبان سے بے اختیار نکلا:

''واللہ! کیا میری سلطنت میں اس کردار کے لوگ بھی موجود ہیں؟''

تب خلیفہء وقت نے چند لمحات کے لیے سوچا اور پھر قاصد خاص کو بلوایا۔ خلیفہء وقت نے قاصد خاص کو حکم دیا کہ:

''اسی لمحے حاکمِ شہر کے پاس جاؤ اور اس کو میرا یہ حکم سناؤ کہ تینوں شیوخ کو جیل خانہ سے رہا کرو۔ ان کا قتل موقوف کر دو اور انہیں فوری طور پر میرے پاس میرے دربار میں روانہ کرو۔ میں ان سے ابھی ملاقات چاہتا ہوں۔ اس کام میں کسی قسم کی تاخیر لائقِ تعزیر ہوگی۔''

حاکمِ شہر کو جیسے ہی قاصد خاص کے ذریعے سے خلیفہء وقت کا پیغام ملا تو اس نے فوری طور پر حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ رقام رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابوحمزہ رحمتہ اللہ علیہ کو خلیفہء وقت کے دربار میں بغداد روانہ کر دیا۔ اس کے لیے اس نے انتہائی بااعتماد کارندوں کی خدمات حاصل کیں جنہیں ازحد تیز رفتار گھوڑے فراہم کیے گئے۔

جب تینوں شیوخ دربار شاہی میں پہنچنے کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو حاکمِ شہر کے چہرے پر اک ناقابلِ بیان اطمینان و سکون تھا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ جو کچھ اس نے محسوس کیا ہے

خلیفہ وقت بھی ان تینوں بزرگانِ دین سے ملاقات کے بعد وہی محسوس کرے گا اور رب رحمٰن و رحیم کی جو مرضی و منشا ہوئی وہی ہوگا۔ حاکمِ شہر کو امیدِ واثق اور بھرپور توقع تھی کہ ان تینوں شیوخ کی جان بخشی ہو جائے گی کیونکہ آثار و قرائن یہی بتا رہے تھے۔

تینوں بزرگانِ دین کو فوری طور پر دربار شاہی میں پہنچا دیا گیا۔ اس لمحے خلیفہ وقت کا دربار اپنے عروج پر تھا۔ اراکین سلطنت موجود تھے۔ مصاحبینِ خاص اور مشیران خاص بھی حاضر تھے۔ جیسے ہی تینوں شیوخ دربار شاہی میں داخل ہوئے تو خلیفہ وقت نے دیکھا کہ ان تینوں بزرگانِ دین کے چہروں پر انتہائی اطمینان و سکون تھا۔ ان کے لباس اگرچہ پیوند زدہ تھے، جسم نحیف تھے مگر ان میں بلا کی ہمت و حوصلہ اور اعتماد و وقار تھا۔ ان کی جبینوں سے عبادت و ریاضت کی وجہ سے اک خاص قسم کی چمک ہویدا تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان کے چہروں کے گرد نور کا اک ہالہ ہو۔ غربت اور کسمپرسی کی حالت میں بھی ان کی اک نرالی شان اور آن بان تھی۔ بقول اقبال ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں۔

خلیفہ وقت نے کچھ دیر کے لیے تینوں شیوخ کو سر سے لے کر پاؤں تک غور سے دیکھا۔ پھر اس کی آواز دربار میں گونجی:

"کیا تم لوگ حاجت مند ہو اور مجھ سے کوئی توقع رکھتے ہو؟"

حضرت شیخ رقام رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے جواب دیا اور انتہائی جرأت و جسارت کے ساتھ کہا:

"اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے بالیقین ہم ضرورت مند ہیں اور آپ سے توقع رکھتے ہیں۔"

حضرت شیخ رقام رحمتہ اللہ علیہ کے اس جواب سے خلیفہ وقت بے اختیار کھلکھلا اٹھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ لوگ اس سے رحم کی اپیل کریں گے۔ اپنی جان بخشی کی درخواست کریں گے اور اپنی رہائی کی التجا کریں گے۔

خلیفہ وقت نے پورے جاہ و جلال اور رعب و تمکنت کے ساتھ اعلان کیا کہ:

"اگر میں تمہاری ضرورت و حاجت پوری کرنے کی صلاحیت و سکت رکھتا ہوں تو یقیناً تمہاری حاجت پوری کی جائے گی۔ تم بلا تاخیر بیان کرو۔ ما بدولت ہمہ تن گوش ہیں۔"

اب حضرت شیخ ابوحمزہ بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے قدرے شوخ و گرجدار آواز میں کہا:

"ہماری حاجت یہی ہے کہ ہمیں دوبارہ دربار میں حاضری کی زحمت نہ دی جائے۔ ہمیں فراموش کر دیا جائے۔ ہمیں تمہاری کسی قسم کی رعایت و حمایت کی قطعی ضرورت نہیں۔"

اپنی توقع کے برخلاف جواب سن کر خلیفہ وقت حیران و ششدر ہو کر رہ گیا۔ اک عجیب قسم کی پریشانی بھی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اس کے خیال و خواب میں بھی نہیں تھا کہ یہ گدڑی پوش لوگ اس قدر جرأت و استقامت کا مظاہرہ کریں گے۔

اس سے پہلے کہ خلیفہ وقت کچھ کہتا حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"آپ کا ہم پر یہ احسان ہوگا کہ ہمیں سراسر فراموش کر دیا جائے اور پھر کبھی دربار میں نہ بلایا جائے البتہ آپ کا جو حکم سزا ہوگا اس کی تعمیل و تکمیل میں ہم مکمل تعاون کریں گے۔"

خلیفہ وقت پر اک سکتہ سا طاری ہو گیا۔ اس کی زبان جواب دے گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کہے۔ ان بزرگانِ دین کی اس بات کے جواب میں کیا بولے۔ وہ خاموش ہی ہو کر رہ گیا۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے اپنے معتمد خاص کو اشارہ کیا کہ تینوں بزرگانِ دین کو عطیات اور نذرانوں سے نوازا جائے۔ معتمد خاص نذرانے لے کر حاضر ہوا تو تینوں شیوخ نے انتہائی سختی کے ساتھ انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے محض اتنا کہا کہ:

"جس قدر جلد ممکن ہو ہمیں یہاں سے جانے کی اجازت دی جائے۔ اس دربار میں تو ہمارا دم گھٹ رہا ہے۔" اور پھر خلیفہ وقت نے ان تینوں بزرگانِ دین کے جذبات و احساسات کا احترام کرتے ہوئے انہیں انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ دربار سے رخصت کیا۔

جب حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ رقام رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابو حمزہ بغدادی رحمتہ اللہ علیہ دربار شاہی سے جانے لگے تو خلیفہ وقت نے ان سے اپنے حق میں دعا کرنے کی درخواست کی جس پر ان تینوں نے یک زبان ہو کر کہا:

"جو رب کریم و عظیم چاہے گا وہی ہوگا۔"

اور جب تینوں بزرگانِ دین دربار شاہی سے تشریف لے گئے تو خلیفہ وقت نے اپنے غلام خلیل کو زبردست ڈانٹ پلائی اور کہا:

"بدبخت انسان! تو کس قدر کمینہ و شیطان ہے کہ ان برگزیدہ ہستیوں کے خون سے میرے ہاتھ رنگین کرنا چاہتا تھا۔ روزِ قیامت میں رب تعالیٰ کو کیا جواب دیتا۔ بدنصیب! تو یہاں سے نکل جا اور پھر ادھر کبھی نہ آنا۔ تجھے شہر بدر کیا جاتا ہے۔"

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے حاضرینِ مجلس کو یہ واقعہ سنایا تو انہیں ایثار و قربانی کے مفہوم و مطلب کے ساتھ ساتھ جرأت و استقامت کی بھی سمجھ آ گئی۔ یوں انتہائی دلچسپ و دل نشیں پیرائے میں حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے حاضرینِ مجلس کو وہ کچھ سمجھا دیا کہ جو وہ سمجھنا چاہتے تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کا یہ اندازِ تدریس و خطابت از حد مقبول تھا اور لوگ دور دور سے سننے کے لیے آتے تھے۔

تمام انبیاء و اولیاء کی طرح حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ بھی حاسدین و مخالفین و ناقدین کی زد سے محفوظ و مامون نہیں تھے۔ اگرچہ آپؒ کے ناقدین و مخالفین کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی تاہم وہ لوگ ہمہ وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ کسی طرح آپؒ کو عوام الناس کی نظروں سے گرایا جائے۔ ان کو آپؒ کی عزت و مقبولیت ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی اور وہ آپؒ کی ہر

بات میں خواہ مخواہ کے کیڑے نکالنے کی ناکام و نامراد کوشش و کاوش کرتے تھے لیکن یہ رب کریم و عظیم کا آپؒ پر خاص لطف و کرم تھا کہ آپؒ ہمیشہ ان کے وار کا ایسا منہ توڑ اور دندان شکن جواب دیتے تھے کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے تھے۔

جس مجلس میں حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے ایثار و قربانی کے موضوع کی وضاحت کے لیے تین بزرگانِ دین کا واقعہ سنایا تو اس مجلس میں بھی حسبِ معمول ناقدین موجود تھے۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ جب یہ واقعہ سنا چکے تو حاضرین مجلس میں موجود ناقدین میں سے ایک ناقد نے آپؒ کو لاجواب کرنے کی بدنیتی کی غرض سے آپؒ سے کہا کہ آپؒ اس حوالے سے کوئی اور واقعہ سنائیں تو پھر سونے پر سہاگا ہوگا۔ اس کو یہ بدگمانی تھی کہ شاید ایثار و قربانی کے حوالے سے آپ کے پاس بیان کرنے کو صرف ایک ہی واقعہ ہے اور یوں آپ دوسرا واقعہ نہیں سنا پائیں گے تو عوام الناس کی نظروں میں آپؒ کی توقیر و تعظیم کم ہو جائے گی۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ناقد کے تقاضا پر بلاتوقف ایک اور واقعہ سناتے ہوئے حاضرین مجلس کو بتایا:

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دس درویش محوِ سفر تھے۔ راستے میں ایک گھنا جنگل پڑتا تھا۔ وہ لوگ اس جنگل میں ایسے پھنسے کہ راستہ بھول گئے اور ایک جگہ پر بیٹھ گئے۔ سخت گرمی کا عالم تھا۔ سورج کی حدت و حرارت جسم و جان کو جلائے دیتی تھی۔ ان کے پاس جس قدر پانی کا ذخیرہ زادِ راہ کے طور پر تھا وہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ کھانے کو بھی کچھ باقی نہ بچا۔ انہوں نے ایک بار پھر راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اب وہ اس قدر نحیف و نزار ہو چکے تھے کہ رفتہ رفتہ موت ان کے قریب آتی جا رہی تھی۔

تمام درویش جب مرنے کے قریب ہوئے تو انہوں نے اپنے زادِ سفر کو اچھی طرح ٹٹولا تاکہ کچھ کھانے کو نہیں تو دو گھونٹ پانی پینے ہی کو مل جائے کہ جس سے ان کی جان بچ جائے۔ بالآخر انہیں چند گھونٹ پانی اپنے زادِ سفر میں سے مل گیا مگر پانی اتنا ہی تھا کہ اس سے صرف اور صرف ایک ہی شخص کی پیاس بجھ سکتی تھی۔

جب اس پانی کے استعمال کا وقت آیا تو تمام درویشوں نے ایک دوسرے کے لیے قربانی دی اور ایثار کا مظاہرہ کیا۔ حتیٰ کہ نو درویش موت کی وادی میں چلے گئے کیونکہ ہر ایک کہتا تھا کہ دوسرے کو پانی پلاؤ۔ مجھ سے زیادہ اسے ضرورت ہے اور جب دوسرے کے پاس پانی لے جایا جاتا تھا تو وہ تیسرے کی آواز سن کر اس کی طرف اشارہ کر دیتا تھا۔ بالآخر دسویں درویش نے وہ پانی پی لیا اور یوں اس کی جان بچ گئی۔

کسی نے اس سے پوچھا کہ تم نے پانی کیوں پیا؟ تو اس نے کہا۔

''اگر میں پانی نہ پیتا اور پیاسا مر جاتا تو میں خودکشی کا مرتکب ہوتا اور آخرت میں میری گرفت

ہوتی کیونکہ اپنی جان بچانا ہر کسی پر لازم ہے۔ میرے دوسرے ساتھیوں نے ایک دوسرے کے لیے ایثار کیا اور موت کو قبول کر لیا مگر میں کس کے لیے ایثار کرتا کیونکہ گیارہواں شخص موجود نہیں تھا چنانچہ شریعت نے مجھ پر لازم کیا کہ میں پانی پی لوں اور اپنے آپ کو جان بوجھ کر ہلاک نہ کروں۔''

خطابت کی لطافت کے ساتھ ساتھ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر کی طاقت و استطاعت سے بھی عوام الناس کی تعلیم و تربیت کا جاندار انداز میں کام لیا۔ آپؒ کی بلاغت خیز اور فصاحت آمیز تحریروں کا مجموعہ ''کشف المحجوب'' کے نام سے عالمی شہرت کا حامل ہے جس میں آپؒ کا حسن دانش و تدبر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ہمرکاب جلوہ گر ہے۔

''کشف المحجوب'' کیا ہے اک جہانِ فکر و نظر ہے جس میں صاحبانِ عقل و خرد کے لیے اسلامی موضوعات کے مختلف گوشوں کے متنوع رنگ حیرت و مسرت کی ملی جلی فضا میں اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ یہ مجموعۂ تحریر ہر سطح کے قاری کے لیے یکساں مفید و معتبر ہے اور اس کی افادیت ہر دور میں مسلّمہ رہی ہے اور رہے گی۔

''کشف المحجوب'' میں حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے معجزہ اور کرامت کا فرق انتہائی خوبصورت اور مدلل انداز میں بیان کیا ہے۔ آپؒ کی تحریر کے مطابق معجزہ کا ثمرہ غیر کی طرف لوٹتا ہے جبکہ کرامت کی افادیت زیادہ تر صاحبِ کرامت کے لیے ہوتی ہے مزید یہ کہ معجزہ کا حامل اپنے معجزہ کا بھرپور اعتماد کے ساتھ یقین رکھتا ہے جبکہ کرامت کا حامل یہ یقین کرنے میں متامل ہوتا ہے کہ وہ کرامت ہے یا استدراج کی کوئی کیفیت ہے۔ ایک اور نکتہ یہ ہے کہ معجزہ کا حامل رب علیم و خبیر کے حکم سے شریعت کے امر و نہی میں بصورت ترتیب تصرف کرتا ہے مگر صاحبِ کرامت کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ تسلیم و رضا اور قبول احکام کا عملی مظاہرہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی ولی اللہ کی کرامت نبی مکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے کسی بھی حکم کے خلاف نہیں ہو سکتی۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ معجزہ کے حوالے سے مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض اوقات کسی کافر و مشرک کے ہاتھوں معجزہ یا کرامت کے مثل کوئی کام رو بہ عمل آتا ہے اور اس کی صورت بھی ایسی ہوتی ہے کہ اس میں شک و شبہ کی کسی قسم کی گنجائش و احتمال بھی نہیں ہوتا اور کوئی بھی شخص اسے جھوٹا ثابت نہیں کر سکتا۔

اس ضمن میں آپؒ نے فرعون کی مثال دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے چار سو سال کی زندگی پائی تھی اور زندگی بھی ایسی کہ اسے تمام عمر کسی قسم کی کوئی بھی بیماری نہ ہوئی۔ پانی اس کے پیچھے اونچا ہوتا تھا اور جب وہ کھڑا ہوتا تھا تو پانی بھی ٹھہر جاتا تھا اور جب وہ چلتا تھا تو پانی بھی چلنے لگتا تھا۔ اسی طرح اور بھی خوارق عادات افعال کی صلاحیت رب وحدہٗ لاشریک نے اسے ودیعت کی ہوئی تھی۔

اس کے ان تمام اعمال و افعال اور قوت و استطاعت پر صاحبانِ عقل و دانش کے لیے معترض ہونے

کی کوئی بھی گنجائش نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے خدائی دعویٰ کیا ہوا تھا۔

اسی طرح ہمیں نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے قریبی دور میں دجال نامی شخص ظاہر ہوگا۔ وہ بھی خدائی کا دعویدار ہوگا۔ اس کے پاس بھی خوارق عادات صلاحیتیں ہوں گی۔ اس کے دائیں اور بائیں ایک ایک پہاڑ چل رہا ہوگا۔ دائیں جانب کے پہاڑ پر انتہائی عمدہ اور قیمتی و نایاب نعمتیں ہوں گی۔ جبکہ بائیں جانب کے پہاڑ پر عذاب وعقوبت کا ہمہ قسم کا سامان ہوگا۔ وہ اپنے ماننے والوں پر نوازشات کی بارش کرے گا اور اپنے مخالفین کو سخت سے سخت ترین سزائیں دے گا۔ اور یہ تمام تر صورتِ حال رب وحدہٗ لاشریک کے ماننے والوں کے لیے آزمائش ہوگی۔ اگر وہ اس آزمائش میں پورے اُتریں گے تو اپنی آخرت سنوار لیں گے لیکن ناکامی کی صورت میں اپنی عاقبت خراب کرلیں گے۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''کشف المحجوب'' میں معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ سبق آموز حکایات کے حوالے بھی دیئے ہیں تاکہ قاری کی اصلاح وفلاح خاص شریعت محمدیہ کے مطابق ہو سکے۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک دن ایسا ہوا کہ صحابہ عظامؓ نے ہادی کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی ادب وانکسار کے ساتھ عرض کی:

''یارسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پہلی اُمتوں کی عجیب وغریب باتوں اور واقعات سے کچھ سنایئے تاکہ ہم اس سے سبق حاصل کرکے اپنی زندگیاں سنوار سکیں۔''

رب بصیر وخبیر کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے انہیں ایک دلچسپ مگر سبق آموز واقعہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا:

تین افراد ایک خاص منزل کی جانب عازم سفر ہوئے۔ راستے میں ایک بیابان وسنسان جنگل پڑتا تھا جو چہار جانب سے اونچے اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ تینوں اشخاص نے بہت کوشش وکاوش کی کہ رات ہونے سے پہلے منزل مقصود پر پہنچ جائیں مگر جنگل کا راستہ اس قدر پُر پیچ اور اجنبی تھا کہ عازمینِ سفر کو رات جنگل ہی میں گزارنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ اس جنگل میں آدم خور جانوروں کے باعث رات کا سفر خطرے سے خالی نہیں تھا۔

تینوں افراد نے محفوظ جائے پناہ تلاش کرنا شروع کی۔ بالآخر انہیں ایک پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹا سا غار نظر آیا جو رات گزارنے کے لیے انہیں کافی تھا۔ انہوں نے غار کو پتھروں اور تنکوں سے صاف کیا اور اس میں داخل ہو کر بیٹھ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ تھوڑی دیر میں سو جائیں گے اور صبح اٹھ کر پھر سفر جاری رکھیں گے۔

مگر ابھی وہ غار کے اندر بیٹھے ہی تھے کہ موسم نے رنگ بدلا۔ تیز ہوا کے جھکڑ چلنے لگے تاہم وہ غار کے اندر محفوظ تھے لیکن انہیں نیند نہیں آرہی تھی۔ انہوں نے اپنی پسند کی گفتگو شروع کردی۔ رات تقریباً آدھی گزری تھی کہ یکا یک پہاڑ سے ایک بڑا سا پتھر لڑھکا اور سیدھا غار کے منہ پر آکر جم گیا جس کی وجہ سے غار سے باہر نکلنا بالکل دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوگیا۔

اب تینوں افراد نے محسوس کیا کہ وہ کسی صورت بھی باہر نہیں نکل سکیں گے اور اسی غار میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دیں گے کیونکہ پتھر اتنا وزنی تھا کہ تینوں مل کر پوری قوت وطاقت لگانے کے باوجود بھی اسے تھوڑا سا بھی سرکا نہیں سکتے تھے۔

اس صورتِ حال میں انہوں نے ہوش وحواس قائم رکھے اور عقل کے گھوڑے دوڑانا شروع کیے۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ ان کے ذہن میں ایک ترکیب آئی کہ ان میں سے ہر ایک فرد اپنی حیاتِ ناپائیدار کے ناقابلِ فراموش نیک کام کا واسطہ دے کر رب کریم ورحیم سے ملتجی ہو کہ اگر اس کا وہ کام رب تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں قبولیت کی سند حاصل کرچکا ہے تو اس کو مدنظر رکھتے ہوئے غار کے منہ پر براجمان پتھر کو ہٹا دیا جائے۔

انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ باری باری اپنا واقعہ بیان کرکے رب رحمان ورحیم سے درخواست پذیر ہوں گے اور چونکہ رب کریم وعظیم کی رحمت بے پایاں سے مایوسی گناہ ہے اس لیے اس کی رحمت وشفقت کی دعا کریں گے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی مرضی ومنشا ہوئی تو ان کی یہ دعا والتجا ضرور قبولیت کا درجہ حاصل کرے گی اور غار کے منہ کا پتھر ہٹ جائے گا جس کے باعث وہ صحیح سلامت باہر نکل آئیں گے اور اپنی منزل مقصود کی جانب محوِ سفر ہوں گے۔

اب پہلے شخص نے اپنا ایک عمل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ:

میرے ماں باپ جب زندہ سلامت تھے تو اس وقت میرے پاس چند بکریوں کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ میں اپنے والدین کو ان بکریوں کا دودھ پلایا کرتا تھا اور روزانہ جنگل سے لکڑیوں کا ایک گٹھا کاٹ کر بازار میں اسے بیچ کر سامان خورد ونوش لاتا تھا اور والدین کو پیش کرتا تھا۔ وہ اسے کھاتے پیتے تھے اور میرے لیے ڈھیروں دعائیں کرتے تھے۔

ایک رات ایسا ہوا کہ مجھے بازار میں دیر ہوگئی بہرحال میں پوری سرعت کے ساتھ گھر پہنچا۔ گھر پہنچ کر میں نے بکریوں کا دودھ نکالا اور پھر روٹیوں کو ایک پیالے میں ٹکڑے ٹکڑے کرکے ڈالا۔ ان ٹکڑوں پر دودھ ڈال کر انہیں اچھی طرح بھگویا تاکہ میرے بوڑھے والدین انہیں آسانی کے ساتھ کھا سکیں۔

جب میں دودھ اور روٹی کے ٹکڑوں سے بھرا پیالہ لے کر ماں باپ کے کمرے میں گیا تو وہ سو چکے تھے۔ میں نے انہیں اٹھانا مناسب نہ سمجھا بلکہ پیالہ ہاتھوں میں لے کر ان کے اٹھنے اور جاگنے کا انتظار کرنے لگا۔ میں نے سارا دن خود بھی کچھ نہ کھایا تھا۔ مجھے سخت بھوک لگی تھی مگر میری فطرت و

حمیت نے یہ گوارانہ کیا کہ میرے والدین بھوکے سوئے ہوں اور میں خود اپنا پیٹ بھرلوں۔

پیالہ ہاتھ میں لیے کھڑا رہا حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ مؤذن نے اللہ اکبر اور حی علی الصلوٰۃ کی صدا لگائی تو میرے والدین جاگ گئے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو میں نے جلدی سے انہیں کھانا کھلایا اور بعد میں خود کھایا۔ اس کے بعد ہم نے نمازِ فجر ادا کی۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد اس شخص نے بارگاہِ رب العزت میں دست بستہ دعا والتجا کی:

"اے رب العالمین! تُو غفار وستار ہے۔ تُو غفور ورحیم ہے۔ اگر تیری بارگاہ میں میرا یہ حقیر سا عمل قبول ومقبول ہے تو پتھر کو غار کے منہ سے ہٹا دے اور ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا۔"

اس شخص نے دعا والتجا کے لیے اٹھے ہاتھ ابھی نیچے نہیں کیے تھے کہ غار کے منہ پر پڑا پتھر تقریباً ایک تہائی جگہ سے ہٹ گیا۔ یہ دیکھ کر اس شخص کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل آئے اور وہ رب وحدہٗ لاشریک کا شکرانہ ادا کرنے کے لیے سجدہ میں گر گیا۔

اب دوسرے شخص نے اپنا نیک عمل بیان کرتے ہوئے کہا:

میرے چچا کی ایک لڑکی تھی۔ وہ ازحد خوبصورت تھی۔ میں اس پر فریفتہ تھا۔ ایک رات مجھے خلوت میں اس سے ملنے کا موقع ملا۔ میں اس کے قریب جانا ہی چاہتا تھا کہ مجھے خوفِ الٰہی نے گھیر لیا اور میں نے اپنا شیطانی ارادہ ترک کر دیا۔

اے دو جہان کے مالک! اگر میرا یہ عمل تیری بارگاہِ رحمت میں قبولیت حاصل کر چکا ہے تو ہمیں اپنی عنایات اور فضل وکرم سے اس مصیبت سے نجات دلا اور غار کے منہ سے پتھر کو ہٹا۔

دوسرے شخص کی دعا والتجا سے پتھر مزید ہٹ گیا مگر غار کے منہ پر اس قدر جگہ پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ افراد باہر نکل سکتے تاہم دوسرے شخص نے بھی شکرانہ ادا کیا اور بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو گیا۔

اب دونوں اشخاص نے تیسرے ساتھی سے تقاضا کیا کہ وہ اپنا کوئی چیدہ نیک عمل بیان کرے تاکہ سارا پتھر ہی ہٹ جائے اور وہ بحسن وخوبی غار سے باہر نکل سکیں۔

تیسرے شخص نے اپنی بات شروع کی اور کہا:

کسی دور میں میرے پاس مزدوروں کی ایک جماعت کام کرتی تھی۔ وہ لوگ کچھ روز میرا کام کرتے رہے بالآخر میرا کام ختم ہو گیا تو میں نے طے شدہ معاہدہ کے مطابق مزدوروں میں مزدوری تقسیم کی اور ان کے کام کے حساب سے انہیں رقم ادا کی۔ تمام مزدوروں نے اپنی اجرت وصول کر لی مگر ایک مزدور کسی وجہ کے بغیر وہاں سے غائب ہو گیا۔ اس کی مزدوری میرے پاس رہ گئی۔ میں نے اسے بہت تلاش کیا۔ مگر وہ نہ ملا۔ بالآخر میں نے اس کی اجرت کی رقم سے اس کے نام کی ایک بکری خرید لی۔ اس کی بکری میری بکریوں کے ساتھ چرتی رہی۔

سال گزرا تو ایک بکری سے دو بکریاں ہو گئیں۔ اگلے سال چار ہو گئیں یوں چند سالوں میں اس کا بہت سارا ریوڑ جمع ہو گیا۔ میں نے مقدور بھر اس مزدور کے مال کی حفاظت ونگرانی کی اور انتظار

میں رہا کہ جب بھی وہ آئے گا تو اسے اس کا مال لوٹاؤں گا۔

آخر کار ایک روز وہ مزدور یکایک میرے پاس آیا اور مجھے اپنا کام یاد دلا کر اپنی اجرت طلب کی۔ وہ اس وقت سخت ضرورت وحاجت کی حالت میں تھا۔ میں اسے ریوڑ کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ یہ تمام تر ریوڑ اس کا ہے۔ اس نے سمجھا کہ شاید میں مذاق کر رہا ہوں مگر جب میں نے اسے تمام تر صورتِ حال سے آگاہ وآشنا کیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا اور میرے اصرار پر تمام مال لے کر چلا گیا۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد تیسرے ساتھی نے دعا والتجا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی:

"اے مالک الملک! تُو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ رب العالمین ہے۔ تُو باقی ہے۔ تیرے سوا سب کو فنا ہے۔ اگر میرا یہ عمل کسی طرح بھی نیکی کے زمرے میں آتا ہے اور تُو نے اسے قبول ومقبول فرما لیا ہے تو پتھر کو غار کے منہ سے مکمل طور پر ہٹا دے تاکہ ہم اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔ میرے پاس زندگی بھر کا یہی عمل تھا جو میں نے بیان کر دیا ہے۔ اب تیری رحمت کا طالب ہوں۔"

اور پھر چشمِ فلک نے دیکھا اور تینوں محبوس افراد نے بھی دیکھا کہ غار کا منہ مکمل طور پر کھل چکا تھا۔ پتھر بالکل ہٹ چکا تھا۔ اب وہ تینوں دوست بہ آسانی غار سے نکلے اور اپنی منزلِ مقصود کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب "کشف المحجوب" میں اولیائے کرام کے واقعات بھی بیان کیے ہیں۔ آپؒ کے نزدیک ولی اللہ وہی ہوتا ہے جو ہر طرح کے لالچ اور نفس کی حرص سے عاری ہو۔ اسرارِ خداوندی سے آگاہ ہو۔ دنیاوی مال ودولت سے قطعی طور پر بے نیاز ہو کر صرف رب کریم وعظیم کی ذاتِ باری سے محبت کرتا ہو۔ وہ سوائے ذاتِ خداوندی کے کسی سے نہ ڈرتا ہو اور عبادت وریاضت اس کا اوڑھنا بچھونا ہو۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے خطوط کے ذریعے سے بھی تعلیم وتبلیغ جاری رکھی۔ آپؒ نے اپنے مریدین اور دوستوں کو جو بھی خطوط لکھے ان میں سوائے اشاعتِ اسلام اور تلقین ونصیحت کے اور کچھ نہ لکھا۔ آپؒ نے مریدین اور دوستوں کے ساتھ ساتھ مختلف امراء، سلاطین، شیوخ، اولیائے کرام اور صاحبانِ علم ومعرفت کو بھی خطوط لکھے۔ مثلاً لالہ بیگ کے نام ایک خط میں آپؒ نے لکھا:

"خدائے بزرگ وبرتر ہماری اور تمہاری غیرتِ اسلامی میں اضافہ فرمائے۔ تقریباً ایک صدی سے اسلام کی غربت اور پستی اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ بلادِ اسلام میں کفار صرف احکام کفر کے اجراء پر راضی نہیں ہوتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکامات سراسر مٹ جائیں اور مسلمانی کا کسی قسم کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔

"کفار کی جرأت و جسارت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائرِ اسلام کے اظہار کی دلیری کرتا ہے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ ذبیحہ گائے جو ہندوستان میں اسلام کے شعائر میں سے ہے اس کی اب صورتِ حال یہ ہے کہ کفار شاید جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو جائیں مگر ذبیحہ گائے پر کبھی راضی نہ ہوں گے۔ ابتدائے بادشاہت ہی میں اگر مسلمانی رواج پذیر ہو گئی اور مسلمانوں نے کچھ حیثیت پیدا کر لی تو ٹھیک ورنہ اگر معاملہ سُستی اور توقف میں پڑ گیا تو مسلمانوں پر سخت برے دن آ جائیں گے۔"

"الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث! رب رحمٰن و رحیم کی بارگاہ میں فریاد، فریاد، پھر فریاد، فریاد دیکھئے کون صاحب قسمت اس دولت ترویجِ اسلام سے سرفراز ہوتا ہے اور کس شہباز کا ہاتھ اس دولت تک پہنچتا ہے۔ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ وہ ہمیں اور تمہیں نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام۔"

اسی طرح جمال الدین کے نام ایک مکتوب میں حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"دنیا کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس میں گرفتار نہیں ہونا چاہیے۔ یہ مت سوچو کہ کیا آیا اور کیا گیا، کیا کہا اور کیا سنا۔ مقصود تو دوسری چیز ہے جو گفت و شنید اور دید و شہود سے منزہ و مبرا ہے۔ انسان کی ہمت بلند ہونی چاہیے۔ کرنے والا کام تو دوسرا ہے۔ دنیا تو سب خواب و خیال ہے۔ خواب میں اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے تو وہ نفس الامر میں بادشاہ نہیں ہے لیکن اس طرح کے خواب سے بلند مراتب کے حصول کی امیدواری مترشح ہوتی ہے۔"

جہاں تک ترویج کا معاملہ ہے تو "سوانح حیات علی ہجویری" میں مولوی محمد دین فوق لکھتے ہیں:

"حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ البتہ انہوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا۔ مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا اور میں عیال کی محبت میں دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا۔"

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپؒ کم عمری ہی میں مناکحت کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپؒ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان ہی کی موجودگی میں ہوئی ہوگی بلکہ یقیناً ان ہی کے اصرار پر ہوئی ہوگی کیونکہ آپؒ نے "کشف المحجوب" اور "کشف الاسرار" میں عورتوں سے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی پناہ طلب کی ہے اور ان کی ذات کو فتنہ و فساد کا مخزن قرار دیا ہے۔

دوسری شادی کے بارے آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا۔ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے کہ حق تعالیٰ

نے اپنی کمال مہربانی اور رحمت سے مجھے خلاصی عطا کی۔"

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت "ابوالحسن" سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسن آپؒ کا بیٹا تھا اور پہلی بیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ بعض محققین اور سیرت نگاروں کی رائے کے مطابق آپؒ کے فرزند حسن کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔

الغرض قدرت نے آپؒ کو اہل و عیال کی زنجیروں سے آزاد کر دیا اور آپؒ پورے انہماک و اشتیاق اور ذوق و شوق کے ساتھ عبادت و ریاضت اور تلاشِ حق میں مشغول و مستغرق ہو گئے۔

☆======☆======☆

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت و ریاضت کے استغراق کے ساتھ ساتھ تدریس و تبلیغ بھی جاری رکھنے کا عزم کیا تو آپؒ نے دیکھا کہ ہندوستان میں نوع بہ نوع فرقے اپنی اپنی بولی بول رہے تھے۔ بت پرستی کے ہمرکاب ہندو قوم ذات پات کی تقسیم میں بُری طرح الجھی ہوئی تھی۔ ستارہ پرست اپنا راگ الگ الاپ رہے تھے جب کہ آتش پرست بھی دھیرے دھیرے بڑھ رہے تھے۔

ہندوستان میں زیادہ تعداد ہندوؤں کی تھی جن کے ہاں تخلیقِ کائنات اور خالقِ کائنات کا تصور ناقابلِ فہم مفروضوں پر مبنی تھا۔ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے قابلِ اصلاح ماحول میں فلاحِ انسانیت کا بیڑہ اٹھایا اور ببانگ دہل رب ذوالجلال اور اس کی وحدانیت کو بیان کیا تو عوام الناس نے آپؒ کی سچی اور کھری باتوں پر غور و فکر کرنا شروع کر دیا۔ آپؒ نے کسی فرقے کے عقیدے کو ہدفِ تنقید بنانے کی بجائے عقائدِ اسلام کو دلائل کے ساتھ بیان کیا تو آپؒ کی باتیں لوگوں کے دلوں پر اثر کرنے لگیں۔ بقول اقبالؒ:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

رب وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے تصورِ آخرت پر بھی خاص طور پر بات کی کیونکہ ہندوازم میں تناسخ اور آواگون کے عجیب و غریب نظریات و عقائد تھے۔ ہندوازم کے مطابق انسان کی آتما کبھی کتے کے جسم میں حلول کرتی تھی تو کبھی گدھے کی شکل میں اگلا جنم لیتی تھی۔ آپؒ نے قرآن مجید فرقان حمید اور سنت و حدیث رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں تصورِ آخرت اور عقیدہ بعد از موت کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے جزا و سزا کا مدلل تجزیہ و تلخیص پیش کی تو سننے والوں کے دلوں پر گہرا اثر ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ سچ اگر چہ وقتی طور پر کڑوا اور تلخ ہوتا ہے مگر فتح بالیقین آخر کار سچ ہی کی ہوتی ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے سچائی کو متانت و محبت کے ساتھ پیش کیا تو جھوٹ و فریب کی بنیادوں پر استوار کچی اینٹوں کے پختہ محل جلد ہی زمین بوس ہو گئے۔ ہندوازم

کے ذات پات کے نظام نے آپؒ کی بڑی معاونت کی۔ وہ لوگ جو شودر اور ملیچھ سمجھ کر برہمنوں کی خاکِ پا سے بھی بدتر سمجھے جاتے تھے انہیں اسلام نے برابری کے حقوق کا مژدہ سنایا تو لوگ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ وہ تو برسوں سے کسی ایسے نظام کی تلاش میں تھے جو انہیں ذات پات کی ناپاک و کربناک زنجیروں سے آزاد کرا سکے۔ ایسے تمام افراد رفتہ رفتہ آپؒ کے گرد جمع ہونے لگے۔

عدل و انصاف ہر فرد کے دل کی آواز ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے کچلے ہوئے طبقے کو دینِ اسلام میں عدل و انصاف اپنی تمام تر تابانی اور جلوہ سامانی کے ساتھ نظر آیا تو ان کے من میں خوشیوں کے پھول کھل اٹھے اور انہوں نے برہمنوں کی ناانصافیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ٹھان لی۔

اسی طرح طہارت و پاکیزگی کا جو درس حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دیا اس نے ہندوؤں کی اکثریت کے دل موہ لئے۔ ہندوؤں کے ہاں گائے کا بول و براز پاک تصور کیا جاتا ہے مگر حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے دینِ اسلام کا جو تصورِ طہارت پیش کیا تو وہ انہیں فطرتِ انسانی کے عین قریب لگا اور یوں وہ غیر فطری مذہب کو چھوڑ کر دینِ فطرت اختیار کرنے میں خوشی محسوس کرنے لگے۔

ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی صفائی و پاکیزگی کا تصور بھی اسلام کے بنیادی شعائر میں شامل ہے جب کہ ہندوازم میں یہ تصور غیر فطری اور متضاد توانین کا مرقع تھا جس سے ہندوؤں کی اکثریت اگرچہ دلی طور پر بے زار تھی مگر اپنے دل کی بات زبان پر لانے سے ہر کوئی کتراتا تھا۔ خاص طور پر نچلی ذات کے ہندو اس صورتِ حال کو بخوبی جانتے اور سمجھتے تھے۔ جب سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے ہندوازم پر براہ راست تنقید و طنز کیے بغیر صاف اور شفاف انداز میں دینِ اسلام کے بنیادی نکات بیان کئے تو نچلی ذات کے ہندوؤں کو خاص طور پر احساس ہوا اور یوں گویا ان کے دبے ہوئے جذبات و محسوسات کو زبان مل گئی۔

ہندوازم کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کرنے کے بعد حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بات بڑی شدت وحدت کے ساتھ محسوس کی کہ ہندوازم میں رسومات کی بھرمار ہے۔ ان رسومات کو توڑنے کے لئے آپؒ نے کافی غور و فکر کیا اور بالآخر آپؒ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان رسومات کو تصوف کے ذریعے باطل قرار دے کر ان کا خاتمہ کیا جائے۔ اس صورتِ حال کے بہتر نتائج کے لئے جہاں آپؒ نے تقریر و تبلیغ سے کام لیا وہاں اس موضوع پر ایک معرکتہ الآرا کتاب ''کشف المحجوب'' یعنی تصوف کے اسرار و رموز کو کھول کر بیان کرنے والی کتاب تحریر کی۔ اس کتاب میں آپؒ نے ان غیر اسلامی نظریات کی بھی نشاندہی کر دی جو کسی نہ کسی طور اُمتِ مسلمہ میں داخل ہو گئے تھے۔

ہر مکتبہ فکر نے اس کتاب کو از حد پسند کیا۔ یہ کتاب اُس دور میں بھی بہت پڑھی گئی اور بعد میں

آنے والے ہر دور میں اس نے پذیرائی حاصل کی بلکہ موجودہ دور میں تو اس کی از حد ضرورت و اہمیت ہے۔ اس کتاب میں اثباتِ علم سے لے کر آدابِ سماع تک کل 39 باب ہیں۔ یہ کتاب حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اگرچہ فارسی زبان میں تحریر کی تاہم اس کا اردو ترجمہ بلکہ تراجم بھی کئے گئے ہیں تا کہ اس کی افادیت سے ہر سطح کا قاری مستفید و مستفیض ہو سکے۔

''کشف المحجوب'' کا پہلا باب علم کی ماہیت سے متعلق ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ علم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ علم ہی نے حیوانِ ناطق کو آدمیت و انسانیت کا ارفع و اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔ اسی علم کی بنا پر ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا۔ جہاں تک راہِ سلوک کا تعلق ہے تو علم ہی سالک کے مقامات کو اوجِ ثریا تک پہنچاتا ہے مگر المیہ یہ ہے کہ جس دینِ اسلام نے علم کا حصول بنیادی فریضہ قرار دیا اسی کے ماننے والے علم کے حصول میں زیادہ پُر جوش و پُر ہوش نہیں رہے۔ انہوں نے علم کو وہ اہمیت نہیں دی جو کہ وقت کا تقاضا تھا۔ علم کا منبع و سرچشمہ خدائے وحدۂ لاشریک کی ذات پاک ہے۔ علم کی افادیت تب ہی حاصل کی جا سکتی ہے جب حاصل شدہ علم پر عمل بھی کیا جائے۔ علم بغیر عمل کے بے کار و بے سود ہے۔

خالق اور مخلوق کے علم کی مثال ایسے ہے جیسے بے کراں بحر کے مقابل پانی کا محض ایک قطرہ ہو۔ علم اگر نفع نہیں پہنچا رہا تو یا تو علم میں خرابی ہو گی یا عالم میں کوئی نقص یا خامی ہو گی ورنہ علم ہر صورت نفع پہنچاتا ہے۔ علم نہ صرف ظاہر کو سنوارتا ہے بلکہ باطن کو بھی منور کرتا ہے۔ بغیر روشن باطن کے ظاہر منافقت کے سوا کچھ نہیں۔ علم حقیقت ہی اصل علم ہے اور یہ وہ علم ہے جو رب وحدۂ لاشریک سے آشنائی و آگاہی عطا کرتا ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہری اور باطنی علم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرا نامکمل ہے۔ قلب و روح کی زندگی کے لئے دونوں علوم کا ہونا از حد ضروری ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے ''کشف المحجوب'' کے دوسرے باب کو ''فقر'' کے موضوع پر بحث کے لئے مختص کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ فقر سے مراد ایسی فقیری نہیں جو پیشہ ور گدائی کے زمرے میں آتی ہو۔ گداگری ایک ایسی لعنت ہے جس سے پیچھا چھڑانا عین عبادت ہے۔ مگر مقامِ افسوس ہے کہ آج ہماری قوم اس لعنت میں بُری طرح پھنسی ہوئی ہے۔

آپؒ لکھتے ہیں کہ فقر دراصل بے نیازی کا نام ہے۔ ہونا یا نہ ہونا ایک فقیر کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے لئے مال و دولت کی کوئی وقعت و اہمیت نہیں ہوتی۔ اس کے لئے تنگ دستی و تنگ دامنی وجہ ندامت نہیں ہوتی بلکہ باعثِ اعزاز ہوتی ہے۔ دراصل سچا اور کھرا فقر ہی ایسی کیفیت عطا کرتا ہے جس میں فقیر پر اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ وہ مال و دولت سے دور بھاگتا ہے تو رب کریم و رحیم کا لطفِ خفی اس کا انعام ٹھہرتا ہے۔

کوئی بھی فرد اس وقت ہی کامل فقیر بن سکتا ہے جب اس کے لئے پوری کائنات ایک مچھر

کے پر کے برابر حیثیت اختیار کر جائے۔ جہاں تک غنا کا تعلق ہے تو یہ صفت صرف اور صرف ذاتِ باری تعالیٰ سے مخصوص و مختص ہے۔ البتہ جسے رب قادر و قدیر چاہے اس کا غنی ہونا محال نہیں ہوتا مگر غنائے بندہ کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے جب کہ غنائے الٰہی سبب سے بے نیاز ہوتی ہے۔

''کشف المحجوب'' کے تیسرے باب میں صوفی کی اہلیت و حقیقت پر بحث کی گئی ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ صوفی کی تشریح و توضیح مختلف مشائخ نے مختلف انداز میں کی ہے۔ ایک گروہ کے خیال میں صوف یعنی ادنیٰ لباس زیب تن کرنے والا صوفی کہلاتا ہے۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ صفِ اول میں رہنے والا صوفی کہلاتا ہے۔ تیسرے گروہ کے مطابق صوفی کا تعلق اصحاب صفہ سے ہے جب کہ چوتھا گروہ یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ اسم صفا سے صوفی کا لفظ نکلا ہے اور یوں صفا کا حامل ہی صوفی ہوتا ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ان چاروں گروہوں کے خیالات و نظریات سے متفق نہیں۔ آپؒ کے نزدیک صوفی صرف اور صرف وہی فرد کہلا سکتا ہے جو ماسوا کے خیال سے منزہ اور کدورت سے مبرا دل رکھنے والا ہو اور اپنی ذات کو فنافی الذات کر کے بقا حاصل کر لے جب کہ اس مقام کے حصول کے لئے ریاضت و مجاہدہ سے کام لے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے حوالے سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر کی تائید و توثیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد آٹھ فضائل پر ایستادہ ہے۔ ان فضائل میں:

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سخاوت۔
(2) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رضا۔
(3) حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر۔
(4) حضرت زکریا علیہ السلام کے اشارات۔
(5) حضرت یحییٰ علیہ السلام کی غربت۔
(6) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیاحی۔
(7) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیرہن اور
(8) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر شامل ہیں۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

''تصوف صرف علوم و رسوم کا نام نہیں بلکہ یہ ایک خالص اخلاقی رویہ ہے اور یہ وہ اخلاقی رویہ ہے جو صوفی کا خلقِ خدا سے ہوتا ہے۔ یہ رویہ عبادت و ریاضت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔''

''کشف المحجوب'' کے چوتھے باب میں حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے لباسِ صوفی کو موضوع بحث بنایا ہے۔ آپؒ نے تصوف کی آٹھوں شرائط پوری کئے بغیر صوفی

کی گدڑی پہننے والے کو ہدفِ ملامت بنایا ہے اور اسے انتہائی حقارت سے دیکھا ہے۔

آپؒ واضح طور پر لکھتے ہیں کہ:

''صوفی کی گدڑی پہننے کی شرطِ اولیں تو یہ ہے کہ کوئی بھی فرد یہ لباس از خود پہننے کا قطعی مجاز نہیں۔ برسوں کی تعلیم و تربیت کے بعد مرشد و مربی اور رہبر و رہنما کا یہ کام ہے کہ وہ چاہے تو اپنے شاگردِ رشید کو گدڑی پہنائے۔ اس کے بعد گدڑی پہننے والے پر لازم ہے کہ وہ دنیاوی آسائشات و لذات سے مکمل کنارہ کشی کرے اور ایسے سمجھے جیسے اس نے گدڑی نہیں پہنی بلکہ کفن پہن لیا ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اس امر پر ازحد افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ میں بہروپیے صوفیوں نے اپنی مخفی کارستانیوں کی بدولت دینِ اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے حالانکہ یہ لوگ محض مسلمان کی تعریف میں بھی نہیں آتے کیونکہ مسلمان تو وہ ہے جو کسی کو دھوکہ دیتا ہے نہ فریب سے کام لیتا ہے۔

''کشف المحجوب'' کا چھٹا باب ''ملامت'' کے متنازع موضوع کا احاطہ کرتا ہے۔ آپؒ کے نزدیک ملامت قابلِ نفرت نہیں کیونکہ بندے کو خلقِ خدا کا طوق رسوائی پہنانے سے اس کی خوابیدہ و پوشیدہ صلاحیتوں کو نہ صرف تقویت ملتی ہے بلکہ اس کے من کا میل اور ذہن کا غرور بھی پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ یوں اس پر اسرار و رموز کا انکشاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لوگ تو عشق مجازی میں رسوائی کو باعثِ اعزاز گردانتے ہیں پھر اگر عشقِ حقیقی میں رسوائی ملے تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں بلکہ یہ عشق کی معراج کی منزل ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ملامت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تصوف کی زبان میں ملامت اسے کہتے ہیں جب بندہ کے تعلقات خالق سے خوشگوار ہوں مگر مخلوقِ خدا اسے رسوا کرے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ''ملامت'' کے حوالے سے مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ملامت میں صرف ایک بات کا خیال ضرور رکھا جائے کہ اس سے مخلوقِ خدا کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔ مخلوق خدا کی ملامت کو برداشت کرتے ہوئے خالق کی غلامی میں اپنی استعداد و امکان سے بھی بڑھ کر ڈوب جانا اصل جوہر ملامت ہے۔ ملامتی طرزِ استدلال یہی ہے کہ ریاکاری کا ذرا سا بھی شائبہ ہو تو نمود و نمائش کے تمام بتوں کو توڑ کر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے مخلوق خدا تمہیں زاہد و عابد گردان کر تمہاری عزت و وقعت نہ کرے بلکہ تمہیں گناہ گار و خطاکار و روسیاہ کار سمجھ کر تم پر ملامت کے تیر برسائے۔ من کو مارنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ورنہ انسان غرور کی سیڑھی پر قدم رکھ کر اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے اور اپنی عبادت و ریاضت کی تعریف و توصیف سن کر خوش ہوتا ہے اور اس بات پر پھولا نہیں سماتا کہ لوگ اسے صوفی، ولی اور حاجی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بات رب تعالیٰ کے نزدیک احسن نہیں ہے۔

''کشف المحجوب'' کے مسلسل سات ابواب صوفیا کے فرقوں اور ان کے متفرق عقائد کی بحث پر مشتمل ہیں۔ آپؒ نے ہر فرقے پر سیر حاصل ناقدانہ نظر ڈالی ہے اور پوری تحقیق کے ساتھ اپنی رائے قائم کی ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے ''رضا'' کے موضوع پر بھی پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

''سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ بندے کی رضا اور خدا تعالیٰ کی رضا میں مکمل فرق و امتیاز کرے اور یاد رکھے کہ رضائے ربی مجسم عطا ہی عطا ہے جب کہ رضائے بشر محض سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ سجدے کا کمال یہی ہے کہ جسم کے ساتھ دل بھی سجدہ کرے اور اس میں روح کا میلان بھی شامل رہے۔ عطائے ربانی پر راضی ہونا مقامِ معرفت ہے البتہ معرفت کے مقامات کے حصول کے لالچ سے بے نیاز ہو کر رب وحدہٗ لاشریک کی محبت کا دم بھرنا ہی اصل عشق الٰہی ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے ''کشف المحجوب'' میں ''فنا اور بقا'' کے موضوع پر بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ آپؒ کے نزدیک:

''ملت اسلامیہ کا یہ نظریہ غلط ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات کا مٹا دینا اور بقا سے مراد ذاتِ الٰہی سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے حالانکہ قدیم اور حادث، خالق اور مخلوق، صانع اور مصنوع باہم کبھی بھی متحد نہیں ہو سکتے۔ ذاتِ باری تعالیٰ میں حلول محال ہے۔ جہاں تک فنا کا تعلق ہے تو اس سے مراد شہوت و لذات کو یکسر ختم کر کے بشری تقاضوں سے بالکل جدا ہو جانا ہے۔ سادہ لفظوں میں دنیاوی تعلقات سے کنارہ کشی اختیار کرنا فنا ہے جب کہ مشیتِ ایزدی و رضائے الٰہی پر راضی ہو کر سرِ تسلیم خم کرنا بقا ہے۔ چونکہ باری تعالیٰ کو فنا نہیں لہٰذا اس نسبت کی بنا پر بندے کو بھی بقا کا حصول ہو جاتا ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اپنی معرکتہ الآرا کتاب ''کشف المحجوب'' میں فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر قرار دیتے ہیں۔ آپؒ بہ بانگِ دہل اعلان کرتے ہیں کہ فانی پیکر کو ازلی ابدی ذات کے مساوی قرار دینا نہ صرف کفر ہے بلکہ ذہنی دیوالیہ پن سے بھی نیچے کا درجہ ہے۔

راہِ سلوک میں حجابات کے حوالے سے بھی حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے ''کشف المحجوب'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ آپؒ کی تحقیق کے مطابق راہِ سلوک میں حجابات کی تعداد بارہ ہے جن میں پہلا حجاب معرفت یا عرفان ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی رائے میں معرفت یا عرفان ذات الٰہی خالق کی نگاہِ کرم سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس حوالے سے مدینتہ الحکمت کے باب عظیم حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ۔

''میں نے رب تعالیٰ کو رب تعالیٰ ہی کے وسیلے سے پہچانا۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اس عقیدے کا پرچار کرتے ہیں کہ علم اور عقل کے وسیلے سے ذاتِ الٰہی کی پہچان نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو ہر عالم اور عاقل نورِ معرفت کا حامل ہوتا جب کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ معرفت الٰہی محض عطیۂ الٰہی ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ آپؒ نے اس گروہ کو سخت تنقید کا ہدف بنایا ہے جن کے نزدیک معرفتِ الٰہی علم اور عقل کے وسیلے سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

معرفت کے حوالے سے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کا ایک بصیرت افروز و سبق آموز قول بھی نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق:

''معرفت کسی بات یا عمل پر تعجب نہ کرنے کا نام ہے کیونکہ تعجب اور حیرانی تو اس بات یا عمل پر ہوتی ہے جو طاقت و قدرت اور استطاعت و مقدور سے ماورا ہو لیکن ربِ قادر و قدیر تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ذاتِ باری ہر کمال کی قدرت رکھتی ہے تو پھر حیرانی اور استعجاب کس بات پر؟''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے معرفت کے ضمن میں کافی تفصیل بیان کی ہے اور تشریح و توضیح کرتے ہوئے سیر حاصل بات کی ہے۔ اس حوالے سے آپؒ نے حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان بھی بیان کیا ہے۔ حضرت ذوالنون مُصری رحمتہ اللہ علیہ معرفت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''رب وحدہٗ لاشریک کے مسلسل و متواتر الطاف و اکرام اور عنایت و انعام کی بدولت جب خفیہ و پوشیدہ اور سربستہ رازوں کا انکشاف ہوتا ہے تو اسے معرفت کا نام دیا جاتا ہے۔ معرفت سے دل و دماغ منور و منزہ ہو جاتے ہیں اور بصیرت کی نعمت اوجِ کمال حاصل کر لیتی ہے جو صاحبِ عرفان و معرفت کو ہمہ قسم کی آفات سے محفوظ و مامون رکھتی ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے معرفت الٰہی کے باب میں ''مشیت الٰہی'' کا تذکرہ بھی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی مرضی و منشا کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ چاہے تو تمام گناہوں کو بخش دے اور نہ چاہے تو دل و دماغ پر گمراہی کے پردے گرا دے۔ مشیتِ الٰہی پر مکمل و اکمل اور مضبوط و مستحکم یقین و ایمان ہی مومن کی پہچان ہے۔ اسی ایمان کی کمزوری کے باعث اُمتِ مسلمہ ہمیشہ انتشار و نفاق کا شکار رہی ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے معرفت و عرفان کے حصول کا پہلا زینہ مشیتِ الٰہی پر ایمان کو قرار دیا ہے اور اسے مسلمان کی پہلی نشانی بتایا ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے راہِ سلوک کے بارہ حجابات میں دوسرا حجاب توحید کو قرار دیا ہے۔ توحید کی توضیح و تشریح مختلف حکما و فضلا نے اپنے اپنے انداز میں اور اپنی اپنی فکر و سوچ کے مطابق کی ہے۔ مگر حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی وضاحت

انتہائی منفرد بھی ہے اور ازحد جامع بھی۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ:

”توحید کے ضمن میں تین باتیں قابلِ غور ہیں اور ان ہی تین ستونوں پر توحید کی عمارت ایستادہ ہے۔ اول یہ کہ رب وحدہٗ لاشریک کو اپنی وحدانیت و یکتائی کا خود بھی احساس ہے۔ دوئم یہ کہ خدائے واحد اپنی وحدانیت کو تسلیم کرنے کا واضح حکم دیتا ہے اور سوئم یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اشرف المخلوقات تخلیق انسان کے قلب کے گوشے میں وحدانیت کا عرفان رکھ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راہِ سلوک ومعرفت کا مسافر جب منزل پر پہنچتا ہے تو اسے اس حقیقت کا عرفان حاصل ہوتا ہے کہ خالق لامحدود ہے جب کہ مخلوق محدود ہے۔ خالق اطراف کی قید سے مبرا ہے اور مکان کی قید سے منزّہ ہے۔ مزید یہ کہ رب قادر وقدیر کی ذات وصفات تغیر پذیر نہیں۔“

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک تیسرے حجاب کا نام ایمان ہے۔ آپؒ اس معرفت کو نا قابلِ قبول گردانتے ہیں جس میں بندگی نہ ہو، عشقِ الٰہی نہ ہو۔ آپؒ شوقِ عبادت اور محبتِ الٰہی کو معرفت کا نام دیتے ہیں۔ آپؒ کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ جس میں اطاعت نہ ہو وہ اعلانِ محبت جھوٹا ہے۔ عبادت وریاضت ہی عشقِ الٰہی کی نشانی ہے اور یہ کہ بعض لوگوں کا یہ نظریہ مطلقاً غلط ہے کہ بندگی وعاجزی اور عبادت وریاضت کی ضرورت محض عرفان ومعرفت کے حصول تک ہے بلکہ سچے اور کھرے مومن کے ایمان کا بنیادی تقاضا یہی ہے کہ وہ عرفان معرفت کی سعادت کے بعد عبادت وریاضت میں مسلسل اضافہ کرے۔ یہی اس کے ایمان کی صداقت کی نشانی ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے طہارت کو راہِ سلوک کا چوتھا حجاب قرار دیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ:

”ایمان کے بعد طہارت و پاکیزگی کا درجہ ہے مگر طہارت ظاہر و باطن دونوں کی ہونا ضروری ہے۔ طہارت محض ظاہری صفائی ستھرائی کا نام نہیں بلکہ جب تک قلب و ذہن مطہر و اطہر نہ ہوں طہارت صحیح معنوں میں حاصل نہیں کی جاسکتی۔ باطنی طہارت دراصل قلب و ذہن کا شکوک وشبہات سے پاکیزہ ومنزہ ہونا ہے جس کے بغیر حصول معرفت قطعی طور پر ناممکن ہے۔“

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ طہارت کے بارے میں مزید تفصیل لکھتے ہوئے اپنا نظریہ بیان کرتے ہیں کہ:

”طہارت کا آغاز وافتتاح بنیادی طور پر توبہ سے ہوتا ہے۔ جب کوئی فرد احکاماتِ الٰہی کو نظر انداز کرنے پر ندامت وتاسف محسوس کرتا ہے اور دوبارہ ان احکامات کو نظر انداز کرنے کا خیال تک دل میں نہیں لاتا تو وہ توبہ کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ ندامت کا احساس جس قدر اُجاگر ہوگا احکاماتِ الٰہی کی اطاعت اسی قدر پختہ ہوگی اور یہ احساسِ ندامت ہی ہے جو رب رحمٰن ورحیم کو ازحد پسند ہے۔ یہی احساسِ ندامت ہی رحمتِ الٰہی کو جوش میں لاتا ہے اور ابرِ کرم کو متحرک کرتا ہے۔“

جہاں تک راہِ سلوک کے پانچویں حجاب کا تعلق ہے تو حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش

رحمتہ اللہ علیہ نے نماز کو پانچواں حجاب لکھا ہے۔ آپؒ نے نماز کی ادائیگی کے مختلف مدارج ومراحل کو مختلف درجات وسلوک ومعرفت وحقیقت کا نام دیا ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ:

”نماز میں وضو کرنا دراصل طہارتِ ظاہری ہے جب کہ توبہ طہارتِ باطنی ہے۔ قبلہ رُو ہونا رب وحدہٗ لاشریک سے رابطہ قائم کرنا ہے۔ نماز میں قیام بنیادی طور پر مجاہدہ نفس ہے۔ نماز میں قرأت کرنا ذکرِ الٰہی ہے۔ رکوع دراصل تواضع ہے جب کہ سجدہ معرفتِ نفس ہے۔ اسی طرح تشہد مقامِ محبت ہے اور سلام ان مقامات سے باہر آنے کا نام ہے۔ اصل نماز وہ ہے جب نمازی کا جسم عالم ناسوت میں ہو تو اس کی روح عالم ملکوت تک رسائی حاصل کرلے اور ایسی نماز صرف اور صرف مردانِ حق کو نصیب ہوتی ہے۔“

زکوٰۃ کی ادائیگی کو حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے چھٹا حجاب قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں آپؒ نے ”کشف المحجوب“ میں لکھا ہے کہ:

”سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ زکوٰۃ میں صرف سخی ہی نہیں بلکہ جواد بھی ہو کیونکہ سخی جب سخاوت کرتا ہے تو وہ اس میں کمی بیشی کے حوالے سے امتیاز کا قائل ہوتا ہے جب کہ جواد کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں کرتا اور کسی فرق وتفریق کے بغیر سخاوت کرتا ہے۔“

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ زکوٰۃ کے باب میں بہت زیادہ تفصیلی نکات پر بحث کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ہمہ قسم کے سوالات اور وسوسوں کا مدلل جواب دیتے ہیں۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ:

”زکوٰۃ محض مال ومتاع ہی کی نہیں بلکہ صحت وتندرستی کی بھی ہوتی ہے۔ صحت وتندرستی کی زکوٰۃ یہ ہے کہ سالک کو جس قدر بھی دکھ، غم اور تکلیف کا سامنا ہو وہ کسی قسم کے شکوہ وشکایت کے بجائے شکرو شکرانہ بجا لائے اور ہر دکھ کو من جانب اللہ تبارک وتعالیٰ سمجھتے ہوئے خوشی ومسرت کا اظہار کرے کیونکہ بیمار انسان ہمیشہ خدا کے قرب کا حامل ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ صحت وتندرستی کی زکوٰۃ یہ بھی ہے کہ نسان اپنے تندرست اعضاء کو مزید مصروف عبادت وریاضت رکھے اور لمحہ لمحہ یادالٰہی اور لحظہ لحظہ ذکرِ لٰہی میں گزارے۔ اس سے اس کا باطن پاکیزہ ہوگا اور یہی پاکیزگی اس کے باطن کی زکوٰۃ ہوگی۔“

حدیثِ قدسی کے ذریعے رب کائنات کا فرمان ہے کہ ”روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی ں کی جزا دوں گا۔“ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے روزہ کو راہِ سلوک میں ساتواں حجاب قرار دیا ہے۔ آپؒ نے اس فرد کو صاحب روزہ کہا ہے جو اپنے حواس خمسہ کو ہمہ قسم کی نیاوی خواہشات سے پاک رکھے۔ بھوک سے عاجزی اور انکساری پیدا ہوتی ہے مگر روزہ محض بھوکا ہنے کا نام نہیں بلکہ جملہ حواس کو پابندِ سلاسل کرنے کا نام ہے۔ راہِ سلوک کے مسافر کے لئے روزہ زحد ضروری ہے اور بنیادی تقاضا ہے۔ روزہ عبادت وریاضت کے عمل میں استغراق پیدا کرتا ہے ر شب بیداری کے لئے مہمیز کا کام دیتا ہے۔

آٹھواں حجاب حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک حج ہے۔ آپؒ کے نزدیک سالک ہر قسم کے گناہ سے توبہ تائب ہو کر حج کے سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ وہ جب احرام باندھتا ہے تو دراصل وہ انسانی خواہشات سے کنارہ کشی کا عندیہ دیتا ہے۔ وقوفِ عرفات درحقیقت مشاہدے کا کشف حاصل کرنے کا نام ہے۔ مزدلفہ سے مراد نفس کی تمناؤں کو ترک کرنا ہے اور کعبہ کا طواف جمال الٰہی کا مشاہدہ ہے۔ صفا و مروہ کی دوڑ سے دل کی صفائی ہوتی ہے اور جب حاجی قربانی کرتا ہے تو وہ دراصل ماسوا کی خواہشات کو ذبح کرتا ہے۔ اسی طرح جب سالک دورانِ حج کنکریاں پھینکتا ہے تو وہ حقیقت میں دنیاوی رشتوں سے کسی بھی قسم کے تعلق سے بےزاری کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔"

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اگر سالک کو حج کے دوران میں ایسی کیفیات کا احساس نہیں ہوتا تو وہ یہ سمجھ لے کہ اس کا حج نہیں ہوا۔

"**کشف المحجوب**" کے آخری باب میں حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی حساس موضوع "سماع" پر تفصیلاً بحث کی ہے اور مدلل آفریں انداز میں اپنے عقیدہ کی وضاحت کی ہے۔ آپؒ نے سماع کے لئے انتہائی کڑے اور سخت آداب مقرر کئے ہیں۔ آپؒ کے نزدیک:

"بلا ضرورت محفلِ سماع منعقد کرنا جائز نہیں۔ اس کی ضرورت کا فیصلہ دل کی عدالت کرتی ہے تاہم دو محافلِ سماع کے مابین ایک طویل وقفہ ہونا ضروری ہے تاکہ سماع کی چاہت و محبت اور وقار و اعزاز برقرار رہ سکے۔ محفلِ سماع منعقد کرنے والے سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مرشد و مربی اور رہبر و رہنما کی موجودگی ہی میں محفل سماع منعقد کرے تاکہ اگر کسی بھی وقت سماع کے مقرر کردہ آداب کی خلاف ورزی ہونے لگے تو مرشد اسی لمحے اسے روکنے کے احکامات صادر کر سکے۔ دوسرا یہ کہ مرشد کی موجودگی محفل سماع کی قدر و منزلت بھی بڑھائے گی اور سالک کو اس امر سے بھی روکے گی کہ وہ مرشد کی مرضی و منشا کے بغیر محفل سماع کا انعقاد کر سکے۔"

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ محفلِ سماع کے آداب کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ:

"محفل سماع میں چیدہ چیدہ افراد کی شرکت ہونا چاہئے۔ عوام الناس کو اس محفل میں کبھی بھی مدعو نہیں کرنا چاہئے۔ قوال حضرات کے لئے ضروری ہے کہ وہ فاسق و فاجر نہ ہوں بلکہ باعمل اور باکردار مسلمان ہوں۔ محفل سماع کے دوران میں دل میں دنیاوی خیالات اور فکر و افکار کی بجائے خوف و خشیت الٰہی موجود ہو۔ محفل سماع کبھی بھی اس نیت سے منعقد نہ کی جائے کہ اس سے کھیل تماشا مقصود ہو۔ محفلِ سماع میں نوعمر لڑکوں کا داخلہ قطعی ممنوع ہو اور کسی قسم کا رقص ناجائز اور ناپسندیدہ قرار دیا جائے۔"

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی معرکتہ آلارا کتاب "کشف المحجوب" اسم بامسمّٰی ہے کیونکہ کشف کا لغوی مطلب شرح اور اظہار ہے جب کہ محجوب کا لغوی

مفہوم ہے ایسی بات یا راز جس پر حجاب یعنی پردہ پڑا ہو۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے بنیادی طور پر اس کتاب میں ایسی باتوں اور رازوں کی تشریح و توضیح کی ہے جن پر حجاب پڑا ہوا تھا۔ ویسے بھی صوفیا کی زبان میں کشف اس درجہ کو کہتے ہیں جس پر پہنچ کر اولیا کو غیب کے اسرار و رموز خود بخود معلوم ہونے لگتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اس کتاب میں جن حجابات سے پردہ اٹھایا ہے وہ آپؒ کو کشف کے ذریعے سے معلوم ہوئی ہوں اور اسی بنا پر آپؒ نے اپنی زندۂ جاوید کتاب کا نام "**کشف المحجوب**" رکھا ہو۔ بہر حال حقیقت کچھ بھی ہو اس کتاب میں حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے واقعتاً ایسے نکات کی تشریح و توضیح کی ہے جن کو اس سے پہلے ایسے منفرد اور انوکھے انداز میں بیان نہیں کیا گیا تھا۔ اسی وصف کی بدولت یہ کتاب تاقیامت صاحبانِ علم و دانش کے لئے لائق مطالعہ اور باعث اضافہ علم رہے گی جب کہ ایک عام ذہنی سطح کا قاری بھی اس سے مستفید و مستفیض ہوتا رہے گا۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے "**کشف المحجوب**" کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب تحریر فرمائیں جن میں سے چند کا تعارف بھی پیش کرنے کے لئے ایک وسیع دفتر کی ضرورت ہے تاہم ایک طائرانہ نظر بہر حال ضروری ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی تحریر کردہ ایک کتاب کا نام "منہاج الدین" ہے۔ اس کتاب میں آپؒ نے ان حضرات مکرم صحابہ معظم رضوان اللہ اجمعین کے مناقب و فضائل بیان کئے ہیں جنہوں نے دینِ اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا تھا۔ ان صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو "اہلِ صفہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان صحابہ کرامؓ کی پہلی علمی درس گاہ مسجد نبویؐ کے اندر موجود تھی اور یہی پہلی اسلامی یونیورسٹی تھی۔

"منہاج الدین" کا اسلوب بیان انتہائی سادہ، دلچسپ اور دل نشین ہے۔ الفاظ و تراکیب کا انتخاب برمحل اور برموقع ہے۔ جس بھی صورتِ حال کو بیان کیا ہے اسے از حد مہارت و ذہانت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اہلِ صفہ کی شخصیات کا منظر نامہ اس طرح تحریر کیا گیا ہے جیسے کہ قلم کار وہاں خود موجود ہو۔ یوں حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے بصیرت کو بصارت عطا کی ہے اور بلندئ فکر و خیال کا ایسا شاہکار قلمی نقشہ پیش کیا ہے کہ قاری کتاب کو شروع کرتا ہے تو پڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور یہی کسی کتاب و تحریر کی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

"کتاب الفنا والبقا" حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی ایک اور قابلِ صد تحسین و توصیف کاوش ہے۔ اس کتاب میں فنا اور بقا کی حقیقت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ آپؒ نے اس مایۂ ناز کتاب میں بقا کے لوازمات کی انتہائی خوبصورت انداز میں نشاندہی کی ہے جو قاری کو دعوتِ فکر و عمل دیتی ہے۔ اسی طرح فنا اور بقا کے درجات و مراحل پر بھی محققانہ بحث کتاب کا قابلِ ذکر حصہ ہے جو صاحبانِ علم و دانش کے لئے انتہائی غور طلب ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیق کے نئے

سے نئے در وا کرتی ہے۔

فنا اور بقا کا موضوع ہمیشہ سے زیر بحث رہا ہے اور اس پر مختلف مکاتبِ فکر نے اپنی اپنی تحقیق و جستجو کے مطابق آراء دی ہیں۔ ایک دوسرے کے مخالف و متضاد آراء بھی سامنے آتی رہی ہیں مگر حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اس حساس موضوع پر جس مدلل اور غیر مبحث طریقے سے قلم اٹھایا ہے وہ لاجواب و بے مثال ہے اور کفر و شر کے منہ پر کاری طمانچہ بھی ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن و حدیث کے برمحل حوالوں سے اپنی تحریر کے مستند و باوثوق ہونے پر مہرِ تصدیق لگا دی ہے اور یوں یہ کتاب حوالے کی کتاب بن گئی ہے۔

''اسرار والخرق والمؤنات'' حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی ایک اور قابلِ قدر کاوش ہے۔ اس کتاب میں آپؒ نے خالص علمی مباحث پر اپنی تحقیق پیش کی ہے جو صاحبانِ علم و دانش اور خاص طور پر علمی و فقہی محققین کے بہت سے سوالات کا حل بتانے کے ساتھ ساتھ ان کی تحقیق و جستجو میں بہت ممد و معاون ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی ایک اور کتاب ''کتاب البیان لاہل البصیان'' ہے جو اہلِ بصیرت کے لئے خاص طور پر لکھی گئی ہے۔ اس میں علم بیان پر سیر حاصل بحث کے ساتھ ساتھ ان امور کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جو سابقہ ادوار میں زیر بحث رہے ہیں یا آنے والے ادوار میں زیر بحث آسکتے ہیں۔ یہ کتاب اگرچہ اعلیٰ علمی طبقہ کے لئے لکھی گئی ہے مگر اس کی افادیت ہر ذہنی سطح کے قاری اور ہر مکتبۂ فکر کے طالب علم کے لئے مسلّم ہے۔ اس کتاب کا اسلوبِ بیان حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی دوسری کتابوں سے قدرے مختلف ہے۔ کتاب کی زبان قدرے مشکل ہے اور الفاظ کا انتخاب نسبتاً عام فہم نہیں تاہم اگر نظرِ غائر سے مطالعہ کیا جائے تو تمام مشکلات خود بخود حل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس موضوع پر اگرچہ اور اہلِ قلم نے بھی کتابیں تحریر کی ہیں مگر حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی انفرادیت یہ ہے کہ آپؒ نے سب سے الگ رائے پیش کی ہے اور پورے وثوق و دلیل و حوالے کے ساتھ پیش کی ہے اور دلائل و براہین کے ہمرکاب حوالے بھی ایسے دیئے ہیں کہ جن سے کوئی صاحبِ بصیرت کسی طرح بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ''کشف المحجوب'' کی اہمیت و فضیلت اپنی جگہ پر مسلم ہے مگر ''کتاب البیان لاہل البصیان'' کی اہمیت و فضیلت بھی مسلمہ ہے تاہم ''یہ کتاب'' وہ شہرت حاصل نہیں کرسکی جو ''کشف المحجوب'' کا حصہ ہے۔

''بحرالقلوب'' کے عنوان سے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے واقعتاً علم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر رواں دواں کردیا ہے۔ اہلِ نظر اور اہلِ دل کے لئے یہ کتاب اک نایاب تحفہ سے کم نہیں۔ اس کتاب میں آپؒ نے اگرچہ اسلامی و دینی علوم پر بحث کی ہے اور ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جو اعلیٰ علمی و فکری طبقہ سے متعلق ہیں مگر اس کتاب کی زبان کی سادگی، سلاست اور عام

فہم الفاظ و تراکیب اور سادہ اسلوب نے اسے عام ذہنی سطح کے قاری کی کتاب بھی بنادیا ہے۔ مزید یہ کہ اس سے ہر مکتبہ فکر کا قاری مستفید و مستفیض ہوسکتا ہے کیونکہ اس میں اختلافی مسائل و موضوعات سے مکمل اجتناب برتا گیا ہے۔

''کشف المحجوب'' کی طرح ''کشف الاسرار'' بھی حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی اک یادگار کتاب ہے۔ اگرچہ بعض مؤرخین نے اس کتاب کے بارے میں اپنے اختلافات کا اظہار کیا ہے تاہم زیادہ تر مؤرخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ ''کشف الاسرار'' حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ ہی کی تحریر کردہ کتاب ہے۔ اس کتاب کا عنوان اگرچہ ''کشف المحجوب'' سے ملتا جلتا ہے اور معانی و مفاہیم کے اعتبار سے بھی متماثل ہے تاہم اس کے موضوعات ''کشف المحجوب'' سے مختلف ہیں جب کہ اندازِ تحریر بھی مختلف ہے۔ مؤرخین اس کتاب کو حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی پہلی کتاب گردانتے ہیں جب آپؒ کم سن تھے تو آپؒ نے یہ کتاب تحریر کی تھی۔ یہ کتاب اگرچہ زیادہ ضخیم نہیں تاہم اس کی تحریر انتہائی جاندار، دلچسپ اور معلومات آفریں ہے۔ اس کتاب میں آپؒ نے اپنے چند ذاتی واقعات بھی بیان کئے ہیں اور یوں یہ کتاب آپؒ کی شخصیت کے حوالے سے معلومات کا بہت بڑا ذریعہ اور حوالہ ہے۔

''الرعایہ بحقوق اللہ'' کے عنوان سے بھی حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے ایک کتاب تحریر کی جس میں رب کائنات کی عبادت و ریاضت اور دینی فرائض پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی بنیادی طور پر علمی مباحث سے متعلق ہے اور حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی ذہانت و فراست اور علمی تبحر کی واضح عکاسی و نشاندہی کرتی ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے شاعری بھی کی اور مذہبی خیالات و افکار کو اشعار کے رنگ میں ڈھالا۔ حمد و نعت بھی لکھیں اور چند مناقب بھی تحریر کئے جو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور اولیاء کرامؒ کے بارے تھے مگر شاعری کا کوئی مجموعہ ترتیب دیا یا نہیں اس بارے میں تاریخ کے اوراق خاموش ہیں اور صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ آپؒ کی شاعری کسی طرح بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ یہ اعزاز صرف اور صرف ''کشف المحجوب'' کو حاصل ہے کہ وہ زمانے کی دست بُرد سے محفوظ و مامون رہی اور لمحۂ موجود تک دنیا بھر کے کتب خانوں چاہے وہ سرکاری ہوں یا ذاتی یہ کتاب محفوظ ہے اور پڑھی جارہی ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ تحریر کے ساتھ ساتھ تقریر میں بھی کمال رکھتے تھے۔ آپؒ بڑی اثر انگیز تقریر فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؒ کے حلقۂ ارادت و عقیدت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا مگر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپؒ اپنے عقیدت مندوں سے شاکی رہنے لگے۔ کبھی کبھی جب خاص مریدین محفل میں جمع ہوتے تو آپؒ شکوہ بھرے انداز میں اپنے دل کی

بات کہتے ہوئے فرماتے:

''خدا معلوم کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ لحہ لحہ اس عالم ناپائیدار اور دنیائے فنا کی فکر میں مبتلا رہتے ہیں۔ عالمِ بقا کی فکر نہیں کرتے۔ کوئی اولاد کی درخواست کے لئے حاضر ہوتا ہے تو کوئی کہتا ہے کہ اس کے لئے مال و دولت اور عزت و وقعت کی دعا کرو۔ اگرچہ یہ تمام چیزیں مطلقاً فانی ہیں مگر لوگوں نے انہیں اپنی زندگی کا مقصد و محور بنالیا ہے اور اس وعدے اور عہد کو یکسر بھلا دیا ہے جو ان کی روحوں نے روزِ الست رب کائنات سے کیا تھا۔ آج تک کسی نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ میں اس کے ایمان کی سلامتی کے لیے رب قادر وقدیر کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاؤں۔ کبھی کسی نے درخواست نہیں کی کہ میں اس کے دامن میں علم وحکمت کے موتی انڈیل دوں۔ اب میں رب رحمٰن و رحیم سے فانی چیزوں کے لئے دعا و التجا کرتا کیا اچھا لگتا ہوں؟ مجھے تو رب تعالیٰ سے ایسی چیزیں مانگتے ہوئے شرم آتی ہے مگر عقیدت مندوں کے اصرار اور ان کی دلجوئی کی خاطر ایسا کرنا پڑتا ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ انہی جذبات و احساسات کے باعث اکثر افسردہ و غم زدہ رہا کرتے تھے۔ اگرچہ آپؒ کے مدرسے میں طالب علموں کا ہجوم تھا اور اک ٹھاٹھیں مارتا عوامی سمندر تھا جو زیورِ تعلیم سے آراستہ ہونے کے لئے مدرسہ میں داخل تھا یا داخل ہونے کا خواہش مند تھا مگر جگہ کی قلت کے باعث داخل نہیں ہوسکتا تھا مگر طالب علموں کی بھی وہی صورتِ حال تھی جو آپؒ کے مریدین اور عقیدت مندوں کی تھی۔ کوئی طالب علم بھی اس خاطر مدرسے میں داخل ہوکر علم حاصل نہیں کررہا تھا کہ وہ حصولِ تعلیم کے بعد ہندوستان کے گمراہ عوام کی رہبری و رہنمائی کرے گا اور دینِ اسلام کی ترویج و تبلیغ کرے گا بلکہ ہر ایک کی دنیاوی خواہشات تھیں جن کی تکمیل کی خاطر انہوں نے مدرسہ میں داخلہ لیا تھا۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں کسی بھی شخص سے مالی معاونت یا اور کسی قسم کی اعانت طلب نہ کی تھی اور نہ ہی قبول کی تھی۔ یہی صورتِ حال طالب علموں کی تعلیم و تدریس اور طعام و رہائش کے انتظامات کے حوالے سے تھی۔ کسی بھی طالب علم سے کبھی کوئی فیس یا چندہ وغیرہ وصول نہیں کیا تھا۔ آپؒ نے اس بات کی سختی سے ہدایت کررکھی تھی کہ کسی بھی طالب علم کی طرف سے کسی قسم کی استعانت ممنوع ہے۔ یہ محض دستِ غیب تھا اور رحمت و عنایت خداوندی تھی کہ ہمہ قسم کے اخراجات پورے ہورہے تھے اور تمام ادائیگیاں حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ خود فرماتے تھے۔ آپؒ کا ذریعہ آمدن کیا تھا، اس بارے میں تاریخ خاموش ہے دراصل رب رازق و رزاق کے اولیاء اس قسم کے لوازمات سے اکثر آزاد ہوتے ہیں۔ انہیں رب کی ذات نے ہر میدان میں بہت کچھ عطا کر رکھا ہوتا ہے۔ وہ کبھی بھی کسی فرد کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔ رب کائنات نے تو انہیں دنیا میں اس لئے بھیجا ہوتا ہے کہ وہ دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کریں دنیاوی ضروریات دستِ غیب سے ہی پوری ہوتی رہتی ہیں جس کے لئے رب وحدہٗ لاشریک کا اپنا نظام ہے جس پر تا حال

پردہ پڑا ہے اور اس راز کو صرف اولیاء اللہ ہی جانتے ہیں۔ عام شخص اس سے ناواقف ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اپنے طالب علموں سے شاکی تو رہتے ہی تھے مگر ایک روز اک عجیب واقعہ پیش آیا۔ آپؒ انتہائی انہماک و استغراق کے ساتھ اپنے مدرسہ میں موجود طالب علموں کو درس دے رہے تھے کہ آپؒ کو محسوس ہوا کہ آپؒ کے تلامذہ کے دماغ اگرچہ روشن ہیں مگر ان کے دل اور روحیں خالی ہیں بلکہ ان کے دلوں اور دماغوں میں بُوئے حکومت موجود ہے۔ وہ دنیاوی جاہ وحشمت کے طالب ہیں۔ وہ مال و دولت اور سیم و زر کی چاہت رکھتے ہیں۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو آپؒ نے انتہائی رنجیدہ خاطر ہوکر اپنے طالب علموں سے کہا:

''اے علم کے طلب گارو! میری ایک بات سن لو اور غور سے سن لو کہ یہ دنیا ایک کشتی کی مثال ہے جو پانی پر تیر رہی ہے۔ تمہیں چاہئے کہ تم اس پانی میں غوطہ خور بنو نہ کہ پانی میں غرق ہوجاؤ۔ کسی کا دل رنجیدہ نہ کرو اور اس بات کو کبھی نہ بھلاؤ کہ لالچ وطمع اور حرص و ہوس میں خواری ہے۔ جاہ وحشمت کے طالب مت بنو بلکہ عاجزی و انکساری کی چادر اوڑھ کر رب کائنات کی حمد و ثنا کرتے رہو۔ یہ دنیا فانی ہے۔ اس جہان کی فکر کرو جو پائیدار ہے ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ قناعت اور توکل کو اپنا شعار بناؤ اور اپنے دلوں دماغوں سے دنیا کی طلب یکسر نکال دو۔''

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے خود دینِ اسلام کے لئے جو قربانیاں دیں تھیں ان کی مثال آپؒ کے طالب علموں کے سامنے تھی۔ آپؒ دینِ اسلام کی خاطر اپنی سرزمین اور حلقۂ احباب سے رشتہ منقطع کرکے ایک ایسی سرزمین پر شمع اسلام روشن کرنے کے لئے پہنچے تھے جو دینِ اسلام سے یکسر بے گانہ افراد سے بھری پڑی تھی جہاں ہندوازم کے ماننے والے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ آپؒ نے خانگی زندگی تک سے ناتا توڑ لیا تھا اور اپنے آپ کو مکمل طور پر دینِ اسلام کے لئے وقف کردیا تھا۔

صحیح مرید اور صحیح عقیدت مند وہی ہوتا ہے جو اپنے مرشد و مربی اور رہبر و رہنما کی زندگی سے سبق حاصل کرے اور اس کی تعلیمات و ارشادات پر عمل کرے۔ اسی طرح سچا اور حقیقی طالب علم بھی وہی ہوتا ہے جو اپنے استاد کے نقشِ قدم پر چلے۔ استاد کی باتوں پر کان دھرے اور اس کے فرمودات پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی کو اسی رنگ میں ڈھالے جو کہ استاد کی تعلیمات کے عین مطابق ہو مگر حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے شاگردوں اور آپؒ کے مدرسہ کے طالب علموں نے آپؒ کی بار بار تاکید و تنبیہہ کے باوجود آپؒ کی باتوں پر کوئی خاص توجہ نہ دی اور آپؒ کے احکامات کے مطابق اپنے دلوں اور دماغوں سے عالم ناپائیدار کی خواہش نہ نکالی تو آپؒ نے از حد یاس و غم کے عالم میں بالآخر یہی فیصلہ کیا کہ مدرسہ کو بند کردیا جائے اور وہ دن واقعی بڑا المناک و غمناک تھا جب حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے تمام طالب علموں کو رخصت کرکے مدرسہ بند

کر دیا۔

مدرسہ کی بندش سے پہلے آپؒ نے اپنے شاگردوں سے آخری خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں تم سے کیا شکوہ کروں اور کیا شکایت کروں اور تمہیں کیا کہوں کہ تم نے میرے خلوص کے بدلے میں مجھے کیا دیا؟ مجھے تو تم سے صرف اور صرف یہی چاہئے تھا کہ تم اپنے دل و دماغ سے دنیائے فانی کی حرص و ہوس نکال دو مگر تم ایسا کرنے سے قاصر رہے۔ اب تمہاری یہ حرص و ہوس اور طمع و لالچ تمہیں جس دروازے پر چاہے لے جائے میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ اب میں جو کچھ بھی کہوں گا اپنے مالک و خالق سے کہوں گا کیونکہ وہی قادر و قدیر ہی تقدیروں کا بدلنے والا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تمہاری قسمت اور تمہاری تقدیر کیا ہے؟ مگر میں اتنا کہوں گا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ اب میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔''

اور یہ انتہائی المناک و نمناک حقیقت ہے کہ کسی بھی طالب علم نے آپؒ کے درد کو محسوس نہ کیا اور کسی کو بھی یہ کہنے کی توفیق نہ ہوئی کہ ''استادِ محترم! آپؒ مدرسہ کیوں بند کرتے ہیں!! آپؒ جو چاہتے ہیں ہم اس پر عمل کرنے کو تیار ہیں۔ ہم اپنے قلوب و اذہان سے دنیائے ناپائیدار کی حرص و ہوس نکالنے کو تیار ہیں۔''

اور پھر یہ ہوا کہ تمام طالب علم اٹھ کر چلے گئے۔ کسی نے بھی حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ سے مدرسہ جاری و ساری رکھنے کی درخواست نہ کی۔ کسی نے بھی اپنی اصلاح کرنے کا عندیہ نہ دیا۔ اگر چند شاگرد بھی آپؒ سے گزارش کرتے اور اپنی اصلاح کا وعدہ کرتے تو حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ مدرسہ کو دوبارہ شروع کر دیتے اور اسے بند نہ کرتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کا مدرسہ بند کرنے کا فیصلہ بالکل درست تھا۔ یہی تو وہ قوت و طاقت اور عرفان و کشف ہوتا ہے جو اولیاء اللہ کا خاصا و خصوصیت ہوتی ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مدرسہ کی بندش کے حوالے سے ایک یہ روایت بھی مشہور ہے کہ ایک روز حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ مدرسہ میں درس دے رہے تھے کہ آپؒ نے دیکھا کہ آپؒ کے دو شاگرد آپس میں مصروفِ گفتگو ہیں اور آپؒ کے خطاب کی جانب دھیان نہیں دے رہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کو اگلی صف میں بیٹھے اپنے ان دو تلامذہ کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری۔ آپؒ اسی لمحے خاموش ہو گئے۔ درس دینا بند کر دیا اور چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ان شاگردوں کو انتہائی پُر جلال لہجے میں مخاطب ہو کر کہا:

''میں تو یہاں موجود ہوں مگر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟ تمہارا دھیان کدھر ہے؟ تم لوگ درس کی طرف توجہ کیوں نہیں دے رہے؟ تمہارے اذہان اِدھر متوجہ نہیں بلکہ الٹا تم آپس میں گفتگو بھی کر رہے ہو اور وہ بھی دنیاوی معاملات پر۔ آخر ایسا کیوں کر رہے ہو؟ کیا میں غلط بول رہا ہوں یا تم

غلط سن رہے ہو؟''

اور جیسے ہی آپؒ نے ان شاگردوں سے یہ سوالات کئے وہ اس قدر گھبرائے اور دہشت زدہ ہوئے کہ دونوں آپؒ کے جلال کی تاب نہ لا سکے۔ ان کی نظریں جیسے ہی آپؒ کے پُر جلال چہرے پر پڑیں وہ دونوں ایسے گرے کہ ان کی روحیں قفسِ عنصری سے پرواز کر گئیں اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ولی کا جلال کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ آپؒ کے جلال کی بدولت دو شاگرد لقمۂ اجل ہوئے تو آپؒ اس بات پر رنجیدہ ہوئے اور آپؒ کی رنجیدگی اس حد تک بڑھی کہ آپؒ نے وہ درس گاہ ہی بند کر دی کہ کہیں کل کو پھر ایسا کوئی واقعہ نہ پیش آ جائے۔

مؤرخین کی اکثریت اس واقعے سے متفق نہیں بلکہ سیرت نگاروں کی واضح اکثریت اس امر سے اتفاق کرتی ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں میں دنیا طلبی دیکھ کر مدرسہ بند کر دیا تھا۔

مدرسہ بند کرنے کا آپؒ کو اس قدر قلق اور دکھ ہوا کہ آپؒ ایک عرصہ تک اضطرابی کیفیت میں رہے۔ اک خاص قسم کی بے تابی اور رنجیدگی و ملال تھا جس میں آپؒ ڈوبے رہتے تھے۔ جب آپؒ کی بے چینی میں اضافہ ہو جاتا اور آپؒ انتہائی افسردہ ہو جاتے تو آپؒ شیخ حسام الدین لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے جاتے اور وہاں آپؒ سکون محسوس کرتے۔

حضرت شیخ حسام الدین لاہوی رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' میں لکھتے ہیں کہ:

''جب میں آخری وقت میں حضرت شیخ حسام الدین لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا تو مجھے دیکھ کر انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کے لئے خاتمہ بالخیر کی دعا کروں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے اپنے آخری لمحات میں کوئی نصیحت کیجئے تو انہوں نے فرمایا:

''اے علیؒ! اپنی ذات سے کبھی کسی کو رنجیدہ نہ کرنا۔ آخر دم تک اسی کوشش و کاوش میں رہنا کہ ہر کوئی تم سے خوش رہے۔ جہاں تک ہو سکے لوگوں پر احسان کرنا مگر اس کے باوجود کسی کو اپنا دوست نہ سمجھنا۔ مال اور اولاد کو فتنہ سمجھنا جیسا کہ قرآن پاک میں رب تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد پاک ہے۔ میری طرف دیکھو کہ میں نزع کے عالم میں ہوں مگر کوئی بیٹا اور کوئی رشتہ دار و تعلق دار میری اعانت و استعانت نہیں کر سکتا۔ جو کچھ میں نے عمل کیا ہے وہی میرے سامنے اور وہی میرے آگے آئے گا۔''

تاریخ اس حوالے سے قطعی طو پر خاموش ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کا خلیفہ اکبر کون تھا؟ تاہم یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ آپؒ کی کتاب ''کشف المحجوب'' ہی آپؒ کی خلیفہ اکبر ہے کیونکہ روزِ قیامت تک اسی کتاب کے ذریعے سے ''سلسلہ ہجویریہ'' جاری و ساری رہے گا۔ اگر کسی شخص کو مرشد کامل اور مربی و رہبر کی تلاش ہو تو اسے چاہئے کہ وہ خلوص دل کے ساتھ ''کشف المحجوب'' کا مطالعہ کرے۔ رب کائنات کی مرضی و منشا سے اسے راہِ

ہدایت مل جائے گی۔

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی تاریخ وفات کے متعلق بھی مؤرخین و محققین اور سیرت نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ''سفینتہ الاولیاء'' میں آپؒ کی تاریخِ وفات 456 ہجری یا 454 ہجری بیان کی گئی ہے۔ سیّد عبدالحئی حسنی نے ''نزہتہ الخواطر'' میں لکھا ہے کہ:

''حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ 20 ربیع الثانی 465 ہجری کو لاہور میں فوت ہوئے۔''

مولانا جامی نے ''نفحات الانس'' میں آپؒ کی تاریخ وفات کا ذکر ہی نہیں کیا البتہ صاحبِ ''خزینتہ الاصفیاء'' لکھتے ہیں کہ:

''مختلف تذکرہ نگاروں نے آپؒ کا سال وفات 464 ہجری یا 465 ہجری یا 466 ہجری لکھا ہے۔''

تاہم حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی چار دیواری کے دروازہ پر جو قطعۂ تاریخ وفات درج ہے اس سے 465 ہجری نکلتی ہے۔

خانقاہ علی ہجویری است
خاک جاروب از درش بردار
طوطیا کن بدیدۂ حق بیں
تاشوی واقف در اسرار
چونکہ سردار ملک ۔معنی بود
سال و صلش برآیداز ''سردار''۔

حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ رات رات بھر دربار حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ پر حاضر رہتے تھے اور رب العزت کے حضور دعا و التجا میں مصروف رہتے تھے۔ آپؒ نے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

سیّد ہجویر، مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم
خاک پنجاب ازدم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت
پاسبان عزت اُم الکتاب
از نگاہش خانہ باطل خراب

☆======☆======☆

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ

ولادت ہوئی 582 ہجری میں، تو وصال ہوا 666 ہجری میں...... لقب ''گنج شکر'' تو شہرت نگر نگر...... انتہائی زاہدہ و عابدہ والدہ قرسم خاتون کے نورِ نظر کہ اک خلقت اُمڈتی ہے آپؒ کے ''بہشتی دروازے'' پر...... ہوئے پانچ سال کی عمر میں یتیم مگر شاملِ حال رہی رحمت رب کریم...... اٹھائی آپؒ نے شکر اپنے مصلے کے نیچے سے بصد ادب کہ صرف وہی عطا کرنے والا ہے جو کہ ہے سب کا رب...... آپؒ نے ''اجودھن'' کو بنایا ''پاک پتن'' اور کیے ہندوؤں کے اُجلے تن من...... حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے آپؒ کا سلسلۂ نسب کہ پایا آپؒ نے سخت زہد و تقویٰ سے میدان معرفت میں اعلیٰ منصب...... بقول شیخ جمالیؒ۔

گلِ گلزار انوارِ معانی
دُرِّ دریائے گنج لامکانی
محیطِ معرفت شیخ خدا بیں
بقا باللہ را سلطانِ تمکیں

وہ اس راستے سے روزانہ گزرتی تھی مگر خدا معلوم آج اس کے بڑھتے قدم اس بزرگ شخصیت کو دیکھ کر کیوں رُک گئے تھے۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دکھوں کا مداوا یہی بزرگ فرمائیں گے۔ اس کی دکھ بھری داستان سنیں گے اور کوئی نہ کوئی حل ضرور بتائیں گے۔ ایک انجانی اور غیر محسوس مقناطیسیت کے ساتھ وہ آگے بڑھی اور اس بزرگ شخصیت کے پاس جا کر اُس سے ان کی خیریت دریافت کی اور اپنے مذہب کے مطابق انہیں سلام بھی کیا۔

وہ بزرگ شخصیت تو ہمہ وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتی تھی۔ انہیں خبر نہیں ہوتی تھی کہ سامنے سے کون گزر رہا ہے۔ وہ تو سر جھکائے قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔ یکا یک انہوں نے ایک خاتون کی آواز سُنی تو انہوں نے سر اوپر اُٹھایا۔ سلام کا جواب وعلیکم السلام سے دیا اور پھر سر جھکا کر ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے مگر وہ خاتون وہیں کھڑی رہی۔

اُس نے نہایت ادب واحترام سے عرض کی۔ ''حضرت جی! کیا آپ میری بات سننا پسند فرمائیں گے؟'' انہوں نے کہا۔ ''کیوں نہیں۔ تمہیں جو کہنا ہے فوراً کہو اور دل کھول کر کہو۔ میری مدد کی ضرورت پڑی تو میں ضرور مدد کروں گا۔ بتاؤ کیا بات ہے؟'' خاتون نے اس باکردار مردِ باصفا کا حُسنِ اخلاق دیکھا تو اس کے ذہن وقلب میں پُرزور سرسراہٹ سی ہوئی کہ مذہب اسلام تو ازحد انسان دوست ہے جبکہ جس ہندو مذہب کو میں مانتی ہوں وہ مذہب کیسی ہی تعلیم دیتا ہو مگر اس کے لوگ سخت دل اور انسان دشمن ہیں۔

اور پھر یوں ہوا کہ اس خاتون کے زخم جاگ اُٹھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر اُمڈ آیا۔ اس نے دھڑکتے دل اور لرزتی زبان سے کہا۔ ''بابا جی! میرا تعلق ہندو مذہب سے ہے۔ میرے شوہر دودھ کا کاروبار کرتے تھے۔ عرصہ ہوا وہ فوت ہو چکے ہیں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میرے والدین بھی غریب ہیں اور شوہر نے ترکہ میں بھی کچھ نہیں چھوڑا اس میں بچوں کی پرورش کی خاطر گوالن کے طور پر کام کرتی ہوں۔ چند مویشی ہیں جن کی دن رات خدمت کرتی

ہوں۔ پھر ان سے دودھ حاصل کرتی ہوں اور محلے گلی پھر کر دودھ بیچتی ہوں۔ میری محنت کافی سخت ہے اور تھکا دینے والی مگر چونکہ بچوں کا ساتھ ہے اور اپنے پیٹ کو بھی بھرنا ہے۔ اس لئے یہ میری مجبوری ہے مگر چند روز سے میں سخت پریشان ہوں۔ میری اس روزی کو لوٹنے والے بھی پیدا ہو گئے ہیں جو مجھے مسلسل پریشان رکھتے ہیں۔ اب تو گزر اوقات بھی مشکل ہوئی جا رہی ہے۔ نہ جانے آگے کیا ہوگا' میرا کیا بنے گا!''

اُس بزرگ شخصیت نے اپنا جھکا ہوا سر قدرے اوپر کیا اور اُس خاتون سے فرمایا۔ ''تمہاری روزی کو کون لوٹ رہا ہے۔ کون ہے وہ بدنیت جو تمہارے ساتھ ظلم کر رہا ہے۔ اس ظلم کو اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہونا ہوگا۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کو منظور ہوا تو بگڑا ہوا سب کام اللہ اکبر کے فضل وکرم سے ٹھیک ہو جائے گا۔ تم مجھے صحیح صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرو۔'' اُس عورت نے کہا۔ ''واقعہ یہ ہے کہ ایک روز جب میں دودھ بیچنے نکلی تو راستے میں مجھے چند ہندو جوگی ملے۔ انہوں نے مجھ سے دودھ لیا۔ میں نے انہیں اتنا دودھ دے دیا جتنا انہوں نے طلب کیا تھا لیکن جب میں نے دودھ کی قیمت طلب کی تو انہوں نے پیسے دینے سے صاف انکار کر دیا بلکہ یہ بھی دھمکی دی کہ اگر میں روزانہ انہیں اسی مقدار میں دودھ نہیں دوں گی تو مجھ سے کوئی دوسرا شخص دودھ نہیں خرید سکے گا۔ میں روتی دھوتی گھر واپس آ گئی۔

اگلے روز میں نے اپنے مویشیوں کا دودھ اکٹھا کیا تو ان جادوگر ہندو جوگیوں سے بچنے کے لئے راستہ بدل لیا تاکہ میں ان کی دست برد سے بچ سکوں مگر جب میں ایک گاہک کو دودھ دینے لگی تو میں یہ دیکھ کر حیران وپریشان رہ گئی کہ دودھ میں کیڑے ہی کیڑے تھے۔ اب بتاؤ بابا جی! میں کیا کرتی۔ میں مجبور ہو گئی۔ میں ڈر گئی اور میں نے جوگیوں کو ان کی طلب کے مطابق روزانہ دودھ دینا شروع کر دیا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ جادوگر جوگیوں کو دودھ دینے کے بعد جو تھوڑا سا دودھ بچ رہتا ہے وہ میں بیچتی ہوں جس سے میرے گھر کا خرچ بہت ہی تنگی کے ساتھ چلتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ جوگیوں کی منت سماجت کی ہے مگر وہ الٹا مجھے ڈانٹ دیتے ہیں اور دھمکی دیتے ہیں کہ اگر میں نے انہیں دودھ نہ دیا تو میرے سارے مویشی مر جائیں گے اور اس کے بعد میرے بچے بھی ان کے غضب سے بچ نہیں سکیں گے۔ اب آپ ہی بتائیں بابا جی! اس صورتِ حال میں میرے لئے سوائے جوگیوں کو روزانہ دودھ دینے کے اور کوئی راستہ نہیں۔ میرا کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ میرے والدین فوت ہو چکے ہیں۔ ساس اور سسر بھی اس جہان فانی سے جا چکے ہیں اور کوئی میرا رشتہ دار نہیں جسے میں اپنا دکھڑا سناؤں۔ آپ کی شخصیت میں مجھے ایک خاص کشش نظر آئی تو میں نے ساری داستان بیان کر دی اور نہ جانے یہ کس طرح بیان ہو گئی حالانکہ مجھے جادوگر جوگیوں نے سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ میں یہ بات کسی کو نہ بتاؤں اور انہوں نے دھمکی بھی دی ہوئی ہے کہ اگر میں نے کسی کو بتایا تو

میرا حشر برا ہوگا مگر نہ جانے اب مجھ میں ایسی کون سی طاقت اور ہمت اور جرأت آ گئی تھی کہ میں نے اپنی تمام روداد بیان کر دی لیکن یہ بھی عجیب بات ہے کہ مجھے یہ ساری باتیں بتا کر بھی ڈر محسوس نہیں ہو رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی غیبی قوت میری مدد کر رہی ہو۔"

ہندو گوالن کی داستانِ غم سن کر اُس نیک بزرگ نے اس عورت سے کہا۔ "تم تسلی رکھو۔ صبر کرو۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ ضرور مدد فرمائیں گے۔" اس عورت نے کہا۔ "بابا جی! آپ تو مجھے تسلی اور صبر کا کہہ رہے ہیں۔ میں تو صبر کر رہی ہوں اور کر لوں گی لیکن مجھے تو اب اس بات کا ڈر اور خدشہ ہو گیا ہے کہ کہیں وہ جادوگر جوگی آپ کو بھی نقصان نہ پہنچائیں کیونکہ وہ لوگ انتہائی خطرناک ہیں اور جادو کے زور سے کسی کو نقصان پہنچانا تو اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میری اور آپ کی بات چیت بھی وہ جادو کے عمل سے معلوم کر لیں گے۔ آپ پردیسی ہیں۔ آپ کا بھی یہاں کوئی نہیں۔ آپ کو نقصان پہنچا تو میں سمجھوں گی کہ میری وجہ سے ہوا کیونکہ میں نے ہی آپ کو تمام بات بتائی ہے۔ ہائے یہ میں نے کیا کیا! کاش میں آپ کو کچھ نہ بتاتی لیکن میرا من کہتا ہے کہ کوئی غیبی طاقت ہماری مدد ضرور کرے گی اس لئے میں اتنا ڈر اور خوف محسوس نہیں کر رہی جتنا پہلے کرتی تھی۔ ہاں البتہ اب مجھے آپ کی فکر ہے۔"

بزرگ بندۂ مومن نے اس عورت سے کہا۔ "یاد رکھو کہ جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی پریشانی انسان کا مقدر نہ ہو جائے اس وقت تک دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی اور مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ وہ لوگ بھی راہِ راست پر آ جائیں گے۔"

ابھی یہ گفتگو ختم ہوئی ہی تھی کہ اُس عورت نے چلانا شروع کر دیا۔ "بابا جی! میں نے آپ کو پہلے ہی کہا تھا کہ وہ لوگ جادو کے زور سے ہماری بات چیت معلوم کر لیں گے اور دیکھو وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ وہ دیکھو سامنے وہی جادوگر جوگی ادھر ہماری طرف آ رہے ہیں۔ وہ ضرور ہمیں نقصان پہنچائیں گے۔ بابا جی اب کیا ہوگا!"

تھوڑے ہی لمحوں میں وہ جادوگر جوگی وہاں آ پہنچے اور گوالن سے گرج کر بولے۔ "اے دودھ والی! ہمارا دودھ ابھی تک کیوں نہیں پہنچا۔ راستے میں رُک کر کس سے باتیں کر رہی ہو اور کس کے خلاف کر رہی ہو۔ تم نہیں جانتی کہ ہمارے گُرو کس قدر سخت آدمی ہیں۔ وہ تجھے معاف نہیں کریں گے۔ تجھے، تیرے مویشیوں کو اور تیری اولاد کو جلا کر خاک کر دیں گے۔ تو اُن کے غصے سے واقف نہیں۔ اس وقت وہ سخت غصے میں ہیں اور انہوں نے ہمیں تیری طرف بھیجا ہے اور تُو ہے کہ باتوں میں وقت ضائع کر رہی ہے۔ فوری چل اور جا کر دودھ ہمارے حوالے کر۔ ورنہ تیری خیر نہیں۔"

جادوگر جوگیوں کی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر وہ ہندو گوالن دودھ کا مٹکا اُٹھا کر جانے لگی تو

نیک فطرت بزرگ نے اُسے بیٹھنے کا حکم دیتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کچھ نہیں ہوتا۔ تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تم اللہ جل شانہٗ کی امان میں ہو۔ تم یہاں سے نہیں جاؤ گی اور کبھی بھی ان جوگیوں کو دودھ نہیں دو گی۔"

اُس مردِ قلندر کی زبان میں اس قدر جاذبیت اور مقناطیسیت تھی کہ وہ ہندو گوالن وہیں رُک گئی۔ اُس نے دودھ کا مٹکا زمین پر واپس رکھا اور فرش پر ہی بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔ "لو بابا جی! میں تو یہاں بیٹھ گئی اب جب تک آپ کا حکم نہیں ہوگا میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ اب آپ جانیں اور یہ جادوگر جوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان پر فتح حاصل کر لیں گے۔ نہ جانے میرا دل کیوں یہی گواہی دیتا ہے۔ بابا جی! یہ میرے دل کی آواز ہے میرے دل کی آواز! یہ جوگی آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اب میرے دل سے خوف بالکل جاتا رہا ہے۔ میں اب کسی سے ڈرنے والی نہیں۔ آپ جو میرے ساتھ ہیں اور یہ کہ آپ کے ساتھ آپ کا اللہ ہے۔

اُس بزرگ نے اب اپنی گفتگو کا رُخ ان جوگیوں کی طرف کیا اور فرمایا۔ "تم لوگ بھی یہاں ہی بیٹھ جاؤ اور وقت کا انتظار کرو کہ کیا ہوتا ہے۔" اُس بزرگ شخصیت میں خدا معلوم کیا جادو تھا کہ تمام جوگی خاموشی کے ساتھ وہاں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر پہلے ان کی آواز اور لہجے میں وحشیانہ پن تھا اور اب وہ یوں بیٹھے تھے جیسے کوئی کٹھ پتلی کو بٹھاتا ہے۔ وہ نہ صرف وہاں بیٹھ گئے بلکہ ان کے تن بدن میں اک انجانی سی کپکپاہٹ شروع ہو گئی۔ انہوں نے نظریں جھکا لیں اور چپ چاپ یوں بیٹھ گئے جیسے ان میں کوئی جان ہی نہ ہو۔

وقت گزرنے لگا۔ سیکنڈوں نے منٹوں کا روپ دھارا تو منٹوں نے گھنٹوں کی شکل اختیار کی۔ جوگیوں کے گُرو نے کافی انتظار کیا مگر نہ تو اُس کے چیلے جوگی واپس لوٹے اور نہ ہی گوالن پہنچی۔ اُسے سخت تشویش لاحق ہوئی۔ اب اس میں انتظار کرنے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ چنانچہ وہ خود اپنے چیلوں اور گوالن کی تلاش میں نکلا۔ اُس نے دل میں ٹھان رکھی تھی کہ آج اپنے چیلوں اور گوالن کو وہ سزا دوں گا کہ جسے وہ عمر بھر یاد رکھیں گے۔ وہ انہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے بالآخر اس مقام تک پہنچا جہاں اُس مردِ قلندر کا ڈیرہ تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اس کے چیلے اور گوالن انتہائی مؤدب ہو کر خاموشی کے ساتھ اس بزرگ کے سامنے فرش پر یوں بیٹھے ہیں جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ اس صورتِ حال سے سخت پریشان ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ماجرا کیا ہے! یہ لوگ یوں کیوں بیٹھے ہیں۔ کیا میری ساری عمر کی محنت جو میں نے ان کو سکھانے میں لگائی ہے غرق ہو گئی! کیا اب یہ میرے چیلے نہیں رہے؟ کیا انہوں نے اس بزرگ شخصیت کو گُرو بنا لیا ہے؟

ان تمام خیالات نے جب اُسے گھیرا تو اُسے سخت غصہ آیا۔ وہ بپھرے ہوئے ریچھ کی طرح

جھنجلایا غصے سے وہ لال پیلا ہو گیا۔ اُس نے گرجدار آواز میں کہا۔ ''اے کم بختو! تم یہاں بیٹھے ہو اور میں ہوں کہ تمہیں کہاں کہاں تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تم سے بھی بڑا کوئی جادوگر آ گیا ہے۔ جس نے تمہیں اپنے جادو کے زور سے یوں جکڑ لیا ہے کہ تم خاموشی کے ساتھ مٹی کے فرش پر ہی بیٹھ گئے ہو۔ اُٹھو۔ جلدی کرو اور میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔''

جوگیوں کے گُرو کے چلانے کے باوجود جوگیوں نے اس کی کسی بات پر توجہ نہ دی بلکہ وہ انتہائی اطمینان وسکون کے ساتھ جس طرح اور جس حالت میں بیٹھے تھے وہیں بیٹھے رہے۔ انہوں نے اپنے گُرو کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ وہ دیکھ رہے تھے تو صرف اس بزرگ شخصیت کی طرف دیکھ رہے تھے جس نے انہیں بیٹھنے کو کہا تھا۔

یکا یک اُس بزرگ مردِ قلندر نے اپنا سر اوپر اُٹھایا اور انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ ''گرجو مت شور نہ مچاؤ۔ یہ لوگ اب یہاں بیٹھ گئے ہیں اور میرے کہنے سے بیٹھے ہیں۔ اب یہ یہیں بیٹھے رہیں گے اور کہیں نہیں جائیں گے۔ تم نے جانا ہے تو چلے جاؤ اور اپنی راہ لو۔''

جوگیوں کے گُرو کو اس مردِ باصفا کی یہ بات بہت بُری لگی۔ وہ طیش میں آ گیا۔ اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُسے اپنی ساری دُنیا لُٹتی نظر آئی۔ اُس مردِ قلندر کو دھمکی دی۔ ''میں تمہیں ابھی دیکھ لیتا ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا کہ میرے چیلے یہاں بیٹھے رہیں۔ میں ابھی انہیں لے جاؤں گا اور تمہیں دکھا دوں گا کہ مجھ میں کس قدر طاقت ہے!''

اُس درویش بزرگ نے کہا۔ ''طاقت اور قوت والی ذات صرف اور صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہی ذات تمام طاقتوں کی مالک ہے اور ان شاء اللہ ہم سب اب اُسی کی حفاظت میں ہیں۔ تم نے جو کچھ کرنا ہے کر کے دیکھ لو۔''

اُس مردِ قلندر کی اس بات پر جوگیوں کے گُرو کو اور غصہ آیا اور اُس نے تیزی کے ساتھ منتر وغیرہ پڑھنے شروع کر دیئے۔ وہ کافی دیر منتر پڑھتا رہا مگر اس نے دیکھا کہ اس کے منتروں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا اور اُس کے چیلوں، گوالن اور درویش بزرگ پر ذرہ بھر کسی قسم کی تبدیلی کے کوئی آثار نہیں دکھائی دے رہے تو وہ بے حد حیران ہوا۔ اُس کی حالت ایسے ہی ہو رہی تھی جس طرح فرعون کے دربار میں فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں کی ہوئی تھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تھا اور اژدہا بن کر جادوگروں کے بنائے ہوئے تمام سانپوں کو کھا گیا تھا۔

اُس پاکیزہ بزرگ شخصیت نے جوگیوں کے گُرو کی یہ حالت دیکھی تو انہوں نے اُس سے کہا۔ ''اب منتروں جنتروں کو ختم کرو۔ تمہارا کوئی عمل ہم پر اثر نہیں کرے گا۔ تمہارا سب جادو بے کار ہے۔ اس پڑھائی کو ختم کرو۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے تمہارے لئے روشنی کر دی ہے پھر تم اندھیروں میں کیوں بھٹکتے ہو؟''

اُس بزرگ بابا جی کی اس بات نے جوگیوں کے گُرو پر از حد اثر کیا۔ اُس نے منتر پڑھنا بند کر دیئے اور اپنی شکست تسلیم کر لی۔ اُس نے بزرگ بابا جی کے پاؤں پکڑ لئے اور معافی کا طلبگار ہوا۔ اُس نے کہا۔ ''بابا جی! آپ مجھے بھی معافی دیں۔ میرے چیلوں کو بھی معاف کر دیں۔ ہم آئندہ کبھی جادو کے قریب تک نہیں جائیں گے اور آپ جیسا چاہیں گے ویسا ہی کریں گے۔''

نیک بزرگ بابا جی نے ان جوگیوں سے کہا۔ ''میری صرف اور صرف ایک شرط ہے کہ تم رب لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ جادو منتر سے توبہ کرو اور صرف ایک اللہ سے لو لگاؤ جو تمام جہانوں کا مالک اور قادر وقدیر ہے۔'' بابا جی کی اس بات پر وہ تمام ہندو جوگی اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ وہ سب لوگ بابا جی کے مرید ہو گئے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور دینِ اسلام پر کاربند ہو گئے اور یہی وہ بابا جی تھے جنہیں دُنیا بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ قرسم خاتون رحمتہ اللہ علیہا انتہائی زاہدہ اور عابدہ تھیں۔ قرآن ہر لحہ ان کی زبان پر رہتا تھا۔ ہر وقت باوضو رہتی تھیں اور شب بیدار تھیں رات کا زیادہ تر حصہ عبادت الٰہی اور ذکر وفکر میں گزارتی تھیں۔ سینکڑوں نوافل پڑھنا اور وہ بھی ایک ہی دن میں اُن کا معمول تھا۔ اکثر روزہ سے رہتیں اور پابندی کے ساتھ نمازِ تہجد ادا کرتیں۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی پیدائش سے پہلے آپ رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کے ساتھ کچھ حیران کن واقعات پیش آئے جو قابلِ ذکر ہیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کے ہمسایوں کے مکان میں بیری کا ایک درخت تھا جو اگرچہ کافی بوڑھا ہو چکا تھا مگر ابھی تک اُس پر بیر لگتے تھے اور بہت گھنے لگتے تھے۔ وہ درخت لمبا چوڑا تھا اور قرب وجوار کے گھروں میں دور سے نظر آتا تھا۔

ایک دن کیا ہوا کہ یکا یک موسم نے رنگ بدلا۔ بادل گھر گھر آئے۔ بارش کا سماں پیدا ہو گیا۔ لوگ بھی اس کے منتظر تھے کیونکہ گرمی کے دن نہ ہونے کے باوجود فضا میں حبس سا پیدا ہو گیا تھا۔ اور پھر ایسا ہوا کہ لوگوں کی تمام امیدیں دم توڑتی نظر آئیں کیونکہ بارش کی بوندوں کی جگہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ پہلے ہوا میں ہلکی جنبش تھی پھر اس میں جوش پیدا ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس زور سے چلنے لگی کہ درختوں کی ٹہنیاں ٹوٹنے لگیں اور پتے اُڑنے لگے۔ پتوں کے ساتھ پھل بھی اُڑ اُڑ کر دور جانے لگے۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے دیکھا کہ ان کے ہمسائے کے بیری کے درخت سے کافی مقدار میں بیر ٹوٹ کر اُن کے گھر آ گئے ہیں جن سے ان کا صحن پتوں اور بیروں سے کچھ بھر سا گیا ہے۔ پتے اگرچہ زیادہ تھے اور بیر کم تھے مگر بیر اس قدر خوبصورت اور پکے ہوئے تھے کہ انہیں اُٹھا کر کھانے

کو بے اختیار دل کرتا تھا۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ قرسم خاتون نے ایک بیر اُٹھا کر منہ میں ڈالا تا کہ اس کا ذائقہ چکھ سکیں مگر انہوں نے بیر ابھی منہ میں ڈالا ہی تھا کہ ان کے پیٹ میں درد اُٹھا۔ پیٹ میں درد اُسی لمحے شروع ہو گیا جیسے ہی بیر اُن کے حلق سے اُتر کر پیٹ میں پہنچا۔ درد کی شدت اس قدر تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا حال قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ آپ پیٹ پکڑ کر نیچے فرش پر بیٹھ گئیں اور سوچنے لگیں کہ بیر تو شیریں اور لذیذ تھا۔ رب کائنات کی نعمت تھا پھر اس سے پیٹ میں درد کیوں اُٹھا۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ نے رب کائنات سے دعا کی۔ ''اے میرے رب! تُو مجھ پر کرم فرما۔ میرے گناہ معاف فرما۔ مجھے اس درد سے نجات دلا جو میری برداشت سے باہر ہوا جا رہا ہے۔'' اور پھر ایسا ہوا کہ یک دم آپ کی والدہ کے پیٹ میں ایک غبار سا اُٹھا اور دوسرے ہی لمحے انہیں قے آ گئی جس سے بیر باہر نکل آیا۔ جیسے ہی قے ہونے سے بیر باہر نکلا اُن کا تمام درد جاتا رہا۔

اب آپ کی والدہ ماجدہ سمجھ گئیں کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ یہ نہیں چاہتے کہ وہ کوئی ایسی چیز کھائیں جسے مکمل طور پر رزق حلال نہ کہا جا سکتا ہو۔ بیر چونکہ ہمسائے کی بیری سے اُڑ کر اُن کے صحن میں آیا تھا اس لئے چونکہ وہ نہ تو خریدا گیا تھا اور نہ ہی ہمسایوں سے اس بات کی اجازت لی گئی تھی کہ اسے کھایا جائے یا نہیں۔ اس لئے آپ کی والدہ ماجدہ کے معدے نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پیٹ میں درد اُٹھا اور بالآخر اُس وقت ختم ہوا جب وہ بیر باہر آیا۔

ایک دن جبکہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بچے ہی تھے مگر کافی سمجھ بوجھ رکھتے تھے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو بتایا۔ ''بیٹا! میں نے ہمیشہ رزق حلال کھایا ہے اور تمہاری پرورش بھی رزق حلال ہی سے کی ہے حتیٰ کہ ایک دن جب میں نے ہمسائے کی بیری سے گھر کے صحن میں آیا ہوا ایک بیر اُٹھا کر کھایا تو میرے معدے نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور میں اُسی لمحے سمجھ گئی تھی کہ میرے پیٹ میں جو بچہ پرورش پا رہا ہے وہ یقیناً رب تعالیٰ جل شانہٗ کا کوئی نیک بندہ ہی بنے گا۔ میرا دل پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ ضرور آپ کو ولایت سے نوازیں گے۔ خدا معلوم اُس وقت میں زندہ رہوں گی یا نہیں لیکن قیامت کے روز مجھے اس بات پر ضرور فخر ہو گا کہ مجھے ایک ولی اللہ کی والدہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔''

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ قرسم خاتون کی دعا و التجا پوری ہوئی اور ان کے فرزند ارجمند ایسے ولی اللہ بنے کہ جن کا نام نامی رہتی دنیا تک زندہ و تابندہ رہے گا۔ رب رحمٰن و رحیم نے انہیں نہ صرف ایک نیک شہرت ولی کی والدہ ہونے کا اعزاز بخشا بلکہ وہ خود بھی رب تعالیٰ

جل شانہٗ کی خاص نظر کرم کی حامل تھیں۔ آپ روحانی طور پر عظمت و رفعت کی مالک تھیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے قرسم خاتون کی ایک کرامت کا ذکر کیا ہے کہ ایک رات جبکہ آپ تہجد کی نماز میں مشغول و مستغرق تھیں تو ایک چور آپ کے گھر میں گھس آیا۔ یہ وہ دن تھے جبکہ حضرت بابا فرید گنج شکر کے والد محترم شیخ جمال الدین سلیمان رحمتہ اللہ علیہ انتقال کر چکے تھے۔ چور نے یہ خیال کیا کہ اس گھر میں ایک خاتون اپنے چھوٹے بچوں کے ہمراہ اکیلی ہے اس لئے وہ بے دھڑک گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

گھر کے صحن سے جیسے ہی اُس نے ایک کمرے کا رُخ کیا تو چور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ گھر کی بیوہ مالکن رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہے جبکہ اس کے بچے نیند کی وادی میں پہنچ چکے ہیں۔ چور کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر نماز پڑھنے والی خاتون نے کوئی مزاحمت کی بھی تو وہ آسانی سے اُسے روک لے گا اسے روکنے والا کوئی نہیں مگر اُس نے یہ نہیں سوچا کہ رب تعالیٰ کی ذات اسے دیکھ رہی ہے چنانچہ وہ جونہی آگے بڑھا اُس نے محسوس کیا کہ اُس کی آنکھوں کی بینائی آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے۔ اور پھر یوں ہوا کہ اس کی بینائی بالکل ہی ختم ہو گئی۔ اس طرح چور پر واضح ہو گیا کہ اُسے روکنے والی ذات ضرور موجود ہے۔ وہ ذات جو ہر شے پر قادر ہے جو اپنے نیک بندوں کی خاص طور پر محافظ ہے۔

وہ چور اگرچہ ہندو مذہب کا پیروکار تھا مگر اب اُس نے دینِ اسلام کو ماننے والی اور ایک خدا پر یقین رکھنے والی خاتون کی کرامت محسوس کر لی تھی۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ مذہب اسلام ہی صحیح معنوں میں سچا مذہب ہے اس کی بے نور آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ وہ جہاں کھڑا تھا وہیں رُک گیا۔ اُس کے اُٹھتے قدم رُک گئے کیونکہ اُسے نظر ہی کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے گھر کی تہجد گزار خاتون سے مخاطب ہو کر کہا:

''میں اس گھر میں رہنے والی نیک اور عبادت گزار خاتون سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے معاف کر دے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں نے اُسے تنہا سمجھ کر چوری کرنے کی ناکام کوشش کی مگر اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ یقیناً ایک بہت بڑی ذات اُس کے ساتھ ہے جو اُس کی مدد کر رہی ہے اور یہ وہی ذات ہے جس نے میری بینائی چھین لی ہے اور یوں اُس ذات نے اپنی ایک نام لیوا عابدہ و زاہدہ خاتون کی مدد کی ہے اور اُسے شیطان کے شر سے محفوظ رکھا ہے بے شک میں شیطان کے بہکاوے میں آ گیا تھا۔ میں مسلمانوں کے اللہ کا قائل ہو گیا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ اگر میری بینائی واپس لوٹ آئی تو میں ہندو مذہب کو چھوڑ کر مسلمان مذہب کو اختیار کر لوں گا کیونکہ جو سچائی میں نے اس مذہب میں دیکھی ہے وہ مجھے کہیں نہیں ملی۔ میں اس گھر میں اکیلی رہنے والی عابد و زاہد خاتون سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے میرے لئے دعا کریں۔ میری بینائی کی

واپسی کی دعا کریں اور مجھے دینِ اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا ہونے کی دعا کریں مجھے یقین ہے کہ اس نیک خاتون کی دعا ضرور قبول ہوگی۔"

قرسم خاتون رحمتہ اللہ علیہا نے جب اُس چور کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو اُس نے جلدی سے نوافل کی رکعتوں میں وقفہ کر کے رب العزت کی بارگاہ میں دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور گڑگڑا کر عرض کی:

"یا باری تعالیٰ! تُو سب کا محافظ اور رکھوالا ہے۔ تُو نے اپنی خاص عنایت اور کرم سے میری اور میرے گھر کی حفاظت کی۔ مجھے اس چور کی دست بُرد سے بچایا۔ یہ سب تیرا فضل اور تیری عنایت ہے ورنہ میں گنہگار خاتون کس قابل ہوں! یہ صحیح ہے کہ تُو نے میری حفاظت کی خاطر اس چور کی بینائی چھین لی ہے مگر اب یہ راہِ راست پر آنا چاہتا ہے۔ تجھے تیرے کرم اور بخشش کا واسطہ! تُو اس چور کی بینائی واپس لوٹا دے۔ یہ چور بھی تیرا ہی بندہ ہے۔ اگر تُو اس کی بینائی لوٹا دے گا تو تیرے نام لیواؤں میں ایک اور شخص کا اضافہ ہو جائے گا۔ اگر تُو نے بھی اس پر کرم نہ کیا تو پھر وہ کس در پر دستک دے گا؟ وہ دینِ اسلام سے مایوس ہو جائے گا۔ میں نے اسے معاف کیا۔ تُو بھی اسے معاف فرما دے۔ بے شک تُو بہت رحیم و کریم ہے۔"

قرسم خاتون رحمتہ اللہ علیہا نے ربِ رحمٰن و رحیم کے حضور دعا ختم کی ہی تھی کہ اسے قبولیت کا شرف حاصل ہو گیا اور بینائی سے محروم چور کی آنکھیں پھر سے روشن ہوگئیں۔ خدا معلوم اُس چور کے جی میں کیا آئی کہ اُس نے الٹے پاؤں دوڑ لگائی اور حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کے گھر سے نکلتا ہوا رات کی تاریکی میں دور کہیں غائب ہو گیا۔

اور اگلی صبح چشم فلک نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے جملہ اہل خانہ کے ہمراہ قرسم خاتون رحمتہ اللہ علیہا کے گھر کے باہر آنسوؤں کے موتی پروتے ہوئے کھڑا تھا۔ اُس نے قرسم خاتون رحمتہ اللہ علیہا کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ قرسم خاتون رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بڑے بیٹے کو باہر دروازے پر بھیجا کہ معلوم کرے کہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟ اُس شخص نے کہا۔"میں اس گھر کی مالکن سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" اس شخص کی خواہش پر قرسم خاتون نے پردے کی اوٹ سے اس شخص سے پوچھا۔"اپنی حاجت بیان کرو اگر ہو سکا تو تمہاری حاجت پوری کرنے کی کوشش ضرور کی جائے گی۔"

اُس شخص نے کہا۔"محترمہ! آپ سے میری صرف یہی درخواست ہے کہ آپ مجھے معاف فرما دیں۔ میرا قصور درگزر کریں۔" قرسم خاتون نے پوچھا۔"آخر تم نے کیا قصور کیا ہے اور میرا کیا نقصان کیا ہے کہ میں تمہیں معافی دے دوں۔" اُس شخص نے بتایا۔"محترمہ! میں وہی رات والا چور ہوں جو آپ کے ہاں چوری کی نیت سے آیا تھا۔ آنکھوں کی بینائی گنوا بیٹھا اور پھر آپ ہی کی دعا سے رب تعالیٰ نے میری بینائی واپس لوٹا دی۔"

قرسم خاتون رحمتہ اللہ علیہا نے کہا۔"میں نے تو تمہیں اسی وقت معاف کر دیا تھا اور رب تعالیٰ نے بھی تمہیں معافی دے دی جس کا ثبوت یہ ہے کہ تمہیں تمہاری کھوئی ہوئی بصارت واپس مل گئی۔ اب بتاؤ کہ اس وقت تم کیا چاہتے ہو؟" اس شخص نے کہا۔"میں اپنے خاندان کے تمام افراد کے ساتھ مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے کلمہ شہادت پڑھا دیجئے۔"

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ قرسم خاتون رحمتہ اللہ علیہا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ قرسم خاتون رحمتہ اللہ علیہا نے کسی توقف کے بغیر اُس چور کو جو چوری سے توبہ کر چکا تھا کلمہ شہادت پڑھایا اور اُس کے خاندان کے ہر فرد نے بھی کلمہ شہادت پڑھا اور یوں وہ پورا خاندان حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس نے اپنا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور عبادت و ریاضت میں اس درجہ کمال کو پہنچا کہ اس نے شیخ عبداللہ کے نام سے شہرت پائی حتیٰ کہ اس کے انتقال کے بعد اُسے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے والد محترم حضرت جمال الدین سلیمان رحمتہ اللہ علیہ اور بڑے بھائی حضرت اعزالدین محمود رحمتہ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ یہ اعزاز رب تعالیٰ نے اُسے اُس کے زہد و تقویٰ اور پرہیز گاری کے باعث عطا کیا کیونکہ ؎

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ 569 ہجری میں ملتان کے قریب ایک گاؤں کوٹھیوال (جسے آج کل چاولے مشائخ کہتے ہیں) میں ہوئی۔ آپ کی عمر پانچ چھ سال تھی کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے دو بھائی حضرت اعزالدین محمود رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ تھے جبکہ ایک بہن حضرت بی بی ہاجرہ رحمتہ اللہ علیہا تھیں جن کے بطن سے مشہور ولی اللہ حضرت علی احمد صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ صحیح النسب فاروقی ہیں اور تقریباً 20 واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ یوں تو آپ سلطان السالکین، شمس العارفین، برہان العاشقین اور بدر الطریقت جیسے القابات سے یاد کئے جاتے ہیں مگر آپ کا سب سے مشہور لقب گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ آپ اس لقب سے کس بناء پر مشہور ہوئے اس حوالے سے مختلف کتب میں مختلف روایات ہیں۔

"سیر الاقطاب" میں ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو بچپن میں مٹھائی، شیرینی اور شکر وغیرہ سے بہت رغبت تھی۔ آپ میٹھی چیزوں کو بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ آپ کی اس رغبت کو دیکھتے ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ سے کہا۔"بیٹا! جو بچے نماز باقاعدگی کے ساتھ پڑھتے ہیں تو انہیں صبح کی نماز کے بعد رب تعالیٰ جل شانہٗ شکر دیتے ہیں۔" حضرت بابا فرید گنج شکر

رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اُس وقت بمشکل چار پانچ سال تھی چنانچہ آپ نے والدہ کی اس بات پر یقین کر لیا جبکہ آپ کی والدہ محترمہ نے اپنی اس بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے یہ معمول بنالیا کہ آپ روزانہ رات کو مصلے کے نیچے شکر کی ایک پڑیا رکھ دیا کرتی تھیں جسے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ صبح کی نماز کی ادائیگی کے بعد اُٹھا لیا کرتے تھے۔

مُصلے کے نیچے شکر کی پڑیا رکھنے کا یہ سلسلہ ایک عرصہ تک باقاعدگی سے جاری رہا اور پھر ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ مُصلے کے نیچے شکر کی پڑیا رکھنا بھول گئیں اور جب شام کو انہیں یاد آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو پاس بُلایا اور پوچھا۔ ”بیٹا فرید! کیا تمہیں آج صبح کی نماز کے بعد شکر ملی تھی؟“ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ”اماں جان! آج بھی مجھے روزانہ کی طرح مُصلے کے نیچے سے شکر ملی تھی مگر خدا بہتر جانتا ہے کہ آج والی شکر میں ایسی خاص لذت اور مٹھاس تھی کہ جو آج تک مجھے اس طرح محسوس نہیں ہوئی۔ میرا منہ ابھی تک اس مٹھاس کو محسوس کر رہا ہے۔ آج تو اللہ میاں نے کوئی خاص شکر ہی میرے لئے بھیجی تھی۔ کل اگر ایسی شکر ملی تو میں آپ کو بھی چکھاؤں گا اور یقیناً آپ نے بھی ایسی شکر کبھی نہیں کھائی ہوگی!“

رب تعالیٰ جل شانہٗ کی یہ قدرت دیکھ کر آپ کی والدہ ماجدہ حیران بھی ہوئیں اور خوش بھی کیونکہ وہ سمجھ گئی تھیں کہ اُن کے بیٹے کو رب تعالیٰ جل شانہٗ نے ہی شکر پہنچائی ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ اسی لمحے سجدہ میں گر گئیں اور رب کریم وعظیم کا شکر بجالائیں کہ جس نے ان کے بچے کا یقین قائم ودائم رکھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے اپنے بیٹے کے لئے ڈھیروں دعائیں مانگیں اور خاص طور پر یہ دعا کی کہ رب ذوالجلال اُن کے بیٹے کو شیریں سخن بنائے۔ ان کی اس دعا کو قبولیت کی سند عطا ہوئی اور رب العزت نے حضرت بابا فرید کی زبان وبیان میں ایسی مٹھاس ڈالی کہ جو شخص بھی سنتا تھا اُس کا دل چاہتا تھا کہ بس سنتا ہی رہے۔ آپ کے اس واقعہ کی وجہ سے لوگوں میں آپ کا لقب گنج شکر مشہور ہو گیا۔

”وقائع فرید الدین“ کے مطابق حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ آپ بیابانوں اور جنگلوں میں عبادت، ریاضت اور مجاہدہ کرتے تھے۔ کئی کئی ماہ تک وہاں رہتے اور صبر وشکر کی چھتری کے سائے میں توکل وقناعت کی کرسی پر بیٹھ کر رب تعالیٰ جل شانہٗ کی یاد میں مصروف ومشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ قصبہ رواڑی سے متصل گڑگانواں کے علاقے میں دور ایک بیابان میں بسیرا کئے ہوئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا چلچلاتی دھوپ تھی اور سخت گرمی کا موسم تھا۔ آپ کو سخت پیاس محسوس ہوئی جو آپ کی قوت برداشت سے باہر ہو گئی۔ آپ پانی کی تلاش میں نکلے۔ چاروں جانب پانی تلاش کیا مگر پانی نہ ملا۔ آپ واپس لوٹنے ہی والے تھے کہ اچانک آپ کو دور ایک کنواں نظر آیا۔ آپ دوڑے ہوئے اُس کنوئیں کے پاس پہنچے تاکہ پانی پی کر اپنی پیاس بجھا

سکیں مگر اُس کنوئیں میں نہ تو کوئی ڈول تھا اور نہ ہی کوئی رسی کہ جس سے کھینچ کر کنوئیں کے پانی کو اوپر لاتے۔ آپ نے سوچا کہ ڈول اور رسی کے بغیر پانی کیسے اوپر آ سکتا ہے۔ آپ مایوس ہو کر وہاں کنوئیں کے پاس ہی بیٹھ گئے تاکہ کچھ دیر آرام کر لیں تو واپس چلیں یا پھر ڈول اور رسی کا کوئی انتظام کریں۔ آپ اسی سوچ میں ہی تھے کہ آپ نے دیکھا کہ یکایک دو جنگلی ہرن دوڑتے ہوئے آئے۔ وہ دونوں کنوئیں کے کنارے پر پہنچے۔ انہوں نے کنوئیں میں جھانکا اور پھر آسمان کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد جب انہوں نے اپنے منہ نیچے کئے تو اتنی دیر میں کنوئیں کا پانی رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرت سے اچھل کر کناروں تک پہنچ چکا تھا۔ ہرنوں نے جی بھر کر پانی پیا اور پھر اچھلتے کودتے ہوئے واپس چلے گئے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ یہ دیکھ کر ازحد حیران ہوئے اور خوش بھی کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ اب وہ بھی اپنی پیاس بجھائیں گے مگر جیسے ہی وہ کنوئیں کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کنوئیں کا پانی نیچے اُتر گیا ہے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پہلے سے بھی زیادہ حیران اور پریشان ہوئے۔ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور کہا:

”اے رب قادر وقدیر! تُو نے ہرنوں کو تو پانی پلا دیا۔ وہ سیر ہو کر چلے گئے مگر میں تیرا عاجز بندہ تیری نعمت سے کیوں محروم رہا! میری کون سی خطا پر تیری اس قدر ناراضی ہوئی!“ غیب سے ندا آئی ”اے فرید! تُو نے ڈول اور رسی کا سہارا ڈھونڈا۔ تُو یہ سمجھا کہ ڈول اور رسی کے بغیر پانی کیسے اوپر آئے گا جبکہ ہرنوں نے صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کا سہارا تلاش کیا۔ اُسی سے مدد چاہی۔ یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے ہرنوں کی مدد کی اور وہ پانی پی کر گئے جبکہ تُو پانی سے محروم رہا۔“

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ یہ ندائے غیب سُن کر ازحد پشیمان ہوئے اور اسی لمحے وہاں سے چل دیئے۔ بیابان میں اپنی جگہ پر پہنچے اور عبادت وریاضت میں مشغول ہو گئے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ سے لمحہ لمحہ توبہ کی۔ استغفار والتجا کی۔ اس عرصہ میں آپ کو پانی کا ایک قطرہ تک بھی میسر نہ آیا۔ ایک روز شدت پیاس اور قلت خوراک سے خاک کی ایک مٹھی منہ میں ڈالی تو وہ فوراً شکر بن گئی اور آپ نے اسے مزے لے کر کھایا۔ اُسی لمحے غیب سے ندا آئی۔ ”اے فرید! ہم نے تیری ریاضت قبول کی۔ تیری توبہ منظور کی اور تیرے درجات بلند کئے اور تجھے شیریں سخن بنایا اور گنج شکر کا لقب عطا کیا۔“ اس دن سے حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے گنج شکر کہنا شروع کر دیا۔

صاحب ”سیر العارفین“ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے سات دن تک مسلسل روزہ رکھا۔ ساتویں دن افطار کے وقت اپنی قیام گاہ سے اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جارہے تھے تاکہ ان کے ساتھ مل کر روزہ افطار کریں۔ راستے میں ایک جگہ کیچڑ تھی اور اس کی وجہ سے پھسلن پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت بابا فرید گنج شکر

رحمتہ اللہ علیہ وہاں سے گزرنے لگے تو آپ کا پاؤں کیچڑ میں پھسل گیا جس کی وجہ سے آپ وہاں گر پڑے۔ اس طرح آپ کیچڑ میں لت پت ہو گئے۔ آپ کے منہ میں بھی کچھ کیچڑ چلی گئی مگر رب قادر و قدیر کی قدرت سے وہ کیچڑ انتہائی میٹھی شکر میں تبدیل ہو گئی۔ اس واقعہ کی نسبت سے آپ گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

کتاب ''اخبار الاخیار'' کے مطابق حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ جن دنوں اجودھن (موجودہ پاک پتن) کے قصبہ میں قیام پذیر تھے وہاں سے ایک سوداگر اپنے دوسرے سوداگر ساتھیوں کے ساتھ گزرا۔ یہ سوداگر اونٹوں پر شکر کے بورے لاد کر بیچنے کے لئے دہلی جا رہے تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا۔ ''ان اونٹوں پر لدے بوروں میں کیا چیز بھری ہوئی ہے؟'' ان سوداگروں نے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے حلیہ کو دیکھتے ہوئے اس خیال سے کہ انہوں نے کچھ خریدنا تو ہے نہیں محض پوچھ رہے ہیں آپ کا سوال سنجیدگی سے نہ لیا بلکہ اس کا جواب یہ دیا کہ ''یہ نمک کے بورے ہیں آپ کو کیا چاہئے؟'' حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ سوداگروں نے ان کے ساتھ جھوٹ بولا ہے اور وہ انہیں غریب جان کر ایسا جواب دے رہے ہیں۔ آپ نے ان سوداگروں سے کہا۔ ''اگر تم یہ کہتے ہو کہ ان بوروں میں نمک ہے تو پھر نمک ہی ہوگا۔'' اس سوال و جواب کے بعد سوداگروں نے اپنی راہ لی۔

وہ سوداگر جب دہلی پہنچے اور اپنی شکر فروخت کرنے کے لئے بازار گئے تو انہوں نے دکانداروں سے شکر کا سودا طے کیا مگر جب بورے کھولے گئے تو اُن میں نمک موجود تھا۔ یہ دیکھ کر وہ سخت پریشان ہوئے۔ اب انہیں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا خیال آیا۔ ان سوداگروں میں سے ایک سوداگر نے کہا۔ ''مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ شخص ضرور کوئی ولی اللہ تھے جنہیں ہم نے دھوکہ دیتے ہوئے یہ کہا کہ ان بوروں میں نمک ہے اور یقیناً یہی وجہ ہے کہ وہ اب نمک ہی ہو گیا ہے شکر نہیں رہی۔''

جب ان سوداگروں کو عقل آئی تو وہ بھاگے ہوئے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی طلب کی۔ آپ نے اُن سے پوچھا۔ ''آخر بات کیا ہے؟'' انہوں نے کہا۔ ''آپ نے ہم سے پوچھا تھا کہ ان بوروں میں کیا ہے اور ہم نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ ان بوروں میں نمک ہے حالانکہ ان میں شکر تھی۔'' حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''اگر تم کہتے ہو کہ ان بوروں میں شکر تھی تو پھر شکر ہی ہوگی۔''

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی زبان سے جیسے ہی یہ الفاظ نکلے تو انہوں نے بوروں کو کھول کر دیکھا۔ اب ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی شکر انہیں واپس مل گئی ہے اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے جو نمک بنا تھا وہ شکر میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اسی دن سے آپ گنج

شکر یعنی شکر کا خزانہ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

''سیر الاولیاء'' کے مطابق ایک دفعہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیرومرشد اور رہبر و رہنما حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے حکم پر طے کا روزہ یعنی تین دن کا روزہ رکھا۔ تیسرے روز افطار کے لئے کچھ نہیں تھا مگر عین افطار کے وقت ایک شخص آپ کے لئے کھانا لایا۔ آپ نے اس اجنبی شخص کا دل رکھنے کی خاطر بغیر تحقیق کئے اس کے لائے ہوئے کھانے سے روزہ افطار کر لیا مگر ابھی مشکل سے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پیٹ میں درد محسوس ہوا جس کے بعد انہیں قے ہوئی اور تمام کھانا باہر نکل آیا۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس صورتِ حال میں اپنے پیرومرشد سے رابطہ کیا اور انہیں تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو بتایا۔ ''تم نہیں جانتے کہ جو شخص تمہارے لئے کھانا لایا تھا وہ ایک بدکار اور شرابی انسان تھا۔ تمہیں رب تعالیٰ نے اپنے کرم سے محفوظ رکھا اور ناپسندیدہ غذا کو تمہارے پیٹ میں نہ ٹھہرنے دیا۔ یوں قے کے ذریعے وہ غذا باہر نکل آئی اور تمہارے جسم کا حصہ نہ بن سکی۔ اب میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ تم طے کا ایک اور روزہ رکھو۔ اب تم کسی انسان کے لائے ہوئے کھانے سے پرہیز کرنا اور غیب سے جو کچھ ملے وہ کھا کر روزہ افطار کرنا۔''

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے مرشد کے حکم پر دوبارہ طے کا روزہ رکھ لیا۔ تین دن گزرنے کے بعد آپ کو افطار کے لئے کچھ نہ ملا۔ رات کو کمزوری محسوس ہوئی۔ پیٹ میں درد بڑھنے لگا۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے بے چین ہو کر اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے تو آپ کے ہاتھوں میں چند سنگریزے آ گئے۔ آپ نے اضطراری طور پر ان سنگریزوں کو منہ میں ڈال لیا۔ اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرت سے پتھر کی وہ کنکریاں شکر میں بدل گئیں۔ چونکہ آپ کو اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ ہدایت تھی کہ غیب سے جو کچھ ملے وہ کھا لینا اس لئے آپ نے شکر میں تبدیل شدہ کنکریاں کھا لیں۔ اس سے آپ کی بھوک بھی مٹ گئی اور مرشد کی ہدایت بھی پوری ہو گئی۔ آپ نے جب یہ واقعہ اپنے مرشد کو بتایا تو انہوں نے آپ سے کہا۔ ''آج سے تم گنج شکر بن گئے ہو۔'' یوں آپ گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

جس جنگل میں سے وہ گزر رہے تھے اس میں کسی انسان کا وجود نہ ہونا تو ایک قدرتی بات تھی مگر وہاں تو کوئی حیوان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میلوں پر پھیلے اس جنگل میں کسی درندے یا پرندے کے نہ ہونے کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی تھی کہ وہاں نہ تو کوئی پھل دار درخت تھا اور نہ ہی پانی کا کوئی چشمہ گویا کسی بھی ذی روح کا وہاں رہنا محال ہی نہیں بلکہ موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

ان کے پاس جو کچھ زادِ راہ تھا وہ بھی اس طویل اور تھکا دینے والے سفر کے دوران اب ختم ہی

ہوا چاہتا تھا کہ اتنے میں انہیں دور سے ایک غار نظر آیا۔ وہ تیزی کے ساتھ وہاں پہنچے۔ باہر سے یہی گمان ہوتا تھا کہ غار کے اندر کوئی نہ کوئی ضرور رہ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ بے دھڑک غار کے اندر داخل ہو گئے۔ ایک لمبی سی سرنگ سے گزرنے کے بعد وہ ایک کشادہ سی کمرہ نما جگہ پر پہنچے جہاں وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک مردِ باصفا ذکرِ خدا میں مصروف و مشغول ہے۔ غار کے مشرقی اور مغربی جانب کچھ سوراخ تھے جن سے سورج کی روشنی اس شدت کے ساتھ اندر داخل ہو رہی تھی کہ اس کمرہ نما غار کو پوری طرح روشن کئے دیتی تھی۔

غار میں چند پتھروں اور ایک چٹائی کے علاوہ اور کچھ بھی تو نہیں تھا۔ چٹائی پر وہ مردِ قلندر ذکرِ الٰہی میں مصروف تھے چنانچہ وہ ایک پتھر پر ہی بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ جب بھی وہ مردِ درویش عبادت و ریاضت میں قدرے وقفہ فرمائیں گے۔ تو اُن سے گفتگو ہوگی۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُن کا انتظار ختم ہوا تو انہوں نے اُس عابد و زاہد شخص کو سلام کیا۔ جس کا انہیں انتہائی خوش اخلاقی کے ساتھ جواب ملا۔ سوال کرنے پر غار میں رہنے والے مردِ قلندر نے بتایا۔ ''میں کوئی بیس برس تک سیاحی کرتا رہا۔ اس دوران ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میری ملاقات ایک ایسے بزرگ سے ہوئی جو ایک ایسے پہاڑ پر رہتا تھا جو صحرا کے درمیان میں تھا اور جہاں کوئی پرندہ تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ بزرگ یہاں کیسے گزارا کرتا ہوگا۔ اسے کھانے پینے کو کہاں سے ملتا ہوگا۔ میرے دل میں اس خیال کا آنا ہی تھا کہ اس بزرگ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم میرے رزق کے بارے میں حیرت زدہ کیوں ہوتے ہو؟ کیا تم رب رازق و رزاق کو بھول گئے ہو جو آبادی ہو یا ویرانہ ہر جگہ رزق پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے۔ پھر اُس نے مجھ سے کہا کہ وہ سامنے جاؤ اور کسی ایک پتھر کو اُٹھا کر ادھر لے آؤ۔ میں پتھر لے آیا تو اس نے کہا کہ اس پتھر کو دوسرے پتھر پر مار کر توڑو۔ میں نے اس بزرگ کی اس بات پر عمل کیا۔ جب پتھر توڑا تو اس میں سے ایک کیڑا نکلا اور میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس کیڑے کے منہ میں گھاس کا ایک تر و تازہ تنکا تھا جسے وہ کھا رہا تھا۔ اس بزرگ نے مجھے کہا کہ جو رب تعالیٰ جل شانہٗ اس کیڑے کو پتھر کے اندر رزق پہنچا سکتا ہے کیا وہ میرے رزق کا انتظام اس صحرائی پہاڑ پر نہیں کر سکتا؟ ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ افطاری کا وقت ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ وہاں ایک شخص آیا۔ اس نے دو روٹیاں اور تھوڑا سا حلوہ اس بزرگ کے حوالے کیا اور چلتا بنا۔ اس بزرگ نے مجھے کہا کہ آؤ افطار کر لو۔ میں بھی روزے سے تھا۔ میں نے روزہ افطار کیا۔ رات اسی بزرگ کے ساتھ عبادت و ریاضت میں گزاری اور اگلی صبح اُس سے رخصت لے کر میں نے یہ ویران جگہ تلاش کر لی اور یہاں مستقل قیام کر لیا۔ رب رازق و رزاق بہتر جانتا ہے کہ آج تقریباً تیس برس ہونے کو آئے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے سحری اور افطاری کے بغیر روزہ رکھا یا کھولا ہو۔''

اور اُس غار میں جا کر درویش بزرگ سے یہ تمام باتیں سننے والے حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''میں نے اُس درویش بزرگ کے ساتھ روزہ افطار کیا وہ اس طرح کہ عین افطاری کے وقت وہاں ایک شخص آیا جس کے سر پر کھانے کا خوان تھا۔ اس نے وہ خوان اُس غار کے ایک کونے میں رکھا اور چلا گیا۔ ہم نے مل کر روزہ افطار کرنے کے بعد نمازِ مغرب ادا کی اور رب قادر و قدیر کا شکر ادا کیا۔''

اس واقعہ جیسے کئی واقعات حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو سیاحت کے دوران پیش آئے۔ اولیاء اللہ کی سیاحت دراصل اُن کی ریاضت اور مجاہدہ کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ اس دوران وہ نہ صرف بیابانوں، صحراؤں، پہاڑوں اور ویرانوں میں یکسوئی اور نفس کشی کے ساتھ مجاہدہ کرتے ہیں۔ چلہ کشی کرتے ہیں بلکہ دوسرے اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کر کے ان سے فیض و تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اس طریقے سے وہ توکل، قناعت، صبر شکر اور اپنی ذات کی نفی جیسے خصائل کے مشکل مراحل سے بھی گزرتے ہیں اور رب کائنات کی قدرت و غیبی مدد کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں جس سے اُن کی بصیرت و بصارت پڑنے سے نئے اسرار و رموز آشکار ہوتے ہیں اور یوں وہ کاملیت و اکملیت کی منزل کے مختلف مراحل طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو — عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

دوسرے اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہم کی طرح حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی مشاہدہ و مجاہدہ کی خاطر سیاحت و مسافت کی۔ آپ نے بلخ، بخارا، بغداد، بیت المقدس، بدخشاں، غزنی، قندھار، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے ساتھ ساتھ کئی دوسرے مقامات پر پہنچ کر عبادت و ریاضت بھی کی اور وقت کے ولیوں سے ملاقات کر کے اُن سے کسب فیض کیا۔ آپ نے بہ اختلاف روایات اس ضمن میں پانچ سے بارہ برس صرف کئے۔ اس دوران آپ نے کئی مشہور اولیاء اللہ مثلاً خواجہ فرید الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ، مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت خواجہ اجل سنجری رحمتہ اللہ علیہ، شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ ابو یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ عبدالواحد بدخشانی رحمتہ اللہ علیہ، امام حدادی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ اوحدالدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ، یاقوت حموی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کے ساتھ کئی دوسرے بڑے اور باعظمت بزرگوں سے بھی ملاقات کی۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ان اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہم سے جو کچھ سیکھا، پڑھا اور حاصل کیا اُسے عوام الناس تک پہنچانے کی حتی الوسع کوشش و کاوش کی۔ آپ اکثر اپنی مجالس و محافل میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی بلند پایہ تصنیف ''عوارف المعارف'' کا درس

دیا کرتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ ''عوارف المعارف'' کا درس اس دلچسپی اور ذوق وشوق سے دیا کرتے تھے کہ سننے والے مست و بے خود ہو جاتے تھے۔ سامعین کو ایک خاص قسم کا روحانی سرور ملتا تھا۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ جب شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا۔ ''یہ نوجوان اپنے زمانہ کا ولی ہوگا اور لاتعداد افراد اس کے ارادت مند ہوں گے۔'' شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو اپنے کندھے سے اُتار کر ایک سیاہ کمبل بھی عنایت کیا اور آپ کے حق میں رب تعالیٰ جل شانہٗ سے دعا کی۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ عبدالواحد بدخشانی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک غار میں ملاقات کی۔ وہ گزشتہ 70 سال سے اس غار میں قیام پذیر تھے اور لحظہ لحظہ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کچھ عرصہ شیخ عبدالواحد بدخشانی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ غار میں گزارا۔ ان سے روحانی فیض حاصل کیا۔ کچھ اوراد و وظائف کی بابت گفتگو کی۔ پھر آپ وہاں سے رخصت ہوئے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے جب سیوستان کا سفر کیا تو وہاں ایک مقام پر آپ کی ملاقات حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی۔ انہوں نے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا پُرجوش استقبال کیا۔ آپ ان کے پاس کچھ دنوں تک ٹھہرے رہے۔ اس دوران آپ نے حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہ کے موقف سے اتفاق کیا۔ آپ نے ان سے ایک وظیفہ بھی حاصل کیا جس کے پڑھنے کی انہوں نے آپ کو مکمل اجازت مرحمت فرمائی۔ کئی روز کی تفصیلی نشست کے بعد آپ وہاں سے رخصت ہوئے تو حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو ایک چادر کا تحفہ دیا اور آپ کے مراتب کی بلندی کے لئے دعا کی۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ بیت المقدس کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ چند ارادت مند بھی تھے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد آپ جہاں بھی کوئی مسجد دیکھتے وہاں رُک جاتے۔ ایک یا دو نمازوں کے وقفوں کی مدت تک وہاں ٹھہرتے۔ یوں نمازیں بھی مسجد میں باجماعت ادا ہو جاتیں اور مزید سفر کے لئے تازہ دم بھی ہو جاتے۔ جہاں کہیں مسجد نہ پاتے تو کوشش کرتے کہ کسی دریا کے کنارے یا پہاڑ کے دامن میں ٹھہر جائیں۔ اس طرح منزل تا منزل سفر کرتے ہوئے بیت المقدس پہنچے۔ ایک عرصہ تک وہاں قیام کیا۔ کچھ مخصوص وظائف ادا کئے۔ عبادت و ریاضت کی اور پھر مکہ معظمہ پہنچے۔ کچھ مدت وہاں قیام وجود میں گزاری اور آخر میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

مدینہ منورہ میں آپ کی جذب و مستی کی کیفیت دیدنی تھی۔ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں سرشار ہو کر آپ نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر ہجرت کی زمین کو بوسے دیئے۔

''گلزار فریدی'' میں ہے کہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے خواب میں سید الکونین حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ فوری طور پر بغداد پہنچو اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند سیّد عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ سے تبرکات لو۔ وہ تبرکات اب تمہارے پاس رہیں گے اور تم ہی ان کی صحیح طور پر حفاظت کر سکتے ہو۔

خواب میں ہادیٔ کون و مکاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ مدینہ منورہ سے سیدھے بغداد پہنچے۔ وہاں آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند سید عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور خواب کا تذکرہ کیا۔ سیّد عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''میں نے بھی ایک خواب دیکھا ہے کہ والد محترم نے ایک صندوق میں جو تبرکات رکھے ہوئے تھے وہ تمام تبرکات صندوق سمیت آپ کے حوالے کر دوں اور میں آپ ہی کی راہ دیکھ رہا تھا تاکہ آپ کو وہ صندوق پیش کر سکوں۔ اب آپ تشریف لے آئے ہیں تو مجھے میرے خواب کی تعبیر مل گئی ہے۔ یہ لیجئے یہ صندوق آپ کے سپرد ہے۔''

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا چھوڑا ہوا صندوق خوشی و مسرت کے ساتھ وصول کیا۔ آپ نے وہ صندوق کھولا تو اس میں جو تبرکات آپ کو ملے اُس کی مکمل تفصیل اور معلومات آپ کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند نے بتائی۔ ان تبرکات میں دو علم (جھنڈے) تھے جو سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف غزوات میں استعمال کئے تھے۔ لکڑی کا ایک متبرک پیالہ تھا جس میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا کھایا تھا۔ ایک مقراض اور ایک دستار تھی جو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال فرمائی تھی۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے لئے یہ تبرکات دُنیا بھر کے خزانوں سے افضل و برتر تھے۔ ''گلزار فریدی'' کی روایت کے مطابق حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت شیخ عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ نے وہ دستار مبارک حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے سر پر رکھی اور آپ کو قادریہ سلسلہ سے بیعت کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ چشتیہ سلسلہ کے ساتھ ساتھ قادریہ سلسلہ سے بھی بیعت لے لیتے تھے اور یہ وہ منفرد اعزاز تھا جو بہت کم لوگوں کے حصہ میں آیا ہے۔

ایک طویل، کٹھن اور صبر آزما سیاحت برائے ریاضت کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ

اللہ علیہ اپنے وطن ملتان واپس تشریف لے آئے۔ آپ نے سوچا کہ اپنے پیرومرشد کو بھی بتایا جائے کہ کس طرح انہوں نے مجاہدہ و ریاضت کے مختلف مراحل طے کئے اور معرفت کے کون سے درجات پائے۔ تاہم ''تذکرۂ فرید رحمتہ اللہ علیہ'' کے مطابق ''بروایت معتبر حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ آپ نے چالیس سال مجاہدات میں صرف فرمائے۔ حالات و واقعات مظہر ہیں کہ ان مجاہدات میں سیاحت بھی شامل ہے۔ اگر سیاحت کو نظر انداز کر دیا جائے تو مجاہدات کے واقعات مبہم ہو کر رہ جائیں گے۔ تعلیم کے زمانہ میں جو ریاضتیں کی تھیں وہی بڑے بڑے مجاہدات کی بنیاد ٹھہریں اور یہ مجاہدات سفر میں بھی کئے ہیں بلکہ سفر خود مجاہدہ ہے۔ یہ سب ریاضتیں، سیاحتیں اور مجاہدات مل کر چالیس سال کی مدت کو پورا کر دیتے ہیں۔ اور یہ کہ اولیاء اللہ کی سیاحت دراصل ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع ہے۔ اس سے وسیع النظری حاصل ہوتی ہے۔ مخلوق خدا سے انس و محبت رکھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ فطرت اللہ اور فطرت انسانی کے مطالعے سے علم و تجربہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور جملہ اشیاء میں صفات الٰہی کا مشاہدہ کر کے سبق حاصل کیا جاتا ہے مزید یہ کہ تبلیغ کے نئے نئے ذرائع سمجھ میں آتے ہیں۔''

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ جب طویل سیاحت کے بعد اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔ آپ کی والدہ نے اسی لمحے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور رب ذوالجلال کے حضور التجا کی۔ ''یا باری تعالیٰ! میرے بیٹے کی عبادتیں اور ریاضتیں، قبول و منظور فرما۔ اسے بلند درجات عطا فرما اور اسے اپنے دوستوں میں شامل کر۔''

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی والدہ ماجدہ کو اپنے سفر کی ہر بات سے آگاہ فرمایا۔ تمام عبادتوں، زیارتوں اور ملاقاتوں کی تفصیل بتائی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ سے کچھ سوالات بھی کئے جن کے آپ نے تسلی بخش جواب دیئے جس سے آپ علیہ کی والدہ ماجدہ بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے کہا۔ ''بیٹا! تم نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ بھی تم سے راضی ہو جائیں گے۔''

آپ نے چند روز والدہ محترمہ کے ساتھ گزارے اور ان کی خوب خدمت کی۔ پھر آپ نے والدہ محترمہ سے دہلی جانے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے خوشی خوشی آپ کو اجازت دے دی تاہم آپ نے اس سے پہلے ملتان میں حضرت بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کی۔ ''تذکرۂ فرید'' کے مؤلف نے اس ملاقات کو اس طرح بیان کیا ہے:

''حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی جب حضرت بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے دریافت کیا۔ ''فرید! تم نے کہاں تک ترقی کر لی؟'' حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ ''اگر آپ کی کرسی کو اشارہ کر

دوں تو یہ آپ کو ساتھ لئے ہوا میں اُڑنے لگے۔'' یہ کہنا تھا کہ کرسی نے بلند ہونا شروع کیا تو حضرت بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ اُسے ہاتھ سے دبا کر نیچے لے آئے۔ اس پر حضرت بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''مولانا فرید! تم نے واقعی خوب ترقی کی ہے۔''

اور پھر جب حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کے لئے دہلی پہنچے تو انتہائی مؤدب ہو کر ان کی مجلس میں تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ تدریس میں مشغول تھے۔ اس وقت ان کی مجلس میں شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ، حضرت برہان الدین بلخی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت بدرالدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت علاؤالدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ ضیاء الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ جیسے جید علماء کرام موجود تھے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیرومرشد کو سلام کیا جس کا انہوں نے جواب دیا مگر ان کے انداز بے نیازی کو دیکھ کر حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے یہی سمجھا کہ ان کے پیرومرشد نے انہیں پہچانا نہیں کیونکہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے سلام کا فوری جواب دینے کے بعد دوبارہ درس شروع کر دیا اور آپ پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔

اس صورت حال میں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سوچنے لگے کہ اب کیا ہوگا؟ کیا میں اپنے پیرومرشد کو دوبارہ اپنا تعارف کراؤں گا؟ اور اگر انہوں نے سابقہ شناسائی کا اظہار نہ کیا تو پھر میں کدھر جاؤں گا؟ ابھی حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ انہیں سوچوں میں ہی تھے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا۔ ''فرید! کیا سب کام مکمل ہو گئے؟'' حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے کانوں میں جونہی یہ الفاظ گونجے تو آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ آپ دوڑ کر اپنے پیرومرشد اور رہبر و رہنما حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ انہوں نے آپ کو اوپر اُٹھایا اور پوچھا۔ ''فرید کیا بات ہے؟'' اُس وقت حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب جاری تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے پیرومرشد نے ان سے ایسا سوال کیا۔ آپ نے اپنے پیرومرشد کو بتایا۔ ''یا حضرت! اگر آپ اس فقیر و عاجز کو نہ پہچانتے تو اس کا ٹھکانہ کہاں ہوتا؟ پھر اسے کون پہچانتا؟'' حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ ''فرید! کیا ہم تجھے بھول سکتے ہیں! ہم نے خود تو تمہیں مجاہدہ اور ریاضت کے لئے مسافت کی تلقین کی تھی اور اس کا حوالہ یہ ہے کہ جب تم ہم سے ملتان میں حضرت بہاؤالدین زکریا کے ہاں ملے تھے۔ اب بتاؤ کیا ہم نے تمہیں پہچانا یا نہیں؟''

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیرومرشد کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو آپ بہت خوش ہوئے۔اس کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو طے کا روزہ رکھنے کا حکم دیا جس کی آپ نے تعمیل وتکمیل کی۔اس کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بہت سے وظائف بتائے اور ساتھ ہی چلے بھی کرنے کا حکم دیا۔ایک چلہ ختم ہوتا تو آپ کو اپنے پیرومرشد سے دوسرے چلے کا حکم ملتا۔آپ اپنے پیرومرشد کے ہر حکم کی بجا آوری میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتے۔

آخر میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے آپ کو چلہ معکوس کا حکم دیا۔آپ نے یہ چلہ اوچ شریف پہنچ کر مسجد حاج کے کنوئیں میں الٹا لٹک کر کیا کیونکہ اس کنوئیں پر ایک مضبوط درخت کی شاخیں جھکی ہوئی تھیں۔آپ درخت میں رسی باندھ کر سرشام ہی اس کی تیاری میں مصروف ہو جاتے تھے۔اور پھر عشاء کی نماز کی ادائیگی کے بعد اس رسی کے دوسرے سرے کو اپنے جسم کے ساتھ باندھ لیتے تھے اور کنوئیں میں اُلٹا لٹک کر عبادت و ریاضت یعنی وظیفہ شروع کر دیتے تھے۔صبح کو مسجد کے موذن رشید الدین مینائی رسی کھینچ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو باہر نکال لیا کرتے تھے۔یوں آپ نے مکمل چالیس روز تک چلہ معکوس کیا اور اس تکمیل کے بعد اپنے پیرومرشد کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور مبارک باد دی کہ آپ نے ترقی کی مزید منازل بحسن وخوبی طے کر لیں۔

''فوائد السالکین'' اور ''راحت القلوب'' کے مطابق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت و ریاضت سے خوش ہو کر کلاہ چہار ترکی آپ کے سر پر رکھی۔اس موقع پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا۔''اے فرید! یاد رکھو کہ مرشد میں اس قدر باطنی طاقت ہونا چاہئے کہ وہ اپنے مرید کے سینے کی آلائش کو اپنے تصرف روحانی سے ایک ہی نظر میں دور کر دے۔اگر مرشد میں اتنی صلاحیت وطاقت نہیں ہے تو پھر مرشد اور مرید دونوں کو اپنی منزل مقصود کا علم نہیں ہے۔آج سے ہم تمہارے لئے ایک علیحدہ حجرہ مخصوص کر رہے ہیں جہاں تم شب وروز مجاہدہ وریاضت میں مشغول رہو گے اور جو وظائف ہم بتائیں گے ان پر بصد رضا و رغبت عمل کرو گے تا کہ تمہارے مراتب بلند سے بلند تر ہو سکیں کیونکہ قرآن پاک میں رب تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو ضرور راہ ہدایت دکھا دیتے ہیں۔
(سورۃ العنکبوت)

اسی طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ اپنے نفس کو مجاہدے کی تلوار سے قتل کرو۔چنانچہ اے فرید! تم جس قدر مجاہدہ کرو گے اسی قدر ترقی کرو گے اور نفس مطمئنہ کے مالک ہو

جاؤ گے اور یہی وہ نفس مطمئنہ کی منزل ہے کہ جس سے مخاطب کر کے رب تعالیٰ جل شانہٗ فرماتے ہیں اے نفس مطمئنہ! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل کیونکہ تو اُس سے راضی ہوا اور وہ تجھ سے راضی ہوا اور تو میرے برگزیدہ بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔'' (سورۃ الفجر)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفصیلی گفتگو کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے لئے غزنین دروازہ دہلی کے پاس ہی ایک علیحدہ سے چھوٹا سا حجرہ مختص فرما دیا تا کہ آپ انتہائی دل جمعی اور سکون وطمانیت کے ساتھ عبادت و ریاضت فرما سکیں۔چنانچہ آپ فوراً ہی اس حجرہ میں تشریف لے گئے اور اپنے پیرومرشد کی حسب ہدایت خلوت میں ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔اور جب اجمیر سے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے تو انہوں نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ جا کر اسی حجرہ میں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور اپنے فیض باطنی سے آپ کو مالا مال کیا۔آپ کے لئے رب ذوالجلال کی بارگاہ میں دعا کی اور آپ کو خلعت سے نوازا۔

اسی موقع پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خلافت کی دستار حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر باندھی کیونکہ آپ نے اپنے پیرومرشد کی زیرنگرانی سلوک وطریقت کی ارفع منازل طے کر لی تھیں۔دستار خلافت عطا کرنے کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تبلیغ واشاعتِ دین اور اصلاح وفلاحِ عوام کے لئے ہانسی جانے کی ہدایت فرمائی چنانچہ آپ حسب ارشاد مُرشد ہانسی پہنچے اور وہاں عبادت وریاضت کے ساتھ ساتھ عوام الناس کی فلاح وبہبود کے لئے سرگرم عمل ہو گئے۔وہاں سے آپ رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت تشریف لائے جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا جس کا اشارہ آپ کو خواب میں ملا۔آپ اپنے مُرشد ورہبر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے تیسرے روز ہانسی سے دہلی پہنچے اور ان کے مزار پر جا کر فاتحہ خوانی کی۔

آپ کے مُرشد نے اپنا خرقہ، عصا، نعلین، مُصلّے اور دیگر تبرکات حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کر کے وصیت کی تھی کہ انہیں ان کے خلیفہ اور جانشین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا جائے۔آپ جب دہلی پہنچے تو حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے رہبر ورہنما کے تبرکات اُن کی وصیت کے مطابق آپ کے حوالے کئے آپ نے ان تبرکات کو ازحد خوشی ومسرت کے ساتھ قبول کیا اور تمام عمر ان کی حفاظت کی۔آپ نے اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد سلسلہ چشت کی سیادت وقیادت سنبھالی اور برصغیر پاک وہند میں موجود لاکھوں ارادت مندوں کے رہبر ورہنما ٹھہرے۔

اپنی سعادت مندی اور زہد وتقویٰ کے باعث جو خرقہ وسجادہ آپ کو ملا اُس کے لوازمات کی تکمیل اور تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رہبر ومرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی دہلی میں واقع خانقاہ وقیام گاہ میں سکونت اختیار کی تاکہ عوام الناس کی فلاح واصلاح کا کام جاری وساری رہے۔

آپ نے اپنے رہبر ورہنما حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے حجرہ میں قیام فرما کر حسبِ معمول عبادت وریاضت شروع کر دی۔ جو ارادت مند آپ سے ملاقات کے لئے آتے تھے آپ ان کی ہر ممکن مدد واعانت اور رہبری ورہنمائی فرماتے تھے۔ جو لوگ عقیدتاً آپ کو کچھ دے جاتے تھے آپ اسی لمحے غرباء وفقراء میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ اس سے آپ کے وہ ارادت مند بھی خوش ہو جاتے تھے کہ جو آپ کے لئے چیزیں لے کر آتے تھے اور غریب لوگوں کا بھلا بھی ہو جاتا تھا۔

آپ ایک عرصہ تک دہلی میں مقیم رہے مگر ایک روز آپ جمعتہ المبارک کی نماز کی ادائیگی کے لئے جیسے ہی اپنے حجرہ سے باہر تشریف لائے تو ایک درویش نے آگے بڑھ کر آپ کا دامن تھام لیا اور زاروقطار رونے لگا۔ آپ نے اُسے گلے لگایا اور رونے کا سبب پوچھا تو اُس نے عرض کی۔ ''یا حضرت! جب سے آپ ہانسی سے تشریف لائے ہیں وہاں کے لوگ بے چین وبے قرار ہیں۔ وہ آپ کی جُدائی کو انتہائی شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔ آپ وہاں تھے تو ہمارے سب دکھ درد آپ سے ملتے ہی دور ہو جاتے تھے۔ آپ ہماری اصلاح فرماتے تھے۔ ہماری ہر معاملے میں مدد فرماتے تھے۔ آپ کی برکت سے ہمارا علاقہ خوشحالی کی زندگی گزار رہا تھا مگر اب ہانسی کے باشندوں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ آپ ہمیں چھوڑ کر کیا آئے کہ ہماری تو دُنیا ہی اُجڑ کر رہ گئی۔ اب ہر لمحہ اور ہر پل ہمیں کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ ہر شخص بغیر پانی کے مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہے۔ آپ ہم پر مہربانی فرمائیے اور واپس ہانسی تشریف لے آئیے۔''

اُس درویش کے لفظوں میں محبت وعقیدت کی کچھ ایسی شدت تھی کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے نمازِ جمعتہ المبارک کی ادائیگی کے بعد ہانسی جانے کا ارادہ فرما لیا۔ دہلی والوں کو معلوم ہوا تو وہ دوڑے آئے اور عرض کی۔ ''یا حضرت! آپ دہلی سے تشریف لے جائیں گے تو ہمارا کیا بنے گا؟ ہم آپ کے لطف وکرم اور فیض سے محروم ہو جائیں گے۔ آپ ہانسی جانے کا ارادہ ترک فرمائیے اور ازراہِ عنایت دہلی ہی میں قیام قائم رکھیئے۔''

مگر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''یہ حقیقت ہے کہ دہلی میرے لئے عزت واحترام کی جگہ ہے۔ یہ میرے پیر ومرشد کا ٹھکانہ رہا ہے لیکن حالات وواقعات کا تقاضا یہی ہے کہ میں ہانسی چلا جاؤں کیونکہ وہاں کے لوگوں کو دہلی والوں کی نسبت میری زیادہ ضرورت

ہے۔ میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کو یہی منظور معلوم ہوتا ہے۔ زندگی رہی تو میں دہلی ضرور آؤں گا۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل کے آگے کسی کی کوئی تدبیر نہ چلی اور دہلی کے رہائشی بالآخر خاموش ہو گئے۔ آپ ہانسی تشریف لے گئے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو وہاں کے باسیوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ان کی بہاریں لوٹ آئیں۔ انہوں نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو بہت عزت واحترام دیا۔ وہ آپ کی جنبشِ لب کے منتظر رہتے تھے۔ آپ کے ہر فرمان پر عمل کرنے کو اپنے لئے باعث اعزاز اور وجہ افتخار سمجھتے تھے۔ جو لوگ استطاعت رکھتے تھے وہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے زیر سایہ رہنے کے لئے دہلی سے ہانسی پہنچے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ ویسے بھی روزانہ کچھ نہ کچھ عقیدت مند دہلی سے ہانسی پہنچتے تھے اور اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ یوں آپ کا رابطہ دہلی والوں سے بھی قائم رہا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مدت ہانسی میں گزاری اور ایک وقت آیا جب آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ اب یہاں سے جانا چاہئے چنانچہ آپ نے اپنے ایک ارادت مند شیخ جمال الدین ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ کو علم ومعرفت اور سلوک وطریقت کے مراحل طے کرانے کے بعد اپنی سند خلافت عطا فرمائی اور ہانسی میں ٹھہرنے کی ہدایت دے کر وہاں سے آبائی گاؤں کوٹھیوال پہنچے۔ وہاں آپ نے اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضری دی جو آپ کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ یہ ملتان کے قریب وہی جگہ ہے جہاں آپ کی ولادت ہوئی تھی اور یہ وہی ملتان ہے جہاں آپ کی ملاقات حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگانِ دین کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ہوئی تھی۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ سے آپ کی ملاقات یادگار انداز میں ہوئی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ ملتان کی ایک مسجد میں مطالعہ میں مصروف تھے کہ حضرت جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ جب وہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے قریب پہنچے تو آپ تعظیم وتکریم کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور انہیں السلام علیکم کہا۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے سلام کا جواب دینے کے بعد آپ سے کہا بیٹا بیٹھ جاؤ اور اپنا مطالعہ جاری رکھو۔ اگرچہ حضرت بابا فرید الدین رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ نے بیٹھنے کے لئے کہا مگر آپ نے عرض کی۔ ''یا حضرت! میں آپ جیسی محترم شخصیت کے سامنے بیٹھنے میں ندامت محسوس کرتا ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کھڑے رہیں اور میں بیٹھ جاؤں۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی یہ بات سُن کر حضرت شیخ جلال الدین تبریزی

رحمتہ اللہ علیہ خوش ہوئے اور ایک انار نکال کر آپ کو دیتے ہوئے کہا۔ "فرزند! یہ رکھ لو۔ مجھ درویش کے پاس تمہیں دینے کے لئے یہی کچھ ہے۔" حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے وہ انار خوشی خوشی قبول کیا۔ آپ اُس وقت روزے سے تھے چنانچہ آپ نے اسی لمحے وہ انار توڑا اور اُس انار کے تمام دانے مسجد میں موجود لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ ایک دانہ البتہ مسجد کے فرش پر گر پڑا۔ وہ دانہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اُٹھالیا اور اسے الگ سے اپنے لئے رکھ لیا۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ "بیٹا! تم نے اپنے لئے تو کچھ رکھا نہیں۔ ہم نے یہ انار تمہیں دیا تھا اور تم نے سارا انار تقسیم کر دیا۔"

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "یا حضرت! میرے لئے یہی ایک دانہ کافی ہے۔ اب میں روزے سے ہوں۔ میں شام کو اسی دانے سے روزہ افطار کروں گا۔" حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے جب یہ واقعہ اپنے پیرو مرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو سنایا تو انہوں نے فرمایا۔ "بابا فرید! تم بہت خوش قسمت ہو کہ تمہیں ایک بہت بڑے بزرگ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ نے انار دیا۔ اس وقت حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے قدرے افسوس کا اظہار کیا کہ کیوں نہ انہوں نے سارا انار خود ہی کھا لیا مگر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا بابا فرید تم پریشان نہ ہو تمہاری یہ ادا حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کو بہت پسند آئی تم نے مسجد میں موجود افراد میں انار تقسیم کر کے حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کو خوش کر دیا تمہارے زمین سے گرے ہوئے دانے کو اُٹھانے کے منکسرانہ انداز اور اپنے لئے ایک ہی دانہ کافی سمجھنے کی قناعت پسندانہ ادا نے حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کا دل موہ لیا۔ یاد رکھو کہ ہر انار میں ایک ہی دانہ نورانیت سے بھرا ہوتا ہے اور یہ وہی دانہ تھا جس سے تم نے روزہ افطار کیا تھا۔ شیخ جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ نے تمہیں سب کچھ دے دیا کیونکہ اسی ایک دانے میں تمام نعمتیں موجود تھیں۔ باقی سب دانے تو خالی تھے! رب ذوالجلال کے فضل و کرم اور عنایت سے تمہیں بہت کچھ مل گیا۔ رب رحیم و کریم کا شکر ادا کرو کہ جس نے تمہیں نعمتوں سے نوازا۔"

اپنے آبائی گاؤں کوٹھیوال میں کچھ عرصہ اپنی والدہ محترمہ کی خدمت کرنے کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ ایسی جگہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے جہاں آپ طمانیت کے ساتھ عبادت و ریاضت بھی کر سکیں اور لوگوں کو راہِ راست پر بھی لا سکیں۔ ایک طویل سفر کے بعد آپ ایک غیر معروف قصبہ اجودھن پہنچے۔ اس قصبہ کے اطراف میں منکرین اور مشرکین آباد تھے۔ آپ نے اپنے ٹھہرنے کے لئے اس جگہ کو اس لئے پسند فرمایا کہ ایک تو یہاں ایک وسیع جنگل تھا دوسرے

آپ کو دینِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا وافر موقع فراہم تھا آپ چاہتے تھے کہ یہاں کی آبادی کو دینِ اسلام سے روشناس کریں اور لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کریں۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اجودھن کے جنگل میں ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کر لیا اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ آہستہ آہستہ آپ کی بزرگی کی شہرت اردگرد پھیلی تو لوگوں نے آپ کے پاس آنا شروع کر دیا۔ آپ نے بے شمار لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی عبادت، ریاضت، شرافت، محبت، انکساری، عاجزی اور پاکیزگی کی وجہ سے وہاں کے لوگوں نے آپ کو "پاک لوک" کہنا شروع کر دیا۔ روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عقیدت و ارادت کا اظہار کرنے لگے۔ لوگ جب گھروں سے آپ کی زیارت کے لئے روانہ ہونے لگتے تو یہی کہتے کہ "چلو پاک لوک کے پٹن" ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اجودھن کے قریب ایک دریا کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا کرتے تھے۔ اس جگہ کو لوگوں نے "پاک لوک کا پتن" کہنا شروع کر دیا۔ یوں یہ رفتہ رفتہ پاک پتن مشہور ہو گیا۔ دراصل حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی پاکیزگی نے ہی اجودھن کو پاک پتن میں بدل دیا۔

اجودھن میں قیام پذیر ہوئے ایک عرصہ ہو گیا تو آپ کی اپنی والدہ ماجدہ کی یاد کی شدت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ آپ چاہتے تھے کہ کوٹھیوال اپنی والدہ ماجدہ کے پاس جائیں اور ان کے بڑھاپے کے اس عالم میں ان کی خدمت کریں مگر اجودھن کے باسی آپ کو وہاں سے نہیں جانے دیتے تھے۔ آپ جب بھی ایسا ارادہ کرتے تو وہ لوگ رونا دھونا شروع کر دیتے جس سے آپ کو وہاں رکنا پڑ جاتا حالانکہ آپ جس مقصد کے لئے وہاں گئے تھے وہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ اجودھن کی بیشتر آبادی مسلمان ہو چکی تھی۔ وہاں مساجد تعمیر ہو چکی تھیں۔ شفاخانے بن چکے تھے۔ جنگل نے سرسبز و شاداب کھلیانوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ لوگ فصلیں اُگا کر پیداوار حاصل کر رہے تھے۔ مکانات تعمیر ہو چکے تھے۔ کنوئیں اور رہٹ چل رہے تھے گویا جنگل نے شہر کی شکل اختیار کر لی تھی۔

جب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے یہ دیکھا کہ ان کے عقیدت مند انہیں کسی صورت واپس کوٹھیوال نہیں جانے دیتے تو انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنی والدہ محترمہ کو ہی اجودھن بلا لیا جائے تاکہ بوڑھی والدہ کی حتی المقدور خدمت کی جا سکے۔ اس مقصد کے لئے آپ نے اپنے چھوٹے بھائی نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ کو اجودھن سے کوٹھیوال بھیجا کہ وہاں سے والدہ ماجدہ کو لے آئیں۔ آپ کے بھائی نجیب الدین متوکل آپ کی تجویز اور ہدایت پر کوٹھیوال پہنچے اور والدہ ماجدہ سے درخواست کی کہ ان کے ہمراہ اجودھن چلیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ اس بات سے بہت خوش ہوئیں اور اجودھن جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔

آپ کے چھوٹے بھائی نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ نے والدہ محترمہ کو ایک گھوڑی پر بٹھایا اور خود اُس گھوڑی کی باگیں سنبھال کر پیدل چل پڑے۔ کوٹھیوال سے اجودھن جاتے ہوئے راستے میں ایک وسیع جنگل تھا۔ اس جنگل میں خونخوار جانور بھی کثرت سے رہتے تھے۔ جنگل سے گزرتے ہوئے آپ کی والدہ کو سخت پیاس محسوس ہوئی تو انہوں نے بیٹے سے پانی کا انتظام کرنے کو کہا۔ نجیب الدین متوکل نے بوڑھی والدہ محترمہ کو ایک درخت کے نیچے بٹھایا اور خود خالی مشکیزہ لے کر پانی کی تلاش میں نکل پڑے۔ کافی مسافت کے بعد انہیں پانی ملا تو دوڑے دوڑے وہاں پہنچے جہاں والدہ محترمہ کو چھوڑ کر گئے تھے مگر والدہ ماجدہ اس درخت کے نیچے موجود نہیں تھیں۔ اُنہوں نے والدہ ماجدہ کو چاروں جانب تلاش کیا۔ آوازیں دیں مگر والدہ ماجدہ کا کوئی نشان نہ ملا۔ بالآخر آپ کے بھائی نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ مایوس اور پریشان ہو کر روتے ہوئے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اجودھن پہنچے اور آپ کو تمام ماجرا سنایا۔ آپ نے فوری طور پر اپنے چند عقیدت مند اپنے چھوٹے بھائی نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ جنگل روانہ کیے تا کہ والدہ ماجدہ کو تلاش کیا جائے مگر وہ لوگ بھی ناکام لوٹے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "یہی رضائے الٰہی ہے۔ ہم رب ذوالجلال کی حکمتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ صبر و شکر بجا لاتے ہیں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ سے دعا ہے کہ وہ ہماری والدہ ماجدہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے انہوں نے شہادت کا رُتبہ پایا اور ہمارا سر فخر سے بلند کیا۔" پھر آپ نے مسکینوں اور غریبوں کے لئے کھانے کا انتظام کیا اور مقدور بھر صدقہ دیا۔ "راحت القلوب" میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کا حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ پر کافی اثر ہوا اور آپ جب بھی اپنی والدہ ماجدہ کو یاد کرتے تھے تو صبر و رضا کی مجسم صورت بن جایا کرتے تھے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کر کے فقراء میں خیرات کیا کرتے تھے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے جہاں ہزاروں عقیدت مند تھے وہاں چند افراد ایسے بھی تھے جو آپ کی عزت و تکریم اور مقبولیت و شہرت سے حسد کرتے تھے۔ یہ لوگ بغض و عناد کی بناء پر آپ کی مخالفت کرتے تھے اور آپ کے خلاف بولتے رہتے تھے مگر آپ صبر و تحمل اور بُردباری کے ساتھ اصلاح و فلاح عوام الناس میں مصروف و مشغول رہتے تھے۔

اجودھن میں ایک ہندو جوگی رہتا تھا۔ وہ شعبدہ بازی اور جادوگری کے بل بوتے پر اثر و رسوخ کا حامل تھا۔ ہزاروں لوگ اس کے معتقد تھے۔ آپ کی وجہ سے اس کی سحر انگیزی ماند پڑنے لگی اور لوگ ہندو مذہب چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو اُسے سخت غصہ آیا۔ پہلے تو اُس نے اپنے چیلوں کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ آپ کو اپنے جادو کے زور سے زیر کریں مگر وہ بُری طرح ناکام رہے۔ پھر وہ خود آپ سے مقابلہ کرنے پہنچا مگر اس کی

تمام جادوئی قوت آپ کی روحانی طاقت سے مات کھا گئی۔ اُس نے جو بھی وار کیا حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے رب کریم و عظیم کا نام لے کر اُسے خطا کر دیا۔ آخر کار اُس نے ہار مان لی اور آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ وہ آپ کی روحانیت کا قائل ہو گیا اور مشرف بہ اسلام ہوا۔ اس کے مسلمان ہونے کے باعث اس کے ہزاروں چیلے بھی مسلمان ہو گئے۔ اس سے آپ کی تحریکِ اشاعت اسلام کو تقویت ملی۔

اسی طرح اجودھن کی مرکزی مسجد کا پیش امام جو قاضی کے عہدے پر بھی فائز تھا آپ کے خلاف ہو گیا۔ وہ آپ سے حسد کرنے لگا۔ اُس نے کوشش کی کہ آپ پر طرح طرح کے اعتراض لگا کر علماء وقت سے آپ کے خلاف فتویٰ حاصل کیا جائے مگر علماء نے فتویٰ جاری کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر اُس نے ایک آوارہ گرد لالچی شخص کو لالچ دے کر آپ کو قتل کرنے کے لئے بھیجا۔ اُس وقت آپ نوافل ادا کر رہے تھے اور حالت سجدہ میں تھے جبکہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ آپ کے پاس موجود تھے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے حالت سجدہ ہی میں فرمایا۔ "یہاں کوئی موجود ہے؟" حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "یا حضرت! آپ کا غلام نظام الدین حاضر ہے اور آپ کے حکم کا منتظر ہے۔" حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "یہاں ایک اور شخص بھی کھڑا ہے جو کانوں میں سفید رنگ کے مندرے پہنے ہوئے ہے۔" حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "یا حضرت! جی ہاں ایسا شخص یہاں کھڑا ہے۔" حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "اس شخص کی کمر میں چھری بندھی ہوئی ہے اور یہ شخص میرے قتل کے ارادے سے یہاں پہنچا ہے۔ اس سے کہہ دو کہ اپنی عاقبت خراب نہ کرے اور یہاں سے بھاگ جائے۔" اس شخص نے جیسے ہی یہ بات سُنی تو اُس پر ایسی ہیبت و دہشت طاری ہوئی کہ وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اپنے ارادت مندوں کو درس بھی دیا کرتے تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ مجلس درس کا اہتمام باقاعدگی کے ساتھ فرماتے تھے اور اس میں بلا روک ٹوک ہر کسی کو آنے کی اجازت ہوتی تھی۔ آپ پہلے قرآن پاک کی آیات تلاوت فرماتے تھے۔ رب کائنات کی حمد اور محبوب کبریاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف کے بعد عوام الناس کی ذہنی و فکری اصلاح کی خاطر خطاب فرماتے تھے۔ آپ کے خطاب کا زیادہ تر موضوع توحید اور رسالت ہوتا تھا۔ اس محفل میں لوگوں کو اس بات کی بھی اجازت ہوتی تھی کہ وہ اگر کسی اسلامی مسئلے پر سوال کرنا چاہیں تو ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سوال کر سکتے ہیں۔ آپ سوالات کا خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیتے تھے اور اکثر اوقات علمی سوال کرنے والا عقیدت مند آپ کے مقربین میں شامل ہو جاتا تھا۔ آپ اس کی عزت افزائی کرتے تھے۔ آپ کا فرمان تھا کہ سوال کرنے کے لیے بھی علم

کی ضرورت ہوتی ہے یعنی ایک عالم ہی بہتر سے بہتر سوال کر سکتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ مجلس درس میں خطاب کر رہے تھے کہ اچانک ایک ملنگ وہاں آیا اور مجلس کے آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے زور سے بولا۔ ''اے فرید! تُو بھی درویش ہے اور میں بھی درویش ہوں۔ میری خاطر تواضع کرنا تیرا فرض بنتا ہے۔'' حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اس مجلس میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے ارادت مندوں نے دیکھا کہ اس ملنگ کا اندازِ گفتگو گستاخانہ ہے تو انہوں نے اُس ملنگ کو روکا اور کہا۔ ''میاں! اپنی راہ لو۔ یہ سیکھنے سکھانے کی محفل ہے۔ اس کے آداب کا خیال رکھو اور یہاں سے چلے جاؤ۔'' مگر وہ ملنگ پھر بھی باز نہ آیا اور مسلسل چیخ چیخ کر بولتا رہا تو ایک ارادت مند نے اسے سختی کے ساتھ منع کیا۔ اس پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اُس ارادت مند کو سمجھایا۔ ''تم اپنی زبان کو تلخ کیوں کرتے ہو' جس کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہی اس کی زبان پر آتا ہے۔ اس ملنگ کا بھی اندر بول رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے کچھ رقم وغیرہ دے کر رخصت کر دو۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی ہدایت پر اُس ملنگ کو کچھ رقم دے دی۔ اس ملنگ نے وہ رقم فوری طور پر جیب میں ڈالی اور زور سے چلانے لگا۔ ''یہ جو سکے تم نے دیئے ہیں میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اے فرید! میں نے ان کو صرف تیری رضا کی خاطر قبول کیا ہے ورنہ میں اگر اپنی جھولی اُلٹ دوں تو اس قدر سکے نکلیں کہ دنیا میں سما نہ سکیں۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اس ملنگ سے انتہائی نرمی اور شائستگی سے کہا۔ ''میاں! آپ اب یہاں سے تشریف لے جایئے۔ اپنی جھولی کو کسی اور جگہ جا کر اُلٹ دیجئے۔ یہ ایک درویش کا ڈیرہ ہے۔ یہاں اپنا کمال نہ دکھایئے اور مہربانی فرما کر یہاں سے تشریف لے جایئے۔ تاکہ ہم اپنی مجلس درس دوبارہ سے شروع کر سکیں۔ بس آپ کی یہی عنایت ہمیں چاہیئے۔''

مگر وہ ملنگ برابر کھڑا رہا اور مسلسل قسم قسم کی باتیں بناتا رہا۔ پھر اُس نے یکدم ایک زوردار آواز لگائی اور کہنے لگا۔ ''اے فرید! وہ اپنی کنگھی مجھے دے دے۔'' آپ خاموش رہے۔ اُس نے پھر سے کہا۔ ''وہ اپنی کنگھی مجھے دے کر مجھے خوش کر دے۔ پھر دیکھنا میری وجہ سے تجھے کیا کیا نعمتیں ملتی ہیں اور تجھ پر کیا کیا برکتیں میرے طفیل نازل ہوتی ہیں۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ اُس نقلی ملنگ کا لہجہ گستاخ تر ہوتا جا رہا ہے تو آپ نے اُس سے کہا۔ ''میرے مرشد کی وجہ سے اور اُن کی دعا سے میرے رب تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دے دیا ہے۔ مجھے تجھ سے کچھ نہیں لینا۔'' ملنگ نے پھر گستاخی کی اور کہنے

لگا۔ ''تجھے کوئی کیا دے گا؟ برکتیں اور نعمتیں تو میں بانٹتا ہوں۔ سب کچھ میرے در سے ملتا ہے۔''

خود ساختہ ملنگ کی اس ملحدانہ گفتگو پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ جلال میں آ گئے اور اس کیفیت میں آپ نے صرف اتنا کہا۔ ''جا! میں نے تجھے اور تیری برکتوں کو دریا میں غرق کر دیا۔'' یہ کہہ کر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ مجلس سے اُٹھ کر حجرے کے اندر تشریف لے گئے مگر وہ نقلی ملنگ برابر بولتا رہا جس پر آپ کے عقیدت مندوں نے اُسے زبردستی وہاں سے نکال دیا۔ وہاں سے نکلتے ہی وہ گستاخ نقلی ملنگ قریبی دریا پر چلا گیا۔ اُسے اس قدر گرمی محسوس ہوئی کہ اُس نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ دریا میں اگرچہ پانی اتنا زیادہ نہیں تھا مگر ملنگ کے جاتے ہی ایک انتہائی تیز موج چنگھاڑتی ہوئی آئی اور اُس ملنگ کو اپنے ساتھ ایسا لے گئی کہ اُس ملنگ کا پھر نام و نشان نہ ملا اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی بات پوری ہوئی اور ملنگ غرقِ دریا ہوا۔

اجودھن میں ایک بہت بڑا جادوگر رہتا تھا جس کا نام شہاب الدین تھا۔ وہ کالے جادو میں مہارت رکھتا تھا۔ اگرچہ وہ خود تو فوت ہو چکا تھا مگر اس کا بیٹا اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کالے جادو کا ماہر بن گیا بلکہ اس ملحدانہ اور کافرانہ فن میں اپنے باپ پر بھی سبقت لے گیا تھا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے حاسدین نے آپ پر کالے جادو سے وار کرنے کے لئے ایک معقول رقم دے کر شہاب الدین جادوگر کے بیٹے کی خدمات حاصل کیں۔ چنانچہ جیسے ہی آپ پر کالا جادو کیا گیا آپ اس ناپاک اور نجس عمل کی وجہ سے علیل ہو گئے۔ آپ دن بدن کمزور ہوتے چلے گئے اور علالت کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آپ کے صاحبزادوں اور عقیدت مندوں نے کئی حکماء اور اطباء سے علاج کرایا مگر افاقہ ہونے کی بجائے حالت مزید بگڑنے لگی۔

اس صورتِ حال میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادہ بدر الدین سلیمان رحمتہ اللہ علیہ اور اپنے مرید خاص حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ ''تمام دنیاوی طبیبوں کا علاج کرانا چھوڑ دو۔ شفاء صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کے ہاتھ میں ہے اور وہی ذاتِ کریم و رحیم ہی طبیبِ حقیقی ہے چنانچہ صرف رب رحمٰن و رحیم سے رجوع کرو۔ اسی سے اور صرف اُسی سے مدد طلب کرو۔ میں بھی اُسی سے ہی ہمیشہ مدد' بخشش اور کرم کا طلبگار رہا ہوں۔ تم بھی میرے لئے اسی کے فضل کی دعا کرو۔ آج رات کو عبادتِ الٰہی کے بعد بارگاہِ الٰہی میں میری صحت یابی کے لئے گڑگڑا کر دعا مانگو۔ مجھے یقین کامل ہے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ میری اور آپ کی دعا ضرور قبول فرمائیں گے اور فوری قبول فرمائیں گے۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے فرزندِ صادق بدر الدین سلیمان رحمتہ اللہ علیہ اور مریدِ صادق حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے حسبِ ہدایت تمام

رات عبادتِ الٰہی میں گزاری اور رات کے آخری لمحات میں حالتِ مراقبہ میں دیکھا کہ ایک سفید لباس میں ملبوس سفید ریش بزرگ کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ ''بابا فریدالدین پر کالا جادو کیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ علیل ہیں۔ یہ جادو شہاب الدین جادوگر کے بیٹے نے کیا ہے۔ اس کا حل یہی ہے کہ شہاب الدین جادوگر کی قبر پر پہنچ کر یہ کہا جائے کہ اے قبر میں پڑے ہوئے عذاب میں گرفتار جادوگر! تجھے اطلاع ہو کہ تیرے بیٹے نے حضرت بابا فرید پر کالا جادو کیا ہے۔ تُو اپنے بیٹے سے کہہ دے کہ اپنے شر سے باز رہے ورنہ اُسے اس سے بھی زیادہ عذاب ہوگا جتنا تجھے ہو رہا ہے۔''

آپ کے فرزند ارجمند بدرالدین سلیمان رحمتہ اللہ علیہ نے صبح کی نماز کے بعد آپ کو یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا۔ ''یہ رب رحمٰن و رحیم کی طرف سے اشارہ ہے۔ تم اس پر فوری عمل کرو۔'' چنانچہ آپ کے بیٹے نے قبرستان جا کر شہاب الدین جادوگر کی قبر تلاش کی۔ لوگوں نے بتایا تو بدرالدین سلیمان رحمتہ اللہ علیہ اس جادوگر کی قبر پر پہنچے۔ ابھی وہ بتائے گئے کلمات کہنے ہی والے تھے کہ ان کی نظر قبر کے ایک سوراخ پر پڑی۔ انہوں نے اس سوراخ کے قریب جا کر دیکھا تو انہیں وہاں ایک پُتلا نظر آیا۔ انہوں نے وہ پتلا باہر نکالا تو وہ آٹے کا بنا ہوا تھا اور اس میں جا بجا سوئیاں چبھی ہوئی تھیں جبکہ اس پر گھوڑے کی دُم کے بال لپٹے ہوئے تھے۔ آپ کے بیٹے بدرالدین سلیمان رحمتہ اللہ علیہ کو علم ہو گیا کہ یہی کالے جادو کا طریقہ واردات ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہ پتلا وہاں سے لیا اور اپنے والد گرامی حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس لے آئے۔ آپ نے فرمایا۔ ''میرے آقا' سرور کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر بھی کالا جادو کیا گیا تھا۔ وہ طریقہ واردات بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ تم فوری طور پر اس پتلے سے سوئیاں نکالو اور بالوں کو کھولو۔ جیسے جیسے سوئیاں نکلتی گئیں اور بال کھلتے گئے آپ رحمتہ اللہ علیہ آرام محسوس کرتے گئے اور جب تمام سوئیاں نکل گئیں اور تمام بال کھل گئے تو آپ مکمل صحت یاب ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔ ''اس پتلے کو توڑ کر دریا میں پھینک دو۔ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ غریبوں کی مدد کرو اور صدقہ دو۔ رب رحمٰن و رحیم نے اپنا فضل کیا ہے۔ یہ اسی کا کرم ہے کہ مجھے صحت کاملہ عطا ہوئی ہے۔''

جب اجودھن کے حاکم کو اس واردات کا علم ہوا تو اُس نے شہاب الدین جادوگر کے بیٹے کو گرفتار کر کے پیش کرنے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور مجرم جادوگر کو گرفتار کر کے اجودھن کے حاکم کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ حاکمِ وقت نے حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو پیغام بھیجا۔ ''یا حضرت! رب تعالیٰ جل شانہٗ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھیں اور آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھیں۔ اگر اجازت ہو تو اس مجرم کو اس کی اس ناقابلِ معافی حرکت پر ایسی سزا دی جائے کہ اس کی نسلیں اس کام سے باز رہیں۔ اس کا سر قلم کر کے سرِ بازار لٹکا دیا جائے۔''

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے حاکم کے پیغام کے جواب میں کہا۔

''میں رب رحمٰن و رحیم کا بندہ ہوں اور رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہوں۔ میں اس کی غلطی معاف کرتا ہوں۔ تُم بھی اسے معاف کر دو۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ سے دعاگو ہوں کہ وہ اس جادوگر کو راہِ راست پر لائے اور اسے بدی کی بجائے نیکی کی توفیق دے۔'' چنانچہ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر حاکمِ اجودھن نے اس جادوگر کو چھوڑ دیا۔

یہ سردی کا موسم تھا۔ ٹھنڈ اور کُہر نے اپنے شامیانے گاڑ رکھے تھے۔ سرد ہواؤں نے اپنی تمام تر روانی کے ساتھ چلنا شروع کر دیا تھا۔ ایسی صورتِ حال میں جب سورج اپنی کرنوں کی فوجِ ظفر موج کے ذریعے تمازت و حرارت زمین کے باسیوں پر پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا تھا تو گھروں، مسجدوں اور حجروں میں بیٹھے لوگ باہر نکل آتے تھے تاکہ دھوپ کی حدت سے جسم کا درجہ حرارت نارمل رکھ سکیں۔ کچھ ایسے ہی موسم میں ایک دن حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ دوپہر کے وقت اپنے حجرے سے باہر نکلے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ، مولانا بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ جمال الدین ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے ہم رکاب تھے۔ آپ لوگوں نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ سامنے سے آپ کے ایک بہت ہی پرانے ارادت مند ملا یوسف آتے دکھائی دیئے۔ اُس نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا تو تیز قدموں کے ساتھ آپ کے قریب پہنچے اور سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا۔ ''سناؤ یوسف میاں! کس حال میں ہو؟ خیریت تو ہے ناں؟''

ملا یوسف نے کہا۔ ''یا حضرت! آپ کیا حال پوچھتے ہیں۔ میری تو صورتِ حال یہ ہے کہ ایک مدت سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں لیکن تا حال فیضِ باطنی حاصل نہیں کر سکا۔ خدا معلوم آپ کی نظرِ التفات کب مجھ پڑے گی۔ اب مزید انتظار برداشت نہیں ہوتا۔ للہ کرم کیجئے اور معرفت کے چند پھول میری جھولی میں بھی ڈال دیجئے۔''

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ملا یوسف کی یہ بات سنی تو آپ مسکرا دیئے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ ''بھائی صاحب! میں تو سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہوں البتہ ہر شخص کا اپنا اپنا دامن ہے اور اس کے دامن کی اپنی اپنی وسعت ہے جس کا دامن جتنا وسیع ہوتا ہے وہ اسی قدر اسے بھر لیتا ہے اور فیض یاب ہوتا ہے۔''

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بات کی ہی تھی کہ اس دوران ایک چار سال کی عمر کا ایک بچہ وہاں آ گیا۔ وہاں قریب ہی پختہ اینٹیں پڑی تھیں۔ آپ نے اُس بچے کو اپنے پاس بلایا۔ پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ جیب سے شیرینی نکال کر اُسے دی اور اُس سے پوچھا۔ ''تم کس کے بیٹے ہو؟'' اُس نے اپنے والد کا نام بتایا۔ اُس کے والد آپ کے قریبی عقیدت مند تھے۔ آپ نے اُس بچے سے کہا۔ ''پھر تو تم ہمارے بھی بیٹے ہوئے۔ اچھا بیٹا! یوں کرو کہ سامنے

پختہ اینٹوں کے ڈھیر سے ایک اینٹ اُٹھالاؤ۔“ بچہ دوڑا ہوا گیا اور ایک سالم اینٹ اُٹھا کر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو پیش کر دی۔ آپ نے وہ اینٹ زمین پر رکھی اور اُس پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے اُس بچے سے کہا۔ ”بیٹا! ایک اور اینٹ اُٹھالاؤ۔“ بچہ دوڑ کر ایک اور اینٹ اُٹھا لایا جس پر آپ رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ جمال الدین ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ کو بٹھا دیا۔ اس کے بعد بچہ ایک اور اینٹ لایا تو اُس پر شیخ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ بیٹھ گئے۔ یہ تمام اینٹیں سالم تھیں مگر اب جب بچے کو کہا گیا کہ اینٹ اُٹھا کر لاؤ تو وہ سالم اینٹ کی بجائے اینٹ کا ایک ٹکڑا اُٹھا لایا جو آدھی اینٹ سے بھی چھوٹا تھا کیونکہ اب صرف ملا یوسف ہی باقی رہ گئے تھے اس لئے اُس بچے نے اینٹ کا وہ ٹکڑا ملا یوسف کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ سب لوگ اس صورت حال سے انتہائی حیران ہوئے۔ اب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ملا یوسف سے کہا۔ ”مولانا! اب آپ خود ہی بتائیں کہ اس میں میری کیا غلطی ہے۔ یہ تمہاری قسمت ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہے۔ جب وقت آئے گا تو تمہیں بھی معرفت کے بلند مراتب حاصل ہو جائیں گے۔ پہلے اپنے آپ کو اس قابل بنالو اور شکوہ وشکایت کا انداز چھوڑ کر صبر ورضا اور ذکر وشکر کا طریقہ اپناؤ۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ تمہیں بہت کچھ عنایت فرمادیں گے۔“ (تاریخ فرشتہ)

ایک دفعہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اپنے حجرہ میں تشریف فرما تھے کہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے نواسے حضرت خواجہ وجیہ الدین رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں۔ آپ نے حجرہ سے باہر نکل کر اُن کا استقبال کیا اور انہیں اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ آپ اُن کے ساتھ انتہائی عزت واحترام کے ساتھ پیش آئے اور ان کی قدر ومنزلت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ پھر آپ نے ان سے دریافت فرمایا۔ ”فرمائیے میرے لائق کوئی خدمت!“ انہوں نے کہا۔ ”مجھے بیعت کر کے اپنے حلقہ ارادت میں لے لیجئے۔ میں آپ کو اپنا پیرومرشد بنانے آیا ہوں۔ مجھے اپنا مرید بنالیجئے۔ یہ میرے لئے ایک سعادت ہوگی۔“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر نے فرمایا۔ ”آپ کے نانا حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے طفیل ہی مجھے سب کچھ ملا ہے۔ میں تو خود آپ کے خاندان کا مرید ہوں۔ آپ کا گھرانہ میرا پیر گھرانہ ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ کو اپنا مرید بنالوں!“ حضرت خواجہ وجیہ الدین رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ”یا حضرت! موجودہ دور میں آپ سے اعلیٰ وافضل ایسی کوئی شخصیت مجھے نظر نہیں آئی جو قربِ الٰہی کی حامل ہو۔ آپ مجھے جب تک اپنے حلقہ ارادت میں داخل نہیں فرمائیں گے میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے جب حضرت خواجہ وجیہ الدین رحمتہ اللہ علیہ کا شوقِ ارادت اس شدت کے ساتھ دیکھا تو آپ نے حضرت خواجہ وجیہ الدین رحمتہ اللہ

علیہ کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل فرمالیا۔ آپ نے ان کو اپنا خرقہ ارادت عطا فرمایا اور آپ کے حق میں رب رحیم وکریم سے بلندیٔ مراتب کے لئے دعا کی۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ' ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑے عالم، عابد وزاہد اور متقی وپرہیز گار شخص تھے۔ انہیں اپنے علم وفضل پر ناز تھا۔ ایک دفعہ انہیں ایک انتہائی پیچیدہ اور تحقیقی وعلمی مسئلے کا سامنا ہوا۔ انہوں نے دہلی کے انتہائی جید اور وقیع علماء سے رابطہ کیا مگر ہر کسی نے اپنی کم مائیگی کا اظہار کیا اور مسئلہ جوں کا توں رہا۔ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے سوچا کہ کیوں نہ غزنی' بخارا اور بغداد پہنچا جائے اور وہاں کے علماء وفقہا سے اس بارے مشورہ کیا جائے کیونکہ یہ شہر ان دنوں علم ومعرفت اور درس وتدریس کے اعلیٰ مرکز سمجھے جاتے تھے۔

حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے رختِ سفر باندھا اور غزنی، بخارا اور بغداد کا قصد لے کر چل پڑے۔ راستے میں ان کا قیام اجودھن میں ہوا۔ وہ کچھ روز کے لئے وہاں رُکے۔ کسی نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ایک مسئلے کے حل کے لئے غزنی، بخارا اور بغداد جارہا ہوں۔ اس شخص نے حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے علم وفضل کی تعریف کی اور مشورہ دیا کہ آپ سے اس مسئلے کا حل دریافت کریں۔ ان شاء اللہ ضرور بتائیں گے مگر خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے دل میں سوچا کہ دہلی کے مقتدر وجید علماء اس کا جواب دینے سے قاصر رہے ہیں تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کیا بتائیں گے! تاہم اُس شخص کے اصرار پر وہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچے۔ اُس وقت آپ مجلس درس میں کسی موضوع پر گفتگو فرمارہے تھے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ایک نو وارد کو اپنی مجلس میں دیکھا تو آپ نے حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا۔ ”اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی گفتگو پوری کرلوں۔ اس کے بعد آپ سے تفصیلی بات چیت ہوگی۔“ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ”یا حضرت! آپ پوری توانائی کے ساتھ اپنی گفتگو جاری رکھئے کیونکہ جو کام آپ پہلے سے کر رہے ہیں اسے پہلے ہی ختم فرمالیں اور یہ کہ جو لوگ یہاں دور دور سے آپ کو سننے کے لئے تشریف لائے ہیں ان کا حق فائق ہے۔“

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے حاضرین مجلس سے دوبارہ خطاب شروع کر دیا۔ آپ مسلسل علمی گوہر لٹا رہے تھے۔ اک بحرِ بے کراں تھا جو اُمڈا چلا آتا تھا۔ ایک ایک لفظ اپنے اندر معانی کا بے بدل خزانہ رکھتا تھا۔ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ بھی آپ کی گفتگو

سنتے رہے اور حیرت سے دیکھتے رہے۔ باتوں ہی باتوں میں وہ پیچیدہ مسئلہ بھی حل ہو گیا جس کی خاطر حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کئی شہروں کے سفر کا ارادہ رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ خوشی اور حیرانی کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ گفتگو کے اختتام پر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے ملے انہیں اپنی علمیت پر جو ناز تھا وہ جاتا رہا اب وہ طفلِ مکتب نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے اسی لمحے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاؤں پکڑ لئے اور روتے ہوئے درخواست کی۔ ''یا حضرت! مجھے اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرما لیجئے۔ میں نے آپ کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ اپنا مرید بنا لیجئے۔ میں ساری عمر آپ کی خدمت کروں گا۔''

اس کے بعد حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو پوری تفصیل سے آگاہ کیا کہ کس طرح دہلی کے تمام علماء ان کے ایک علمی مسئلے کا جواب دینے سے عاجز آ گئے اور وہ دوسرے شہروں کے علماء سے گفتگو کے لئے جا رہے تھے اور یہ کہ آپ کے اس درس میں ہی انہیں ان کے مسئلے کا حل مل گیا ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ الدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کے از حد اصرار اور بار بار کی درخواست پر انہیں بالآخر اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرما لیا۔ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق نے اپنے اُستادِ محترم اور پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی اس حد تک خدمت کی کہ آپ کی آنکھ کا تارا بن گئے۔ آپ نے حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کو علم و معرفت کے مختلف مراحل طے کرائے۔ وہ ہمہ وقت آپ کے ساتھ رہتے۔ آپ کا ہر حکم بجا لاتے اور آپ کے ادنیٰ سے اشارے کے منتظر رہتے۔

اور پھر حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کی خدمات اور ذوقِ حصول علم و معرفت رنگ لایا۔ انہوں نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو بہت مشفق، رحمدل، عالم بے بدل اور اُستادِ بے مثل پایا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے شاگرد عزیز حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کا نام فخر سے لیتے تھے اور ان کی مثال دیتے تھے کہ جتنا علم ان کے پاس ہے ان کے کسی اور مرید اور شاگرد کے پاس نہیں۔ اور بالآخر ایسا ہوا کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی چھوٹی بیٹی سیّدہ فاطمہ کا نکاح حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ سے کر دیا اور انہیں اپنا داماد بنا لیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی اتنی خدمت کی کہ دس خادم بھی مل کر نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت بابا فریدا الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کردار و گفتار اور شعار و اطوار کے حوالے

سے نبی رحمت حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال واقوال پر حتی المقدور عمل پیرا ہونے کی سعی کرتے تھے۔ آپ کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک سے والہانہ عشق تھا۔ خشیت الٰہی اور محبت رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لمحہ بہ لمحہ سرشار رہتے تھے۔ خوفِ خدا سے جب آنسو پلکوں سے اُترتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سمندر اُبل پڑا ہو۔ آپ لِمَ تَقُولُونَ مَالَا تَفعَلُونَ کی تعلیم بھی دیتے تھے اور خود بھی اس پر سختی سے عمل کرتے تھے آپ کے قول و فعل کی مطابقت نے آپ کی خلوت اور جلوت دونوں کو منور کیا ہوا تھا۔ جس سے جو وعدہ کرتے تھے اُسے پورا کرتے تھے۔ جس نیک کام کا ارادہ کر لیتے تھے اس کی تکمیل ہر قیمت پر کرتے تھے۔ خدمتِ خلق اور اصلاح و فلاحِ عوام کے لئے لحظہ بہ لحظہ کمر بستہ رہتے تھے۔

یوں تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی اوصافِ حسنہ کی مرقع تھی تاہم آپ کی سب سے نمایاں خوبی شیریں زبانی تھی۔ آپ جب بولتے تھے تو حاضرین کا انہاک دیدنی ہوتا تھا۔ آپ اپنی میٹھی زبان کے جادو سے دوسروں کو اپنی شخصیت کا اسیر کر لیتے تھے۔ لوگ آپ کو گھنٹوں اور پہروں سنتے تھے مگر ان کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ آپ کے مرشد و مربی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے لئے رب ذوالجلال سے دعا کی تھی کہ۔ ''اے رب العالمین! فرید کو ہمیشہ شکر کی طرح شیریں رکھ۔'' اور آپ کے رہبر و رہنما کی دعا بارگاہِ الٰہی میں ایسی قبول و منظور ہوئی کہ آپ رہتی دُنیا تک ''شکر کا خزانہ'' یعنی گنج شکر کے لقب سے مشہور و مقبول ہوئے۔

انکساری اور عاجزی آپ کے مزاج اور طبیعت کا جزو خاص تھی۔ اپنے آپ کو عاجز، فقیر اور درویش کہتے بھی تھے اور کہلانا پسند بھی کرتے تھے۔ ادنیٰ و اعلیٰ، امیر و غریب اور شاہ و گدا سب کے ساتھ آپ سے ملاقات کے بعد یہی تاثر لیتا تھا کہ آپ جس خوش خلقی اور بندہ نوازی کے ساتھ اُس سے پیش آئے ہیں شاید کسی اور سے اتنی حدت و حرارت اور گرم جوشی کے ساتھ پیش نہیں آئے ہوں گے۔ آپ پہلی ہی ملاقات میں دوسرے شخص کو اپنے حسنِ اخلاق سے گرویدہ کر لیتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بادشاہِ وقت کی سواری اجودھن کے قریب سے گزری تو تمام لشکر نے متفقہ فیصلہ کیا کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کی جائے اور ان سے دعا کرائی جائے۔ آپ نے جب لوگوں کا بے پناہ ہجوم دیکھا تو آپ اپنے حجرے کی چھت پر تشریف لے گئے تاکہ ہر کوئی اپنی خواہش کے مطابق زیارت کر سکے۔ لوگوں نے تقاضا کیا کہ یا حضرت! ہم آپ سے مصافحہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنی چادر دیوار کے ساتھ لٹکا دی اور فرمایا۔ ''چونکہ رش کی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر شخص فرداً فرداً مجھ سے مصافحہ کر سکے۔ اس کا واحد حل یہی ہے کہ جو لوگ مصافحہ کرنا چاہتے ہیں وہ اس چادر کو چھو کر آگے نکل جائیں۔'' اور پھر یوں ہوا کہ لوگوں کا جمِ

غفیر چادر پر ٹوٹ پڑا اور اُس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس پر آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ لوگ دوڑے ہوئے وہاں پہنچے۔ آپ کے قریبی ارادت مندوں نے آپ کے گرد گھیرا کر لیا اور لوگوں سے کہا۔ "یا حضرت! آپ کو رب کریم وعظیم نے یہ مرتبہ اور رُتبہ ومقام دیا ہے کہ جو بادشاہوں کو بھی کبھی نصیب نہیں ہوا۔ پھر آپ کے گرد آپ کے قریبی ارادت مندوں نے حلقہ کیوں بنایا ہوا ہے۔ آپ اس حلقہ کو ختم کیجئے اور لوگوں کو موقع دیجئے کہ وہ بالمشافہ آپ کے انتہائی قریب ہو کر آپ سے محبت وعقیدت کا اظہار کریں۔" آپ نے اُس بوڑھے عقیدت مند کی بات پر خوشی کا اظہار کیا اور اپنے ارادت مندوں کو حکم دیا کہ وہ حلقہ اور گھیرا ختم کر دیں۔ اس کے بعد آپ نے بغیر حلقے کے اپنے عقیدت مندوں سے ملاقات کرنا شروع کر دی۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ آپ اپنے ارادت مندوں کے ساتھ ہی فرشی نشست پر تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے لئے کوئی اونچی جگہ نہیں بنوائی ہوئی تھی۔ اگرچہ لوگوں کو آپ کی زیارت کرنے میں قدرے مشکل ہوتی تھی اور انہوں نے کئی دفعہ آپ سے درخواست بھی کی کہ "یا حضرت! ازراہِ صد لطف وکرم آپ ایک منبر پر تشریف رکھا کیجئے تا کہ ارادت مندوں کی کثرت کی وجہ سے سب کو آپ بخوبی نظر آ سکیں۔" مگر آپ ہر دفعہ یہی فرماتے۔ "میں یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ اپنے ارادت مندوں کے ساتھ ہی چٹائی پر بیٹھوں۔ اس سے مجھے خوشی ہوتی ہے۔"

ایک دفعہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی جس کی وجہ سے آپ چٹائی پر بیٹھنے میں دقت محسوس کرتے تھے چنانچہ ارادت مندوں نے آپ کے لئے مجلس میں چارپائی کا انتظام کیا۔ جب آپ چارپائی پر بیٹھ گئے تو آپ کی طبیعت نے کچھ اچھا محسوس نہ کیا اور آپ نے حاضرین مجلس سے کئی بار کہا۔ "میں معذرت چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں سے اونچا بیٹھا ہوں اور وہ اس لئے ہے کہ پاؤں میں تکلیف کی وجہ سے چٹائی پر نہیں بیٹھ سکتا۔" آپ کے ارادت مندوں نے کہا۔ "یا حضرت! اس میں معذرت کرنے کی کیا ضرورت ہے! ہمیں علم ہے کہ آپ کے پاؤں میں تکلیف ہے اور یہ کہ ہماری خواہش یہی ہے کہ آپ اونچے بیٹھیں اور آج اگر قدرتاً یہ موقع میسر آیا ہے تو ہمیں خوشی ہو رہی ہے تاہم رب رحمٰن ورحیم سے ہماری دعا ہے کہ وہ آپ کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائیں کیونکہ ہماری صحت آپ ہی کی صحت میں ہے۔"

تکلیف اور مرض کی بات چلی تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اس پر تفصیلی خطاب کیا اور حاضرین کو بتایا کہ رب ذوالجلال نے اپنے کلام پاک قرآن مجید فرقان حمید کو شفا بتایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ شہد میں بہت سی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ پھر آپ نے بتایا کہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مریضوں کے لئے کیا کیا تجویز کرتے تھے۔ اور جب ذکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کا سلسلہ آگے بڑھا تو بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الموت تک پہنچی۔ اس وقت حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اس قدر روئے کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا۔ "ہر چیز کو فنا ہے۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ جب ہمارے آقا' خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جن کے لئے رب تعالیٰ نے تمام عالم کو پیدا کیا انہیں اس عالم فانی میں نہیں رکھا تو پھر میں اور تم کون ہیں۔ چنانچہ ہمیں چاہئے کہ اس چل چلاؤ کے دور میں اپنے آپ کو چلنے والوں میں شمار کریں۔ غفلت کا پردہ اپنی آنکھوں سے اُتار دیں اور زادِ راہ کی فکر کریں۔ آخرت کی تیاری کریں تا کہ روزِ محشر رب ذوالجلال کے رو برو شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

یہ گھڑی محشر کی ہے تُو عرصہ محشر میں ہے!
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

(علامہ اقبال)

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے تمام زندگی غربت اور عسرت میں گزاری۔ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ آپ اکثر روزے سے ہوتے تھے مگر پھر بھی سحری وافطاری میں بہت کم کھاتے تھے۔ آپ کو کھانے کے لئے کچھ پیش بھی کیا جاتا تھا تو تھوڑا سا کھانا اپنے لئے رکھ کر باقی فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ کریر یا پیلو کے درختوں کے پتے آپ کی روزمرہ کی خوراک تھی اور ان پتوں سے بھی کبھی پیٹ بھرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ صرف اتنے استعمال کرتے تھے کہ جن سے جسم اور روح کا رشتہ برقرار رہے۔ آپ کا فرمان تھا کہ فاقہ اور توکل علی اللہ ہی مومن کی اصل کائنات ہے۔ آپ فقر اور قرض کو مشرق ومغرب کے فاصلے کی طرح سمجھتے تھے۔ آپ کہتے تھے کہ فقر اور قرض کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ آپ کو قرض سے سخت نفرت تھی۔ آپ نے ساری عمر کسی سے قرض لینا گوارا نہ کیا اور نہ ہی کسی سے امداد لینا مناسب سمجھا۔ اگرچہ آپ کے ارادت مندوں میں امراء اور حکام شامل تھے اور وہ آپ کے ایک اشارہ پر بے شمار دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر سکتے تھے مگر آپ نے ساری عمر درویشی میں گزاری۔ کوئی بھی آپ کے پاس کوئی چیز لاتا تو آپ اول تو اُسے واپس کر دیتے تھے اور اگر اس کی خوشی کی خاطر رکھ لیتے تھے تو فوراً غرباء وفقراء میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے مرید خاص حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کریر کے پتے پکا کر کھانا پیش کیا۔ جب آپ نے کھانے کو ہاتھ لگایا تو طبیعت میں ایک عجیب قسم کی تنگی اور بے چینی محسوس کی۔ آپ نے فوراً حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ "اس میں سے مجھے کوئی اچھی بُو آتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی۔ بتاؤ آخر کیا وجہ ہے؟" حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔ ''یا حضرت! آپ نے بالکل صحیح پہچانا۔ دراصل آج نمک موجود نہیں تھا۔ میں نے پگڑی گروی رکھ کر نمک قرض لیا اور سالن میں استعمال کیا ہے۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''قرض لے کر کھانا تیار کرنا درویشوں کے مزاج و مسلک کے یکسر خلاف ہے۔ اگر نمک نہیں تھا تو بغیر نمک کے بھی کھانا تیار کیا جا سکتا تھا۔ اب اس کھانے کو ہم میں سے کوئی نہیں کھائے گا۔ جب تک قرض اُتار دیا نہیں جاتا اُس وقت تک یہ کھانا کھانے کی کسی کو بھی اجازت نہیں۔'' بے نیازی، استغنیٰ اور خودداری و توکل حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔ آپ کی زندگی زہد و قناعت کا قابلِ تقلید نمونہ تھی۔ آپ غذا کے ساتھ ساتھ لباس بھی انتہائی سادہ استعمال کرتے تھے بلکہ اس میں کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ کے کرتے میں اتنے پیوند لگے اور وہ اس قدر پُرانا ہو گیا کہ پھٹ گیا۔ ایک مرید نے آپ کو ایک کُرتا لا کر دیا۔ آپ نے لینے سے انکار کر دیا مگر اس کے از حد اصرار پر آپ نے جب وہ کُرتہ پہنا تو طبیعت میں عجیب سی گھٹن محسوس کی۔ آپ نے فرمایا۔ ''جو لذت اور راحت مجھے اُس پرانے کرتے سے حاصل ہوتی تھی وہ اب جاتی رہی ہے۔ اس نئے کُرتے میں وہ بات نہیں ہے البتہ میں نے کُرتا اپنے عقیدت مند کا دل رکھنے کے لئے پہن لیا ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ سے دعا ہے کہ وہ مجھے معاف فرمائیں گے۔''

ایک دفعہ بادشاہِ وقت سلطان ناصر الدین محمود نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو اُس کے معتمد خاص اور وزیر سلطنت الغ خان نے کہا۔ ''عالی جاہ! حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر انتہائی درویش صفت مردِ قلندر ہیں۔ وہ کسی بادشاہ کی حاضری کو اچھا نہیں سمجھتے۔ ہوسکتا ہے وہ آپ کو اپنی خانقاہ میں ملاقات کی اجازت نہ دیں۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ پہلے مجھے وہاں جانے دیا جائے۔ میں وہاں جا کر صورتِ حال کا جائزہ لے کر آپ کی ملاقات کی اجازت طلب کروں گا۔ پھر آپ کو اطلاع دوں گا۔ اس کے بعد آپ وہاں تشریف لے جایئے گا۔''

سلطان ناصر الدین محمود نے اپنے وزیر با تدبیر الغ خان کی اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے ایک کثیر رقم اور چار گاؤں کی ملکیت کا پروانہ دے کر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ وہاں جا کر آپ سے ملاقات کی اجازت طلب فرمائیں اور انہیں اس بات پر قائل و مائل کریں اور عاجزانہ درخواست پیش کریں کہ بادشاہ وقت ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔

الغ خان کثیر رقم اور جاگیر کا حکم نامہ لے کر حضرت سلطان التارکین بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ کو کثیر رقم اور پروانہ جاگیر پیش کیا۔ آپ نے رقم

لے کر اسی لمحے غرباء فقراء اور مساکین میں تقسیم فرما دی اور کہا۔ ''یہ ان کا حق تھا جو انہیں دے دیا گیا۔'' اس کے بعد آپ نے پروانہ جاگیر واپس کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے کسی جائیداد کی حاجت نہیں۔ مجھے تو صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور سجدہ کرنے کے لئے زمین چاہئے اور یہ رب رحمٰن و رحیم کا کرم اور خاص عنایت ہے کہ اُس نے زمین کے ہر حصہ پر سجدہ کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی تمام زمین ہماری ہے۔ ہم جہاں چاہیں وہیں سجدہ کر سکتے ہیں اور سجدہ کرنے کے لئے رب کریم و عظیم کی زمین بہت وسیع ہے۔ اس لئے یہ پروانہ جاگیر انہیں دو جو جاگیردار بننا چاہتے ہوں۔ تمہاری سلطنت میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہوگی چنانچہ کاغذ کے یہ ٹکڑے انہیں دے دو جو زمین اپنے نام کرانے کے خواہش مند ہوں۔ ویسے بھی تمام زمین کا مالک صرف اور صرف رب ذوالجلال ہی ہے۔''

بادشاہ وقت کے وزیر الغ خان نے دل ہی دل میں یہی سوچ رکھی ہوئی تھی کہ وہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو زمین کے کاغذات پیش کرے گا اور وہ خوش ہو جائیں گے تو پھر وہ حکومت ہند کی بادشاہت کے لئے آپ سے دعا کرائے گا اور یوں اُسے ہندوستان کی بادشاہت مل جائے گی اور اسی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی اُس نے سلطان ناصر الدین محمود کو یہی کہا تھا کہ پہلے اُسے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جانے دیا جائے کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ سلطان ناصر الدین محمود خود جا کر آپ سے دعائیں لے۔ وہ تو دراصل سلطان ناصر الدین محمود کی جگہ خود بادشاہ بننا چاہتا تھا مگر جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے پروانہ جاگیر انتہائی بے نیازی کے ساتھ واپس کر دیا تو اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ آپ خوش ہونے کی بجائے اُلٹا ناراض ہوئے تو اس کا بنا بنایا منصوبہ ناکام ہو گیا اور بادشاہِ ہند بننے کا خواب چکنا چُور ہو گیا۔

مگر الغ خان نے ہمت نہ ہاری اور زبان سے کچھ ادا کئے اور کوئی لفظ نکالے بغیر وہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''الغ خان! یاد رکھ کہ شہنشاہ فریدوں آسمان سے شہنشاہ بن کر نہیں اُترا تھا۔ اُس نے سخاوت اور دریا دلی سے کام لیا۔ غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کیں تو پھر شہنشاہ بنا۔ تُو اگر بادشاہ بننا چاہتا ہے تو لوگوں کی حاجتیں پوری کر۔ غریبوں اور ناداروں کی دعائیں لے۔ اگر رب تعالیٰ جل شانہٗ کو منظور ہوا تو پھر تُو بھی ایک دن بادشاہ بن جائے گا اور تیرے دل کی مُراد پوری ہو جائے گی۔''

الغ خان نے عرض کی۔ ''بابا جی! مگر یہ کام آپ کی دعا کے بغیر نہیں ہو سکے گا۔ آپ دعا کریں گے تو رب تعالیٰ جل شانہٗ میری مُراد پوری فرما دیں گے۔'' حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر

رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''یاد رکھو کہ دُنیا کا کوئی بھی درویش کسی انسان کی قسمت نہیں بدل سکتا۔ قسمت بدلنے والی صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات ہے۔ میں تمہارے لئے دعا تو کر سکتا ہوں مگر رب تعالیٰ جل شانہٗ کو منظور ہوا تو یہ دعا قبول ہو گی ورنہ نہیں بلکہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میں تمہیں اقتدار کی خوشخبری نہیں سُنا سکتا۔ اقتدار چاہتے ہو تو مقتدر اعلیٰ، قادر و قدیر اور مالک الملک، رب ارض و سمٰوات سے طلب کرو۔ سخاوت اور فراخ دلی سے کام لو۔ فیاض بنو اور حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرنے کی کوشش کرو۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ تمہاری خواہش بھی پوری فرمائیں گے۔''

الغ خان نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی نصیحت پر حرف بہ حرف عمل کیا۔ اُس نے غریبوں، محتاجوں اور فقیروں پر فراوانی کے ساتھ دولت خرچ کی۔ ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کی۔ ہر حاجت مند کی حاجت روائی کرنے کی کاوش کی۔ یتیموں اور مسکینوں کی دادرسی کی۔ اُس کے پیش نظر لحہ لحہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی ہدایت رہتی تھی اور وہ رب تعالیٰ جل شانہٗ سے ہمیشہ دعا گو رہتا تھا کہ اُسے ہندوستان کی سلطنت کی فرماں روائی مل جائے۔

وقت کا پہیہ تیزی کے ساتھ زمانے کی پٹری پر دوڑتا رہا اور بالآخر وہ لحہ آ پہنچا جب سلطان ناصر الدین محمود کے انتقال کے بعد اتفاق رائے سے الغ خان کو ہندوستان کی سلطنت کا حکمران منتخب کر لیا گیا۔ حکمران بننے کے بعد اُس نے سلطان غیاث الدین بلبن کا لقب اختیار کیا اور رب قادر و قدیر کا شکر ادا کیا کہ جس نے اس کی خواہش پوری کی۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو ایک دفعہ گھر سے یہ اطلاع پہنچائی گئی کہ آپ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا ہے۔ اطلاع لانے والے کے ذہن میں یہی تھا کہ آپ اس خبر سے پریشان ہو جائیں گے اور غم والم کا اظہار فرمائیں گے مگر آپ نے انتہائی اطمینان اور سکون کے ساتھ خبر کو سُنا۔ پھر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور خاموش ہو گئے۔ آپ کے چہرے سے کسی قسم کا ملال ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ آپ کے عقیدت مندوں نے آپ سے افسوس کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا۔ ''اگر کوئی اپنی امانت واپس طلب کر لے تو کیا افسوس کرنا چاہئے! میرا بیٹا رب تعالیٰ جل شانہٗ کی امانت میرے پاس تھی۔ مالک حیات و ممات نے اپنی امانت واپس لے لی تو اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ ویسے بھی ایک نہ ایک دن ہر شخص نے اس دُنیا سے چلے جانا ہے پھر پہلے اور بعد کا کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہئے۔''

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لُٹا راہ میں یہاں ہر سفری کا

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ہمیشہ غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور فقیروں

کے لئے اپنا دامن وسیع رکھا۔ جو کچھ بھی ہوتا اسی لمحے تقسیم فرما دیتے۔ آپ کا لنگر خانہ کافی وسیع تھا جہاں ہر مسافر کو کھانا فراہم کیا جاتا تھا۔ بعض اوقات لنگر خانے میں عمدہ کھانے بھی پکوائے جاتے تھے اور بعض اوقات روکھی روٹی بھی پیش کی جاتی تھی۔ وسائل جس طرح کی اجازت دیتے تھے آپ اسی طرح کا انتظام فرماتے تھے۔ مہمانوں کی عزت افزائی کو مقدم خیال کرتے تھے۔ اور سائل کو اپنے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں جانے دیتے تھے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ انتہائی نرم دل کے مالک تھے۔ کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ دوسرے کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھتے تھے اور اُسے دور کرنے کی ہر ممکن کوشش و کاوش کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں اجودھن کا ایک سرکاری ملازم حاضر ہوا۔ اُس نے آتے ہی رونا دھونا شروع کر دیا۔ آپ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا۔ ''میرا افسر مجھ پر بہت سختی کرتا ہے۔ ہر جائز و ناجائز بات پر مجھے ڈانٹتا ہے۔ اس نے میرا آرام و سکون برباد کر رکھا ہے۔ وہ مجھے اطمینان کے ساتھ ملازمت نہیں کرنے دیتا۔ آپ اُس سے میری سفارش کیجئے کہ وہ مجھے ناجائز تنگ نہ کرے۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے اُس حاکم کے پاس اپنے ایک ارادت مند کے ذریعے پیغام بھیجا۔ ''اس غریب کو تکلیف نہ دو اور ناجائز تنگ نہ کرو۔ یہ فرید پر تمہارا احسان ہوگا۔'' وہ ملازم اگلے روز پھر حاضر ہوا اور بتایا۔ ''یا حضرتؒ! آپ کی سفارش کا میرے افسر پر اُلٹا اثر ہوا ہے۔ اُس نے پہلے سے زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب آپ بتایئے کہ میں کیا کروں؟ میری زندگی تو اجیرن ہو کر رہ گئی ہے۔'' حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اُس ملازم سے کہا۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بھی کبھی کسی مظلوم کی فریاد پر کان نہیں دھرا ہوگا۔ تم نے بھی لوگوں کو تنگ کیا ہوگا۔ یہ سب تمہیں اپنے کئے کی سزا معلوم ہوتی ہے۔''

اُس شخص نے اعتراف کیا۔ ''بابا جی! آپ واقعی صحیح فرما رہے ہیں۔ میں بھی بہت سخت دل رہا ہوں۔ میں نے کبھی کسی مظلوم کی مدد نہیں کی لیکن اب میں رب تعالیٰ جل شانہٗ سے معافی طلب کرتا ہوں۔ اپنے گناہوں کی استغفار چاہتا ہوں۔ اپنے کئے پر نادم و شرمندہ ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اس لمحے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور کہا۔ ''اے رب رحمٰن و رحیم! یہ بندہ تجھ سے معافی چاہتا ہے۔ توبہ کا طلب گار ہے۔ تُو غفور و رحیم ہے۔ اس کی معافی قبول فرما۔'' اور پھر یوں ہوا کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی دعا قبول و منظور ہوئی۔ اور اس ملازم کا افسر اسے پریشان کرنے کی بجائے اس پر مہربان ہو گیا۔ اس افسر نے بھی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں حاضر ہو کر معافی

چاہی اور آئندہ کسی کو پریشان نہ کرنے کا وعدہ کیا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ قرآن پاک کی زیادہ تر تلاوت نوافل اور تراویح میں فرماتے تھے۔ عام مہینوں میں رات کا زیادہ تر حصہ نوافل میں جبکہ ماہ رمضان میں تراویح میں گزار دیتے تھے۔ رات بھر میں تمام قرآن پاک کی تلاوت مکمل فرما لیتے تھے۔ اس قدر عبادت اور ریاضت کے باوجود خوراک نہ ہونے کے برابر تھی چنانچہ آپ پر نقاہت اور کمزوری کا غلبہ ہوتا تھا تو آپ اپنی قوتِ ارادی، توکل، قناعت اور استقامت سے اس کا مقابلہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کمزوری کی وجہ سے اُٹھ کر دو قدم چلنے سے بھی قاصر ہو گئے تو آپ نے عصا منگوایا۔ آپ عصا کے سہارے اُٹھے اور چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ عصا ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ آپ اسی لمحے اسی جگہ بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ آپ کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! آپ کے چہرے پر قدرے پریشانی کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور یہ کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے عصا آپ نے خود ہی چھوڑ دیا ہو۔ آخر وجہ کیا ہے؟'' حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''تم جانتے ہو کہ میں نے چلنے کے لئے عصا کا سہارا لیا تھا تو تنبیہہ ہوئی کہ غیر اللہ کا سہارا لیتے ہو۔ اس لئے میں نے عصا چھوڑ دیا اور اب پریشان و پشیمان ہوں کہ میں نے عصا کا سہارا کیوں لیا! رب رحمٰن و رحیم سے التجا کر رہا ہوں کہ وہ مجھے معاف فرما دے۔ آئندہ مجھ سے ایسا عمل کبھی نہیں ہوگا۔ مجھے چاہئے تھا کہ میں رب قادر و قدیر سے جسمانی مضبوطی طلب کرتا چنانچہ اب میں عصا کو دور پھینک کر رب ذوالجلال سے گڑگڑا کر دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے جسم و علم اور ایمان و ایقان کی قوت وحشمت سے مالا مال کرے تا کہ میں زیادہ دلجمعی کے ساتھ رب کائنات کا ذکر و شکر ادا کر سکوں۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ مہمان کی خاطر تواضع اور خدمت و مروت کو باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔ اسی طرح مسافروں اور درویشوں کی مدارات کو وجہ اعزاز وثواب گردانتے تھے۔ کوئی نہ کوئی مہمان ہر لمحے آپ کے ہاں موجود ہوتا تھا جس کی خاطر داری میں آپ انتہائی دلچسپی لیتے تھے۔ گھر میں جو کچھ ہوتا تھا مہمان کو پیش کر دیتے تھے۔ اگر کوئی ارادت مند موجود نہیں ہوتا تھا تو مہمان کی تواضع اور خدمت خود سر انجام دیتے تھے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر ادا کرتے تھے کہ جس نے انہیں یہ موقع دیا اور توفیق بخشی۔ خاص طور پر درویشوں کی مہمان داری اپنے عقیدت مندوں کے ہوتے ہوئے بھی خود ہی کرتے تھے۔ آپ کے عقیدت مند آپ سے عرض کرتے تھے کہ انہیں حکم فرمائیں وہ ہمہ قسم کی خاطر داری کرنے کو تیار ہیں مگر آپ انہیں روک دیتے تھے۔ ''ایک درویش ہی دوسرے درویش کے جذبات و احساسات کو بہتر جان سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ درویش کی صحبت سے مجھے کوئی نہ کوئی سبق ضرور حاصل ہوتا ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی انمول بات بتا

جاتا ہے یا اُس کا کوئی عمل ایسا ہوتا ہے جو میرے لئے قابلِ تقلید ہوتا ہے۔ اور یہ کہ انسان تو ساری عمر طالب علم ہی رہتا ہے اور سیکھتا رہتا ہے اس لئے ہر درویش میرے لئے اُستاد کا درجہ رکھتا ہے جس کی تعظیم وتکریم مجھ پر لازم آتی ہے۔''

ایک دفعہ ایک درویش آپ کے ہاں پہنچا۔ وہ کافی دور کا سفر طے کر کے پہنچا تھا۔ اب رات کافی ڈھل چکی تھی۔ آپ نے گھر میں اُس کے کھانے کے لئے چیز تلاش کی تو پتہ چلا کہ گھر میں تھوڑی سی جوار کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ درویش نے اگرچہ کوئی چیز طلب نہ کی مگر آپ کو احساس تھا کہ اس قدر طویل سفر کے بعد اُس درویش مسافر کے لئے کھانا لازم تھا چنانچہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے گھر میں موجود جوار کو اسی وقت چکی میں ڈال کر پیسا۔ پھر جوار کے آٹے کو خود گوندھا اور دو روٹیاں پکا کر درویش کے سامنے رکھیں۔ درویش نے اس میں سے ایک کھائی اور آپ کو ڈھیروں دعائیں دینے کے بعد کہا۔ ''اے فرید! آپ نے میری خدمت کی۔ رات کے ان لمحات میں جبکہ لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے ہیں آپ نے میری خاطر اس قدر تکلیف اُٹھائی۔ آپ واقعی ولی اللہ ہیں۔ میرے پاس سوائے دعاؤں کے آپ کو دینے کے لئے اور کچھ نہیں۔ رب غفار و ستار آپ کے مراتب مزید بلند فرمائے!''

بعض اوقات حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایسے مہمان بھی آتے تھے جو آپ کے مقام و مرتبہ کا خیال نہیں رکھتے تھے اور قدرے درشت لہجے میں گفتگو کرتے تھے مگر آپ ان کے ساتھ بھی انتہائی عزت واحترام کے تقاضے ملحوظ خاطر رکھتے تھے اور پوری کوشش کرتے تھے کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو بلکہ جو آپ کے ساتھ زیادتی بھی کرے تو اس کے ساتھ اس قدر خلوص اور اخلاق و مروت سے پیش آئیں کہ وہ اپنے سابقہ عمل پر نہ صرف شرمندہ ہو بلکہ اس کی اصلاح بھی ہو جائے۔ دراصل اولیاء اللہ کا بنیادی مقصد و محور ہی عوام الناس کی اصلاح وفلاح ہوتا ہے۔ ان کی پوری کوشش وکاوش ہوتی ہے کہ لوگ نیکی کی طرف مائل ہوں اور برائی کے بدانجام کے قائل ہوں۔ اس طرح معاشرہ بھی پُرسکون رہ سکتا ہے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور بھی سرخروئی حاصل کی جا سکتی ہے۔''

ایک دفعہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اپنے ارادت مندوں کے ہمراہ مجلس میں موجود تھے کہ اتنے میں چار آدمی کہیں سے آئے اور انہوں نے آتے ہی انتہائی سخت اور نازیبا لہجے میں آپ سے گفتگو کرنا شروع کر دی لیکن آپ نے ازحد انکساری اور عاجزی کا مظاہرہ کیا۔ ان سے انتہائی متانت، خوش اخلاقی اور بردباری وحلیم کے ساتھ بات چیت کی۔ وہ جو بھی بات کرتے تھے اس میں تلخی اور طنز واضح جھلکتا تھا مگر آپ نے ان کی کسی بات کا بُرا نہ منایا بلکہ ان کی اعلیٰ درجے کی مہمان داری کی۔ ان کو اچھے سے اچھا کھانا کھلایا۔ اچھی سے اچھی جگہ پر بٹھایا۔ ان کی بے

حد عزت و تکریم کی مگر انہوں نے اپنا درشت رویہ قائم رکھا۔

کچھ دیر کے بعد وہ لوگ جانے لگے تو آپ نے ان سے درخواست کی۔ ''اے میرے معزز مہمانو! کچھ دیر اور رُک جاؤ۔ مجھے خدمت کا کچھ اور موقع دو۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ یہاں کچھ وقت مزید میرے ساتھ گزاریئے پھر تسلی کے ساتھ چلے جانا۔''

مگر انہوں نے ایک لمحہ بھی مزید ٹھہرنے سے انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے قسم کھا رکھی تھی کہ آپ کی کوئی بات نہیں ماننی اور پوری کوشش کرنی ہے کہ کسی نہ کسی طرح آپ کی دل آزاری ہو۔

تاہم جب وہ آپ سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے انہیں مشورہ دیا۔ ''اگر آپ لوگ لازماً اسی وقت جانا چاہتے ہیں تو پھر میری یہ درخواست ہے کہ بیابان والا راستہ اختیار نہ کیجئے گا۔ اس راستے میں آپ کے لئے خطرہ ہی خطرہ ہے۔ آپ کی جان بھی جا سکتی ہے۔ آپ لوگ کسی اور متبادل راستے سے تشریف لے جائیں تو بہتر ہوگا۔'' مگر وہ لوگ تو یہی ٹھان چکے تھے کہ جو بات آپ نے کہنا ہے اس کے اُلٹ کرنا ہے چنانچہ انہوں نے آپ کے پُرخلوص مشورہ پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ آپ کے کہنے پر اور پکے ہو گئے اور ضد کے طور پر بیابان ہی کا راستہ اختیار کرنے کی ٹھان لی اور واضح طور پر کہا۔ ''ہم تو ہر حال میں بیابان والے راستے ہی سے جائیں گے۔ اس راستے سے جانے سے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔''

اور پھر جب وہ چلے گئے تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ موقع پر موجود ارادت مندوں نے آپ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! آپ ان لوگوں کے جانے سے اس قدر زار و قطار رو کیوں رہے ہیں حالانکہ انہوں نے آپ کے ساتھ نازیبا رویہ اختیار کیا جبکہ آپ نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ پھر کس وجہ سے اب آپ رو رہے ہیں؟''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''میں نے انہیں منع کیا کہ بیابان والے راستہ سے نہ جائیں مگر وہ میری بات نہیں مانے۔ مجھے ان کی جان کو خطرہ محسوس ہوتا ہے اس لئے میں رو رہا ہوں کہ کہیں یہ لوگ جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں اور مجھے ان کے مارے جانے کے اندیشے سے رونا آ رہا ہے۔ چاہے کچھ بھی ہو اور ان کا رویہ کیسا بھی ہو لیکن ان لوگوں کا مارا جانا میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے اس لئے میری آنکھوں سے خود بخود آنسو رواں ہو رہے ہیں۔'' اور پھر بعد میں دوسرے روز معلوم ہوا کہ بیابان میں بادِ سموم کا ایسا زوردار جھکڑ چلا کہ جس سے وہ چاروں آدمی واقعی ہلاک ہو گئے آپ کے ارادت مندوں نے آپ کو اطلاع دی تو آپ نے فرمایا۔ ''وہی ہوا جس کا مجھے خطرہ تھا۔ بہر حال رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رضا میں ہماری رضا ہے۔ وہ ذات پاک ہر کام کی حکمت سے خوب آشنا ہے جبکہ ہم ان رازوں کو جاننے سے قاصر ہیں۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ جہاں خود سادہ اور درویشانہ زندگی بسر

کرتے تھے وہاں اپنے ارادت مندوں سے بھی یہی کہتے تھے۔ ''سادگی اختیار کرو۔ تقویٰ اور پرہیزگاری بہترین زادِ راہ ہے۔ امراء اور سلاطین سے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کرو۔ حکام سے تعلق اور دوستی کی بجائے عوام سے محبت و اخوت کا مظاہرہ کرو۔ کسی حاکم سے ملاقات کے لئے نہ جاؤ اور نہ اس سے کسی قسم کی مراعات حاصل کرو اس سے خودی اور خودداری مجروح ہوتی ہے اور درویشی کی چادر تار تار ہوتی ہے۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ایسا ہی درویشانہ مشورہ اپنے پیر بھائی شیخ بدرالدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی دیا مگر انہیں آپ کی بات یاد نہ رہی۔ دہلی میں ملک نظام الدین کا شمار امیر ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ شیخ بدرالدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کا عقیدت مند تھا۔ اس نے آپ سے بے پناہ ارادت کی بناء پر آپ کے لئے ایک عالی شان خانقاہ بنوا دی جس میں اس نے اپنے پیر و مرشد شیخ بدرالدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کو ٹھہرنے کے لئے کہا۔ اس نے عرض کی۔ ''شیخ صاحب! یہ خانقاہ میں نے اپنی عقیدت کے ادنیٰ اظہار کے لئے بنوائی ہے اور صرف آپ ہی کے لئے بنوائی ہے۔ آپ اسے قبول فرمایئے اور اس میں رہائش اختیار کیجئے۔''

شیخ بدرالدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے عقیدت مند ملک نظام الدین کی تیار کردہ خانقاہ میں اپنے عقیدت مند کی حسبِ خواہش و فرمائش رہائش اختیار کر لی۔ ملک نظام الدین خانقاہ ہی میں شیخ بدرالدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کو ہمہ قسم کی ضروری اشیاء فراہم کرتا تھا اور آپ کی ہر قسم کی ضروریات کا خیال رکھتا تھا۔

وقت نے کروٹ لی تو ملک نظام الدین سے حکومتِ وقت نے حساب کتاب طلب کیا۔ اس کی جانچ پڑتال کی تو وہ شاہی جائزہ کاروں کو تسلی بخش جواب نہ دے سکا جس کی وجہ سے اس پر غبن کا مقدمہ بنا۔ اس صورت حال میں اُس نے اپنے پیر و مرشد شیخ بدرالدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کو آگاہ کیا اور عرض کی۔ ''یا حضرت! میں سخت پریشانی میں مبتلا ہوں۔ میرے لئے دعا بھی کیجئے اور دوا بھی۔''

ان حالات میں شیخ بدرالدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رہبر و رہنما حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا۔ ''شاہی عمال میں میرا ایک ارادت مند ملک نظام الدین ہے۔ وہ لمحہ بہ لمحہ میری خدمت کیا کرتا تھا۔ اُس نے میرے لئے خانقاہ بھی بنوا کر دی اور میری ہر قسم کی ضرورت کا خیال رکھا۔ [illegible]غبن کے الزام میں ایک مقدمے کا دفاع کر رہا ہے۔ سخت پریشان ہے۔ میں بھی اس کے سبب [illegible]مند ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پر دائر مقدمہ خارج ہو جائے۔ آپ سے ملتمس ہوں کہ آپ [illegible] کے لئے رب کائنات کے حضور دعا فرمایئے تاکہ میرے ارادت مند ملک نظام الدین کی پریشانی دور ہو اور اس کی [illegible] سے مجھے جو فکر لاحق ہے اس کا بھی خاتمہ ہو۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو شیخ بدرالدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کی تحریر ملی تو آپ ؒ نے جواب میں لکھا۔ ''شیخ بدرالدین! یاد رکھو کہ جو شخص بھی اپنے بزرگوں کی تعلیمات، افکار، طور طریقہ اور روش سے تھوڑا سا بھی اِدھر اُدھر ہوگا تو اُسے لازماً پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ غم والم کا شکار ہوگا۔ غور کرو کہ ہمارے پیرانِ عظام اور مُرشدان کرام میں سے کس نے خانقاہ بنوائی یا عالی شان حجروں میں قیام فرمایا۔ ہمارے مرشد ورہبر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ ہوں یا حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ ہوں کیا ان میں سے کسی نے کوئی دنیاداری والی خانقاہ بنوائی؟ انہوں نے تو سب کچھ راہِ خدا میں وقف کیا اور خود آسائش کی زندگی کی بجائے عوام الناس کی آسائش کا خیال رکھا۔ میں تمہیں یہی کہوں گا کہ نمود ونمائش سے اجتناب کرو۔ شان وشوکت والی خانقاہ کو چھوڑ دو۔ عام سی رہائش اختیار کرو۔ رب رحمٰن ورحیم تمہارے اس عمل سے تم پر اور تمہارے ارادت مند پر ضرور اپنا فضل وکرم کرے گا۔ اور خوب یاد رکھو کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ سے دعا کے ساتھ نیک عمل بھی کیا جائے تو دعا کی قبولیت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ دعا کو قبولیت کے لئے نیک اور پاکیزہ عمل کی قوت درکار ہوتی ہے۔ وہ قوت اگر تم پیدا کرلو تو تمہارے حق میں میری دعا ضرور قبول ومنظور ہوگی۔ ویسے بھی رب رحمٰن ورحیم کی رحمت سے ناامید کبھی نہیں ہونا چاہئے۔ خاطر جمع رکھو۔ رب قادر وقدیر ضرور بہتری فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ آپ کے حافظ وناصر ہوں۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اپنے رفقاء اور ارادت مندوں کو موقع ومحل کے مطابق ہدایات بھی دیتے تھے اور ان کی امداد واستعانت بھی کرتے تھے۔ جس شخص کو جیسی اور جس طرح کی مدد ومعاونت کی ضرورت ہوتی تھی آپ اُس کی جائز مدد حتی الوسع اور حتی المقدور کرتے تھے۔ آپ امداد کے ساتھ ساتھ ارادت مندوں کی تعلیم وتربیت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ آپ کے نزدیک علم دُنیا کی افضل ترین نعمتوں میں سے ہے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے عقیدت مندوں کو مجلس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''یاد رکھو کہ علم ایک عبادت ہے اور ایسی عبادت ہے جو رب علیم وخبیر کے نزدیک تمام عبادتوں سے افضل ہے۔ اگر لوگوں کو علم کا مقام ومرتبہ صحیح طور معلوم ہوجائے تو وہ دُنیا کے تمام کام چھوڑ دیں اور صرف علم کے حصول میں مصروف ومشغول ہوجائیں۔ علم ایک بادل ہے اور ایسا بادل ہے جو رحمت کے سوا اور کچھ نہیں برساتا اور جو شخص اس بارش سے مستفید ہوتا ہے وہ دُنیا کی تمام نعمتیں پالیتا ہے۔ علم ایک پانی ہے اور ایسا پانی ہے جو آبِ حیات سے بھی بڑھ کر ہے۔ جس نے علم کو پالیا اُس نے ہمیشہ کی زندگی سے بھی آگے کی زندگی پالی ہے۔ علم والے کو کبھی موت نہیں آتی۔ علم انسان کو دنیا وآخرت دونوں میں زندہ وتابندہ رکھتا ہے۔ مدینۃ العلم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

فرمان ہے کہ جس نے علم اور علماء کو دوست رکھا اُس کے گناہ نہیں لکھے جاتے۔ اس لئے ہمارا فرض بنتا ہے کہ علم حاصل کریں اور ایسا علم حاصل کریں جس سے خلقِ خُدا کی بھلائی ہو۔ لوگوں کو دینِ اسلام کی حقانیت پر یقین پختہ سے پختہ ترین ہو۔ وہ علم بالکل بے سود اور بے فائدہ ہے جس کی وجہ سے بحث ومباحثہ پیدا ہو۔ اور ایسا بحث ومباحثہ کہ جو لوگوں کو فتنہ وفساد میں ڈال دے۔ لڑائی جھگڑا پیدا کرنے والا علم کبھی بھی حاصل نہیں کرنا چاہیئے۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں عام عقیدت مندوں کے ساتھ ساتھ علماء وفضلاء بھی شریک ہوتے تھے اور آپ سے مختلف قسم کے علمی وتحقیقی سوالات کرتے تھے۔ آپ فی الفور تسلی بخش جواب دے کر ان کے علمی مسائل حل کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہوتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں قاضی محی الدین کاشانی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! رب تعالیٰ جل شانہٗ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ جہاں کہیں بھی ایمان والے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے لیکن ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ جب رب تعالیٰ جل شانہٗ تمام مومنین کے ساتھ ہے تو پھر صابرین کے ساتھ ہونے کو الگ سے کیوں بیان کیا گیا ہے؟

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ساتھ مومنین کے لئے عام ساتھ ہے جبکہ صابرین کے لئے ساتھ ایک خاص ساتھ ہے اور یہ خاص ساتھ میں رب تعالیٰ جل شانہٗ کی عنایت کاملہ بھی شامل ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے اگر تم شکر کرو گے تو میں نعمت اور زیادہ کردوں گا مگر اگر صبر کرو گے تو میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ نعمت کے زیادہ ہونے میں اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی معیت ہونے میں جو فرق ہے وہی فرق مومنین اور صابرین میں ہے اور اسی طرح کا فرق شاکرین اور صابرین میں ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے آپ سے دریافت فرمایا۔ ''یا حضرت! مجھے کسی درویش نے کہا ہے کہ علم ایک بڑا حجاب ہے لیکن میں اس بات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا۔ میں سمجھتا ہوں کہ علم کو حجاب تو کہا جاسکتا ہے لیکن اسے بڑا حجاب کیسے کہا جاسکتا ہے؟

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''نظام الدین! یاد رکھو کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظلماتی اور دوسری نورانی ہے بُرے اخلاق ظلماتی حجاب ہیں۔ جو شخص برائیوں سے توبہ کرلیتا ہے۔ بُرے کام چھوڑ دیتا ہے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ سے سابقہ گناہوں اور غلطیوں کی معافی کا خواستگار ہوتا ہے وہ رب غفور ورحیم کی بخشش وعنایت کا مستحق ہوجاتا ہے اور رب رحیم وکریم اُسے اُس کی سابقہ غلطیوں کی معافی بھی دے دیتے ہیں مگر جہاں تک علم کی نورانی قسم کا تعلق ہے وہ ایک ایسا حجاب ہے اور ایسی منزل ہے کہ جس تک پہنچنا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں۔ جب تک شرعی

واسلامی ودینی علوم حاصل نہیں ہوں گے نورانی حجاب کی منزل نہیں مل سکتی۔ نورانی حجاب کی منزل دراصل رب تعالیٰ جل شانہ کی قربت اور محبت کا حصول ہے اور اسے حاصل کرنا بہت کٹھن اور مشکل ترین امر ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ علم ایک بڑا حجاب ہے بالکل صحیح اور درست بات ہے۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی یہی انفرادی خاصیت وخوبی تھی کہ آپ مشکل سے مشکل سوال کا جواب بھی انتہائی سہل، سادہ اور آسان وعام فہم زبان وطریقہ سے دیتے تھے کہ عام آدمی بھی اسے بخوبی سمجھ جاتا تھا۔ آپ کی مجلس میں ہمہ قسم کے دینی ودنیاوی امور کے بارے میں سوالات کئے جاتے تھے اور آپ ان کے جوابات مدلل ومنطقی دیتے تھے کہ بڑے بڑے علماء وفضلاء بھی آپ کے جوابات سُن کر دنگ رہ جاتے تھے اور عش عش کر اُٹھتے تھے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں محض سوالات کے جوابات ہی نہیں دیئے جاتے تھے بلکہ آپ کی مجلس ایک دینی درس گاہ کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ آپ اپنی مجلس میں جہاں ارادت مندوں کے لئے حقائق ومعارف کو سادگی کے ساتھ بیان فرماتے تھے وہاں طلباء کو قرآن وحدیث، تفسیر وفقہ اور شریعت وطریقت کا درس بھی دیتے تھے۔ آپ قرآن پاک کے ایک ایک لفظ کی تشریح بیان کرتے تھے اور اس تفصیل کے ساتھ بیان کرتے تھے کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے علم کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔ احادیث کا قرآنی آیات کے ساتھ تعلق اور پھر ان کی فقہ کے ذریعے تفسیر وتفصیل آپ کی مجلس درس کی منفرد خصوصیت تھی۔ ہر بات سند اور حوالہ کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ اسناد اور حوالہ جات آپ کو ازبر یاد ہوتے تھے۔ طلباء کو یہ کہا جاتا تھا کہ وہ اگلے روز کا سبق یعنی قرآنی آیات اور احادیث پڑھ کر آئیں۔ ان پر غور وفکر بھی کر کے آئیں اور پھر سوالات تیار کر کے آئیں تاکہ ان کے جوابات حاصل کر سکیں۔ اگر کوئی طالب علم کوئی سوال نہیں کرتا تھا تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ خود ہی سوال کرتے تھے اور پھر اُس کا جواب دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ اس آیت میں فلاں نکتہ ہے یا اس حدیث کے بارے میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے پھر اس کا جواب کیا ہوگا؟ بعض اوقات کوئی طالب علم اس کا جواب دے دیتا تھا تو اُسے شاباش دیتے تھے اور اگر کوئی طالب علم اس کا جواب نہیں دے سکتا تھا تو پھر آپ خود اس سوال کا تفصیلی اور وضاحتی جواب دیتے تھے۔

قرآن وحدیث کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ دوسری کتابوں کی تعلیم بھی اپنے طلباء کو دیتے تھے۔ یہ کتابیں بھی دینی ہوتی تھیں لیکن آپ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ''عوارف المعارف'' انتہائی شوق وذوق اور دلچسپی وانہماک کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ آپ کو قرآن وحدیث کے بعد اس کتاب سے ایک خاص رغبت تھی اور آپ کو اس کتاب پر کماحقہٗ عبور بھی حاصل تھا۔

قرآن پاک، حدیث، فقہ اور تفسیر میں مقدور بھر مہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علی کو دوسرے اسلامی وروحانی علوم پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان علوم میں خاص طور پر خوابوں کی تعبیر کا علم ہے جس کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے کتاب اللہ میں بھی موجود ہے اور خوابوں کی تعبیر بتانے ہی کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ صرف جیل سے رہائی ملی بلکہ آپ علیہ السلام پر لگائے گئے بہتان کی نفی بھی ہوئی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے بھی آپ کے ارادت مند گاہے بگاہے اپنے خواب بیان کرتے رہتے تھے اور آپ ان کو ان خوابوں کی صحیح صحیح تعبیر سے نوازتے تھے۔ اس طرح عوام الناس کے مسائل کا حل بھی نکل آتا تھا اور لوگوں کی اصلاح بھی ہوتی تھی۔ آپ خواب کی تعبیر بتا کر اس کے اسرار ورموز سے آگاہ کرتے تھے اور پھر ایک مکمل درس دیتے تھے جس میں حاضرین کے لئے اصلاح وفلاح کی نیک اور قابلِ عمل باتیں ہوتی تھیں۔ خوابوں کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے دور ونزدیک سے ارادت مند آپ کے پاس پہنچتے تھے اور اپنے خواب بیان کر کے تعبیر حاصل کرتے تھے۔ بعض عقیدت مند حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے اصرار کرتے تھے کہ ان کے خواب تنہائی اور تخلیہ میں سنے جائیں اور ان کو تعبیر بھی علیحدہ سے بتائی جائے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بعض اوقات اپنے کسی ارادت مند کی اس گزارش پر اس کو الگ سے وقت دے دیا کرتے تھے تب وہ حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کرتا تھا اور تعبیر حاصل کرتا تھا تاہم زیادہ تر ارادت مندوں کو مجلس ہی میں ان کے خوابوں کی تعبیریں بتائی جاتی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کسی بزرگ کی مجلس میں موجود تھے۔ یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب آپ نے عبادت وریاضت اور مطالعہ ومجاہدہ کے لئے مختلف شہروں کا سفر طے کیا اور شہروں کے ساتھ ساتھ جنگلوں، بیابانوں اور صحراؤں میں بھی دن اور راتیں یادِ الٰہی میں بسر کیں تاکہ محنت ومشقت کی کٹھن سے کٹھن منزل سے گزر کر منزل مقصود اور اصلی مقام تک پہنچ سکیں۔ یہ مجلس دراصل مشہور ولی اللہ حضرت ابو یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر چشت کے مقام پر منعقد تھی جس میں کئی صوفیاء کرام اور علماء عظام موجود تھے اور مختلف علمی واسلامی مسائل پر گفتگو جاری تھی۔ اس موقع پر ایک درویش نے صاحب مجلس سے کہا۔ ''یا حضرت! اگر اجازت ہو تو میں آپ سے اپنے اس خواب کی تعبیر دریافت کروں جو میں نے پچھلی رات ہی دیکھا ہے اور جس نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے؟''

صاحب مجلس نے فرمایا۔ ''تم بے دھڑک اپنا خواب بیان کرو۔ ہم ضرور اس کی تسلی بخش تعبیر بتائیں گے اور تمہاری بے اطمینانی وبے سکونی جاتی رہے گی۔'' اس درویش نے کہا۔ ''یا حضرت! میں نے کل رات ایک بھیانک اور ڈراؤنا خواب دیکھا جس کی ہیبت ابھی تک میرے جسم وجاں

میں اپنا اثر ظاہر کر رہی ہے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میری موت واقع ہو چکی ہے اور میری روح شدید اضطراب اور ازحد پریشانی و تکلیف میں مبتلا ہے۔ خدا معلوم میرا انجام کیسا ہو! جب سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے لحہ بہ لحہ میری بے کلی اور بے چینی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ رب تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوں۔ بہرحال آپ تعبیر بتایئے میں اس کے سننے کے لئے بے تاب ہوں۔"

صاحب مجلس نے اس درویش کا خواب انتہائی انہماک و اشتیاق سے سنا اور اپنے علم و تجربہ کی روشنی میں اس کی تعبیر اس درویش کو بتائی مگر تعبیر سننے کے باوجود بھی اس درویش کی تسلی نہ ہوئی۔ اس کے چہرے کی رنگت اور اتار چڑھاؤ واضح طور پر بتا رہے تھے کہ وہ اس تعبیر سے مطمئن نہیں اور یہ کہ وہ تعبیر اس کے حالات و واقعات سے کسی صورت مطابقت نہیں رکھتی۔

اس مجلس میں موجود حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے میر مجلس سے انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ عرض کی۔"جناب عالی! اگر آپ محسوس نہ فرمائیں اور مجھے اجازت دیں تو میں اس بزرگ کے بیان کردہ خواب کے ضمن میں اپنی سوچ سمجھ اور علم کے مطابق کچھ بیان کروں اور میری فکر کے مطابق اس خواب کی جو تعبیر بنتی ہے وہ بیان کروں؟"

صدر مجلس نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی یہ بات سن کر پہلے تو کچھ لمحوں کے لئے توقف فرمایا۔ پھر انہوں نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی طرف غور سے دیکھا۔ ان دنوں آپ نوجوانی کے دور سے گزر رہے تھے مگر فکر اور سوچ کے حوالے سے آپ نے اعلیٰ منازل طے کر لی تھیں۔ میر مجلس نے آپ کو بغور دیکھنے کے بعد انتہائی محبت و شفقت سے آپ سے کہا۔"بیٹا! یاد رکھو کہ علم کسی کی میراث نہیں۔ ہر مومن اس کا وارث ہے اور یہ کہ اس کا دارومدار عمر پر نہیں بلکہ ریاضت و مجاہدہ اور تجربہ و مشاہدہ پر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو عمر میں بڑا ہے وہ علم میں بھی بڑا ہو جو عمر میں چھوٹا ہے وہ علم میں بھی چھوٹا ہو۔ یہ ہر کسی کی اپنی اپنی محنت و مشقت اور کوشش و کاوش ہے کہ وہ کتنی جلدی کس قدر علم حاصل کر لیتا ہے۔ میری طرف سے تمہیں مکمل اجازت ہے کہ تم اپنا مدعا، اپنا مؤقف اور اپنی دلیل بیان کرو تا کہ اس درویش کے بیان کردہ خواب کی تعبیر مزید واضح ہو سکے۔ اگر تمہاری بات میں وزن ہوا تو وہ اپنا لوہا خود منوا لے گی اور میرے سمیت کوئی بھی صاحب علم اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ تم بے باکی کے ساتھ بولو! ہم سب پوری دل جمعی کے ساتھ تمہاری بات سننے کو تیار ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رب علیم و خبیر نے تمہارے ذہن میں اس خواب کی صحیح تعبیر ڈال دی ہو۔"

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔"حاضرین مجلس! میں اپنی کم علمی کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں یہ بھی اعتراف کرتا ہوں کہ میں آپ لوگوں سے عمر میں سب سے چھوٹا ہوں

اور یہ کہ میرا مشاہدہ اور تجربہ بھی آپ لوگوں سے کم ہے تاہم میرا یہ خیال ہے کہ اس درویش کے خواب میں ان کی موت سے مراد حقیقی موت نہیں بلکہ مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے ان سے نمازِ فجر قضا ہو گئی ہے کیونکہ نمازِ فجر کا قضا ہونا بھی موت سے کم نہیں۔"

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے صرف ایک ہی جملہ اس خواب کی تعبیر کے حوالے سے کہا مگر وہ ایک ہی جملہ اس قدر جامع اور پُراثر تھا کہ تمام حاضرین مجلس حیرت زدہ ہو گئے۔ مجلس پر مکمل خاموشی چھا گئی اور پھر اس خاموشی کو جلد ہی اس درویش نے توڑا جس نے خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر طلب کی تھی۔ اس درویش نے کہا۔"بزرگانِ دین اس نوجوان نے میرے خواب کی جو تعبیر بیان کی ہے وہ ہر لحاظ سے صحیح اور درست ہے اور میرے حالات و واقعات سے مکمل مطابقت رکھتی ہے۔ اس نوجوان نے بالکل سچ کہا ہے کہ مجھ سے نمازِ فجر قضا ہوئی ہے اور واقعی یہی ہوا ہے کہ آج مجھ سے نمازِ فجر قضا ہوئی۔ جب میں نے خواب میں اپنے آپ کو یہ دیکھا کہ میں مر چکا ہوں تو مجھ پر اس قدر خوف اور دہشت و ہیبت طاری ہوئی کہ مجھے کپکپی طاری ہو گئی اور جب اس صورتِ حال میں یکدم میری آنکھ کھلی تو واقعی میں کپکپا رہا تھا اور گھبراہٹ میں تھا۔ میں نے اس عالم میں چاروں جانب اپنی نظریں دوڑائیں تو مجھے علم ہوا کہ میرے کمرے کے روشن دان سے سورج جھانک رہا ہے اور اس کی پہلی کرنیں میرے کمرے میں داخل ہو رہی ہیں۔ اس وقت مجھے پتہ چلا کہ نمازِ فجر کا وقت گزر چکا ہے اور میری نماز قضا ہو گئی ہے۔"

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے اس خوبصورت اور صحیح تعبیر بتانے پر تمام حاضرین مجلس نے داد و تحسین کے کلمات ادا کئے اور صدر مجلس نے خاص طور پر کہا۔"یہ نوجوان اپنے وقت کا بہت بڑا عالم اور ولی بنے گا جس کی علمیت و ولایت کی شہرت دور دور تک پھیلے گی۔" اور پھر وقت نے ثابت کیا کہ اس بزرگ میر مجلس کی پیش گوئی صحیح تھی۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی علمیت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی ہر بات میں عقل والوں کے لئے معرفت کے بے شمار موتی ہوتے تھے۔ آپ خطاب کرتے تھے تو ہر جملہ اپنے اندر ایک جہانِ معنی رکھتا تھا۔ آپ گفتگو فرماتے تھے تو اس قدر مدلل ہوتی تھی کہ دوسرا نہ چاہتے ہوئے بھی قائل ہو کر ہی جاتا تھا۔ اسی طرح آپ کسی کے نام کوئی تحریر لکھتے تھے تو وہ بھی علم و معرفت کا ایک خزینہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے درخواست کی کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے نام ایک سفارشی رقعہ لکھ دیں۔ آپ نے اس شخص کی امداد و اعانت کی خاطر سلطان غیاث الدین بلبن کے نام عربی زبان میں ایک رقعہ لکھا جو علم و معرفت کا ایک بے مثل نمونہ ہے۔ آپ نے سلطان غیاث الدین بلبن کو خط میں لکھا:

"میں نے اس شخص کا مقصد و مدعا رب قادر و قدیر کے سامنے پیش کیا اور اس کے بعد تمہارے

پاس بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ نے اس کا مقصد پورا کر دیا تو عطاو عنایت تو درحقیقت رب رحمٰن ورحیم کی ہو گی مگر شکریہ کے آپ مستحق ہوں گے لیکن اگر آپ نے اس کا مقصد پورا نہ کیا تو روک رب ذوالجلال کی طرف سے ہو گی مگر معذور آپ ہوں گے۔“

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اخلاق عالیہ کے حامل تھے۔ آپ انسانیت سے حد درجہ محبت و شفقت کے قائل تھے۔ آپ نے کبھی کسی سے اونچی آواز میں کلام نہیں کیا۔ انتہائی نرم اور دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے۔ الفاظ کا انتخاب انتہائی دل نشیں اور موقع محل کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ کسی سے کبھی ناراض نہیں ہوئے اور اگر ایسا ہوا بھی تو وہ دوسرے کی اصلاح کی خاطر یا محبت کی شدت کا اظہار ہی ہوتا تھا۔ اسی طرح آپ اپنے دوستوں کو بھی آپس میں ناراض صورتِ حال میں نہیں دیکھ سکتے تھے اور ان کے مابین صلح کرانے کی حتی الوسع سعی کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے علم میں یہ بات آئی کہ وقت کے دو نامور بزرگوں شیخ الاسلام حضرت نورالدین غزنوی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ (قاضئ دہلی) اور سلطان العافین حضرت شیخ شاہی بدایونی رحمتہ اللہ علیہ میں کسی بات پر اختلاف ہو گیا ہے اور بات یہاں تک پہنچی ہے کہ دونوں بزرگوں میں بات چیت تک بند ہو گئی ہے۔ دہلی کے علماء صوفیاء اور معززین نے کافی کوشش کی کہ دونوں بزرگوں میں صلح ہو جائے مگر معاملہ حل نہ ہو سکا۔

اس پر حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے معاملہ سلجھانے کے لئے ایک انوکھا اور دلچسپ طریقہ اختیار کیا۔ آپ نے حضرت نورالدین غزنوی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ قاضئ دہلی کو اپنے پاس بلوایا اور انہیں ایک ترکیب سمجھائی۔ انہوں نے اس ترکیب پر عمل کرنے کا وعدہ کیا کیونکہ آپ نے ان کو حضرت شیخ شاہی بدایونی رحمتہ اللہ علیہ سے صلح پر آمادہ کر لیا تھا۔ آپ نے حضرت نورالدین غزنوی سہروردی کو اپنے ساتھ لیا اور حضرت شیخ شاہی بدایونی کے مکان پر پہنچے اس سے پہلے کہ آپ ان کے مکان پر دستک دیتے آپ نے حضرت نورالدین غزنوی سہروردی کو اپنے کمبل میں چھپا لیا یوں ایک ہی کمبل میں دونوں بزرگ اکٹھے ہو گئے پھر آپ نے دروازے پر دستک دی تو حضرت شیخ شاہی بدایونی باہر تشریف لے آئے اور آپ کی آمد پر بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے سلام کا جواب دیتے ہوئے مصافحہ کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا تو آپ نے اپنے کمبل میں چھپے حضرت نورالدین غزنوی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کا ہاتھ آگے کر دیا۔ یوں حضرت شیخ شاہی بدایونی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کا ہاتھ سمجھ کر دراصل حضرت نورالدین غزنوی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے ہاتھ ملا لیا۔ اس لمحے چونکہ رات کا اندھیرا تھا اس لئے حضرت شیخ شاہی بدایونی رحمتہ اللہ علیہ اصل صورتِ حال سمجھ نہ سکے۔

مصافحہ کے بعد حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ شاہی بدایونی

رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ ”یا حضرت! یہ فرمایئے کہ آپ نے ابھی ابھی جو مصافحہ کیا ہے وہ کس سے کیا ہے؟“ حضرت شیخ شاہی بدایونی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ”میں نے آپ سے مصافحہ کیا ہے اور کس سے کیا ہے!“ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ”یا حضرت! آپ نے مصافحہ مجھ سے نہیں کیا بلکہ حضرت نورالدین غزنوی سہروردی سے کیا ہے۔“ حضرت شیخ شاہی بدایونی نے پوچھا۔ ”فریدالدین! وہ کیسے؟“

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے کمبل حضرت نورالدین غزنوی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے ہٹا دیا اور کہا۔ ”وہ ایسے!“ اور جب حضرت شیخ شاہی بدایونی رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ انہوں نے واقعی مصافحہ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی بجائے حضرت نورالدین غزنوی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے کیا ہے تو بے اختیار ان کی ہنسی نکل گئی اور یوں حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی حکمتِ عملی سے دونوں بزرگوں کی ناراضی جاتی رہی اور وہ پھر سے شیروشکر ہو گئے۔

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ درویشوں کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ آپ کہتے تھے کہ ”درویشی بہت نازک صفت ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس میں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے جبکہ درویشی کا احترام اور تعظیم و تکریم اس سے بھی زیادہ نازک ہے۔ یہ ایسا مرحلہ ہے جو بہت احتیاط طلب ہے۔ چھوٹی سی بھی بات سے درویش کا دل جیتا جا سکتا ہے۔ اسی طرح چھوٹی سی بات سے درویش کا دل ٹوٹ سکتا ہے اور کسی کا دل توڑنا بہت بڑا ظلم ہے کیونکہ دل تو رب تعالیٰ کا مسکن ہوتا ہے۔“

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ ایک روز اپنی مجلس میں درویشی کی قدر و قیمت اور درویش کے احترام و عزت پر گفتگو فرما رہے تھے۔ اس دوران آپ نے اپنے مرشد و رہبر حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان کیا:

ایک دن میں اپنے رہبر و رہنما حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلسِ درس میں حسبِ معمول موجود تھا۔ آپ درس دے رہے تھے اور علم کے پیاسے علم کے دریا سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ درس دیتے ہوئے اچانک اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد پھر بیٹھ گئے اور درس جاری رکھا۔ اس طرح آپ کئی دفعہ کھڑے ہوئے اور بیٹھے۔ یہ بات میرے لئے حیرت انگیز اور غیر معمولی تھی کیونکہ آپ کا معمول ایسا نہیں تھا۔ لوگ یعنی حاضرین محفل بھی آپ کے اس عمل سے سخت حیران ہوئے مگر کسی میں جرأت نہ ہوئی کہ آپ سے اس عمل کی حقیقت دریافت کرتے۔ بالآخر جب مجلس درس برخواست ہوئی اور سب لوگ چلے گئے تو میں نے اپنے رہبر و رہنما حضرت خواجہ

قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے اس اٹھنے کے عمل بارے پوچھ ہی لیا۔ آپ نے بتایا کہ دراصل خانقاہ کے دروازے پر ایک بوڑھا درویش بیٹھا ہوا تھا۔ اسے جگہ نہیں مل سکی تھی اور وہ دروازے ہی میں بیٹھ گیا تھا۔ میری نظر جب بھی اس پر پڑتی تھی تو اس کی درویشی اور سفید بالوں کو دیکھ کر میں اس کی تعظیم کی خاطر کھڑا ہو جاتا تھا اور پھر جب دیکھتا تھا کہ حاضرین مجلس کی توجہ درس سے ہٹ رہی ہے تو پھر ان کی توجہ کی خاطر بیٹھ جاتا تھا۔ اس طرح میں مجلس درس کے دوران کئی دفعہ اُٹھا اور پھر بیٹھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ کسی اور کو اُٹھا کر پیچھے بھیج دوں اور اس کی جگہ پر کسی دوسرے کو بٹھا دوں۔ اس طرح ایک کا دل رکھنے کی خاطر دوسرے کا دل ٹوٹ جاتا اور میں کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتا تھا۔"

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ زندگی کے ہر موڑ پر اپنے رہبر و رہنما اور پیرو مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے رہنمائی و رہبری حاصل کرتے تھے۔ آپ نے کبھی بھی اپنے اُستاد اور مرشد کا حکم نہیں ٹالا تھا۔ آپ اُن کے ہر فرمان کو حرفِ آخر سمجھتے تھے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کا ہر فرمان انسانیت کی فلاح و اصلاح ہی کے لئے ہوتا ہے اور قرآن و سنت کے اصول کے عین مطابق ہوتا ہے ایک دن بابا فرید الدین مسعود شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا۔ "بابا فرید! اب تمہیں اپنی شادی کے بارے میں فیصلہ کر لینا چاہئے اور جتنی جلدی ممکن ہو سکے شادی کر لینی چاہئے کیونکہ شادی بھی سنتِ رسول رحمت صلی الہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یاد رکھ کہ جب تک نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی الہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک سنت پر عمل نہ کیا جائے درویشی مکمل نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر تم درویشی کی تکمیل چاہتے ہو تو فوراً شادی کر لو۔"

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رہبر و رہنما اور محسن و مربی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ ہدایت سنی تو آپ نے فرطِ حیا سے اپنا سر جھکا لیا اور منہ سے کچھ نہ بولے۔ ایسا کئی بار ہوا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ آپ سے شادی کرنے کے لئے کہتے مگر آپ ہر بار شرم کی وجہ سے خاموش ہی رہتے۔

ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے تنہائی میں خصوصی طور پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ "بابا فرید! کیا وجہ ہے کہ تم شادی کی بات کو اہمیت نہیں دیتے؟ میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں مگر تم خاموشی اختیار کر لیتے ہو۔ آخر مجھے بھی تو علم ہو کہ تمہاری اس خاموشی کا مطلب کیا ہے!"

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "یا حضرت دراصل

بات یہ ہے کہ مجھے اس بات سے ڈر لگتا ہے کہ اگر میری اولاد سعادت مند، نیک اور باکردار نہ ہوئی تو قیامت کے روز مجھے رب تعالیٰ جل شانہٗ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ بس یہی خیال آتا ہے تو میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ اسلام کا بیٹا کیسا تھا! انہیں اپنے نافرمان بیٹے کی وجہ سے شرمندگی اُٹھانا پڑی۔ کہیں میرے ساتھ بھی ایسا نہ ہو۔"

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "بابا فرید! تم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے حسن ظن کیوں نہیں رکھا اور تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا بیٹا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جیسا فرزند ذہن میں نہیں آیا۔ کیا کسی کو معلوم ہے کہ کس آغاز کا کون سا انجام ہوگا؟ مسلمان کو کبھی بھی رب رحمٰن و رحیم کی رحمت و عنایت اور الطاف و کرم سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے چاہا تو تمہاری اولاد صالح، فرمانبردار اور نیک کردار ہوگی۔ پھر بھی اگر تمہیں کوئی خدشہ و خطرہ لاحق ہے تو تم ہم سے ایک معاہدہ کر لو۔"

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اپنے محسن و مربی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی باتیں سر جھکا کر غور سے سن رہے تھے لیکن جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے معاہدہ کی بات کی تو اِن پر آپ چونکے اور نظر اٹھا کر استاد محترم کی طرف دیکھا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ معاہدے کی وضاحت چاہتے ہیں چنانچہ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ "بابا فرید! وہ معاہدہ یہ ہے کہ تمہاری جو اولاد نیک اور سعادت مند نکلے وہ تمہاری اور جو نالائق ہو اسے ہمارے حوالے کر دینا۔ پھر رب تعالیٰ جل شانہٗ جانے اور ہم۔"

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اب استاد کی کسی بات کا جواب دینا ناممکن تھا سوائے اس کے کہ آپ اپنے رہبر و مرشد کی بات پر عمل کرتے ہوئے شادی کر لیں چنانچہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے 621 ہجری میں سنت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے نجیب النساء نامی ایک خاتون سے شادی کر لی۔

اور پھر وقت نے ایسی کروٹ لی کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی تین ازواج تھیں۔ سید قیام الحق کے انتقال کے بعد ان کی بہو سے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے نکاح کر لیا تھا تاکہ اس نیک خاتون کی کفالت ہو سکے۔ آپ کثیر اولاد تھے۔ آپ کی ہمشیرہ بی بی ہاجرہ اور ان کے صاحبزادے حضرت علی احمد صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ بھی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے زیر کفالت تھے۔ ان حضرات کے علاوہ بھی خاندان کے اور افراد کی کفالت آپ کے ذمہ تھی مگر رب تعالیٰ جل شانہٗ پر کامل توکل اور قناعت نے آپ کو ہر

امتحان اور مشکل اور ضرورت میں سرخرو فرمایا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ازواج اور اولاد کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ آپ کی طرح وہ بھی انتہائی سادگی، تنگدستی اور صبر و رضا کی زندگی گزارتے تھے۔ کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے تھے۔ جو کچھ مل جاتا نوش جان کر لیتے اور اگر نہ ملتا تو فاقہ کشی کرتے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر ادا کرتے تھے۔

☆======☆======☆

یہ عشاء کی نماز کا وقت تھا۔ اذان ہو چکی تھی اور نمازی مسجد میں پہنچ رہے تھے۔ امام کا انتظار تھا۔ چند ہی لمحوں میں امام کی آمد ہوئی۔ امام اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے۔ صفیں درست کی گئیں۔ تکبیر ہوئی اور نیت باندھتے ہی اللہ اکبر کی صدا سے نماز کا آغاز ہوا۔ امام نے ابھی سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کی ہی تھی کہ اچانک نیت توڑ دی۔ نمازیوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ امام محترم نے یہ کیا کیا! آج تک تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ خدا معلوم کیا ماجراہ!

امام نے دوبارہ نیت باندھی۔ ابھی نصف نماز بھی ادا نہیں ہوئی تھی کہ پھر نیت توڑ دی۔ امام نے کئی بار یہ عمل دہرایا۔ نماز شروع کی جاتی مگر تکمیل سے پہلے ہی توڑ دی جاتی۔ اک عجب صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے جبکہ امام صاحب بھی ایسے نہیں تھے کہ نماز کے قاعدوں اور ضابطوں سے واقف نہ ہوں۔ وہ تو شریعت و طریقت کے بادشاہ تھے۔ وقت کے ولی تھے۔ کوئی ایسی انہونی وجہ ضرور تھی کہ امام صاحب روایت سے ہٹ کر نماز پڑھا رہے تھے۔ نمازیوں کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی اور اب تو اس حیرت میں پریشانی بھی شامل ہوگئی تھی۔ بالآخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ امام صاحب نماز مکمل کئے بغیر مصلے پر بیٹھ گئے اور خاموشی سے سر نیچے جھکا لیا۔ نمازیوں نے دیکھا کہ امام صاحب گہری سوچ میں ہیں۔

کچھ دیر کے بعد امام صاحب نے سر قدرے اوپر اٹھایا اور خاموشی کو توڑتے ہوئے اپنے ایک خاص مرید سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''مولانا! مجھے نماز میں حضوری حاصل نہیں ہو رہی۔ اس لئے بار بار نماز توڑنے کی نوبت آئی ہے۔'' مرید خاص نے عرض کی۔ ''یا حضرت! میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں اور سب سے بڑھ کر رب کریم و عظیم کی ذات علیم و خبیر ہے۔''

امام نے کہا۔ ''مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج شام سلطان نے سکوں سے بھرے جو دو تھال بھیجے تھے وہ پورے تقسیم نہیں ہو سکے۔ ان میں سے کچھ ضرور باقی رہ گیا ہے۔'' مرید خاص کے ذہن میں فوراً ایک جھٹکا سا محسوس ہوا۔ اس نے عرض کی ''یا حضرت! سلطان غیاث الدین بلبن نے جو سکے بھیجے تھے ان میں سے ایک سکہ میں نے لنگر خانے کے لئے بھیج دیا تھا جبکہ باقی تمام سکے رات

کے اندھیرے میں محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیئے تاہم مجھے ایسا لگا کہ رقم تقسیم کرتے ہوئے کوئی سکہ راستے میں گر گیا تھا چنانچہ میں نے چراغ لے کر ڈھونڈا تو مجھے وہ سکہ مل گیا۔ میں نے اسے اپنی جیب میں اس خیال سے رکھ لیا کہ کل لنگر کے لئے کام آئے گا۔ وہ سکہ اب بھی میری جیب میں ہے۔''

امام صاحب نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''کہاں ہے وہ سکہ؟'' امام صاحب کے مرید خاص مولانا بدر الدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے اپنی جیب سے وہ سکہ نکال کر اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں پیش کر دیا۔ امام صاحب چند لمحوں تک اس سکے کو دیکھتے رہے اور پھر اسے دور پھینک کر فرمایا۔ ''دھات کا یہی چھوٹا سا ٹکڑا رب ذوالجلال اور اس کے عاجز بندے کے درمیان دیوار بن گیا تھا۔''

پھر امام صاحب نے اپنے مرید خاص مولانا بدر الدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ''مولانا! یہ آپ کو کیا ہو گیا تھا؟ آپ درویش ہو کر کل کی فکر رکھتے ہیں۔ رب رازق و رزاق کی رزاقی اور رب کریم کی ربوبیت پر یقین نہیں ہے؟ کیا ابھی تک آپ نے توکل کا مفہوم نہیں سمجھا۔ کل کے لئے فکر کرتے ہیں۔ اس کل کی فکر کریں جسے یوم حشر و حساب کہتے ہیں۔''

مولانا بدر الدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد سے معافی طلب کی تو انہوں نے فرمایا۔ ''رب رحمٰن و رحیم سے معافی طلب کرو۔'' اس کے بعد عشاء کی نماز کے لئے پھر سے صفیں درست ہوئیں۔ تکبیر ہوئی اور امام صاحب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے سکون و اطمینان کے ساتھ نماز پڑھائی۔

ایک نیک، مخلص، باکردار اور باطنی علم کے مالک پیر و مرشد کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ارادت مندوں کی اصلاح انوکھے، یادگار اور دل پذیر انداز میں کرتے رہتے ہیں جبکہ ان کے ارادت مند بھی اپنے رہبر و رہنما کی رہنمائی و رہبری پر کامل یقین رکھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرید خاص حضرت مولانا بدر الدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کو توکل کا جو درس دیا وہ مثالی تھا۔ اس واقعہ کا علم اس وقت موجود نمازیوں سے ہوتا ہوا بے شمار بندگان خدا تک پہنچا اور انہوں نے اس سے سبق حاصل کیا۔ رب کائنات کی ذات پاک پر ان کا بھروسہ اور اعتماد مزید مضبوط و مستحکم ہوا۔ یوں آپ رحمتہ اللہ علیہ کے اس عمل سے ان گنت افراد کی اصلاح و فلاح ہوئی۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف اپنے مریدین اور عقیدت مندوں کی اصلاح و فلاح کی طرف توجہ دیتے تھے بلکہ جو لوگ آپ کی مخالفت کرتے تھے اور آپ کو بلا وجہ طنز کا نشانہ بناتے تھے ان کی اصلاح بھی انتہائی انوکھے اور مثالی انداز میں فرماتے تھے۔ دوسروں کی فلاح

کا پہلو ہمیشہ آپ کے مدنظر ہوتا تھا۔ آپ اس بات کی قطعی پروانہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص آپ کے خلاف بول رہا ہے۔ آپ کے من میں تو صرف یہی سودا سمایا ہوا ہوتا تھا کہ اگر کوئی غلط راستے پر چل رہا ہے تو اسے صحیح راستہ دکھایا جائے۔

ایک دفعہ اجودھن میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں وہاں کا ایک شخص حاضر ہوا۔ اسے اپنے دنیاوی اور ظاہری علم پر بہت گھمنڈ، غرور اور ناز تھا۔ باطنی علم سے اسے سرے سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ درویشوں کو حقیر سمجھتا تھا۔ باطنی علم کے سخت خلاف تھا اور اسے بالکل نہیں مانتا تھا۔ اس نے آپ کی مجلس میں پہنچ کر اپنی علمیت، قابلیت اور لیاقت کے بارے میں بلند بانگ دعوے شروع کر دیئے۔ اس نے کہا کہ جتنا علم وہ رکھتا ہے اتنا کسی کے پاس نہیں اور درویش لوگ تو ویسے ہی علم نہیں رکھتے۔ اس کا اشارہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی طرف تھا۔ اس نے اپنے علم کے من گھڑت واقعات بیان کئے اور بتایا کہ کن کن مواقع پر اس نے بڑے بڑے علماء کو شکست دی۔ یہ سب کچھ جھوٹ پر مبنی تھا۔ وہ دراصل کسی نہ کسی طرح آپ کی قدر اور مرتبہ آپ کے ارادت مندوں کی نگاہوں میں گھٹانا چاہتا تھا۔ حسد کی آگ سے اس کا تن من جلا جاتا تھا مگر اس کی ان باتوں کا آپ کےعقیدت مندوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ اس کے سخت خلاف ہو گئے اور مرنے مارنے کی سورت پیدا ہو گئی۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے صورتِ حال پر قابو پانے میں انتہائی بہتر حکمت عملی سے کام لیا۔ آپ نے اپنے عقیدت مندوں کو کہا کہ وہ خاموش رہیں اور صبر و تحمل سے کام لیں۔ وہ شخص اپنے آپ کو مولانا کہلواتا تھا اور اس میں فخر محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ آپ نے جب یہ دیکھا کہ وہ شخص قدرے خاموش ہوا ہے اور اس نے اپنی تعریف اور درویشوں پر تنقید کرنے میں کچھ وقفہ لیا ہے تو آپ نے انتہائی متانت اور شائستگی کے ساتھ اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا۔

''مولانا! یہ تو بتایئے کہ دینِ اسلام کے بنیادی ارکان کون کون سے ہیں؟'' آپ کے اس سوال پر اس شخص نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ایک ایسا قہقہہ جو طنز و شرارت سے لبریز تھا۔ پھر اس نے زوردار آواز میں کہا۔ ''یہ بھی کوئی سوال ہے؟ مجھ جیسے اتنے بڑے عالم و فاضل سے یہ بچوں والا سوال پوچھا جا رہا ہے؟ کیا مجھے دینِ اسلام کے بنیادی ارکان بھی معلوم نہیں ہیں؟ مجھ سے سوال پوچھنا ہے تو میرے علم کے مطابق پوچھا جانا چاہئے۔ اس سوال کا جواب تو بچے بچے کو معلوم ہے۔ میں اس کا کیا جواب دوں گا!''

مگر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''تمہارے لئے صرف اور صرف یہی سوال ہے تمہیں اسی سوال کا جواب دینا ہوگا۔ بس مولانا صاحب! آپ اسلام کے بنیادی ارکان بتا دیجئے۔''

اس بناوٹی مولانا نے کافی بحث کی مگر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ انتہائی سنجیدگی، بردباری اور تحمل کے ساتھ یہی اصرار کرتے رہے کہ اسلام کے بنیادی ارکان ہی بتائے جائیں۔ آخر کار اس شخص نے ناگواری کی صورت بناتے ہوئے کہا۔ ''ایک کلمہ، دوسرا نماز، تیسرا روزہ، چوتھا زکوٰۃ اور پانچواں حج''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''مگر میں نے سنا ہے کہ آپ کے نزدیک ایک چھٹا رکن بھی ہے۔'' وہ شخص بولا۔ ''نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔'' حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''مولانا صاحب! ذرا اچھی طرح سوچ لیں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ آپ کل کو خود ہی مان جائیں کہ ایک چھٹا رکن بھی ہے۔ اچھی طرح غور کر لیں۔''

خود ساختہ مولانا نے کہا۔ ''میں نے اچھی طرح سوچ سمجھ لیا ہے میں کیسے مان جاؤں گا کہ چھٹا رکن بھی ہے۔'' پھر اس شخص نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ ''اچھا یہ تو بتایئے کہ وہ کون سا چھٹا رکن ہے جسے میں مان جاؤں گا۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''وہ چھٹا رکن ہے روٹی جسے آپ مان جائیں گے۔'' یہ سنتے ہی وہ بناوٹی مولانا کھڑا ہوا اور غصے کے عالم میں برا بھلا کہتا ہوا باہر جانے لگا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ہاتھ تھاما اور کہا۔ ''مولانا صاحب! آپ اس طرح ناراض ہو کر تو نہ جائیں۔ یہ تو وقت فیصلہ کرے گا کہ آپ مانیں گے یا نہیں تاہم آپ اس طرح خفا ہو کر یہاں سے نہ جائیں۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے پھر اس خود ساختہ مولانا کو منانے کی پوری کوشش کی مگر وہ شخص درویشوں کو جاہل کہتا رہا اور نہ جانے اس نے کیا کچھ کہا۔ جو کچھ وہ کہہ سکتا تھا وہ کہہ گیا مگر حضرت بابا فرید الدین گنج مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی خندہ پیشانی سے اس کی ہر بات گوارا کی اور اس کے ساتھ انتہائی اخلاق اور شائستگی کا برتاؤ کیا۔ آپ نے اس کی خاطر تواضع کرنے کے لئے کھانے پینے کی کچھ چیزیں بھی منگوائیں مگر اس نے کھانے سے انکار کر دیا اور انتہائی غصے کے عالم میں بڑبڑاتا ہوا خانقاہ سے باہر چلا گیا۔

اس شخص کے جانے کے بعد آپ کے ارادت مندوں نے اس شخص کے ناشائستہ طرز گفتگو اور نازیبا طرزِ عمل کے بارے میں عرض کی تو آپ نے فرمایا ''وہ مہمان تھا اور مہمان چاہے جیسا بھی ہو مہمان ہی ہوتا ہے اس کی خاطر تواضع لازم ہے اور درویش پر تو یہ فرض ہے کہ وہ مہمان کی تواضع میں کوئی کسر باقی نہ رکھے۔ ہم نے بھی مولانا صاحب کی تواضع کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر انہوں نے ہماری تواضع قبول نہیں کی۔ بہرحال ہم کیا کہہ سکتے! ہیں ان کی مرضی!!''

وہ خود ساختہ مولانا حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ سے نکلا تو ایک

عرصہ تک وہاں نہ آیا۔ تاہم اس دوران وہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پہنچا۔ وہاں حج کی ادائیگی کے بعد سات سال تک مقیم رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنے وطن ہندوستان واپسی کا سوچا اور ٹکٹ لے کر جہاز میں سوار ہوا۔ یہ ایک بہت بڑا بحری جہاز تھا جو انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ سمندر کی لہروں کو چیرتا ہوا منزل مقصود کی جانب بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ موسم انتہائی معتدل اور خوش گوار ہونے کے ساتھ ساتھ سمندری سفر کے لئے انتہائی موزوں تھا۔

رب قادر وقدیر کا کرنا ایسا ہوا کہ اچانک سمندر میں ایک زوردار طوفان آیا۔ طوفان کی شدت اس قدر تھی کہ پورا جہاز ڈوب گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تباہ ہو گیا۔ تاہم مولانا صاحب کو خوش قسمتی سے ایک تختہ ہاتھ آ گیا جس کے سہارے وہ کنارے پر پہنچ گیا اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر ادا کیا کہ جس نے نئی زندگی دی ورنہ اس بحری جہاز کی تباہی سے کئی لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

خود ساختہ مولانا کو جہاں اس تختے نے خشکی پر پھینکا تھا وہ انتہائی ویران اور بیابان علاقہ تھا۔ وہاں دور دور تک آبادی کا نام ونشان نہیں تھا۔ خشک پہاڑوں کا ایک سلسلہ تھا جو میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ وہاں نہ تو کوئی درخت تھا اور نہ ہی گھاس تھی اور نہ ہی پانی کا کوئی چشمہ تھا۔ مولانا نے کھانے پینے کی چیز تلاش کرنے کی حتی المقدور کوشش کی مگر اسے کوئی بھی چیز ایسی نہ مل سکی جو پیٹ کا ایندھن بن سکے۔

خود ساختہ مولانا نے کافی دیر اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد بالآخر ایک غار میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ غار میں بیٹھ کر رب کریم ورحیم سے اپنی بھلائی کی دعا کرتا رہا اور اس مصیبت سے نجات طلب کرتا رہا۔ تین دن تک بھوکا پیاسا رہنے کے بعد اب مولانا کی حالت غیر ہوئی جاتی تھی۔ وہ پتھریلی زمین پر لیٹ گیا اور زندگی سے مایوسی کے عالم میں اچھے دنوں کو یاد کر کے روتا رہا۔

چوتھے روز ایک شخص وہاں اس غار کے پاس اچانک آیا۔ اس نے اپنے سر پر ایک دسترخوان اٹھا رکھا تھا۔ اس نے زوردار لہجے میں آواز دی۔ ’’میں روٹی فروخت کرنے والا ہوں۔ کوئی ضرورت مند ہو تو مجھ سے روٹی خرید لے۔‘‘ مولانا نے یہ آواز سنی تو وہ غار سے باہر نکل آیا اور نقاہت وکمزوری کے باوجود اس شخص کو پکارا اور کہا۔ ’’میاں روٹی والے! اِدھر میرے پاس آؤ۔ مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ میں مرنے کے قریب ہوں۔ میں تم سے روٹی خریدنا چاہتا ہوں۔ بتاؤ اس کی کیا قیمت ہے؟‘‘

روٹیاں فروخت کرنے والے نے مولانا سے پوچھا۔ ’’آپ کو کتنی روٹیاں چاہئیں؟‘‘ خود ساختہ مولانا نے کہا۔ ’’میاں! تم مجھے نہیں جانتے۔ میں ہندوستان کا بہت بڑا عالم و فاضل شخص ہوں۔ میرے مقابلے میں کسی کے پاس علم نہیں۔ میں عبادت اور ریاضت میں بھی بہت آگے ہوں۔ میں نے سات حج کئے ہیں اور سات سال تک مکہ مکرمہ میں رہا ہوں۔ یہ تو اچانک مجھ پر

مصیبت آ پڑی ہے اور میں یہاں پھنس گیا ہوں کیونکہ میں جس بحری جہاز میں واپس اپنے وطن جا رہا تھا وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ میں ایک تختے کے ذریعے یہاں پہنچا ہوں اور تین روز کا بھوکا پیاسا ہوں۔ تاہم میرے پاس روٹی خریدنے کے لئے کوئی رقم وغیرہ نہیں ہے۔ مجھے تم ویسے ہی روٹی دے دو اور جس قدر دینا چاہو دے دو۔‘‘

اس شخص نے کہا۔ ’’جناب عالی! میں خالص دکاندار ہوں۔ میرے پاس روٹی بھی ہے اور پانی بھی لیکن میں سودا نقد کرتا ہوں۔ بغیر قیمت کے کوئی چیز کسی کو نہیں دیتا اور اس معاملے میں کسی سے رعایت نہیں کرتا۔ تم نے روٹی اور پانی لینا ہے تو ادائیگی ضرور کرنا پڑے گی ورنہ میری طرف سے صاف جواب ہے۔‘‘

خود ساختہ مولانا نے کہا۔ ’’میاں! کیا تم مسلمان نہیں ہو! کیا تم نہیں جانتے کہ بھوکوں کو کھانا کھلانے سے کس قدر ثواب ملتا ہے۔‘‘ روٹی فروش نے کہا۔ ’’جناب عالی! اگر میں اسی طرح بھوکوں کو کھانا کھلاتا رہا تو چند روز میں خود بھوکا ہو جاؤں گا اور میرا کاروبار ختم ہو جائے گا۔ تم نے ثواب کی بات کی ہے تو پھر میں اب ثواب کمانے کی ہی بات کرتا ہوں۔ آپ مجھے اپنے ساتوں حج کا ثواب بخش دیں تو میں اس کے بدلے میں تمہیں روٹی اور پانی پیٹ بھر کر کھلا دوں گا۔ بتاؤ کیا تمہیں منظور ہے؟‘‘

خود ساختہ مولانا نے دل میں سوچا کہ اس دکاندار روٹی فروش کو زبانی ثواب کا کہہ دیتا ہوں۔ زبانی کہنے سے کون سا ثواب اسے منتقل ہو جائے گا۔ یہ خوش ہو جائے گا اور مجھے بھوک پیاس سے نجات مل جائے گی۔ اس طریقے سے کیا قباحت ہے! چنانچہ مولانا نے اس روٹی فروش سے کہا۔ ’’میں نے تجھے اپنے ساتوں حج کا ثواب دے دیا۔‘‘

اس پر روٹی فروش نے دسترخوان اور پانی کا مٹکا مولانا کے سامنے رکھ دیا اور مولانا نے خوب جی بھر کر کھایا۔ اس کے بعد مولانا نے اس سے اتا پتہ پوچھنے کی کوشش کی مگر وہ خالی برتن اٹھا کر دوڑ گیا اور ایسا غائب ہوا کہ ہاتھ نہ آیا۔ پھر تین یوم گزر گئے۔ اب پھر مولانا کی بھوک کے مارے حالت غیر ہونے لگی۔ چوتھے دن وہی روٹی فروش دسترخوان سر پر رکھے آواز لگاتا ہوا آ پہنچا۔ مولانا نے پھر اسے روکا تو اس نے کہا۔ ’’جناب! آپ کے پاس رقم وغیرہ تو ہے نہیں اور مفت میں کوئی چیز دینا میری دکانداری کا اصول نہیں۔ اس لئے آج کچھ نہیں ملے گا۔‘‘

مولانا نے کہا۔ ’’میاں! بات تو سنو۔ تم نے پچھلی دفعہ مجھ سے میرے ... ات حج کا ثواب لے کر سودا طے کیا تھا۔ اب میرے پاس میری تمام عمر کے روزوں کا ثواب ہے۔ اس کے بدلے روٹی اور پانی دے دو۔‘‘ روٹی فروش نے کہا۔ ’’ٹھیک ہے یہ سودا مجھے منظور ہے۔ تم نے تمام عمر جتنے روزے رکھے ہیں ان کے ثواب کے بدلے میں تمہیں یہ دسترخوان حوالے کرتا ہوں۔ جتنا مرضی

چاہو کھا پی لو۔''

اس طرح مولانا نے روزوں کے ثواب کے عوض روٹی پیٹ بھر کر کھائی اور جی بھر کر پانی پیا۔
اس کے بعد روٹی فروش دوڑ گیا۔ پھر وہ چوتھے روز آیا۔ مولانا پھر تین روز کے بھوکے پیاسے تھے۔
اس دفعہ اس نے مولانا کو تمام عمر میں ادا کی گئی زکوٰۃ کے ثواب کے بدلے میں روٹی پانی پیش کیا اور خالی برتن لے کر غائب ہو گیا۔

اس کے بعد تین دن گزر گئے۔ مولانا کا بھوک کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ چوتھے دن حسبِ معمول پھر وہی روٹی فروش آیا۔ اب مولانا نے اپنی تمام عمر کی پڑھی ہوئی نمازوں کے ثواب کے بدلے میں ایک وقت کی روٹی اور پانی خرید لیا اور دل میں یہی سمجھا کہ زبانی کہہ دینے سے کون سا فرق پڑتا ہے۔ میرا ثواب تو میرے پاس ہی رہے گا۔ میں تو اسے چکر دے رہا ہوں۔

تین دن کے مزید وقفے کے بعد چوتھے دن دستر خوان والا پھر آیا تو مولانا نے کہا۔
''میاں! بات یہ ہے کہ میں اپنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے ثواب سب کچھ تیرے پاس فروخت کر چکا ہوں۔ اب میرے پاس کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ اب تو تجھے میری مدد بغیر کسی قیمت کرنا پڑے گی۔''

روٹی فروش نے کہا۔'' جناب عالی! اب تک آپ کے تمام وعدے اور ہماری تمام خرید و فروخت زبانی ہوئی ہے۔ آپ نے آج تک جو کچھ میرے پاس فروخت کیا ہے اس کی تحریر لکھ دو تو آج بھی میں تمہیں روٹی پانی دے دوں گا۔ اس کے لئے میں قلم دوات اور کاغذ ساتھ لایا ہوں۔ بتاؤ کیا ارادہ ہے؟''

مولانا ہونے کے غرور میں مبتلا شخص نے فوراً کاغذ پر لکھ دیا کہ میں نے ایک ایک وقت کی روٹی اور پانی کے عوض اپنی زندگی کی تمام نمازوں، روزوں، زکوٰۃ اور سات حج کا ثواب فروخت کر دیا اور اس روٹی فروش کے نام کر دیا۔'' اس تحریر کے آخر میں مولانا نے اپنے دستخط کر دیئے۔ نام اور پتہ بھی لکھ دیا۔ یوں مولانا صاحب کو اس روز بھی کھانے کو روٹی اور پینے کو پانی مل گیا۔ روٹی فروش نے رقعہ کی شکل میں لکھی ہوئی مولانا کی تحریر دستاویز کے طور پر جیب میں محفوظ کر لی اور دوڑ پڑا۔ مولانا بھی اس کے پیچھے دوڑا تا کہ پتہ چل سکے کہ یہ کہاں سے آتا ہے۔ وہاں یقیناً کوئی آبادی ہو گی۔ مولانا اس کے پیچھے دوڑتا ہوا کافی آگے نکل گیا۔ وہ شخص بھی کافی تیز دوڑ رہا تھا۔ وہ مولانا سے آگے ہی رہا۔ یک دم مولانا کو ٹھوکر لگی اور گر پڑا اتنی دیر میں وہ شخص نظروں سے غائب ہو گیا تاہم مولانا اب ایسی جگہ پہنچ چکا تھا جہاں سامنے سمندر تھا۔ اس میں ایک بحری جہاز جا رہا تھا مولانا نے آواز دی۔ جہاز رکا، مولانا اس پر سوار ہو گیا وہ جہاز ہندوستان جا رہا تھا یوں مولانا بخیر و عافیت گھر پہنچ گیا۔

ایک دن وہ پھر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ نے مولانا سے خیر و عافیت دریافت کی اور کہا۔'' مولانا صاحب! آپ سے میں نے کہا تھا کہ ایک دن آئے گا کہ آپ کہیں گے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے اور آپ خفا ہو گئے تھے اور برا بھلا کہتے ہوئے یہاں سے چلے گئے تھے۔ آج میں ثابت کر سکتا ہوں کہ آپ کے خیال میں اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔'' مولانا نے کہا۔'' آپ یہ کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟ کوئی ثبوت ہو تو پیش کیجئے۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ایک کاغذ مولانا کی طرف بڑھایا۔ مولانا نے کھولا تو یہ وہی تحریر تھی جو اس نے روٹی فروش کو لکھ کر دی تھی۔ مولانا کو از حد ندامت ہوئی۔ وہ چیخ مار کر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے غرور و تکبر سے توبہ کی۔ درویشوں کو برا بھلا کہنے کی معافی چاہی اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی تبلیغ و تلقین اور وعظ و نصیحت اس قدر متاثر کن اور جادو اثر ہوتی تھی کہ ہر انسان کے دل و دماغ پر اثر کرتی تھی چاہے وہ کسی مذہب سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس درس میں ہر مکتبہ فکر اور ہر مذہب کے افراد جوق در جوق شامل ہوتے تھے اور انتہائی انہماک و اشتیاق اور سنجیدگی و فریفتگی کے ساتھ آپ کی باتیں نہ صرف سنتے اور سمجھتے تھے بلکہ ان پر عمل کرنے کی حتی الوسع اور مقدور بھر کوشش و کاوش بھی کرتے تھے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوؤں اور سکھوں کی ایک معقول تعداد آئے روز آپ کے دستِ حق پرست پر کلمہ شہادت پڑھ کر داخل دائرہ اسلام ہوتی جا رہی تھی۔ ایک ہندو اسلام قبول کرتا تھا تو وہ اپنے خاندان کے دوسرے افراد اور رشتہ داروں میں بھی اس کی تبلیغ و ترویج کرتا تھا اور یوں کئی ہندوؤں کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا چلا جا رہا تھا اور خاص طور پر ہندوؤں کے اکابرین کے لئے یہ حقیقت برداشت سے باہر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ برہمن اس بدلتی ہوئی صورتِ حال سے سخت حیران اور پریشان تھے۔ وہ اس ذہنی و روحانی کشمکش میں مبتلا تھے کہ اگر یہی صورتِ حال رہی تو ہندوؤں کے بت کدے ویران اور مسلمانوں کی مساجد کی رونق بڑھتی چلی جائے گی۔

بالآخر ہندو مذہب کے علمبردار اور سردار برہمن آپس میں مل بیٹھے اور اس مسئلے کا حل ڈھونڈنے کی فکر کی کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی جادو اثر تبلیغ کا کیا توڑ کیا جائے؟ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے دی اور آخر میں فیصلہ یہی ہوا کہ ہندوستان کے انتہائی ماہر ترین جوگی کی خدمات حاصل کی جائیں جو خالصتاً ہندو مذہب رکھتا ہو اور جادو کے کمالات میں مہارت رکھتا ہو۔ اسے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھیجا جائے اور وہ آپ کی مجلس میں جا کر اپنے جادو کے فن کے زور پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو نیچا دکھائے

تو اس طرح ہندو دھرم کی برتری ثابت ہو جائے گی اور لوگ اسلام کے حلقۂ اثر سے نکل آئیں گے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ہندومت کے لوگ مسلمان ہونے سے رک جائیں گے بلکہ مسلمان بھی ہندو مذہب کی طرف راغب ہونا شروع ہو جائیں گے۔

منصوبے پر عمل کرنے کے لئے پورے ہندوستان مین ایک ماہر ترین جادوگر ہندو کی تلاش شروع ہوئی۔ مختلف جادوگروں کے انٹرویو اور عملی امتحانات لئے گئے اور اس کے بعد ایک انتہائی ذہین و چالاک اور جادو کے فن میں زبردست اور بے مثال مہارت رکھنے والے ہندو جادوگر جوگی کا انتخاب کرلیا گیا۔ اسے اعلیٰ انعامات کا لالچ دیا گیا۔ کچھ رقم پیشگی ادا کر دی گئی اور اَن گنت انعامات کا وعدہ کیا گیا بشرطیکہ وہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے جادو کے زور سے سرِعام بھری مجلس میں شکست دے کر ہندومت کی عظمت کا جھنڈا لہرائے۔

اور پھر یوں ہوا کہ ایک روز جبکہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس وعظ و نصیحت عروج پر تھی اور عوام الناس کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر آپ کی دل نشین باتوں کو دل و دماغ میں جذب کر رہا تھا تو یکا یک ایک ہندو شعبدہ باز وہاں حاضر ہوا۔ اس نے جوگی کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی بلند آواز میں آپ سے اجازت طلب کی۔ آپ نے اثبات میں جواب دیا تو وہ آگے آ گیا اور ہندو رسم کے مطابق دونوں ہاتھ جوڑ کر آپ کو سلام عرض کیا۔ پھر اس نے یکا یک اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ تمام حاضرین محفل اس کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا خطاب روک دیا۔ اب سب حاضرین مجلس اس انتظار میں تھے کہ ہندو جوگی کب اپنا سر زمین سے اٹھائے اور اپنا مقصد و مدعا بیان کرے تا کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اس سے گفتگو کر کے اپنے درس کو دوبارہ شروع کریں۔

مگر ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ رب کائنات جسے چاہتے ہیں ہدایت سے سرفراز فرما دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں اس کی گمراہی کی رسی دراز کر دیتے ہیں۔ یہ سب رب کریم و عظیم اور حکیم و علیم کی حکمتیں ہیں جنہیں انسان سمجھنے سے یکسر قاصر ہے جب تک کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ خود رہبری و رہنمائی نہ فرمادیں۔

اور پھر لمحات گزرتے ہی چلے گئے۔ انتظار کی ساعتیں طویل ہوتی گئیں۔ ہر شخص جو کہ مجلس میں موجود تھا اس انتظار میں تھا کہ ہندو جوگی زمین پر رکھا ہوا سر کب اوپر اٹھائے گا۔ تمام نگاہیں ایک ہی جانب مرکوز تھیں۔ تمام دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے۔ تمام ذہن ایک ہی بات سوچ رہے تھے کہ اتنے میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی جادو اثر آواز نے فضا میں ارتعاش پیدا کیا۔ سناٹا ٹوٹ گیا۔ خاموشی دم توڑ گئی اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا یہ جملہ تمام کانوں تک پہنچا:

''مہمان! اپنا سر زمین سے اٹھاؤ اور اپنی آمد کا مقصد و مدعا بیان کرو۔''

فضا میں اگرچہ اس جملے کی گونج ذہنوں سے ٹکراتی رہی اور لوگ بھی انتظار میں رہے لیکن جوگی بدستور زمین پر سر رکھے پڑا رہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سجدہ کی حالت میں ہے۔ آپس میں چہ میگوئیاں ہونا شروع ہو گئیں کہ جوگی زندہ بھی ہے یا نہیں۔ کسی نے کہا۔ ''یقیناً کوئی مکر و فریب کر رہا ہے۔'' کسی نے کہا۔ ''کہیں رب تعالیٰ جل شانہٗ نے اس کی روح ہی قبض نہ کر لی ہو۔'' کسی نے کہا۔ ''حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے لئے بری نیت لے کر آیا ہوگا۔ حضرت صاحب کو خدانخواستہ نقصان پہنچانا چاہتا ہوگا اس لئے اس کے جسم کی قوت ہی جواب دے گئی ہے۔'' الغرض جتنے منہ اتنی باتیں اور جتنے ذہن اتنی سوچیں اور جتنے دل اتنی دھڑکنیں کے مصداق ہر شخص اک نئی فکر میں مبتلا تھا۔

اس دوران حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا جملہ کئی بار دہرایا مگر ہندو جوگی نے اپنے سر کو زمین سے نہ اُٹھایا۔ اب تو لوگوں کو یقین ہو چلا تھا کہ خدائی طاقت ہی ہے جو اس ہندو جوگی پر حاوی ہے اور وہ زمین سے سر اٹھانے سے قاصر ہے۔ ایسا بھی محسوس ہوتا تھا کہ ہندو جوگی اپنے جسم کو حرکت دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے سر کو زمین سے اٹھانے کی کاوش کرتا ہے مگر اٹھا نہیں پاتا۔

اور پھر وہی ہوا جس کی توقع لوگ کر رہے تھے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اپنی جگہ سے اٹھے اور مجمع میں سے ہوتے ہوئے اس ہندو جوگی کے پاس پہنچے۔ آپ نے اس سے کہا:

''جو نیت تم لے کر آئے تھے اس سے ہم واقف ہیں۔ اپنے منصوبے پر بے دھڑک اور بے خطر عمل کرو۔ تمہیں یہاں کوئی روکے گا نہیں۔''

اس ہندو جادوگر جوگی نے نظریں جھکا لیں۔ سر نیچا کر لیا اور روتی ہوئی آواز میں عرض کی۔ ''بابا جی! میں تو آپ کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا اپنے منصوبوں پر عمل کس طرح کروں گا۔ میرے تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے ہیں۔ میرے پاس جو کچھ جادو تھا وہ جاتا رہا ہے۔ اب میں خالی ہاتھ اور خالی دامن ہوں۔ میری جھولی خالی ہے۔ اب تو میں بھکاری ہو گیا ہوں اور بھکاری ہی رہنا چاہتا ہوں صرف اور صرف آپ کے خدا سے مدد چاہتا ہوں۔ اب تو وہی ذات پاک ہی میری جھولی بھرے گی۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے اسے کلمہ شہادت پڑھایا اور وہ ہندو جادوگر جوگی جو آپ کو شکار کرنے کی نیت سے آیا تھا خود شکار ہو گیا۔ جب اس نے کلمہ شہادت پڑھا تو محفل و مجلس میں موجود تمام لوگوں نے اللہ اکبر کا زوردار نعرہ بلند کیا جس سے در و دیوار گونج

اٹھے۔ ہر چہرے پر اک عجیب سی خوشی تھی۔ ہر چہرہ کھلکھلا رہا تھا۔ آج ہندومت نے اسلام سے شکست کھائی تھی۔ آج ہندوستان کا بہت بڑا جادوگر ایک مردِ قلندر کے سامنے ہار مان گیا تھا بلکہ اسی طرح جیسے فرعون کے دربار میں فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں نے شکست مان کر رب تعالیٰ جل شانہٗ کی واحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے اپنے سر رب کائنات کے حضور سجدہ میں ڈال دیئے تھے۔ آج تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ آج مسلمانوں کے چہروں پر بشاشت اور ہندوؤں کے چہروں پر پھٹکار برس رہی تھی۔ آج برہمنوں کے ناپاک منصوبے خاک میں مل گئے تھے۔ آج حق نے باطل پر اپنی برتری ظاہر کر دی تھی کیونکہ حق اور سچ کی ہمیشہ جیت ہی مقدر ہوتی ہے۔

اس کے بعد اب اس جوگی نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کی۔ ''باباجی! مجھے کچھ دنوں کے لئے اجازت دیجئے کیونکہ میرے ذمہ کسی کا قرض ہے میں وہ قرض اتار کر آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اس نومسلم جوگی کو جانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ وہاں سے چلا گیا تو لوگوں نے آپ سے دریافت کیا ''باباجی! ہمیں تو بتائیے کہ اصل کیا معاملہ تھا اور وہ ہندو کیا منصوبے لے کر آیا تھا؟''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے مجلس میں موجود افراد سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''دراصل اس جادوگر کو ہندوؤں نے میرے مقابلے کے لئے اور مجھے شکست دے کر دینِ اسلام کو نیچا دکھانے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ اس کی چال تھی کہ اس نے زمین پر اپنا سر رکھ دیا تھا۔ اور جیسے ہی اس نے زمین پر سر رکھا تو میں نے رب رحمٰن ورحیم سے دعا کی کہ یہ سر دوبارہ اٹھنے نہ پائے اور ہمیشہ تیری بارگاہ میں ہی جھکا رہے۔ اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ جیسے عاجز بندے کی دعا سن لی اور قبولیت کا شرف ایسا عطا ہوا کہ ایک بھٹکے ہوئے کو صحیح راستہ مل گیا۔ وہ ہندوستان کا نامی گرامی جادوگر تھا اور اب دینِ اسلام کا ایک سچا اور کھرا سپاہی ہے۔ اب اس کے پاس جادو کی طاقت نہیں بلکہ حق اور سچ کی قوت ہے اور یہ وہ قوت ہے جو تمام طاقتوں پر بھاری ہے۔''

اب وہ سابقہ ہندو جادوگر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس سے نکل کر جب برہمنوں کے پاس پہنچا تو وہ اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ انہیں مکمل یقین تھا کہ وہ اس معرکے میں کامیاب لوٹے گا اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو ہرا کر ہندوازم کی فوقیت ظاہر کر دے گا مگر برہمنوں کی تمام امیدوں پر اس وقت پانی پھر گیا جب ان کے بھیجے گئے سابقہ ہندو جادوگر اور نومسلم نے برہمنوں کو ان کی وہ رقم واپس کر دی جو انہوں نے اسے پیشگی دی تھی۔ برہمنوں نے حیرانی وپریشانی کے عالم میں اس نومسلم سے پوچھا:

''کیا تم بھی اس فقیر سے شکست کھا گئے ہو؟''

اس نومسلم نے کہا۔ ''اے عقل کے اندھو! میرا اور باباجی کا کیا مقابلہ! میں ایک نادان اور کم عقل چراغ کی مانند تھا جو بجھا ہوا تھا مگر مقابلہ کرنے چلا تھا ایک سورج سے چنانچہ میں مات کھا گیا تاہم بجھا ہوا چراغ جل اٹھا ہے اور میں نے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب تم لوگ غور سے سن لو کہ میرا اور تمہارا راستہ جدا، میرا اور تمہارا مذہب جدا، میرا تمہارا طرزِ زندگی جدا ہے۔ اس لئے اب میرا تم سے کوئی سروکار نہیں۔ تمہاری اپنی راہ اور میری اپنی راہ ہے بلکہ میں تو تمہیں بھی یہی کہوں گا کہ جہالت کی زندگی چھوڑ کر روشنی میں آؤ۔ بتوں کی پرستش چھوڑو اور ایک خدا صرف ایک خدا کی عبادت کرو اور اس پر ایمان لے آؤ۔''

برہمنوں نے اس نومسلم کی اتنی باتیں سننے کے باوجود بھی اس سے کہا۔ ''دیکھو عقل سے کام لو۔ تم بس صرف ایک بار اس فقیر کو شکست دے دو ہم تمہارے قدموں میں دولت کے انبار لگا دیں گے۔ اتنی دولت دیں گے جو تمہارے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگی۔ اگر یقین نہ ہو تو اپنی منہ مانگی قیمت لے لو۔ بتاؤ کیا قیمت لو گے۔ اور یہ کہ وہ تمام قیمت ہم پیشگی دینے کو تیار ہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تم جو قیمت مانگو ہم اس سے بھی دگنی دیں اور پیشگی دیں۔ بولو منظور ہے؟''

اس نومسلم نے کہا۔ ''اگر تم لوگ پوری دنیا کے خزانے بھی مجھے دے دو تو پھر بھی میں اسلام جیسی دولت کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں نے تو وہ دین قبول کیا ہے جس کے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیا جائے تو پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دینِ اسلام کو نہیں چھوڑیں گے۔ اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے ذریعے سے مجھے ایسی دولت ملی ہے کہ تم اسے سمجھ نہیں سکتے!''

برہمنوں نے پوچھا۔ ''اچھا یہ تو بتاؤ وہ کون سی دولت ہے؟''

نومسلم نے کہا۔ ''وہ ایک سجدہ جو میں نے ایک خدا کو کیا۔ اس سجدے کی لذت دنیا کی تمام دولتوں پر قربان! میں نے تو ایک چال کے طور پر زمین پر سر رکھا تھا کہ رب کائنات نے مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا اور میری وہ چال رب تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں سجدہ کی شکل اختیار کر گئی جس سے مجھے اتنا سرور وسکون ملا کہ اس سجدہ سے سر اٹھانے کو میرا جی نہیں کرتا تھا۔ میں ساری عمر اسی سجدہ کی حالت میں رہتا اگر حضرت بابا فرید مجھے آ کر نہ اٹھاتے۔ مجھے تو اب پتہ چلا ہے کہ روشنی کیا ہے۔ میں نے تو اپنی ساری زندگی تاریکی اور جہالت میں گزار دی۔ اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو پوجتا رہا، کیسی حماقت کرتا رہا، تاہم اب میں خوش ہوں کہ رب کریم نے مجھے گمراہی اور ہلاکت سے محفوظ ومامون کر لیا ہے۔'' بقول اقبال۔

وہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اور یہ سب کچھ عطا اور عنایت تھی رب کائنات کی اور فضل و کرم تھا رب رحمٰن و رحیم کا اپنے دوست اور ولی بندے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ پر کہ جس ذات پاک نے آپ کو ایسی روحانی دولت سے سرفراز فرمایا تھا کہ آپ نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی مہربانی سے ایک ایسے جادوگر جوگی کو رب ذوالجلال کے حضور سجدہ کرنے پر مجبور کر دیا کہ جو اپنے جادو کے زور سے آپ پر حملہ کر کے آپ کو شکست دینے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔ آپ کی اس روحانی طاقت میں آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی تربیت اور دعا بھی شامل تھی۔

دراصل آپ نے اپنے رہبر و رہنما حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی انتہائی والہانہ انداز میں خدمت کی تھی کہ لمحہ لمحہ ان کے دل سے آپ کے لئے دعائیں نکلتی تھیں۔ آپ درحقیقت اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو وضو کرانے کی خدمت پر مامور تھے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ رات کو آگ ختم ہو گئی۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ جاڑے سے جسم کا رواں رواں کپکپاہٹ محسوس کر رہا تھا۔ درجہ حرارت اس قدر کم تھا کہ دانت بجتے تھے۔ اب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو فکر لاحق ہوئی کہ صبح کی نماز کے وقت پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو وضو کرانے کے لئے پانی گرم کیسے کیا جائے گا۔ اسی فکر میں آپ آگ کی تلاش میں بستی کی جانب نکل گئے۔ ابھی نماز میں کچھ وقت باقی تھا۔ آپ بستی کے ایک ایک مکان سے قریب ہو کر گزرتے رہے کہ شاید کہیں کسی مکان میں کوئی جاگ رہا ہو اور کسی کے بولنے یا چلنے کی آواز یا آہٹ آ رہی ہو تو اس سے آگ طلب کر لیں۔

آپ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ آپ کو ایک مکان سے کسی کے چلنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ آپ نے فوراً دوڑ کر اس مکان کے دروازے پر دستک دی تو ایک عورت نے پردے کی اوٹ سے پوچھا۔ ''اے نوجوان! تمہیں کس سے ملنا ہے؟'' دراصل وہ عورت جوان بھی تھی اور شریر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے لہجے میں شوخی و شرارت تھی۔ آپ اس عورت کے لہجے اور اس کی آواز کی شوخی کو سمجھ گئے تاہم چونکہ اس وقت آپ پر صرف ایک ہی دھن سوار تھی کہ اپنے پیر و مرشد کے لئے وضو کی خاطر پانی گرم کرنے کے واسطے آگ حاصل کرنی ہے اس لئے آپ نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس عورت سے کلام کیا اور کہا۔ ''خاتون! مجھے کسی سے ملنا نہیں ہے بلکہ مجھے تھوڑی سی آگ کی ضرورت ہے جس سے میں وضو کا پانی گرم کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ عورت آپ کو نہیں جانتی تھی کہ آپ کون ہیں اس لئے اس نے آپ سے بے باکانہ انداز

میں کہا:

''یہاں کسی کو آگ بغیر معاوضے کے نہیں دی جاتی۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا۔ ''آگ کا معاوضہ کیا ہے؟''

اس عورت نے کہا۔ ''اے نوجوان! اپنی ایک آنکھ نکال کر دے دو اور آگ لے جاؤ۔''

نماز کا وقت ہونے والا تھا اور آپ از حد فکر مند تھے کہ اگر وضو کے لئے پانی گرم نہ ہو سکا تو آپ کے پیر و مرشد کیا محسوس فرمائیں گے۔ آپ نے اس عورت کو فوری جواب دیا۔ ''میں اپنی آنکھ خود نکال کر تو نہیں دے سکتا تاہم اسے پھوڑ سکتا ہوں۔'' یہ کہہ کر آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی دائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں پورے زور کے ساتھ اپنی دائیں آنکھ میں ماریں تو وہ زخمی ہو گئی۔

وہ شریر عورت آپ کے اس عمل پر ہنسنے لگی تاہم اس نے کہا۔ ''میں نے تو مذاق کیا تھا۔ تم آنکھ رہنے دو۔ میں آگ لے کر آتی ہوں۔'' چنانچہ وہ دوڑی ہوئی گئی اور آگ لے آئی۔ آپ نے آنکھیں بند کر کے آگ اس سے لے لی۔ ایک آنکھ تو ویسے ہی زخمی تھی جبکہ دوسری آنکھ سے آپ راستہ دیکھتے ہوئے خانقاہ تک پہنچے۔ آگ سے وضو کا پانی گرم کیا اور اپنے پیر و مرشد کو پیش کیا۔

آپ کے پیر و مرشد نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ کی ایک آنکھ پر رومال بندھا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے شاگرد عزیز سے پوچھا۔ ''بابا! کیا ہوا؟'' حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے صورتِ حال کو چھپانے کی کوشش کی تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''تمہاری آنکھ کو کچھ نہیں ہوا۔ رومال ہٹا دو۔ آنکھ بالکل ٹھیک ہے۔''

جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد کے کہنے پر آنکھ سے رومال ہٹایا تو آپ کی آنکھ کی تکلیف برائے نام رہ گئی تھی۔

☆======☆======☆

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ آپ اپنے محسن و مربی پیر و مرشد کے انتقال کے وقت ہانسی میں رہائش پذیر تھے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے اس دارِ فانی سے کوچ کرنے سے پہلے یہ وصیت و نصیحت فرمائی تھی کہ ان کی قبر زمین کی سطح کے عین برابر رکھی جائے اور رواج و روایت کے مطابق قبر کا نشان اُبھرا ہوا نہ ہو۔ آپ کے مریدوں اور خدمت گاروں نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ میری قبر کا اُبھرا ہوا نشان کسی کے راستے میں رکاوٹ بنے۔ اور یہ کہ اگر قبر کی سطح زمین کے برابر اور ہموار ہو گی تو ہو سکتا ہے کہ کسی بزرگ کا یہاں سے گزرتے ہوئے قدم میرے سینے پر پڑے اور یوں میں برکت و سعادت سے فیض یاب ہو سکوں۔ ویسے بھی ایک درویش اور فقیر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مرنے کے

بعد بھی اپنی قبر کے اوپر مٹی کا ڈھیر لگا کر اسے نمایاں کرے۔ اصل کامیابی تو رب تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں ہے۔ وہاں کامیابی حاصل ہوگئی تو اس مٹی کے ڈھیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ کہ جو مزہ گمنامی میں ہے وہ کسی طور پر نمایاں اور ممتاز ہونے میں نہیں۔ لوگ تو یہی چاہیں گے کہ میری قبر بھی سطح زمین سے اونچی ہو مگر کسی کو کیا معلوم کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے نزدیک کسی کا مقام کس قدر اونچا ہے! قبر کی اونچائی سے کسی شخص کا مقام و مرتبہ متعین نہیں ہوتا۔

چنانچہ حسبِ ہدایات مریدوں اور خدمت گاروں نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی قبر مبارک کو ہموار اور سطح زمین کے برابر رکھا اور یوں دور سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ قبر کہاں واقع ہے البتہ چند مریدوں نے ایک خاص قسم کی نشانی رکھی ہوئی تھی جس سے وہ یہ بتا سکتے تھے کہ کس جگہ پر حضرت خواجہ قطب للدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ آسودۂ خاک ہیں۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اجمیر سے دہلی تشریف لے گئے اور چاہتے تھے کہ اپنے پیرومرشد کی قبر مبارک کو ایسا کوئی نمایاں نشان دے دیں کہ جس کی مدد سے دور دراز کا سفر طے کر کے آنے والے مریدین کو یہ علم ہو سکے کہ کس جگہ ان کے پیرومرشد آرام فرما ہیں مگر آپ اپنے پیرومرشد اور رہبر و رہنما کی وصیت کی وجہ سے مجبور تھے اور قبر کی جگہ پر کوئی نشان قائم نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ آپ اپنے پیرومرشد کی جائے قبر کے نزدیک بیٹھے روتے رہتے تھے اور سوچتے رہتے تھے کہ میرے پیرومرشد کی دعاؤں کے طفیل بہت سے بے نشان لوگ بڑے بڑے نشانوں والے بن گئے۔ لوگوں نے بڑے بڑے مراتب و مناصب پالئے مگر جو خود صاحب نشان تھا اس کی قبر کی حدود کا نشان بھی باقی رہتا معلوم نہیں ہوتا۔ اے باری تعالیٰ! کوئی ایسی صورت نکال کہ میرے مرشد کی قبر کا چھوٹا موٹا نشان تو قائم ہو جائے تاکہ آنے والے لوگوں کو آپ کی قبر کی نشاندہی ہو سکے۔

ہر نماز کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی یہ دعا والتجا بالآخر رنگ لائی اور ایک روز جب آپ آدھی رات کو نفل ادا کرنے کے بعد دعا کر کے سوئے تو آپ نے خواب میں اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت فرمائی۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کے پیرومرشد آپ سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے۔ ''بابا فرید! تم بہت ضدی ہو۔ تمہاری ضد نے ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ اگر تم اسی بات پر اصرار کرتے ہو تو پھر یوں کرو کہ کل عصر اور مغرب کے درمیان میری قبر پر کچھ مٹی ڈال کر اس کی سطح تھوڑی سی اونچی کر لو مگر یاد رکھنا کہ اسے پختہ نہیں کرنا اور نہ ہی اس کی کوئی بناوٹ وغیرہ پر توجہ دینی ہے''۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ جب صبح کو بیدار ہوئے تو آپ کے چہرے پر ایک خوشی اور طمانیت کی خاص چمک تھی۔ آپ کی دلی مراد بر آئی تھی اور آپ کو اجازت مل گئی تھی کہ

آپ اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی قبر کے نشان کو سطح زمین سے قدرے اونچا رکھ سکیں۔ آپ نے صبح سے عصر تک کا وقت اس مخصوص قسم کی بے چینی اور انتظار کی کیفیت میں گزارا۔ اور پھر عصر کی نماز سے فراغت کے بعد آپ نے مٹی ڈالنا شروع کر دی۔ آپ کے عقیدت مندوں نے کافی کوشش کی کہ یہ کام انہیں کرنے دیں مگر آپ نے انہیں روک دیا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مریدین سے کہا۔ ''یہ میرا اور میرے مرشد کا معاملہ ہے یہ میرا ہی کام ہے اور اسے میں ہی سرانجام دوں گا۔'' اور یوں آپ نے مٹی لا لا کر قبر کے نشان پر ڈالنا شروع کی تو اسے بغیر کسی رکاوٹ اور وقفے کے جاری رکھا حتیٰ کہ شام کی اذان کی آواز کانوں میں گونجی تو آپ نے کام روک دیا اور نماز کی ادائیگی میں مشغول ہو گئے۔

مٹی ڈالنے کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا خیال تھا کہ کل کسی وقت وہ اس مٹی کو ہموار کر دیں گے مگر اسی رات ہی ان کے پیرومرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے خواب میں آپ کو مٹی ہموار کرنے سے روکتے ہوئے فرمایا۔ ''بابا فرید! ہم نے تمہاری خوشی کی خاطر اتنا تو برداشت کر لیا۔ بس اب اس مٹی کو اسی طرح ہی چھوڑ دو۔ اسے ہموار کرنے اور اس کی بناوٹ وغیرہ تشکیل کرنے کی ضرورت نہیں۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیرومرشد کی ہدایات کے مطابق مٹی کو اسی طرح بکھرا ہوا اور ناہموار ہی رہنے دیا اور اسے ہموار نہ کیا۔ اور یہی صورت حال اب بھی اسی طرح قائم ہے البتہ اس پر ایک پختہ سائبان بنا دیا گیا ہے تاکہ بارش سے یہ مٹی محفوظ رہ سکے تاہم قبر مبارک اسی طرح ناہموار مٹی سے ہی قائم ہے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ کے پاس جو بھی سوالی آتا تھا آپ اسے خالی ہاتھ نہیں بھیجتے تھے۔ کسی نہ کسی طرح اور کسی نہ کسی طریقے سے اس کی مدد واعانت ضرور کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی تھی وہ آپ کے پاس آ کر اسے بیان کرتا تھا اور آپ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی خاص عنایت اور فضل و کرم کے سائے میں اسے حل کرنے کی حتی المقدور کوشش و کاوش فرماتے تھے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ ایک غریب بوڑھی خاتون آپ کے پاس حاضر ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور زبان میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ رو رو کر بتا رہی تھی۔ ''میں ایک بیوہ خاتون ہوں۔ میرے میاں کو فوت ہوئے ایک عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج کل مجھے جو فکر کھائے جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ میری تین بیٹیاں جوانی کی حد کو پہنچ چکی ہیں مگر ان کی شادی کرنے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ آپ رب رحمٰن و رحیم سے دعا فرمائیں کہ وہ ذات کریم میری اس مشکل کو آسان فرما دے۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے خادم کو بلایا اور اس سے کہا۔

"آج جس قدر نذریں آئی ہیں وہ اس خاتون کو دے دو۔" مگر آپ کے خادم نے عرض کی۔ "بابا جی! آج تو ابھی تک ایک شخص بھی نذر لے کر نہیں آیا۔"

آپ کچھ دیر تک فکر میں رہے کہ اس بوڑھی عورت کے مسئلے کا فوری حل کیا ہو سکتا ہے۔ اسی دوران اس عورت نے کہا۔ "بابا جی! میں نے تو آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ مجھے تو بتایا گیا تھا کہ آپ بہت سخی ہیں۔ اب میں کہاں جاؤں؟ میرا تو آپ کے علاوہ کوئی اور سہارا بھی نہیں!!"

بوڑھی عورت کی اس بات پر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کو جلال آ گیا۔ آپ نے اس بوڑھی عورت سے کہا۔ "بے وقوف خاتون! سہارا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے۔ میں کون ہوتا ہوں کسی کا سہارا بننے والا۔ میں تو خود رب تعالیٰ جل شانہٗ کے سہارے کا محتاج ہوں۔ آئندہ ایسی بات کبھی بھی منہ سے نہ نکالنا۔ یہ شرک ہے اور شرک تو ظلم ہے اور بہت بڑا ظلم ہے۔ کیوں خود بھی گنہگار ہوتی ہو اور دوسروں کو بھی پریشان کرتی ہو؟"

مگر اس بوڑھی عورت نے کہا۔ "بابا جی! چاہے کچھ ہو۔ میں تو آج آپ کی مجلس سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات پاک سب کچھ دینے والی ہے۔ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نیک بندے ہیں۔ مجھے رب قادر وقدیر کے دربار سے لے کر دیں۔ میں تو اپنی بیٹیوں کی شادی کا خرچہ لے کر ہی جاؤں گی۔"

جب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ یہ بوڑھی عورت آج کی بات کو کل پر ملتوی کرنے کے لیے ہرگز بھی تیار نہیں تو آپ نے آسمان کی طرف ایک انتہائی عاجزانہ نگاہ سے دیکھا۔ رب رحیم وکریم کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دعا کے بعد آپ نے اس عورت سے کہا۔ کہ "باہر جا کر مٹی کا ایک ڈھیلا اٹھا کر لے آؤ۔"

بوڑھی خاتون ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ باہر گئی اور ایک ڈھیلا اٹھا کر لے آئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ مجھے رقم چاہئے اور یہ بزرگ مجھے ڈھیلا لانے کو کہہ رہے ہیں۔ اور پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے مٹی کا وہ ڈھیلا ہاتھ میں تھاما اور بہ آواز بلند تین مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ کر اس پر دم کر دیا۔ اہلِ مجلس کی حیرت کی حد نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ رب قادر وقدیر کی قدرت سے وہ ڈھیلا مٹی سے سونا بن گیا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اس عورت سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "رب تعالیٰ کی ذات ہی سب کی ضرورتیں پوری کرنے والی ہے۔ وہ ذات پاک چاہے تو پتھر اور مٹی کو سونا بنا دے۔ تم نے دیکھا اپنے اور سب کے رب کی قدرت کہ کیسے مٹی رب تعالیٰ کے کلام کی برکت سے سونے میں بدل گئی ہے۔"

پھر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اس بوڑھی خاتون کو سونے کی وہ ڈلی دے

ہوئے پوچھا۔ "کیا تمہاری بیٹیوں کی شادی کے لیے یہ کافی ہے؟" اس نے کہا۔ "بابا جی! یہ بہت ہے۔" اس کے بعد وہ عورت وہاں سے چلی گئی۔

مگر گھر پہنچتے ہی اس عورت کو لالچ نے آ گھیرا۔ اس نے سمجھا کہ شاید اسے سونا بنانے کا نسخہ مل گیا ہے۔ اس عورت نے غسل کیا۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے۔ خوشبو کا استعمال کیا اور پھر بڑے بڑے پتھر سامنے رکھ کر سورۃ اخلاص کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ اس نے سوچا کہ یہ پتھر چونکہ کافی بڑے ہیں اس لیے ان پر تین بار سورۃ اخلاص کی بجائے تین سو بار پڑھی جانی چاہئے۔ چنانچہ اس نے تین سو مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ کر ان پتھروں پر پھونکیں ماریں مگر پتھر سونے میں تبدیل نہ ہوئے۔ وہ یہ عمل تین دن مسلسل کرتی رہی اور اس امید پر رہی کہ کسی نہ کسی لمحے وہ پتھر ضرور سونا بن جائیں گے ایسا نہ ہو سکا۔

بالآخر وہ بوڑھی عورت مایوس اور ناامید ہو کر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچی اور اپنا تمام ماجرا بتایا اور کہنے لگی۔

"بابا جی! آپ نے صرف تین بار سورۃ اخلاص پڑھی تو مٹی سونا بن گئی اور میں نے سینکڑوں بار مسلسل تین روز تک سورۃ اخلاص پڑھی مگر میرے ہاں کوئی پتھر سونے میں تبدیل نہیں ہوا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟"

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر آپ نے فرمایا۔

"اے لالچی عورت! رب تعالیٰ جل شانہٗ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو صابر و شاکر لوگ پسند ہیں۔ وہ لالچی اور حریص لوگوں کو ہرگز پسند نہیں فرماتے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے تمہاری ضرورت پوری کر دی۔ اب تمہیں زیادہ لالچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی حکمتیں ہیں۔ تمہاری ضرورت کے مطابق تمہیں مل گیا۔ اب اتنا زیادہ سونا لے کر کیا کرو گی؟ کیا قبر میں یا روز قیامت یہ سونا تمہارے کام آئے گا؟ اب جاؤ اور اپنی بیٹیوں کی شادیوں کا بندوبست کرو۔" اس کے بعد وہ بوڑھی خاتون وہاں سے چلی گئی۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ صبر و شکر کا پیکر تھے۔ آپ پر جب بھی کوئی مشکل وقت آیا آپ نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ آپ کی آزمائش کا وقت انتہائی صبر آزما ان لمحات میں تھا جب آپ کو خبر ملی کہ آپ کے گیارہ بارہ سالہ فرزند حضرت عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اجودھن کا حاکم چونکہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی مقبولیت سے خوفزدہ تھا اور آپ سے بغض وعناد رکھتا تھا۔ اس لیے کہنے والوں نے کہا کہ یہ کام اجودھن کے حاکم کا ہے۔ اُسی کے غنڈوں نے آپ کے بیٹے کو شہید کر دیا ہے مگر آپ نے قابلِ ذکر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ رب کی رضا پر صبر و شکر کیا اور خاموشی سے چند آنسو بہاتے ہوئے اپنے لختِ جگر کو قبر میں اتارا۔

آپ کے بیٹے کی تدفین کے بعد آپ کے عقیدت مندوں نے آپ سے کہا کہ آپ حاکمِ

اجودھن کے لیے بددعا کریں کیونکہ یہ سب اسی کی منصوبہ بندی ہے اور اسی کا کیا دھرا ہے مگر آپ نے ایک تاریخی جملہ کہا اور پھر خاموشی اختیار کرلی۔ آپ نے فرمایا:

''ایک انسان دوسرے انسان کو وہی کچھ دے سکتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے۔ حاکمِ اجودھن کے پاس ظلم وستم ہے وہ اس نے دے دیا۔ میرے پاس بھی جو کچھ ہے میں بھی وہی دے رہا ہوں۔ اور آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ایک فقیر اور درویش کے پاس صبر ورضا اور دعا کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہی عمل میرے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ میں رب تعالیٰ جل شانہٗ سے مزید صبر کا طالب ہوں۔ رب رحمٰن ورحیم مجھے صبر کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔''

اجودھن کے حاکم کی طرح اجودھن کا قاضی بھی ایک ضدی اور جھگڑا کرنے والا انسان تھا۔ اجودھن کے حاکم نے جان بوجھ کر قاضی کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کیا تھا جو لوگوں کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آئے۔ وہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے لیے بھی گستاخانہ الفاظ استعمال کرتا تھا۔ لوگ اس کی شکایت آپ سے کرتے تھے مگر آپ ہمیشہ انہیں صبر کی تلقین کرتے تھے۔

اسی قاضی نے اجودھن کی جامع مسجد میں اپنی مرضی کا امام مقرر کیا ہوا تھا جو دینِ اسلام کے مطابق نماز کے تقاضوں اور واجبات سے پوری طرح واقف نہیں تھا۔ ایک دفعہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے اجودھن کی جامع مسجد میں تشریف لے گئے۔ اسی امام نے نماز پڑھائی لیکن اس سے غلطی سرزد ہوگئی۔

جیسے ہی نماز ختم ہوئی اور لوگوں نے سلام پھیرا تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے مسجد میں موجود تمام نمازیوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''چونکہ امام صاحب نے فلاں غلطی کی ہے اس لیے نماز فاسد ہوگئی ہے لہٰذا اسے دوبارہ پڑھا جائے۔''

امام مسجد اپنی غلطی تسلیم کرنے کیلئے قطعاً تیار نہیں تھا۔ اکثر لوگوں نے اسے سمجھایا مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا اس موقع پر اجودھن کا قاضی جس کا نام عبداللہ تھا وہ بھی موجود تھا۔ اس نے ایک طنزیہ جملہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں کہا۔ ''خدا معلوم کیسے کیسے لوگ کہاں کہاں سے آکر اجودھن میں جمع ہوگئے ہیں جنہیں خود اسلام کے واجبات کا علم نہیں لیکن دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں نے اجودھن کے قاضی کو جواب دینا چاہا مگر آپ نے انہیں روک دیا اور کہا۔ ''میں اپنا معاملہ رب تعالیٰ جل جلالہ کے سپرد کرتا ہوں۔''

بس جیسے ہی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا معاملہ رب قادر وعادل کے سپرد کیا تو چند ہی دنوں میں قاضی عبداللہ پر فالج کا حملہ ہوا اور اس کا منہ ٹیڑھا ہوگیا۔ چنانچہ قاضی

عبداللہ کو سارا معاملہ سمجھ آگیا اور وہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی طلب کی۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اجودھن کے قاضی عبداللہ سے کہا۔ ''تم معافی کیوں مانگ رہے ہو؟ آخر تم نے میرا کیا قصور کیا ہے؟''

قاضی عبداللہ نے کہا۔ ''میں نے آپ کی پیٹھ پیچھے آپ کی شان میں بہت نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اب مجھ پر فالج کا شدید حملہ ہوا ہے اور میرا منہ ٹیڑھا ہوگیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ مجھے اسی گستاخانہ عمل کی سزا دے رہے ہیں۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''تمہاری اپنی زبان ہے جس پر تمہارا اختیار ہے۔ تم جیسے چاہو۔ اسے استعمال کرو۔''

مگر قاضی از حد اصرار کرتا رہا کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور اس کے لیے دعا فرمائیں۔ بالآخر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''اے قاضی! یوں کرتے ہیں کہ قرآن پاک سے فال نکال لیتے ہیں۔ پھر قرآن کا جو فیصلہ ہوگا وہ ہم تسلیم کریں گے۔''

اس کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن مجید کھولا تو یہ آیت سامنے تھی جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے ان کے بیٹے کے بارے میں کہا تھا۔ ''اے نوح! یہ تیری اولاد سے نہیں۔ اس کے عمل غیر صالح ہیں۔'' حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے قاضی سے کہا۔ ''بس فیصلہ ہو چکا۔'' پھر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اپنے حجرے میں تشریف لے گئے اور دروازہ بند کرلیا اور قاضی عبداللہ ناکام واپس لوٹ گیا۔

☆======☆======☆

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اپنی حیاتِ مستعار کے لحہ لحہ اور لحظہ لحظہ خوفِ خدا جل جلالہ اور عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصار میں گرفتار رہتے تھے۔ آپ کی زبان مبارک سے اکثر یہ جملہ سننے میں آتا تھا کہ ''رب تعالیٰ جل شانہٗ بہتر جانتے ہیں کہ روزِ محشر میرے ساتھ کیا سلوک اور کیا برتاؤ کیا جائے گا؟'' اسی ایک خیال میں گم ہوتے تھے تو عبادت وریاضت میں منہمک ہوجاتے تھے۔ رکوع وسجود اور تسبیح وتہلیل میں شب وروز یوں گزرتے تھے کہ کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ کھانے پینے سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔ مسلسل روزے رکھتے تھے جبکہ افطاری وسحری کا بھی کوئی اہتمام وانتظام نہیں ہوتا تھا۔

ایک دفعہ آپ پر اسی قسم کی حالت طاری ہوئی تو آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دینے کے لیے اجمیر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے طویل قیام وسجود کیا

اور ہر دو رکعت نفل کے بعد آپ کی زبان مبارک سے یہی کلمہ نکلتا تھا کہ ''خدا معلوم میرا کیا حشر ہوگا؟ روزِ قیامت میں رب تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں کیا جواب دوں گا؟ کیا پتا اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائیں گے یا نہیں؟''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو اضطراب و پریشانی کی اسی کیفیت میں کئی روز گزر گئے۔ آپ کی آنکھوں سے خوفِ خدا کی بدولت آنسو جاری رہتے تھے۔ اسی صورتِ حال میں ایک رات جب آپ کو قدرے نیند آئی تو آپ کو خواب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوئی جنہوں نے آپ سے کہا۔ ''بابا فرید! رنجیدہ کیوں ہوتے ہو؟ ان شاء اللہ رب کریم و رحیم آپ کو کسی صورت بھی اپنے کرم اور رحمت سے محروم نہیں رکھیں گے۔ اطمینان رکھو اور عبادت جاری رکھو۔'' اور اس کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو اطمینان قلب ہوا اور آپ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر چلّہ بھی کیا اور پھر وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کسی تمیز و تفریق کے بغیر ہر شخص کی عزت و تکریم کرتے تھے اور ہر ایک سے محبت و شفقت اور اُلفت و مروت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اگر کوئی آپ سے زیادتی کرتا تھا یا جھوٹ بولتا تھا تو آپ اپنے حسنِ عمل، حسنِ اخلاق اور حسنِ گفتگو سے اس کی اصلاح و فلاح کی کوشش و کاوش کرتے تھے۔ آپ براہِ راست دوسرے کے غلط عمل کی نشاندہی کرنے کی بجائے دلکش و دل پذیر انداز سے اس طرح پیش آتے تھے کہ وہ شخص خود ہی دل ہی دل میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی اصلاح کر لیتا تھا یا پھر واضح طور پر آپ کے سامنے اقرار کر کے اس امر کا عہد کرتا تھا کہ آئندہ وہ محتاط رہے گا۔ آپ بھی فراخدلی اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ نہ صرف اس کی غلطی معاف فرما دیتے تھے بلکہ اس پر احسان بھی فرماتے تھے اور یوں اس کی آپ کے ساتھ وابستگی اور گہری ہو جاتی تھی۔

ملتان کا ایک زمیندار حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا غائبانہ عقیدت مند تھا۔ اسے آپ سے ملنے کی ازحد خواہش تھی مگر اس کے حالات کچھ ایسی صورت اختیار کرتے چلے گئے کہ وہ آپ کے پاس حاضری نہ دے سکا۔ ایک دن اسے پتہ چلا کہ ملتان شہر کی ایک مسجد کے امام حضرت مولانا عارف آپ کے پاس جانے کا عزم رکھتے ہیں۔ وہ زمیندار مولانا عارف کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی۔ ''میں نے سنا ہے کہ آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے پاس جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کیا واقعی یہ خبر درست ہے؟'' مولانا عارف نے کہا۔ ''آپ نے صحیح سنا ہے۔ میں کل ہی یہاں سے روانہ ہو رہا ہوں اور جلد ہی آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔'' اس زمیندار نے کہا۔ ''اگرچہ میری بالمشافہ ملاقات تو آپ سے کبھی نہیں ہوئی اور میرے گھریلو حالات ایسے ہیں

کہ میں وہاں ان کی خدمت میں بذاتِ خود حاضری نہیں دے سکتا تاہم میں ان کا غائبانہ عقیدت مند ہوں۔ آپ کی کرم نوازی ہوگی اگر آپ میری طرف سے یہ حقیر نذرانہ چاندی کے 200 سکے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کی خدمت اقدس میں پیش کر دیں۔ اور میری طرف سے عرض بھی کر دیں کہ یہ گنہگار و خطا کار ادنیٰ سا زمیندار دعاؤں کا طلبگار ہے۔''

مولانا عارف نے اُس ملتانی زمیندار سے چاندی کے 200 سکے لے لیے اور وعدہ کیا کہ وہ ان سکوں کو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرے گا اور دعا کی درخواست بھی کرے گا۔

جب مولانا عارف پاک پتن پہنچے تو شیطانی بہکاوے میں آ کر سوچنے لگے کہ زمیندار نے کوئی رقعہ، خط یا تحریر تو دی نہیں ہے کہ جس میں اس بات کا حوالہ ہو کہ چاندی کے سکوں کی کیا تعداد ہے اور پھر یہ کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو کون سا علم ہو جائے گا کہ زمیندار نے کتنے سکے دیئے تھے۔ لہٰذا مولانا عارف نے 200 چاندی کے سکوں میں سے 100 سکے اپنے پاس رکھ لئے اور ارادہ کر لیا کہ آپ کو زمیندار کی جانب سے 100 سکے ہی پیش کروں گا۔

چنانچہ مولانا عارف نے اپنے ارادے اور منصوبے کے مطابق حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں 100 سکے چاندی کے پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''یا حضرت! یہ چاندی کے 100 سکے ملتان کے فلاں زمیندار نے آپ کے پاس نذرانہ کے طور پر بھیجے ہیں۔ انہیں قبول فرمائیے مزید یہ کہ اس زمیندار نے دعا کی درخواست بھی کی ہے۔ آپ اس کے حق میں دعا بھی فرمائیے۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا عارف کی اس بات پر چند لمحوں کے لیے خاموشی اختیار کی۔ پھر آپ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی اور آپ نے مولانا عارف سے کہا۔ ''مولانا! اس زمیندار کا رب کریم و رحیم بھلا فرمائیں اور اسے نیک اجر عطا فرمائیں تاہم آپ کا بھی بھلا ہو کہ آپ نے حق برادری بہت اچھے انداز میں ادا کر دیا۔''

مولانا عارف نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی اس بات کو بالکل نہ سمجھا۔ اسے یہ خیال ہی نہ آیا کہ آپ نے ''حق برادری'' کا جو ذکر کیا ہے اس کا کیا مفہوم و مطلب ہے بلکہ اس نے اس کا کوئی اور مطلب لیتے ہوئے کہا۔ ''یا حضرت! میں آپ سے ملنے کے لیے پاک پتن (اجودھن) آ رہا تھا۔ اس لیے مجھے یہ سکے لانے میں کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ میرا فرض تھا۔ میں نے ادا کر دیا ہے۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا عارف سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''مولانا آپ کو زحمت تو ضرور ہوئی ہے کیونکہ آپ نے نذرانے کی رقم کو آدھا کر لیا ہے۔ اسی

کو تو حق برادری کہتے ہیں۔"

اب مولانا عارف کو تمام بات سمجھ آ گئی اور وہ شرم کے مارے آب آب ہو گیا۔ پھر اس نے جلد ہی اپنی جیب سے چھپائے ہوئے چاندی کے 100 سکے نکالے اور آپ کے سامنے رکھ دیئے اور کہا۔"یا حضرت! میری خطا معاف فرمائیے۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں یہ سمجھا تھا کہ نہ تو زمیندار کو اس کا پتہ چلے گا اور نہ ہی آپ کو اس کا علم ہوگا۔"

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے تمام 200 سکے اٹھائے اور مولانا عارف کے حوالے کر دیئے۔ اور کہا۔"یہ سب تمہارے ہوئے۔ تمہیں ان کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بھائی کا بھلا ہو۔"

مولانا عارف نے آپ کا یہ رویہ اور یہ کشف دیکھا تو اس نے اپنا تمام سامان، نقدی اور یہ 200 سکے خانقاہ کے درویشوں میں تقسیم کر دیئے اور آپ سے دوبارہ معافی طلب کی اور عرض کی۔

"یا حضرت! میرے دل کی کثافتیں ختم ہونے کی دعا فرمائیے۔ میرے من میں لالچ و طمع نے گھر بنا لیا تھا رب کائنات سے اس گھر کی تباہی کی دعا کیجئے۔ میں شیطان کے بہکاوے میں آ گیا تھا رب تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے شیطان کے شر سے پناہ دے۔"

اور پھر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے تو مولانا عارف کی تمام دلی کثافتیں رب ذوالجلال نے دور فرما دیں اور وہ آپ کے خاص قریبی عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ تاریخ کے صفحات کی زینت ہے جب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے یہ گوارا نہ کیا کہ کسی مغرور شخص کا بھی دل دکھ جائے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ دل وہ جگہ ہے جہاں رب تعالیٰ جل شانہٗ رہتے ہیں۔ اس لیے کسی کا دل توڑنا گناہ عظیم ہے۔ دوسرے کا دل جیتنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے جبکہ دوسرے کا دل توڑتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ دوسرے کی نظر میں اپنے لیے احترام و توقیر پیدا کرنا ایک کٹھن مرحلہ ہے لیکن دوسرے کی نظر سے گرنا بہت آسان ہے۔ تاہم اگر انسان کی نیت صاف ہو۔ اس کے من میں غرور تکبر نہ ہو اور وہ انسانیت کی قدر کرنا جانتا ہو تو یہ تمام مشکل مراحل بڑی آسانی کے ساتھ طے کئے جا سکتے ہیں۔

ایک دفعہ یوں ہوا کہ ایک عالم دہلی میں آیا اس کا نام فصیح الدین تھا۔ وہ علم و فضل میں واقعی کمال رکھتا تھا۔ مشکل سے مشکل سوال کا جواب انتہائی بلیغ، آسان، عام فہم اور مدلل دیتا تھا۔ اس کا حافظہ بھی بہت تیز تھا۔ مختلف کتابوں کے حوالے انتہائی مہارت کے ساتھ دیتا تھا۔ قرآن و سنت پر بھی اسے عبور حاصل تھا۔ اس کی نمایاں خوبی یہ تھی کہ جب وہ سوال کرتا تھا تو کوئی عالم اس کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکتا تھا۔ یوں وہ اپنے وقت کے بے شمار عالموں کو بحث میں مات دے چکا تھا۔

سب کو خاموش کرا دیتا تھا۔ دہلی میں اس کا مباحثہ بیک وقت پانچ مستند اور جید علماء سے ہوا مگر اس نے ان علماء کے سوالات کے جوابات انتہائی اطمینان اور تسلی سے دینے کے بعد جب خود سوالات کیے تو وہ علماء جواب نہ دے سکے۔

اس صورتِ حال میں اس نے فخریہ انداز میں کہا۔"کیا کسی جگہ کوئی ایسا عالم بھی ہے جو میرے سوالات کے جوابات دے سکے؟" علماء نے جواب دیا"ہمارے خیال میں ایک ایسا عالم ضرور موجود ہے جو آپ کے ہر قسم کے سوال کا جواب دے سکتا ہے۔" اس نے گرج کر پوچھا۔"وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟" علماء نے بتایا کہ"ان عالم بزرگ کا نام بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ہے اور وہ اجودھن (پاک پتن) میں رہتے ہیں۔"

اس عالم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔"اچھا ان کو بھی دیکھ لیں گے۔" دہلی کے علماء نے کہا۔"ہم آپ کو پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ آپ ان سے مات کھا جائیں گے۔"

اس پر فصیح الدین جلال میں آ گیا اور کہنے لگا۔"میں ابھی اجودھن جاتا ہوں اور ان سے ملتا ہوں۔" چنانچہ اس نے رختِ سفر باندھا اور اجودھن پہنچ گیا۔ وہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انتہائی احترام کے ساتھ سلام کر کے بیٹھنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اسے پاس بلا کر بٹھایا۔ خیر و عافیت دریافت کی اور وہاں موجود ارادت مندوں سے کہا۔"ہمارا مہمان آیا ہے اس کی خاطر تواضع کرو۔" چنانچہ وہاں پر موجود حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے درویشوں نے فصیح الدین کی خاطر مدارت کی۔ اس کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فصیح الدین سے پوچھا۔"میرے لائق کوئی کام ہو تو بتائیے؟"

فصیح الدین نے بظاہر بڑی نیاز مندی کا مظاہرہ کیا مگر وہ دہلی سے اجودھن تک کے سفر میں کئی مشکل سوال سوچ کر آیا تھا اور اسے پوری توقع تھی کہ ان سوالات کے جوابات دینا بابا فرید الدین شکر رحمتہ اللہ علیہ کے لیے مشکل امر ہوگا۔ فصیح الدین نے بڑی انکساری کے ساتھ کہا۔"حضرت! میرے ذہن میں کچھ دینی مسائل الجھ کر رہ گئے ہیں۔ آپ بہت علم رکھنے والے ہیں۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ آپ سے ملاقات کر کے ان مسائل کے حل معلوم کروں تاکہ میرا ذہن صاف ہو اور میری معلومات میں اضافہ ہو۔ مجھے توقع ہے کہ آپ ان سوالوں کے جوابات ضرور دیں گے۔ میں نے آپ کی علمیت کی بڑی شہرت سنی ہے اور دہلی سے سفر کرتا ہوا یہاں اجودھن پہنچا ہوں۔ امید ہے آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔"

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فصیح الدین سے کہا۔"مسائل بیان کرو۔" اس پر فصیح الدین نے ایک ایک کر کے تمام مسائل بیان کر دیئے۔ حضرت بابا فرید الدین

مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے عالم دین فصیح الدین کی زبان سے تمام مسائل انتہائی غور سے سنے مگر آپ نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے چہرہ سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آپ ان مسائل پر غور فکر کر رہے ہیں اور ان کے جوابات سوچ رہے ہیں۔

اس صورتِ حال کو دیکھ کر فصیح الدین نے یہی خیال کیا کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اس کے سوالوں کے جوابات دینے میں دیر اس لیے کر رہے ہیں کہ ان کو سوالوں کے جواب نہیں آتے۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہونے لگا کہ دہلی کے علماء اس بات میں بھی مات کھا گئے ہیں کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اس کے سوالوں کے جواب دے پائیں گے مگر فصیح الدین کی یہ خام خیالی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور جلد ہی اس سے پہلے کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کچھ بولتے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فصیح الدین سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''مولانا! بس یہی تمہارے سوالات ہیں جنہوں نے تمہیں الجھا رکھا ہے۔ یہ تو انتہائی آسان سوال ہیں۔ اگر تم نے بابا جی سے سوالات پوچھنا تھے تو کوئی ایسے سوالات پوچھتے جن کے جوابات ہمیں بھی نہ آتے ہوتے۔ ان سوالات کے جوابات تو میں ہی بتائے دیتا ہوں۔''

فصیح الدین نے حیران و پریشان ہو کر کہا۔ ''کیا آپ ان سوالوں کے جوابات بتا سکتے ہیں؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''کیوں نہیں۔ میں جوابات بتاتا ہوں اور تم غور سے سنتے جاؤ۔ اگر تمہارے کسی سوال کا جواب تسلی بخش نہ ہو تو فوراً بتایئے گا میں اس کی مزید تفصیل بتا دوں گا۔''

اور پھر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فصیح الدین کے سوالوں کے ایک ایک کر کے ایسے مدلل اور مؤثر جوابات دیئے کہ تمام حاضرین محفل عش عش کر اٹھے۔ ہر طرف سے داد و تحسین کی آوازیں آنے لگیں۔ واہ واہ سے مجلس گونج اٹھی اور فصیح الدین کا چہرہ مرجھا گیا۔ وہ پریشان ہو گیا۔ اس کی پریشانی میں مزید اضافہ اس خیال سے بھی ہوا کہ جس مرشد کا مرید اتنا ذہین و فطین ہے اس مرشد کے علم کا مرتبہ و مقام کس قدر ہو گا۔ اس نے سوچا۔ ''میں تو مرید کا مقابلہ نہیں کر سکتا' مرشد کا مقابلہ کس طرح کروں گا۔'' اور یہی سوچ اسے پریشان تر کرتی جا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر شرمندہ و نادم ہو کر بیٹھا رہا اور پھر اس نے کہا۔ ''بابا جی! بہت شکریہ! اب مجھے اجازت دیجئے۔ مجھے میرے تمام سوالوں کے جواب مل گئے ہیں۔ اب میرا یہاں ٹھہرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اسے اجازت دے دی اور وہ وہاں سے چلا گیا مگر اس کے جانے کے بعد حضرت فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے ناراضی کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ''تم نے اس کے سوالات کے جوابات کیوں دیئے؟ کیا میں فصیح الدین کے سوالوں کے جواب نہیں جانتا تھا؟ دراصل بات یہ تھی کہ وہ میرا امتحان

لینے کی غرض سے آیا تھا اور چاہتا تھا کہ مجھے ہرا کر خوشی حاصل کرے۔ تمہارے جوابات نے اس کا دل توڑ دیا ہے۔ اور تم نے دیکھا کہ وہ کس قدر رنجیدہ اور آزردہ یہاں سے گیا ہے۔ کسی درویش کے ہاں سے کسی شخص کا غمزدہ ہو کر جانا کوئی اچھی بات نہیں۔ تم نے اسے بھری محفل میں شرمسار کیا۔ جب وہ یہاں سے اٹھا تو اس کی حالت انتہائی شکستہ تھی۔ تم نے اس کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ میں نے تو صرف اس لیے خاموشی اختیار کی تھی تاکہ وہ جیت کا اعلان کر سکے اور کہہ سکے کہ مجھے اس کے سوالوں کے جوابات نہیں آتے۔ یہی تو وہ چاہتا تھا اور تم نے اس کی چاہت کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اب خدا معلوم اس کا دل کس قدر مغموم ہو گا۔ وہ کس قدر اداس اور پریشان ہو گا۔ وہ تو دہلی کے علماء سے شرط لگا کر آیا تھا کہ وہ مجھے ہرا دے گا۔ اور میں بھی یہی چاہتا تھا کہ ہار جاؤں مگر اس کا دل نہ توڑوں کیونکہ کسی کا دل توڑنا رب تعالیٰ کے نزدیک اچھا فعل نہیں۔ میری ذرا سی خاموشی سے اسے ڈھیروں خوشی مل سکتی تھی اور تمہارے جوابات نے اس کی خوشیوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ اب وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ نہ جانے کس حال میں ہو گا۔ اور ہاں یہ جان لو کہ میں آپ سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک فصیح الدین خوش نہیں ہو گا۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما کی زبان مبارک سے آج تک ناراضی کا لفظ نہیں سنا تھا۔ آپ دوڑے ہوئے گئے اور فصیح الدین کو تلاش کیا۔ وہ ایک سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ آپ اس کے پاس پہنچے۔ اس نے آپ کو دیکھتے ہی خوشی کا اظہار کیا اور آپ کی علمیت کی تعریف کی مگر نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اسے بتایا کہ ''تمہاری وجہ سے میرے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ مجھ سے ناراض ہیں۔'' فصیح الدین نے پوچھا۔ ''ان کی ناراضی کی وجہ کیا ہے اور اس میں میرا حوالہ کیسے بنتا ہے؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''پیر و مرشد مجھ سے اس لیے ناراض ہیں کہ میں نے تمہارے سوالات کے جوابات کیوں دیئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں تمہارے سوالوں کے جوابات نہ دیتا تو تم خوش ہو جاتے اور لوگ جان لیتے کہ تم بہت بڑے عالم ہو۔ تمہاری علمیت کی دھاک بیٹھ جاتی اور یہی تمہاری دلی خواہش تھی۔ اس طرح میں نے تمہارا دل توڑا ہے جس کی وجہ سے وہ مجھ سے ناراض ہیں۔ اور پیر و مرشد کی ناراضی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔'' یہ سن کر فصیح الدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے کہا۔ ''بابا جی کی اتنی اعلیٰ ظرفی اور عظمت کہ کسی کا دل توڑنا گوارا نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ دوسروں کی دل آزادی کو گناہِ کبیرہ سمجھتے تھے۔ کسی درویش کی سب سے نمایاں خوبی ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ گالیاں کھا کر بھی دعائیں دیتا ہے

اور یوں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتا ہے۔ انسانیت کی قدر کی اس کی اولین شناخت اور لوگوں کی خدمت ہی اس کی پہلی پہچان ہوتی ہے۔ آپ کی زندگی میں ایسے کئی واقعات چمکتے دکھتے نظر آتے ہیں جب آپ نے انسان کی عزت، وقار اور خواہش و آرزو کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ آپ نے رب تعالیٰ جل شانہٗ کے بندوں سے ان کی تمام تر خوبیوں، خامیوں، کوتاہیوں اور غلطیوں کے باوجود محبت و شفقت اور توقیر و تکریم کا سلوک کیا۔ یوں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے دوسروں کے لیے تقلید کی راہیں کھول دیں۔ بقول اقبال

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں روزانہ سینکڑوں لوگ آتے تھے اور آپ سے شرف ملاقات حاصل کرتے تھے۔ ارادت مندوں کا ہجوم ہر وقت لگا رہتا تھا۔ دن ہو یا رات، صبح ہو یا شام، ظہر ہو یا عصر، ہر لمحہ اور ہر لحظہ جگہ جگہ لوگ میلوں کا سفر طے کر کے آپ کے پاس پہنچتے تھے اور آپ سے فیض حاصل کرتے تھے۔ بعض اوقات بعض افراد گستاخی سے بھی پیش آتے تھے مگر آپ صبر و تحمل، بردباری و انکساری اور مروت و شفقت سے پیش آتے تھے کہ بڑے لوگوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔

ایک دفعہ ایک بوڑھا شخص اپنے نوجوان بیٹے کے ساتھ آپ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ وہ بوڑھا شخص آپ کا انتہائی عقیدت مند تھا۔ وہ انتہائی منکسر المزاج اور قدر کرنے والا تھا مگر اس کا بیٹا اکھڑ مزاج اور بداخلاق تھا۔ اپنے آپ کو عالم فاضل اور لائق فائق سمجھتا تھا۔ بات بات پر دوسروں سے الجھ پڑتا تھا۔ یہی کام اس نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کیا۔ اس نے دھیمی گفتگو سے آغاز کیا مگر پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز اونچی ہونے لگی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ چیخ چیخ کر بولنا شروع کر دیا جو آداب محفل کے سراسر خلاف تھا۔

اگرچہ اس نوجوان کی آواز میں گستاخی تھی۔ لفظوں کا استعمال بھی گستاخانہ تھا اور بحث بھی محض کارِ فضول تھی مگر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اس سے انتہائی نرمی، خوش اخلاقی اور نرم لہجے کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے۔ آپ جتنے نرم ہوتے تھے وہ اتنا ہی شوخ و گستاخ ہوتا تھا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ حجرۂ مبارک کے باہر بیٹھے آنے والے افراد کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ انہوں نے جب شور کی اس طرز کی آوازیں سنیں جیسے کوئی جھگڑا کر رہا ہو تو دونوں حضرات حجرۂ مبارک کے اندر تشریف لے آئے۔

حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکا آپ کے والد

محترم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے انتہائی گستاخی کے ساتھ پیش آ رہا ہے اور حدِ ادب پار کر رہا ہے تو آپ برداشت نہ کر سکے۔ باپ کی از حد عزت و وقعت کرنے والے بیٹے تھے اس لیے باپ کی بے عزتی پر اپنے آپ پر قابو نہ رہ سکے اور آگے بڑھ کر اس لڑکے کو ایک تھپڑ رسید کر دیا اور کہا۔

''بے ادب اور گستاخ! کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ کون سی شخصیت کے ساتھ گستاخی سے پیش آ رہا ہے!'' وہ لڑکا اس قدر گستاخ اور بے ادب و بے لحاظ تھا کہ اس نے حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی اور وہ اس نیت سے جونہی آگے بڑھا حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اس کی نیت بھانپ گئے۔ آپ نے دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ ''تمہیں تو کسی کا بھی لحاظ اور ادب نہیں ہے۔ کچھ خیال کرو۔''

مگر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ یکسر مختلف تھا۔ آپ نے اپنے فرزند شیخ شہاب الدین سے کہا۔ ''تم نے اس لڑکے کو تھپڑ کیوں مارا ہے؟ تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے لہٰذا اس کی سزا یہی ہے کہ اس لڑکے سے معافی طلب کرو۔ جب تک یہ لڑکا تمہیں معاف نہیں کرے گا ہم بھی تمہیں معاف نہیں کریں گے۔''

حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ''ابا جان! یہ لڑکا آپ سے انتہائی گستاخی کر رہا تھا۔ آپ کی بے عزتی کیے جا رہا تھا۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا۔ اس لیے میں نے اسے تھپڑ مار دیا۔''

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ''شہاب الدین! یہ میرا اور اس کا معاملہ تھا۔ تم نے اس میں مداخلت کیوں کی؟ اب تمہیں اس سے معافی مانگنا ہوگی۔''

حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس لڑکے سے معافی طلب کی۔ مزید یہ کہ شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس لڑکے کو کچھ تحائف بھی دیئے۔ اس لڑکے نے علی الاعلان کہا کہ ''میں نے شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو معاف کر دیا ہے۔'' اس کے بعد ہی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ راضی ہوئے۔ تاہم وہ دونوں باپ بیٹا ہنسی خوشی وہاں سے چل دیئے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لڑکے کے والد کو کچھ رقم بھی دی تاکہ ان کے زادِ راہ کے طور پر کام آ سکے۔ اس باپ بیٹا کے چلے جانے کے بعد آپ نے اپنے فرزند سے کہا۔

''شہاب الدین! تم اتنے غصے میں کیوں آ گئے تھے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ لوگ ہمارے مہمان تھے؟ کیا تم میزبانی کے آداب بھول گئے ہو؟ آخر تم نے ایسا کیوں کیا؟''

حضرت شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی۔ ''بابا جی! مجھ سے آپ کی شان میں گستاخی برداشت نہیں ہوئی اور ایک اضطراری حرکت کے ساتھ میں نے اسے تھپڑ رسید کر دیا۔ میں کسی صورت

آپ کی بے عزتی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے فرزند سے کہا۔''بیٹا! یہ ٹھیک ہے کہ تم سے اپنے والد سے کی گئی گستاخی برداشت نہیں ہوئی مگر یہ تو خیال کرو کہ وہ لڑکا بے خبر تھا اس لیے اس نے اپنی زبان کا ناجائز استعمال کیا مگر تم تو باخبر تھے پھر تم نے ہاتھ کا غلط استعمال کیوں کیا؟ بیٹا! یاد رکھو کہ سلوک و طریقت کی منزل میں اس سے بھی کہیں نازک اور کٹھن مقام آتے ہیں اور آزمائش در آزمائش ہوتی ہے اس وقت تم کیا کرو گے؟''

حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ نے ندامت کا اظہار کیا اور وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ اس کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء سے مخاطب ہو کر کہا۔

''مولانا نظام الدین! یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟ تم نے اس لڑکے کا ہاتھ کیوں پکڑا؟ اسے شہاب الدین کو جوابی تھپڑ کیوں نہ مارنے دیا۔ یہ تم نے کیا کیا؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔''یا حضرت! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی آپ کے صاحبزادے پر ہاتھ اٹھائے اور یہ غلام خاموش دیکھتا رہ جائے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ عاجزی و انکساری کا حسین مرقع تھے۔ یہ آپ کی انکساری ہی تھی کہ جب کبھی بیمار ہوتے تو مریدوں سے کہتے کہ''میرے حق میں رب غفور رحیم کے حضور دعا کرو کہ وہ مجھے صحت عطا فرمائے۔''آپ کے ارادت مند کہتے''یا حضرت آپ کی دعا سے کئی مریض صحت یاب ہوتے ہیں اور جب آپ خود بیمار ہوتے ہیں تو دعا ہم سے کراتے ہیں۔''

آپ فرماتے۔''رب رحمٰن و رحیم سب کی سنتا ہے اور دوسروں کے لیے کی گئی دعا تو خاص طور پر رب کی بارگاہ میں قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے۔ اس لیے تم میرے حق میں دعا کرو ضرور قبول ہو گی۔''

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ کے پورے جسم مبارک میں ایسا شدید درد اٹھا جو کہ ناقابلِ برداشت تھا۔ آپ شدتِ درد سے نڈھال ہو گئے۔ اس وقت آپ نے اپنے خاص ارادت مندوں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ حضرت مولانا بدر الدین اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ جمال ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ علی بہاری رحمتہ اللہ علیہ کو بلا بھیجا۔

جب سب لوگ تشریف لے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ درد سے بے حال ہیں۔ انہوں نے آپ کی خیریت دریافت کی تو آپ نے ساری کیفیت بیان کرنے کے بعد اُن سے کہا۔

''میری صحت یابی کے لیے آپ حضرات رب کریم و رحیم کے حضور دعا کریں۔''

تمام درویش حیرانی و پریشانی کے عالم میں خاموش کھڑے رہے اور سوچتے رہے کہ اتنے عظیم

بزرگ کے لیے ہم گنہگاروں کی دعا کیسے قبول ہو گی! حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ان حضرات کی کیفیت سمجھ لی۔ آپ کو محسوس ہو گیا کہ یہ حضرات کس ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں چنانچہ آپ نے ان کو زور دے کر کہا۔

''یاد رکھو! رب تعالیٰ کے ہاں ہر شخص کی دعا پہنچتی ہے اور خلوص نیت سے مانگی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے۔ تم لوگ اسی وقت جاؤ اور فلاں مسجد میں جا کر میری صحت کے لیے دعا کرو۔''

تمام درویش اپنے پیرو مرشد و رہبر و رہنما کے حکم پر وہاں سے چل دیئے اور تمام رات نفل نمازیں پڑھ کر آپ کی صحت یابی کے لیے رب رحمٰن و رحیم کے حضور دعا کرتے رہے۔

جب صبح ہوئی تو تمام ارادت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ ایک پرانے سیاہ کمبل پر لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے قریب ہی وہ عصا رکھا تھا جو آپ کو آپ کے پیرو مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے عنایت فرمایا تھا۔

جب آپ نے درویشوں کو دیکھا تو ان سے پوچھا:

''کیا تم نے میرے لیے رات بھر رب تعالیٰ سے صحت یابی کی دعا مانگی؟''

حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔

''یا حضرت! ہم نے رات بھر آپ کی صحت یابی کے لیے دعا کی ہے۔''

پھر آپ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے قریب بلایا اور کہا:

''مولانا نظام الدین! رات میں نے تمہارے حق میں دعا کی تھی کہ تم رب کائنات سے جو کچھ مانگو گے وہ تمہیں عطا ہو گا۔ یہ دعا میں نے رات کے پچھلے پہر کی تھی اور مجھے امید ہے کہ یہ قبولیت کا شرف حاصل کرے گی۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیرو مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا شکریہ ادا کیا۔ اور آپ وہاں سے جب چلے آئے تو آپ کو خیال آیا کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے میرے حق میں جو دعا کی تھی وہ یقیناً قبول ہو گئی ہو گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ میں اپنے پیرو مرشد کی صحت یابی کے لیے دعا کروں۔''

اور پھر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ ساری رات اپنے پیرو مرشد اور رہبر و رہنما حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی صحت یابی کے لئے دعا گو رہے۔ رات کے آخری لمحات میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو ایک خاص قسم کا سکون اور اطمینان قلب محسوس ہوا تو آپ نے اندازہ لگا لیا کہ ان کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ کو دیکھتے ہی حضرت بابا فرید

الدین گنج شکر نے آپ سے کہا:

''مولانا نظام الدین! مبارک ہو۔ میں نے تمہارے حق میں جو دعا کی تھی وہ قبول ہوئی ہے پھر جب تم نے پچھلی رات میری صحت کے لیے دعا کی وہ بھی قبول ہوئی۔''

اس پر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیرومرشد کا از حد شکریہ ادا کیا مگر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔''نظام الدین! شکر اور شکریہ اس رب کا ادا کرو جس نے ہم دونوں کی دعائیں قبول فرمائیں۔''

اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت منداور مریدین لحہ لحہ آپ کی خدمت میں مصروف عمل رہتے تھے۔مولانا بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ لنگر خانے کے لیے جنگل سے لکڑیاں جمع کرکے لایا کرتے تھے۔شیخ جمال الدین ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ نمک اور سرکہ لگا کر اچار بنانے والا پھل ''دیلہ'' لاتے تھے اور یہی اچار اکثر و بیشتر سالن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔حضرت حسام الدین کابلی رحمتہ اللہ علیہ پانی بھر کر لایا کرتے تھے جبکہ اس پانی سے برتنوں کی صفائی بھی کرتے تھے اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ ترکاری پکایا کرتے تھے۔خواجہ احمد رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد کے کپڑے دھویا کرتے تھے اور مولانا فصیح الدین رحمتہ اللہ علیہ خانقاہ میں جھاڑو دیا کرتے تھے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے تمام عقیدت مندوں کو اس طرح محبت و عقیدت کی لڑی میں پرویا ہوا تھا کہ جیسے تسبیح کے دانے ہوں۔یہ سب کچھ آپ کی شخصیت کا سحر تھا اور آپ کی اعلیٰ تربیت کا اثر تھا کہ سب مرید یک جان ہو کر آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

ایک دفعہ کسی عقیدت مند نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو ایک قینچی نذر کی تو آپ نے فرمایا:

''میاں! مجھے قینچی کی بجائے سوئی دو کیونکہ میں جوڑتا ہوں' کاٹتا نہیں۔''

اور پھر وہ وقت قریب آ گیا کہ یہ جوڑنے والا خود عالم فنا سے عالم بقاء کی جانب محوِسفر ہوا۔ جذب و مستی کی ایک خاص کیفیت آپ پر طاری ہوئی اور یہی آپ کو منزل بقاء کی طرف لے گئی۔

آپ کو ''خلہ'' کا مرض لاحق ہوا۔یہ ایک ایسی بیماری ہے جس میں پہلو اور جوڑوں کا درد یکا یک حملہ آور ہوتا ہے اور آدمی کو نڈھال کر دیتا ہے۔بہر حال موت تو برحق ہے۔ہر شخص اور ہر ذی روح نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔

آپ کے مرض کی شدت بڑھی تو حالت یہ ہوئی کہ آپ نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی اور پھر اس کے بعد بے ہوش ہو گئے۔ایک گھنٹہ بعد ہوش میں آئے تو مریدین سے پوچھا:

''کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ کہیں رہ تو نہیں گئی؟''

ارادت مندوں نے کہا:

''یا حضرت! آپ نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کر لی ہے۔'' آپ نے فرمایا۔''چلو ٹھیک ہے میں دوبارہ عشاء کی نماز پڑھنا چاہتا ہوں اس لیے کہ اللہ جل شانہٗ ہی بہتر جانتے ہیں کہ پھر کیا ہو؟''

چنانچہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے دوبارہ عشاء کی نماز ادا کی۔اس کے بعد مرض کی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔

اب جب ہوش آیا تو آپ نے پھر وہی سوال کیا۔''کیا میں نے عشاء کی نماز ادا کر لی ہے؟'' عقیدت مندوں نے کہا۔''یا حضرت! آپ دوبارہ عشاء کی نماز پڑھ چکے ہیں۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں ایک بار اور عشاء کی نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔پھر رب تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ آگے کیا ہو؟''

یہ کہہ کر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے تیسری بار نماز عشاء ادا کی اور اسی نماز کے آخری سجدے میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔آپ کا انتقال 5 محرم 666 ہجری کو ہوا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو اسی حجرے میں دفن کیا گیا جس میں آپ عبادت و ریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے۔قبر کے لیے کچی اینٹیں آپ کے مکان سے لائی گئیں۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ پنجابی زبان کے اعلیٰ پائے کے شاعر تھے۔ آپ کے اشعار میں دنیا کی بے ثباتی بیان کی گئی ہے۔اصلی اور حقیقی دنیا کی خاطر کام کرنے کا درس دیا گیا ہے۔رب تعالیٰ سے عشق کو منزل بقاء کی پہلی کسوٹی قرار دیا گیا ہے۔آپ کے بے شمار اشعار زبان زد عام ہیں۔اسی طرح آپ کے ارشادات و اقوال بھی لوگوں میں بے حد مقبول ہیں۔آپ رحمتہ اللہ عنیہ نے فرمایا:

(1) دل کو شیطان کا کھلونا نہ بننے دو۔

(2) اپنے ظاہر سے زیادہ باطن سے واقفیت رکھو۔

(3) ہر شخص کا کھانا نہ کھاؤ بلکہ ہر شخص کو کھلاؤ۔

(4) دشمن سے بے خوف نہ رہو خواہ وہ شیریں سخن ہی کیوں نہ ہو۔

(5) آسودگی چاہتے ہو تو حسد سے بچو۔

(6) تم جیسے ہو ویسا ہی ظاہر کرو ورنہ تمہاری اصلیت لوگ ظاہر کر دیں گے۔

(7) ایسی کوشش کرو کہ مر کر زندہ کہلاؤ۔

(8) جو اللہ تعالیٰ کے کام میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کام میں ہوتے ہیں

(9) سچ اس طرح کا نہ بولو کہ جھوٹ سمجھا جائے۔

(10) نیکی کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈو!

(11) کام کئے جاؤ تا کہ مرنے سے پہلے زندگی حاصل ہو۔

اور آخر میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے دو پنجابی شعر:

جے تُو عقل لطیف ' کالے لکھ نہ لیکھ
آپنے گریوان میں سرنیواں کر دیکھ

"اگر تیرے پاس عقل سلیم ہے تو اپنے اعمال نامے کو سیاہ نہ ہونے دے۔ گریبان میں منہ ڈال کر اپنے اعمال کو دیکھ۔"

فریدا خاک نہ نندیئے! خاکو جیڈ نہ کوء
جیوندیاں پیراں تلے مویاں اُپر ہوء

"اے فرید! خاک کی مذمت نہ کر۔ اس خاک کی برابری کون کرسکتا ہے۔ زندگی میں اسے ہم پیروں سے روندتے ہیں جبکہ مرنے کے بعد یہ ہمارے اوپر ہوتی ہے۔"

☆======☆======☆

حضرت نظام الدین اولیاءؒ

"محبوبِ الٰہی" لقب تو "محفل شکن" خطاب...... کردیا ہر ایک کو اپنی فراست سے لاجواب...... 636ہجری سال ہے آپؒ کی اس دنیا میں ولادت کا...... 725ہجری سال ہے آپؒ کی اس دنیا سے رخصت کا...... جب یتیم ہوئے تو عمر تھی صرف پانچ سال مگر کم عمری میں ہی قوت استدلال میں کرلیا حاصل کمال...... نوجوانی ہی میں لے گئے تمام علماء ہند پر سبقت کہ رب نے بخشی تھی آپؒ کو تمام علومِ اسلامی میں بے پناہ وسعت...... سلطان علاؤ الدین خلجی جیسا حکمران آپؒ کی زیارت کو ترستا رہا مگر آپؒ نے اسے ملاقات کا شرف نہیں بخشا کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ درویشی الگ ہے اور سلطانی الگ...... حضرت امیر خسرو جیسے بزرگ آپ کے تلامذہ میں تھے جب کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ آپ کے اساتذہ میں سے تھے......

بقول حضرت علامہ اقبالؒ ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

خواب جاگتی آنکھوں سے بھی دیکھے جاتے ہیں۔خواب سورج کی آنکھیں چندھیا دینے والی روشنی میں بھی نظر آ سکتے ہیں۔خواب آنکھوں کی بجائے فکر وخیال کے ذریعے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ خواب بصیرت اور بصارت دونوں سے دیکھے جاتے ہیں مگر عرفِ عام میں خواب اسے کہا جاتا ہے جو رات کی تاریکی میں جبکہ ارض وسما سیاہ چادر اوڑھ لیتے ہیں اور انسان نیند کی وادی میں جاتا ہے تو وہاں جو کچھ نظر آتا ہے وہ ذہن میں محفوظ رہ کر قلب وروح کو متاثر کرتا ہے۔

خواب اگرچہ خیالی اور جھوٹے بھی ہو سکتے ہیں مگر رب تعالیٰ کے نیک بندوں کے خواب ہمیشہ سچے ہوتے ہیں۔خواب ہی کی بناء پر حضرت یوسف علیہ السلام کا تمام واقعہ وجود میں آیا اور خواب ہی کی بنیاد پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلا دی۔

ایک خواب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے پیر ومرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ حضرت سیّد عرب نے بھی دیکھا۔بیداری میں نہیں بلکہ نیند میں کہ انہیں ایک بزرگ سفید لباس پہنے، ہاتھوں میں ایک لمبی تسبیح لیے انتہائی رسیلے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"سیّد عرب! تمہارا ارادہ نیک اور تمہارا عزم ٹھیک ہے۔تم فوری طور پر ہندوستان چلے جاؤ۔"

دراصل حضرت سیّد عرب رحمتہ اللہ علیہ کئی روز سے یہ سوچ رہے تھے کہ اگرچہ یہاں بخارا میں بھی تجارت کا سلسلہ جاری ہے لیکن کیوں نہ ہندوستان جا کر وہاں کے حالات اور کاروبار کا جائزہ لے کر اس کی تجارتی منڈیوں سے رابطے قائم کیے جائیں اور یوں بخارا اور ہندوستان کے مابین درآمد اور برآمد کا سلسلہ شروع کیا جا سکے۔

حضرت سیّد عربؒ نے ہندوستان کی جانب سفر کا عزم کیا تو اپنے حقیقی چچازاد بھائی سیّد علی بخاریؒ کو بھی ساتھ لے لیا۔دونوں رشتہ دار بھی تھے اور بہت گہرے دوست بھی۔مزید یہ کہ دونوں کی کوشش وکاوش یہ ہوتی تھی کہ کاروبار اور ذریعہ روزگار بھی ایک ہی ہو اور ایک ہی جگہ ہو بلکہ اکٹھے اور

شراکت میں ہو تو اور زیادہ بہتر ہے۔

چنانچہ حضرت سیّد عرب رحمتہ اللہ علیہ اپنے بھائی حضرت سیّد علی بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ اپنے ارادے کی تکمیل کرنے اور خواب کی تعبیر پانے کے لیے بخارا سے ہندوستان پہنچے تو سب سے پہلے لاہور میں قیام فرمایا۔چند دن یہاں رہائش پذیر رہنے کے بعد دونوں بھائیوں نے بدایوں میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

حضرت سیّد عرب رحمتہ اللہ علیہ کو بدایوں کی آب وہوا بڑی راس آئی۔رب رحمٰن ورحیم آپ کو صحت ودولت کی نعمتوں سے خوب نوازا۔روحانی طور پر آپ پہلے ہی حضرت خواجہ عثمانی ہرونی رحمتہ اللہ علیہ سے فیض یاب ہو چکے تھے۔یہی وجہ تھی کہ کاروبار کے ساتھ ساتھ ذکر اذکار میں بھی مصروف ومشغول رہتے تھے۔ایک چھوٹا سا قرآن پاک کا نسخہ ہر وقت آپ کی سینے والی جیب میں موجود رہتا تھا۔جب فارغ وقت ملتا تھا کلام اللہ کی تلاوت کے ساتھ ساتھ احکام الٰہی کی غرض وغایت اور مفہوم ومطالب پر غور وفکر کرتے رہتے تھے۔

حضرت سیّد عرب رحمتہ اللہ علیہ کو رب تعالیٰ جل شانہٗ نے بڑی نیک اور صالح اولاد سے نوازا تھا۔آپ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ایک بیٹا خواجہ عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ جبکہ دوسرا بیٹا خواجہ سیّد محمود رحمتہ اللہ علیہ تھا اور اکلوتی بیٹی کا نام بی بی زلیخا رحمتہ اللہ علیہا تھا۔وہ اس قدر پرہیز گار، عبادت گزار اور اطاعت شعار تھیں کہ انہیں اپنے زمانے کی رابعہ بصری کہا جاتا تھا۔

حضرت سید عرب رحمتہ اللہ علیہ کا کاروبار یہاں ہندوستان میں بھی خوب پھلا پھولا۔آپ کا شمار امیر ترین افراد میں ہوتا تھا۔رب رازق ورزاق نے زمانے کی ہر آسائش آپ کو دی ہوئی تھی مگر آپ انتہائی منکسر المزاج اور خدا خوفی وعاجزی کے حامل انسان تھے۔رب تعالیٰ جل شانہٗ کی دی ہوئی دولت سے غریبوں، مسکینوں، محتاجوں اور حاجت مندوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔ہر ماہ حمد ونعت کی محفل برپا کرتے تھے جس میں تلاوت، حمد، نعت اور ذکر کے ساتھ ساتھ درود پاک کا ورد کیا جاتا تھا۔بعد میں عام لنگر ہوتا تھا۔

حضرت سیّد عرب رحمتہ اللہ علیہ کی صاحبزادی حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا عورتوں کی محفل الگ برپا کرتی تھیں جس میں درود وسلام اور نعت ومنقبت کی خوشبو دل ودماغ کو معطر ومنور کیے دیتی تھی۔حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا بہت اچھی خطیب بھی تھیں۔آپ عورتوں کو اسلام کے بنیادی مسائل سمجھانے کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ جل شانہٗ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کرنے پر زور دیتی تھیں۔آپ دوسری عورتوں کے دکھ درد میں برابر کی شریک ہوتی تھیں اور خاص طور پر غریب ونادار اور مفلس ولاچار عورتوں کی مدد کر کے خوش ہوتی تھیں۔

اور پھر جب وقت کا پنچھی پرواز کرتے کرتے ایک خاص بلندی پر پہنچا تو حضرت سیّد عرب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ہونہار و پرہیز گار بیٹی حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا کی شادی اپنے چچازاد

بھائی حضرت سیّد علی بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ سے کر دی۔ 615 ہجری میں بیٹی کی شادی کے بعد ایک سال کے عرصہ میں ہی 616 ہجری میں حضرت سیّد عرب رحمتہ اللہ علیہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

اگرچہ حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا نے اپنے امیر کبیر والد محترم کے گھر انتہائی ناز و نعم میں پرورش پائی تھی مگر آپ کے مزاج میں انتہائی انکساری و عاجزی تھی اس لیے اپنے میاں سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے گھر میں حالات کی تنگی کے باوجود آپ نے ہنسی خوشی کے ساتھ گزارا کیا۔ جب بھی آپ کے شوہر سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ آپ سے یہ کہتے کہ میں اتنا امیر کبیر نہیں جتنے آپ کے والد تھے۔ میں تو انتہائی غریب انسان ہوں۔ دو وقت کی روٹی مشکل سے پوری کر سکتا ہوں اور تمہیں وہ آسائشیں نہیں دے سکتا جو تمہیں اپنے والد کے گھر میں ملتی تھیں۔ اس کا مجھے ازحد افسوس ہے۔ تو حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا اپنے شوہر سے کہتیں۔ ”ایک مسلمان اور پاکباز عورت کی سب سے بڑی خوشی اور آسائش یہی ہے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو۔ اگر آپ مجھ سے راضی ہیں تو پھر میں یہاں ہر طرح سے خوش ہوں۔“ اور پھر حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ اپنی اہلیہ سے کہتے۔ ”میں تو دل و جان سے تم سے خوش ہوں۔ تم جیسی نیک سیرت بیوی تو لاکھوں میں کسی کو ملتی ہے۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ تم میری گھر والی ہو اور میرا فخر ہو۔ میرا مان ہو۔“

حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ اگرچہ مالی طور پر غریب تھے مگر روحانی طور پر مالا مال تھے۔ آپ نے فقہ، حدیث اور قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی۔ مفتی کا کورس مکمل کیا تھا۔ صرف و نحو پر عبور حاصل کیا تھا۔ زہد و تقویٰ میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور اپنے وقت کے جید علماء کرام میں سے تھے۔

حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی شہرت پھیلتے پھیلتے جب بادشاہ وقت سلطان شمس الدین التمش تک پہنچی تو اس نے فوری طور پر آپ کو بدایوں کے عہدہ (قاضی) پر تعینات کر دیا۔ اس نے حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ سے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ”مجھے کافی دیر سے یہ خبر ملی کہ بدایوں میں آپ جیسا عالم، فاضل اور صاحب کردار و گفتار شخص موجود ہے۔ آپ ازراہِ صد لطف و کرم قاضی کا عہدہ قبول فرمائیے اور اسلامی سلطنت کے استحکام و انصرام میں میرا ہاتھ بٹائیے مجھے یقین کامل ہے اور میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ اس مقدس و محترم عہدے کو امراء کی سفارشوں اور رؤسا کے تقاضوں سے محفوظ و مامون اور پاک صاف رکھیں گے تاکہ روزِ محشر ہم دونوں بارگاہِ رب ذوالجلال میں سرخروئی کے ساتھ پیش ہو سکیں۔ یہ ہم دونوں کا امتحان ہے۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو دین و دنیا کی کامرانی ہمارے نام ہو گی اور اگر اس میں ناکام ہوئے تو کوئی بھی ہمیں اچھے نام سے یاد نہیں کرے گا اور آخرت میں جو ہو گا وہ تو رب تعالیٰ کی ذات ہی بہتر جاننے والی ہے۔“

حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”میں رب قادر و قدیر اور عادل و خبیر سے دعا گو ہوں کہ وہ مجھے اتنی طاقت اور ہمت دے کہ میں اپنی ذمہ داریوں کو تمام دنیاوی آلائشوں سے پاک رکھتے ہوئے پورا کروں۔ میں کسی کی کوئی سفارش اور دباؤ قبول نہیں کروں گا اور میری یہ کوشش و کاوش ہو گی کہ کسی تمیز بندہ و آقا کے بغیر انصاف کے تمام تقاضے پورے کروں۔ مظلوم کی دادرسی کروں اور ظالم کو اس کے ظلم کی کڑی سزا دوں۔“

اور پھر وہی ہوتا رہا کہ جس کا عہد حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے کیا تھا۔ آپ نے کسی بھی فیصلے میں کسی امیر و وزیر اور شاہ و کبیر کی کوئی سفارش قبول نہ کی۔ ہر فیصلہ آزادانہ، منصفانہ اور دلیرانہ کیا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کسی حکومتی عہدہ دار کو ملزم کے طور پر عدالت میں پیش کیا جاتا مگر آپ سب سے مساوی سلوک فرماتے۔

ایک دفعہ حکومتی کارندوں اور شاہی وزیروں نے بادشاہ وقت سلطان شمس الدین التمش سے شکایت کی۔ ”جناب عالی! قاضی سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ امراء وزراء کی حیثیت و مرتبہ کے مطابق انہیں عزت و وقعت نہیں دیتے اور دربار میں ان کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو کہ ایک عام آدمی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔“ یہ سنتے ہی سلطان شمس الدین التمش نے شکایت کرنے والوں کو ڈانٹ دیا اور کہا۔

”سید احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ جیسا قاضی ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ وہ صاحب کردار ہے۔ وہ اپنا فرض انتہائی دیانتداری اور انصاف کے تمام تر تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے سرانجام دے رہا ہے۔ اگر مجھے یہ اطلاع دی جاتی کہ وہ امراء اور وزراء کی سفارش قبول کرتا ہے۔ ان کے احترام میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ دوسروں سے زیادہ ان کو وقعت دیتا ہے تو پھر میں اس کی گرفت کرتا اور اسے عہدہ سے ہٹا دیتا۔ یہ جو باتیں آپ لوگ کر رہے ہیں یہ تو اس کی انصاف پسندی کا واضح ثبوت ہیں۔ آپ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ آپ اس شخص کی شکایت کر رہے ہیں حالانکہ آپ اس کے کردار کی پاکیزگی کی گواہی دے رہے ہیں۔ اور اب میرے دل میں اس کی قدر اور بڑھ گئی ہے۔ آئندہ کوئی شخص میرے پاس اس قسم کی شکایت لانے کی جسارت نہ کرے ورنہ اس کے خلاف پہلا مدعی میں خود ہوں گا۔“

حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کی نیک سیرت اور پاکیزہ اطوار زوجہ محترم زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا انتہائی پُرسکون اور اطمینان بخش زندگی گزار رہے تھے مگر ایک خلش تھی، ایک آرزو تھی، ایک تمنا تھی اور ایک خواہش تھی جو حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا کو اکثر بے قرار کر دیتی تھی۔ شادی کو 15 سال ہونے کو آئے تھے مگر حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا اولاد کی نعمت سے محروم تھے مگر رب تعالیٰ کی حکمت اور رضا پر راضی تھے۔ دونوں یک زبان ہو کر ایک دوسرے سے کہتے تھے:

”ہم اداس ضرور ہیں مگر رب رحمٰن و رحیم کی رحمت سے مایوس نہیں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے

چاہا تو وہ دن دور نہیں جب ہم اولاد کی نعمت سے نوازے جائیں گے۔ اسی میں کوئی نہ کوئی بہتری ہو گی جس کا شعور ہمیں نہیں ہے۔''

تاہم حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ نصف شب کے بعد آخری لمحات میں رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگا کرتے تھے:

''اے باری تعالیٰ! اے نعمتوں کے بانٹنے والے! اے عطا پر عطا کرنے والے! جس طرح تُو نے حضرت زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں جبکہ وہ اولاد کے قابل بھی نہیں تھے بیٹا عطا فرما دیا تھا ہمیں بھی اس نعمت سے سرفراز فرما۔ اے میرے رب! مجھے تنہا نہ چھوڑ کہ تُو بہترین وارث ہے۔ میرا دامن مراد بھر دے۔ میرے گناہوں کی طرف نظر نہ کر۔ اپنی عنایت اور اپنے کرم کی بارش کر اور میری اہلیہ کی گود ہری کر دے۔ ہم تو ابھی اولاد کے قابل ہیں ہمیں اولاد بخش دے۔ تُو چاہے تو ان کو اولاد دے دیتا ہے جو اولاد ہونے کی عمر سے بھی گزر چکے ہوتے ہیں۔ تُو قادر وقدیر ہے۔ تُو مالک ومختار ہے۔ ہر چیز تیرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ تُو جسے چاہے نواز دے۔ میں تیرا عاجز بندہ تجھ سے اولاد کا طلبگار ہوں۔ ایک نیک اور صالح بیٹے کا خواستگار ہوں۔ مجھے یہ بیٹا بخش دے۔''

یہی صورتِ حال حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا کی تھی۔ وہ سجدے میں رب ذوالجلال کے حضور گڑگڑا کر اور آنسو بہا کر دعا مانگا کرتی تھیں کہ رب رحمٰن ورحیم انہیں اولاد کی نعمت جیسی خوشی سے شادماں کرے۔

اور پھر حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا کی دعائیں رنگ لائیں۔ رب کریم ورحیم کی رحمت جوش میں آئی اور 636 ہجری میں حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا کے بطن سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوا کہ جس نے تمام گھر کو خوشیوں، رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال کر دیا۔

اس موقع پر حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا کی خوشی دیدنی تھی۔ انہوں نے رب تعالیٰ کے حضور شکرانہ کے نوافل ادا کیے۔ غریبوں اور مسکینوں میں خیرات تقسیم کی۔ قرآن پاک کے ختم کیے اور درود شریف کا ورد کیا۔

اور پھر مرحلہ آیا کہ بچے کا نام کیا رکھا جائے۔ کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر دونوں میاں بیوی کے منہ سے یہی نکلا ''محمد'' اور یہی بچہ جب بڑا ہوا تو اس نے نظام الدین اولیاء کے نام سے شہرت وعزت پائی اور ''محبوب الٰہی'' کے لقب سے مشہور ومقبول ہوئے۔

دوسرے سال حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئیں مگر پھر حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ پر بیماری نے ایسا حملہ کیا کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق آپ روز بروز موت کی وادی کی جانب سفر کرتے گئے۔

اور پھر وہ وقت بھی آ پہنچا جو وقتِ آخر کہلاتا ہے جب بندہ اپنے رب کے حضور حاضری دینے

کے لیے بالکل تیار ہو جاتا ہے۔ اس لمحے حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سیّد محمد (نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ) کو اپنے قریب لانے کو کہا۔ آپ نے اپنے کم سن بیٹے پر نظریں ڈالیں تو رب رحمٰن ورحیم کے حضور دعا کی:

''یارب العالمین! میرا بیٹا آج سے یتیم ہو رہا ہے۔ تُو ہی اس کا پالنہار اور سہارا ہے۔ تُو نے تو اپنے حبیب سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم پیدا کیا۔ تُو نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا لیکن تیری رحمت اور قدرت نے ان کو پیغمبروں کے مراتب پر فائز کیا۔ میں آج تیرے سامنے رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اپنا دستِ طلب دراز کرتا ہوں کہ میری اہلیہ اور میرے کم سن بیٹے کو اپنی حفاظت اور سائے میں رکھنا۔ ان پر اپنا کرم جاری وساری رکھنا۔ ان کو گمراہ نہ کرنا۔ ان کو ہدایت سے سرفراز رکھنا۔ ان کو توحید ورسالت پر قائم رکھنا۔ ان پر اپنا کرم کرنا اور خاص طور پر میرے بیٹے کو زہد وتقویٰ میں اعلیٰ مقام عطا کرنا کیونکہ تُو ہی تمام فضیلتیں اور نعمتیں اور عظمتیں بخشنے والا ہے۔''

اس کے بعد حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سیّد محمد (نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ) کو دوسرے کمرے میں لے جانے کو کہا کیونکہ آپ نے فرمایا کہ اب میرا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے۔ چنانچہ حضرت زلیخا بی بی رحمتہا اللہ علیہا اپنے بیٹے کو دوسرے کمرے میں چھوڑ آئیں اور جب واپس لوٹیں تو حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی زبان پر کلمۂ شہادت جاری تھا اور پھر انہوں نے عالم فنا کو خیرباد کہہ دیا اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور حاضری دے دی۔

حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی اہلیہ اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا چونکہ ایک امیر کبیر خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اس لیے آپ کے شوہر کی وفات کے بعد آپ کے بھائیوں نے آپ کی مالی مدد کرنا چاہی مگر آپ نے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے اپنے بھائیوں کے اس خلوص بھرے جذبات کا شکریہ ادا کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالیں گی۔

حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا نے سوت کاتنے کا کام شروع کر دیا۔ آپ دن رات سوت کات کر اپنی ملازمہ کے ہاتھ بازار میں فروخت کرتیں اور گھر کا خرچ چلاتیں۔ آپ کے گھر میں چار افراد تھے۔ آپ کے دو بچے (ایک بیٹا اور ایک بیٹی) اور ایک ملازمہ اور ایک آپ خود لیکن آپ نے صبر وشکر اور صبر ورضا کے ساتھ زندگی کے لمحات گزارنا شروع کر دیئے۔

جس وقت آپ سوت کاتنے کے لیے بیٹھتیں تو باوضو ہو کر بیٹھتیں۔ اسی طرح اپنے بیٹے سیّد محمد (حضرت نظام الدین اولیاء) کو بھی باوضو ہو کر دودھ پلاتیں۔ سوت کاتنے کے ساتھ ساتھ آپ اور حضرت سیّد محمد (حضرت نظام الدین اولیاءؒ) اپنی والدہ محترمہ سے کھانا طلب کرتے تو آپ فرماتیں:

''بابا نظام! آج ہم سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے مہمان ہیں۔''

اور اس دن حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خوشی دیدنی ہوتی اور آپ اپنی والدہ ماجدہ سے پوچھتے:

''امی جان! اب ہم کس روز اللہ تبارک وتعالیٰ کے مہمان بنیں گے؟''

آپ کی والدہ فرماتیں۔ ''بابا نظام! جس دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے چاہا۔'' تو آپ فوراً دعا کرتے ''یا اللہ! تُو ہمیں روزانہ اپنا مہمان بنا۔

☆======☆======☆

رب رحمٰن ورحیم نے حضرت آدم علیہ السلام کو وجود دینے کے بعد انسان کے ساتھ جو سب سے پہلا رشتہ قائم کیا وہ استاد اور شاگرد کا تھا۔ رب علیم وخبیر نے حضرت آدم علیہ السلام کو چیزوں کے نام یا بعض روایات کے مطابق اسماء الحسنیٰ سکھائے۔ گویا رب قادر وقدیر نے انسان کو سب سے پہلے اپنا شاگرد بنایا اور ایسا علم دیا کہ جس کی بدولت فرشتوں نے انسان کو سجدہ کیا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس وہ علم تھا جس سے فرشتے نا آشنا تھے۔ اسی طرح معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے غار حرا میں پہلے پیغام میں سب سے پہلا تقاضا جو کیا وہ پڑھنے کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیں یعنی روز ازل سے جس عمل کی سب سے زیادہ اہمیت وعظمت قائم کی گئی ہے وہ علم کا حصول ہے۔ علم ہی آدمی کو انسان بناتا ہے۔ علم ہی انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیتا ہے اور علم ہی کی بدولت انسان اپنے خالق و مالک کا قرب حاصل کرتا ہے۔

علم کی اسی قدر ومنزلت اور فضیلت ورفعت کے پیش نظر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو بہت چھوٹی عمر میں ہی تعلیم دینا شروع کر دی تھی۔ آپ اپنے بیٹے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی زور دیتی تھیں۔ آپ کی والدہ محترمہ جب نماز پڑھنے کی تیاری کرتیں تو اپنے بیٹے کو بھی وضو کرنے کا طریقہ بتاتیں۔ پھر نماز کی ادائیگی دونوں ماں بیٹا مل کر کرتے۔ حضرت نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ اپنی والدہ کو قیام وسجود میں جس طرح کھڑے ہوئے اور جھکے ہوئے دیکھتے ویسے ہی کرتے جاتے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو وہ کلمات بھی سکھائے اور یاد کرائے جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں۔ یوں تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ، ارکان اور نیت سے لے کر دعا تک کے کلمات زبانی یاد ہو گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو نماز محض یاد نہیں کرائی بلکہ اس کا مفہوم اور ہر کلمے کا مطلب بھی بتایا اور اس کے رموز سے بھی آگاہ کیا۔ بعض اوقات حضرت نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ اپنے والد محترم حضرت سیّد احمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی انگلی پکڑ کر مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں دوسرے نمازیوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا فرماتے۔ اکثر نمازی یہ دیکھ کر حیران ہوتے کہ چھوٹا سا بچہ نماز کی ادائیگی میں کس قدر پختہ ہے مگر انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق یہ بچہ جب بڑا ہوگا تو ولی کامل بنے گا۔

حضرت نظام الدین اولیاء کے والد محترم آپ کی کم سنی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ اس وقت آپ نے اپنی والدہ سے نمازِ جنازہ سیکھی اور اس کی دعا یاد کی۔ پھر آپ نے والد مرحوم کے جنازہ میں شرکت کی اور پورے قرینے اور سلیقے کے ساتھ تمام تکبیروں اور دعا کے ساتھ نماز ادا کی۔ آپ کی والدہ آپ میں علم کی لگن اور شوق وجستجو دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھیں اور شب وروز کا زیادہ تر حصہ آپ کی تعلیم وتربیت میں ہی صرف کرتی تھیں۔

اور پھر آپ کی والدہ ماجدہ نے محسوس کیا کہ آپ کو کسی مدرسہ یا مکتب میں داخل کیا جائے تاکہ آپ کی صلاحیتیں دوسرے بچوں کے ساتھ مقابلے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ نکھریں۔ مزید یہ کہ آپ اس دور کی مروجہ مذہبی تعلیم سے بھی آشنا ہوں اور زمانے کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کی تربیت سے بھی مستفید ہوں۔ چنانچہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو گھر کے قریب ہی حضرت مولانا شادی مقری رحمتہ اللہ علیہ کے مکتب میں داخل کرا دیا۔ اس وقت حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی عمر بمشکل چھ یا سات برس تھی۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا روزانہ صبح سویرے آپ کو مکتب کے لیے تیار کرتیں اور آپ انتہائی شوق ورغبت کے ساتھ مکتب میں تشریف لے جاتے۔ سارا دن وہاں گزارتے اور پھر شام کو واپس گھر تشریف لے آتے۔ آپ کی والدہ ماجدہ دوپہر کا کھانا پکا کر آپ کے ہمراہ ہی کر دیتیں جسے آپ مکتب میں تعلیمی عمل کے دوران وقفہ میں تناول فرماتے۔

مکتب میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے استاد محترم مولانا شادی مقری رحمتہ اللہ علیہ ایک صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ علم وفضل میں کمال درجہ رکھتے تھے۔ عبادت و ریاضت آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ قرآن الحکیم کے سچے عاشق تھے۔ لمحہ لمحہ اور لحظہ لحظہ قرآن پاک ان کی زبان پر جاری وساری رہتا تھا۔ ہر وقت باوضو رہتے تھے اور کوئی بھی کام کر رہے ہوتے تھے لیکن قرآن پاک آپ کے وردِ زبان ہوتا تھا۔ انتہائی خوش الحانی سے قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے اور تجوید وقرأت کے تمام اصولوں کو مدِنظر رکھ کر قرأت کرتے تھے۔ طلباء کو قرآن پاک پڑھانے میں انتہائی انہاک واشتیاق کا مظاہرہ کرتے تھے۔ قرآن پاک سے سچی لگن اور حقیقی عشق کے باعث رب تعالیٰ نے آپ کو اس نعمت سے نوازا تھا کہ آپ کا جو بھی شاگرد آپ سے قرآن مجید کی ایک سورۃ بھی پڑھ لیتا تو اسے پورا قرآن پاک حفظ کرنے میں اس قدر آسانی ہوتی کہ وہ روانی اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جاتا۔ لوگ آپ کی اس خداداد عنایت کو کرامت کا نام دیتے تھے اور قرب وجوار میں مشہور تھا کہ جس کسی نے قرآن مجید حفظ کرنا ہو وہ حضرت مولانا شادی مقری رحمتہ اللہ علیہ سے صرف ایک سورت ہی پڑھ لے اسے قرآن پاک بہت جلد حفظ ہو جائے گا۔

اور واقعی یہی صورتِ حال حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بھی پیش آئی۔

آپ نے اپنے استادِ مکرم حضرت مولانا شادی مقری رحمتہ اللہ علیہ سے ایک پارہ پڑھا ہی تھا کہ آپ کا ذہن وقلب ایسا منور ہوا کہ آپ نے تین یا چار سالوں کے دوران ہی پورا قرآن پاک حفظ فرمالیا۔ جب آپ قرآن پاک کے حافظ بنے تو اس وقت آپ کی عمر بمشکل دس برس تھی۔

کلام اللہ کو سینے میں محفوظ کرنے کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے تصوف و معرفت اور علم فقہ کی کتابیں پڑھنے کا عزم کیا۔ دینِ اسلام کی ابتدائی باتوں اور ضروری معاشرتی احکامات کی کتابیں تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے تھے مگر اب آپ دینِ اسلام کے حوالے سے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ اس مقصد کی خاطر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس وقت کے ممتاز عالم دین اور علم فقہ کے ماہر حضرت مولانا علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے عرض کی۔ ''یا حضرت! مجھے اپنی شاگردی میں لے لیں۔ میں اعلیٰ اسلامی علوم کے ساتھ خاص طور پر فقہ کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

حضرت مولانا علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ہونے والے شاگرد حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے چند سوالات کیے جن کے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی ذہانت وفطانت کے ساتھ جوابات دیئے۔ آپ کی اس ذہانت اور لیاقت نے آپ کے استاد محترم حضرت مولانا علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ کو از حد متاثر کیا اور آپ نے اسی وقت کہہ دیا کہ نظام الدین! تم بڑے ہو کر بہت بڑے آدمی بنو گے۔ چنانچہ وقت نے حضرت مولانا علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ کی اس پیش گوئی کو سچ ثابت کیا اور زمانے نے دیکھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے وہ رتبہ ومقام حاصل کیا کہ رہتی دنیا تک آپ کا نام زندہ وتابندہ رہے گا۔

حضرت مولانا علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد عزیز حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم کی ابتداء چند مذہبی کتابوں سے کی۔ آپ نے ایسا زرخیز ذہن پایا تھا کہ اشارے ہی سے بات کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔ اکثر اوقات آپ ایسا کرتے تھے کہ اگلے روز کا سبق آپ پہلے ہی گھر سے پڑھ کر آتے تھے اور استاد محترم کے پڑھانے سے پہلے ہی انہیں سنا دیتے تھے۔ اگر کوئی نکتہ استادِ معظم سے پوچھنا ہوتا تھا تو سوال کرکے پوچھ لیتے تھے وگرنہ اس سے اگلا سبق پڑھا جاتا تھا اور اس پر بحث ہوتی تھی۔ یوں آپ نے بہت جلد ہی کافی کتابیں پڑھ لیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو فقہ حنفی پر حضرت امام احمد بن محمد قدوری رحمتہ اللہ علیہ کی نہایت جامع اور اسلامی فقہ کی اہم کتاب ''قدوری'' پڑھانا شروع کی۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی شوق، جذبے، لگن اور محنت کے ساتھ اس کتاب کی تعلیم حاصل کی اور استاد محترم سے مختلف سوالوں کے ذریعے ان نکات کی وضاحت حاصل کی جن کی آپ ضرورت محسوس کرتے تھے۔

اور پھر وہ وقت بھی آیا جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فقہ کی مشہور ومعروف

کتاب ختم کرلی۔ اس دن آپ اور آپ کے استاد محترم دونوں بہت خوش تھے۔ استاد محترم نے خاص طور پر مٹھائی منگوائی اور مکتب کے تمام مدرسین اور طلباء میں تقسیم کی۔ ہر کوئی استاد وشاگرد دونوں کو مبارکباد دے رہا تھا۔ جس قدر کم عرصہ میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس کتاب کی تعلیم حاصل کی تھی وہ ایک ریکارڈ تھا اور سب لوگ اس بات پر حیران تھے۔

اگلے روز جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنے استاد محترم کے پاس پہنچے تو آپ کے استادِ معظم حضرت مولانا علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ سے کہا ''نظام الدین! تم نے ایک بہت بڑی کتاب ختم کی ہے۔ اب تم پر یہ بات لازم آتی ہے کہ اپنے سر پر دستارِ فضیلت بندھواؤ۔ یہ تمہارا حق بھی ہے اور میری خوشی بھی۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے لیے اپنے استاد محترم کی بات بہت اہمیت ووقعت رکھتی تھی۔ آپ استاد محترم کے سامنے تو خاموش رہے مگر جب گھر پہنچے تو آپ نے پریشانی کے عالم میں اپنی والدہ محترمہ سے کہا:

''امی جان! استادِ معظم کی خواہش ہے کہ میں فقہ کی کتاب ''قدوری'' ختم کرنے پر اپنے سر پر دستار بندھواؤں لیکن مجھے یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ ایسا کس طرح ہوگا کیونکہ دستار بندی کی تقریب میں بدایوں کے بڑے بڑے علماء، اساتذہ اور نمایاں طلباء شریک ہوں گے جن کی خاطر تواضع کرنا ہوگی مگر ہمارے گھر میں دو وقت کی روٹی مشکل سے میسر آتی ہے۔ اتنا خرچہ کہاں سے پورا ہوگا۔ اگر استادِ معظم کی بات نہ مانی تو یہ ان کی حکم عدولی والی صورت سی بن جائے گی۔ میں تو استاد محترم سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں دستار بندی کی تقریب کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتا۔ اس طرح ان کی خوشی پوری نہیں ہوگی۔ ان کی اس خواہش کا کس طرح احترام کیا جاسکے گا مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی امی جان! آپ ہی کچھ بتایئے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ نے اپنے بیٹے کی بات پورے غور اور انہماک سے سنی۔ جب آپ اپنی بات مکمل کرچکے تو آپ کی والدہ محترمہ حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا نے کہا۔ ''بابا نظام! تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے تو یہ خوشی ہو رہی ہے کہ میرے بیٹے کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی جانے والی ہے۔ آپ کے استادِ معظم کی خواہش کی طرح میری بھی یہی آرزو ہے۔ یا الٰہی! وہ لمحہ کب آئے گا جب میرا بیٹا صاحب دستارِ فضیلت ہوگا یا باری تعالیٰ! اپنی رحمت اور اپنا فضل وکرم جاری رکھ۔ میرے بیٹے کو اس سے زیادہ ترقیاں عطا کر۔ اس کو دین ودنیا کی سرخروئی عطا فرما۔ اسے میری خواہش سے بھی زیادہ نیک نامی اور عزت وفضیلت عطا فرما۔ اس کا نام رہتی دنیا تک روشن رکھ۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی والدہ محترمہ سے بصد احترام پوچھا۔ ''امی جان! لیکن اس تمام انتظام کے اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے؟'' والدہ محترمہ نے ہنستے

ہوئے فرمایا۔"بابا نظام! فکر کی کوئی بات نہیں۔ رب رازق و رزاق تمام اخراجات پورے کرنے والے ہیں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے چاہا تو آپ کے استاد محترم کے ساتھ ساتھ میری خواہش بھی ضرور پوری ہوگی۔"

مگر ایک سوال حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو بار بار پریشان کیے جا رہا تھا کہ تقریب دستار فضیلت کا خرچہ کہاں سے آئے گا! اور پھر آپ نے دیکھا کہ ان کی والدہ ماجدہ نے دن رات سوت کاتنا شروع کر دیا۔ سوت تو آپ پہلے بھی کاتتی تھیں اور اسی کو بیچ کر گھر کا خرچ چلاتی تھیں۔ مگر اب آپ نے دن رات ایک کر دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ رقم حاصل کر کے تقریب کے اخراجات پورے کیے جا سکیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ سوت کاتتی رہیں اور ملازمہ کے ذریعے بازار میں فروخت کراتی رہیں۔ پھر آپ کی والدہ نے اسی سوت سے کپڑا تیار کیا جس سے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے لیے دستار بنائی گئی۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ نے سوت کات کات کر جو رقم اکٹھی کی تھی وہ پھر بھی مہمان نوازی کے اخراجات سے کم تھی۔ والدہ نے وہ رقم اپنے بیٹے کو دیتے ہوئے کہا۔"بیٹا! یہ رقم اپنے استاد معظم کو دے دینا اور کہہ دینا کہ ہمارے پاس بس یہی کچھ ہے۔"

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے والدہ ماجدہ کی ہدایت کے مطابق ویسا ہی کیا اور استاد معظم سے عرض کی۔"یا حضرت! یہ چند سکے بڑی مشکل سے اکٹھے ہو پائے ہیں اور حاضر ہیں۔ والدہ محترمہ کے پاس اور کچھ بھی نہیں۔"

حضرت مولانا علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔"نظام الدین! فکر مت کرو۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ رب قادر و قدیر سب کاموں پر قدرت رکھتے ہیں۔ وہی سب انتظام ٹھیک فرما دیں گے۔" اور پھر جتنی رقم حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ نے بھجوائی تھی اتنی ہی رقم حضرت مولانا علاؤ الدینؒ نے اپنی طرف سے اس میں ملا دی اور یوں تقریب کے اخراجات کے لیے رقم پوری ہوگئی۔

تقریب کا آغاز وقتِ مقررہ پر ہوا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کی تیار کی ہوئی دستار حضرت مولانا علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے رکھ دی گئی۔ دعوت کا انتظام کر دیا گیا۔ علماء و اساتذہ اور فاضل طلباء جمع ہوگئے اور پھر وہ لمحہ قریب آ پہنچا جب دستارِ فضیلت حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے سر پر باندھی جانا تھی۔ چنانچہ استادِ مکرم حضرت مولانا علاؤ الدین اصولیؒ نے اپنے شاگرد رشید کے سر پر دستار باندھنا شروع کی۔ یہ بڑا روحانی اور پُرکیف منظر تھا۔ دستار باندھ دی گئی اور اس کے بعد دعا ہوئی۔

دعا میں رب العزت سے التجا کی گئی:

اے مالک ارض و سما! نظام الدین تیرے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل پاک کا نمائندہ ہے۔ متقیوں اور پرہیزگاروں کی اولاد ہے۔ اس کی خاندانی عظمت و عزت اور توقیر و تعظیم کو برقرار رکھ۔ یہ سیّد زادہ ہے اسے اپنی پناہ میں لے لے۔ اس کو دنیا اور آخرت کی سرخروئی عطا کر۔"

اور اس طرح سب کی دعاؤں کے سائے میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے سر پر دستارِ فضیلت سجا دی گئی اور آخر میں حضرت مولانا علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا:

"رب تعالیٰ جل شانہٗ نے چاہا تو میرے اس شاگرد کا رتبہ بہت بلند ہوگا۔ اس کا سر کسی کے آگے خم نہیں ہوگا بلکہ بڑے بڑے دنیاوی بادشاہوں کے سر اس کے آگے خم ہوں گے۔"

دستار بندی کی تقریب کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے استاد محترم حضرت مولانا عطاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ آپ کے استاد گرامی اپنے باادب، بانصیب شاگرد سے بہت خوش تھے اور ان کی زبان سے بار بار دعائیں نکل رہی تھیں۔ اور ایک لمحہ تو ایسا آیا کہ آپ نے اپنے شاگرد عزیز کے لیے اس سوز و گداز سے دعا مانگی کہ جذبات کی شدت سے اہل مجلس کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔

محفل میں موجود ہر شخص حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے لیے دعا گو تھا۔ ہر لب پر دعا تھی۔ ہر دل میں دعا تھی۔ ہر ہاتھ رب رحمٰن و رحیم کے حضور اٹھا ہوا تھا اور ہر ایک کا مقصد یہی تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے رنگ میں رنگے جائیں۔

اس موقع پر ولایت کے اعلیٰ منصب پر فائز حضرت خواجہ علی رحمتہ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس تقریب میں خاص طور پر شرکت کی اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے استاد گرامی حضرت علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ کی خاص دعوت پر تشریف لائے تھے۔ آپ کو دستار باندھنے سے پہلے انہی سے اجازت لی گئی اور ان کی اجازت کے بعد ہی آپ کے سر پر دستار باندھی گئی۔ پھر ان سے درخواست کی گئی کہ وہ بھی آپ کے لیے دستِ دعا دراز فرمائیں۔ انہوں نے باری تعالیٰ کے حضور عرض کیا۔

"اے رب العالمین! میں تو تیرا گنہگار اور عاجز بندہ ہوں لیکن تیری مغفرت و بخشش کا طالب ہوں۔ اے رب رحمٰن و رحیم! نظام الدین پر رحم و کرم فرما۔ اس کو فضیلتوں سے نواز دے اس کا نام تا قیامت روشن و منور فرما دے۔"

☆======☆======☆

یہ ایک تاریک اور سنسان جنگل تھا جو کسی بھی گزرنے والے مسافر کو حیران و پریشان کیے دیتا تھا مگر اس جنگل کی ایک خوبی منفرد و نمایاں تھی۔ یہ انتہائی گھنا تھا اور درختوں سے بھرا تھا تاہم جتنا یہ گھنا

تھا اتنا ہی گنجان آباد بھی تھا لیکن یہ آبادی انسانوں کی نہیں جنگلی جانوروں کی تھی۔ گویا یہ درندوں کی ایک بے لگام سی سلطنت تھی جہاں قدم قدم پر خطرہ تھا جو کسی بھی اجنبی پر لرزہ طاری کر دیتا تھا۔ ویرانی چاروں جانب پریشانی کی چادر اوڑھے دندناتی پھرتی تھی اور دور دور تک آدم تھا نہ آدم زاد جو کسی قسم کی نازک صورتِ حال میں کسی مصیبت زدہ کی فریاد سن سکے۔ اس جنگل کے بارے میں یہ بھی مشہور تھا کہ یہاں آدم خود درندے بسیرا رکھتے ہیں اس لیے کسی کو ادھر آنے کی ہمت اور اس جنگل سے گزرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ آدم خود درندوں کے ساتھ ساتھ یہ ڈاکوؤں اور راہزنوں کا پسندیدہ ٹھکانہ تھا جو موقع ملتے ہی مسافروں اور حتیٰ کہ بڑے بڑے کاروانوں کو کنگال کر دیتے تھے اور جو بھی تھوڑی سی مزاحمت کرنے کی جسارت کرتا تھا موت اس کا مقدر ہوتی تھی۔

سورج کی روشنی میں دن کے وقت اس جنگل میں پھر بھی قدرے سکون ہوتا تھا لیکن جیسے ہی سورج اپنا بوریا بستر لپیٹ کر مغرب کی جانب کوچ کرتا تھا اور رات تاریکی کی سیاہ بکل مارے آ پہنچتی تھی تو پھر یہ جنگل انتہائی خوفناک، خطرناک اور دہشت ناک ہو جاتا تھا۔ جوں جوں رات کا اندھیرا گہرا ہوتا جاتا تھا جنگل کی وحشت و بربریت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔

یہ چار افراد پر مشتمل ایک مختصر سا قافلہ تھا جسے بہ امر مجبوری اس جنگل میں قیام کرنا پڑا تھا اور وہ بھی رات کے نازک لمحات میں جبکہ خطرات کی تلوار سروں کے قریب ترین لٹکتی محسوس ہوتی تھی۔ اس مختصر سے قافلے کے ایک رکن حضرت مولانا عوض رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے۔ تاریکی اور سناٹے کے اس خوفناک ماحول میں اگر کوئی پتا بھی کھڑکتا تو حضرت مولانا عوض رحمتہ اللہ علیہ کو گمان ہوتا کہ کوئی راہزن ادھر آ نکلا ہے یا کوئی جنگلی درندہ قریب پہنچ گیا۔ ایسے عالم میں مولانا بے اختیار شور مچا دیتے۔

''پیر جی تشریف لائیے! پیر جی تشریف لائیے۔''

اسی طرح کسی شیر کے دھاڑنے اور کسی چیتے کے چنگھاڑنے کی آواز آتی تو مولانا عوضؒ شور برپا کر دیتے۔ چنانچہ صورتِ حال یہ رہی کہ مولانا عوضؒ رات بھر نہ خود سوئے اور نہ ہی قافلے کے باقی تین افراد کو سونے دیا۔ اور یوں بالآخر صبح کے اُجالے نے اپنے خیمے لگا کر ڈیرہ جما لیا۔ رات کی تاریکی بھاگ گئی اور سورج اپنی تیز و تپش آمیز کرنوں کی فوج ظفر موج کے ساتھ آ پہنچا تو مولانا عوضؒ نے خاموشی اختیار کی۔

اس قافلے میں شامل باقی تین افراد میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی زلیخاؒ اور آپ کی چھوٹی بہن تھیں۔ صبح کو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا عوضؒ سے دریافت فرمایا:

''حضرت جی! یہ کون پیر صاحب ہیں جن کو آپ رات بھر پکارتے رہے ہیں کہ پیر جی! تشریف لائیے! تشریف لائیے۔''

مولانا عوضؒ نے کہا۔ ''دراصل میں شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو پکارتا تھا اور سچ پوچھو

تو ربِ رحمٰن و رحیم نے ان ہی کے صدقے اپنی عنایت و کرم نوازی سے ہمارا یہ مشکل ترین سفر آسان کر دیا ہے۔ دراصل کریم و رحیم تو وہی پاک ذات ہی ہے اور اس کائنات پر اسی قادر و قدیر ہی کی حکمرانی ہے۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے طفیل اپنے کرم میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔''

مولانا عوض رحمتہ اللہ علیہ نے جیسے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا نام لیا تو حضرت نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ کو یوں محسوس ہوا جیسے انہیں موسم بہار کے نرم و لطیف اور خوشبودار جھونکے نے چھوا ہو۔ جیسے کسی مقناطیسیت نے ان کو اپنے حصار میں لے لیا ہو۔ اک خاص قسم کی ناقابلِ بیان حالت آپ پر طاری ہوئی اور دیر تک قائم رہنے والا اثر چھوڑ گئی حالانکہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے یہ نام زندگی میں پہلی بار سنا تھا مگر اس نام میں کوئی خاص اور انوکھی کشش تھی کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فوراً ہی مولانا عوض رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔

''حضرت جی! یہ فرمائیے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کون بزرگ ہیں۔'' حضرت مولانا عوض رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا اجمالی تعارف پیش کیا اور قافلہ تھوڑی ہی دیر میں دہلی پہنچ گیا کیونکہ یہی آپ کی منزل تھی۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے دہلی میں اپنی والدہ محترمہ حضرت بی بی زلیخا رحمتہ اللہ علیہا اور اپنی چھوٹی بہن کے ہمراہ ایک سرائے میں قیام کیا۔ ان دنوں دہلی اہلِ فکر و نظر کا مرکز تھا۔ ممتاز علماء کرام بھی وہاں موجود تھے۔ چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے سوچا کہ کیوں نہ اہلِ علم کی صحبت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس خیال سے آپ روزانہ کسی نہ کسی عالم کی مجلس میں پہنچتے اور سارا سارا دن اس کی صحبت میں گزارتے۔ بعض علماء کے پاس آپ ایک سے زیادہ دن بھی ٹھہرتے اور ان کے علم و عمل کو پوری یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرماتے اور اچھی اچھی باتیں سیکھنے کی کوشش فرماتے۔

آپ کو علماء و فضلاء کی مجالس میں جاتے ہوئے ایک عرصہ گزر گیا مگر آپ نے کسی میں بھی ایسی کشش و جاذبیت محسوس نہ کی کہ جس کی جانب آپ کھچے چلے جاتے۔ بالآخر جب آپ ایک دن حضرت مولانا شمس الدین خورازمی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں تشریف لے گئے تو آپ کو وہی خوشبو محسوس ہوئی جس کی آپ کو تلاش تھی۔ آپ کی دلی مراد بر آئی۔ آپ کے دل نے آواز دی۔ ''نظام الدین! تم صحیح جگہ اور صحیح شخص کی مجلس میں پہنچ گئے ہو۔ یہ وہی مردِ قلندر ہے جس کی تلاش میں تم نے کئی مجالس میں حاضری دی۔''

پہلی ہی نظر نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ جب درس شروع ہوا تو محفل پر سکوت کا عالم طاری تھا۔ حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ علم کے گوہر لٹا رہے تھے۔ آپ کے ایک ایک لفظ سے علمیت عیاں تھی۔ ہر جملہ مطالب و معانی کا سمندر تھا جسے

صرف سمجھنے والے ہی سمجھ سکتے تھے۔ علم وعمل کے تابناک سورج کی تپش وحرارت نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے دل ودماغ کو گرما دیا اور آپ مجلسِ درس میں اس قدر محو ہوئے کہ حیرت وحیرانی کی تصویر بن گئے۔

اور وہ لمحہ بھی آ پہنچا جب حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا خطاب ختم کیا۔ جب تمام شاگردانِ عزیز اور حاضرین مجلس اپنے اپنے دامن میں علم کے آبدار موتی سمیٹنے کے بعد گھروں کو چلے گئے تو مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک نووارد نوجوان ابھی تک سر جھکائے اپنے خیالوں میں محو حیرت زدہ سا اپنی جگہ پر ساکت ہو کر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ تھے جو ابھی تک حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ کی گفتگو کے سحر سے نہیں نکلے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے آپ کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا ہو اور سوالوں کا ایک ہجوم تھا کہ جو آپ کے ذہن میں اُمڈا چلا آ رہا تھا مگر آپ کی خاموشی اور محویت اس وقت ختم ہوئی جب مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو پکارا۔ ''نوجوان! ادھر میرے پاس آؤ۔'' مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھ لیا تھا کہ آج ان کی مجلس درس میں یہ نوجوان نووارد ہے اور کسی نہ کسی فکر وخیال میں ہے چنانچہ انہوں نے آپ کو اپنے پاس بلایا تو آپ دوڑے ہوئے ان کے پاس گئے اور قریب جا کر رک گئے۔

آپ نے حضرتِ مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ کو سلام کیا اور ادب وتعظیم کے ساتھ کھڑے رہے۔ حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے سلام کا جواب دینے کے بعد آپ سے پوچھا۔

''میاں! تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اور کیا ارادہ لے کر آئے ہو؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''یا حضرت! میرا نام نظام الدین ہے۔ میں بدایوں سے یہاں دہلی آیا ہوں اور میرا مقصد محض علم کا حصول ہے۔ آج مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ اس شہر میں علم کا سمندر موجود ہے اس لیے میرے آنے کا مقصد پورا ضرور ہوگا۔''

حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔

''نوجوان! یہ بتاؤ کہ وہ کون سا علم کا سمندر ہے جو تمہیں یہاں دہلی میں مل گیا ہے؟'' حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔

''یا حضرت! وہ علم کا سمندر آپ ہی ہیں۔ آپ جیسے عالم وفاضل کی مجھے تلاش تھی۔ میں نے یہاں دہلی میں تقریباً تمام مجالس میں شرکت کی ہے اور آخرکار آپ کی مجلس میں پہنچا ہوں تو مجھے وہ شخصیت نظر آ گئی جس کو ڈھونڈتے ہوئے میں بدایوں سے دہلی پہنچا ہوں۔''

حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''نوجوان! کیا تم سمندر اور دریا میں

فرق بیان کر سکتے ہو؟ تم کس بنیاد پر مجھے سمندر کہہ رہے ہو؟ کیا تمہارے پاس اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل ہے؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔

''یا حضرت! میں اپنے جذبات اور احساسات کو لفظوں اور دلیلوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہ میری عقیدت تو ہے ہی مگر حقیقت بھی ہے۔'' حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''حصول علم سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ یہاں تو سینکڑوں طلباء علم حاصل کر رہے ہیں اور اکثر اپنے اوپر کتابیں لاد رہے ہیں۔ کیا تم بھی اپنے اوپر کتابیں لادنا چاہتے ہو؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔ ''یا حضرت! میرے اوپر بھی کتابیں لاد دیجیے گا کم از کم ان کتابوں کا بوجھ جہالت کے بوجھ سے تو بہتر ہوگا۔ اور پھر میرے لیے یہ اعزاز کسی بھی اعزاز سے کم نہیں ہوگا کہ آپ جیسے عالم نے میرے جسم پر کتابوں کا بوجھ لادا ہے۔ اب یہ مجھ پر ہے کہ میں آپ کے فیض سے کس طرح استفادہ کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے چاہا تو یہ بوجھ میرے لیے فائدہ مند ہوگا۔ اب یہ میری قسمت اور میری محنت اور رب کریم ورحیم کی عنایت کہ میں اس بوجھ کو برداشت کرنے میں کس قدر کامیاب ہوتا ہوں۔ تاہم آپ سے درخواست یہی ہے کہ آپ اس بوجھ پر میرا حق بھی رکھیے اور اپنی مجلس درس میں باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے شامل ہونے کی اجازت دے دیجیے۔ میں آپ کی اس عنایت پر تمام عمر آپ کا شکرگزار رہوں گا۔''

حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''استاد کا کام تعلیم دینا ہے۔ کوئی بھی استاد اپنے کسی بھی شاگرد کو پڑھانے سے انکار نہیں کر سکتا۔ میں تو صرف تمہاری جستجو اور آرزو کی حدت وحرارت دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر تم محنت ومشقت جاری وساری رکھو تو رب کریم ورحیم تمہیں تمہاری کوشش وکاوش کا ضرور اچھا بدلہ دیں گے۔ جدوجہد اور لگن انسان کو معراج کی منزل تک لے جاتی ہے۔ اب یہ تمہاری کوشش اور محنت پر ہے کہ تم کس قدر کامیاب وکامران ہوتے ہو۔ کل سے تم مجلس درس میں بروقت تشریف لے آنا اور وقتاً فوقتاً مجھ سے علیحدہ سے ملتے رہنا تاکہ میں تمہاری رہنمائی تمہاری ضرورت کے مطابق کرتا رہوں۔''

اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اگلے ہی روز سے باقاعدگی کے ساتھ حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس درس میں حاضری دینا شروع کر دی۔ وقت اپنی رفتار کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے جلد ہی اپنے علم وعمل، ذہانت وفطانت اور فرمانبرداری وتابعداری سے اپنے استاد کے دل میں وہ مقام بنا لیا کہ اس سے پہلے کوئی شاگرد ایسا مقام نہیں بنا سکا تھا۔ آپ نے دن رات محنت کی۔ استاد کے ہر قول اور ہر فعل کو بغور سنا اور دیکھا اور اس پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کی اور استاد کی نظروں میں اپنے حسنِ عمل سے وہ مرتبہ پایا کہ ایک دن حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ کو کہنا پڑا!

''نظام الدین! تمہاری علمی قابلیت و ذہانت اور عملی ذکاوت دوسرے تمام طالب علموں سے کہیں زیادہ ہے۔ تم نے تھوڑے ہی عرصہ میں بہت کچھ حاصل کر لیا ہے۔ اب تم آئندہ سے شاگردوں کی عام قطار میں بیٹھ کر علم حاصل نہیں کرو گے بلکہ میں نے تمہارے لیے یہ حجرہ وقف کر دیا ہے۔ تم میرے حجرہ میں ہی آ کر اپنا درس حاصل کرو گے کیونکہ باہر کی مجلس درس میں جو سبق پڑھایا جاتا ہے وہ تمہاری علمی قابلیت کے تمام تر تقاضے پورا نہیں کرتا اس لیے کہ وہ عام سطح کے شاگردوں کے لیے ہوتا ہے۔''

چنانچہ استاد مکرم حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ کی ہدایت اور حکم پر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے استاد کے حجرے میں جانا شروع کر دیا حالانکہ یہ وہ حجرہ تھا جہاں بڑے سے بڑا امیر زادہ اور بادشاہ زادہ بھی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے استاد محترم حضرت مولانا شمس الدین خوارزمیؒ سے تقریباً دو سال تک مختلف علوم سیکھے۔ آپ نے عربی زبان کی صرف ونحو میں مہارت حاصل کی۔ قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ شعر و ادب کے اسرار و رموز سیکھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عربی کی مشکل ترین کتاب ''مقامات حریری'' کے 40 مقالات ازبر یاد کر لیے۔ یہ آپ کی قوت حافظہ کا کمال اور واضح ثبوت تھا۔ جبکہ اس وقت آپ کی عمر بمشکل اٹھارہ سال کے لگ بھگ تھی۔

اب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ چاہتے تھے کہ علم حدیث کو پوری تفصیلات کے ساتھ پڑھیں۔ اگرچہ آپ نے حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ سے حدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی مگر آپ اسے تمام تر گہرائی و گیرائی کے ساتھ پڑھنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے اس دور کے ماہر حدیث حضرت مولانا کمال الدین زاہد رحمتہ اللہ علیہ کی شاگردی حاصل کی۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت مولانا کمال الدین زاہد رحمتہ اللہ علیہ سے بھی علم حدیث کی تفصیلی تعلیم کے لیے دو سال کا عرصہ لگایا۔ اپنی بے پناہ ذہنی صلاحیت اور خداداد علمی قابلیت کے بل بوتے پر آپ نے بہت جلد ہی علم حدیث میں مہارت حاصل کر لی۔ رب رحمٰن و رحیم نے آپ کو سب سے زیادہ جس صلاحیت و قابلیت سے نوازا ہوا تھا وہ آپ کی قوت حافظہ تھی۔ آپ کو استاد محترم جس قدر پڑھاتے تھے آپ تقاضا کرتے تھے کہ مزید پڑھایا جائے چنانچہ استاد محترم مزید سے مزید سبق دیتے مگر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ استاد محترم کے دیئے ہوئے سبق کو یاد کرنے کے ساتھ ساتھ اگلے روز کا سبق بھی یاد کر لیتے اور یوں استاد محترم کو آگے پڑھانے پر آپ مجبور کر دیتے تھے۔

جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ تعلیم حاصل کر رہے تھے تو آپ اس وقت مختلف

مجالس میں ہونے والی بحثوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ مباحثوں میں بڑے بڑے علماء و فضلاء اپنے علم و فضل کا مظاہرہ کرتے تھے مگر سب یہ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ کم سن حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنے اعلیٰ دلائل سے اور برمحل مثالوں سے سب کو لاجواب کر دیتے تھے۔ آپ کی حاضر دماغی اور حاضر جوابی بے مثل و بے مثال تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ مولانا ''بحاث شکن'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اور بالآخر وہ وقت آیا جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے دہلی کو خیر باد کہنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ کے ساتھیوں اور ہم جماعتوں نے آپ کو روکنے کی از حد کوشش کی مگر آپ اکثر یہی فرماتے:

''ہر انسان کو ایک نہ ایک دن تو جانا ہی ہے۔ میں یہاں مہمان ہوں اس لیے مہمان وقتی طور پر ٹھہرتا ہے اور پھر اسے جانا ہوتا ہے۔''

آپ کے دوست اور ساتھی آپ سے دریافت کرتے۔ ''نظام الدینؒ! یہاں دہلی میں کس چیز کی کمی ہے جو آپ یہاں سے جا رہے ہیں؟'' آپ جواب دیتے:

''خدا معلوم کوئی غیبی طاقت ہے جو مجھے اپنی طرف مقناطیس کی طرح کھینچ رہی ہے۔ اگرچہ یہاں سب کچھ ہے اور میں نے بہت کوشش کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ علم بھی حاصل کر لوں مگر پھر بھی اک خاص قسم کی کمی اور تشنگی محسوس کرتا ہوں۔ ایک خاص قسم کی پیاس اور ایک مخصوص قسم کی طلب مجھے یہاں سے جانے پر مجبور کرتی ہے۔ میں اپنے اندر ایک بے چینی پاتا ہوں اور اپنی ذات کو نامکمل سمجھتا ہوں۔ جب تک میں یہاں سے نہیں جاؤں گا یہ بے چینی برقرار رہے گی۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے آپ کے ہم جماعت اور ساتھی پوچھتے۔ ''نظام الدین! اچھا یہ بتاؤ کہ دہلی چھوڑ کر آخر جاؤ گے کہاں؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے:

''یہ تو رب کائنات ہی کو معلوم ہے کہ میں کہاں جاؤں گا۔ جو غیبی قوت مجھے یہاں سے جانے پر مجبور کر رہی ہے وہی مجھے سیدھا راستہ دکھائے گی اور میں ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح مقام پر پہنچ جاؤں گا۔ تاہم مجھے یہ یقین ہے کہ وہاں جانا یقینی طور پر میرے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا۔''

☆======☆======☆

محبت، عقیدت اور خلوص ایسے پاکیزہ و مقدس جذبات ہیں کہ جن کی مہک دل و جاں کو منور اور دماغ و روح کو مزین کیے دیتی ہے۔ ان جذبات کی کوئی مخصوص زبان نہیں ہوتی بلکہ یہ جسم و عمل کے انگ انگ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کی مقناطیسیت اور ان کی جاذبیت بجلی کی لہروں کی طرح اثر کرتی ہے اور تیز سفر کرتی ہے۔ بعض اوقات یہ جذبات اس قدر طاقتور اور متاثر کن ہوتے ہیں کہ محبوب شخصیت کو دیکھے اور ملے بغیر ہی اپنے سفر کا آغاز کر دیتے ہیں۔ گویا یہ رب تعالیٰ جل شانہٗ ہی

کی طرف سے ودیعت ہوتے ہیں جبکہ انسانی فطرت ان کے سامنے عاجز آتی ہے۔ اور جب محبوب شخصیت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بھی دوست ہو۔ ولایت کا درجہ رکھتی ہو اور رشد وہدایت کا منبع ہو تو پھر ان جذبات میں ایسی روحانیت داخل ہو جاتی ہے کہ انسان کا من محض اس شخصیت کا نام لینے ہی سے کھل اٹھتا ہے۔

ایسی ہی صورتِ حال حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی بھی تھی جب سے انہوں نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا نام نامی سنا تھا آپ اپنے من کے اندر ایک عجیب سی ہلچل محسوس کرتے تھے۔ ایسی ہلچل جو دل کو روشن، دماغ کو معطر اور روح کو مطہر کر دیتی ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ جب حضرت مولانا علاؤ الدین اصولی رحمتہ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کر رہے تھے تو ایک شخص ابو بکر قوال آپ کے استاد معظم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے آپ کے استاد محترم کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کا حال بتایا کیونکہ وہ ملاقات کر کے ہی وہاں پہنچا تھا۔ اس نے کہا۔ ''اجودھن کے در و دیوار اور گلی کوچے سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہاں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی روحانیت کا نور برس رہا ہو۔'' اس نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی ریاضت وعبادت اور ذکر وفکر کا حال بھی سنایا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے من میں ایک چنگاری تو پہلے ہی سے سلگ رہی تھی اب وہ شعلہ بن کر بھڑک اٹھی۔ آپ نے یوں محسوس کیا جیسے کسی غیبی طاقت نے آپ کے دل ودماغ کو اپنے حلقۂ اثر میں لے لیا ہو اور ایک ایسا فیصلہ کہ جسے آپ ایک عرصہ سے نہ کر پا رہے تھے پل بھر میں ہو گیا۔ آپ نے اسی لمحے ارادہ کر لیا کہ آپ اجودھن میں جا کر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ان کی سرپرستی ونگرانی میں معرفت کی منازل طے کریں گے۔

اور قدرت جب مہربان ہو تو منزل کی طرف جانے والے راستے خود بخود ہموار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دہلی میں قیام کے دوران حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ جس محلے میں رہتے تھے اسی محلے میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ بھی رہتے تھے۔ یوں جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے دل میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے ملنے کی تڑپ بڑھتی تھی آپ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے جاتے۔ گھنٹوں ان کے پاس بیٹھے رہتے اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں باتیں کرتے رہتے۔ آپ جو بھی سوال حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں کرتے تو حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ اس کا تفصیلی جواب دیتے۔ یوں آپ کے دل میں محبت وعقیدت کے جذبات کی اور فراوانی

ہوتی اور آپ کا جی کرتا کہ اُڑ کر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی حضرت نجیب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ چار سال تک ان کے پڑوس میں گزارے اور تقریباً آپ دونوں کی ہر روز ملاقات ہوتی تھی اور کوئی ملاقات ایسی نہ ہوتی تھی کہ جس میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ اور ان سے ملاقات کی خواہش کا اظہار نہ کیا ہو۔ یوں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے دل میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی محبت اور چاہت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا تاہم آپ وقت کے انتظار میں تھے اور جانتے تھے کہ جب بھی رب کریم ورحیم کا حکم ہو گا آپ حضرت بابا فرید الدین رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ دن گزرتے جا رہے تھے تو آپ کا انتظار بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی آپ خیالوں میں کھو جاتے اور ذہن میں مختلف باتیں سوچتے رہتے کہ جب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہو گی تو ان سے کون کون سی باتیں پوچھوں گا۔ ان کی کس طرح خدمت کروں گا۔ ان کے احکامات کی کس طرح تعمیل کروں گا اور ان کے ارشادات کو کس طرح ذہن ودل میں نقش کروں گا۔

ایک شام حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نمازِ مغرب سے پہلے انہی خیالوں میں بیٹھے تھے کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ نماز ادا کی گئی اور پھر تھوڑی ہی دیر میں لوگوں نے آپ کو اطلاع دی کہ نئے ماہ کا چاند طلوع ہو گیا ہے۔ آپ یہ سنتے ہی خوشی سے کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ آپ کا یہ برسوں سے معمول تھا کہ آپ ہر نئے چاند کے طلوع ہونے پر والدہ محترمہ حضرت زلیخا بی بی رحمتہ اللہ علیہا کی خدمتِ اقدس میں قدم بوسی کے لیے حاضری دیتے تھے۔ آپ فوراً والدہ محترمہ کے پاس پہنچے۔ اس وقت وہ بستر پر دراز تھیں اور ان کی طبیعت ناساز تھی۔ اگرچہ وہ بوڑھی تھیں۔ کمزور تھیں اور بیمار تھیں مگر ان کی حالت اتنی بھی خراب نہیں تھی کہ کوئی یہ شک کرے کہ ان کا آخری وقت قریب ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنی والدہ محترمہ کی چارپائی کی پائنتی کی جانب بیٹھ گئے۔ آپ نے والدہ ماجدہ کے پاؤں تھام لیے اور سلام کے ساتھ ساتھ نئے چاند کی مبارکباد دی۔ والدہ ماجدہ آپ کی سعادت مندی سے بہت خوش ہوتی تھیں اور ڈھیروں دعائیں ان کے منہ سے بے ساختہ نکلتی تھیں۔ اب بھی انہوں نے آپ کو کافی دیر تک دعائیں دیں اور پھر اچانک آپ کی والدہ نے ایک غیر متوقع اور حیران کن سوال آپ سے کیا۔ انہوں نے آپ سے پوچھا۔ ''بیٹا نظام! آئندہ مہینے جب نیا چاند طلوع ہو گا تو کس کی قدم بوسی کرو گے؟''

یہ سوال اس قدر اچانک اور اثر انگیز تھا کہ جس نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ آپ اس سوال کا مطلب فوری طور پر سمجھ گئے۔ آپ کو پتہ چل گیا کہ میری والدہ ماجدہ کا

وقت قریب آ گیا ہے اور وہ یقیناً اگلے چاند تک اس دارِ فانی میں نہیں ہو گی۔ اس خیال کے آتے ہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ والدہ نے دلاسہ دیا۔ صبر کرنے کی تلقین کی اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رضا پر راضی ہونے کا حکم دیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی والدہ ماجدہ سے پوچھا۔ ''امی جان! آپ مجھے کس کے حوالے کر کے رخصت ہو رہی ہیں؟ میں آپ کے بغیر کس طرح رہوں گا اور کہاں کہاں بھٹکتا پھروں گا؟'' آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ ''بیٹا! اس کا جواب میں کل تمہیں دوں گی۔ تاہم آج رات تم شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے ہاں گزارو گے۔ کل صبح ہماری ملاقات ہو گی۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنی والدہ ماجدہ کے حکم کی تعمیل میں حضرت نجیب الدین متوکلؒ کے ہاں پہنچے۔ انہوں نے حسبِ معمول آپ کا گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا مگر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور وہ خاموش تھے۔ ورنہ صورتِ حال یہ ہوتی تھی کہ جب دونوں اکٹھے ہوتے تھے تو بڑی گرما گرم علمی بحث ہوتی تھی لیکن آج حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کوئی موضوع نہ چھیڑا بلکہ خاموشی کے ساتھ چپکے سے بیٹھ گئے۔

اس صورتِ حال میں حضرت نجیب الدین متوکلؒ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ ''مولانا صاحب! خیریت ہے۔ آج آپ چپ چپ سے بھی ہیں اور اداس اداس سے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ آخر کیا بات ہے؟ آج آپ نے بحث کے لیے کوئی موضوع بھی نہیں چھیڑا اور خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ کوئی تو وجہ ہو گی۔ بتائیے تو سہی۔''

مگر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے صرف اتنا جواب دیا۔ ''حضرت جی! آج کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا۔ دل بجھا سا جا رہا ہے۔'' اس کے بعد دونوں نے اکٹھے نمازِ عشاء ادا کی۔ عام طور پر یہ معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد گھر تشریف لے جاتے تھے مگر اس دن بیٹھے رہے۔ کچھ دیر تک تو حضرت نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ نے انتظار کیا مگر پھر انہوں نے پوچھ ہی لیا۔ ''مولانا! آج آپ گھر نہیں جائیں گے؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے بتایا۔ ''یا حضرت! میری والدہ ماجدہ کا حکم ہے کہ آج رات آپ کے ہاں گزاروں۔'' اس بات پر حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ بہت خوش ہوئے اور سوچنے لگے کہ آج رات خوب گزرے گی۔ کسی موضوع پر گرما گرم بحث ہو گی اور خوب لطف آئے گا مگر یہاں تو معاملہ الٹ تھا۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے کئی دفعہ کوئی نہ کوئی بحث طلب موضوع چھیڑنے کی کوشش کی مگر حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے کوئی خاص دلچسپی کا مظاہرہ نہ کیا۔

یہ دیکھتے ہوئے حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو ان کے بستر پر شب بخیر کہا اور اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت نظام الدین

اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے نیند کوسوں دور تھی۔ آپ کے خیالات کا مرکز و محور آپ کی والدہ ماجدہ تھیں اور ان کے وہ الفاظ آپ کے ذہن میں بار بار گونج رہے تھے کہ بیٹا! اگلے مہینے کے چاند نکلنے پر کس کی قدم بوسی کرو گے؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ تمام رات جاگتے رہے۔ نوافل ادا کرتے رہے اور رب غفور و رحیم سے دعا کرتے رہے کہ وہ ان کی والدہ ماجدہ کو عمرِ خضر عطا کرے۔ آپ نے رب ذوالجلال سے گڑگڑا کر دعا کی۔ ''یا باری تعالیٰ! یا رب رحمٰن و رحیم! میری والدہ کو سلامت و بحفاظت رکھ۔ میرے سر کے سائے کو مجھ سے نہ چھین۔ میری والدہ میرے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ یہ سرمایہ تیرا ہی عطا کردہ ہے اس کو میرے پاس قائم رکھ۔''

ابھی صبح صادق ہونے ہی والی تھی کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے دروازے پر دستک کی آواز سنی۔ آپ سمجھ گئے کہ لازماً والدہ صاحب کی طرف سے کوئی آیا ہو گا۔ آپ دوڑتے ہوئے دروازے کی طرف لپکے۔ دروازہ کھولا تو آپ کی والدہ کی خادمہ موجود تھی۔ آپ نے گھبرا کر پوچھا۔ ''کیا سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے؟ سب خیریت تو ہے ناں؟'' خادمہ نے کہا۔ ''سب خیریت ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو بلا بھیجا ہے۔ جلدی سے ان کی خدمت میں حاضری دیجیے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے تیز تیز قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے اپنی والدہ ماجدہ کی خدمتِ اقدس میں حاضری دی اور سلام کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے سلام کا جواب دینے کے بعد کہا۔ ''بیٹھ جاؤ نظام الدین!''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنی والدہ محترمہ کے پاؤں کی جانب بیٹھ گئے اور پاؤں دبانا شروع کر دیئے۔ آپ کی والدہ نے آپ کو بہت دعائیں دیں۔ اور اب تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آپ کی والدہ کی طبیعت کافی سنبھل چکی ہے اور کسی بھی خطرے کی کوئی علامت محسوس نہیں ہوتی تھی۔

آپ کی والدہ نے کہا۔ ''بیٹا نظام الدین! تمہیں یاد ہو گا کہ کل شام تم نے مجھ سے ایک سوال کیا تھا۔'' حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''امی جان! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے کہا تھا کہ آپ مجھے کس کے حوالے کر کے جا رہی ہیں؟''

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی زلیخا رحمتہ اللہ علیہا نے کہا۔ ''بیٹا نظام الدین! اب تمہارے سوال کے جواب دینے کا وقت آ پہنچا ہے۔ اِدھر لاؤ اپنا دایاں ہاتھ۔'' آپ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا تو آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی اپنا دایاں ہاتھ آپ کے دائیں ہاتھ پر مضبوطی کے ساتھ رکھ دیا اور پھر حضرت بی بی زلیخا رحمتہ اللہ علیہا نے آسمان کی طرف نظریں کر کے کہا:

''اے اللہ! اے میرے خالق و مالک! میں نظام الدین کو تیرے حوالے کرتی ہوں۔ تیرے

سپرد کرتی ہوں۔ اے اللہ! آپ ہی تمام جہانوں کے پالنے والے ہیں۔ آپ ہی رب ہیں۔ آپ ہی رب العالمین ہیں۔ آپ ہی اپنے بندوں کے کفیل اور رازق و رزاق ہیں۔ میرے بیٹے پر اپنی رحمت کا سایہ قائم رکھ۔ اس کا نام دین و دنیا میں روشن و منور فرما۔ اسے سیدھے راستے پر قائم و دائم رکھ۔''

اور اس کے بعد حضرت بی بی زلیخا رحمتہ اللہ علیہا کے ہاتھ کی گرفت یکدم ڈھیلی پڑ گئی حتیٰ کہ ان کا ہاتھ نیچے لٹک گیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے گھبرا کر دیکھا تو آپ کی والدہ کے لبوں پر کلمۂ شہادت جاری تھا۔ انہوں نے تین بار کلمۂ شہادت پڑھا اور رب کائنات کی بارگاہ میں حاضری دے دی۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی والدہ کے اس دارِ فانی سے کوچ کر جانے کا ازحد رنج ہوا مگر آپ نے صبر و رضا سے کام لیا کہ یہی اللہ کے بندوں اور پیاروں کا شیوہ ہے تاہم جب بھی کبھی آپ کی والدہ ماجدہ کا ذکر آتا تو آپ کی آنکھیں بھیگ جاتیں اور آپ ان کی مغفرت اور بخشش کے لیے دعا فرماتے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے والدہ کی وفات کو اپنے لیے بہت بڑا نقصان قرار دیتے ہوئے اپنے آپ کو تنہا محسوس کیا۔ آپ ہر معاملے میں اپنی والدہ ماجدہ سے مشورہ کرتے تھے۔ ہر پریشانی میں آپ کی والدہ ہی آپ کی ڈھارس بندھاتی تھیں۔ آپ اپنا ہر غم اپنی والدہ ہی سے بیان کرتے تھے اور وہ آپ کی سب سے زیادہ مونس و غم گسار تھیں۔ آپ والدہ ماجدہ کی وفات سے پہلے ہی کچھ پریشان سے رہتے تھے اور دہلی سے حصول علم و معرفت کی خاطر کہیں اور جانا چاہتے تھے۔ اب والدہ کی وفات نے آپ کی پریشانی میں اور اضافہ کیا۔ آپ نے اپنی پریشانی کا تذکرہ حضرت نجیب الدین متوکلؒ سے کیا تو انہوں نے آپ سے کہا۔ ''رب تعالیٰ جل شانہٗ آپ کے لیے بہتری کی کوئی صورت نکالیں گے اور آپ کی پریشانی جلد ہی دور فرما دیں گے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی تڑپ اور بے قراری میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور پھر آخر کار آپ نے مکمل یکسوئی کے ساتھ غور و فکر کرنے کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ آپ اجودھن چلے جائیں۔ چنانچہ آپ نے رختِ سفر باندھا اور اجودھن روانہ ہو گئے مگر یہ رختِ سفر اور زادِ راہ کتنا تھا صرف ایک مصلیٰ اور ایک پانی کا برتن تھا۔ اس کے علاوہ کوئی بھی چیز آپ کے پاس نہیں تھی کیونکہ آپ مالی طور پر مفلوک الحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کئی کئی دن بغیر افطاری کے روزے رکھتے تھے۔ صرف پانی کے چند گھونٹ روزہ رکھنے اور کھولنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ مصلیٰ اور کٹورے کے ساتھ راستے کی تکالیف برداشت کرتے ہوئے دہلی سے اجودھن پہنچے اور سیدھے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ

علیہ نے سلام کا پُرجوش انداز میں جواب دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بابا فرید الدین گنج شکرؒ آپ کی آمد کے انتظار میں تھے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے آپ سے پوچھا۔ ''نوجوان! یہاں کیسے آنا ہوا؟'' آپ نے کہا۔ ''یا حضرت! آپ سے ملاقات کے شوق نے مجھے یہاں آنے پر مجبور کر دیا۔'' حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''نوجوان! تمہارا شوق بہت زیادہ شدت وحدت کا حامل ہے اور اس سے کہیں زیادہ ہے جتنا تم بیان کر رہے ہو۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''یا حضرت! آپ نے میری حوصلہ افزائی کی۔ میری آمد کو قبول کیا۔ میرے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔'' اس پر حضرت فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''نظام الدین! مجھے پہلے ہی غیبی اشارہ مل چکا ہے کہ ولایت ہند تمہیں ہی ملے گی۔ تم آ گئے ہو تو میرا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔'' حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی عاجزی کے ساتھ روتے ہوئے کہا۔ ''یا حضرت! میں اپنے آپ کو اس لائق تو نہیں سمجھتا۔'' حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے فرمایا۔ ''اگر لائق نہیں ہو تو ہم لائق بنا دیں گے۔'' حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی اس بات پر انتہائی مسرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ وہ اس بات پر خوش تھے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے انہیں اپنی شاگردی و مریدی میں لے لیا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے مرتبہ ولایت کی پہلے ہی خبر دے دی تھی لہٰذا حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ دوسرے شاگردوں اور مریدوں کے مقابلے میں خصوصی سلوک کیا جاتا تھا اور آپ کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے تمام مرید رات کے لمحات میں آرام کی خاطر فرش پر سوتے تھے مگر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے لیے چارپائی کا انتظام خصوصی طور پر کیا گیا۔ آپ نے جب یہ دیکھا کہ ان مریدوں میں ایک معقول تعداد ایسے افراد کی بھی ہے جو ان سے عمر میں کافی بڑے ہیں اور بزرگ ہیں تو آپ نے اس خیال سے کہ کہیں ان کی بے ادبی نہ ہو تو چارپائی پر نہ لیٹے حالانکہ وہ چارپائی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے حکم پر ہی بچھائی گئی تھی۔ خانقاہ کے ایک خادم نے دیکھا کہ آپ چارپائی کی بجائے دوسرے مریدوں کے ساتھ فرش پر سو رہے ہیں تو اس نے آپ سے پوچھا۔ ''جناب! آپ چارپائی پر آرام کیوں نہیں فرما رہے؟'' آپ نے کہا۔ ''کیسے کیسے بڑے لوگ فرش پر سو رہے ہیں اور میں نے یہ مناسب خیال نہیں کیا کہ چارپائی پر آرام کروں۔'' مولانا بدر الدین اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ جو کہ حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے کو معلوم ہوا تو انہوں نے آ کر آپ رحمتہ اللہ علیہ سے کہا۔ ''نظام الدین! تم اپنی منطق بیان

کرنے یہاں آئے ہو یا ہدایت پانے؟ کیا تم اپنی بات پر عمل کرو گے یا بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی بات پر؟" تو پھر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ پر نکتہ کھلا کہ طریقت میں شیخ اور پیرو مرشد کا حکم ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ یہاں عقل اور منطق نہیں چلائی جاتی۔ چنانچہ آپ چارپائی پر لیٹ کر آرام فرمانے لگے۔

استاد کا ادب و احترام حصول علم کی پہلی شرط ہے۔ "با ادب، با نصیب اور بے ادب، بے نصیب" کا اصول ایک عالمی صداقت اور کامیابی و کامرانی کی ضمانت ہے۔ شریعت و طریقت کی منازل میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ شاگرد کو نہ صرف استاد کی زبان سے ادا ہوئے ہر حرف و لفظ پر عمل کرنا ہوتا ہے بلکہ انگلی کی جنبش اور آنکھ کے اشارے کے مطابق چلنا ہوتا ہے۔ جو شاگرد اپنے استاد کو اس کا صحیح مقام نہیں دیتا وہ کبھی بھی نام نہیں پیدا کر سکتا بلکہ ناکامی و نامرادی اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے پہلا سبق یہی پڑھایا تھا کہ "بیٹا! ٹہنی ہمیشہ جھک کر ہی پھل پاتی ہے۔ استاد کا احترام کرو گے تو ایک دنیا تمہارا احترام کرے گی۔ علم سیکھنا ہے تو استاد کا ادب پہلے سیکھو۔" اور حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی والدہ محترمہ کی یہ نصیحت پلے باندھ لی تھی۔ اب آپ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کی تو ادب و احترام کی انتہا کر دی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں آپ نے اعلیٰ وارفع مقام پیدا کر لیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد مکرم حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہونے کے ساتھ مرید بھی تھے اور حلقۂ ارادت میں بھی شامل تھے۔ آپ نے شروع کے ایام میں ہی حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے انتہائی انکساری و فرمانبرداری کے ساتھ دریافت کیا۔ "یا حضرت! آپ اگر اجازت دیں تو میں اپنی تعلیم بھی جاری رکھوں یا پھر صرف اوراد و نوافل ہی میں مصروف و مشغول رہوں۔"

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "نظام الدین! استاد کا کام یہ نہیں کہ وہ کسی کو تعلیم چھوڑنے کے لیے کہے۔ میں تمہیں تعلیم چھوڑنے کے لیے کبھی نہیں کہوں گا۔ اپنی تعلیم پوری شدت کے ساتھ جاری رکھو اور ساتھ ہی اوراد و نوافل اور وظائف بھی پڑھتے رہو۔ پھر دیکھو کہ دونوں میں سے کون سی چیز غالب آتی ہے؟ کسی بھی درویش کو شریعت کا اتنا علم ضرور ہونا چاہیے کہ وہ اسلامی قاعدوں اور ضابطوں سے باخبر ہو تا کہ اس کے بھٹک جانے کا اندیشہ نہ رہے۔"

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے حسبِ حکم حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم جاری رکھی۔ آپ کو جس چیز اور جس نکتے کے بارے میں پوچھنا ہوتا تو آپ فوراً ان کی خدمت اقدس میں حاضری دیتے اور جو جو باتیں پوچھنا ہوتیں انتہائی ادب و احترام کے ساتھ

پوچھتے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بھی انتہائی شفقت و التفات کے ساتھ آپ کے تمام سوالات کے تسلی بخش جوابات دیتے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق و شوق اور لگن دیکھی تو آپ نے خاص عنایت فرماتے ہوئے کچھ کتابیں خود سے پڑھانا شروع کر دیں۔ اس سے آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ عین وقتِ مقررہ پر استاد محترم کے پاس پہنچ جاتے اور درس لینا شروع کر دیتے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ کتاب "عوارف المعارف" پڑھانا شروع کی اور اس کی حُسن و خوبی اور جمال و کمال کے ساتھ پڑھائی کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اکثر اس حوالے سے اپنے استاد گرامی اور پیرو مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا تحسینی و توصیفی انداز میں تذکرہ کیا کرتے تھے۔ آپ کہتے تھے کہ "عوارف المعارف" کے درس میں جو باریک بینی اور حقائق شناسی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی دیکھنے اور سننے میں آئی وہ آج تک نہ کبھی دیکھی اور نہ سنی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے علم کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ معرفت و حقیقت کے موتیوں کی بارش ہو رہی ہے اور معانی و مفہوم قطار میں ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا انداز تدریس انتہائی دل پذیر، دل کش اور بے نظیر تھا۔ ہر نکتے کو اس طریقے سے سمجھاتے تھے کہ اس کے تمام مشکل پہلو آسان ہو کر یوں کھل جاتے تھے جیسے کہ کوئی مشکل تھی ہی نہیں۔ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے استاد معظم اور پیرو مرشد کی تدریس کے حوالے سے ایک ایسا تاریخی جملہ کہا کہ اس سے بہتر کوئی بھی شاگرد اپنے استاد کو خراج تحسین پیش نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا:

"حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جب تدریس کے لیے لب کھولتے تھے تو آپ کے زبان و بیان میں اس قدر تاثیر ہوتی تھی کہ یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ خدا کرے کہ آپ بیان فرماتے رہیں اور مجھے اسی حالت میں موت آ جائے۔"

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو "عوارف المعارف" کے چھ باب پڑھائے مگر ایسے بے مثل و بے مثال طریقے سے پڑھائے کہ تمام عمر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے دل و دماغ پر نقش رہے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو "ابوشکور سالمی" بھی شروع سے لے کر آخر تک پڑھائی۔ اس کے علاوہ قرآن الحکیم کے چھ پارے مکمل تجوید کے ساتھ پڑھائے۔ گویا چھ کا ہندسہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے خاص اہمیت رکھتا تھا۔ بعض اوقات حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اس حوالے سے غور و فکر فرماتے اور پھر یہی کہہ کر چپ ہو جاتے کہ اس میں کوئی حکمت

ہوگی کہ میرے استادمحترم حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن الحکیم کے بھی چھ پارے پڑھائے اور ''عوارف المعارف'' کے بھی چھ باب پڑھائے۔

ایک اچھے استاد کی یہ بھی خوبی ہوتی ہے کہ وہ جہاں اپنے شاگرد سے مایوس نہیں ہوتا وہاں اس کا امتحان بھی ضرور لیتا ہے۔ سونا آگ میں نہ جلے تو کندن نہیں بنتا۔ اور جب شاگرد امتحان میں سرخرو ہو جائے تو پھر خوش بختی اور کامیابی و کامرانی کے تمام دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اور اس کی تمام مشکلات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بھی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کا امتحان لینا چاہتے تھے۔ آپ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی عقیدت ومحبت اور مریدی و نیازمندی کس قدر پختہ اور مستحکم ہے لیکن آپ موقع کی تلاش میں تھے۔ اگر شاگرد کو پہلے ہی پتہ چل جائے کہ اس کا امتحان لیا جا رہا ہے تو پھر اس کا ردِعمل مختلف ہوگا۔ معرفت کی منزل میں تو امتحان اکثر اسے کہا جاتا ہے کہ جب شاگرد کو اس امر کا قطعی علم ہی نہیں ہوتا کہ اس طرح کی صورتِ حال سے وہ محض امتحان کی غرض سے دوچار ہے۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو آپ کا امتحان لینے کا موقع میسر آ گیا۔ ایک دن آپ ''عوارف المعارف'' پڑھا رہے تھے کہ کسی مقام پر آپ رک گئے۔ دراصل وہاں کتابت کی غلطی تھی۔ آپ جب تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوئے تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنی سادگی اور کم عمری کی وجہ سے بے اختیار بول اٹھے۔ ''حضرت جی! میں نے شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا جو صحیح تھا۔'' بس حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کا اتنا کہنا تھا کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے چہرے پر ملال کے آثار نمایاں ہوئے اور آپ نے فرمایا۔

''کیا مجھ فقیر میں اتنی صلاحیت واہلیت نہیں کہ میں کتابت کی غلطی کو درست کر سکوں۔''

حاضرین محفل نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے چہرے کا ملال پڑھ لیا تھا۔ وہ آپ کے لب ولہجہ کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے انہوں نے ایک مدت آپ کے ساتھ گزاری تھی مگر جہاں تک حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کا تعلق تھا آپ ابھی کم عمر بھی تھے اور آپ کو بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس درس میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا۔ دوسرے یہ کہ آپ نے جو بات کہی تھی وہ انتہائی سادگی اور خلوص کے ساتھ کہی تھی۔ تاہم حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے یہ موقف غنیمت جانا کہ اس بہانے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کا امتحان لیا جائے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے یہ جملہ کہ ''کیا مجھ فقیر میں اتنی صلاحیت و اہلیت نہیں ہے کہ میں کتابت کی غلطی کو درست کر سکوں۔'' تین بار قدرے ناراضی آمیز۔لہجے میں

دہرایا مگر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ، آپ کا مطلب پوری طرح نہ سمجھ پائے۔ آپ کے قریب بیٹھے ہوئے حضرت مولانا بدر الدین اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ ''نظام الدین! پیر ومرشد کا اشارہ تمہاری طرف ہے اور وہ تم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ ہمارا تجربہ تو یہی بتاتا ہے۔ باقی خدا خیر کرے۔''

اب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ ساری صورتِ حال کو سمجھ گئے۔ آپ سخت پریشان ہو گئے۔ آپ فوری طور پر دوڑ کر اپنے پیر ومرشد کے پاس پہنچے اور دست بستہ عرض کی۔ ''یا حضرت! میرا مقصد ومفہوم وہ ہرگز نہیں تھا جس کا آپ حوالہ دے رہے ہیں۔ کیا میں ایسا سوچ بھی سکتا ہوں کہ آپ کی ذات پر اور آپ کی اہلیت وقابلیت پر اعتراض کروں۔ اگر آپ کو میری اس بات سے دکھ پہنچا ہے تو اس کے لیے میں صد بار معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے معاف فرما دیجیے۔ اگر آپ ہی ناراض ہو گئے تو پھر میں کہاں جاؤں گا! میں آپ کی ناراضی ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ تو میرے محسن ہیں۔ آپ تو میرے پیر ومرشد ہیں۔ آپ تو میرے رہبر ورہنما ہیں۔ آپ نے اگر مجھے تنہا چھوڑ دیا تو پھر میرا کیا بنے گا۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ زار وقطار رو رہے تھے اور استادمحترم سے معافی مانگ رہے تھے مگر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بالکل خاموش رہے۔ آپ دراصل یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ واپس دہلی چلے جاتے ہیں یا یہاں پر ہی رہتے ہیں۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ درس کی مجلس سے اٹھ کر اپنے خاص حجرہ میں تشریف لے گئے اور یوں مجلس برخاست ہو گئی۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے حجرے میں چلے آئے مگر ہر پل بے چینی و بے قراری بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ تمام رات جاگ کر اور رو کر گزاری۔ اگلے روز مجلس درس میں پھر آپ نے عرض کی۔ ''یا حضرت! میں نے جو کچھ کہا تھا اس میں میری نیت اور ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ میری زبان سے ایسے ہی نکل گیا ورنہ دل ودماغ میں میرے ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ جس کی وجہ سے آپ کو دکھ پہنچا ہے۔''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ آج بھی کل کی طرح خاموش ہی رہے لیکن آپ کے چہرے پر ناراضی کے آثار واضح طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔ اس صورتِ حال میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ روتے ہوئے جنگل کی طرف نکل گئے۔ کئی روز اِدھر اُدھر گھومتے رہے اور زار وقطار روتے رہے۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔ بھوک سے برا حال تھا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے ایک صاحبزادے حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ آپ کو تلاش کرنے کے لیے نکلے اور آپ تک پہنچے۔ انہوں نے آپ کو دیکھا کہ آپ شکستہ حال ہیں اور آنسو ہیں کہ رکنے کا نام نہیں لیتے۔ حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ نے آپ سے وعدہ کیا کہ ''میں اپنے والدمحترم

سے آپ کی سفارش کروں گا لیکن تمہیں میری ایک شرط ماننا ہوگی۔" حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا "وہ شرط کیا ہے؟" حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "وہ شرط یہ ہے کہ تم کھانا کھالو۔" چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کھانا کھایا اور انتظار کرنے لگے کہ حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ کیا خبر لاتے ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے والد محترم حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کی۔ "بابا جی! آپ نظام الدین کو معاف فرما دیجیے ورنہ آپ کی ناراضی اسے مار ڈالے گی۔"

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "بیٹا! تم کیا سمجھتے ہو کہ اس کے چلے جانے سے میں خوش ہوں لیکن محبت وعقیدت کی منزل میں ایسے مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ عشق میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ جب تک اس مقام سے نہ گزرو انسان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ دراصل اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی کہ اس پر ناراضی کا اظہار کیا جاتا لیکن میں نے ایسا اس لیے کیا تا کہ پتہ چلا سکوں کہ نظام الدین کی عقیدت کی حدت وحرارت کس قدر ہے۔ وہ اگر عقیدت میں حاضر ہوتا تو یہاں سے دوڑ کر واپس دہلی چلا جاتا۔ اس کا عشق سچا اور کھرا ہے۔ اس نے پیر ومرشد کے ٹھکانے کو نہیں چھوڑا۔ وہ اس مجلس میں آنے اور یہیں رہنے کا آرزومند ہے۔ اگرچہ ظاہراً اس نے کوئی گستاخی نہیں کی لیکن عشق کی نظر میں یہ اس کی غلطی تھی کہ اس نے اپنے پیر ومرشد کے سامنے لب کشائی کی تاہم اس کی حالتِ زار اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اس کا عشق سطحی نہیں۔ جاؤ اس کو بلا لاؤ۔ ہم اس کا انتظار کر رہے ہیں اور جب سے وہ گیا ہے ہم بھی بے چین ہیں۔"

حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ دوڑے ہوئے گئے اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اطلاع دی تو آپ نے پھر رونا شروع کر دیا۔ حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا "نظام الدین! اب رونا کیسا؟" حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "وہ غم کے آنسو تھے۔ یہ خوشی کے آنسو ہیں۔"

اور جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیر ومرشد اور رہبر ورہنما حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا۔ "نظام الدین! تمہیں مبارک ہو۔ تم امتحان میں کامیاب وبامراد ہوئے ہو۔ دراصل یہ تمہاری آزمائش اور امتحان تھا۔ میں نے تمہاری محبت کو دیکھنا بھی تھا اور دوسروں کو دکھانا بھی تھا تا کہ کل کو جب ہماری نظر التفات تم پر پڑے تو دوسرے لوگ اعتراض نہ کر سکیں۔ ہمارے دل میں اب تمہاری قدر وقیمت ہزاروں گنا بڑھ گئی ہے۔ اب تم ہمارے خاص مریدوں میں داخل ہو گئے ہو۔ تمہیں جو رتبہ اور مرتبہ ملا ہے وہ کسی کسی کو ہی ملتا ہے۔ تمہاری نیازمندی بے مثل وبے مثال ہے۔ اب تم معرفت کی منازل بہت جلد طے کر لو گے۔ اور ہاں! یاد رکھو کہ ہم نے یہ سب کچھ تمہاری تکمیل کے لیے کیا۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر ادا کرو کہ

جس نے تمہاری مدد واعانت کی اور عشق کی اس پُرخار وادی میں تمہیں مستقل مزاجی اور ثابت قدمی عطا کی۔"

اور پھر حسبِ سابق حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے درس میں شریک ہونا شروع کر دیا۔ اب آپ کی قدر ومنزلت اور تھی جس پر دوسرے مرید اور شاگرد رشک کرتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے دل میں اپنے پیر ومرشد اور رہبر ورہنما حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے لیے قدر ومنزلت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ اب آپ اپنے پیر ومرشد کے حجرۂ خاص میں بھی تشریف لے جاتے اور جو بات پوچھنا ہوتی انتہائی ادب واحترام اور عاجزی وانکساری کے ساتھ پوچھتے اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بھی آپ کے ہر سوال کا جواب انتہائی شفقت ومحبت سے دیتے۔

اس دوران حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کا ایک دوست دہلی سے اجودھن پہنچا تو وہ آپ سے بھی ملا۔ اس نے بہت اچھا لباس زیب تن کیا ہوا تھا جبکہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے جب سے درویشانہ زندگی شروع کی تھی آپ لباس کی طرف خاص توجہ نہیں دیتے تھے۔ آپ نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ آپ کا دوست آپ کی یہ حالت دیکھ کر ازحد حیران اور پریشان ہوا۔ اس نے آپ سے پوچھا۔ "نظام الدین! یہ آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟"

آپ نے فرمایا۔ "رب تعالیٰ جل شانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کو جس حال میں بھی رکھے اسے اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ رب کی ناشکری تو کفر ہے۔ رب تعالیٰ اس سے بچائے اور سب کو محفوظ رکھے۔"

آپ کے دوست نے کہا۔ "نظام الدین! مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تم نے دہلی سے اجودھن آ کر غلطی کی ہے۔ اگر تم دہلی میں ہوتے تو شان وشوکت کی زندگی گزار رہے ہوتے۔ وہاں درس وتدریس میں مشغول ہوتے اور تمہاری قدر میں بھی اب پہلے سے زیادہ اضافہ ہو چکا ہوتا۔ وہاں تم "محفل شکن" مشہور تھے اور یہاں محض ایک مرید ہو۔ آخر تمہیں یہاں آ کر کیا ملا ہے؟"

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "میں جس حال میں بھی ہوں بہت خوش ہوں اور مطمئن ہوں۔ مجھے یہی زندگی بہت پسند ہے۔ اس میں دلی سکون اور ذہنی قرار اس قدر ہے کہ جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

اور پھر جب اس دوست سے ملاقات کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر ومرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں حاضری دی تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا "نظام الدین! یہ بتاؤ کہ اگر تمہارا اپنے کسی دوست سے ملاقات ہو اور وہ تم سے تمہاری اس حالت کے بارے میں سوال کرے اور افسوس کا

اظہار کرے تو تم اسے کیا جواب دو گے؟

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے جیسے ہی آپ نے یہ کلمات سنے تو آپ از حد حیران ہوئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اس وقت وہاں موجود تھے جب آپ کا دوست آپ سے ایسا ہی سوال کر رہا تھا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ ”اگر کبھی کوئی دوست ایسا سوال کرے تو تم اسے یہی جواب دینا کہ تُو میرا ہم سفر نہیں ہو سکتا۔ تجھے تیری خوش قسمتی مبارک ہو اور مجھے میری غربت۔ تُو اپنا راستہ لے اور میں اپنا راستہ لیتا ہوں۔“

پھر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف قسم کے کھانے پکوائے اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ انہیں ایک خوان میں سجا کر اپنے دوست کے پاس لے جاؤ۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے وہ خوان تیار کر کے خود ہی اپنے سر پر رکھ کر دوست کے پاس پہنچ کر اس کو پیش کیا۔ دوست اتنے اعلیٰ کھانے دیکھ کر حیران و پریشان ہوا۔ آپ نے دوست کو وہ کھانے کھلائے اور پھر اس سے اجازت چاہی تو اس نے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔

چنانچہ وہ دوست آپ کے ہمراہ آیا۔ اس نے آتے ہی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک کو چوما اور آپ کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔

☆======☆======☆

راستے میں ایک خوفناک وخطرناک جنگل پڑتا تھا جس کے بارے میں پورے یقین و اعتماد کے ساتھ یہ مشہور تھا کہ یہاں ڈاکو اور لٹیرے رہتے ہیں۔ یہ راہزن ہر مسافر کو نہ صرف لوٹ لیتے تھے بلکہ اس کی ہلکی سی مزاحمت پر اسے موت کے گھاٹ بھی اتار دیتے تھے۔ لوگ اس جنگل سے گزرتے ہوئے اکثر اوقات مسلح ہو کر گزرتے تھے مگر ڈاکو کسی کی کوئی حفاظتی تدبیر نہیں چلنے دیتے تھے۔ اور اب تو یہ عالم تھا کہ اکثر مسافروں نے اس جنگل سے گزرنا چھوڑ دیا تھا اور متبادل راستہ تلاش کر لیا تھا۔ متبادل راستہ اگرچہ طویل اور تھکا دینے والا تھا لیکن محفوظ ضرور تھا تاہم ان تمام باتوں کی ایک بات جو کہ کھری بھی ہے اور سچی بھی کہ اگر رب حافظ وحفیظ کی رحمت و اعانت شاملِ حال ہو تو کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس ذات پاک کا سایۂ کرم ہر ظالم وڈاکو اور رہزن ولٹیرے کے ہاتھ روک لیتا ہے اور اللہ کا بندہ محفوظ و مامون ہی رہتا ہے۔

اور اس روز تو موسلا دھار بارش بھی ہو رہی تھی جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل میں دہلی کی جانب محوسفر تھے اور اس انتہائی دہشت ناک جنگل سے گزر رہے تھے۔ آسمان پر بادلوں کی چادر کی وجہ سے تاریکی کافی بڑھ گئی تھی۔ اک ہُو کا عالم تھا مگر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ رب رحمٰن و رحیم کی رحمت کے سائے میں آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ اچانک بارش بہت زیادہ تیز ہو گئی اور ژالہ باری ہونے لگی۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گھنے اور تناور درخت کے نیچے بیٹھنے کو ترجیح دی تاکہ یہ طوفان باد و باراں تھمے تو آپ اپنا سفر جاری کریں۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ آپ نے یکا یک کسی کے آنے کی آواز سنی۔ آپ نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی شخص یا جانور نظر نہیں آیا۔ اور پھر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد آپ نے دیکھا کہ پانچ چھ ڈاکو ہاتھوں میں تلواریں بے نیام کیے آپ کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔

آپ نے دل میں سوچا کہ ان رہزنوں کو مجھ جیسے درویش کے پاس کیا ملے گا۔ میرے پاس نہ

تو کوئی رقم ہے اور نہ ہی کوئی دنیاوی سامان مگر پھر اچانک آپ کو خیال آیا کہ آپ کے پاس تو بہت بڑی دولت اور بہت عظیم متاع ہے۔ وہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا عطا کردہ پیرہن اور کمبل تھا۔ آپ نے سوچا کہ اگر ان قزاقوں نے یہ نشانیاں مجھ سے چھین لیں تو میرے پاس باقی کیا بچے گا اور میں اپنے پیر و مرشد کو کیا جواب دوں گا۔

آپ نے اسی لمحے **لاتحزن ان الله معنا** کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ یہی وہ کلمہ تھا جو سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے سفر میں غار ثور کے اندر یار غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا۔ چنانچہ آپ نے بھی پورے اعتماد و یقین کے ساتھ **لاتحزن ان الله معنا** پڑھنا شروع کر دیا۔

اور پھر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ اللہ کے کلام کی برکت سے وہ رہزن جو تیزی و سرعت کے ساتھ آپ کی جانب بڑھتے چلے آ رہے تھے یکدم رک گئے اور تھوڑے ہی فاصلے پر ٹھہر گئے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ ان کے بالکل عین سامنے تھے اور ان کے حملے کی زد میں تھے مگر آپ کو مکمل یقین تھا کہ رب قادر و قدیر ضرور آپ کی مدد فرمائیں گے۔ اور پھر وہی ہوا جس کی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو امید تھی۔ اچانک رہزنوں کے دل میں خدا معلوم کیا بات آئی کہ انہوں نے اپنا ارادہ بدل لیا۔ ان کے چہروں کی کیفیت عجیب سی ہوئی اور وہ خوف و ڈر کے عالم میں اپنا رخ بدل کر تیزی سے دوڑتے ہوئے جنگل کے کسی کونے میں ایسے گم اور روپوش ہوئے کہ پھر نظر نہ آئے۔

مسلسل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ بالآخر دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں آپ نے فوراً حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ کی رہائش گاہ کا رخ کیا۔ مختلف لوگوں سے راستہ معلوم کرتے ہوئے حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی کرم نوازیوں کا ذکر شروع کر دیا۔ آپ اپنے پیر و مرشد کا ذکر کرتے تھے اور اک خوشی کی لہر آپ کے چہرہ پر دوڑ جاتی تھی۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ کے دریافت کرنے پر آپ نے انہیں لمحہ لمحہ کی رپورٹ دی تو وہ بہت خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ خوشی تو انہیں اس بات کی تھی کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے علم و معرفت کی منازل اس قدر جلدی طے کر لی تھیں اور حیرانی اس بات کی تھی کہ آپ نے کس طرح اپنی عبادت و ریاضت اور نیاز مندی و فرمانبرداری سے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے فیض پایا تھا حالانکہ دوسرے شاگردوں کو برسوں گزر جاتے ہیں مگر وہ یہ مقام حاصل نہیں کر پاتے جو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے تھوڑے ہی عرصے میں حاصل کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ''محبوب الٰہی'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ یہ سب کچھ آپ کی ریاضت کا خلوص، مرشد کی نگاہِ التفات اور رب

کائنات کی خاص عنایت و فضل تھا کہ آپ اس اعلیٰ و ارفع مقام پر بہت جلد ہی پہنچ گئے تھے مگر آپ کی طبیعت اور مزاج کی انکساری اور عاجزی دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اسی عاجزی و انکساری کی آمیزش ہی کی وجہ سے آپ نے علم و معرفت کی ارفع منازل طے کی تھیں۔

دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے پہلے تو ایک سرائے میں رہائش اختیار کی۔ تاہم کچھ روز بعد حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے نانا حضرت راوت عرض کا حویلی نما مکان خالی ہوا تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس مکان کے مالکان سے بات چیت کر کے وہاں قیام کرنے کی اجازت لے لی۔ یہ ایک تین منزلہ مکان تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اس شاندار مکان کی دوسری منزل میں ٹھہرنے کے لیے جگہ دی گئی۔

دہلی میں جب آپ کے قیام کا مسئلہ حل ہو گیا تو پھر آپ نے چند اور کام نبٹائے۔ پہلا کام تو آپ نے یہ کیا کہ آپ اپنے ایک پرانے دوست کے مکان پر تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ وہ دوست تھا جس سے آپ نے ایک کتاب پڑھنے کے لئے عاریتاً لی تھی۔ وہ کتاب اگرچہ آپ نے مکمل طور پر پڑھ لی تھی مگر اتفاق ایسا ہوا کہ وہ کتاب کہیں کھو گئی۔ آپ نے اسے بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملی۔ آپ نے دوست کو بتایا کہ ''میں نے جو کتاب تم سے عاریتاً لی تھی وہ اب تمہیں نہیں مل سکتی اس لیے کہ وہ گم ہو چکی ہے۔ تاہم میرے پاس اس قدر رقم بھی نہیں ہے کہ تمہیں وہی کتاب بازار سے خرید کر دے سکوں۔ ہاں ایک صورت یہ نکل سکتی ہے کہ میں وہ کتاب تمہیں خالی صفحات پر لکھ کر دے دوں لیکن اس کے لیے بھی تمہیں مجھے چند روز کی مہلت دینا پڑے گی تاکہ میں کاغذات کا انتظام کر سکوں کیونکہ اس لمحے تو میرے پاس اتنے پیسے بھی نہیں کہ کاغذات ہی خرید سکوں۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے دوست نے آپ کی باتیں غور سے سنیں۔ اس نے آپ کے چہرے کی طرف خاموشی کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے دیکھا۔ پھر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی اور وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ ''محترم نظام الدین! آپ پہلے بھی میرے دوست تھے۔ اب بھی میرے دوست ہیں۔ کتاب گم ہو گئی ہے تو پھر کیا ہوا۔ یوں سمجھو کہ ایک دوست نے دوسرے دوست کو تحفہ دے دیا۔ اب اس کتاب کی واپسی بھول جاؤ۔ ہاں کوئی اور کتاب چاہیے تو بتاؤ۔ مجھے خوشی ہو گی اور اب بھی مجھے خوشی ہوئی ہے کہ میری کتاب تمہارے سینے میں محفوظ ہے اس سے بڑھ کر میری خوش قسمتی و خوش بختی کیا ہو گی۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ جب اجودھن سے دہلی کے لیے روانہ ہوئے تھے تو آپ کے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو 10 سکے دیئے تھے اور کہا تھا۔ ''نظام الدین! یہ تمہارے کام آئیں گے۔'' آپ نے وہ سکے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔ آپ جب اس دوست کے پاس گئے تھے کہ جس سے کتاب لی تھی تو آپ کو ان سکوں کا بالکل خیال نہ رہا۔ لیکن جب وہاں سے آ گئے تو راستے میں آپ کو خیال آیا کہ آپ کو تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر

رحمتہ اللہ علیہ نے 10 سکے دیئے تھے مگر ساتھ ہی آپ کو یاد آیا کہ آپ نے ایک کپڑے کے تاجر سے کپڑا خریدا تھا جس کے 20 سکے آپ پر قرض تھے۔ اس خیال کے آتے ہی آپ فوراً اس دکاندار کے پاس پہنچے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس دکاندار کو یاد دلایا کہ آپ نے اس سے کپڑا لیا تھا۔ کچھ رقم ادا کی تھی مگر پھر بھی 20 سکے باقی تھے۔ آپ نے اس سے کہا۔ ''10 سکے ابھی لے لو۔ باقی کے دس سکے پھر کسی وقت ادا کردوں گا۔'' اس دکاندار نے آپ کی اس بات کو ازحد پسند کیا اور وہ کہنے لگا۔ ''جناب! یہ دس سکے ہی کافی ہیں۔ باقی رقم دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس یوں سمجھو کہ وہ رقم مجھے مل گئی۔ ہاں کچھ اور کپڑا خریدنا ہو تو بتاؤ۔'' آپ نے کہا۔ ''مجھے اور کپڑا تو نہیں خریدنا تاہم میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ تم نے بقایا رقم کیوں چھوڑ دی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''جناب! آپ جس شخصیت کے مرید ہوئے ہیں۔ وہ ہمیں بھی بہت عزیز ہے۔ اس طرح ہم دونوں آپس میں رشتہ دار ہوئے۔ چنانچہ اسی رشتہ داری کے حوالے سے باقی رقم معاف کردی ہے۔''

اور پھر ایسا ہوا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ جس مکان میں رہتے تھے۔ اس کے مالک نے آپ سے کہا کہ مکان خالی کردیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ ''مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔ میں چند دنوں میں کوئی دوسرا مکان تلاش کرلوں تو پھر اس مکان سے چلے جائیں گے۔ بس شرط یہی ہے کہ جیسے ہی دوسرا مکان ملے گا آپ کا مکان خالی ہو جائے گا۔'' مگر وہ شخص حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے مرتبہ و رتبہ سے ناواقف و ناآشنا تھا۔ اس نے طرح طرح کی باتیں کرنا شروع کردیں۔ آپ نے بار بار درخواست کی کہ صرف اس وقت تک کی مہلت دے دی جائے جب تک دوسرا مکان مل نہیں جاتا مگر اس شخص نے حکومتی کارندے بلوالیے اور بدکلامی بھی کرنے لگا۔

بالآخر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے مکان خالی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ آپ کے خاص دست راست حضرت سیّد محمد کرمانی رحمتہ اللہ علیہ جو آپ کے ہمراہ ہی رہ رہے تھے اور دوسرے عقیدت وارادت مندوں نے آپ کی کتابوں کی گٹھڑیاں بنائیں اور سروں پر رکھ کر باہر نکل آئے۔ گھر میں ان کتابوں کے علاوہ اور کوئی ساز و سامان تھا بھی نہیں۔

یہ ایک عجیب وغریب قسم کا منظر تھا۔ مسافروں اور درویشوں کا یہ قافلہ ایک ایسی منزل کی جانب رواں دواں تھا جس کا خود انہیں کوئی علم نہیں تھا۔ بس اس رب رازق و رزاق کے سہارے چل رہے تھے جو سب کا والی و وارث ہے۔ سیّد محمد کرمانی رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے مریدین پیچھے پیچھے تھے جبکہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ آگے آگے چل رہے تھے۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کہاں جا رہے ہیں۔ کافی دیر چلتے رہے۔ مریدین نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! اب ہم کدھر جارہے ہیں؟'' آپ نے کہا۔ ''جس طرف رب رحمٰن و رحیم لے جائیں گے ہم وہیں پہنچ جائیں گے۔ فکر مت کرو۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات ہمارے ساتھ ہے۔ گھبرانے کی

کوئی ضرورت نہیں۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اس قدر پُرسکون اور پُراطمینان تھے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اور پھر یکایک راستے میں ایک مسجد آئی۔ یہ چھپر والی مسجد کہلاتی تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے تمام ساتھیوں کو رک جانے کا حکم دیا۔ اسی لمحے سب مریدین رک گئے۔ آپ نے فرمایا ''ساتھیو! ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندے ہیں۔ سب چیز رب تعالیٰ جل شانہٗ ہی کی ملکیت ہے اور یہ تو ہے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کا گھر چنانچہ یہاں کوئی انسان اپنی ملکیت یا چوہدراہٹ کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ آؤ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے گھر میں چلتے ہیں۔''

چھوٹے سے قافلے کے تمام اراکین وہیں رک گئے۔ مسجد کے ایک کونے میں کتابیں رکھ دی گئیں اور پھر وہاں سب نے نمازِ شکرانہ ادا کی۔ اس کے بعد مسجد میں جہاں کسی کو جگہ ملی وہ وہیں بیٹھ گیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے ساتھیوں نے رات وہیں مسجد ہی میں گزاری۔ حضرت سیّد محمد کرمانی رحمتہ اللہ علیہ کو مسجد کی سیڑھیوں میں جگہ ملی۔ آپ وہیں بیٹھے رہے۔

جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے سابقہ مکان سے نکال دیا گیا تھا تو اس مالک مکان کو ہمسایوں نے بہت سمجھایا تھا کہ ''میاں! ان لوگوں کی وجہ سے یہاں برکت و رحمت ہے۔ انہیں یہاں سے مت جانے دو۔'' مگر اس نے ایک نہ سنی بلکہ بدزبانی پر اُتر آیا۔

اور پھر اس رات ہی اسی مکان میں کہ جس سے آپ کو نکالا گیا تھا ایسی آگ لگی کہ بجھائے نہ بجھی اور پتھروں سے تعمیر شدہ عمارت تھوڑی ہی دیر میں جل کر خاکستر ہوگئی۔ دولت و جائیداد کے نشہ میں چُور اس شخص نے اک مردِ درویش کا دل دکھایا تھا تو اب اس کے پاس بھی سوائے خاک و آگ کے کچھ نہ بچا تھا۔

اگلے ہی روز حضرت شیخ صدر الدین رحمتہ اللہ علیہ کے مرید حضرت سعد کاغذی کو اس بات کا علم ہوا تو وہ دوڑا ہوا آپ کے پاس پہنچا اور بصد اصرار آپ کو اپنے گھر لے گیا۔ آپ انکار فرماتے رہے مگر اس نے اس قدر منت زاری کی کہ آپ اس کے ساتھ چل دیئے۔ وہاں بھی آپ نے چند روز قیام کیا۔ پھر وہاں آپ کا ایک مرید شمس الدین پہنچ گیا۔ اس نے ازحد اصرار کیا کہ اس کے گھر تشریف لے چلیں۔ اس کا دل رکھنے کی خاطر آپ نے اس کے گھر میں قیام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس کے ساتھ چل دیئے۔ وہاں آپ کئی سال تک رہائش پذیر رہے۔ آپ کے اکثر مریدین وہیں آپ سے ملاقات کے لیے پہنچتے تھے۔

بعدازاں آپ نے ''مندرہ'' دروازے کے قریب ایک برج میں قیام فرمایا۔ یہاں آپ کو یہ سہولت تھی کہ آپ طلباء کو تعلیم بھی دے سکتے تھے۔ چنانچہ یہاں آپ شب و روز ذکر و فکر میں بھی مصروف و مشغول رہتے تھے اور طلباء کو زیور تعلیم سے بھی آراستہ کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک ہفتہ سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا کہ آپ کو کھانے کو کچھ نہ ملا مگر آپ پانی سے روزہ

رکھتے اور پانی ہی سے افطار کرتے رہے لیکن کسی سے اس بات کا ذکر تک نہ کیا تاہم آپ اپنے طالب علموں کو پوری دلجمعی اور ذوق وشوق کے ساتھ درس دیتے رہے۔ اتفاقاً آپ کے ایک شاگرد کو اس بات کا علم ہو گیا کہ آپ کئی دنوں سے فاقہ کر رہے ہیں کیونکہ وہ صبح وشام آپ کی خدمت میں رہتا تھا اور آپ کے معمولات پر نظر رکھتا تھا۔ محض اس لیے کہ ان کو اپنی منزل کے نشانِ راہ بنا سکے۔ آپ نے اس سے یہ بات چھپانے کی اگرچہ پوری کوشش کی تاہم اس نے یہ بھانپ لیا کہ آپ پچھلے ایک ہفتہ سے فاقہ سے ہیں۔

وہ طالب علم بھی بہت غریب تھا۔ اس کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ آپ کے لیے بازار سے کھانا خرید سکتا مگر وہ ساتھ والے ہمسایوں کے پاس گیا اور ان کو خبر کی کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ گزشتہ ایک ہفتہ سے بغیر سحری وافطاری کے روزے رکھ رہے ہیں اور انہیں کھانے کو کچھ بھی نہیں ملا۔

جب آپ کے ہمسایوں کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے انتہائی ندامت محسوس کی کہ وقت کا ایک ولی ان کا ہمسایہ ہے مگر وہ اس کی حالت سے پوری طرح واقف نہیں۔ تاہم انہوں نے عمدہ قسم کے کھانے پکوائے اور آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ''یا حضرت! یہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی نعمتیں ہیں ان سے لطف اٹھائیے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غیبی انتظام سمجھ کر کھانا کھانے کے لیے رضامندی ظاہر کر دی۔ آپ نے کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے لیے پانی منگوایا۔ ہمسایوں ہی میں سے ایک شخص جو کہ کھانا لانے والوں میں شامل تھا دوڑا ہوا گیا اور پانی کے ایک برتن میں پانی لے آیا اور آپ کے ہاتھ دھلوانے لگا۔

وہ شخص جب آپ کے ہاتھ دھلوا رہا تھا تو اچانک اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے:

''اس طالب علم کا رب تعالیٰ بھلا کرے کہ جس نے ہمیں اطلاع دی۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جیسے ہی یہ جملہ سنا تو آپ اس جملے کا مفہوم و مطلب سمجھ گئے اور آپ نے پوچھا۔ ''کیا اطلاع دی تھی آپ کو اس طالب علم نے؟''

جو شخص آپ کے ہاتھ دھلا رہا تھا وہ ایک سیدھا سادہ اَن پڑھ ملازم تھا۔ اس نے صاف صاف بتا دیا کہ فلاں طالب علم نے میرے مالکوں کو بتایا تھا کہ آپ کئی روز سے فاقہ سے ہیں اور روزہ بھی رکھ رہے ہیں۔ اسی لیے ہم افطاری کے وقت یہ کھانے پکوا کر لائے ہیں۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت جلال میں آ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ ''میں ہرگز فاقے سے نہیں ہوں۔ میں رب تعالیٰ کا مہمان ہوں۔ میں سمجھتا تھا شاید یہ غیبی انتظام ہے کہ یہاں کھانا پہنچا ہے لیکن اب میں اسے ہرگز ہرگز ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ ایک درویش کے لیے اس سے بڑی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ہمسایوں سے کہہ کر کھانا منگوائے۔''

آپ کے ہمسایوں نے کہا۔ ''حضرت! آپ نے تو یہ اطلاع نہیں دی۔ یہ تو ہمیں آپ کے فلاں شاگرد نے خبر دی تھی۔ آپ اس کا قصور معاف فرمائیے اور بسم اللہ کر کے کھانا تناول فرمائیے۔''

مگر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میری فاقہ کشی میرا اور رب تعالیٰ کا معاملہ ہے۔ اس کا راز اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر آخر کیوں کھلے؟ اگر رب رازق ورزاق از خود تمہارے دلوں میں یہ بات ڈال دیتا تو میں ضرور آپ کی میزبانی قبول کر لیتا اور یہ کھانا کھا لیتا۔ چونکہ رب رازق ورزاق کو ایسا منظور نہیں تھا اس لیے اس نے تمہارے دلوں میں یہ بات نہیں ڈالی بلکہ میرے ایک شاگرد نے آپ کو اطلاع دی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں رب کریم ورحیم کی رضا شامل نہیں ہے۔ رب تعالیٰ سے میں دعا کرتا ہوں کہ رب رازق ورزاق مجھے اس وقت سے محفوظ و مامون فرمائے جب دوسرے لوگ میری فاقہ کشی کا حال جان لیں اور پھر میرے سامنے اس طور کھانا لایا جائے کہ کسی شاگرد نے اس بارے میں اطلاع دی ہو۔ رب علیم وخبیر دلوں کے حال اور اپنے بندوں کے حالات سے بہتر طور پر جانتے ہیں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کو جب منظور ہو گا غیب سے کھانا آ جائے گا۔ اس کھانے کو میں اب کبھی بھی نہیں کھاؤں گا۔ میں رب تعالیٰ کا مہمان ہوں اور رب تعالیٰ کا بھیجا ہوا کھانا ہی کھاؤں گا۔''

اصل بچپن میں جب آپ پر فاقہ آتا تھا تو آپ کی والدہ یہی کہتی تھیں کہ ''بیٹا نظام! آج ہم رب تعالیٰ کے مہمان ہیں۔'' اور والدہ کی یہی تربیت تھی جو آپ کے ہمرکاب تھی۔

☆======☆======☆

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نیک بندوں کا یہ طریقہ اور سلیقہ رہا ہے کہ وہ عبادت وریاضت کے لیے پُرسکون ماحول کی تلاش میں رہتے ہیں۔ شہروں کی ہنگامہ خیزی ان کے قیام وسجود اور مراقبہ ومجاہدہ میں خلل ڈالتی ہے۔ وہ خدائے وحدہٗ لاشریک سے اکیلے ہی میں رابطہ کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ وہ غارِ حرا کی سنت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے تنہائی کے متلاشی ہوتے ہیں اور ایمان والوں کو خدا ملتا بھی ویران جگہوں پر ہی ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا دل بھی شہر میں نہیں لگتا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ کسی ایسی جگہ جا کر رہیں جو شور شرابے سے پاک ہو اور پُرسکون وپُراطمینان ہو۔ آپ نے کافی عرصہ اس تلاش میں گزارا مگر رب تعالیٰ جل شانہٗ کی مدد واعانت سے مایوس نہیں ہوئے اور پھر اچانک دن آپ نے گڑگڑا کر رب رحمٰن ورحیم کے حضور دعا کی۔

''اے میرے مالک! آپ دلوں کے حال بہتر جانتے ہیں۔ آپ میری پریشانی اور اضطراب سے بخوبی واقف ہیں۔ میں شہر کے شور سے تنگ آ چکا ہوں۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کہاں جاؤں۔''

اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کو قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کو ایک

غیبی آواز سنائی دی۔ ”پریشان کیوں ہوتے ہو۔ غیاث پور چلے جاؤ۔ رب کریم وعظیم کی مدد تمہارے ساتھ ہے۔“

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے غیاث پور کو دیکھا تو کیا اس کا نام تک نہیں سنا ہوا تھا۔ آپ سوچ میں پڑ گئے کہ غیاث پور کہاں واقع ہے۔ کس سے پوچھا جائے اور کیسے وہاں جایا جائے۔ چنانچہ اسی سوچ اور فکر میں آپ اپنے ایک دوست کے گھر پہنچے تا کہ اس سے ہی پتہ کریں کہ غیاث پور کہاں واقع ہے؟

آپ نے اپنے اس دوست کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور بتایا۔ ”میں نظام الدین ہوں اور اپنے دوست سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔“ اندر سے آواز آئی۔ ”آپ کا دوست غیاث پور گیا ہوا ہے۔ چند روز بعد واپس لوٹے گا تو پھر ملاقات ہو سکے گی۔“

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ خوش ہوئے کہ اب غیاث پور کی تلاش کوئی مشکل کام نہیں رہا۔ آپ نے قریبی لوگوں سے غیاث پور کا پتہ پوچھا تو انہوں نے آپ کو اس کا راستہ بتا دیا۔ آپ نے اسی لمحے ہی غیاث پور جانے کا ارادہ فرما لیا اور چل پڑے۔

آپ غیاث پور پہنچے۔ یہ ایک ویران وسنسان علاقہ تھا۔ دور دور تک انسانی آبادی کا نام و نشان نہیں تھا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر رب قادر وقدیر کا شکریہ ادا کیا کہ جس نے آپ کو آپ کی مرضی و منشاء کے مطابق علاقے میں پہنچا دیا تھا۔

آپ نے وہاں ایک مناسب جگہ تلاش کر کے رہنا شروع کر دیا۔ عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ رفتہ رفتہ آپ کی آمد کا دور ونزدیک کے لوگوں کو پتہ چلا تو وہ تلاش کرتے ہوئے آپ کے پاس پہنچنے لگے۔ جو بھی آپ سے ملنے کے لیے آتا آپ اسے نماز کی پابندی، قرآن پاک کی تلاوت اور خدمتِ خلق کی تلقین فرماتے۔ آپ سے ملنے والوں میں بوڑھے، جوان، غریب، امیر ہر قسم کے لوگ ہوتے تھے مگر آپ سب سے مساوی برتاؤ کرتے تھے۔ اکثر روزہ سے ہوتے تھے۔ سحری اور افطاری کے لیے کچھ مل جاتا تو تناول فرما لیتے ورنہ پانی ہی پر گزارا کرتے۔ کچھ لوگ آپ کے لیے کھانے کی چیزیں لاتے تو آپ انہیں ملاقاتیوں میں تقسیم فرما دیتے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ آہستہ آہستہ وہاں کچھ لوگوں نے جھونپڑیاں ڈال کر رہائش اختیار کرنا شروع کر دی۔ ان میں سے زیادہ تعداد آپ کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی تھی۔

اور پھر جب غیاث پور میں بھی آبادی اور شور شرابہ زیادہ ہو گیا تو آپ وہاں سے بھی تشریف لے آئے۔

مفلسی، تنگدستی اور مفلوک الحالی ہمیشہ اللہ والوں کا طرۂ امتیاز ہوا کرتی ہے۔ وہ دنیا کی تمام آسائشوں اور لذتوں سے بے نیاز عشقِ الٰہی میں سرشار اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیوانہ وار اپنی حیاتِ مستعار گزار دیتے ہیں۔ عبادت و ریاضت ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتی ہے اور خدمت

خلق ان کی زندگی کا مقصد محور ہوتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے وقت کے ایسے ولی اور مردِ قلندر تھے کہ جنہوں نے اپنی زندگی انتہائی غربت اور افلاس میں گزاری۔ خوراک و لباس کی ہمیشہ آپ کو تنگی رہی حالانکہ اگر آپ چاہتے تو بادشاہِ وقت آپ کے قدموں میں ہمہ قسم کی آسائشوں کے انبار لگا دیتا مگر آپ نے کبھی بھی مسندِ اقتدار پر بیٹھنے والے افراد کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اکثر حکمران آپ سے ملاقات کو ترستے تھے مگر آپ ان سے کتراتے تھے۔ آپ نے اپنا تعلق صرف اور صرف عوام الناس سے رکھا اور انہی کی اصلاح وفلاح کے لیے کام کرتے رہے۔ دراصل حکام وقت آپ سے اپنا تعلق ظاہر کر کے اپنے ہر ناجائز کام کو جائز قرار دینے کے چکر میں رہتے تھے مگر آپ نے ان کی دال کبھی نہیں گلنے دی۔

خوراک کی کمی یا عدم موجودگی کو کسی نہ کسی شکل میں چھپایا جا سکتا ہے۔ وہ دوسروں پر اتنی جلدی ظاہر نہیں ہوتی مگر لباس کی صورتِ حال واضح ہوتی ہے۔ وہ کٹا پھٹا ہوا ہے۔ بوسیدہ ہے یا میل آلودہ، سب پر عیاں ہو جاتا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے پاس کپڑوں کا صرف ایک ہی جوڑا تھا جو آپ نے زیب تن کیا ہوا تھا مگر اس کی حالت یہ تھی کہ صابن نہ ہونے کی وجہ سے اسے ایک عرصہ سے دھویا نہیں گیا تھا۔ وہ نہ صرف میلا تھا بلکہ بوسیدہ بھی اور بعض جگہوں سے پھٹ بھی چکا تھا۔ آپ کے پاس چونکہ صابن خریدنے کے لیے پیسے نہیں تھے اس لیے آپ اسی لباس کو پہنے رکھتے تھے۔

حضرت سیّد محمد کرمانی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے لباس کا یہ حال دیکھا تو آپ نے اس کا تذکرہ اپنی اہلیہ محترمہ بی بی رانی رحمتہ اللہ علیہا سے کیا جو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے عمر میں بڑی اور زاہد و عابد خاتون تھیں۔ دونوں میاں بیوی یعنی حضرت سیّد محمد کرمانی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کی اہلیہ حضرت بی بی رانی رحمتہ اللہ علیہا آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ”یا حضرت! آپ کے کپڑے کافی میلے بھی ہو گئے ہیں اور بعض جگہوں سے پھٹ بھی گئے ہیں۔ آپ یوں کرم فرمائیں کہ حضرت بی بی رانی رحمتہ اللہ علیہا کی چادر زیب تن کر لیں۔ اتنی دیر آپ کے یہ کپڑے رانی بی بی رحمتہ اللہ علیہا دھو دیں گی اور جب سوکھ جائیں گے تو پیوند بھی لگا دیں گی اور پھر آپ چادر کی جگہ دوبارہ اپنے کپڑے زیب تن فرما لیجیے گا۔“

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”رہنے دیجیے۔ سب ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں کو تکلیف ہو گی۔“ مگر حضرت بی بی رانی رحمتہ اللہ علیہا اور حضرت سیّد محمد کرمانی رحمتہ اللہ علیہ کے از حد اصرار پر آپ رحمتہ اللہ علیہ مجبور ہو گئے۔ چنانچہ حضرت بی بی رانی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے کپڑے دھوئے۔ انہیں دھوپ میں سکھایا اور پھر اپنے شوہر حضرت سیّد محمد کرمانی رحمتہ اللہ علیہ کی چھوٹی پگڑی کاٹ کر جہاں جہاں پیوند کی ضرورت تھی وہاں پیوند لگائے اور پھر وہ کپڑے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بصد ادب و نیاز پیش کیے اور عرض کی ”یا حضرت!

انہیں زیب تن فرما لیجیے۔" چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے دھلا ہوا اور پیوند لگا لباس پہن لیا اور رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ مختلف جگہوں پر عبادت و ریاضت کرنے کے بعد دوبارہ اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بھی آپ کی آمد کے گویا منتظر تھے۔ آپ کی آمد پر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی مسرت و انبساط کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے بلند آواز میں کہا۔

"تمام لوگ سن لیں کہ ہم نے نظام الدین کو سلسلۂ چشتیہ کی خلافت دے دی۔" محفل میں موجود تمام افراد خاموش ہو گئے۔ سب کے چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ تھوڑی دیر بعد بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"نظام الدین! خوش ہو جاؤ اور رب تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ ہم نے تمہیں خلافت کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی ولایت بھی تمہارے حوالے کر دی۔"

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنے اس مقدر و خوش بختی پر از حد خوش ہوئے۔ آپ نے انتہائی انکساری کے ساتھ اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی دست بوسی کی اور سر جھکا کر باادب کھڑے ہو گئے۔

اب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے قریب بلایا۔ آپ جب قریب پہنچے تو انہوں نے آپ کے سر پر ایک انتہائی خاص دستار رکھ دی۔ یہ وہ دستار تھی جو کبھی کبھی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ یہ آپ کو آپ کے مرشد و رہبر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے عطا کی اور انہیں یہ دستار ان کے پیر و مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے عطا کی تھی۔ اس طرح اس دستار کو نمایاں اہمیت و فضیلت حاصل تھی۔

پھر حضرت بابا فرید مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اپنا عصا عطا فرمایا۔ اس کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے لیے رب کائنات کے حضور خصوصی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی:

"اے باری تعالیٰ! یہ فرزند آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ جو کچھ آپ سے طلب کرے اسے عطا فرما دینا۔ اس کے درجات اعلیٰ سے اعلیٰ اور ارفع سے ارفع کرنا۔ رہتی دنیا تک اس کا نام روشن رکھنا اور اسے خودی و بے نیازی کی دولت سے مالا مال کرنا کیونکہ آپ ہی سب کچھ عطا کرنے والے ہیں اور آپ کے سوا کوئی بھی کچھ دینے والا نہیں۔"

خلافت و ولایت اور دستار و عصا حاصل کرنے کے بعد اپنے پیر و مرشد اور رہبر و رہنما کی

اجازت سے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اجودھن سے دہلی کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ کو ایک دلخراش اور غمناک خبر ملی کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ، اللہ تبارک و تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ اپنے محسن و مربی کے انتقال کی خبر سن کر آپ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ یہی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ ہی تو تھے جنہوں نے آپ کو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے متعارف کرایا تھا کیونکہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ آپ کے پیر و مرشد کے چھوٹے بھائی تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنے محسن حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ کے جنازہ میں تو شرکت نہ کر سکے کیونکہ آپ کافی سفر کر چکے تھے تاہم آپ نے حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ کی قبر پر حاضری دی۔ دعائے مغفرت کی۔ آپ کافی دیر روتے رہے۔ پھر اہلِ خانہ سے تعزیت کی اور انتہائی اداس و غم زدہ ہو کر واپس لوٹے۔

سلطان ہند جلال الدین خلجی کو اس کے مصاحبین نے خبر دی کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے مرید و عقیدت مند فاقوں کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس نے فوراً کاتب کو بلوایا اور ایک تحریر لکھوائی جو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے نام تھی۔ اس رقعہ میں لکھا گیا:

"اگر آپ پسند فرمائیں تو آپ کے لیے اور آپ کے عقیدت مندوں کے اخراجات کی خاطر کچھ جاگیر وقف کر دی جائے تاکہ اس کی آمدنی سے آپ تنگ دستوں کی مشکلات کم ہو سکیں۔"

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے شاہی خط کے ایک ایک لفظ کو غور سے پڑھا اور پھر قاصد کو صاف صاف کہہ دیا "سلطان کو مجھ فقیر اور درویش کی جانب سے سلام پیش کرنا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اسے جزائے خیر دے۔ ہمارے پاس رب قادر و قدیر کا دیا ہوا بہت کچھ ہے۔ ہم سلطان کی طرف سے کسی جاگیر کو قبول نہیں کرتے۔ اصل سلطان تو رب تعالیٰ ہے۔ وہی رب ہے۔ وہی رازق و رزاق ہے۔ ہم اسی کے بندے ہیں اور وہی ہمیں دے گا۔ ہمیں اللہ ہی کافی ہے۔"

سلطان کا قاصد جب جانے لگا تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اسے پھر اپنے پاس بلوایا اور اس سے کہا۔ "ذرا ٹھہرو کیونکہ سلطان نے خط میں میرے ساتھیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنے ساتھیوں سے بھی اس بارے میں رائے لے لوں۔"

پھر آپ نے اپنے تمام ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور ان کو سلطانی خط دکھایا اور ان سے پوچھا کہ بتاؤ! تمہاری کیا رائے ہے؟ میری طرف سے تم سب آزاد ہو۔ میری خاطر اپنی جان کو فاقوں سے نہ مارو۔ تم اگر چاہو تو سلطان سے جاگیر لے سکتے ہو۔ میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں۔

مریدوں نے آپ سے پوچھا۔ "یا حضرت! آپ نے کیا پسند فرمایا؟" آپ نے جواب دیا۔ "مجھے تو کوئی طلب نہیں۔ مالکِ دو جہاں جو چاہے دے گا۔ جس حال میں رکھے گا اسی میں خوش رہیں گے۔" اس پر آپ کے مریدوں نے کہا۔ "یا حضرت! جو آپ کی پسند، وہی ہماری پسند۔"

سلطان کو جواب دے دیا جائے کہ ہمیں اس کی جاگیر کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔"

چنانچہ اب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان کے قاصد سے کہا۔ "سلطان سے کہہ دینا کہ ہم نے ہر ایک ساتھی سے اس کی رائے لی ہے اور کوئی بھی آپ کی جاگیر کا طلبگار نہیں۔ کسی کو اس کی ضرورت نہیں اور کوئی بھی اسے قبول کرنے کو تیار نہیں۔"

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک بوڑھی خاتون آ کر رہی۔ وہ آپ سے از حد عقیدت رکھتی تھی۔ اسے آپ کے حالات کا علم ہوا تو اس نے کوشش کی کہ آپ کے لیے اور آپ کے دوستوں کے لیے کھانے کا بندوبست کرے۔ اس نے صبح سے شام تک محنت کر کے رسی تیار کی اور اسے فروخت کیا۔ اس سے اتنی رقم ملی کہ اس سے بمشکل ایک سیر جو کا آٹا خریدا جا سکا۔ اس نے وہ آٹا لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ خود بھی فاقے سے تھی۔ آپ نے وہ آٹا لینے سے انکار کر دیا اور کہا۔ "آپ خود فاقہ سے ہیں اسے آپ خود استعمال میں لائیں اور اللہ اللہ کریں۔" مگر وہ بڑھیا مسلسل اصرار کرتی رہی۔ بالآخر آپ نے حکم دیا کہ اس سے آٹا لے لیا جائے۔ آپ کے کہنے پر مریدوں نے اس سے وہ آٹا لے لیا۔

اب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں سے کہا۔ "مٹی کی بڑی دیگ میں اس آٹے کو ڈال کر اسے پانی سے بھر کر آگ پر رکھ دو۔ کیونکہ اگر اس آٹے سے روٹیاں پکائی گئیں تو وہ تمام لوگوں کو کسی طرح بھی پوری نہیں ہوں گی۔"

چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل میں ایک بڑی دیگ منگوائی گئی۔ اسے پانی سے بھر دیا گیا۔ اور پھر اس میں وہ سیر بھر آٹا ڈال کر اس کے نیچے آگ جلا دی گئی۔ آگ کے شعلے بلند ہوتے رہے اور پانی جوش مارتا رہا۔ اسی دوران ایک گدڑی پوش فقیر کہیں سے وہاں آ گیا اور اس نے آتے ہی کہا کہ مجھے کچھ کھانے کو فوری دیا جائے۔ آپ کے مریدوں نے کہا کہ دیگ میں کچھ کھانے کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ پک جائے گا تو تم بھی کھا لینا مگر اس نے کہا کہ مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ مجھے فوری پیش کرو۔

تھوڑی دیر بعد اس نے یہ مطالبہ کر دیا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ خود آ کر مجھے کھانا پیش کریں۔ اس کی اطلاع آپ کو دی گئی تو آپ فوراً اپنی نشست سے اٹھے اور دیگ تک پہنچے۔ آپ نے اس فقیر سے کہا۔ "ابھی کھانا تیار ہونے میں کچھ دیر ہے۔ ذرا انتظار فرمائیں۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد آپ کو کھانا مل جائے گا۔"

مگر وہ درویش اصرار کرنے لگا کہ کھانا جیسا بھی ہے اور جس حالت میں بھی ہے مجھے وہ دیا جائے۔ چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے ایک موٹے کپڑے کی مدد سے وہ دیگ خود اٹھا کر اس درویش کے سامنے جا کر رکھ دی اور کہا۔ "یہ لو۔ کھاؤ اور رب کا شکر ادا کرو۔"

اس درویش نے گرم دیگ میں تین دفعہ ہاتھ ڈالا اور پھر اس نے دیگ کو اٹھا کر زمین پر زور سے دے مارا۔ دیگ دراصل مٹی کی بنی ہوئی تھی چنانچہ وہ زمین پر گرتے ہی ٹوٹ گئی۔

سے دے مارا۔ دیگ دراصل مٹی کی بنی ہوئی تھی چنانچہ وہ زمین پر گرتے ہی ٹوٹ گئی۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے مریدان خاص نے اس درویش سے کہا۔ "میاں! یہ تم نے کیا کیا؟ تمہیں معلوم ہے کہ اس پانی جیسی غذا سے کافی لوگ روزہ کشائی کرتے مگر تم نے سب بھوکوں کی بھوک پر توجہ نہیں کی اور یہ خیال نہیں کیا کہ یہ درویش کتنے دنوں سے فاقہ کر رہے ہیں۔"

اس درویش نے کہا۔ "مجھے اچھی طرح علم ہے کہ تم کئی دنوں سے بھوکے ہو۔ میں کیا کروں رب تعالیٰ جل شانہٗ کا حکم یہی تھا۔ اس لیے میں نے رب ذوالجلال کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس دیگ کو توڑ ڈالا۔ مجھ سے کہا یہ گیا تھا کہ میں آپ لوگوں کے پاس جاؤں اور دیگ کو توڑ ڈالوں۔"

پھر وہ درویش حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے قریب آیا اور کہنے لگا۔

"نظام الدین! تمہیں تمہارے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے باطنی نعمت بخشی جبکہ میں نے تمہاری فاقہ کشی کی دیگ کو توڑ دیا۔ اب تم سلطان ظاہری بھی ہو اور سلطان باطنی بھی۔"

اس نے یہ کہا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا دور نکل گیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں سے کہا۔

"رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرت بھی بے کراں ہے اور اس کا کرم بھی لامحدود ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کون کس بھیس میں آیا ہے؟ انسان عاجز ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ جب تک توفیق عطا نہ فرمائیں اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ سکتا۔ آؤ رب تعالیٰ کو یاد کریں۔"

☆======☆======☆

کسی کی دل آزاری اور دل شکنی دنیا کے ہر مذہب میں گناہ اور واجب سزا سمجھی جاتی ہے اور اسلام نے تو خاص طور پر محبت، اخلاص اور بھائی چارے پر زور دیا ہے۔ صوفیاء کرام نے اپنی زندگیاں دلوں کو جوڑنے میں صرف کر دیں۔ ان کے نزدیک اس مکان کو توڑنا کہ جس میں رب تعالیٰ جل شانہٗ رہتے ہوں انتہائی افسوسناک اور ناقابلِ معافی فعل ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ چونکہ دل میں رہتے ہیں اس لیے دوسروں کے دل کی جائز خوشی و خوشنودی کی خاطر اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنا باعثِ رحمت و فضیلت ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اس بات کا از حد خیال کرتے تھے کہ کسی بھی شخص کا دل نہ دکھے۔ یہ صورتِ حال اس وقت پیدا ہوتی تھی جب آپ کے عقیدت مند اور ارادت مند آپ کے لیے نذرانے لاتے تھے اور درخواست کرتے تھے کہ آپ ان کے تحائف قبول کریں چنانچہ آپ کسی کی دل شکنی نہیں کرتے تھے اور ان تحائف و نذرانوں کو اسی لمحے غرباء، فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیتے تھے لیکن اگر نذرانہ لانے والا کوئی متکبر اور مغرور سرمایہ دار ہوتا تو آپ بے دھڑک اس کا تحفہ و نذرانہ واپس کر دیتے تھے۔ آپ اس پر کھلے لفظوں میں واضح کر دیتے تھے کہ پہلے اپنے دل میں سے تکبر، غرور، بڑائی اور سرداری کا میل کچیل باہر نکالو۔ انکساری

وعاجزی کے جذبات واحساسات پیدا کرو۔ پھر تم سے بات ہوگی ورنہ ان تحفوں اور نذرانوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ محض دکھاوا ہیں جبکہ دکھاوا رب تعالیٰ جل شانہٗ کو پسند نہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد ورہبر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک انتہائی تعظیم وتکریم اور احترام وعقیدت سے مناتے تھے۔ عرس کی تقریبات ہر سال محرم الحرام کے مہینے میں 5 سے 10 تاریخ تک ہوتی تھیں۔ اس میں ملک کے کونے کونے سے ارادت مند حصہ لیتے تھے۔ لوگ دور دور سے سینکڑوں میلوں کا سفر کر کے پہنچتے تھے اور عرس مبارک میں شریک ہوتے تھے۔ اس موقع پر درود وسلام، نعت ومنقبت اور قوالی کی محافل منعقد ہوتی تھیں۔ عام لنگر چلتا تھا اور غریبوں وناداروں میں ضروریاتِ زندگی کی اشیاء تقسیم کی جاتی تھیں۔ ایک خاص مجلس درس بھی منعقد کی جاتی تھی جس سے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ خطاب فرماتے تھے۔ آپ کے خطاب میں خطابت کے تمام لوازمات پائے جاتے تھے۔ آپ کا انداز بیان اور ادائیگی قابلِ تعریف ہوتی تھی اور آپ انتہائی سادگی وسلاست کے ساتھ عوام الناس کو اخلاقیات کا درس دیتے تھے۔ وحدانیت ورسالت میں فرق بتاتے تھے اور خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سے عملی عشق کی تلقین فرماتے تھے۔ قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام کے اصلاحی واقعات سے موضوع کو سمجھانے کی خوبصورت کوشش کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حاضرین آپ کی فلاحی باتوں پر عمل بھی کرتے تھے۔

ایسی ہی ایک محفل میں سلطانِ وقت علاؤالدین خلجی کی حکومت کا ایک حاکم شہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ بڑے کروفر سے آیا تھا۔ اس نے آ کر آپ کو ایک انتہائی بڑی رقم بطور نذرانہ پیش کی جبکہ اس کے آنے، نذرانہ پیش کرنے اور بات چیت کرنے کا انداز متکبرانہ اور غرور آمیز تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے رقم کی وہ تھیلی جو اس نے آپ کو پیش کی اسی لمحے اسے واپس کر دی۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید آپ اتنی بڑی رقم دیکھ کر انتہائی خوشی ومسرت کا اظہار کریں گے اور اسے فوری طور پر قبول کر لیں گے مگر اس کی تمام تر امیدوں پر اس وقت پانی پھر گیا جب آپ نے اسے واضح اور دوٹوک الفاظ میں کہا۔ ''میاں! اس رقم کو اپنے ہی پاس رکھو۔ اس درویش کو اتنی بڑی رقم کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔''

حاکمِ شہر آپ کے اس رویے سے کافی پریشان ہوا کیونکہ آپ کا یہ عمل اس کی توقع کے خلاف تھا۔ وہ دل ہی دل میں یہ سوچتا تھا کہ درویش لوگ ضرورت مند ہوتے ہیں اور انہیں جو کچھ پیش کرو فوراً لے لیتے ہیں۔ وہ اسی شش وپنج میں تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

''یہ رقم مستحق، ضرورت مند اور حاجت مند افراد تک پہنچا دو۔ انہیں تمہاری امداد کی سخت ضرورت ہے۔ اور چیز ہمیشہ اسے ہی دینا چاہیے جسے اس کی ضرورت ہو۔''

حاکمِ شہر نے گڑگڑا کر عرض کی۔

''یا حضرت مجھ پر کرم کیجیے۔ میرا نذرانہ قبول فرمائیے اور مجھے ناکام ونامراد واپس نہ بھیجیے۔ آپ میرا نذرانہ قبول کریں گے تو مجھے خوشی ومسرت ہوگی۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس تھیلی میں سے ایک سکہ نکالا اور ایک حاجت مند کو دے دیا اور حاکمِ شہر سے کہا۔ ''اب جاؤ۔ میں نے تمہاری خواہش پوری کر دی اور ایک سکہ لے لیا۔ باقی تھیلی تم لے جاؤ۔''

اس نے کہا۔ ''یا حضرت! میں تو پوری تھیلی آپ کی نذر کرنے آیا ہوں مگر آپ نے محض ایک ہی سکہ لیا ہے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''تم درویشوں کی غربت کا تماشا دیکھنے آئے تھے۔ تمہاری نیت میں خلوص نہیں ہے۔ جاؤ ہم نے تمہیں معاف کیا۔ یہ تھیلی اٹھاؤ اور دوڑ جاؤ۔''

اور حاکمِ شہر نے اقرار کیا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بالکل صحیح فرما رہے ہیں۔ وہ اپنے کیے پر نادم ہوا اور ساری زندگی آپ کے کشف کی تعریف کرتا رہا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مندوں میں نامی گرامی افراد شامل تھے جن میں سے ایک بڑا نام حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ جہاں حضرت نظام الدین اولیاء کے قریبی عقیدت مندوں میں سے تھے وہاں وہ سلطان علاؤالدین خلجی کے بھی مصاحبین خاص میں سے تھے۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ جب بھی سلطان علاؤالدین خلجی کو فارغ پاتے تو آپ اپنے پیرومرشد حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چھیڑ دیتے اور آپ کی از حد تعریف وتوصیف کرتے۔ ایک دن سلطان علاؤالدین خلجی نے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔ ''اچھا تو یہ بتائیں کہ آپ اپنے پیرومرشد حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے کتنی محبت کرتے ہیں؟''

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ''جناب! محبت کی پیمائش کے لیے آج تک کوئی پیمانہ تو ایجاد ہوا نہیں پھر میں آپ کو یہ کیسے بتا سکتا ہوں کہ میں اپنے رہبر ورہنما اور پیرومرشد حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے کس قدر عقیدت ومحبت رکھتا ہوں۔''

سلطان علاؤالدین خلجی نے پوچھا۔ ''چاہے پیمانہ ہے یا نہیں لیکن آپ کو ہر صورت یہ بتانا پڑے گا کہ آپ اپنے پیرومرشد سے کس قدر عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔''

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر آپ نے ایک یادگار جملہ کہا۔ آپ نے فرمایا۔ ''سلطان! آپ یہ یاد رکھیں کہ میرے پاس سب سے قیمتی چیز اپنی جان بے قرار ہے۔ اگر میرے پیرومرشد حکم دیں تو میں اپنی یہ جان ان کے قدموں میں رکھ کر صرف اتنا عرض

کروں کہ اے پیرو مرشد! یہ حقیر سی جان بھی آپ کے شایانِ شان نہیں۔'' اور جیسے ہی حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے یہ الفاظ ادا کیے سلطان علاؤ الدین خلجی حیرانی و حیرت میں ڈوب گیا۔ اسے یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک مرید اپنے مرشد سے اس قدر بھی عقیدت و عشق رکھ سکتا ہے۔ اس کے دل میں بھی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے لیے محبت و عقیدت پیدا ہوئی۔ اور یہ عقیدت و محبت روز بروز بڑھتی چلی گئی کیونکہ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیرو مرشد حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی کوئی نہ کوئی خوبی روزانہ سلطان علاؤ الدین خلجی کو بتاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ایک روز سلطان علاؤ الدین خلجی نے اپنے خادم خاص محمد کاتب کے ذریعے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے دربار میں 50 ہزار دینار کی نذر بھیجی۔

اس نذر کا تذکرہ کرنے سے پہلے ایک اور واقعہ کا حوالہ ضروری ہے وہ یہ کہ ایک روز بھری مجلس میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اہل مجلس سے دریافت کیا کہ ''یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت کرے تو یہ کام بہت آسان ہے۔ آسان اس لیے کہ یہ کام تو بیوہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں لیکن وہ طریقہ اور سلیقہ کچھ اور ہے کہ جس کے ذریعے سے حق کے متلاشی رب رحمٰن و رحیم کا قرب حاصل کرتے ہیں۔''

محفل میں موجود آپ کے ارادت مندوں نے پوچھا۔''یا حضرت! وہ طریقہ اور سلیقہ کیا ہے؟ ہمیں بھی تو بتائیے تا کہ ہم اس پر عمل کر کے رب ذوالجلال کا قرب حاصل کر سکیں۔'' آپ نے فرمایا۔''ابھی نہیں۔ پھر کسی روز جب مناسب موقع میسر آیا تو آپ لوگوں کو ضرور بتائیں گے بلکہ ہو سکا تو عملی طور پر بتائیں گے۔''

اور پھر ایک دن سلطان علاؤ الدین خلجی کا خادم خاص محمد کاتب جو کہ آپ کا بھی مرید تھا ایک تھیلی لیے حاضر ہوا اور عرض کی۔''یا حضرت! سلطان نے آپ کے لیے 50 ہزار دینار کا نذرانہ بھجوایا ہے۔ قبول فرمائیے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔''اچھا...... یہ بات ہے۔ چلو اس کا بھی ابھی فیصلہ کیے دیتے ہیں۔'' پھر آپ نے حاضرین مجلس سے مخاطب کر کے ان سے پوچھا۔''یہ بتاؤ کہ بادشاہ کا نذرانہ قبول کرنا بہتر ہے یا اس سوال کا جواب دینا کہ وہ کون سا طریقہ اور سلیقہ ہے کہ جس کے ذریعے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اور اس طرح ہم نے آپ لوگوں سے جو یہ بات بتانے کا وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا جائے؟''

مجلس میں موجود تمام مریدوں، عقیدت مندوں اور ارادت مندوں نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر فوراً کہا۔''یا حضرت! بادشاہ کا نذرانہ قبول کرنے سے بہتر یہی ہے کہ ہمیں رب تعالیٰ جل شانہٗ کا قرب حاصل کرنے کا طریقہ اور سلیقہ بتایا جائے اور آپ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا جائے۔''

اب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔''بس یہی تو وہ نکتہ ہے جس سے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے اور وہ اپنے وعدہ اور عہد کو پورا کرنا۔ دراصل ایفائے عہد ہی سب کچھ ہے اور روز ازل جب روحوں نے رب تعالیٰ سے عہد کیا تھا وہی اگر پورا کر لیا جائے تو رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے اور رب تعالیٰ کا قرب جسے حاصل کرنا ہو وہ ان 50 ہزار دیناروں کا کیا کرے گا؟''

چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے وہ 50 ہزار دینار واپس کر دیئے اور کہا۔ ''سلطان سے کہہ دو کہ رب تعالیٰ کے فرمان کے مطابق مال و دولت انسان کے لیے بہت بڑا فتنہ ہے جبکہ رب تعالیٰ کا قرب بہت بڑا اعزاز و افتخار ہے اور یہ قرب مال و دولت اور دینار و درہم سے نہیں بلکہ رب تعالیٰ سے روز ازل کیے گئے عہد کو پورا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔''

اور جب سلطان علاؤ الدین خلجی کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو اس نے کہا۔''واقعی مردانِ خدا پرست کبھی بھی دولت دنیا کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے نذرانہ واپس کر کے اپنے ولی اللہ ہونے کا ثبوت دے دیا ہے اب میں بھی کسی روز ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ارادت مندوں میں شامل ہونے کی ان سے درخواست کروں گا۔''

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کے سنہرے اوراق میں رقم ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نمازِ جمعتہ المبارک ادا کرنے کے لیے غیاث پور سے کیلوکھڑی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہ ایک قدرے طویل فاصلہ تھا اور شدید گرمی کے موسم میں آپ کو اس سفر سے تکلیف ہوتی تھی۔ تاہم آپ ہر جمعتہ المبارک کو نماز پڑھنے کے لیے پہنچتے ضرور تھے۔

ایک دن حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو گرمی کی شدت کا قدرے زیادہ احساس ہوا کیونکہ اس دن بلا کی گرمی تھی۔ آپ نے دل میں خیال کیا کہ اگر میرے پاس کوئی سواری ہوتی تو یہ فاصلہ قدرے آسان ہو جاتا۔ جس روز آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تو اسی روز رات کو حضرت شیخ نور الدین رحمتہ اللہ علیہ کے ایک خادم نے خواب دیکھا جس میں اسے اس کے پیرو مرشد حضرت شیخ نور الدین رحمتہ اللہ علیہ نے ہدایت کی کہ تمہارے پاس جو گھوڑی ہے وہ فوری طور پر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دو۔ کیونکہ آپ نمازِ جمعتہ المبارک کی ادائیگی کے لیے پیدل چل کر کافی تکلیف اٹھاتے ہیں۔

اگلے روز اس خادم نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی گھوڑی اپنے پیرو مرشد حضرت شیخ نور الدین رحمتہ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیں گے مگر وہ کسی کام میں اس قدر مصروف و مشغول ہوا کہ اسے یہ یاد ہی نہ رہا اور یوں دن گزر گیا۔ اگلی رات پھر اس نے خواب میں اپنے پیرو مرشد حضرت شیخ نور الدین رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا جو اسے پُرزور الفاظ

میں کہہ رہے تھے۔ ''میاں! تم نے گھوڑی ابھی تک حضرت نظام الدین اولیاء کو نہیں پہنچائی۔ کل صبح سویرے پہلا کام یہی کرنا کیونکہ حضرت نظام الدین اولیاء کو اس کی اشد ضرورت ہے۔''

اگلی صبح خادم نے نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد ہی گھوڑی کو لیا اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں پہنچ گیا۔ اس نے آپ کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور آپ کو تمام صورتِ حال اور خواب کی تفصیل سے آگاہ کیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص سے کہا۔ ''میاں! تم اپنے پیر و مرشد کے حکم پر مجھے گھوڑی دینے آئے ہو مگر میں بھی یہ گھوڑی اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے حکم کے بغیر نہیں لوں گا۔''

چنانچہ وہ شخص گھوڑی واپس لے کر چلا گیا۔ اگلی رات اس نے خواب میں اپنے پیر و مرشد شیخ نور الدین رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا۔ وہ فرما رہے تھے۔ ''حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں حکم دے دیا ہے کہ وہ گھوڑی قبول کر لے۔ اس لیے تم صبح کو پھر ان کے پاس جاؤ۔ اب وہ گھوڑی لینے سے انکار نہیں کریں گے بلکہ بصد مسرت و انبساط اسے قبول فرمائیں گے۔''

اور پھر جب صبح سویرے حضرت شیخ نور الدین رحمتہ اللہ علیہ کا مرید خاص اپنی گھوڑی لے کر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی گھوڑی پیش کی تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فوراً اسے قبول فرما لیا اور اس شخص کا شکریہ ادا کیا۔

ہر ولی اپنا یہ فرض سمجھتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کی فلاح و بہبود کی خاطر اور ان کی اصلاح و درستی کے لیے ہر ممکن طریقہ بروئے کار لائے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہ مجلس درس قائم فرماتے ہیں جس میں وہ لوگوں کی ذہنی اصلاح وعظ و نصیحت، اخلاقیات اور قرآن و حدیث کے ذریعے کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ یہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ارادت مندوں کی روحانی اصلاح بھی ہو۔ اس کے لیے وہ اپنے مریدوں کو مختلف قسم کے وظائف اور اوراد بتاتے ہیں جن پر عمل کر کے وہ اپنے روحانی درجات بلند کرنے کی کوشش و کاوش کرتے ہیں۔ اسی طرح اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو مختلف سوالات کے ذریعے بھی سمجھانے اور درس دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی کاوش ہوتی ہے کہ ان کے مریدوں میں غور و فکر کی عادت پڑے اور وہ ہر چیز کو دلیل و برہان سے پرکھیں تاکہ دوسروں کو سمجھانے کی ضرورت پیش آئے تو انہیں سمجھا بھی سکیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے مریدوں سے بعض اوقات ایسے سوالات پوچھتے تھے جو انہیں غور و فکر کی دعوت دیتے تھے۔ وہ ان پر کئی روز تک سوچتے رہتے تھے اور پھر جب ان کو کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملتا تھا تو پھر آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور عرض کرتے تھے۔

''یا حضرت! آپ نے جو سوال ہم سے پوچھا تھا ہم نے کافی کوشش کے باوجود اس کا جواب

نہیں پایا ہے۔ اب آپ سے درخواست ہے کہ ہماری رہبری و رہنمائی فرمائیں اور ہمیں اس سوال کے جواب سے نوازیں۔''

ایک دفعہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس درس میں ضرورت سے زیادہ افراد اکٹھے ہو گئے۔ اک جمِ غفیر تھا جو حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ''گناہ اور توبہ'' کے موضوع پر خطاب کرنا شروع کر دیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے گناہ کے بارے میں بتایا کہ گناہ کسے کہتے ہیں۔ اور گناہ کی کتنی اقسام ہیں اور یہ کہ کون سے گناہ قابلِ معافی ہیں اور کون سے ناقابلِ معافی۔ پھر آپ نے انتہائی مدلل انداز میں توبہ کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور توبہ کرنے کے مختلف طریقے، اس کی قبولیت کے مدارج اور لوازمات سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ مجمع پر سکوت طاری تھا۔ لوگ پورے اشتیاق و انہماک کے ساتھ آپ کی باتیں سن رہے تھے۔ ہر شخص محو تھا اور دل و دماغ میں آپ کی باتوں کو راسخ کر رہا تھا کہ یکایک آپ رحمتہ اللہ علیہ نے سوال کیا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ پرہیز گار اور گناہوں سے توبہ کرنے والا دونوں برابر ہیں تو کیا تم لوگ مان لو گے؟''

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ ''یا حضرت! آپ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کی لیکن اس کی وضاحت کے لیے اور غور و فکر کے لیے ہمیں مہلت دینے کی بجائے ابھی اس بارے میں ہمیں بتا دیا جائے تو بہتر ہو گا۔''

آپ نے فرمایا۔ ''حدیث پاک ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ چنانچہ اس حدیث پاک کی روشنی میں پرہیز گار اور گناہوں سے توبہ کرنے والا دونوں برابر ہوئے۔ اور یہ کہ جس نے گناہ کیا اور اس سے لذت حاصل کی تو پھر توبہ کرنے کی صورت میں جب وہ عبادت کرے گا تو پھر اسے لذت حاصل ہو گی۔ ممکن ہے کہ عبادت سے حاصل ہونے والی لذت کا ایک ذرہ گناہوں کے کھلیانوں کو جلا کر راکھ کر دے۔''

☆======☆======☆

پیر و مرشد کو تحفہ تحائف اور نذر و نیاز پیش کرنا ہمیشہ ارادت مندوں کی ایسی عادت ہے جسے وہ باعثِ سعادت سمجھتے ہیں۔ ان کا رہبر و رہنما ان کے تحفے کو قبول کر لے تو ان کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔ تحفہ واپس کر دیا جائے تو یہی مفہوم لیا جاتا ہے کہ پیر و مرشد ناراض ہیں اور اس کی وجہ محض یہی ہو سکتی ہے کہ ارادت و عقیدت مند سے ضرور کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے اور پیر و مرشد بھی ہمیشہ اس کا تحفہ قبول کرتے ہیں جو خلوص و عقیدت اور عاجزی و محبت سے پیش کرتا ہے اور جو اپنی شان و شوکت جتانے یا مرہونِ احسان کرنے یا کسی سیاسی مقصد کے حصول کے لیے تحفہ یا نذرانہ پیش کرتا ہے اس کا یہ تحفہ لوٹا دیا جاتا ہے چاہے وہ وقت کا کتنا ہی بڑا حاکم کیوں نہ ہو۔ پیر و مرشد کے نزدیک حاکمیت صرف [illegible] بزرگ و برتر کو سزاوار ہے البتہ انسان اپنے رب تعالیٰ جل شانہٗ کا خلیفہ ہونے کی وجہ

سے رب قادر وقدیر کے احکامات کو جاری وساری کرنے کے لیے دنیاوی ذمہ داریوں کو قبول کرتا ہے لیکن اگر اس میں عاجزی وانکساری اور خدمتِ خلق کا جذبہ نہیں تو وہ حاکم ہونے کا قطعی اہل نہیں ہوتا اور ایسے حاکموں کو ہر پیر ومرشد نے اپنے سے دور ہی رکھا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔ آپ نے حاکموں کے تحائف لوٹا دیئے مگر عقیدت مندوں کے نذرانوں کو قبول کیا تاہم انہیں اسی لمحے حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیا۔

ایک دفعہ کچھ عقیدت مند آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تحائف پیش کیے۔ ان عقیدت مندوں میں ایک غریب طالب علم بھی تھا۔ سب لوگ باری باری تحفے دے رہے تھے مگر اس کے پاس کچھ بھی تو نہیں تھا کہ وہ آپ کو پیش کرتا۔ تاہم اس نے اپنا بھرم رکھنے کی خاطر تھوڑی سی مٹی ایک کاغذ پر رکھی۔ اس کی پڑیا بنائی اور دوسرے عقیدت مندوں کے تحائف کے ساتھ وہ پڑیا بھی تحفہ کے طور پر رکھ دی تاکہ اس کے ساتھی یہی سمجھیں کہ اس نے بھی تحفہ دیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ دوسروں کے تحفوں کے ساتھ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کا غلام یہ پڑیا بھی اٹھا لے جائے گا اور یوں اس کی عزت رہ جائے گی۔

اور جب آپ کا غلام تحائف اٹھانے لگا تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس طالب علم کی چھوٹی سی پڑیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ پڑیا مجھے دے دو جبکہ باقی تحائف غرباء وفقراء میں تقسیم کر دو۔ یہ پڑیا میں اس لیے لے رہا ہوں کیونکہ اس میں انتہائی قیمتی سرمہ ہے جسے ہم خود ہی استعمال میں لائیں گے۔''

خادم نے وہ پڑیا آپ کو دے دی اور باقی تحائف لے جا کر حاجت مندوں میں تقسیم کر دیئے اور جب اس غریب طالب علم نے دیکھا کہ اس کی پڑیا کہ جس میں اس نے مٹی بھری تھی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پاس منگوالی ہے تو وہ از حد شرمندہ ہوا۔ وہ بہت پریشان اور پشیمان تھا کہ اب کیا ہوگا؟ وہ آپ کو کیا جواب دے گا؟ مگر آپ نے اسے انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ جب وہ قریب آیا تو آپ نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور پیار سے کہا۔ ''بیٹا! گھبراؤ نہیں۔ جو پڑیا تم نے تحفہ دی ہے اس میں واقعی سرمہ ہے اور وہ سرمہ بھی بہت قیمتی سرمہ ہے۔ یہ دیکھو میں پڑیا کھولتا ہوں تم خود دیکھ لو۔'' اور پھر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے وہ پڑیا دھیرے دھیرے کھولی تو وہ طالب علم یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس میں واقعی سرمہ تھا۔ حیرانی وحیرت کے ساتھ ساتھ اس طالب علم کی خوشی دیدنی تھی۔ آپ نے اس طالب علم سے پوچھا۔ ''بتاؤ تمہاری کوئی حاجت ہو تو ہم کوشش کریں گے کہ رب تعالیٰ کی عنایت سے اسے پوری کریں۔'' وہ طالب علم خاموش رہا۔ اس پر آپ نے اس طالب علم کو اپنی پوشاک تحفتاً دی اور یوں وہ طالب علم مسکراتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا۔

کے ہاں سے خالی ہاتھ نہ جائے۔ آپ اسے کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے مگر اس کے باوجود آپ نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ آپ کے پیر ومرشد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ تمہارے گھر والوں نے ایک سائل کو خالی ہاتھ لوٹا دیا ہے۔ اس بات کا خیال رکھو۔ آپ نیند سے اسی لمحے بیدار ہوئے تو تمام گھر والوں کو جگا کر ان سے دریافت کیا ''کیا آپ لوگوں نے کسی سائل کو بغیر کچھ دیئے خالی ہاتھ جانے دیا ہے؟'' گھر والوں نے بتایا کہ انہیں یاد نہیں ہے شاید ایسا ہو گیا ہو۔ تاہم آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے پیر ومرشد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے خواب میں ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے ہدایت کی ہے کہ کسی بھی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ بھیجا جائے چنانچہ آئندہ سختی کے ساتھ اس بات کا خیال رکھو۔ اس پر آپ کے اہلِ خانہ نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ اس بات کا انتہائی محتاط انداز میں خیال رکھیں گے۔

ایک دفعہ ایک سائل حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دستِ سوال دراز کیا۔ اس وقت آپ کے پاس دینے کو کچھ بھی نہیں تھا جبکہ چند دن پہلے آپ خواب میں اپنے پیر ومرشد کی ہدایت بھی دیکھ چکے تھے۔ ویسے آپ خود بھی کسی سائل کو واپس بھیجنے کے سخت خلاف تھے۔ آپ نے کچھ دیر کے لیے سوچا اور پھر آپ نے اپنی جوتیاں اتاریں اور اس سائل کو دے دیں اور کہا۔ ''اس وقت یہی کچھ میرے پاس ہے۔ یہ لے جاؤ۔ ابھی اسی سے کام چلاؤ۔ پھر کسی وقت آنا۔ اگر کچھ ہوا تو مزید ضرور دوں گا۔''

وہ سائل حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی جوتیاں لے کر چلا گیا۔ راستے میں اس کی ملاقات آپ کے مرید خاص حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی۔ اس نے اس شخص کے ہاتھ میں آپ کی جوتیوں کو پہچان لیا۔ اس نے اس فقیر سے پوچھا۔ ''میاں! یہ بتاؤ کہ یہ جوتیاں جو تم نے پکڑی ہوئی ہیں کیا تمہیں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے دی ہیں۔''

اس شخص نے کہا۔ ''جی بالکل! میں ان کے پاس گیا تھا مگر ان کے پاس اس وقت دینے کو کچھ نہیں تھا اس لیے انہوں نے اپنی جوتیاں ہی مجھے دے دی ہیں چنانچہ میں نے بھی قبول کر لی ہیں۔''

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص سے کہا۔ ''میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ یہ جوتیاں مجھے دے دو اور میرے گھر میں جس قدر بھی مال اور زر ہے وہ سب تم لے لو۔ بولو سودا منظور ہے؟''

وہ شخص کہنے لگا۔ ''جناب! آپ مجھ سے مزاح کیوں کرتے ہیں؟ کیا ان جوتیوں کی اتنی قیمت بھی ہو سکتی ہے؟'' حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''ان جوتیوں کی قیمت تو اس سے بھی زیادہ ہے مگر جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب میں تمہیں دینے کو تیار ہوں۔'' وہ شخص حیرانی وحیرت میں ڈوبا ہوا حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ چل پڑا۔ آپ نے گھر پہنچ کر گھر کا تمام سامان اور نقدی وغیرہ اس شخص کے حوالے کی اور وہ جوتیاں لے لیں۔ وہ شخص بہت خوش ہوا مگر اس سے زیادہ خوشی حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کو تھی۔ پھر حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ وہ جوتیاں لیے

زیادہ خوشی حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کو تھی۔ پھر حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ وہ جوتیاں لیے ہوئے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی جوتیاں حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دیکھیں تو آپ نے فوراً فرمایا۔ ''خسرو! یہ جوتیاں تم نے بہت سستی خریدی ہیں۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سخاوت و اعانت اور تعاون و امداد کے لیے بہانہ ڈھونڈتے تھے۔ دوست ہو یا دشمن آپ کا دستِ سخاوت لحہ لحہ دراز رہتا تھا۔ ایک شخص کے بارے میں آپ کو پتہ چلا کہ وہ آپ کو گالیاں دیتا ہے۔ جب سے آپ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے روزانہ دو اشرفیاں اس کو بھجوانا شروع کر دیں۔ لوگوں نے اس کو شرم دلائی کہ میاں! تم کیسے شخص ہو کہ اشرفیاں بھی لیتے ہو اور گالیاں بھی دیتے ہو؟ اس شخص نے گالیاں دینا بند کر دیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو جب یہ پتہ چلا کہ اس شخص نے گالیاں دینا بند کر دی ہیں تو آپ نے اسے اشرفیاں بھجوانا بند کر دیں۔ وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ ''آپ نے مجھے اشرفیاں بھجوانا کیوں بند کر دی ہیں۔'' آپ نے فرمایا۔ ''تم میرا حصہ مجھے دو۔ میں تمہارا حصہ تمہیں دے دوں گا۔''

اس پر وہ شخص سخت نادم و شرمندہ ہوا اور وہاں سے چپکے سے چلا گیا۔ کچھ دنوں بعد آپ کو بتایا گیا کہ اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لیے بارگاہِ رب العزت میں دعا کی۔ ''اے رب العالمین! اے غفور و رحیم! اس شخص کی غلطیوں کو بخش دیجیے۔ میں نے اسے معاف کر دیا ہے آپ بھی اسے معاف فرما دیجیے۔ یہ شخص اپنی غلطیوں پر شرمندہ و نادم تھا اس لیے یہ معافی کا حقدار ہے۔ یا الٰہی! اسے معاف کر دیجیے۔'' آپ وہاں کافی دیر اس شخص کے لیے دعا کرتے رہے اور پھر واپس تشریف لے آئے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنے عقیدت مندوں کو مختلف واقعات سنا کر بھی انہیں نصیحت کرتے تھے۔ مجلسِ درس میں بھی ایسا فرماتے تھے اور بعض اوقات نجی محفل میں بھی آپ سبق آموز واقعات سے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ لوگ آپ کی باتوں میں از حد دلچسپی لیتے تھے اور ان پر عمل کرنے کی بھی بھرپور کوشش کرتے تھے۔ رب رحمٰن و رحیم نے آپ کی زبان میں ایسی مٹھاس اور تاثیر عطا کی تھی کہ ہر سننے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

ایک دفعہ آپ نے اپنے ارادت مندوں کو بتایا کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی اور اس کے بچے جب کئی روز کے فاقے سے بہت پریشان ہوئے تو وہ اپنے بچوں کو لے کر خانہ کعبہ پہنچا اور وہاں رب تعالیٰ جل شانہٗ سے مخاطب ہو کر عرض کی۔ ''اے رب العالمین! اے دو جہاں کے پالنے والے! اے رب رازق و رزاق! میں اور میرے بچے کئی روز سے بھوکے ہیں۔ ہمیں کھانا عطا فرما۔ اے غیب سے رزق دینے والے! ہمیں غیب سے کھانا کھلا۔''

ابھی وہ اعرابی یہ دعا کر ہی رہا تھا کہ خانہ کعبہ کی چھت سے اشرفیوں کی ایک بڑی سی تھیلی نیچے گری۔ اس اعرابی نے وہ تھیلی کھولی تو اس میں اشرفیاں تھیں۔ اعرابی نے اشرفیاں ایک طرف رکھ دیں اور پھر آسمان کی طرف منہ کر کے ہاتھ بلند کر کے رب تعالیٰ سے التجا کی ''اے رب رحمٰن و رحیم! اے کریم و عظیم! مجھے اشرفیوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اور میرے بچوں کو روٹیاں چاہئیں اشرفیاں نہیں چاہئیں۔'' چنانچہ اسی لمحے خانہ کعبہ کی چھت سے کچھ روٹیاں نیچے گریں۔ اس اعرابی نے وہ روٹیاں اٹھائیں۔ خود بھی کھائیں اور بچوں کو بھی دیں اور رب کا شکر ادا کیا۔

کچھ لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ دوڑے ہوئے اعرابی کے پاس آئے اور اس سے پوچھا۔ ''اے اعرابی! تم نے یہ کیا کیا؟ اشرفیاں چھوڑ کر روٹیاں لے لیں۔ روٹیوں کو اشرفیوں پر ترجیح دی۔ اس کا کیا راز ہے؟'' اعرابی نے کہا۔ ''انسان جتنی چیز کا بار اور وزن اٹھا سکے اسے اتنا ہی اٹھانا چاہیے۔ ہم تو روٹیوں کا حق تک ادا نہیں کر سکتے اشرفیوں کا کیسے کریں گے؟ رب تعالیٰ جل شانہٗ ہمیں جو کچھ عنایت فرماتے ہیں ہم اسے فراموش کر دیتے ہیں اس لیے رب تعالیٰ جل شانہٗ سے صرف اتنا ہی طلب کرنا چاہیے جتنا ہم یاد بھی رکھیں اور اس کا حق بھی ادا کر سکیں۔ انسان کو حق کی ادائیگی ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے چاہے وہ حق رب کائنات کا ہو یا رب کائنات کے بندوں کا ہو۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی عبادت و ریاضت، صبر و قناعت اور محبت و اخوت کے بل بوتے پر لوگوں کے دل ایسے جیتے کہ ہر کوئی آپ کی ذات کا گرویدہ نظر آنے لگا۔ ہر شخص آپ کے پاس حاضری دینے کو باعثِ اعزاز اور وجہ افتخار سمجھتا تھا۔ آپ کی رہائش گاہ پر ہر لمحہ سینکڑوں اور بعض اوقات ہزاروں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ لوگ آپ سے ملنے کے لیے گھنٹوں انتظار کرتے تھے تب ان کی باری آتی تھی۔ ہر کوئی اپنا مسئلہ بیان کرتا تھا۔ ہر کوئی دعائیں لینے کی تمنا رکھتا تھا۔ ہر شخص آپ کے قریب بیٹھنے کی خواہش رکھتا تھا۔

اس صورتِ حال میں حاسدین نے بادشاہ علاؤ الدین خلجی کے کان بھرنا شروع کر دیئے۔ بادشاہ کو خبردار کیا گیا کہ اگر یہی صورتِ حال رہی تو تخت کو خطرہ ہو سکتا ہے کیونکہ لوگوں کے دلوں پر حکومت تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔

سلطان علاؤ الدین خلجی بھی وقتی طور پر پریشان ہوا۔ وہ کئی روز تک اس صورت حال کے بارے میں سوچتا رہا۔ کچھ شر پسندوں نے تو سلطان علاؤ الدین خلجی کو یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ تخت پر قبضہ کرنے کے لیے اپنے عقیدت مندوں کا لشکر تیار کر رہے ہیں اور کسی بھی وقت حملہ آور ہو کر تخت پر قبضہ کر لیں گے۔ اس سے سلطان علاؤ الدین خلجی سخت اضطراب میں رہنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے تاہم اسے مکمل یقین نہیں تھا کہ کیا واقعی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اقتدار کی خواہش رکھتے ہیں؟

آخر کافی سوچ و بچار اور غور و فکر کے بعد سلطان علاؤ الدین خلجی نے ایک فیصلہ کیا۔ اس نے

ایک خط حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو لکھنے کا ارادہ کیا۔ اس خط کا متن یہ تھا!

''محترم نظام الدین اولیاء صاحب! آپ ساری دنیا کے مخدوم ہیں۔ ہندوستان کے لوگ آپ کو انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہمہ قسم کے دینی اور دنیاوی معاملات میں آپ کی ذات سے رہبری و رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ رب ذوالجلال نے ہندوستان کی حکومت مجھے عطا کی ہے۔ یہ رب رحمٰن و رحیم کی عنایت ہے۔ اب میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں تمام امورِ سلطنت میں آپ سے مشورہ کروں۔ آپ کی رہنمائی اور مشاورت سے آگے بڑھوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ از راہِ صد لطف و کرم میری رہبری فرمایئے گا اور مجھے تحریری طور پر مطلع فرمایئے گا کہ کون سے ایسے کام کروں کہ جس سے میری سلطنت بہتر سے بہتر طور پر چل سکے۔ میری یہ کوشش و کاوش ہوگی کہ آپ جو حکم فرمائیں اس کی تعمیل و تکمیل احسن طریقے سے ہو۔''

سلطان علاؤ الدین خلجی نے یہ تحریر ایک سادہ کاغذ پر لکھوا کر شاہی مہر کے ساتھ اپنے پیارے بیٹے خضر خان کے ذریعے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھیجی۔ خضر خان نے اپنے والد محترم کی ہدایت پر یہ مراسلہ آپ کی خدمت میں پہنچایا۔

آپ اس وقت اپنے عقیدت مندوں کے ہجوم میں تشریف فرما تھے۔ مکتوب ایک لفافے میں بند تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے جیسے ہی سلطان علاؤ الدین خلجی کی طرف سے آئے ہوئے لفافے کو دیکھا تو آپ نے اپنے ارادت مندوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ''تمام حضرات کو چاہیے کہ وہ فاتحہ پڑھیں۔''

اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے سلطنت کے ولی عہد خضر خان سے کہا۔ ''سنو اور یاد رکھو کہ ہم درویش لوگ ہیں اور درویشوں کو شہنشاہت سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ہمارا بادشاہت سے کیا لینا دینا؟ میں ایک درویش کے طور پر یہاں رہتا ہوں اور برسوں سے میرا یہی طریقہ اور سلیقہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی مخلوق کی خدمت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب تک دم میں دم ہے یہ خدمت جاری و ساری رکھوں گا۔ پھر بھی اگر سلطانِ وقت کو میرے اس قیام اور میری اس عوام خدمت پر کوئی اعتراض ہے تو میں یہ شہر چھوڑ کر کہیں اور چلا جاتا ہوں اور خوب یاد رکھو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی زمین بہت وسیع و عریض ہے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے خط کھولے بغیر اس کے مضمون کا جواب بڑے جامع اور مدلل انداز میں دے دیا تھا۔ آپ نے خط اسی طرح خضر خان کو واپس کر دیا۔

اور جب خضر خان نے اپنے والد کو جا کر تمام ماجرا سنایا اور یہ بھی بتایا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے خط کھولے بغیر اس کے مضمون کا یہ جواب دیا ہے تو سلطان علاؤ الدین خلجی کو یقین کامل ہو گیا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑے ولی ہیں اور یہ کہ انہیں سلطنت پر قبضہ کرنے کی کوئی رغبت نہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ آپ بہت بڑے مردِ قلندر ہیں چنانچہ اس نے آپ

کے حاسدین کو بلوایا اور انہیں خوب کھری کھری سنائیں اور انہیں خبردار کیا کہ آئندہ کوئی بھی بدخواہ اس کے سامنے آپ کے بارے میں کوئی غلط بات نہ کرے۔

سلطان علاؤ الدین خلجی دل ہی دل میں بہت شرمندہ اور نادم تھا۔ وہ ہر پل، ہر لمحہ اور ہر لحظہ اسی سوچ میں غرق رہتا تھا کہ اس نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو ناراض کر کے کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ اس کے ذہن میں مختلف تدابیر آتی تھیں کہ وہ کس طرح آپ کو راضی کرے مگر چونکہ وہ آپ کی قلندرانہ بے نیازی سے واقف تھا اس لیے اسے اپنی ہر تجویز بے سود نظر آتی تھی۔ ایک دفعہ تو اس کے ذہن میں یہ بات بھی آئی کہ وہ آپ کے حاسدین کو سخت سے سخت سزا دے کہ جنہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے نیک بندے سے اسے الجھانے کی کوشش کی۔ وہ سوچتا تھا کہ اس الجھاؤ کا نتیجہ انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہوتا۔ وہ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتا کہ جس کی رحمت نے اسے اس نقصان سے بچا لیا ہے۔

کافی سوچ بچار کے بعد اس کے ذہن میں یہی آیا کہ وہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو ایک معافی نامہ لکھے۔ اسے توقع تھی کہ آپ اسے معاف فرما دیں گے۔ چنانچہ اس نے آپ کی خدمتِ اقدس میں ایک معذرت نامہ ارسال کیا جس میں اس نے لکھا کہ:

''میں آپ کا دل سے احترام کرتا ہوں اور آپ سے عقیدت رکھتا ہوں۔ میں نے حاسدین اور دشمنوں کے کہنے میں آ کر بے جا جرأت کا مظاہرہ کیا جس کے لیے میں معذرت خواہ بھی ہوں اور نادم بھی۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے معافی دے دی جائے اور ساتھ ہی مجھے اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی جائے کہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے ملاقات کی سعادت حاصل کروں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ میری اس درخواست کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں گے۔''

سلطان علاؤ الدین خلجی کا قاصد جب اس کا یہ معذرت نامہ لے کر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ ''اپنے سلطان سے کہہ دو کہ اسے یہاں آنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ میں اس کے لیے غائبانہ دعا کرتا ہوں اور اسے بتا دو کہ غائبانہ دعا میں زیادہ اثر ہوتا ہے۔''

قاصد نے جب سلطان علاؤ الدین خلجی کو آپ کا پیغام پہنچایا تو سلطان از حد اداس اور رنجیدہ ہوا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ واحد ولی اللہ تھے جنہوں نے سلطان علاؤ الدین خلجی کی از حد کوشش کے باوجود نہ اسے شرفِ ملاقات بخشا اور نہ ہی کبھی نذر و نیاز قبول کی مگر سلطان علاؤ الدین نے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا جس سے وہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ میں شرفِ باریابی حاصل کر سکے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے اپنے ایک خاص مصاحب قرا بیگ کو آپ کی بارگاہ میں بھیجا اور اس کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ آپ کی محفلِ سماع میں شریک ہو اور

جن اشعار پر آپ کو وجد آئے ان اشعار کو لکھ کر لے آئے۔

قرا بیگ حکم سلطان کی تعمیل میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں پہنچا اور ان اشعار کو نوٹ کر لایا جن پر آپ وجد میں آئے تھے۔ اگلے روز اس نے وہ اشعار سلطان علاؤ الدین خلجی کو سنائے تو سلطان کی حالت عجیب ہوگئی۔ سلطان بار بار ان اشعار کو پڑھتا تھا کبھی آنکھوں سے لگاتا تھا اور کبھی زبان سے دہراتا تھا۔ اک والہانہ کیفیت تھی جو سلطان پر طاری تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سلطان کو کھویا ہوا قیمتی خزانہ مل گیا ہو۔ اس موقع پر سلطان علاؤ الدین خلجی نے قرا بیگ کو کہا کہ میرے دونوں بیٹوں خضر خان اور شادی خان کو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے جاؤ اور انہیں ان کے مریدوں میں شامل کر دو۔

جب سلطان کے دونوں بیٹے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو انہوں نے دونوں کو اپنا مرید بنا لیا مگر ان پر درویشی پوری طرح غالب نہ آ سکی تاہم دونوں شہزادے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا از حد احترام و ادب کرتے تھے۔ خاص طور پر خضر خان تو آپ کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خضر خان کی خواہش پر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اسے خانقاہ کی تعمیر کی اجازت دے دی تھی اور آج جس عمارت میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے اس عمارت کو خضر خان نے ہی تعمیر کرایا تھا۔

سلطان علاؤ الدین خلجی نے اپنے بیٹوں خضر خان اور شادی خان کو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی مریدی میں اس لیے دیا تھا کہ اس کو یہ موقع مل سکے کہ وہ آپ کی بارگاہ میں حاضری دے مگر اس کی یہ ترکیب و تدبیر بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئی اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان علاؤ الدین خلجی سے ملاقات سے صاف انکار کر دیا۔

سلطان علاؤ الدین خلجی نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے نام کئی درخواستیں تحریر کیں جن میں یہی التجا تھی کہ اسے ملاقات کا شرف بخشا جائے۔ جب درخواستوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان علاؤ الدین خلجی کے نام ایک رقعہ لکھا جس میں تحریر تھا:

''سلطان علاؤ الدین! یاد رکھو کہ اس فقیر کے گھر کے دو دروازے ہیں۔ اگر سلطان علاؤ الدین ایک دروازے سے داخل ہوگا تو یہ درویش دوسرے دروازے سے باہر چلا جائے گا۔''

اس کھلے اور واضح جواب کے باوجود سلطان علاؤ الدین خلجی نے اپنی کوشش جاری و ساری رکھی۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اس سے ملاقات کا جس قدر انکار کرتے تھے اس کے دل میں اسی قدر زیادہ خواہش پیدا ہوتی تھی۔ اس نے اس بارے میں اپنے چند مصاحبین سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ترین ہیں اس لیے ان کی معاونت حاصل کی جائے۔

چنانچہ سلطان الدین خلجی نے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ کیا اور ان سے عاجزانہ درخواست کی کہ وہ صرف اور صرف ایک مرتبہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی کوئی سبیل نکالیں کیونکہ وہ ان کے قریب ترین ہیں۔ وہ اگر سفارش کریں گے تو وہ یقینی طور پر اسے مان لیں گے۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو ہامی نہ بھری لیکن جب سلطان علاؤ الدین خلجی نے از حد اصرار کیا اور بار بار کہا تو حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ''اچھا! میں کوشش کروں گا تاہم کامیابی رب تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ میں اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ واقعی میری بات مان لیں گے کیونکہ وہ آپ کو کئی دفعہ انکار کر چکے ہیں اس لیے ان کے انکار کو اقرار میں بدلنا کوئی آسان کام نہیں تاہم میں کوشش ضرور کروں گا۔''

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ موقع کی تلاش میں رہے کہ کب ایسی صورت پیدا ہو اور وہ اپنی سفارش حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے گوش گزار کر سکیں۔ اس طرح کئی ماہ گزر گئے۔ آخر ایک دن حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کسی بات پر مسکرا دیئے۔ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے موقع غنیمت جانتے ہوئے عرض کی۔ ''یا حضرت! آپ بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ سلطان علاؤ الدین خلجی صرف ایک بار شرف باریابی چاہتا ہے۔ آپ میری خاص درخواست پر اس کی یہ التجا قبول فرمالیجیے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر آپ نے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے فرمایا۔ ''آپ سے زیادہ ہمیں کون عزیز ہوگا سلطان علاؤ الدین خلجی نے سفارش کے لیے بالکل صحیح آدمی منتخب کیا ہے مگر یہ بات تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ شاہوں سے ملاقات میرا مزاج اور میرا شیوہ نہیں۔ تم آئندہ محتاط رہنا اور اس قسم کی کوئی سفارش نہ کرنا کیونکہ میں کسی سلطان کے بارے میں سفارش کو کبھی نہیں مانتا۔ ہم درویش لوگ ہیں اور وہ حکمران ہیں۔ ان کا راستہ اور ہے جبکہ ہمارا راستہ اور ہے۔ یاد رکھو کہ اگر میں نے ایک دفعہ بھی سلطان علاؤ الدین خلجی کو یہاں آنے کی اجازت دے دی تو پھر درویشوں کی خانقاہوں میں بادشاہوں کی آمد ایک رسم اختیار کر لے گی اور اس طرح بادشاہ اپنی عزت میں اضافہ کریں گے جبکہ درویشوں کی درویشی آہستہ آہستہ رخصت ہوتی جائے گی۔ تاہم تمہاری سفارش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ سلطان کے لیے دعا کرتا رہوں۔ سلطان سے کہہ دو کہ وہ مجھ سے ملنے کی بجائے ضرورت مندوں اور حاجت مندوں سے ملے اور ان کی ضرورتیں اور حاجتیں پوری کرنے کی کوشش کرے۔ وہ غریبوں کی مدد کرے۔ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور مظلوموں کی دادرسی کرے اسے خدا مل جائے گا۔ پھر اسے کسی سے ملنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔''

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام سلطان

علاؤالدین خلجی تک پہنچایا تو وہ بہت غمگین اور افسردہ ہوا۔ اس کی آخری کوشش بھی کامیاب نہیں ہوئی تھی لیکن وہ دلی طور پر بضد اور مُصر تھا کہ آپ سے ملاقات ضرور کرے گا۔ اس نے سوچ بچار شروع کر دیا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ پھر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور اس نے حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کو بلا بھیجا اور اس سے کہا۔

''میں تو حضرت نظام الدین اولیاء سے ملاقات کے لیے درخواست کرتا کرتا تھک گیا ہوں۔ اب میرے ذہن میں یہی واحد طریقہ آیا ہے کہ میں ان کی اجازت کے بغیر ہی ان کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں۔ باقی رب رحمٰن و رحیم ہی بہتری کرے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ حضرت جی مجھ سے ملاقات کا برا منائیں گے تو میں ان سے عاجزی کر کے ان کو منا لوں گا لیکن یہ سعادت ضرور مجھے ملے گی کہ میں نے حضرت جی سے ملاقات کر لی ہے۔ بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟''

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان علاؤالدین خلجی سے کہا۔ ''میں آپ کی بے قراری کو بھی سمجھتا ہوں اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے مزاج مبارک سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔ شاہی دربار کی روایت اور ہے اور درویش کی بارگاہ کے آداب اور ہیں۔ میری یہی رائے ہے کہ آپ حضرت کی مرضی ومنشاء کے بغیر ان کے پاس تشریف نہ ہی لے جائیں تو بہتر ہوگا کیونکہ اس سے معاملہ سلجھنے کی بجائے بگڑنے کا اندیشہ ہے۔''

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے مشورے کے باوجود سلطان علاؤالدین خلجی نے کہا۔ ''اب ہم سے نہیں رہا جاتا۔ اضطراب آخری حد کو پہنچ چکا ہے۔ چاہے نتیجہ کچھ ہو ہم کل کسی وقت حضرت نظام الدین اولیاء کی قدم بوسی کے لیے ضرور حاضری دیں گے۔ کسی شاہی جاہ وجلال کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ اکیلے جائیں گے اور اکیلے ہی ملاقات کریں گے اور اکیلے ہی واپس آ جائیں گے۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت جی سے دعا لیں گے اور پھر گھر کی راہ لیں گے۔''

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان علاؤالدین خلجی کا یہ مصمم عزم دیکھا تو آپ کے سامنے خاموش ہو گئے اور مزید کچھ نہ کہہ سکے کیونکہ سلطان کسی قسم کی کوئی بات سننے کو بھی تیار نہیں تھا۔ تاہم آپ اپنے پیرومرشد حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچے۔ پریشانی اور فکر مندی آپ کے چہرے سے عیاں تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھتے ہی پوچھا۔

''خسرو! آج تم پریشان نظر آتے ہو۔ جلد بتاؤ کہ تمہاری پریشانی کی وجہ کیا ہے؟ تمہارے چہرے کا بدلا ہوا رنگ ہمیں اچھا نہیں لگ رہا۔ آخر کیا ہوا ہے؟''

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے بصد ادب عرض کی۔ ''یا حضرت! دراصل بات یہ ہے کہ سلطان علاؤالدین خلجی آپ سے اجازت لیے بغیر کل آپ کے ہاں آ رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ وہ آپ سے ملنے کے لیے بے قرار اور بے تاب ہے۔ اس صورت حال کی وجہ سے میں خاصا

ہے کہ کہیں آپ خفا نہ ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے سلطان مجھے اس بات پر سزا بھی دے لیکن اس کی کوئی فکر نہیں۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو جیسے ہی اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اسی لمحے رخت سفر باندھا اور اپنے پیرومرشد اور رہبرو رہنما حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دینے کے لیے اجودھن روانہ ہو گئے۔

دوسرے روز سلطان علاؤالدین خلجی نے جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جانے کی تیاری کی تو اس کے مصاحبین نے پوچھا۔ ''جناب عالی! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟'' سلطان علاؤالدین خلجی نے بتایا۔ ''میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جا رہا ہوں مگر اکیلا جاؤں گا۔ کوئی میرے ساتھ نہیں چلے گا۔'' مصاحبین نے کہا۔ ''جناب والا! وہ تو راتوں رات اجودھن تشریف لے گئے ہیں اور وہ یہاں نہیں ہیں۔ آپ کا وہاں جانا بے فائدہ ہے۔''

سلطان علاؤالدین خلجی نے یہ اطلاع سنی تو حیران رہ گیا۔ اس نے اس کی تصدیق کے لیے اپنے آدمی روانہ کیے۔ انہوں نے واپس آ کر اطلاع کی توثیق کی تو سلطان علاؤالدین خلجی نے تنہائی میں حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کو بلوایا اور ان سے کہا۔ ''خدا معلوم میری آمد کی اطلاع حضرت جی کو کس طرح ہو گئی کہ آپ راتوں رات ہی اجودھن تشریف لے گئے حالانکہ یہ بات صرف آپ کے اور میرے درمیان ہوئی تھی اور کسی تیسرے شخص کو اس کا اشارہ تک نہیں تھا۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟''

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے بلا جھجک کہا۔ ''یہ بات میں نے ہی پیرومرشد کو بتائی تھی جس پر انہوں نے فوراً ہی رخت سفر باندھا اور اجودھن اپنے پیرومرشد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری کے لیے تشریف لے گئے۔''

سلطان علاؤالدین خلجی حیرت وحیرانی اور سکوت وسکتہ میں آ گیا۔ اس کو قطعاً یہ توقع نہیں تھی کہ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ ایسا کریں گے۔ اس نے انتہائی غصے اور ملال کی ملی جلی کیفیت میں حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ سے کہا۔

''خسرو! کیا تم اس تکلیف کی شدت کو جان سکتے ہو جو تمہاری اس اطلاع کی وجہ سے مجھے پہنچی ہے۔ تم نے میرا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا ہے۔ تم نے مجھے حضرت نظام الدین اولیاء کی زیارت سے محروم کر دیا ہے۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ ایک عقیدت مند اپنے پیرومرشد کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر سکے۔ تم کیسے شخص ہو کہ تم نے ایک ارادت مند کو اس کے رہبرو رہنما کی ملاقات سے محروم کر دیا ہے۔''

غرض سلطان علاؤالدین خلجی نے غم ورنج کے عالم میں کافی دیر حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ سے اپنی تکلیف کا اظہار کیا جو اسے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے جانے کی وجہ سے پہنچی

تھی۔ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے کہا:

"سلطان معظم! مجھے بخوبی علم تھا کہ آپ ناراض ہوں گے اور آپ کو تکلیف پہنچے گی۔"

سلطان علاؤ الدین خلجی نے کہا۔"خسرو! کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ ہماری ناراضی کا اظہار بڑا شدید اور تکلیف دہ ہوتا ہے؟"

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔" جناب عالی! میں آپ کی ناراضی اور آپ کے ردعمل کو خوب جانتا ہوں مگر میں نے اپنے پیر و مرشد کی خوشی کو آپ کی ناراضی پر ترجیح دی کیونکہ آپ کی ناراضی تو مجھے منظور ہے اور اس کی سزا بھی میں بھگتنے کو تیار ہوں لیکن اپنے رہبر و رہنما کی ناراضی کو میں کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں نے انہیں خود جا کر تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ آپ یہی کریں گے کہ مجھے سبکدوش کر دیں گے اس کے لیے میں پوری طرح تیار ہوں۔"

سلطان علاؤ الدین خلجی نے کہا۔"اس سے سخت سزا بھی دی جا سکتی ہے۔"

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔"آپ مجھے جیل خانے میں ڈلوا دیں گے اس کے لیے بھی میں تیار ہوں۔"

سلطان علاؤ الدین خلجی نے کہا۔"آپ کو جیل کی قید تنہائی سے بھی زیادہ سخت سزا ہو سکتی ہے۔ ایسی سزا جو تمہیں کبھی وہم و گمان میں بھی نہ آئی ہو گی۔"

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی دلیری سے کہا۔"سلطان معظم! سب سے بڑی سزا موت کی ہو سکتی ہے۔ اس سے بڑی کوئی سزا نہیں۔ اس کے لیے بھی میں تیار ہوں۔ اگر میرے مرشد خفا ہونے کی بجائے خوش رہتے ہیں تو مجھے اپنے پیر و مرشد کی خوشی کی خاطر اپنی جان کی قربانی مہنگی نہیں۔ آپ آسانی سے میری جان لے سکتے ہیں۔" سلطان علاؤ الدین خلجی نے کہا۔"پیر و مرشد کی اسی خوشی کی تو ہمیں تلاش ہے۔ ہم بھی ان کی خوشی ہی چاہتے ہیں ان کی خوشی اسی میں ہے تو پھر ہم خاموش ہیں۔"

یہ بہت روح افزا اور جانفزا منظر تھا۔ حد نگاہ تک لوگوں کا ہجوم تھا مگر سب پر ایسی سرخوشی و سرمستی طاری تھی کہ انتہائی سلیقے وقرینے کے ساتھ ہر شخص باادب بیٹھا تھا۔ سب خاموش تھے مگر جب بھی ان کے لب کھلتے تھے تو سوائے کلمۂ شہادت اور درود پاک کے اور کچھ ادا نہیں کرتے تھے۔ سب کی نگاہیں ایک ہی جانب مرکوز تھیں۔ سب کے پیر و مرشد حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ مجلس درس میں محو کلام تھے اور ہر شخص ہمہ تن گوش تھا۔ آپ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کلام الٰہی آسمان سے اُتر رہا ہو۔ آپ تبلیغ و نصیحت فرماتے تھے تو سننے والوں کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔ آپ دعا و استغفار کرتے تھے تو سامعین و حاضرین کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ آپ خاموشی اختیار کرتے تھے تو عقیدت مندوں کی جھکی نگاہیں اوپر کو اٹھتی تھیں۔ آپ سامنے دیکھتے تھے تو ارادت مندوں کی نگاہیں جھک جاتی تھیں۔ محبت و

عقیدت اور خلوص و ارادت کا ایک عجیب سماں تھا جس میں تقدس اور تعظیم و تکریم کی خوشبو رچی بسی تھی۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے خطاب ختم کیا تو سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس نے جو سوال کرنا ہوتا تھا وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو جاتا تھا اور انتہائی مؤدب ہو کر سوال کرتا تھا۔ آپ اس کی حوصلہ افزائی فرماتے اور اس کے سوال کا مدلل اور تسلی و تشفی بخش جواب دیتے۔

سوال و جواب کے بعد محفل اختتام پذیر ہوا ہی چاہتی تھی کہ آپ کا ایک ارادت مند اپنے ایک غلام کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عقیدت و خلوص کے ساتھ سلام کیا۔ آپ نے انتہائی شفقت اور محبت کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا۔"یا حضرت! میں اپنا غلام ربّ کریم و رحیم کے شکرانے کے طور پر آزاد کرتا ہوں۔ اس لمحے سے یہ میرا غلام نہیں۔ اس کا جہاں جی چاہے جا سکتا ہے۔"

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اس عقیدت مند کے اس اقدام کی تعریف کی مگر غلام نے خوش ہونے کی بجائے آپ کے قدموں میں بیٹھ کر زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ آپ نے اسے اپنے پاس قریب ہی بٹھایا اور اس سے پوچھا۔"میاں! آخر روتے کیوں ہو؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہیں تمہارے مالک نے غلامی سے نجات دے دی ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر ادا کرو۔"

اس غلام نے کہا۔"میں دنیا کی غلامی سے آزادی حاصل کر کے بہت خوش ہوں مگر اب ایک اور غلامی کی آرزو ہے اور وہ یہ کہ میں آپ کا غلام بن کر رہنا چاہتا ہوں اور رو اس لیے رہا ہوں کہ خدا معلوم آپ مجھے غلامی میں قبول فرمائیں یا نہیں۔"

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔"ہمارا راستہ تو وہ راستہ ہے کہ جس میں نہ کوئی آقا ہے اور نہ کوئی غلام۔ یہ عشق و محبت کی دنیا ہے۔ اس میں سب کا مالک صرف خداوند تعالیٰ ہے۔ جو پرہیزگاری اور نیکوکاری میں آگے ہے وہی کامیاب و بامراد ہے۔ جہاں تک میرا کام ہے میں اتنا کر سکتا ہوں کہ آپ کو اپنی بیعت میں لے سکتا ہوں۔ وہ میں کیے دیتا ہوں۔ تاہم اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرو۔ نیک اعمال ہی سے دنیا اور آخرت سنورتی ہے۔ اس دنیا میں سب انسان برابر ہیں اگر کسی کو فضیلت ہے تو وہ محض تقویٰ کی بنیاد پر ہے جس کا علم رب علیم و خبیر کو ہے۔"

سبق آموز قصوں اور مثالوں سے ارادت مندوں کو سمجھانا اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہ کا طریقہ اور سلیقہ رہا ہے۔ یہی طریقہ چونکہ رب کائنات نے قرآن الحکیم میں اور معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام میں اختیار کیا چنانچہ اسی پر عمل درآمد کرتے ہوئے اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی طریقہ اختیار کرتے تھے کیونکہ اس سے مختلف سبق آموز باتوں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور ایک عام سطح کا شخص بھی مشکل سے مشکل بات کو سہل طریقے سے ذہن نشین کر لیتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے مجلس درس میں ارادت مندوں کو ایک سبق آموز واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ ''غزنی میں ایک زیرک نام کا غلام تھا جو بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔ وہ ایک بزرگ شخصیت کا غلام تھا اور دن رات اس کی خدمت گزاری میں مصروف رہتا تھا۔ وہ بزرگ اپنے اس غلام کی صلاحیتوں اور خوبیوں کی بناء پر اس کی بہت عزت اور قدر کرتا تھا۔

اور جب اس بزرگ کا اس دارِ فانی سے کوچ کا وقت آیا تو اس کے ارادت مندوں نے اس سے پوچھا۔ ''یا حضرت! آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا؟ اس بارے میں رہنمائی ضرور فرمایئے تاکہ آپ کے بعد ہم پھر اسی سے فیض یاب ہوں۔'' بزرگ نے فوراً کہا۔ ''میرے بعد میرا غلام زیرک ہی میرا جانشین ہوگا اور یہی میرا تمام کام سنبھالے گا۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے اسے ہمہ قسم کی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ مزید یہ کہ یہ عبادت و ریاضت کے بل بوتے پر معرفت کی منازل بھی طے کر چکا ہے اور جیسے اس کا نام ہے ویسے ہی یہ ذہین وفطین ہے۔ اس پر بھروسہ کیجیے۔ اعتماد کیجیے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ اس کی مدد و اعانت ضرور فرمائیں گے۔''

اس بزرگ کے چار لڑکے تھے جو چالاک بھی تھے اور اپنی بات منوانے کے ساتھ ساتھ اپنی برتری قائم رکھنے کے آرزومند تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے والد محترم کی عزت وشہرت اور وقعت وروحانی حیثیت کا کوئی اور جانشین ہو۔ وہ اس روحانی سلطنت کے خود جانشین بننا چاہتے تھے۔ اس صورتِ حال سے آگاہ غلام نے بزرگ سے دست بستہ عرض کی۔ ''یا حضرت! رب کائنات آپ کو تادیر سلامت رکھے۔ تاہم موت برحق ہے۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ اپنے بیٹوں کو خلافت عطا فرمائیں۔ اگر مجھے آپ نے اپنا خلیفہ نامزد کیا تو آپ کے بیٹے مجھے سجادہ نشینی نہیں کرنے دیں گے۔ میرے خلاف ریشہ دوانیاں کر کے مجھے بدنام کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں کمزور انسان ان کا مقابلہ نہیں کرسکوں گا لہٰذا میں معافی چاہتا ہوں اور آپ کا خلیفہ بننے کے لیے معذرت کا طلبگار ہوں۔ اگر آپ میری بھلائی چاہتے ہیں تو میری یہ درخواست قبول ومنظور فرمایئے۔''

بزرگ نے کہا۔ ''میرا یہ فیصلہ آخری اور اٹل ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی ذرہ بھر بھی گنجائش نہیں۔ میرا یہ فیصلہ عوام الناس اور خاص طور پر میرے ارادت مندوں کی بھلائی میں ہے۔ میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں۔ چاہے کچھ بھی ہو میرا غلام زیرک ہی میرا جانشین، سجادہ نشین اور خلیفہ ہوگا۔''

بزرگ کے غلام زیرک نے پھر عرض کی۔ ''یا حضرت! میرے حال پر کچھ کرم فرمایئے اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی کیجیے۔ میں تاحیات آپ کے اس احسان کا شکر گزار رہوں گا۔'' مگر بزرگ نے پھر کہا۔ ''زیرک! تم ہی میرے جانشین ہو۔ تمہیں کسی صورت بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اگر میرے بیٹوں نے تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو رب تعالیٰ کی مدد و اعانت سے میں ان

کے شر کو دفع کر دوں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔'' اس پر بزرگ کے غلام زیرک کو قدرے تسلی ہوئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

دو روز بعد اس بزرگ کا انتقال ہوا تو اس کے ارادت مندوں نے بزرگ کی وصیت و نصیحت کے مطابق بزرگ کے غلام زیرک کو خلیفہ تسلیم کرتے ہوئے اسے سجادہ نشین کر دیا۔ جیسے ہی بزرگ کے لڑکوں کو اس بات کا علم ہوا کہ ان کے والد کے غلام کو ارادت مندوں نے خلافت کی گدی پر بٹھا دیا ہے تو وہ سخت ناراض ہوئے۔ وہ دوڑے ہوئے آئے اور بھری محفل میں زیرک کی بے عزتی کی۔ عقیدت مند انہیں سمجھاتے رہے مگر انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی۔ وہ گرج کر بولے۔ ''یہ تو ہمارا غلام ہے۔ ہمارا نوکر ہے۔ ہمارے حکم کی تعمیل و تکمیل کرنے والا ہے۔ یہ کیسے خلیفہ ہوسکتا ہے۔ اسے یہ کیسے جرأت ہوئی کہ اس نے ہمارے والد کی سجادہ نشینی اختیار کر لی۔''

ارادت مندوں نے کہا۔ ''اب بھی وہ آپ کے والد محترم کے حکم کی تعمیل میں ہی مسند خلافت پر بیٹھا ہے۔ آپ کے والد نے یہی وصیت کی تھی اور ہم اس کے گواہ ہیں۔ اس نے تو خلافت قبول کرنے سے یکسر انکار کر دیا تھا مگر آپ کے والد محترم کے اصرار پر اس نے ایسا کیا ہے۔ اس میں اس کی ذاتی مرضی ومنشاء قطعی طور پر شامل نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس کی خواہش وآرزو رکھتا ہے۔''

مگر بزرگ کے لڑکوں نے کسی کی بات پر کان نہ دھرا اور صبح وشام زیرک کو زچ کرنے لگے۔ بات بات پر اور موقع بے موقع اس کی تحقیر وتذلیل کرتے۔ ایک دن زیرک بہت تنگ ہوا تو وہ سیدھا اپنے پیرومرشد اس بزرگ کی قبر پر گیا اور زاروقطار روتے ہوئے کہا۔ ''اے میرے پیرومرشد! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھ سے اپنے لڑکوں کے شر کو رفع کر دیں گے۔ اب میری قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ آپ اپنا وعدہ ایفا کیجیے اور مجھے اپنے لڑکوں کے شر سے بچایئے کیونکہ اب وہ میری جان لینے کے درپے ہیں اور اس قسم کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔''

چند دنوں بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ غزنی پر کفار کے ایک لشکر نے حملہ کر دیا۔ دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر نوجوان سر پر کفن باندھے میدان جنگ میں کود پڑا۔ بزرگ کے چاروں لڑکوں نے بھی اس جنگ میں بھرپور حصہ لیا اور چاروں شہید ہو گئے۔ اس طرح خلافت کا کوئی بھی امیدوار باقی نہ رہا۔ یوں زیرک نے ہی پُرسکون طریقے سے خلافت کی اور یہ اس بزرگ کا ہی فیض تھا اور دعا تھی کہ اس کے لڑکوں کو شہادت نصیب ہوئی اور اس کے غلام کو اس کی خلافت کا منصب ملا۔''

اسی طرح ایک روز حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے مجلس درس میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ ''میرے ایک دوست کسی جگہ جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے ایک درویش کو دیکھا کہ جس کا پیٹ فاقوں کی وجہ سے کمر سے لگا ہوا تھا۔ میرے دوست نے اسے تانبے کا ایک سکہ دینا چاہا تو اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ''جناب! آج میں نے کٹھل نامی ایک جنگلی پھل خوب جی بھر کر کھا ہے اس لیے آج مجھے اس سکے کی ضرورت نہیں۔ یہ کسی ضرورت مند کو دے دو۔''

خوب جی بھر کر کھا ہے اس لیے آج مجھے اس سکے کی ضرورت نہیں۔ یہ کسی ضرورت مند کو دے دو۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس واقعہ سے یہ حقیقت زیادہ سمجھ میں آتی ہے کہ صبر کیا ہوتا ہے اور قناعت کیا ہوتی ہے۔ اس درویش کو کئی روز تک کھانے کو کچھ نہ ملا تو اس نے کمال صبر کا مظاہرہ کیا اور جس دن رب کریم و رحیم نے اسے رزق عطا فرما دیا اور اس نے جی بھر کر کھا لیا تو اس نے اسی پر قناعت کی اور آنے والے کل کی فکر نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے سکہ لینے سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ اسے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب صبر اور قناعت کا آپس میں میل ہوتا ہے تو اس ملاپ کو ''ترکِ دنیا'' کہتے ہیں ''ترکِ دنیا'' کا صرف اور صرف یہی مفہوم ہے کہ انسان صبر اور قناعت سے کام لے اور صرف رب رازق و رزاق پر توکل کرے۔''

ایک اور مجلس درس میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مردِ قلندر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ ''ایک ملک میں ایک مردِ قلندر رہتے تھے۔ حاکمِ سلطنت نے ان سے ملنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے انہیں اپنے دربار میں بلا بھیجا مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اب حاکمِ سلطنت نے اس مردِ قلندر کی جھونپڑی میں خود پہنچ کر ملاقات کرنے کا ارادہ کیا اور چل پڑا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک غلام بھی تھا۔ جب وہ حاکمِ سلطنت اس مردِ قلندر کی جھونپڑی کے قریب پہنچا تو اس کے غلام نے دوڑ کر اس مردِ قلندر کو اطلاع دی کہ حاکم سلطنت آپ سے ملنے کے لیے آ رہے ہیں۔ اس وقت وہ مردِ قلندر اپنے خرقے کو پیوند لگا کر انہیں سوئی دھاگے سے جوڑ رہے تھے۔

حاکمِ سلطنت کی اطلاع پر انہوں نے کوئی کان نہ دھرا اور اپنے کام میں مصروف رہے۔ اتنے میں حاکم اس مردِ قلندر کی جھونپڑی میں داخل ہوا۔ مردِ قلندر نے اسے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا بلکہ برابر سوئی چلاتے رہے۔ حاکمِ سلطنت نے سلام کیا تو مردِ قلندر نے جواب دے دیا۔ اب حاکم وقت نے اس مردِ قلندر سے کئی اسلامی اور اصلاحی و فلاحی مسائل پوچھے اور مشورے طلب کیے اور مردِ قلندر اس کے ہر سوال کا تسلی بخش جواب بھی دیتے رہے اور خرقے کی پیوند کاری بھی کرتے رہے۔ کسی نے اس مردِ قلندر سے بعد میں پوچھا کہ آپ حاکم سلطنت کے نہ تو احترام میں کھڑے ہوئے اور نہ ہی ان کے آنے پر اپنا کام روکا۔ اس مردِ قلندر نے کہا۔ ''جن لوگوں کو حاکم وقت سے مقصد و مطلب ہوتا ہے وہ کھڑے بھی ہوتے ہیں اور اپنے جاری کام بھی روک لیتے ہیں۔ مجھے حاکمِ سلطنت سے کیا کام ہو سکتا ہے؟ کارساز تو صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات ہے۔ دوسرے یہ کہ مجھے دنیا کی کوئی طلب تو ہے نہیں جو میں حاکمِ سلطنت کے آداب بجا لاتا پھروں۔ اصل حاکم صرف اور صرف خدائے بزرگ و برتر ہے۔ وہی رب العالمین ہے۔ وہی سب سے بڑا ہے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں کو یہ واقعہ سنا کر اس بات کی نصیحت کی کہ حکام وقت کی جائز و ناجائز خوشامد کرنا، ان کی تعریف میں رطب اللسان ہونا اور ان سے مفادات وابستہ کرنا مومن کی شان نہیں۔ مومن صرف اور صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کے آگے

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنے ارادت مندوں کو اس بات کی تعلیم بھی دیتے تھے کہ جب تک کوئی مرید اپنے پیر و مرشد کی ہدایات پر کامل عمل نہیں کرتا وہ راہِ راست کی تلاش میں ناکام رہتا ہے۔ جسے رہبر و رہنما تسلیم کیا ہے اسے زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر تسلیم کیا جائے۔ اس کے ہر فرمان پر عمل کیا جائے اور اس کی ہر ہدایت اور ارشاد کو بلا حیل و حجت اپنی زندگی کا مقصد و محور بنایا جائے۔

آپ نے ایک دفعہ مجلسِ درس میں اس حوالے سے مشہور بزرگ حضرت خواجہ اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا۔ ''ایک شخص حضرت خواجہ اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کا مرید ہوا۔ خواجہ اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کسی کو مرید کرنے کے بعد اسے کوئی نصیحت، وظیفہ یا تلقین سے نوازا کرتے تھے۔ آپ نے اس مرید سے کہا کہ تمہارے لیے نصیحت یہ ہے کہ تم دوسروں کے لیے بھی وہی چیز پسند کیا کرو جو اپنے لیے پسند کرو۔ اس مرید کی خواہش تھی کہ پیر و مرشد اسے کوئی وظیفہ بتائیں مگر آپ نے اسے یہ نصیحت فرما کر پھر کسی وقت آنے کا کہا۔

وہ شخص مرید ہو کر اور نصیحت سن کر چلا گیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پھر اس نے وہی تقاضا کیا کہ اسے کسی وظیفے سے نوازا جائے۔ حضرت خواجہ اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے کہا:

''میاں! پہلے روز جو نصیحت تمہیں کی تھی کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرو وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرو مگر تم نے اس نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ اب تم خود ہی بتاؤ کہ جس مرید نے پہلا سبق ہی یاد نہ رکھا ہو اور اس پر عمل نہ کیا ہو تو اسے دوسرا سبق کیسے دیا جا سکتا ہے؟ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ پہلے میری اس نصیحت پر مکمل طور پر عمل کرو جو پہلے دن تمہیں کی تھی۔ اس کے بعد تمہیں کوئی دوسرا سبق طلب کرنا اچھا لگے گا۔ اگر میں تمہیں وظیفہ بتا دوں تو تم اس کا بھی یہی حشر کرو گے جو تم نے میری پہلی نصیحت کا کیا ہے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں جو بھی نذر نیاز آتی تھی وہ روزانہ کے لنگر پر خرچ ہوتی تھی اور اس میں سے اگر کچھ بچ رہتا تھا تو غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ لنگر کے وقت جب تمام لوگ کھانے سے فارغ ہو جاتے تھے تو پھر آپ اپنے لیے کھانا منگواتے تھے اور اکثر وہی کھانا ہوتا تھا جو لنگر میں تقسیم ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات آپ نے اپنے لیے اس سے بھی کم تر درجے کا کھانا پکواتے تھے۔ آپ ابلی ہوئی ترکاری پسند فرماتے تھے اور بعض دفعہ کھانا کھاتے ہوئے رو پڑتے تھے۔ آپ کے ارادت مندوں نے کہا۔ ''یا حضرت! آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا ہے تو آپ روتے کیوں ہیں؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''میں ان غریبوں، بیواؤں، مسکینوں کے بارے میں سوچتا ہوں۔ خدا معلوم انہیں کھانا ملا ہو گا یا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مسجدوں، بازاروں اور

گھروں میں لوگ فاقہ کشی کر رہے ہوں اور ہم یہاں کھانا کھا رہے ہوں۔ بس اس خیال کے آتے ہی مجھے رونا آ جاتا ہے اور پھر میری بھوک ختم ہو جاتی ہے اور کھانے کو ہاتھ لگانے کو جی نہیں چاہتا۔

آپ اپنے عقیدت مندوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ:

''کھانا پینا، سونا اور غصہ کرنا حیوانی صفات ہیں۔ مکر و فریب، فتنہ اور سازش شیطانی صفات ہیں۔ جس شخص میں یہ صفات ہوں وہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی معرفت کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ معرفت الٰہی کے لیے فاقہ کشی، عبادت و ریاضت، صبر و رضا اور قربانی و ایثار چاہیے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قربت حاصل کرنے کے لیے راحت و آرام کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ دل کی خواہشات اور آرزوؤں کو ختم کرنا پڑتا ہے۔ جس دل میں رب تعالیٰ جل شانہٗ رہتے ہیں اس میں دنیا نہیں رہ سکتی اور جہاں دنیاوی خواہشات ہوں وہاں رب تعالیٰ جل شانہٗ کی محبت کیسے بسیرا کر سکتی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ لمحہ لمحہ اپنے رب کی یاد کو دل میں تازہ رکھے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رضا پر راضی رہے اور کبھی بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے کیونکہ غلام کو یہ حق کسی طرح بھی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے مالک سے شکوہ کرے۔ اسے ہر حال میں شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر ہی انسان کو اعلیٰ درجات تک پہنچاتا ہے اور جو شخص شکر کرتا ہے اور ہر حال میں شاکر رہتا ہے وہی کامیاب اور بامراد ہوتا ہے۔''

☆=====☆=====☆

وقت نے نئی کروٹ لی۔ زمانے کا رنگ بدلا۔ تاریخ نے ایک عجب موڑ لیا۔ لمحے تبدیل ہوئے اور ساعتیں نیا رخ اختیار کر گئیں تو 6 شوال 716 ہجری کی ایک اندھیری شب کو سلطان علاؤالدین خلجی کی حیاتِ ناپائیدار میں مکمل تاریکی چھا گئی۔ جسم زمین پر رہ گیا جبکہ روح نے عالم بالا کا سفر اختیار کیا۔ سلطان علاؤالدین خلجی کی موت کے بعد اقتدار کا گھناؤنا کھیل شروع ہوا اور بالآخر خدائے لم یزل نے علاؤالدین خلجی کے چوتھے بیٹے قطب الدین شاہ مبارک کو تخت نشین کر دیا۔

قطب الدین شاہ مبارک ایک عجیب و غریب قسم کی طبیعت و مزاج کا نااہل انسان تھا۔ وہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے خواہ مخواہ کی رنجش رکھتا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کے دونوں بھائی حضرت خان اور شادی خان آپ رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے اور اسے یہ بات سخت ناپسند تھی۔ دوسرے وہ لمحہ لمحہ اس خوف و پریشانی میں گھرا رہتا تھا کہ کہیں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنے اثر و رسوخ اور عزت و عظمت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے درباری امراء مصاحبین اور فوج کے سپاہیوں کو اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ نہ کر دیں۔ یہ دونوں باتیں اس کی محض خام خیالی تھی تاہم اس کے کچھ چاپلوس اور خوشامدی قسم کے درباری اس کی اس بات کو ہوا بھی دیتے تھے اور اسے مشورہ بھی دیتے تھے کہ وہ اپنا کوئی نہ کوئی دفاعی بندوبست کرے۔

کافی سوچ بچار اور مصاحبین سے طویل صلاح مشورہ کے بعد یہی فیصلہ کیا گیا کہ حضرت نظام

الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا جائے چنانچہ قطب الدین شاہ مبارک کی طرف سے آپ کو ایک سربمہر خط موصول ہوا۔ جس میں لکھا تھا:

''محترم جناب نظام الدینؒ! میری خواہش اور دلی تمنا ہے کہ آپ فوری طور پر بلا تاخیر اور حیل و حجت دہلی چھوڑ دیں اور جہاں آپ کا جی چاہے وہیں چلے جائیں کیونکہ دہلی میں آپ کا قیام میری حکومت اور سلطنت کے لیے ایک مستقل خوف و خطرہ بنا ہوا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ہماری کسی قسم کی لڑائی ہو۔ آپ کا عوام اور خاص طور پر خواص میں اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے۔ لوگ آپ کی بات کو اہمیت و وقعت دیتے ہیں اور اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ آپ اپنے اس اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے سلطنت پر قبضہ کرنے کے لیے میرے درباریوں اور سپاہیوں کو بغاوت پر اکسائیں گے۔ اس سے پہلے کہ آپ کی طرف سے ایسا عمل ہو بہتر یہی ہے کہ آپ اس شہر سے فوری تشریف لے جائیں۔ آپ جس شہر میں بھی جائیں گے ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے خط پڑھ کر قطب الدین شاہ مبارک کے قاصد سے صرف اتنا کہا۔ ''اپنے سلطان سے کہہ دو کہ میں ایک درویش اور فقیر ہوں۔ ایک جگہ پر رب تعالیٰ جل شانہٗ کی زمین پر لوگوں کی اصلاح و فلاح میں مصروف رہتا ہوں۔ مجھے تو صرف اپنے مالک و قادر رب تعالیٰ جل جلالہٗ کی خوشی و خوشنودی چاہیے۔ مجھے دنیاوی حکومت و سلطنت سے کوئی سروکار نہیں۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ قطب الدین شاہ مبارک کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر اکساؤں۔ جو مزہ فقیری میں ہے وہ بادشاہی میں نہیں۔ میں نے حکومت لے کر کیا کرنی ہے؟ میری طرف سے سلطان کو کسی قسم کی فکر نہیں کرنا چاہیے۔ اس کو چاہیے کہ وہ غریبوں، محتاجوں، حاجت مندوں اور بے کسوں کی امداد و اعانت کرے اور مخلوقِ خدا کی دعائیں لے۔ اس غلط قسم کے خوف و خطر میں مبتلا نہ ہو۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی کھلی اور واضح باتوں کے باوجود قطب الدین شاہ مبارک کا دل صاف نہ ہوا بلکہ اس کے دل میں آپ کے بارے میں کدورت و کینہ بڑھتا گیا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اس نے ہر موقع پر برسرِ عام آپ کے خلاف طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں۔ جس بات کا الزام وہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو دیتا تھا وہی کام اس نے خود کرنا شروع کر دیا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ عوام و خواص کو آپ کے خلاف بھڑکایا جائے مگر لوگوں پر اس کی اس دشمنی و مخالفت اور ناجائز الزام تراشی کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا بلکہ لوگ الٹا اسی کے خلاف ہوتے گئے کیونکہ وہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے۔

عوام الناس اور خواص کو اس بات کا علم بھی تھا اور تجربہ بھی کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کبھی بھی سلطان کے خلاف کوئی بات نہیں کی بلکہ اگر کسی اور نے اس بات کو چھیڑا ہے تو

آپ نے اسے سختی سے یہ کہہ کر منع کر دیا ہے کہ ''غیبت بہت بڑا گناہ ہے۔ اس سے بچ کر رہو۔ شیطان یہی حربہ استعمال کر کے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے لڑاتا ہے۔ اس لیے شیطان کے چکر میں نہ آؤ۔''

اور جب سلطان قطب الدین مبارک کی گستاخیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ انتہائی تکلیف دہ خفیہ بیماریوں میں مبتلا ہو گیا۔ اس کا پیشاب بند ہو گیا اور وہ اس تکلیف میں اس قدر بے تاب ہوا کہ اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

سلطنت کے بڑے بڑے حکماء اور طبیبوں کی خدمات حاصل کی گئیں مگر سب نے متفقہ فیصلہ دیا کہ بیمار سلطان کسی صورت بھی صحت یاب نہیں ہو سکتا۔ سلطان کی تکلیف کی شدت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور اس کی چیخوں سے محل کے در و دیوار گونجتے تھے۔ تین دن یونہی گزر گئے۔ کوئی دوا کارگر ثابت نہ ہوئی۔ آخر شاہی حکماء نے سلطان کی والدہ سے کہا کہ سلطان کی زندگی سخت خطرے میں ہے۔ دوا بالکل کام نہیں آ رہی اب صرف دعا ہی سلطان کو صحت یاب کر سکتی ہے۔ اگر سلطان کی تکلیف ایک دو دن میں رفع نہ ہوئی تو پھر نتائج بھیانک ہوں گے۔ اگر آپ اس سلسلہ میں کچھ کر سکتی ہیں تو فوری کیجیے کیونکہ وقت نکلتا جا رہا ہے۔ بعد میں پچھتانے سے بہتر ہے کہ ابھی سے ہی دعا کا انتظام کر لیا جائے۔

سلطان کی والدہ نے فوری طور پر حضرت شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ سے رجوع کیا اور ان سے دعا کرنے کی درخواست کی کیونکہ عام طور پر یہی مشہور تھا کہ حضرت شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ ہی کی دعاؤں سے سلطان قطب الدین شاہ مبارک کو اقتدار حاصل ہوا۔ حضرت شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ نے رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور دست بستہ دعا کی مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ سلطان کی بیماری لحظہ بہ لحظہ پیچیدہ صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔

سلطان کی والدہ اپنے بیٹے کی لادوا بیماری سے سخت پریشان تھی۔ سلطان کی والدہ کو انتہائی پریشانی اور دکھی حالت میں دیکھ کر ایک شاہی خادم سے رہا نہ گیا اور اس نے بڑھ کر سلطان کی والدہ کو بتایا۔ ''شاید آپ کو علم نہیں کہ سلطان اکثر حضرت نظام الدین اولیاء کی شان میں گستاخیاں کیا کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ سلطان کی یہ بیماری انہی گستاخیوں کا نتیجہ ہی نہ ہو۔ میری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ جب تک حضرت نظام الدین اولیاء سے دعا نہیں کرائی جائے گی سلطان ٹھیک نہیں ہوں گے۔''

سلطان قطب الدین شاہ مبارک کی والدہ کے لیے یہ خبر بالکل نئی تھی مگر صحیح تھی۔ وہ فوراً اپنے بیٹے سلطان قطب الدین شاہ مبارک کے پاس پہنچی اور اس سے کہا۔ ''بیٹا قطب الدین! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم حضرت نظام الدین اولیاء کی شان میں بے ادبی اور گستاخیاں کرتے رہے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس بیماری نے تمہارے لیے بہت بڑی مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ اگر تم بیماری سے شفا چاہتے ہو تو حضرت نظام الدین اولیاء کی دعا لو۔ ان سے اپنی گستاخیوں کی معافی طلب کرو اور اپنی صحت

یابی کی دعا کے لیے ان سے درخواست کرو۔ رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے تم ضرور صحت یاب ہو جاؤ گے۔''

والدہ کی اس تجویز پر سلطان قطب الدین شاہ مبارک بھڑک اٹھا اور کہنے لگا۔ ''میں ان درویشوں اور فقیروں کو نہیں مانتا۔ میری بیماری کا تعلق حضرت نظام الدین اولیاء کی شان میں گستاخیوں اور ان کی ناراضی سے قطعاً نہیں۔ میں کسی طور پر بھی ان سے معافی نہیں مانگوں گا اور نہ ہی دعا کے لیے کہوں گا۔ کبھی دعا سے بھی بیماری ٹھیک ہوئی ہے۔''

والدہ نے جب یہ دیکھا کہ سلطان قطب الدین شاہ مبارک کسی طور اس بات پر رضامند نہیں کہ حضرت نظام الدین اولیاء سے اپنے کیے کی معافی مانگے اور ان سے دعا کے لیے درخواست کرے تو وہ ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود ہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچ گئی۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان کی والدہ کا تپاک سے خیر مقدم کیا۔ سلطان کی والدہ نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کی۔ ''حضرت! میرا بیٹا آپ کی شان میں گستاخیاں کرتا رہا ہے۔ میں اس کی طرف سے معافی چاہتی ہوں۔ اسے معاف کر دیجیے۔ اب وہ ایک لادوا بیماری میں مبتلا ہے اور ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ آپ اس کی صحت یابی کے لیے دعا کیجیے۔ میں آپ کی تاحیات شکر گزار رہوں گی۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان کی والدہ کی بات سنی مگر خاموش ہو گئے۔ سلطان کی والدہ نے پھر درخواست کی۔ ''یا حضرت! آپ رحمدل ہیں اور رحیم و کریم کے بندے ہیں۔ سلطان ایک نادان، بے وقوف اور بے عقل ہے۔ اسے آپ کی قدر و قیمت معلوم نہیں۔ اس کی گستاخیوں کا خیال نہ کیجیے بلکہ اپنے دامنِ فراخدلی کو دیکھیے اور کھلے دل کے ساتھ اسے معاف فرما دیجیے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس بار بھی خاموشی اختیار کی تو سلطان کی والدہ نے پھر دست بستہ عرض کی۔ ''یا حضرت! سلطان کو معاف کر دیجیے۔ ایک بے وقوف شخص کی زندگی کا سوال ہے۔ ایک نادان زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ خدا کے نام پر اسے معاف کر دیجیے۔''

اب حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اس کی معافی کی ایک شرط ہے۔ وہ منظور ہو تو معافی مل سکتی ہے۔'' سلطان کی والدہ نے پوچھا۔ ''یا حضرت! میں ہر شرط پوری کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے میرا بیٹا صحت مند اور صحیح سلامت چاہیے۔ بتائیے وہ کیا شرط ہے؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''سلطان کو اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ میں اس سے سلطنت چھین لوں گا حالانکہ ہم درویشوں کا سلطنت سے کیا کام تاہم جس سلطنت کی

وجہ سے وہ میرے بارے میں گستاخیاں کرتا ہے وہ نہ رہے گی تو اس کی گستاخیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ اس کا واحد حل یہی ہے کہ سلطان سے کہو کہ وہ اپنی تمام سلطنت میرے نام لکھ دے۔ نہ سلطنت اس کے پاس ہوگی اور نہ اسے اس کے جانے کا ڈر ہوگا اور نہ ہی وہ میرے خلاف باتیں بنائے گا۔"

سلطان کی والدہ عجیب کیفیت سے دوچار ہوگئی۔ اسے مکمل یقین نہیں تھا کہ اس کا بیٹا حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی اس شرط کو مان جائے گا۔ وہ مخمصے میں مبتلا اپنے بیٹے کے پاس پہنچی اور کہا۔ "بیٹا! حضرت نظام الدین اولیاء کے فرمان کے مطابق تمہارا اور ان کا جھگڑا محض سلطنت کی وجہ سے ہے۔ سلطنت کے چلے جانے کے خوف سے تم ان کے خلاف باتیں بناتے رہتے ہو۔ اس لیے ان کی شرط ہے کہ تم تمام سلطنت ان کے نام لکھ دو تو وہ دعا فرمائیں گے اور رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے تم صحت مند ہو جاؤ گے۔"

سلطان قطب الدین شاہ مبارک بیماری کی تکلیف برداشت کرتے کرتے اب عاجز آچکا تھا۔ تکلیف سے اس کی جان نکلی جاتی تھی۔ اب اس کا سارا غرور مٹ چکا تھا۔ سلطان کی والدہ کی توقع کے برخلاف اس نے فوراً کہا۔ "امی جان! میں آپ کو نہیں بتا سکتا کہ میں کس تکلیف اور اذیت میں مبتلا ہوں۔ اب سب کچھ میری قوتِ برداشت سے باہر ہو چکا ہے۔ میں حضرت نظام الدین اولیاء کو تمام سلطنت لکھ دینے کو تیار ہوں۔"

سلطان کی والدہ دوڑی ہوئی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گئی اور کہا۔ "یا حضرت! سلطان اپنی ساری سلطنت آپ کو دینے کو تیار ہے۔ اب تو آپ دعا کیجیے۔" سلطان کی والدہ سے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ "میں زبانی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ اپنے بیٹے سے کہو کہ وہ حکومت سے دستبردار ہونے اور سلطنت میرے نام کرنے کی دستاویز لکھوائے۔ اس پر اپنی شاہی مہر لگائے۔ مزید یہ کہ تمام وزراء اور مصاحبین سے اس پر ان کی تصدیق کرائے۔ پھر وہ دستاویز جب مکمل ہو جائے تو میرے پاس بھجوائے اس کے بعد میں دعا کروں گا۔"

دراصل حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ چاہتے تھے کہ سلطان کا غرور اور تکبر ختم کیا جائے اسی لیے آپ نے ایسی شرط رکھی تھی۔ سلطان کی والدہ نے کہا۔ "حضرت! آپ تو تارک الدنیا ہیں۔ آپ کو حکومت اور سلطنت کی کیا ضرورت ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ جیسا نیک اور ولی اللہ ایسی شرط پر کیوں اصرار کر رہا ہے؟"

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ میں دنیا کا تارک ہوں مگر میں دوسرے دنیا داروں سے دنیا ترک کرانے والا بھی ہوں۔ جب تک سلطان اپنی ہوسِ دنیا کو ترک نہیں کرے گا میں اس کے حق میں دعا نہیں کروں گا۔ اور دنیا کو ترک کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ سلطان اپنی تمام سلطنت میرے نام لکھ دے کہ جس کام سے وہ ڈرتا اور خوف کھاتا ہے میں

اسے وہی کام کرانا چاہتا ہوں۔"

سلطان کی والدہ فوراً اپنے بیٹے کے پاس پہنچی اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی شرط سے اپنے بیٹے کو مطلع کیا۔ سلطان قطب الدین شاہ مبارک نے اسی لمحے تمام مشیروں اور وزیروں کو بلا بھیجا اور ان سے کہا۔ "حضرت نظام الدین اولیاء جس طرح کی دستاویز چاہتے ہیں وہ فوراً تیار کرو۔ شاہی مہر لگاؤ اور اپنی تصدیق کر کے اسے مکمل کرو۔ مجھے مرنے سے بچا لو۔ موت میرے قریب اور بہت قریب ہے۔ جلدی کرو تا کہ میں اس بیماری سے نجات پاؤں۔"

جب تمام مشیر اور وزیر اکٹھے ہوئے تو دستاویز لکھی گئی جس کی تحریر تھی کہ میں سلطان قطب الدین شاہ مبارک ولد سلطان علاؤ الدین خلجی بدرستی ہوش وحواس خمسہ اور برضا و رغبت رب تعالیٰ جل شانہٗ کو حاضر ناظر جان کر کسی اندرونی و بیرونی دباؤ کے بغیر اس بات کا اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ میں نے اپنی حکومت اور سلطنت کے جملہ اختیارات حضرت نظام الدین اولیاء کے حوالے کیے۔ آج سے حضرت نظام الدین ہی اس ملک کے حکمران و سلطان ہوں گے اور ان کا ہی ہر حکم نافذ العمل ہوگا۔ تمام کارکنانِ حکومت اور عوام و خواص ان کا حکم ماننے کے پابند ہوں گے۔"

اس دستاویز پر سلطان قطب الدین شاہ مبارک کی شاہی مہر لگائی گئی۔ تمام مشیروں اور وزیروں نے تصدیقی دستخط کیے اور پھر یہ دستاویز سلطان کی والدہ کے سپرد کی گئی تا کہ وہ دستاویز حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچائیں۔

سلطان قطب الدین شاہ مبارک کی والدہ نے وہ دستاویز لی اور دوڑی ہوئی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچی۔ اور آپ کو وہ دستاویز پیش کی۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے وہ دستاویز ملاحظہ کی اور کچھ دیر خاموشی اختیار کرنے کے بعد اسے سلطان کی والدہ کو واپس کر دیا اور کہا۔ "سلطان سے کہو کہ ہماری شرط پوری ہوگئی۔ اس دستاویز کو چاہے تو پھاڑ دے۔ ہم دعا کیے دیتے ہیں ان شاء اللہ وہ رب کریم و رحیم کے فضل و کرم سے صحتِ کاملہ پائے گا۔"

سلطان قطب الدین شاہ مبارک کی والدہ وہ دستاویز واپس لے کر اپنے سلطان قطب الدین شاہ مبارک کے پاس پہنچی اور بیٹے کو وہ دستاویز واپس کی۔ اب سلطان کی تکلیف بالکل ہی رفع ہو گئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سلطان کو کبھی بیماری نے چھوا تک نہ ہو۔ خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ محل کے تمام کارندے، وزیر، مشیر، درباری اور جملہ اراکین و کارکنان حکومت و سلطنت مبارکبادیوں کے ڈھیروں گلدستے نچھاور کرنے لگے۔ ہر شخص اپنے اپنے طریقے سے خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اس موقع پر سلطان نے بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا جس میں اکابرین سلطنت نے شرکت کی۔

جب سلطان ان تمام دعوتوں اور مسرتوں کے اہتمام و انتظام سے فارغ ہوا تو سلطان کی والدہ اپنے بیٹے کے پاس پہنچی اور بیٹے سے کہا۔

"بیٹا! تُو نے دیکھا کہ ولی اللہ کتنے اعلیٰ و ارفع درجے کے مالک ہوتے ہیں۔ حضرت نظام

''بیٹا! تُو نے دیکھا کہ ولی اللہ کتنے اعلیٰ و ارفع درجے کے مالک ہوتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی دعا سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں صحت کاملہ و عاجلہ عطا کی۔ تم لمحوں میں ٹھیک ہو گئے اور بیماری ایسے غائب ہوئی جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔ اللہ کے نیک بندے جس کے حق میں چاہیں دعا فرمائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سنتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے تو بگڑے کام سنور جاتے ہیں۔

بیٹا! تُو نے یہ بھی دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نیک بندوں کو سلطنت اور حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے جو دستاویز تم سے لکھوائی تھی وہ صرف تمہاری نصیحت کے لیے تھی ورنہ انہیں اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسے فوری طور پر واپس کر دیا اور اب تمہاری سلطنت تمہارے پاس ہی ہے۔ اب تجھے چاہیے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کر اور حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کا شکریہ ادا کر۔''

اپنی والدہ محترمہ کی نصیحت و حکم سن کر سلطان قطب الدین شاہ مبارک کے چہرے پر پہلے تو ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی پھر وہ کھلکھلایا اور پھر زور زور سے قہقہے لگانے لگا مگر اس کے ان قہقہوں میں طنز کی کڑواہٹ اور ریاکاری کا زہر بھرا تھا۔ وہ اپنی چند لمحے پہلے کی حالت یکسر بھول چکا تھا۔ اس نے جرأت و دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی والدہ ماجدہ سے کہا۔ ''امی جان! آپ کو کیا معلوم کہ سلطانی کیا ہوتی ہے اور بادشاہت کس کو کہتے ہیں۔ یہ سب میری حکمتِ عملی، دانشمندی اور سیاست تھی کہ میں نے اس میں کامیابی و کامرانی حاصل کی۔ مجھے شفا تو دواؤں سے ملی ہے اس میں حضرت نظام الدین اولیاء کا کیا کمال ہے۔ ان کی دعا سے کیا ہوتا ہے۔''

سلطان قطب الدین شاہ مبارک کی والدہ نے اپنے بیٹے کے منہ سے یہ کلمات سنے تو وہ کپکپا کر رہ گئی۔ اس نے لرزتی زبان سے کہا۔ ''بیٹا! اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تجھے سلامت رکھیں۔ یہ تُو کیا کہہ رہا ہے۔ تُو احسان فراموشی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ دراصل تُو حضرت نظام الدین اولیاء کی رب کائنات کے حضور مانگی گئی دعا ہی سے صحت یاب ہوا ہے۔ ابھی چند لمحے پہلے تیری کیا حالت تھی۔ تُو نے اتنی جلدی سب کچھ بھلا دیا۔''

سلطان قطب الدین شاہ مبارک نے کہا۔ ''والدہ محترمہ! دراصل اس نے مجھ سے چال چلی اور میں نے بھی اس کی چال کا جواب اس سے بڑی چال سے دیا اور یوں میری چال کامیاب رہی۔ میں نے جو دستاویز لکھوائی تھی وہ دیکھنے میں تو مکمل تھی مگر وہ کسی کے کام کی نہیں تھی اسی لیے نظام الدین اولیاء نے واپس کر دی۔''

سلطان کی والدہ نے سلطان کو ڈانٹ کر کہا۔ ''خاموش ہو جاؤ احسان فراموش! مجھے تجھ سے ایسی توقع قطعاً نہیں تھی کہ تُو اس قدر صاف صاف احسان فراموشی بھی کرے گا اور پھر اس پر غرور بھی کرے گا۔ تُو نے تو یہ بھی نہیں سوچا کہ تیرا والد حضرت نظام الدین اولیاء کا کتنا معتقد و مرید تھا۔

اگرچہ تُو اپنے آپ کو بہت عقل مند سمجھ رہا ہے مگر تیری عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اپنے دربار کے امراء، وزراء اور عوام الناس کو ہی دیکھ لے۔ سب حضرت نظام الدین اولیاء کے ارادت مند و عقیدت مند ہیں۔ انہیں جب پتہ چلے گا کہ تُو ان کے خلاف بولتا ہے تو وہ تیرے خلاف ہو جائیں گے اور سلطنت میں کوئی بھی تیری عزت نہیں کرے گا۔''

اب سلطان قطب الدین شاہ مبارک قدرے جلال میں آ گیا اور کہنے لگا۔ ''مادر گرامی! مجھے صرف اپنے بازوؤں کی طاقت اور اپنی حکمتِ عملی پر بھروسہ ہے۔ مجھے کسی کی پروا نہیں۔ یہ امراء اور وزراء سب میرے پروردہ ہیں۔ یہ عوام میرے احسانوں کے بوجھ تلے دبے ہیں۔ کوئی بھی میرے خلاف نہیں بول سکتا۔ یہ سب آپ کا وہم ہے۔ کچھ بھی نہیں ہوگا۔''

والدہ محترمہ نے پھر سمجھایا۔ ''بیٹا قطب الدین! اتنا غرور نہ کر۔ غرور ہمیشہ مات کھاتا ہے۔ غرور کا سر ہمیشہ نیچا رہتا ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ توبہ کر لے اور حضرت نظام الدین اولیاء کے پاس جا کر ان کا شکریہ ادا کر۔''

سلطان قطب الدین شاہ مبارک یک دم غصے میں آ گیا اور کہنے لگا۔ ''میں ان کا ایسا شکریہ ادا کروں گا کہ دنیا دیکھے گی کہ سلطان نے اپنے راستے کا کانٹا کیسے صاف کیا ہے۔'' جیسے ہی سلطان قطب الدین شاہ مبارک نے یہ کلمات ادا کیے اس کی والدہ نے لاحول پڑھا اور وہاں سے چل دی اسے یقین ہو چلا تھا کہ اس کا بیٹا اب کسی صورت ٹھیک نہیں ہو سکتا اور ایک ہی جملے میں اتنی بڑی بات کہہ گیا ہے۔ یہ ضرور مات کھائے گا مگر وہ سوچتی تھی کہ وہ اب کیا کر سکتی ہے۔ سمجھانے کی کوشش کی ہے تو وہ الٹا غصے میں آ گیا ہے مگر پھر بھی ماں تھی۔ رب تعالیٰ سے دعا کرتی رہی۔ ''اے رب رحمٰن و رحیم! میرے بیٹے کو سیدھے راستے پر چلا۔ اسے صراطِ مستقیم دکھا۔ اس کا غرور و تکبر ختم کر دے اور اسے حضرت نظام الدین اولیاء کا عقیدت مند بنا دے۔''

اور پھر سلطان قطب الدین شاہ مبارک فرمانروائے ہند نے اپنے چند سپاہیوں کو بلا کر ان کو ایک پیغام دیا تاکہ وہ اسے حضرت نظام الدین اولیاء تک پہنچائیں۔ اس کے سپاہی لمحوں میں آپ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچ گئے اور کہنے لگے۔ ''یا حضرت! ہم مجبور ہیں اور اس مجبوری کی حالت میں سلطان کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ اس میں ہماری مرضی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ چونکہ ہمارے فرائض میں داخل ہے اس لیے ہم اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہیں۔ سلطان کا حکم ہے کہ کل چاند کی پہلی تاریخ ہے۔ آپ دربار شاہی میں وقت مقررہ پر سلام کے لیے حاضری دیں گے۔ اگر آپ حاضر نہ ہوئے تو ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو زنجیروں میں جکڑ کر سلطان کے سامنے پیش کیا جائے۔ ایسا ہم دلی طور پر نہ چاہتے ہوئے بھی کرنے پر مجبور ہوں گے چنانچہ آپ کل صحیح وقت پر دربار شاہی میں تشریف لے آیئے گا۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی خاموشی اور صبر و سکون کے ساتھ سپاہیوں

کے ذریعے بھیجا جانے والا سلطان کا پیغام سنا اور آپ خاموش رہے آخر میں جب سپاہی جانے لگے تو آپ نے صرف اتنا کہا۔ ''میرے لیے میرا مالک و خالق ہی کافی ہے۔''

اور پھر وقت کی کھلی آنکھوں نے دیکھا اور چشم فلک نے بھی نظارہ کیا کہ وقت کے ولی کو للکارنے والا اور اس کی بے توقیری کا سوچنے والا سلطان قطب الدین شاہ مبارک اگلی صبح ہونے سے پہلے ہی رات کے مہیب سناٹے میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ خسرو خان کے سپاہیوں نے اس کا سر قلم کر کے محل کے نیچے پھینک دیا اور یوں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ولی کی شان میں گستاخانہ بولنے والا اور بھرے دربار میں آپ کی بے توقیری کا منصوبہ بنانے والا قدرت کے منصوبے کا شکار ہو کر انجام کو پہنچ گیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں کو جب یہ خبر ہوئی تو ان کے چہروں پر مسرت کا رنگ نمایاں ہوا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا۔ ''کبھی بھی کسی کی موت پر خوشی کا اظہار دل و زبان سے نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس قسم کا خیال ذہن میں رکھنا چاہیے۔ ہر شخص نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ہمیں اپنے اعمال و انجام پر نظر رکھنی چاہیے اور اسی کی فکر کرنا چاہیے۔ جو شخص کسی دوسرے شخص کا برا سوچتا ہے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اس کے اپنے ساتھ خدا معلوم کیا ہو سکتا ہے کیونکہ سب کچھ تو رب تعالیٰ جل شانہٗ کے قبضہ قدرت میں ہے۔''

سلطان کے قتل کی خبر سلطان کی والدہ کو ملی تو وہ بہت روئی اس نے کہا۔ ''میں نے پہلے ہی اپنے بیٹے کو خبردار کر دیا تھا۔ اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی مگر شیطان نے اس کے ذہن پر ایسا قبضہ کیا ہوا تھا کہ اسے ہر سیدھی بات الٹی اور ہر الٹی بات صحیح محسوس ہوتی تھی۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ سلطانوں کا سلطان اور شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے اور وہ رب تعالیٰ ہے جو علیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور ہوتا وہی ہے جو رب تعالیٰ جل شانہٗ چاہتے ہیں۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ دلوں کے بھید جانتے ہیں اس لیے انسان کو اپنی نیت ہمیشہ درست رکھنا چاہیے۔ اب میں رب رحمٰن و رحیم سے دعا گو ہوں کہ وہ میرے بیٹے کی خطائیں اور لغزشیں معاف فرمائے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی یہ عادت و خصلت تھی کہ آپ کے ساتھ جو شخص بھی زیادتی کرتا تھا آپ اسے معاف فرما دیتے تھے اور رب قادر و قدیر سے دعا کرتے تھے کہ وہ اس شخص کی بدخواہی و بدعملی کو معاف فرما دیں۔ سلطان قطب الدین شاہ مبارک کے قتل پر بھی آپ نے رب تعالیٰ کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور التجا کی۔ ''اے باری تعالیٰ! آپ غفور و رحیم ہیں۔ آپ غفار و ستار ہیں۔ آپ کرم فرمانے والے اور معاف فرمانے والے ہیں۔ آپ سلطان کی خطائیں معاف فرما دیں۔ میں نے بھی اسے معاف کر دیا ہے۔ یاالٰہی! آپ بھی اسے معاف فرما دیں۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو ایک دفعہ آپ کے ارادت مندوں نے اطلاع دی کہ اندرونِ شہر کا رہنے والا ایک شخص جسے عرفِ عام میں جھجو کہتے ہیں بہت زبان دراز اور دشنام طراز

ہے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ وہ شخص حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی شان میں بھی زبان درازی سے کام لیتا تھا اور ناقابلِ بیان گستاخانہ الفاظ استعمال کرتا تھا۔ زبان درازی کرتے کرتے وہ بدخواہی پر اُتر آیا اور آپ کو تکلیف و آزار پہنچانے کے منصوبے بنانے لگا۔ اس صورتِ حال میں بعض عقیدت مندوں نے آپ سے پوچھا۔ ''یا حضرت! اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو جھجو کو ایسا سبق سکھائیں کہ وہ تاعمر یاد رکھے۔'' مگر آپ ان سے کہتے۔ ''اللہ تعالیٰ اس کا بھلا فرمائیں تاہم تم کچھ نہ کرو۔ یہ اس کا اور میرا معاملہ ہے۔ تم درمیان میں کون ہوتے ہو؟ اگر تم اس کی برائی کا بدلہ برائی سے دو گے تو پھر اس میں اور تم میں کیا فرق رہ جائے گا؟'' اور یوں آپ کے عقیدت مند خاموش ہو کر رہ جاتے تھے۔

اور پھر ایک دن حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو آپ کے مریدوں نے اطلاع دی کہ ''یا حضرت! آپ کا بدخواہ اور گستاخ جھجو مر گیا ہے۔'' آپ نے پوچھا۔ ''کیا تمہیں علم ہے کہ اسے کہاں دفن کیا گیا ہے؟'' آپ کے عقیدت مندوں نے قبرستان کا پتہ بتایا تو آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور رب کریم و رحیم سے دعا کی۔ ''یاالٰہی! تُو ارحم الرحمین ہے۔ اگرچہ یہ شخص میرے خلاف غلط زبان استعمال کرتا تھا۔ میری برائی بھی چاہتا تھا لیکن میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ یا غفور و رحیم! تُو بھی اسے معاف فرما دے۔ میرے معاملے میں اس سے کوئی پوچھ گچھ نہ کرنا کیونکہ میں نے اپنے معاملے کو ختم کر دیا ہے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنے عقیدت مندوں کو بھی یہی تاکید و تلقین کرتے تھے کہ اگر تمہارے راستے میں کوئی کانٹے بچھائے تو تم کبھی اس کے بدلے میں اس کے راستے میں کانٹے نہ بچھاؤ کیونکہ اس طرح تو ساری دنیا کانٹوں سے بھر جائے گی بلکہ تم اس کے راستے میں پھول بچھاؤ کیونکہ تمہاری نیکی تمہارے ساتھ ہے۔ کبھی بھی دوسروں جیسا عمل کر کے اس بات کا ثبوت نہ دو کہ تم بھی اس جیسے ہی ہو، پھر تم میں اور اس میں کیا فرق رہ جائے گا۔''

ایک دفعہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اپنے حجرہ میں بیٹھے یادِ الٰہی میں مصروف تھے۔ آپ کے اردگرد عقیدت مند بھی جمع تھے۔ اتنے میں وہاں ایک اجنبی شخص یکدم داخل ہوا اور خاموشی سے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا مگر اس کا چہرہ، حلیہ اور حرکات و سکنات بتا رہے تھے کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں۔ آپ کے ارادت مندوں کو شک ہوا تو انہوں نے اس کی تلاشی لی۔ اس کی جیب سے ایک بہت بڑا چاقو برآمد ہوا۔ سب عقیدت مند وہاں جمع ہو گئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور کس ارادے سے آیا ہے؟ مگر وہ بالکل ہی خاموش تھا۔ کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔

آپ کے عقیدت مندوں کا شک اب یقین میں بدل چکا تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس صورتِ حال میں عقیدت مندوں کو سختی سے منع فرمایا کہ کوئی بھی اس شخص سے

رحمتہ اللہ علیہ نے اس صورتِ حال میں عقیدت مندوں کو سختی سے منع فرمایا کہ کوئی بھی اس شخص سے کسی قسم کا سوال نہ کرے اور نہ ہی اسے کچھ کہا جائے بلکہ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ پر چلا جائے۔

اگرچہ آپ کے ارادت مند بہت غصے میں آ چکے تھے مگر آپ کے حکم پر سبھی خاموش ہو گئے۔ اب آپ نے انتہائی محبت و شفقت کے ساتھ اس اجنبی شخص کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ قریب آیا تو آپ نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ وہ بیٹھ گیا تو آپ نے اس سے پوچھا۔ ''میاں! کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے بتایا کہ وہ مقامی باشندہ نہیں بلکہ ایک دور کے علاقے سے آیا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے مزید کوئی سوال نہیں کیا بلکہ اس سے کہا۔ ''میاں! آج سے عہد کر لو کہ کسی کو ایذا نہیں پہنچاؤ گے۔''

اس اجنبی نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگا۔ ''حضرت جی! آپ از راہ صد لطف و کرم مجھے معاف فرما دیجیے۔ میں اپنی راہ سے بھٹک گیا تھا۔ کسی کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اب میں پکا وعدہ اور عہد کرتا ہوں کہ کسی کے لیے کوئی بدنیتی دل میں نہیں لاؤں گا اور کسی کو ایذا نہیں پہنچاؤں گا۔ رب تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ میری غلطیوں کو معاف فرمائے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے عقیدت مندوں سے کہا۔ ''اس اجنبی مسافر کو سفر خرچ دے کر رخصت کرو کیونکہ اس نے ایک طویل سفر کی تکلیف اٹھائی ہے اور ہاں اس کو روانہ کرنے سے پہلے اسے کھانا بھی کھلاؤ کیونکہ اس کے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اکثر رب تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے۔ ''یا الٰہی! جو شخص مجھے رنج دیتا ہے یا دینے کی کوشش کرتا ہے اسے بے حد و حساب راحتیں اور آسانیاں عطا فرما۔ جو شخص مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتا اسے اپنا دوست بنا لے۔ جو بھی شخص میرے راستے میں دشمنی، حسد اور بغض کے کانٹے بچھاتا ہے اس کی عمر کے باغ میں کھلنے والے ہر پھول کو کانٹوں سے محفوظ و مامون رکھ۔ اے اللہ! ہر شخص کو شیطان کے شر سے بچا۔ لوگوں میں الفت و محبت پیدا کر۔ اپنی اور اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت عطا فرما اور زیادہ سے زیادہ عطا فرما۔''

ایک دن ایک گدڑی پوش فقیر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ سینکڑوں عقیدت مندوں کے ہمراہ ان کے مسائل سن رہے تھے اور ان کے حل بتا رہے تھے۔ اس گدڑی پوش فقیر نے آتے ہی انتہائی نامناسب الفاظ سے آپ کو مخاطب کیا اور پھر گستاخانہ کلمات ادا کرنے لگا۔ آپ کے پاس موجود تمام عقیدت مند غصے میں آ گئے اور بعض نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا اور کہنے لگے۔ ''یا حضرت! حکم کیجیے ہم ابھی اس بدزبان کی زبان بند کر دیتے ہیں۔'' مگر آپ نے کہا۔ ''اسے چھوڑ دو اور جو کچھ یہ کہتا ہے اسے کہنے دو۔ یہ ایسے کچھ نہیں کہہ رہا۔ اس کو اگر مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو گی تو پھر ہی یہ بول رہا ہے ورنہ خواہ مخواہ کون بولتا ہے؟'' آپ کے عقیدت مندوں نے کہا۔ ''یا حضرت! ہم دن رات برسوں سے آپ کی خدمت میں رہتے ہیں۔

ہم نے آج تک اس فقیر کو یہاں دیکھا تک نہیں تو پھر اس کو آپ سے کیسے تکلیف پہنچی ہو گی؟''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ تم درمیان سے ہٹ جاؤ۔'' اب اس گدڑی پوش فقیر کو خوب خوب بولنے کا موقع مل گیا اور جو کچھ بدزبانی اور گستاخی وہ کر سکتا تھا اس نے کر لی مگر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ انتہائی خاموشی اور بردباری کے ساتھ یہ سب کچھ سنتے اور برداشت کرتے رہے۔ اگرچہ آپ کے عقیدت مندوں نے پھر بھی مداخلت کی کوشش کی مگر آپ نے انہیں سختی کے ساتھ منع فرما دیا۔ اور پھر وہی ہوا جس کی توقع کی جا سکتی تھی۔ وہ فقیر بولتے بولتے بالآخر تھک گیا۔ وہ نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے پانی مانگا۔ آپ نے ارادت مندوں سے کہا کہ اسے اچھے سے اچھا اور میٹھے سے میٹھا پانی پلاؤ۔ عقیدت مندوں نے اسے پانی پیش کیا۔ اس نے خوب جی بھر کر پانی پیا۔ اب اس کی جان میں جان آئی تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا۔ ''میاں! یہ بتاؤ کہ آخر آپ کو مجھ سے تکلیف کیا پہنچی ہے؟ میری تو آپ سے شناسائی اور واقفیت ہی آج پہلی دفعہ ہو رہی ہے۔''

اس گدڑی پوش فقیر نے چلا کر کہا۔ ''تم خود تو یہاں مزے میں ہو۔ ہر وقت عقیدت مندوں کے ہجوم میں رہتے ہو۔ کسی قسم کی کوئی فکر نہیں۔ ایک میں ہوں کہ در بدر مارا مارا پھرتا ہوں۔ نہ دن کا سکون ہے اور نہ رات کا آرام۔ یہ سب تمہارا قصور ہے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

''اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ اس لیے کہ میں یہاں اپنی مرضی و منشاء سے نہیں بیٹھا ہوں۔ میں یہاں بٹھایا گیا ہوں۔ میرے ذمہ لوگوں کی اصلاح و فلاح کا کام لگایا گیا ہے اور میں یہی کام کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

اس گدڑی پوش فقیر نے کہا:

''مجھے کچھ پتہ نہیں کہ کیا بات ہے اور کیا تمہارا مقصد و مطلب ہے۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ ہزاروں لوگ نذرانہ لے کر تمہارے پاس آتے ہیں خانقاہ میں دولت اور ساز و سامان کے انبار لگے ہیں۔ تم جسے چاہتے ہو اس میں سے دے دیتے ہو۔ ایک میں ہوں کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ حتیٰ کہ ایک روٹی تک میسر نہیں۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے خادم خاص کو فوری طور پر بلایا اور اس سے کہا:

''یہ شخص ضرورت مند ہے۔ ضرورتوں کی آگ نے اسے جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ اس کی ضرورتیں پوری ہوں گی تو یہ پھر جی اٹھے گا۔ اسے لے جاؤ۔ جو کچھ یہ طلب کرے اور جس قدر طلب کرے اس کو دے دو۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے خادم خاص خواجہ اقبالؒ اس گدڑی پوش فقیر کو لے

کر نذرانہ خانے کی طرف چلے گئے اور اسے کہا کہ ”جتنا چاہو لے لو۔“ اس نے اپنی مرضی سے وہاں سے جو کچھ لینا تھا لے لیا اور پھر وہ خوشی خوشی چلا گیا۔

☆======☆======☆

اس کے پاس دنیا کی ہر نعمت موجود تھی کہ جس کا وہ تصور کر سکتا تھا مگر کوئی چیز نہیں تھی تو وہ دل کا سکون اور روح کا قرار نہیں تھا۔ وہ لمحہ لمحہ بے چینی اور لحظہ لحظہ بے کلی میں گزارتا تھا۔ چین اور اطمینان قلب نام کی چیز سے وہ نا آشنا تھا کیونکہ دلوں کا اطمینان تو رب تعالیٰ جل شانہٗ کے ذکر میں ہے اور وہ تو ہندو تھا۔ رب وحدہٗ لاشریک کی بجائے مورتیوں اور پتھر کے مجسموں کے آگے جھکنے والا مگر اک خاص کسک تھی جو اسے مضطرب رکھتی تھی۔ اک مخصوص تڑپ تھی جو اس کے دل و دماغ کو بے تاب و بے قرار رکھتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ انتہائی آسودہ حال ہونے کے باوجود گم صم سا رہتا تھا۔

اور وہ لمحہ بھی کیسا عجیب لمحہ تھا جب اس کے ایک دوست نے بتایا کہ دہلی میں ایک بزرگ رہتے ہیں جو ٹوٹے دلوں کو جوڑتے ہیں۔ ان کی محفل میں سکون و اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ وہ اگرچہ مسلمان ہیں مگر ان کے آستانے پر ہر مذہب کا شخص حاضری دیتا ہے۔ وہ ہر ایک کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

وہ رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ جاؤں یا نہ جاؤں کی کیفیت میں مقید رہا۔ دل کچھ کہتا تھا اور دماغ میں کچھ اور آتا تھا۔ رات جاگ کر گزارنے اور شدید ذہنی و قلبی اضطراب میں رہنے کے باوجود صبح ہونے سے پہلے ہی نہ جانے اس کے جی میں کیا آئی کہ اس نے زادِ راہ تھاما اور گھر سے نکل پڑا۔ اپنے ذاتی گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا دہلی پہنچ گیا۔ اس دوران ایک قابلِ ذکر بات اس نے یہ کی کہ اس نے گھر سے نکلنے سے پہلے اپنی والدہ کے پاس حاضری دی اور اجازت طلب کی۔ وہ کوئی خوش بخت لمحہ تھا کہ ماں نے فوراً اجازت دے دی اور ڈھیروں دعائیں بھی دیں۔

دہلی پہنچنے کے فوراً بعد اس نے وقت کے ولی، درویش زماں، محبوبِ مالک کون و مکاں، دکھی دلوں کے درد کے درماں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہِ عالیہ میں حاضری دی۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ ”تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ نئے ہو اس لیے پوچھ رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”جناب عالی! میں ہندو مذہب کا پیروکار ہوں اور آپ کی زیارت کے لیے دیوگڑھ دکن سے یہاں پہنچا ہوں۔ آپ کے پاس چندروز کا مہمان بننا چاہتا ہوں شاید میرے دل کو سکون مل جائے۔“

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا۔ ”تمہارا نام کیا ہے اور ہم سے کام کیا ہے؟“ اس نے عرض کی۔ ”عالی مرتبت! میرا نام مہندر ہردیو ہے۔ بھگوان نے بہت بڑی جاگیر دی ہے۔ دولت کی ریل پیل ہے۔ دنیا کی ہر سہولت اور نعمت موجود ہے مگر دل کا سکون و قرار

درکار ہے اسی لیے یہاں حاضر ہوا ہوں۔“

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ”فکر مت کرو۔ دل کا اطمینان و سکون بھی مل جائے گا۔ یاد رکھو سکون و قرار اسی دل میں ہوتا ہے جس دل میں خدا بستا ہے۔“ اس کے بعد آپ نے اپنے خدمت گاروں کو حکم دیا کہ مہندر ہردیو کو خاص مہمان کی حیثیت سے جماعت خانے میں پورے اعزاز کے ساتھ ٹھہرایا جائے اور اس کی ہر ضرورت اور ہر خواہش کو پورا کیا جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل میں خدمت گاروں نے لمحہ لمحہ مہندر ہردیو کا خیال رکھا اور اس کے بغیر کہے اسے ہمہ قسم کی آسائش فراہم کرنے کی کوشش و کاوش میں لگے رہے۔

مہندر ہردیو کو ہر جگہ جانے کی مکمل آزادی تھی۔ وہ جب چاہتا حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس درس میں پہنچ جاتا۔ اگرچہ اس کو آپ کی بعض باتیں سمجھ میں نہ آتیں مگر پھر بھی وہ ان میں اک خاص قسم کی کیفیت محسوس کرتا۔ وہ آپ کے مریدوں اور ارادت مندوں سے ملتا۔ ان سے ہر قسم کے سوالات کرتا اور آپ کے عقیدت مند اس کے تمام سوالوں کا خوش دلی کے ساتھ جواب دیتے۔ مہندر ہردیو آپ کی محفل کے آداب، سادگی، خلوص، نیاز مندی، محبت و شفقت، ہمدردی و مروت، بھائی چارہ دیکھ کر بہت متاثر ہوتا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے کئی عقیدت مندوں نے مہندر ہردیو کو اپنا مہمان بنانے اور اپنے گھر لے جانے کی خواہش کا اظہار کیا مگر مہندر ہردیو سب سے یہی کہتا۔ ”موقع ملا تو ضرور چلیں گے۔“ اور پھر ایک دن ایک ایسی شخصیت نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی کہ جس کی زبان سے ادا ہونے والے لفظ لفظ میں اک سحر تھا، اک جادو تھا۔ اک خاص قسم کی مقناطیسیت تھی جس نے ہردیو کو مجبور کر دیا کہ وہ اسی لمحے ان کے ساتھ ہو لیا۔ یہ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ تھے جو اپنے پیر و مرشد کی اجازت سے ہی مہندر ہردیو کو مہمان بننے کی دعوت دے رہے تھے۔

مہندر ہردیو خوشی خوشی حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ان کے مکان پر پہنچا۔ شام کے بعد ہی دونوں وہاں پہنچے۔ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے نمازِ مغرب راستے ہی میں ایک مسجد میں ادا کی۔ گھر پہنچتے ہی انہوں نے مہمان کے لیے وہ سب کچھ سامنے لا کر رکھ دیا جو گھر میں موجود تھا۔ مہندر ہردیو اس سادگی خلوص سے ازحد متاثر ہوا۔ اس کے بعد مہندر ہردیو نے حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ سے ڈھیروں باتیں کیں۔ قسم قسم کے سوالات کیے اور ان کے تسلی بخش جوابات پائے۔ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے لفظ لفظ میں حکمت بھری تھی۔ ہر جملہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے انمول موتیوں کی لڑی ہو۔ مہندر ہردیو حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ کئی جملے تو اس نے فرمائش کر کے بار بار سنے بلکہ ان کو یاد کر لیا۔ اس کے بعد حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ اجازت لے کر اپنے کمرے میں تشریف لے گئے اور یادِ الٰہی میں مصروف و مشغول ہو گئے۔

مہندر ہر دیو جاگتا رہا۔ وہ سوچتا رہا۔ نیند اس سے کوسوں دور جا چکی تھی۔ اک عجیب سی ہلچل نے اس کے دل و دماغ میں بسیرا کر لیا تھا۔ وہ ذہنی طور پر مذہب اسلام کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ اک انجانی سی قوت تھی جو اسے اسلام کی طرف مائل و قائل کرتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ وہ سوچتا تھا کہ واقعی اسلام اخلاق سے پھیلا ہے۔ یہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے ارادت مندوں کا حسن اخلاق ہی تھا جو اس کے من کی دنیا دھیرے دھیرے بدل رہا تھا۔

اس رات مہندر ہر دیو کو سوچ و بچار کی وادی میں کھوئے رہنے کی وجہ سے کافی دیر سے نیند آئی۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ کب سویا تھا۔ بہر حال وہ اگلے روز کافی دیر سے جاگا۔ جب بیدار ہوا تو اس نے دیکھا کہ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ گھر پر موجود نہیں ہیں تاہم وہاں پر موجود خدام نے اسے پُرتکلف ناشتہ پیش کیا اور اس کے دریافت کرنے پر بتایا کہ حضرت صبح ہی صبح دربارِ سلطانی تشریف لے گئے ہیں۔ وہاں پر جانے کی وجہ پوچھتے ہوئے مہندر ہر دیو نے کہا ''کیا کوئی خاص کام ہے جو حضرت وہاں تشریف لے گئے ہیں یا یہ کہ سلطانِ وقت نے خود بلوا بھیجا ہے؟ کیا تمہیں علم ہے؟''

خدام نے کہا۔ ''ہمیں تو بس اتنا معلوم ہے کہ آج کی کسی خاص تقریب و جشن کے بارے صلاح مشورہ کی خاطر حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کو بلوایا گیا ہے۔'' مہندر ہر دیو نے پوچھا۔ ''حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کتنی دیر میں واپس تشریف لائیں گے؟'' خدام نے بتایا۔ ''انہیں رات وہیں ہو جائے گی اور رات کو دیر سے واپسی ہو گی۔ ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو ہم ہمہ تن حاضر ہیں۔ آپ حکم دیجیے یقینی طور پر تعمیل ہو گی۔''

مہندر ہر دیو نے خدام سے کہا۔ ''میں اپنی قیام گاہ پر واپس جا رہا ہوں۔ یہاں اکیلے میں کیا کروں گا۔ نکما بیٹھنے سے بہتر ہے کہ اپنی قیام گاہ پر جا کر کسی سے گفتگو کروں۔ مجلس درس میں شرکت کروں یا بازار کا چکر لگاؤں۔ تم لوگ حضرت امیر خسرو کو بتا دینا جب وہ سلطانی امور سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائیں۔''

مہندر ہر دیو وہاں سے چلا تو راستے میں دہلی کا وہ بازار بھی آ گیا جہاں ملک ملک کی اشیاء فروخت ہوتی تھیں۔ ان میں خاص طور پر بخارا، ایران اور ترکستان سے لائی ہوئی ہمہ قسم کی چیزوں کے سٹال لگے ہوئے تھے۔ ان اشیاء میں کمبل، قالین، کمانیں، تیر، تلواریں اور خنجر، نیزے وغیرہ فروخت ہوتے تھے۔ قریب و دور سے گاہک آتے تھے اور اپنی مرضی و ضرورت کا سامان خریدتے تھے۔

مہندر ہر دیو نے بازار میں چلتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ آخر ایک دکان پر رک گیا۔ یہ دکان ایک ترک کی تھی جبکہ وہاں کام کرنے والا نوکر ہندوستانی تھا۔ اس دکان پر اعلیٰ قسم کی تلواریں اور خنجر موجود تھے۔ مہندر ہر دیو کو ان چیزوں سے دلچسپی تھی۔ مہندر ہر دیو نے اس دکان

کے نوکر سے مختلف تلواروں اور خنجروں کی قیمتیں معلوم کیں تاکہ اگر قیمت مناسب ہو تو کچھ نہ کچھ خرید لیا جائے۔

دکاندار نے مہندر ہر دیو کی دلچسپی اور ان چیزوں بارے بہتر معلومات رکھنے کی وجہ سے اس سے خود بات چیت کرنا شروع کر دی۔ وہ بہت با اخلاق اور سلجھا ہوا دکاندار تھا۔ اس نے مہندر ہر دیو کے ہر سوال کا تسلی بخش جواب دیا جبکہ اس کا ملازم بعض سوالوں کے جواب نہیں دے پاتا تھا۔

باتوں باتوں میں اس ترک دکاندار نے مہندر ہر دیو سے پوچھا۔ ''آپ اگر اپنا تعارف کرائیں گے تو مجھے خوشی ہو گی۔ آپ کسی امیر کبیر خاندان کے فرد معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟'' مہندر ہر دیو نے اسے بتایا۔ ''میں دیوگڑھ کا رہائشی جاگیردار ہوں۔ میرا نام مہندر ہر دیو ہے۔ میں ہندو مذہب کا پیروکار ہوں۔ مگر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے آیا تھا۔ ان کے یہاں ٹھہرا ہوا ہوں تاہم آج میں حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کا مہمان ہوں۔''

اس ترک دکاندار نے جیسے ہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے نام سنے تو وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور نازیبا الفاظ بولنے لگا۔ اس نے کہا۔ ''وہ دونوں علی الاعلان قوالی سنتے ہیں حالانکہ قوالی کسی نہ کسی صورت گانے ہی کی شکل ہے جبکہ گانا بجانا اسلام میں بالکل حرام ہے۔ اس لیے وہ گنہگار لوگ ہیں اور تم ہو کہ اتنی دور سے ان کی زیارت کے لیے اپنا وقت برباد کرنے آئے ہو۔'' (نعوذ باللہ)

مہندر ہر دیو نے جیسے ہی اس ترک دکاندار کی یہ باتیں سنیں تو اسے سخت غصہ آیا۔ اس نے دکاندار سے کہا۔ ''خاموش رہو اور اپنی زبان بند رکھو۔ تم کیا جانو کہ وہ کس قدر اعلیٰ اوصاف کے مالک ہیں۔ میں ان دونوں بزرگوں کے بارے میں مزید ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے نہیں سننا چاہتا ورنہ میرے سے برا کوئی نہ ہو گا۔ میں اگرچہ یہاں اجنبی ہوں مگر تمہیں ٹھیک کرنا خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔''

مہندر ہر دیو کی زبان سے اس قسم کا ردِعمل سن کر وہ دکاندار اس قدر حیران ہوا کہ اسے اس کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ سمجھا شاید مہندر ہر دیو مزاح کر رہا ہے مگر جب اس نے مہندر ہر دیو کے سرخ چہرے کو دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ معاملہ سنجیدہ ہے تاہم اس نے آہستہ سے کہا۔ ''مہندر ہر دیو! تم نے ابھی بتایا ہے کہ تم ہندو ہو اور یہ کہ تمہارا نام بھی اسی بات کی غمازی کرتا ہے۔ پھر یہ ردِعمل کیوں اور یہ غصہ کیسا؟ میں تو سمجھا تھا کہ تم میرا ساتھ دو گے اور میری ہاں میں ہاں ملاؤ گے۔ تمہارا رویہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایک ہندو سے کبھی بھی ایسی توقع نہیں کی جا سکتی۔ تم بخوبی جانتے ہو کہ جن کے لیے تم جھگڑ رہے ہو وہ دونوں کٹر مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی تم

بھلا کیسے کر سکتے ہو؟ کہیں نہ کہیں کوئی گڑ بڑ ہے۔''

مہندر ہردیو نے کہا۔ ''میں نے دونوں بزرگوں کو پچھلے چند دنوں میں قریب و دور سے دیکھا ہے۔ ان کی باتیں سنی ہیں۔ ان کے ارادت مندوں کے خیالات معلوم کیے ہیں۔ ان کی مجلس درس میں شریک ہوا ہوں۔ ان کا اٹھنا، بیٹھنا، بولنا اور اخلاق و مروت دیکھی ہے۔ میں نے ان کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں دیکھا۔ وہ عوام الناس کی اصلاح اور فلاح کے لیے جس طرح کام کر رہے ہیں وہ قابلِ داد، باعث فخر اور وجہ سکون و اطمینان ہے۔''

دکاندار نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''اے دوست! تم بھی خوب بھلے آدمی ہو۔ ان کے چکر میں آ گئے۔ میں صاف صاف بات منہ پر کرنے کا عادی ہوں۔ لگی لپٹی نہیں رکھتا۔ تمہیں بتائے اور سمجھائے دیتا ہوں کہ وہ لوگ ٹھیک نہیں ہیں۔ تم تو مسافر اور اجنبی ہو۔ دوسرے یہ کہ تم ذمی ہو۔ میں تو تمہیں بچانا چاہتا تھا مگر تم خود ہی جال میں پھنس رہے ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

مہندر ہردیو نے ذمی کا لفظ پہلی دفعہ سنا تھا۔ اس نے اس دکاندار سے حیرت و حیرانی سے پوچھا۔ ''یہ ذمی کسے کہتے ہیں؟ اور یہ کہ میں ذمی کیسے ہوں؟'' اس دکاندار نے کہا۔ ''جس شخص کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حکومت ادا کرے اسے مذہب اسلام میں ذمی کہتے ہیں۔ میں بھی اسلامی حکومت کا ایک فرد ہوں اس لیے میں بھی تمام ہندوؤں کو ذمی سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہاری حفاظت اپنا فرض سمجھتے ہوئے تمہیں سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔ تمہیں غلط لوگوں سے بچانے کی کوشش کی مگر تمہاری عقل میں میری کوئی بات سرے سے آ ہی نہیں رہی۔''

مہندر ہردیو نے اس دکاندار سے کہا۔ ''اگرچہ تم مجھے بچانے کی کوشش کر رہے ہو جبکہ مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بچاؤ کی بنیادی طور پر تمہیں ضرورت ہے۔ وہ اس لیے کہ تم نیک، پارسا، متقی بزرگ افراد پر ناجائز الزام لگا کر گناہ کے مرتکب ہو رہے ہو۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اس گناہ سے بچو۔ اس گناہ سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ تم میرے ساتھ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ پر چلو اور اپنی آنکھوں سے ان کی محفل کا رنگ دیکھو۔ دل و دماغ سے پرکھو۔ پھر کوئی فیصلہ کرو۔ گھر میں بیٹھے ہوئے خواہ مخواہ کسی پر الزام لگانا کس مذہب میں جائز ہے۔''

اس دکاندار نے پہلے تو انکار کیا مگر مہندر ہردیو کے اصرار پر وہ تیار ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ''لیکن میں ایک شرط پر وہاں جاؤں گا۔'' مہندر ہردیو نے کہا۔ ''وہ شرط کون سی ہے؟ میں تمہاری ہر شرط پوری کرنے کو تیار ہوں۔'' دکاندار نے کہا۔ ''میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں تم میری یہ سب باتیں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ یا ان کے کسی ارادت مند کو بتا نہ دو۔ اس لیے تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میرے منہ سے نکلی ہوئی کوئی بھی بات کسی کو بھی نہیں بتاؤ گے۔''

لیکن تم یہ بتاؤ کہ آخر تم اتنا ڈر کیوں رہے ہو؟'' اس دکاندار نے کہا۔ ''میں ڈر نہیں رہا۔ میں سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کے اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں دراصل یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو میرے خیالات و نظریات کی خبر ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ ان کے جاہل اور ضعیف الاعتقاد ارادت مند ان کے کشف باطن کے کئی قصے سناتے پھرتے ہیں۔ اب میں دیکھوں گا کہ انہیں میری باتوں کا کس طرح علم ہوتا ہے۔ سارا پول کھل جائے گا۔''

مہندر ہردیو کو اگرچہ اس دکاندار کی باتوں پر سخت غصہ آیا مگر اس نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ اس نے صرف اتنا کہا۔ ''تم ایک بہت بدگمان اور قدر ناشناس شخص ہو۔ میں نے تمہارے دل کی کجی پہچان لی ہے۔ میں یوں کرتا ہوں کہ میں اب لحہ لحہ تمہارے ساتھ ہی رہتا ہوں اور تم سے پہلے وہاں نہیں جاتا۔ جب تم چلو گے تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا اور تم سے دور نہیں ہوں گا تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ میں نے تمہاری بات کسی کو بتائی نہیں۔''

اس طرح مہندر ہردیو شام تک اس دکاندار کے پاس ہی بیٹھا رہا۔ جب شام کو دکاندار نے دکان بند کی تو پھر دونوں ایک ساتھ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ کی جانب چل پڑے۔ راستے میں مہندر ہردیو نے دکاندار سے کہا۔ ''اور ہاں ایک اور بات یہ کہ میں مجلس میں ایسی جگہ پر بیٹھوں گا کہ جس جگہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی نگاہ مجھ پر نہ پڑے بلکہ تم مجھے دیکھتے رہو کہ میں کہیں کسی سے کوئی بات تو نہیں کر رہا۔ اس طرح تمہیں کامل یقین ہو جائے گا کہ جب میں نے کسی سے بات تک نہیں کی تو پھر تمہارے خیالات کیسے کسی تک پہنچائے ہوں گے۔''
دکاندار نے کہا ''یہ بالکل ٹھیک ہے۔ تم اسی طرح کرنا۔''

چلتے چلتے جب دونوں تھوڑی دیر بعد حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں پہنچے تو وہاں معمول سے زیادہ ہجوم تھا۔ لوگوں کی کثیر تعداد دیکھ کر مہندر ہردیو تو سب سے پیچھے ہی بیٹھ گیا مگر اس دکاندار نے عجیب حرکت کی۔ وہ سب لوگوں کو پھلانگتا ہوا حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے بالکل قریب جا کر بیٹھ گیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس دکاندار کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ سلام کے بعد مزاج پرسی کی اور پھر انہوں نے اس سے پوچھا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں لیکن یہاں پہلی دفعہ آئے ہیں۔'' اس دکاندار نے کہا۔ ''آپ نے درست فرمایا۔ میں دہلی شہر کا قدیم باشندہ ہوں۔ میرے والد محترم اور میرے دادا جان بھی اسی شہر میں رہتے تھے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس دکاندار سے کہا۔ ''آپ نے مجھ فقیر کی مجلس میں تشریف لا کر مجھے ممنون کیا۔ میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے وقت نکالا اور میرے ہاں آئے۔''

اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے انہی باتوں کا ذکر چھیڑ دیا جو باتیں وہ دکاندار کیا کرتا تھا اور اس کی باتوں کا انتہائی لطیف اور دلنشیں و پُر اثر انداز میں جواب دیا۔ جوں جوں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بولتے جاتے تھے اسی طرح دکاندار کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ مہندر ہردیو یہ سب کچھ سب سے آخر میں بیٹھے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

اور پھر یوں ہوا کہ ایک دم اس دکاندار نے ایسی چیخ ماری کہ جس کی گونج دور دور تک سنائی دی اور وہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پکڑ کر زار و قطار روتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یا حضرت! میری تمام گستاخیاں معاف فرما دیجیے۔ میں نے سخت غلطی کی۔ میں نادم ہوں۔'' حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ''رب تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دے دی ہے۔ تم اب میرے بیٹے جو کہ دراصل میرا نواسہ ہے خواجہ سیّد محمد سے بیعت کر لو۔'' دکاندار نے ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے مہندر ہردیو کو اپنے پاس بلا کر کہا۔ ''ہر دیو! ہم سب اللہ کے ذمی ہیں۔ کوئی انسان کسی کا ذمی نہیں ہو سکتا ہم سب بے اختیار ہیں وہی اللہ ہی محافظ ہے۔''

☆======☆======☆

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس جاری تھی۔ اس دن آپ توحید اور ان اللہ علیٰ کل شیٍٔ قدیر پر درس دے رہے تھے۔ آپ نے وحدانیت اور قدرت پر وہ بے مثل و بے مثال گفتگو کی کہ حاضرین مجلس عش عش کر اٹھے۔ آپ نے معمول کے وقت سے زیادہ وقت تک خطاب جاری رکھا۔ مختلف مثالوں، قرآنی آیات، احادیث رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام علیہ السلام اور اولیاء عظام رحمۃ اللہ علیہ کے قصوں اور اقوال سے آپ نے موضوع پر انتہائی سلیس اور عام فہم زبان میں ایسی مدلل اور مفصل گفتگو کی کہ موضوع کا ہر پہلو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ اور یہ شاید پہلا موقع تھا کہ حاضرین نے اس دن کوئی سوال نہیں کیا حالانکہ یہ روزانہ کا معمول تھا کہ آپ کے خطاب کے بعد بعض سامعین مزید وضاحت کے لیے سوالات کیا کرتے تھے جن کے آپ تسلی بخش جوابات دیا کرتے تھے۔

اس روز حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا درس جاری تھا کہ آپ کے درس کے دوران ہی ایک شخص مجلس کے احاطے میں داخل ہوا اور انتہائی خاموشی اور ادب کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھ گیا مگر وہ لحہ لحہ پہلو بدل رہا تھا۔ شدید پریشانی کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی تکلیف کا شکار ہے اور اسے مجلس درس ختم ہونے کا انتظار ہے تاکہ وہ اپنی پریشانی کا تذکرہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے کر کے اس کا کوئی مناسب حل حاصل کر سکے اور آج تو ویسے ہی درس طویل تھا اس لیے اس کے چہرے پر کرب اور نمایاں ہوتا جا رہا تھا مگر وہ خاموش تھا اور بالآخر جیسے ہی درس اختتام پذیر ہوا وہ فوراً اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور عرض کی۔

''یا حضرت! میرے لیے دعا فرمائیے تاکہ رب قادر و قدیر میری پریشانی دور فرمائیں۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لہجے میں درد و رنج کی شدید کیفیت محسوس کرتے ہوئے اسے اپنے پاس بلایا اور اپنے قریب بٹھا کر پہلے اس کے لیے پانی منگوایا۔ جب وہ پانی پی چکا تو پھر اس کے لیے حلوہ منگوایا اور پہلا چمچ اپنے دست مبارک سے اس کے منہ میں ڈالا۔ جب وہ حلوہ کھا چکا تو اب آپ نے اس سے کہا۔ ''اب آپ اپنی پریشانی بیان کریں۔ رب رحمٰن و رحیم نے چاہا تو ضرور دور ہو جائے گی۔''

اس شخص نے عرض کی۔ ''یا حضرت! میری جاگیر کی سند کہیں کھو گئی ہے۔ بہ ہزار کوشش کہیں نہیں ملی۔ اگر وہ میرے کسی دشمن کے ہاتھ لگ گئی تو وہ ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ میں نے نئی سند دینے کے لیے سلطان کے کارندوں سے بھی درخواست کی ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ نئی سند جاری نہیں کی جا سکتی۔ ہر لحہ میرے لیے تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ پریشانی بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ رب کریم و رحیم سے دعا فرمائیے کہ میری یہ مشکل آسان ہو جائے میں تاعمر آپ کا احسان مند رہوں گا۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کی طرف نگاہ کی۔ پھر آپ زیر لب مسکرائے اور خوش طبعی کے انداز میں اس شخص سے کہا۔ ''میاں! میں تمہارے لیے دعا تب کروں گا جب تم مجھے بہترین حلوہ کھلاؤ گے۔''

اس شخص نے کہا۔ ''حضرت جی! میں حلوہ ابھی لاتا ہوں۔'' حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''مگر یاد رہے کہ صرف حلوہ ہی نہ ہو بلکہ بہترین حلوہ ہو۔''

وہ شخص بازار میں دوڑا ہوا گیا اور وہاں پہنچا جہاں حلوائیوں کی دکانیں تھیں۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس حلوائی کی دکان سے حلوہ خریدے کیونکہ آپ کی تاکید تھی کہ حلوہ بہترین ہو۔

اس شخص نے دو چار آدمیوں سے دریافت کیا جو وہاں کے رہائشی تھے کہ بہترین حلوہ بنانے والا حلوائی کون سا ہے۔ سب نے بالاتفاق ایک حلوائی ہی کا نام لیا۔ چنانچہ وہ شخص تیز قدموں کے ساتھ اس حلوائی کی دکان پر پہنچا اور اسے حلوہ کا آرڈر دیا۔

اور جب وہ حلوہ لے کر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تو اس کا چہرہ خوشی و مسرت اور انبساط و شادمانی سے جگمگا رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں حلوہ تھا جبکہ دوسرے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا۔ ''یہ تمہارے دوسرے ہاتھ میں کاغذ کیسا ہے؟''

اس شخص نے بتایا۔ ''جناب عالی! جب میں نے حلوہ کا آرڈر دکاندار کو دیا تو اس نے حلوہ تول کر کاغذ اٹھایا جو اس نے اس لیے اٹھایا تھا کہ اس میں حلوہ رکھ کر دے تو میں نے دیکھا کہ یہ تو وہی میری جاگیر کی سند ہے۔ چنانچہ میں نے اس سے یہ کاغذ مانگ لیا اور اس نے بھی اسے ردی کا کاغذ سمجھ

کر مجھے دے دیا۔ اسے کیا خبر کہ یہ میری جاگیر کی سند ہے۔ مجھے میری جاگیر کی سند مل گئی ہے اس لیے میں اب بہت ہی خوش ہوں۔ یہ سب آپ ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے اور یہ کہ اب مجھے سمجھ آئی ہے کہ آپ کا حلوہ منگوانے میں کیا حکمت تھی حالانکہ حلوہ تو آپ کے ہاں موجود تھا اور آپ نے خود تھوڑی دیر پہلے مجھے اپنے ہاتھوں سے کھلایا تھا۔"

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص سے کہا کہ کافی لوگ تو واپس تشریف لے جا چکے ہیں جو چند رہ گئے ہیں یہ حلوہ ان میں تھوڑا تھوڑا تبرکاً تقسیم کر دو محض اس خوشی میں کہ رب رحمٰن و رحیم نے تم پر کرم فرمایا اور تمہاری گم شدہ دستاویز تمہیں ایسی جگہ سے مل گئی جہاں سے اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔

یہ ایک اور انوکھا واقعہ تھا جو اس محفل میں موجود مہندر ہردیو نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا تھا۔ وہ حلوہ بھی کھا رہا تھا اور گہری سوچ میں بھی غرق تھا۔ اگرچہ مہندر ہردیو کے من میں مسجد اور مندر کی جنگ کافی عرصے سے جاری تھی مگر آج تو جنگ کا بالکل فیصلہ ہی ہو گیا تھا۔ وہ ایک اضطراری قوت کے ساتھ اٹھا اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے قریب جا کر پوچھنے لگا۔

"حضرت جی! یہ فرمائیں کہ کوئی شخص مسلمان کیسے ہوتا ہے؟"

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "جب تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو دل و دماغ سے تسلیم کر لو گے تو خود بخود مسلمان ہو جاؤ گے۔"

مہندر ہردیو نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر کہا۔ "حضرت جی! میرا دل اور میرا دماغ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری رسول ہیں۔" حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "مبارک ہو! تمہیں ہزار مبارک ہو تم اس لمحے سے اب مسلمان ہو۔ رب قادر و قدیر نے تم پر رحم کیا ہے اور تمہیں ایمان کی دولت سے سرفراز کیا ہے۔"

مجلس میں اس وقت موجود تمام افراد نے مہندر ہردیو کو باری باری گلے لگایا اور مبارکبادیوں کے ڈھیروں پھول اس پر نچھاور کیے۔ لوگوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے جس سے وہاں کی فضا جو کہ معطر اور منزہ و مطہر پہلے ہی سے تھی اس کی خوشبو میں اور اضافہ ہوا۔

اب مہندر ہردیو نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے دست بستہ درخواست کی۔ "یا حضرت! اب چونکہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اس لیے مجھے اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرمائیے اور مجھے بیعت بھی کر لیجیے۔" حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "مہندر ہردیو! ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ جب وہ لمحہ آئے گا تو ہم تمہیں بیعت میں بھی لے لیں گے۔"

اپنے حلقۂ ارادت میں داخل فرما لیجیے۔ آپ کی از حد کرم نوازی ہو گی۔ اور بالآخر مہندر ہردیو کی منت سماجت رنگ لائی اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اسے بیعت کا اعزاز بخشا۔ پھر اس نے دیوگڑھ اپنے والدین سے ملنے کی اجازت طلب کی تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فوری اجازت دے دی۔

مہندر ہردیو ایک سال تک دیوگڑھ رہا۔ پھر جب وہ واپس دہلی آیا تو اس کے والدین بھی اس کے ساتھ تھے جنہوں نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر کلمۂ شہادت پڑھا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے مہندر ہردیو کے والدین کو بھی شرف بیعت بخشا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے مہندر ہردیو اور اس کے والدین کو خانقاہ کے قریب ہی ایک مکان دے دیا جس میں وہ اپنے والدین کے ساتھ رہنے لگا۔

اسی زمانے میں ایک روز حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری کے لیے تیاری کی۔ حضرت مولانا برہان الدین غریب رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے خاص ارادت مند بھی آپ کے ہمرکاب تھے۔ آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ انؒ کی روح کے ایصال ثواب کے لیے فاتحہ پڑھی۔ دعا مانگی اور پھر آپ "حوضِ شمسی" پر تشریف لے گئے اور وہاں حوض کے کنارے مدفون شخصیات کے لیے فاتحہ پڑھی اور دعا مانگی۔

یہ ایک اتفاق ہی سمجھیے کہ اس روز اس وقت کے مشہور شاعر خواجہ حسن علائی رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ وہاں قریب ہی پُر فضا اور دلفریب و تفریح آفریں مقام پر سیر کی غرض سے آئے ہوئے تھے اور بادہ نوشی کر رہے تھے۔ اک ہنگامہ بپا تھا۔ پہلے ان لوگوں نے شعر و شاعری کا دور چلایا۔ پھر بادۂ نوشی کی اور بدمست ہاتھی کی طرح اِدھر اُدھر گھومنا شروع کر دیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو آپ رحمتہ اللہ علیہ وہاں ٹھہر گئے اور کچھ فاصلے سے خواجہ حسن علائی کو دیکھنے لگے جو شراب کے گھونٹ بھی لے رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ شعر بھی پڑھتے جا رہے تھے۔ خواجہ حسن علائی کی پشت حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی طرف تھی اور وہ آپ کو دیکھ نہیں پائے تھے تاہم اس کے دوستوں نے خواجہ حسن علائی کہا۔ "حسن! خاموش ہو جاؤ۔ تمہارے پیچھے وقت کے ولی۔ مردِ قلندر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کھڑے ہیں اور تمہاری تمام حرکات دیکھ رہے ہیں۔"

یہ وہی خواجہ حسن علائی تھے جن سے بدایوں میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات رہتی تھی مگر وقت نے ایک کو قلندری کا لبادہ پہنا دیا تھا جبکہ دوسرے کو بادہ نوشی کا دلدادہ بنا دیا تھا۔ دونوں کی سمتیں جدا تھیں۔ دونوں کے راستے الگ تھے۔ ایک رہبر و رہنما تھا تو دوسرا بے راہ رو

تھا۔ دونوں کی سمتیں جدا تھیں۔ دونوں کے راستے الگ تھے۔ ایک رہبر و رہنما تھا تو دوسرا بے راہ رو اور گمراہ تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات اب خواجہ حسن علائی سے کوئی 50 سال بعد ہو رہی تھی۔ بچپن دونوں کا ایک ساتھ گزرا تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بچپن کے ساتھی کو اس حال میں دیکھا تو آپ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے۔

خواجہ حسن علائی نے بھی آپ کو پہچان لیا اور دور ہی سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''مولانا! کیسے ہو؟'' حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''میں رب کریم و رحیم کے فضل و کرم اور عنایت و بخشش سے بالکل ٹھیک ہوں مگر تم سناؤ تم کیسے ہو؟ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟''

خواجہ حسن علائی نے کہا۔ ''تمہیں علم ہے کہ ایک عرصہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے رہے لیکن تمہاری صحبت کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا حالانکہ اکثر کہا جاتا ہے کہ صحبت سے بہت اثر ہوتا ہے مگر تمہاری پرہیز گاری اور زہد و تقویٰ مجھ پر بے اثر ہی رہا۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے جیسے ہی خواجہ حسن علائی کی زبان سے یہ کلمات سنے تو آپ اسی لمحے ایک خاص جلال میں آ گئے اور خواجہ حسن علائی سے کہا۔ ''حسن! صحبت میں کتنا اثر ہے اس کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اگلا لمحہ بتائے گا کہ صحبت اثر رکھتی ہے یا نہیں۔ بس تم صرف ایک دفعہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو تو سہی۔''

اور پھر جب خواجہ حسن علائی نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی نظروں کا سامنا کیا تو نظر ملنے کی دیر تھی کہ خواجہ حسن علائی کی دنیا ہی بدل گئی۔ خواجہ حسن علائی نے صراطِ مستقیم پا لی تھی۔ انہوں نے ایک زوردار چیخ ماری۔ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور تیزی سے آگے بڑھ کر حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''واقعی مردِ قلندر کی صحبت میں کیا اک نظر میں بہت اثر ہوتا ہے۔''

پھر خواجہ حسن علائی نے اس لمحے اپنے تمام بادہ نوش دوستوں کو بھگا دیا اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ انہیں اپنے حلقۂ ارادت میں لے لیں۔ آپ نے انتہائی شفقت کا مظاہرہ کیا اور اسی لمحے خواجہ حسن کو شرفِ بیعت عطا فرمایا۔ اس وقت خواجہ حسن علائی کی عمر کوئی 73 برس تھی مگر رب ذوالجلال جب چاہیں اور جس کو چاہیں سیدھا راستہ دکھا دیں۔

اور پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ یہ وہی خواجہ حسن علائی تھے جنہوں نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات و اقوال جمع کیے۔ اسے ایک کتاب کی شکل دی اور اس کا نام ''فوائد الفواد'' رکھا۔ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ اس کتاب کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ''کاش! کچھ ایسا ہوتا کہ میری تمام تصانیف خواجہ حسن علائی رحمتہ اللہ علیہ لے لیتے اور اس کے بدلے میں ''فوائد الفواد'' کو مجھ سے منسوب کر دیتے کہ گویا یہ میں نے مرتب کی ہے۔'' مگر خواجہ حسن علائی رحمتہ اللہ علیہ تھے کہ مرتے دم تک ایک ہی جملہ دہرا دہرا کر زار و قطار رویا کرتے تھے

وہ یہ کہ ''اے حسن! تُو وہی ہے جس نے اس وقت توبہ کی جب تجھ میں گناہ کرنے کی طاقت و صلاحیت باقی نہیں رہی تھی۔ جب تُو جوان تھا تو گمراہی کی دلدل میں رہا۔ اب کس منہ سے اپنے رب تعالیٰ جل شانہٗ کا سامنا کرے گا۔'' اور پھر روتے روتے آپ اکثر بے ہوش ہو جاتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ پر علماء اور عوام الناس کا ایک مخصوص ہمیشہ یہ الزام لگاتا تھا کہ آپ سماع کے قائل ہیں اور اس کی محافل منعقد کرتے ہیں۔ اس حوالے سے کئی مذاکرے اور مباحثے بھی ہوئے جو ہمیشہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے ہی جیتے مگر مخالفین و حاسدین صرف ایک ہی رٹ لگائے رکھتے تھے حالانکہ آپ کا سماع کے بارے میں نظریہ بڑا واضح، مدلل اور اسلامی اصولوں کے عین مطابق تھا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے سماع کے بارے میں فرمایا:

''سماع ایک مناسب و موزوں شکل ہے۔ اس سے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ یہ اپنی فطرت میں قطعی حرام نہیں۔ اگر قلبی تحریک یادِ الٰہی کے لیے ہے تو مستحب ہے اور اگر فساد کی طرف مائل اور لذتِ نفس کے حصول کی خواہش رکھتی ہے تو حرام ہے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے سماع کے لیے پانچ شرائط لازمی قرار دیں اور فرمایا کہ اس میں کوئی ایک شرط بھی پوری نہیں ہوتی تو سماع کا مقصد ختم ہو جائے گا اور فائدہ کی بجائے نقصان ہو گا بلکہ اس کو سماع کہنا ہی جائز نہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جو کلام پیش کیا جائے وہ حمد و نعت پر مشتمل ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کلام سنانے والا خود بھی متقی و پرہیز گار ہو اور پختہ عمر ہو۔ فاسق و فاجر اور کم عمر قطعی نہیں ہونا چاہیے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ سماع سنتے وقت سننے والے کی نیت درست ہو۔ اگر وہ اپنے سینے میں عشقِ الٰہی کا سوز پیدا کرنے کے لیے سن رہا ہے تو جائز ہے اور اگر اس کا مقصد تفریح اور نشاط ہے تو یہ قطعاً حرام ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ محفلِ سماع میں ہمہ قسم کے آلاتِ موسیقی استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے جبکہ پانچویں شرط یہ ہے محفلِ سماع میں خواتین کی شرکت تو بہت دور کی بات ہے وہاں عورتوں کا سایہ بھی نہیں پڑنا چاہیے۔

اور بالآخر وہ وقت آ پہنچا جو سب پر آتا ہے۔ ایک حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''میں نے سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ نظام! ہمیں تمہاری ملاقات کا بہت انتظار ہے۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے 40 روز پیشتر ہی کھانا ترک کر دیا تھا۔ بس جسم و جاں کے رشتے کو قائم کرنے کے لیے تھوڑا بہت تناول فرماتے تھے۔ ہر وقت روتے رہتے تھے۔ اس زمانے میں ایک مرید نے آپ کو مچھلی کا شوربہ پیش کیا اور عرض کی ''اعلیٰ حضرت! کمزوری شدید ہو گئی ہے اس لیے یہ ہلکی غذا لے لیجیے۔'' مگر آپ نے فرمایا ''اسے پانی میں بہا دو۔ جو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی خواہش اور آرزو رکھتا ہو وہ

دنیاوی کھانا کیسے کھا سکتا ہے۔''

آپ رحمتہ اللہ علیہ موت سے چند روز قبل ایک ہی سوال پوچھتے کہ ''کیا نماز کا وقت آ گیا ہے؟ کیا میں نے نماز ادا کر لی ہے؟'' خدام عرض کرتے۔ ''جناب عالی! آپ نماز ادا فرما چکے ہیں۔'' حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ جواباً فرماتے ''میں دوبارہ نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔'' پھر آپ ہر نماز کو دوبارہ پڑھتے۔

ایک دن آپ نے اپنے خادم خاص خواجہ اقبالؒ کو حکم دیا کہ ''گھر میں جو کچھ بھی ہے۔ جس قسم کی جنس اور شے ہے فوری طور پر غرباء میں تقسیم کردو۔'' خواجہ اقبالؒ نے ایسا ہی کیا۔ خانقاہ میں جس قدر بھی سامان تھا۔ سب ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر آپ نے اپنے کپڑوں کا صندوق طلب کیا۔ اس میں چند دستاریں، نماز کے مصلے اور معمولی کپڑے کی عبائیں تھیں۔ آپ نے ایک دستار، پیرہن خاص اور مصلی حضرت مولانا برہان الدین غریبؒ کو عطا کیا۔ اسی طرح حضرت شیخ کمال الدین یعقوبؒ اور مولانا شمس الدین یحیٰیؒ کو بھی یہی تبرکات عطا فرمائے اور حکم دیا کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جا کر لوگوں کی اصلاح وفلاح کا کام کریں اور پھر ربیع الآخر کی 18 تاریخ چہارشنبہ کے روز 725 ہجری کو چاشت کے وقت حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے رب کائنات کے حضور حاضری دے دی۔

☆======☆======☆

حضرت میاں میرؒ

میر محمد آپؒ کا خاندانی نام...... عبادت و ریاضت اور مجاہدہ و تقویٰ آپ کا اصلی کام...... سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے منسلک جب کہ طریقت کے حوالے سے سلسلۂ قادریہ سے متفق و منطبق...... درباری و علمی حلقوں میں از حد مقبولیت...... عوام الناس میں بے پناہ وقعت...... 957ء ہجری میں سیہون شریف میں آپؒ کی ولادت...... 1045 ہجری میں لاہور میں آپؒ کی وفات...... ذکرِ خفی آپؒ کا پسندیدہ مشغلہ، شکرِ الٰہی آپؒ کی زبان پر لحہ لحہ...... مفتی عبدالسلام لاہوریؒ آپؒ کے استاد محترم...... شہنشاہ نورالدین جہانگیر آپؒ کے مرید معظم...... بقول علامہ اقبالؒ۔

نے تاج و تخت میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

بادشاہِ وقت کو اس حقیقت کا صحیح عرفان وادراک اس لمحے ہوا جب اس کے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ نے ثابت کیا کہ بے بہا دولت وثروت اور حکومت وسلطنت کے باوجود صحت جیسی نعمتِ عظمیٰ کو خریدا نہیں جاسکتا۔ اس کی نظروں کے سامنے اس کا اپنا لختِ جگر، نورِ نظر بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ کر حیاتِ ناپائیدار کی ساعتیں پوری کرتا نظر آرہا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا جو کچھ اس کے اختیار و اقتدار میں تھا وہ کر چکا تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کے علاوہ دنیا بھر کے نامور حکیموں اور طبیبوں کی خدمات حاصل کرلی تھیں۔ حکماء واطباء نے بھی اپنی تمام تر ذہانت وفطانت اور صلاحیت وقابلیت صرف کردی تھی مگر وہ مریض شہزادے کو تندرست وصحت مند کرنے میں ناکام ونامراد رہے تھے۔

بادشاہِ وقت پر وقت نے یہ حقیقت بھی عیاں کردی تھی کہ شفاء صرف اور صرف رب العالمین کے ہاتھ میں ہے۔ یہی وجہ تھی کی بادشاہ وقت نے اب معجونوں اور خمیروں کی بجائے ربِ رحمٰن ورحیم کی بارگاہ میں استدعا والتجا کرنا شروع کردی تھی۔ بادشاہ کو بخوبی علم تھا کہ دعا ہی میں وہ طاقت وقوت ہے جو تقدیر کو بھی بدل سکتی ہے۔ گوکہ دنیاوی معالجون نے اس کے بیٹے کو لاعلاج قرار دے دیا ہے اور چند روز کا مہمان ٹھرایا ہے مگر رب قادر وقدیر کی منشاء اور رحمت ونصرت ہو تو اس کے بیٹے کو زندگی مل سکتی ہے۔"

بادشاہِ وقت نے مالک کون ومکاں کی بارگاہ میں سر جھکا دیا۔ وہ قادرِ حیات وممات کے حضور سجدہ ریز ہوگیا۔ اس نے گڑگڑا کر عرض کی:

"یا الہ العالمین! میں تیرا گناہ گار وخطا کار بندہ ہوں۔ تیری عطا کردہ حکومت وسلطنت سب بے کار ہے اگر میرے بیٹے کو صحت ودیعت نہیں ہوتی۔ بے شک تُو ہی تندرستی وتوانائی دینے والا ہے۔ مجھ سے تمام سلطنت وحکومت اور دولت وثروت لے لے مگر میرے بیٹے کو صحت اور لمبی عمر عطا فرمادے۔ میری التجا واستدعا کو شرفِ قبولیت سے نواز! مجھ پر رحمت ومغفرت کی بارش فرما! میری دعائیں سن لے۔ مجھے تیرے کرم کی ضرورت ہے۔ تیرے فضل کی انتہا چاہتا ہوں۔ میرے بیٹے کو زندگی لوٹا دے! میرے بیٹے کی عمر دراز فرمادے!! یا قادر وقدیر! مجھے میرا بیٹا بخش دے۔ میرے

بیٹے کو صحت دے دے! اسے تندرست وتوانا کردے!"

بادشاہ سجدے سے اٹھا تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ اس کی پیشانی آس ویاس کے ملے جلے تلخ وشیریں قطروں سے بھیگی ہوئی تھی۔ اب اس نے دربارِ الٰہی میں عاجزی کے لیے دونوں ہاتھ بلند کیے اور ربِ ذوالجلال سے اپنے بیٹے کے صحت یابی کے لیے دعائیں جاری رکھیں۔ اس نے ربِ رحیم وکریم کو اس کے پیارے رسول رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دیئے۔ اس نے قادرِ مطلق کو اس کی بے حد وحساب اور بے کراں کرم نوازیوں کے واسطے دیئے۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے جھولی پھیلالی اور آسمان کی طرف منہ کرکے دعائیں اور التجائیں کرنے لگا۔ وہ رو روکر پکار رہا تھا:

"یا اللہ! میری اس جھولی میں میرے بیٹے کی زندگی ڈال دے۔ میرا دامنِ مراد بھر دے۔ بے شک تُو ہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ تُو ہی زندگی اور موت کا خالق ومالک ہے۔ میرے بیٹے کو صحت مند لمبی عمر عطا فرما۔ اپنا کرم فرما۔ اے رحیم! رحم فرما!! اے کریم! کرم فرما!"

بادشاہ کی التجائیں اور دعائیں جاری تھیں کہ یکایک ایک مصاحب خاص قصرِ شاہی کے اسی کمرۂ خاص میں داخل ہوا جہاں شہزادہ پلنگ پر دراز تھا اور بادشاہ اس کے سرہانے بیٹھا ربِ کائنات کے حضور گڑگڑا رہا تھا۔ مصاحب خاص اتنی تیزی اور سرعت کے ساتھ تمام آداب شاہی سے صرفِ نظر کرتا ہوا اندر آیا تو بادشاہ سمجھ گیا کہ ضرور کوئی ایسی بات ہے کہ جس نے اس کو یوں دیوانہ وار آنے پر مجبور کردیا ہے۔

بادشاہ فوری طور پر مصاحب خاص کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کیا شہزادے کے حوالے سے کوئی بات کرنا چاہتے ہو کیونکہ تمہیں بخوبی علم ہے کہ اس کے علاوہ ہم کوئی بات سننے کو ہرگز تیار نہیں!! اگر امورِ سلطنت کے حوالے سے کوئی بات کرنا ہے تو اس کی تمہیں ہرگز اجازت نہیں۔"

مصاحب خاص نے کہا:

"بادشاہ سلامت! میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں بلکہ قصرِ شاہی کے تمام کارکنان، مشیران اور مصاحبین سلطنت سبھی شہزادے کی لادوا بیماری سے سخت پریشان ہیں۔ میں اسی حوالے سے دوڑ کر یہاں آیا ہوں اور بغیر اجازت اندر آنے کی معذرت چاہتا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ قصرِ سلطانی کے باہر ایک مجذوب نما شخص موجود ہے جس نے پھٹے پرانے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اس کا چہرہ اور بال گردآلود ہیں۔ اگرچہ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ ہے مگر اس کی قال میں تندی وتیزی ہے اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے:

"مجھے اندر جانے دو۔ مجھے بادشاہ سلامت سے ملاقات کرنے دو۔ میرے پاس شہزادے کی ری کا شافی علاج ہے۔ میں وہ علاج بادشاہ کو بتانا چاہتا ہوں۔ اللہ کے واسطے مجھے اندر جانے

دو۔ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ شہزادے کی زندگی بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ اگر علاج بروقت نہ ہوا تو شہزادہ اس دارِ فانی سے کوچ کر جائے گا۔ شہزادے اور بادشاہ پر ظلم نہ کرو مجھے اندر جانے دو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بادشاہ اس وقت سخت پریشان ہے اور وہ خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں اپنے بیٹے کے لیے زندگی کی خیرات مانگ رہا ہے۔ مجھے اندر ہر حال میں جانا ہے۔ مجھے نہ روکو۔ مجھے اندر جانے دو۔''

''مگر بادشاہ سلامت! چوکیدار اور پہریدار اسے سختی سے روکے ہوئے ہیں۔ وہ اسے پاگل اور دیوانہ سمجھ کر دھکے دے کر قصرِ شاہی سے دور لے جا رہے ہیں تاہم وہ بضد ہے اور اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ چلا رہا ہے اور اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں شاید وہ سچ ہی کہہ رہا ہو۔ خدا جانے وہ مردِ قلندر یا مردِ درویش ہی ہو!! بادشاہ سلامت! اگر آپ مناسب سمجھیں اور اجازت دیں تو اسے اندر آنے دیں۔ کیا پتہ رب تعالیٰ جل شانہٗ اسی کے ذریعے شہزادے کو زندگی کی نئی زندگی دینا چاہتے ہوں!''

بادشاہ نے مایوسی کے عالم میں کہا:

''وہ ضرور کوئی ضرورت مند ہوگا۔ پہلے بھی اسی طرح کے کئی لوگ آ چکے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ شہزادے کی بیماری کا علاج کر سکتے ہیں مگر وہ سب اپنی ضرورتیں پوری کر کے چلتے بنے اور میری پریشانی میں اضافہ کر گئے کیونکہ میرے بیٹے کی حالت روز بروز بگڑتی چلی گئی اور اب نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ موت کا فرشتہ دروازے پر دستک دے رہا ہے۔''

مصاحب خاص نے کہا:

''بادشاہ سلامت! ہر لمحہ و ہر پل نئی امنگ اور نئی امید و آس کی کرن لے کر آتا ہے۔ کیا پتہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی اسی میں کوئی حکمت پوشیدہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ یہ آخری تجربہ بھی کر کے دیکھ لیجئے۔''

بادشاہ نے قدرے سخت لہجے میں کہا:

''ٹھیک ہے اسے اندر بلا لو۔ اگر وہ سچا ہے تو انعام و اکرام پائے گا اور اگر اس نے کوئی ڈھونگ رچایا ہے تو پھر ہماری سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ ہم اس کا درویشی طور طریقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔''

بادشاہ کی اجازت ملتے ہی مصاحب خاص دوڑا ہوا گیا اور اس شخص کو ہمراہ لے آیا جو بظاہر پاگل لگتا تھا کیونکہ وہ مسلسل چیخ چلا رہا تھا اور اس کی زبان پر صرف یہی جملہ رواں تھا کہ ''میرے پاس شہزادے کی بیماری کا علاج ہے لہٰذا مجھے بادشاہ کے پاس فوری لے چلو۔''

جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچا تو بادشاہ نے جیسے ہی اسے دیکھا تو بادشاہ عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ اس کا ذہن یہی کہتا تھا کہ یہ سب ڈھونگ ہے مگر اس کا دل کہتا تھا کہ یہ شخص ضرور درویش

صفت مرد ہے۔ اس شخص نے آتے ہی انتہائی شائستہ اور مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ ''بادشاہ جی! السلام علیکم۔''

اس کے رویے اور لہجے میں اس قدر ملائمت اور متانت تھی کہ بادشاہ اسے ''وعلیکم السلام'' کہنے پر خوش ہوا۔ پھر بادشاہ نے اس سے قدرے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیا تم حکیم یا طبیب ہو؟ کیا تم میرے بیٹے کا علاج کر سکتے ہو؟ کیا تمہارے علاج سے میرا بیٹا صحت یاب ہو جائے گا؟''

اس درویش نے کہا۔ ''بادشاہ جی! میں نہ تو کوئی حکیم ہوں نہ ہی کوئی معالج! میں تو سیدھا اور سچا مسلمان ہوں۔ میں اس رب قادر و قدیر کا بندہ ہوں جس کے ہاتھ میں تمام بیماریوں کی شفاء ہے۔''

بادشاہ غصے میں آ گیا اور اس نے انتہائی سختی کے ساتھ کہا:

''پھر تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ تم یہ کیوں کہتے ہو کہ تمہارے پاس شہزادے کی بیماری کا علاج ہے؟ کیا تم نے صرف یہاں تک آنے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا ہے؟ کیا تمہیں تمہاری کسی ضرورت و حاجت نے تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے؟ جلدی سے سچ سچ بتاؤ ورنہ سزا کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس لیے کہ اس طرح تم ایک قریب المرگ مریض کے بوڑھے والد کی پریشانیوں میں نہ صرف اضافہ کا باعث بنو گے بلکہ اس کی مجبوری کا مذاق اُمرڑانے کے مرتکب ہو گے۔''

اس خستہ حال درویش نے عرض کی:

''بادشاہ جی! مجھے ڈھونگ رچانے یا کسی مصیبت زدہ کا مذاق اُڑانے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر میں نے بھی ایک دن رب ذوالجلال کے حضور جوابدہ ہونا ہے۔ میں تو آپ کو اپنا ایک خواب بتانے آیا ہوں۔''

بادشاہ کے غصے میں اضافہ ہو گیا اور اس نے تلخی کے ساتھ کہا:

''تمہارے خواب کا میرے بیٹے کی بیماری اور صحت یابی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ کیا تمہارا خواب سننے سے میرا بیٹا صحت مند ہو جائے گا۔ تم تو واقعی پاگل لگتے ہو۔ باہر کھڑے شاہی کارکنان تمہیں صحیح طور پر پاگل کہہ رہے تھے۔ کیسی عجیب بات کرتے ہو!''

مفلوک الحال درویش نے انتہائی لجاجت و متانت کے ساتھ عرض کی:

''بادشاہ جی! میرا خواب واقعی شہزادے کی صحت یابی کے بارے میں ہے۔ اور مجھے اس امر کا کامل یقین و وثوق ہے کہ میرا خواب سچا ہے۔ میرا خواب کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ آپ خواب سن لیجئے۔ پھر فیصلہ کیجئے کہ آیا اس پر عمل کرنا ہے یا نہیں۔''

درویش کے ان جملوں میں خدا معلوم کیسی جاذبیت و مقناطیسیت تھی کہ بادشاہ کا دل موم ہو گیا۔ اس نے بڑے دھیمے اور مہربان لہجے میں کہا:

''میاں! خواب بیان کرو۔ میرا دل قدرے سکون محسوس کرنے لگا ہے اور مجھے یوں لگتا ہے

جیسے رب کریم و رحیم نے میرے بیٹے کی صحت یابی کے لیے کوئی طریقہ تمہیں خواب کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔ بے شک رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات پاک بہت کرم کرنے والی اور اپنے محبوب حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیوں کو نوازنے والی ہے۔"

درویش نے جیسے ہی بادشاہ کی رضامندی پائی اس نے فوراً اپنا خواب بیان کرنا شروع کر دیا۔ وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا:

"بادشاہ جی! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک انتہائی خوبصورت گلستان میں خراماں خراماں چل رہا ہوں۔ رنگ برنگ پھولوں سے ایسی خوشبوئیں آ رہی ہیں کہ جن سے دل و دماغ معطر ہوئے جا رہے ہیں۔ خوش رنگ و خوش الحان پرندے ایسی میٹھی بولیاں بول رہے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی رسیلی دھنوں سے کانوں میں رس گھول رہا ہو۔ قسم قسم کے چشموں سے پانی یوں اچھل رہا ہے جیسے کوئی مجذوب دھمال کی مستی میں جھوم رہا ہو۔ قطار در قطار درخت ہیں جو ہمہ قسم کے پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ باغ میں موجود ہر چیز پر ایسی جذب و مستی کی کیفیت طاری ہے جیسے وہاں کی ہوا و فضا سرمگیں نغمے گنگنا رہی ہو مگر رب تعالیٰ جل شانہٗ کی شان دیکھئے کہ ایسے پاکیزہ و منزہ اور معطر و مطہر ماحول میں کہ جہاں دور دور تک کوئی آدمی نظر آتا ہے نہ آدم زاد، یکا یک ایک نورانی چہرے اور منور پیشانی والے بزرگ نمودار ہوتے ہیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ فوری طور پر بادشاہ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ وہ پریشان ہونا چھوڑ دے اور کسی تاخیر و تامل کے بغیر شہزادے کو لے کر ہمارے پاس لاہور چلا آئے۔ رب العزت کا کرم شاملِ حال رہا تو شہزادے کو رب قادر و قدیر کی قدرت کاملہ سے شفاء کاملہ مل جائے گی اور وہ ایسا تندرست و توانا ہو جائے گا جیسے کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔ ہاں تاکید یہی ہے کہ دیر نہ کی جائے۔ کیونکہ وقت تھوڑا ہے۔"

اتنا کہہ کر درویش خاموش ہو گیا۔ بادشاہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے درویش سے پوچھا:

"وہ بزرگ کون تھے؟ ان کا نام کیا ہے؟ کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟ کیا انہوں نے اپنا نام نہیں بتایا؟"

درویش نے کہا:

"بادشاہ جی! نہ تو میں ان بزرگ کو جانتا ہوں اور نہ ہی انہوں نے اپنا نام بتایا۔ صرف لاہور شہر کا نام لیا اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی تو صبح کی اذان ہو رہی تھی جس میں مؤذن رب وحدہ لا شریک کی وحدانیت اور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دے رہا تھا جو اس بات کی واضح دلیل تھی کہ میرا خواب سچا ہے۔"

بادشاہ نے کافی سوچ بچار کیا اور لاہور شہر کے حوالے سے بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ بزرگ صرف اور صرف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہی ہو سکتے ہیں۔ اس ضمن میں بادشاہ نے علماء و مشائخ سے بھی رائے لی۔ انہوں نے بھی متفقہ طور پر یہی رائے دی کہ درویش کا خواب سچا ہے اور وہ بزرگ

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں جنہوں نے اس درویش کو خواب میں آپ کے لیے اشارہ دیا ہے کہ شہزادے کو لے کر فوری طور پر ان کے مزار پر حاضری دی جائے۔

اب مسئلہ یہی تھا کہ اس قدر نحیف و نزار اور کمزور و ناتواں شہزادے کو کس طرح لاہور لے جایا جائے۔ بادشاہ کا قیام اس وقت آگرہ میں تھا۔ آگرہ سے لاہور پہنچنا کوئی سہل بات نہ تھی۔ اک کٹھن اور دشوار مرحلہ تھا اور پھر یہ کہ قریب المرگ شہزادے کو جو حرکت کرنے سے بھی معذور تھا کس طرح اتنے لمبے سفر پر لے جایا جائے۔

ابھی یہ بحث جاری تھی اور مختلف تدبیریں سوچی جا رہی تھیں کہ یکا یک ایک گوشہ نشین عالم نے بادشاہ سلامت کے پاس حاضری دی اور کچھ عرض کرنے کی اجازت طلب کی۔

بادشاہ نے کہا۔ "بے دھڑک بولیں۔ بتائیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ مگر جلدی کیجئے کیونکہ ہم نے لاہور جانا ہے جبکہ وقت ہمارے پاس بہت کم ہے۔"

اس نیک سیرت عالم نے کہا:

"اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو میں اتنا عرض کروں گا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و فضیلت اپنی جگہ مسلم ہے مگر لاہور میں ایک انتہائی کامل ولی اللہ بھی رہتے ہیں جو حیات ہیں۔ جن کے پاس ہندوستان کے کونے کونے سے لوگ حاضر ہوتے ہیں اور ان کی دعا سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ شہزادے کو ان کے پاس لے جایا جائے تو از حد مناسب ہوگا۔ ہاں البتہ اس درویش کو بھی ساتھ لے لیں جس نے خواب میں ان بزرگ ہستی کو دیکھا ہے۔ وہ درویش ان کو دیکھ کر پہچان بھی لے گا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جو اسے خواب میں نظر آئے تھے۔ اگر وہ بزرگ نہ ہوئے تو پھر آپ بے شک شہزادے کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لے جایئے گا اور یہ کہ میں چاہوں گا کہ اس سفر میں آپ مجھے بھی ساتھ جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو آپ کی عنایت ہوگی تاکہ میں بھی ان بزرگ کی زیارت سے اور دعا سے مستفیض و مستفید ہو سکوں۔"

فرمانروائے ہند، بادشاہ وقت شاہجہاں جسے اس دور میں شہنشاہ بھی کہا جاتا تھا اس گوشہ نشین عالم کی مدلل و مؤثر گفتگو سے قائل ہوا اور اس بات پر مائل ہوا کہ وہ اپنے بیٹے داراشکوہ کو جو کہ زندگی سے مایوس ہو چکا تھا اس بزرگ کے پاس لے جائے جو لاہور میں رہتے ہیں اور بقیدِ حیات ہیں اور ان کا فیضِ عام جاری و ساری ہے۔ مگر اس تجویز سے اتفاق کرنے کے بعد شاہجہاں نے اس عالم سے پوچھا:

"ان بزرگ ہستی کا نام نامی کیا ہے؟"

گوشہ نشین عالم نے کہا:

"ان بزرگ کا نام ہے حضرت شیخ محمد میاں میر۔"

شہنشاہِ ہند شاہجہاں ، رب دوجہاں کے نیک بندوں اور اولیاء اللہ کا انتہائی قدردان اور عقیدت مند تھا۔ اس نے جیسے ہی حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کا نام نامی سنا تو اس کے پورے جسم میں محبت واحترام کی اک لہرسی دوڑ گئی۔ اس نے اس گوشہ نشین عالم سے کہا کہ وہ بھی ساتھ چلے اوراس نے اس درویش کو بھی ساتھ لے لیا جس کو خواب میں شہزادے کو لاہور لانے کا حکم ملا تھا۔

اب شاہجہاں نے رب العزت کے حضور نوافل ادا کئے اور پھر دعا کے لیے ہاتھ بلند کئے اور عاجزی کے ساتھ عرض کی:

''اے رب قادر وقدیر! اگر تیری منشاء ومرضی یہی ہے کہ میں حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اپنے بیٹے کو لے کر حاضری دوں اور ان سے دعا کراؤں تو پھر مجھے اور میرے بیٹے کو ہمت وطاقت اور صبر وحوصلہ دے کہ ہم آگرہ سے لاہور تک کا سفر بخیر وخوبی کر سکیں۔ بے شک تُو ہی طاقت وقوت دینے والا ہے۔ ہمیں خیریت سے وہاں پہنچا اور اپنی خاص عنایت سے میرے بیٹے کی بیماری دور کر۔ اسے شفا عطا فرما۔''

اور پھر شاہجہاں کے بیمار بیٹے داراشکوہ کے لیے ایک آرام دہ پالکی تیار کی گئی۔ اس میں شہزادے کو لٹا دیا گیا اور یوں شاہجہاں کی سرکردگی میں ایک مختصر سا قافلہ آگرہ سے لاہور کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر قافلہ ٹھہر کر آرام کرتا کیونکہ شہزادے کو آرام دہ پالکی ہونے کے باوجود جھٹکے محسوس ہوتے تھے اور اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ ہلکا سا جھٹکا بھی برداشت کر سکے۔

شاہجہاں نے اس سفر کے آغاز سے پہلے چند چست اور برق رفتار گھڑسواروں کو لاہور کی جانب روانہ کر دیا تاکہ اس مقام کا پتہ لگا سکیں کہ جہاں حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ قیام پذیر تھے۔ ان کی ذمہ داری یہی تھی کہ حضرت میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی جائے رہائش کا پتہ لگا کر فوری طور پر بادشاہ کو آگاہ کریں تاکہ شاہجہاں کو وہاں پہنچنے میں آسانی بھی ہو اور مقام رہائش ڈھونڈنے کی دقت کا بھی سامنا نہ کرنا پڑے۔

ابھی شاہجہاں اپنے بیمار بیٹے داراشکوہ کے ہمراہ لاہور شہر کی حدود میں داخل ہوا ہی چاہتا تھا کہ سرعت رفتار گھڑسواروں نے آکر بتایا کہ انہوں نے حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کا مقام رہائش تلاش کر لیا ہے۔ شاہجہاں کے چہرے پر طمانیت کی سرخی بکھر گئی اور اس نے اپنے مختصر سے قافلے کے اراکین کو کہا۔''منزل قریب ہی ہے۔ گھوڑوں کی رفتار تیز کر لو۔ حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کی جائے قیام جاننے والے گھڑسواروں کے ہمرکاب چلیے۔ ہم جلد ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔''

اور جب شاہجہاں کی سربراہی میں یہ مختصر قافلہ حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کی رہائش گاہ پر پہنچا تو شاہجہاں نے اندر پیغام بھجوایا کہ وہ حضرت جی سے ملنے کے لئے آگرہ سے کئی دنوں اور راتوں کا کٹھن سفر کر کے لاہور پہنچے ہیں تو حضرت شیخ میاں محمد میر کے خادم خاص نے آکر بتایا:

''حضرت جی آپ ہی کے منتظر ہیں۔ اپنے مریض لخت جگر کے ہمراہ فوری طور پر اندر تشریف لے آئیے کیونکہ وقت بہت کم رہ گیا ہے اور مریض کا علاج ہونا ابھی باقی ہے۔''

شاہجہاں نے جیسے ہی یہ جملے سنے وہ بے ساختہ دیوانہ وار اندر داخل ہوا۔ اس کے بیٹے داراشکوہ کو چارپائی پر لٹا کر اندر لے جایا گیا۔ شاہجہاں نے دیکھا کہ اندر ایک مردِ قلندر، وقت کا سکندر ایک موٹے کپڑے کی چٹائی پر بیٹھا ہے اور اس کے لبوں پر ذکر الٰہی ہے۔ شاہجہاں کو اپنا خواب بتانے والے درویش نے شاہجہاں کے کان میں چپکے سے کہا۔''بادشاہ جی! یہ بالکل وہی بزرگ ہیں جنہیں میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ انہوں نے ہی لاہور آنے کا کہا تھا۔''

شاہجہاں نے حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کو آگے بڑھ کر انتہائی ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کے ساتھ سلام کیا۔ حضرت شیخ میاں محمد میر نے سلام کا جواب دینے کے بعد کہا۔''شاہجہاں! پریشان کیوں ہو؟ کیا رب کریم ورحیم کی رحمت سے ناامید ہو گئے ہو؟ سمجھتے ہو کہ ناامیدی گناہ ہے؟''

شاہجہاں نے کہا:

''حضرت جی! میں رب رحمٰن ورحیم کی رحمت وعنایت سے مکمل طور پر اچھی اور بہتر توقعات رکھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قدر لمبی اور تکلیف دہ مسافت کے بعد یہاں حاضر ہوا ہوں۔ کیا آپ میرے بیٹے کے حق میں دعا فرمائیں گے؟''

حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''شاہجہاں نے خود ہی تو شہزادے کو بلوایا ہے۔ ہم اس کے لئے دعا بھی کریں گے اور دوا بھی۔ ان شاء اللہ شہزادہ بالکل تندرست اور صحت مند ہو جائے گا۔ بہت تکلیف اور پریشانی دیکھ لی۔ اب خوشی اور مسرت کے لمحات دل نشین قریب تر ہیں۔ شہزادے سے کہو کہ اٹھ کر بیٹھ جائے۔ اسے ہمارے سامنے بٹھاؤ۔ ہم اس کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔''

شاہجہاں نے عرض کی:

''یا حضرت! شہزادہ اس قدر نحیف وکمزور ہے کہ اٹھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔ پھر بھی میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کو اٹھا کر بٹھا سکوں۔'' اور پھر شاہجہاں نے پوری کوشش وکاوش کی مگر نقاہت کی وجہ سے شہزادہ بیٹھ نہیں سکتا تھا بلکہ گر پڑتا تھا۔ اس موقع پر شاہجہاں کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں اور اس نے سر جھکا لیا۔ بیٹے کی بیماری وبے چارگی کے غم نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ پھر اس نے حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور ایک سرد آہ بھری!

حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''شاہجہاں! فکر مت کرو۔ یہ لو پانی کا پیالہ اور اپنے بیٹے کے ہونٹوں سے لگا دو۔ اسے کہو کہ وہ یہ پانی پی جائے۔''

دراصل حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ نے کلام اللہ پڑھ کر اپنے زیر استعمال مٹی کے پیالے کے پانی پر دم کیا تھا اور وہی پیالہ شاہجہاں کو دیا تھا۔

شاہجہاں نے حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ سے پیالہ لیا اور اپنے مریض بیٹے داراشکوہ کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ داراشکوہ نے پانی پینے کی پوری کوشش کی مگر وہ بمشکل تھوڑا سا منہ کھول سکا۔ یوں چند قطرے ہی اس کے حلق میں اُتر سکے۔ مگر ان چند قطروں میں ایسی تاثیر تھی کہ داراشکوہ کے چہرے پر رونق بحال ہونا شروع ہو گئی۔ اس کی نقاہت دور ہونے لگی۔ وہ لمحہ لمحہ اپنے آپ کو طاقتور محسوس کرنے لگا۔

اور پھر اس نے پورا پیالہ پی لیا۔ اب تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی طبیعت کافی سنبھل چکی تھی۔ وہ زندگی کی ہاری ہوئی بازی جیتنے کی پوزیشن میں داخل ہو چکا تھا۔ شاہجہاں کا چہرہ کھلکھلا اٹھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے آسمان کی وسعتوں سے رب کریم و رحیم کی رحمت کی بارش اپنی تمام تر تمازت وشدت کے ساتھ ہو رہی ہے۔ اس رب ذوالجلال کے حضور ہاتھ بلند کئے اور کہنے لگا:

''یاالٰہی! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تُو نے میرے بیٹے کو نئی زندگی دے کر میری خوشیاں مجھے لوٹا دی ہیں۔ میں کس زبان سے تیرا شکر یہ ادا کروں۔ نہ میرے پاس وہ الفاظ ہیں اور نہ ہی میرے پاس وہ زبان ہے جو تیرا حق بندگی ادا کر سکے۔ تیری نعمتوں اور عنایتوں کا شکر ادا کر سکے۔ میں ایک گناہ گار اور خطا کار بندہ ہوں لیکن پھر بھی تیرے محبوب حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ سا اُمتی ہوں۔''

اور اس کے بعد شاہجہاں نے وضو کر کے نوافل ادا کئے۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تین روز تک رب رحمٰن رحیم کے حضور گڑگڑا کر دعا کرتے رہے اور کلام الٰہی پڑھ کر اپنے مٹی کے پیالے میں پانی بھی پلاتے رہے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ تیسرے روز کی نمازِ مغرب کے بعد شہزادہ داراشکوہ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کبھی بیمار ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ سب کچھ رب قادر و قدیر کی قدرت کاملہ کا کرشمہ تھا۔

شاہجہان کو اپنے بیٹے داراشکوہ کی صحت یابی پر بہت خوشی ہوئی۔ اس نے حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں زرو جواہر اور درہم و دینار یعنی دولت و روپے پیسے سے بھری تھیلیاں اور خوان پیش کئے مگر حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں ہاتھ تک نہ لگایا بلکہ اپنے خدام خاص سے کہا کہ اسی لمحے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیں اور ان سے کہیں کہ وہ شہزادے کی درازی عمر کے لئے دعا کریں۔

شاہجہاں اپنے بیٹے کی صحت یابی پر ایک بہت بڑی دعوت اور جشن کا اہتمام کرنا چاہتا تھا مگر حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ نے اسے سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے روک دیا۔ آپ نے

فرمایا:

''دعوت اور جشن محض رقم کا ضیاع ہے۔ یہی رقم غرباء و فقراء اور مسکینوں و یتیموں میں تقسیم کر دو۔ انسان بھی کیسی طبیعت رکھتا ہے۔ جب اسے غم پہنچتا ہے تو گڑگڑاتا ہے۔ روتا ہے۔ التجا کرتا ہے۔ دعا کرتا ہے۔ مگر جب اسے خوشی ملتی ہے تو ہنگامے پر اُتر آتا ہے۔ جشن مناتا ہے۔ دعوتیں اُڑاتا ہے اور غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کو بھول جاتا ہے۔ تم رب تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر بجالاؤ۔ شکر کا طریقہ یہی ہے کہ نوافل ادا کرو۔ ذکر الٰہی کرو اور جس قدر زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات ہو سکے کرو۔ ان باتوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ رب قادر و قدیر کا حکم یہ ہے کہ روؤ زیادہ اور مسکراؤ کم۔''

☆======☆======☆

حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب 28 واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے دادا حضرت قاضی قلندر فاروقی اپنے زمانے کے عالم باعمل اور زاہد و عابد شخص تھے۔ آپ کے والد محترم حضرت قاضی سائیں اللہ دتہ فاروقی اپنے زمانے کے صاحب علم و فضل اور صاحب کردار و افکار بزرگ تھے۔ حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ خاتون رحمتہ اللہ علیہا اس دور کے مشہور عالم دین حضرت قاضی قارن رحمتہ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں اور نیک سیرت و شب زندہ دار خاتون تھیں۔

حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کے نانا جان اپنی بیٹی اور آپ کی والدہ محترمہ کو اکثر کہا کرتے تھے:

''بیٹی! میں نے تمہارا نام فاطمہ محض حضرت فاطمہ بتول عنہما بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر رکھا ہے لہٰذا اس نام اور نسبت کی لاج رکھنا۔''

اور یوں حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ خاتون نے اپنے نام کی لاج اس طرح رکھی کہ آپ ہمہ وقت باوضو ہوتی تھیں۔ ہر لمحہ یاد الٰہی میں گزرتا تھا۔ عشق خدا اور عشق مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جسم میں خون بن کر دوڑتا تھا۔ بعض اوقات تمام رات عبادت و ریاضت میں گزار دیتی تھیں۔ آپ کو دودھ پلانے سے پہلے تازہ وضو کر کے دو نفل نماز کی ادائیگی فرماتی تھیں اور رب کریم و رحیم کا شکر ادا کرتی تھیں کہ جس ذات نے انہیں حضرت شیخ میاں محمد میر جیسا ولی اللہ عنایت فرمایا تھا۔

دراصل جب حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کے بڑے بھائی کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ نے چشم مکاشفہ سے دیکھ لیا کہ ان کا یہ بچہ معرفت و ولایت کے اعلیٰ و ارفع مراتب تک پہنچنے کی صلاحیت سے ودیعت نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ان کی والدہ ماجدہ نے رب رحمٰن و رحیم سے گڑگڑا کر التجا و استدعا کی:

"یا الہ العالمین! میں تجھ سے ایک ایسے فرزند کی طلبگار و خواستگار ہوں جو عارف کامل، عابد و زاہد اور ولی و اکمل ہو۔ جس کا ہر سانس اور ہر پل تیری رضا کے لئے وقف ہو۔ میں نہ مال و زر کی خواہشمند ہوں اور نہ ہی دنیاوی جاہ و جلال والی اولاد کی آرزومند ہوں۔ مجھے تو ایسا بیٹا عنایت فرما جو سچا و پکا مومن و مسلمان اور عشق الٰہی و عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار و پُرخمار ہو۔"

اور پھر حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ کی دعائیں رنگ لائیں اور کچھ ہی عرصہ بعد انہیں خواب میں بشارت ملی:

"اے فاطمہ! تُو نے ایک ولی اللہ مانگا ہے ہم تجھے ایسا بیٹا بھی دیں گے اور ایسی ہی صفات کی مالک بیٹی سے بھی نوازیں گے۔" چنانچہ حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کی ایک بہن حضرت بی بی جمال رحمتہ اللہ علیہا بھی انتہائی عابدہ و زاہدہ اور کرامات کی حامل ولیہ تھیں۔

حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت کے بارے میں دو مختلف آراء ہیں۔ دارا شکوہ اپنی کتاب "سکینۃ الاولیا" میں رقمطراز ہیں کہ حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت 938 ہجری مطابق 1532ء ہوئی جبکہ "تحفۃ الکرام" کے مؤلف نے آپ کی ولادت 957 ہجری مطابق 1550 عیسوی بیان کی ہے۔ یہ مغل شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت کے آخری سالوں کا زمانہ تھا۔

حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ سندھ کے قدیم شہر سیوستان میں پیدا ہوئے۔ آج کل یہ شہر سیہون کے نام سے مشہور و معروف ہے اور سندھ کے شہر بھکر اور ٹھٹھہ کے درمیان ضلع دادو میں واقع ہے۔ چونکہ آپ پیدائشی سندھی تھے اس لئے آپ کی مادری زبان بھی سندھی ہی تھی تاہم آپ کی کم و بیش ساری زندگی سرزمین پنجاب میں بسر ہوئی اور آپ نے آخری آرام گاہ کے لئے بھی پنجاب کے دل شہر لاہور ہی کو پسند فرمایا۔

حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کو انتہائی کم سنی ہی میں حصول علم کا از حد ذوق و شوق تھا۔ رب علیم و خبیر نے آپ کی ذات میں فہم و ادراک اور دلیل و استدلال کی قوت و طاقت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والدین کی سرپرستی میں گھر پر ہی ہوئی۔ آپ کی والدہ محترمہ اور والد محترم دونوں ممتاز ماہرین علم و فن تھے۔ ان دونوں نے شروع ہی سے آپ کو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی دینا شروع کر دی تھی۔

حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کم عمری ہی میں ایسے ایسے سوالات کرتے تھے اور بعض اوقات ایسے ایسے جوابات دیتے تھے کہ بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے تھے۔ یہ سب کچھ رب رحمٰن و رحیم کی ودیعت و عنایت تھی۔ آپ کے پاس اکتسابی علم کم اور لدنی علم زیادہ تھا۔ اکثر اوقات آپ اپنے والد محترم سے ایسے پیچیدہ اور مشکل قسم کے سوالات کرتے تھے کہ آپ کے والد محترم حیران بھی ہوتے اور خوش بھی کہ رب وحدہ لاشریک نے انہیں اس قدر ارفع ذہنیت کا مالک بیٹا عطا فرمایا

ہے۔ آپ کے والد محترم آپ کے سوالات کے تسلی و تشفی بخش جوابات دیتے تو آپ بہت خوش ہوتے۔ بعض اوقات حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ اپنے والد محترم کے جواب کو سن کر بصد عجز و نیاز عرض کرتے:

"ابا جان! میرے خیال میں اس سوال کا اگر یہ جواب ہو تو کیا یہ زیادہ برمحل اور موزوں نہیں ہوگا؟"

اور آپ کے والد محترم سمجھ جاتے کہ ان کے فرزند ارجمند میں رب قادر و قدیر نے کس قدر اہلیت و قابلیت ودیعت کی ہے۔

حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ کے والد محترم ایک دفعہ حسب معمول مسجد میں لوگوں کو درس دینے کے بعد ان کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے۔ وہاں آپ موجود تھے۔ اس وقت آپ بہت چھوٹے بچے تھے۔ اس محفل میں مسئلہ تقدیر زیر بحث تھا۔

ایک شخص نے سوال کیا:

"سائیں اللہ دتہ صاحب! اگر رب تعالیٰ نے قسمت میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہنا ہے تو پھر اس طرح انسان مجبور، بے بس اور لاچار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ پھر جزاء و سزا کس لیے ہے؟"

اس سے پہلے کہ آپ کے والد محترم حضرت قاضی سائیں اللہ دتہ رحمتہ اللہ علیہ اس سوال کا جواب دیتے، حضرت شیخ میاں محمد میر رحمتہ اللہ علیہ نے آگے بڑھ کر اپنے والد محترم سے کہا:

"ابا جان! اگر اجازت ہو اور اسے آپ مداخلت تصور نہ فرمائیں تو میں اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔"

آپ کی کم سنی اور کم عمری کو دیکھ کر تمام حاضرین محفل حیران ہوئے کہ اس قدر چھوٹا بچہ کس طرح اس مشکل سوال کا جواب دے گا۔ کچھ لوگ زیرلب مسکرائے اور کچھ نے قدرے ناگواری کا بھی اظہار کیا مگر حضرت قاضی سائیں اللہ دتہ رحمتہ اللہ علیہ نے بصد شفقت و محبت اپنے لخت جگر سے کہا:

"بیٹا! تم اگر جواب دینا چاہتے ہو تو اس سے زیادہ اچھی بات اور کون سی ہو سکتی ہے! مجھے تو تمہاری علمیت و قابلیت اور جرأت اظہار و افکار کا پہلے ہی علم ہے۔ آج لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے گا۔"

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے حاضرین محفل سے مخاطب ہو کر کہا:

"میرے بزرگو! آپ کے علم میں ہے کہ انسان بہت محدود علم کا مالک ہے۔ انسان کے پاس اتنا ہی علم ہے جتنا اسے رب علیم و خبیر نے عنایت کیا ہے۔ علم رکھنے والی ذات صرف اور صرف رب کریم و عظیم کی ذات ہی ہے اور وہ ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہے مگر انسان کا علم تمام

ترعیوب اور نقائص رکھتا ہے۔ تقدیر دراصل ایک اندازہ ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے خیر وشر تخلیق کرنے کے بعد اپنے علم غیب سے یہ معلوم کرلیا کہ میرا یہ بندہ کس راستے کا مسافر ہوگا اور کون سا عمل کرے گا مگر اس کے ساتھ ہی رب تعالیٰ جل شانہٗ نے انسان کو غلط اور صحیح کا شعور و وجدان بھی دے دیا تاکہ وہ جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ اگر انسان صحیح راستہ اختیار کرلے تو اپنی تقدیر بدل سکتا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ تقدیر اٹل ہے تو اصل میں ہم اپنے رب کے علم غیب کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ نیک اعمال سے تقدیر بدلی جاسکتی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ ان کی تقدیر کا عذاب بھی ان کی توبہ کی بدولت ٹل گیا اور ان کی تقدیر بدل گئی۔ اس لئے یہ کہنا کہ انسان محض مجبور ہے غلط ہے۔ انسان مکمل طور پر بااختیار ہے۔ اسے برے بھلے کی تمیز عطا کردی گئی ہے۔ اب یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ کون سا راستہ منتخب کرتا ہے۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے ایسی مدلل، پُر مغز اور پُر استدلال گفتگو کی کہ تمام حاضرین محفل عش عش کر اٹھے۔ ہر ایک نے بے ساختہ داد دی اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرت و ودیعت کی تعریف وتوصیف کی کہ جس نے اس قدر کمسن بچے کو علم لدنی جیسی نعمت سے نوازا۔ ہر زبان پر یہی جملہ تھا کہ:

''یہ سب رب کریم ورحیم کی دین ہے۔ وہ جسے چاہے جو کچھ عطا کردے اور جتنا چاہے عطا کردے۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کے والد محترم حضرت قاضی سائیں اللہ دتہ رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے بیٹے کی اس کارکردگی پر بہت خوش ہوئے۔ حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ جب گھر پہنچے تو آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کو تمام واقعہ گوش گزار کیا اس پر آپ کی والدہ نے آپ کو سمجھاتے ہوئے کہا:

''بیٹا! اپنی عمر کے مطابق بات کرنا ہی دانش مندی ہے۔ راز ربی کا اخفاء از حد ضروری ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے جو نعمت تمہیں ودیعت کی ہے اسے وقت سے پہلے لوگوں پر ظاہر نہ کرو تو زیادہ بہتر ہے۔ ہر بات اپنے وقت پر اور ہر کام ایک مخصوص عمر ہی میں اچھا لگتا ہے۔ آئندہ سے احتیاط کرو۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی والدہ ماجدہ کی نصیحت پلے باندھ لی اور اپنی والدہ ماجدہ سے وعدہ کیا کہ:

''امی جان! میں آئندہ محتاط رہوں گا اور بھری محفل میں ایسی کوئی بات کرنے کی جسارت نہیں کروں گا۔ آپ بالکل درست فرماتی ہیں۔ میں آپ کی نصیحت پر ضرور عمل کروں گا۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ نے اسی لمحے بارگاہِ ایزدی میں سجدہ کے لئے سر جھکا دیا اور نوافل ادا کر کے رب قادر وقدیر کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اسے اس قدر بلیغ نظر

اور باکردار فرزند سے نوازا ہے۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی حیات مستعار کی سات بہاریں بمشکل ہی دیکھی تھیں کہ آپ کے والد ماجد حضرت سائیں اللہ دتہ دارِ فنا کو چھوڑ کر دارِ بقا کی جانب تشریف لے گئے۔ یوں آپ انتہائی صغر سنی ہی میں یتیمی کے تلخ تجربے سے دوچار ہوئے مگر آپ اوائل عمر ہی سے صبر وشکر کی نعمت سے مالا مال تھے۔ اس لئے آپ نے اسے رب قادر وقدیر کی مرضی ومنشاء سمجھ کر برداشت کیا۔

اب حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت کی تمام ذمہ داری آپ کی والدہ ماجدہ کے کاندھوں پر آپڑی تھی جسے انہوں نے کامل مہارت اور کمال ذہانت کے ساتھ نبھایا۔ انہوں نے نہ صرف خود اپنے ہونہار فرزند کی تعلیم وتربیت پر توجہ دی بلکہ حضرت شیخ محمد میاں میر کے لئے اس وقت کے جید اور مستند علماء کرام کا آپ کو شاگرد کیا جن سے آپ نے مروجہ اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کی۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی طبیعت میں اک عجیب سا اضطراب پیدا ہونا شروع ہوا تو آپ اپنی والدہ محترمہ سے اجازت لے کر سیہون شریف کی پہاڑیوں میں تشریف لے جاتے اور کوئی مناسب گوشہ تنہائی تلاش کر کے وہاں چادر بچھا کر بیٹھ جاتے اور ذکر وفکر میں مشغول ومستغرق ہوجاتے۔ یہ سنت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھی اور اس سے آپ کی طبیعت کی اضطرابی کیفیت کو بھی سکون وقرار ملتا تھا۔

ایک دن حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی والدہ ماجدہ سے کہا:

''امی جان! مجھے جو سکون ذہن اور قرار قلب ان پہاڑیوں کی تنہائیوں سے ملتا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ جی چاہتا ہے کہ شب وروز کا لمحہ لمحہ وہیں گزاروں مگر آپ کی اس ہدایت پر عمل کرنا بھی سعادت سمجھتا ہوں کہ شام ہونے سے پہلے گھر لوٹ آؤں۔''

آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا:

''بیٹا! جیتے رہو۔ رب ستار غفار تمہیں سلوک ومعرفت کی اعلیٰ وارفع منازل سے آشنا فرمائے۔ بات دراصل یہ ہے کہ پانی ہی میں مچھلی کی زندگی ہے اور جہاں آب ودانہ ہو پرندے کو وہیں اطمینان وسکون ملتا ہے۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی والدہ ماجدہ کی رمز بھری بات کو فوری سمجھ لیا اور عرض کی:

''امی جان! مچھلی اور پرندے کو شکاری کے جال کا بھی تو خطرہ ہوتا ہے۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ نے کہا:

''اگر جال سے تمہاری مراد شیطانی وسوسے اور شکاری سے مراد شیطان لعین ہے تو وہ تو روز

ازل سے اللہ کے نیک بندوں کا دشمن رہا ہے لیکن جن پرندوں کے پروں میں طاقتِ پرواز اور ارادوں میں قوت اعجاز ہوتی ہے انہیں شکاری شکار کرنے کی بجائے خود شکار ہو جاتا ہے۔مگر یہ بتاؤ کہ کیا تم شیطان لعین سے خوفزدہ ہو؟''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی والدہ محترمہ کو جواب دیا:

''امی جان! کیا آپ اپنے بیٹے سے ایسی توقع رکھ سکتی ہیں؟ میں ابلیس مردود سے بالکل خوفزدہ نہیں بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ وہ کبھی میرے سامنے آئے اور اس کی درگت بناؤں۔شیطان ملعون سے دوبدو مقابلے میں امی جان! اللہ کی قسم بہت مزہ آئے گا۔کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ میرے سامنے آئے اور میں اس پر لعنت بھیجوں؟''

حضرت شیخ محمد میاں میر کی والدہ ماجدہ نے اپنے ہونہار اور نیک سیرت بیٹے کی جرأت و استقامت پر خوشی محسوس کرتے ہوئے فرمایا:

''جانِ من! رب کریم سے دعا کرتے رہو۔ان شاء اللہ تعالیٰ تمہاری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی۔''

اور پھر ایک عرصہ تک حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ سیہون کی پہاڑیوں میں عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر کے لئے جاتے رہے۔اس دوران آپ کے ذہن میں جو سوالات ابھرتے ان کے آپ جوابات سوچتے رہتے۔اگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ پاتے تو اپنی والدہ ماجدہ سے مشورہ کرتے ورنہ اپنے اساتذہ کرام کے پاس چلے جاتے اور اپنے مسائل کا حل حاصل کر لیتے۔

اور وہ دن بھی جلد آ گیا جب حضرت شیخ محمد میاں میر نے اپنی والدہ ماجدہ سے بصد ادب و احترام عرض کی:

''میری پیاری امی جان! یہاں جو کچھ میں نے سیکھنا تھا سیکھ لیا۔اب آپ مجھے ازراہ صد لطف و کرم اجازت مرحمت فرمائیں تو میں حصول علم کے لئے سفر اختیار کروں۔سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کا بھی یہی حکم ہے کہ زمین میں گھومو پھرو اور علم و مشاہدہ کی دولت حاصل کرو۔چونکہ ابھی مجھے کافی کچھ حاصل کرنا ہے اس لئے میرا یہاں سے جانا اور مختلف مقامات علم حاصل کرنا ضروری ہے۔''

والدہ ماجدہ خود بھی چاہتی تھیں کہ اس کا بیٹا زیادہ سے زیادہ علم حاصل کر کے اور ریاضت و مشقت کی کٹھن منازل طے کر کے بڑا آدمی بن جائے اس لئے انہوں نے اپنے ہونہار فرزند کو سفر کی بصد فرحت و مسرت اجازت دیتے ہوئے رب حکیم و کریم سے دعا کی:

''یا باری تعالیٰ! تُو حکیم و علیم اور بصیر و خبیر ہے۔میرے بیٹے کو علم و عمل کی دولت سے مالا مال کر دے۔اس کا نام رہتی دنیا تک بلند و بالا فرما۔اسے اپنے پیارے اور منتخب بندوں میں شامل فرما لے۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے گھر کو خیر باد کہتے وقت ایک مصلّٰی، ایک لوٹا، ایک عصا، ایک چادر اور مٹی کے پیالہ کے سوا اور کچھ ساز و سامان ہمراہ نہ لیا تھا۔والدہ ماجدہ کی تربیت بھی یہی تھی کہ رب رازق و رزاق ہی کی ذات روزانہ کا رزق عطا کرنے والی ہے۔آنے والے کل کے لئے فکر مند نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس ذات پر توکل و بھروسہ کرنا چاہئے جو پتھر میں موجود کیڑے کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔

اور حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی دوران سفر ایسے صبر و توکل کا مظاہرہ کیا کہ جو مثالی تھا۔آپ نے پنگھ پکھیرو کی مثال سامنے رکھی۔جب رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات پاک انہیں بھوکا نہیں رکھتی اور روزانہ کا رزق روزانہ ہی بہم کرتی ہے تو پھر انسان تو اشرف المخلوقات ہے وہ کیوں آنے والے کل کی فکر کرے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ محمد میاں میر شام ہوتے ہی لوٹا اوندھا کر کے اس کا پانی گرا دیتے اور زبان سے یہی جملہ ادا کرتے:

''جس رب رازق نے آج رزق دیا۔کل بھی وہی دے گا اور ضرور دے گا۔اس لئے ضرورت سے زیادہ پانی ذخیرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔!!''

آپ کو بھوک لگتی تو یا تو کوئی پھل دار درخت راستے میں آ جاتا اور آپ اس کے گرے ہوئے پھلوں میں سے ایک اٹھا کر تناول فرما لیتے یا پھر کسی درخت کے پتوں ہی کو چبا لیتے تا کہ جسم و روح کا سلسلہ برقرار رہے۔رات ہوتی تو کسی درخت کے نیچے بیٹھ جاتے اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔اکثر اوقات چادر بچھا کر نوافل ادا کرتے رہتے اور رات کا مختصر سا حصہ سو کر گزارتے مگر جب بیدار ہوتے تو سبحان اللہ اور الحمدللہ کے کلمات زبان سے جاری ہوتے۔بعض اوقات آپ یہی سوچتے کہ کاش رب کائنات نے نیند نہ ہی بنائی ہوتی تو کس قدر اچھا ہوتا۔شب و روز کا لمحہ لمحہ عبادت و ریاضت میں گزرتا۔مگر آپ کا ذہن گواہی دیتا کہ نیند سے لطف اندوز ہونا بھی رب رحمٰن و رحیم کی نعمت ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔اس لئے اس نیت سے سونا کہ یہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ایک عبادت ہوئی۔اور یہی غور و فکر کی عادت بچپن ہی سے رب تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ کو ودیعت کی تھی۔آپ کے ذہن میں سوالات پیدا ہوتے رہتے اور رب کریم کی نوازش سے ان کے جوابات بھی آپ کے ذہن میں ایسے اُترتے رہتے جیسے کوئی الہامی کیفیت ہو۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کئی روز تک سفر میں رہے اور یہ سفر مسلسل بھی تھا اور کٹھن بھی مگر آپ انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔آپ نے دل میں یہی تہیہ کیا ہوا تھا کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کو جہاں منظور ہوگا وہیں قیام ہوگا۔رب علیم و خبیر بہتر جانتا ہے کہ میری منزل کہاں ہے۔وہ جہاں اور جس کے پاس پہنچا دے گا وہی میرے حق میں بہتر و افضل ہوگا۔

اور پھر دوران سفر ایک روز آپ نے دور سے دیکھا کہ ایک باریش بزرگ ان کی طرف آ رہا ہے۔اس کے ہاتھ میں ایک لمبی تسبیح ہے۔لمبا سا چغہ پہنا ہوا ہے جبکہ ہاتھ میں ایک لمبی سی لاٹھی

ہے۔ آپ نے پہلی نظر میں اسے دیکھا تو وہیں رک گئے۔

وہ بزرگ آپ کے قریب آیا اور اس نے آتے ہی آپ سے کہا:

''میاں! اس ویرانے میں زندہ سلامت ہو کہ جہاں آدم ہے نہ آدم زاد اور نہ ہی خوراک و رہائش کا بندوبست ہے بلکہ لمحہ لمحہ خونخوار جانوروں کا خدشہ وخطرہ ہے۔ یہ صرف اور صرف تمہارے زہد، تقویٰ اور عبادت ہی کی وجہ سے ہے۔ اتنی کم عمری میں اس قدر عبادت وریاضت ہی کی وجہ سے تم محفوظ و مامون ہو ورنہ تم کبھی کے آدم خور درندوں کی خوراک بن گئے ہوتے۔ تمہاری عبادت و ریاضت نے تمہیں بچایا ہوا ہے۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اس بزرگ سے پوچھا:

''آپ اپنا تعارف تو کرائیے کہ آپ ہیں کون؟''

اس بزرگ نے کہا:

''میں رب تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہوں کہ لوگوں کو سیدھی راہ دکھاؤں۔ ان کی رہنمائی کروں لیکن جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم تو اپنی عبادت کے بل بوتے پر بہت کچھ حاصل کر چکے ہو کہ باقی عمر کوئی عبادت نہ بھی کرو تو کوئی بات نہیں۔ جنت تو تمہیں مل ہی چکی ہے۔ اور یہ سب کچھ تمہارے اچھے اعمال کی ہی وجہ سے ہوا ہے۔''

اس بزرگ نے جیسے ہی یہ الفاظ ادا کئے حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لمحے اس بزرگ کو پہچان لیا۔ آپ نے بڑے تندوتیز لہجے میں کہا:

''میں تمہیں بڑی اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔ میں تو ایک عرصے سے تم سے مل کر دو دو ہاتھ کرنے کا آرزومند تھا۔ خوب جان لو کہ بخشنے والی ذات صرف اور صرف اللہ کریم وعظیم کی ذات پاک ہے۔ رب رحمٰن ورحیم کی رحمت شامل حال نہ ہو تو بڑی سے بڑی عبادت بھی کسی کام کی نہیں۔ اور یہ کہ زندگی کے آخری لمحے تک عبادت اور بندگی فرض ہے۔ تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ میں بخشا گیا ہوں اور یہ کہ اب مجھے عبادت کی ضرورت نہیں۔ تم لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھاتے بلکہ گمراہ کرتے ہو اور خود بھی گمراہ ہو۔ تم شیطان مردود اور ابلیس لعین ہو۔ میں صرف اتنا کہوں گا کہ لاحول ولاقوۃ!''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے جیسے ہی لاحول ولاقوۃ پڑھا تو شیطان لعین چیختا چلاتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا اور دور جا کر کہنے لگا:

''اتنے کم عمر بچے نے میری مت ماردی ہے۔ چلو پھر کسی وقت کوئی اور داؤ آزماؤں گا۔''

آپ نے باآواز بلند کہا:

''ابلیس مردود! تو بدبخت کوئی بھی داؤ آزمالے میں کبھی بھی تیرے ہاتھ نہیں آؤں گا اور تو اسی طرح روتا پیٹتا ہوا روزِ محشر دوزخ کا ایندھن بنے گا۔ یہ رب جبار وقہار کا وعدہ ہے اور میں دوسرے افراد کو بھی تیرے شر سے بچانے کی ہر ممکن کوشش وکاوش کرتا رہوں گا۔ خدا کی تجھ پر بے حد و

حساب لعنت!!''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کا ابلیس لعین کے ساتھ مکالمہ بہت زوردار رہا اور آپ کی یہ آرزو تھی کہ موقع ملے تو ابلیس مردود کو مزہ چکھائیں۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا سفر جاری وساری رکھا۔ دوران سفر آپ کے ساتھ ایک عجیب مگر دلچسپ و یادگار واقعہ پیش آیا۔ آپ نے راستے میں دیکھا کہ پہاڑ کے دامن میں ایک تنور نما گڑھا ہے جس کے اوپر پتھر پڑا ہے۔ آپ نے اس گڑھے کو تنور اس لئے خیال کیا کہ وہ موسم سخت سردی کا تھا مگر وہاں سے حرارت خارج ہو رہی تھی۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اس پتھر کو ہاتھ لگایا تو وہ بھی گرم تھا تاہم آپ نے اس پتھر کو ہٹایا تو اندر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اور پتھر اس گڑھے کے عین بیچ وبیچ پڑا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ روٹیاں لگانے والا تنور نہیں ہے بلکہ کسی فرد کے بیٹھنے اور ٹھہرنے کی جگہ ہے جو اس قدر سخت سردی میں گڑھے کے اندر آگ جلا کر درمیان میں رکھے پتھر پر بیٹھتا ہے۔

آپ نے اس بارے کافی غوروفکر کیا۔ آخر کار آپ کے ذہن وقلب نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ کسی بزرگ اور ولی اللہ کی جائے رہائش ہی ہو سکتی ہے جو سردی کے اس ٹھٹھرتے موسم میں اس گڑھے میں بیٹھ کر عبادت وریاضت کرتے ہوں گے اور اب کہیں تشریف لے گئے ہوں گے۔

کسی بزرگ کی قیام گاہ کا خیال کر کے حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ اس تنور نما گڑھے کے پاس قدرے دور ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ سخت سردی کے موسم میں وہاں بیٹھے عبادت وریاضت اور غوروفکر میں مشغول ومستغرق رہے تاہم آپ نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اس بزرگ سے ضرور مل کر جائیں گے اور ان سے فیض حاصل کرنے کے بعد مزید سفر جاری رکھیں گے۔

اسی عالم میں بیٹھے ہوئے تین روز گزر گئے۔ آپ تینوں ایام بغیر کچھ کھائے پیئے روزہ رکھتے رہے مگر صبر کا دامن تھامے رکھا۔ بالآخر چوتھے روز وہاں حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور آپ کو آتے ہی کہا:

''محمد میر تم یہاں کیسے؟''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا:

''آپ سے ملاقات کی خواہش لے کر تین روز سے یہاں آپ کا منتظر ہوں۔ آپ واقعی ولی اللہ ہیں کیونکہ آپ نے مجھے میرا نام لے کر پکارا ہے حالانکہ آپ کی اور میری یہ پہلی ملاقات ہے اور یہ کہ میں خود آپ کا نام تک نہیں جانتا۔''

دراصل حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ آپ سیستان کے قریب ایک پہاڑ میں مقیم تھے۔ ہمہ وقت عبادت الٰہی میں مشغول ومصروف رہتے تھے۔ شب وروز پہاڑوں کے درمیان گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ سردی اور گرمی میں ان کا ایک ہی لباس ہوتا تھا۔

ایک لمبا چغہ زیب تن کئے رکھتے تھے۔ پہاڑی جنگلی درختوں کے پھل اور پتے کھا کر گزارا کرتے تھے۔ جب سردی کا سخت موسم آتا تو گڑھا کھود کر اس کے عین درمیان میں پتھر رکھ لیتے اور اس کے اردگرد جنگلی لکڑیوں سے آگ جلا کر اسے گرم کر لیتے۔ اور پھر اس پتھر پر بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ سردی کی راتیں اسی تنور نما گڑھے میں گزارتے۔

داراشکوہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب ''سکینۃ الاولیاء'' میں ان کے بارے میں بیان کیا ہے:

ایک دفعہ سیوستان کا حاکم حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت عالم مراقبہ میں تھے۔ حاکمِ سیوستان آپ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا تاکہ جب آپ مراقبہ سے فارغ ہوں تو آپ کی خدمت میں کچھ عرض کر سکے۔

آپ اس وقت کھلے جنگل میں دھوپ میں بیٹھے تھے۔ حاکمِ سیوستان کے آپ کے آگے کھڑے ہونے سے اس کا سایہ آپ پر پڑا تو آپ پر دھوپ آنا بند ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ مراقبہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے حاکمِ سیوستان سے پوچھا:

''تم کون ہو اور یہاں کس لئے آئے ہو؟''

حاکمِ سیوستان نے کہا:

''میں آپ جیسے عظیم بزرگ اور ولی اللہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اگر میرے لائق آپ کوئی خدمت بتائیں گے تو مجھے از حد خوشی و مسرت ہو گی۔''

حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر تم بضد ہو تو پھر سنو تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ تم نے اپنا جو سایہ مجھ پر ڈال کر مجھے دھوپ جیسی نعمت سے محروم کر رکھا ہے اس سائے کو دور کرو۔ دوسرا کام یہ ہے کہ تم جہاں سے آئے ہو واپس چلے جاؤ۔ بس یہی دو کام تمہارے ذمہ ہیں۔ انہیں فوراً کرو۔''

حضرت شیخ خضر سیوستانی کی اس بات پر حاکمِ سیوستان وہاں سے چل دیا مگر جاتے جاتے پھر بھی مڑ کر کہتا جاتا تھا۔ ''حضرت جی! میرے لئے دعا ضرور فرمایئے گا۔ مجھے آپ کی دعاؤں کی سخت ضرورت ہے۔''

دنیاوی شان و شاکت، دولت و ثروت، حکومت و سلطنت اور بادشاہوں و حکمرانوں سے بے نیاز و لاتعلق حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت اس قدر سحر انگیز و کشش آمیز تھی کہ حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ ان کی طرف کھنچے چلے گئے۔ آپ کے قلب و ذہن نے شہادت و ضمانت دی کہ ایسے ہی مردِ مومن کی آپ کو تلاش تھی۔

حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ محمد میاں میر سے کہا:

''تم ہمارا نام تک نہیں جانتے۔ ہم سے واقفیت نہیں رکھتے مگر پھر بھی ہمارا انتظار کیا۔ آخر کیا

وجہ تھی؟''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی:

''یا حضرت! میرا من یہی کہتا تھا کہ یہ ضرور کسی مردِ قلندر کی قیام گاہ ہے۔ قصہ مختصر میں تو یہی کہوں گا کہ رب رحمٰن و رحیم کی مرضی و منشاء یہی تھی کہ میں آپ سے ملاقات کروں کیونکہ میں اپنے گھر سے اپنی والدہ ماجدہ کی دعائیں لے کر نکلا ہوں اور صرف مردان قلندر کی تلاش میں نکلا ہوں جن سے میں فیض پا سکوں۔ سلوک و معرفت کی منازل طے کر سکوں۔ عبادت الٰہی کا طریقہ و سلیقہ سیکھ سکوں۔ ذکر و فکر کا قرینہ جان سکوں۔ عاجزی و انکساری کا نمونہ بن سکوں اور بارگاہِ ایزدی میں قبولیت و عبودیت کا زینہ پا سکوں۔''

حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''نام میں کیا رکھا ہے! فانی انسان کو کام سے غرض و غایت رکھنی چاہیے۔ تم ہم سے ہمارا نام معلوم کر کے کیا کرو گے! البتہ جہاں تک کام کا تعلق ہے تمہارا ذوق شوق، تمہاری گفتگو و جستجو اور تمہارے احساسات و جذبات کی ہم قدر کرتے ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے رب قادر و قدیر نے چاہا تو تمہارے دامن میں ڈال دیں گے۔ تم اپنی کوشش و کاوش کی حدت و حرارت میں کمی نہ آنے دینا اور ہم کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیں گے کیونکہ بخیل نہ رب تعالیٰ کو پسند ہے نہ رب تعالیٰ کے محبوب کو پسند ہے۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی:

''یا حضرت! مجھے بیعت کیجئے۔ حلقہ ارادت میں شامل کیجئے اور اسی لمحے سے مجھے اپنی شاگردی میں لے لیجئے۔ میں آپ کو کبھی بھی مایوس نہیں کروں گا اور آپ کی توقعات پر پورا اُترنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔ ہاں آپ بارگاہِ خداوندی میں میری اصلاح و فلاح کے لیئے دعا ضرور کیجئے گا کہ وہ مجھے بندگی کا قرینہ عنایت فرما دے۔''

حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کو برضا و رغبت اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرما لیا۔ آپ ان کی بیعت سے فیضیاب ہوئے اور قلیل عرصہ میں مرشد کامل سے بہت کچھ حاصل کر لیا کیونکہ جہاں آپ کی طلب میں حدت تھی وہاں حضرت شیخ خضر سیوستانی کی عطا میں شدت تھی یوں سالوں میں طے ہونے والی منازل مہینوں میں پایہ تکمیل کو پہنچیں۔

اور پھر ایک دن حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرید باصفا حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر رازدارانہ لہجے میں پوچھا:

''جانِ من! یہ بتاؤ اگر دریا میں پانی اس کی وسعت سے زیادہ ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے انکساری کے ساتھ جواب دیا:

''یا حضرت! دریا کی گزرگاہ کو گہرا کر دیا جائے تو زائد پانی اس میں سما سکتا ہے۔''

حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر ایسا کرنا ممکن نہ رہے تو پھر کیا کریں گے؟''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی:

''مرشد جی! دریا کی روانی کو متبادل راستہ فراہم کرنا پڑے گا تاکہ سیلاب کا زائد پانی دوسری خشک زمینوں کو سیراب کرے اور خلقِ خدا کا فائدہ ہو۔''

حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''محمد میر! تم نے بالکل صحیح اور درست جواب دیا۔ تمہارا دامن بھر چکا ہے۔ اب تمہیں کسی ایسی زمین کا رخ کرنا چاہئے جہاں کے لوگوں کی تم اصلاح وفلاح کر سکو۔ ان کے دکھ درد بانٹ سکو۔ ان کے غموں کا مداوا کر سکو۔ ان کو دینِ اسلام کی روشنی سے منور ومطہر کر سکو۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے دست بستہ عرض کی:

''یا حضرت! میری رہنمائی اور رہبری فرمائیے کہ میں کہاں جا کر دینِ اسلام کی اشاعت وتبلیغ کا متبرک ومنزہ فریضہ سرانجام دوں۔ آپ کا جہاں کا اور جس شہر وعلاقہ کا حکم ہوگا میں فوری طور پر وہیں چلا جاؤں گا۔ مگر ایک بات ضرور عرض کروں گا کہ آپ سے جدا ہونے کو قطعاً جی نہیں چاہتا لیکن چونکہ یہ آپ کا حکم ہے اور رب رحیم وکریم کی خوشنودی بھی اسی میں ہوتی ہے کہ اس کے دین کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا جائے اس لئے میری خدمات حاضر ہیں۔ میں صرف آپ کے اشارے کا منتظر ہوں۔''

حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تم اس بارے میں مکمل آزاد وخود مختار ہو۔ جہاں جانا چاہتے ہو جا سکتے ہو۔ اپنے دل کی آواز سنو۔ اپنے دماغ کی بات مانو اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لے کر نکل پڑو۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی عاجزی کے ساتھ درخواست کی:

''یا حضرت! آپ نے اس قدر رہبری و رہنمائی کی ہے۔ یہ آخری رہنمائی بھی آپ ہی کر دیجئے۔ اس میں میری خوشی وخوشنودی ہے اور مجھے امید واثق ہے کہ آپ جس طرف کا بھی اشارہ فرمائیں گے وہ میرے حق میں بہت بہتر ہوگا۔''

حضرت شیخ خضر سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بہتر تو یہی تھا کہ تم خود فیصلہ کرتے مگر چونکہ تمہاری خوشی اسی میں ہے تو پھر تمہاری خاطر ہم تم سے یہی کہیں گے کہ لاہور شہر پہنچ جاؤ۔ وہیں ڈیرہ جماؤ اور خلقِ خدا کی خدمت کرو۔ رب تعالیٰ تمہارا حامی وناصر ہو!''

حضرت شیخ خضر سیوستانی کی حسبِ ہدایت آپ لاہور پہنچے۔ سیرت نگاروں اور مؤرخین کے

مطابق اس وقت آپ کی عمر 25 سال کے لگ بھگ تھی۔ لاہور پہنچنے پر آپ نے مردانِ حق کی تلاش کی تو بتانے والوں نے بتایا کہ یہاں کے مستند اور جید عالم دین حضرت مولانا سعد اللہ ہیں۔ چنانچہ کسی توقف کے بغیر آپ ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور ان کی شاگردی اختیار کر لی۔ ان سے آپ نے بہت ہی قلیل عرصہ میں علم معقول ومنقول کے علاوہ دوسرے علوم بھی حاصل کر لئے اور ان میں درجہ کمال تک پہنچ گئے۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت مولانا سعد اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد عزیز مولانا نعمت اللہ سے بھی تحصیل علوم فرمائی۔ یوں آپ نے علوم سلوک ومعرفت میں اعلیٰ وارفع منازل طے کر لیں۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے لاہور میں دورانِ قیام یہاں کے باغات اور سبزہ زاروں کو اپنی عبادت و ریاضت کے لئے بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔ آپ نے یہاں کے جنگلات میں بھی قیام کیا اور عبادت وریاضت میں مشغول ومستغرق رہے۔ اکثر اوقات آپ کے ارادت مند بھی آپ کے ہمرکاب ہوتے اور وہ اس جنگل یا باغ میں مختلف مقامات میں پھیل جاتے اور ذکر وفکر میں مشغول ومصروف رہتے۔ تاہم جب نماز کا وقت ہوتا تو سب افراد ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے اور نماز ادا کرتے جس کی امامت آپ فرماتے۔ بعض اوقات نماز کے بعد آپ وعظ و نصیحت اور تبلیغ وتدریس بھی فرماتے جبکہ اکثر مواقع پر آپ ان سوالات کے جوابات دیتے جو آپ سے آپ کے ارادت مند کرتے۔ آپ کے ارادت مندوں کی یہ عادت تھی کہ وہ مختلف دینی مسائل پر آپس میں بحث کرتے اور پھر جس مسئلہ پر متفق نہ ہو پاتے تو اسے آپ کے سامنے پیش کرتے چنانچہ آپ مستند ومعتبر حوالوں اور ٹھوس دلائل وحقائق سے ان کی تسلی وتشفی فرماتے۔

باغات وجنگلات اور پہاڑوں اور ویرانوں میں جا کر عبادت کرنا بھی سنت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیشتر دفعہ ایسے ہی مقامات کو عبادت و ریاضت کے لئے پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہوا تھا جبکہ اکثر اولیاء اللہ کا بھی یہی طریقہ رہا ہے۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ رات کو حجرے کا دروازہ بند کر کے بیدار رہتے اور تنہا ہو کر رب کائنات کی عبادت وبندگی فرماتے۔ آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت تنہائی میں گزاریں تاکہ آپ کو عبادت وریاضت کے لئے زیادہ زیادہ وقت میسر آ سکے۔

حضرت محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کو ایک دفعہ پتہ چلا کہ لاہور شہر کے مضافات میں ایک ویران مکان ہے جو بالکل خالی رہتا ہے اور کوئی ذی روح اس میں نہیں رہتا۔ آپ نے رختِ سفر باندھا اور اس مکان پر جا پہنچے۔ آپ مسلسل دو ہفتے اس مکان میں مصروف عبادت رہے مگر آپ کو عبادت میں وہ دلی سکون اور ذہنی قرار نہ ملا جو پہلے میسر آتا تھا۔ آپ حیران تھے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ کے ذہن میں مختلف قسم کے خیالات اور وجوہات آ رہی تھیں مگر آپ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پا رہے تھے۔ اس مقصد کی خاطر آپ اس مکان سے باہر آئے تاکہ اگر کوئی شخص وہاں اِدھر اُدھر کہیں رہتا ہو تو اس سے دریافت کر کے کوئی منطقی نتیجہ اخذ کریں۔

اس مکان کے نزدیک تھوڑے ہی فاصلے پر ایک کنواں تھا۔ اس کنویں کے پاس ایک سقہ رہتا تھا۔ آپ نے اس سقہ سے ملاقات کی اور باتوں ہی باتوں میں اس مکان کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس مکان میں چند روز قبل ایک بارات ٹھہری تھی۔ یہ بارات کہیں باہر سے لاہور شہر کی طرف آ رہی تھی۔ ان لوگوں نے ایک رات اسی مکان میں گزاری اور ساری رات ناچ گانا اور فضولیات میں مشغول رہے۔ پھر صبح ہوتے ہی یہاں سے چلے گئے۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کو تب یہ بات سمجھ آئی کہ اس مکان میں غیر اخلاقی حرکات کی وجہ سے نحوست پھیل گئی ہے جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں عبادت و ریاضت میں وہ لذت نہیں ملی جو پہلے انہیں ملا کرتی تھی۔ چنانچہ آپ نے اس مکان کو اسی لمحے خیر باد کہا اور کسی اور جگہ چلے گئے۔

کچھ عرصہ بعد آپ پھر سے لاہور شہر میں رہنے لگے تو رفتہ رفتہ آپ کی شرافت و بزرگی کا شہرہ لوگوں میں ہونے لگا۔ آہستہ آہستہ ہی سہی مگر خوشبو چہار جانب پھیلنے لگی تو لوگوں نے آپ کے پاس آنا جانا شروع کر دیا۔ آپ کو لوگوں سے اس لئے علیحدگی پسند تھی کیوں کہ آپ کہتے تھے۔ ''مجھ جیسے خطا کار انسان کو خواہ مخواہ لوگ بڑھا چڑھا لیں گے اور مجھے عابد و زاہد مشہور کر دیں گے۔ جبکہ یہ بات میرے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ مجھے اسی بات ہی کی سزا دیں کہ میں نے رب تعالیٰ کی بندگی سے ناجائز مفاد اٹھایا اور شہرت حاصل کی حالانکہ اعمال کا زائچہ رب تعالیٰ کے پاس ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کون پرہیزگار اور متقی ہے۔ پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میری بندگی رب تعالیٰ کے ہاں منظوری کا مقام و مرتبہ حاصل کر سکی ہے یا نہیں۔ لوگ تو ظاہر کو دیکھتے ہیں جبکہ باطن کا علم رب تعالیٰ کے پاس ہے اور اس بات کا مکمل اختیار بھی اسی کے پاس ہے کہ کسی کی عبادت کو شرف قبولیت بخشے یا اس کے منہ پر مار دے۔''

جب حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی ہے اور لوگوں میں ان کی عبادت و ریاضت کا چرچا ہونے لگا ہے تو آپ نے لاہور کو خیر باد کہا اور سرہند شریف تشریف لے گئے۔ وہاں کی آب و ہوا اور ماحول آپ کو موافق نہ آیا اور بیک وقت آپ کئی بیماریوں کا شکار ہو گئے۔ وہاں بمشکل ایک سال تک رہے اور جب صحت مند ہوئے تو دوبارہ لاہور آ گئے۔ سرہند شریف میں بھی آپ نے اپنے آپ کو پوشیدہ و خفیہ رکھا۔ اس طرح وہاں کے لوگوں کو یہ علم نہ ہوا کہ آپ سرہند شریف میں ہیں جبکہ لاہور والے بھی آپ کو ڈھونڈتے رہے مگر ان کو علم نہ ہو سکا کہ آپ کہاں ہیں!!

اب آپ لاہور پہنچے تو مستقل رہائش کے ارادہ سے پہنچے کیونکہ آپ کو غیبی اشارہ مل چکا تھا کہ لاہور میں رہیں اور لوگوں کی اصلاح و فلاح اور رفاہ کریں۔ چنانچہ آپ نے لاہور میں عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ رشد، ہدایت اور نیکی و بھلائی کا سلسلہ بھی جاری و ساری رکھا اور تمام عمر لوگوں کی خدمت میں صرف کر دی۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے:

''حاجت مندوں کی حاجت روائی بہت بڑی عبادت ہے۔ اس سے رب تعالیٰ جل شانہٗ بہت خوش ہوتے ہیں اور حاجت پوری کرنے والے کے درجات بلند فرماتے ہیں۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی ایک عادت جو کہ انہیں دوسرے اولیاء سے ممتاز و منفرد کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کم لوگوں کو مرید کرتے تھے۔ آپ کے مریدین کی تعداد بہت کم تھی۔ اگرچہ آپ کے پاس روزانہ لوگ اسی نیت سے حاضری دیتے تھے کہ انہیں آپ اپنے حلقہء ارادت میں شامل فرما لیں مگر آپ کسی نہ کسی طرح انہیں قائل و مائل کر کے مریدی میں لینے سے معذرت کر لیتے تھے۔

دراصل آپ کو ہر لحہ یہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ آپ انتہائی گناہ گار و خطا کار ہیں اور کہیں یہ پیری مریدی اس بات کی علامت نہ بن جائے کہ آپ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر، بہتر اور زاہد و عابد سمجھتے ہیں۔ انتہائی مجبوری کے عالم میں کسی کو مرید کرتے تھے تو اس سے بھی یہی عہد لیتے تھے کہ وہ کسی کو اس بارے میں نہ بتائے۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی حیات مستعار فقر و فاقہ سے مزین و منور تھی۔ آپ کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے مگر کسی کو یہ خبر نہیں ہونے دیتے تھے کہ آپ نے کچھ کھایا یا نہیں۔ توکل کی دولت بے بہا کے مالک تھے۔ آپ سمجھتے تھے کہ جب رب رازق و رزاق چاہے گا تو اپنے خزانہء غیب سے رزق دے دے گا۔ اور جب رب تعالیٰ جل شانہٗ میرے حق میں یہی بہتر سمجھے گا کہ میں فاقہ سے رہوں تو پھر مجھے دنیا کی کوئی طاقت کھانا نہیں کھلا سکتی۔ اور اکثر یہی ہوتا تھا کہ دستِ غیب سے آپ کے لیے رزق کا اہتمام و انتظام ہو جاتا تھا جس سے آپ کے توکل و تیقن میں مزید اضافہ ہوتا تھا اور وہ مضبوط سے مضبوط تر ہو جاتا تھا۔

ایک دفعہ آپ کے حقیقی بھائی آپ کی ملاقات کے لئے لاہور آئے۔ اس وقت آپ کے پاس ان کو پیش کرنے کے لئے کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی بلکہ آپ خود تین یوم سے فاقہ سے تھے۔

ان لمحات میں آپ کا کوئی ارادت مند بھی آپ کے پاس موجود نہیں تھا جو صورتِ حال کی نزاکت و ضرورت کو بھانپ کر کوئی چیز لا کر آپ کے بھائی کو پیش کرتا۔

ایسی صورتِ حال میں حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بھائی سے کہا:

''آپ تشریف رکھیں اور میرا انتظار کریں۔ میں ابھی بازار سے آپ کے لئے کھانا لے کر آتا ہوں۔''

اپنے بھائی کو اپنے گھر بٹھا کر آپ قریبی باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں وضو کیا اور دو نفل نمازِ حاجت ادا کر کے رب رحیم و کریم سے عرض کی:

''یا رب رازق و رزاق! تُو ہی رزق دینے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ میرے گھر کی تمام صورتِ حال تیرے سامنے ہے۔ میرا بھائی کھانے کے انتظار میں بیٹھا ہے اور میں یہاں تیری بارگاہ میں درخواست پذیر ہوں۔ میری عزت تیرے ہاتھ میں ہے۔ آج تک تُو نے مجھے مایوس نہیں کیا تو پھر آج میں کیسے ناامید جاؤں گا۔''

ابھی آپ نے دعا ختم ہی کی تھی کہ آپ نے دیکھا کہ آپ کا بھائی آپ کو ڈھونڈتا ہوا آپ کی طرف آ رہا ہے۔ آپ نے اپنے بھائی سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟ کیا بھوک زیادہ لگی ہے جو مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے ہو؟''

آپ کے بھائی نے کہا:

''میں آپ کو اس لئے بلانے اور ڈھونڈنے آیا ہوں کہ ایک آدمی کھانا اور نقدی لے کر آپ کے حجرہ میں آیا ہوا ہے اور آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ آپ کو بلا رہا ہے۔''

آپ جب اس شخص کے پاس پہنچے تو اس نے کھانے کا ایک بہت بڑا خوان اور نقدی کی ایک تھیلی آپ کی خدمت میں پیش کی اور کہا:

''رب رحمٰن و رحیم کا پیغام ہے کہ آپ کو جب بھی کوئی حاجت پیش آئے تو اسی طرح طلب فرمائیں۔ رب قادر و قدیر آپ کی حاجت پوری فرما دیں گے اور دنیا کے سامنے کبھی آپ کو شرمندہ نہیں ہونے دیں گے۔'' اس کے بعد وہ شخص چلا گیا اور پھر آپ نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر کھانا تناول فرمایا اور رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ معرفت و سلوک کی مختلف منازل طے کرنے کے باوجود اپنے آپ کو معرفت و ہدایت کے مکتب کے نو آموز طالب علم اور سلوک و طریقت کی شاہراہ کے نووارد مسافر اور کم علم راہی سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو جیسے ہی مفتی عبدالسلام لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی مدرسانہ مہارت کا علم ہوا تو آپ فوراً ہی ان کے پاس حاضر ہوئے اور ان کی شاگردی اختیار کر لی۔

آپ نے حضرت مفتی عبدالسلام لاہوری سے اس جذب و شوق اور اطاعت و رغبت کے ساتھ اکتسابِ علم کیا کہ حضرت مفتی عبدالسلام لاہوری انتہائی فخر و ناز سے آپ کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور اکثر یہی کہا کرتے تھے:

''جس طرح محمد میاں نے تیزی و سرعت کے ساتھ علم و معرفت کے اسرار و رموز پر عبور حاصل کیا ہے اس طرح کسی شاگرد کو رب تعالیٰ جل شانہٗ نے ایسی صلاحیت ودیعت نہیں فرمائی۔ محمد میاں میر نے میرے تمام تلامذہ کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ رب ذوالجلال محمد میاں میر کو

معرفت کی ارفع منازل سے روشناس فرمائے گا اور اس کا نام رہتی دنیا تک قائم دائم رکھے گا کیونکہ اس سے ایک عالم کو فیض پہنچے گا۔''

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ ذکر خفی اور ریاضت مخفی کو پسند فرماتے تھے۔ آپ کے قریب بیٹھے شخص کو بھی یہ علم نہیں ہو پاتا تھا کہ آپ کون سی آیت، سورت یا وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح آپ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ کوئی شخص آپ کو عبادت و ریاضت کرتے ہوئے نہ دیکھے۔ اسی لئے آپ تنہا جگہوں اور بند کمروں میں رب رحمٰن و رحیم کے حضور استدعا و التجا اور حمد و ثنا کرتے تھے۔

کچھ اس قسم کی صورت حال غرباء اور مساکین کی مدد کی بھی تھی۔ آپ جس کسی کی بھی استعانت و معاونت کیا کرتے تھے تو آپ کی ازحد کوشش و کاوش ہوتی تھی کہ اس کی کسی کو بھی خبر نہ ہو حتیٰ کے بعض اوقات جس شخص کی امداد کی جا رہی ہوتی تھی اس کے علم میں بھی نہ ہوتا تھا کہ دراصل اس کی مدد حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ ہی فرما رہے ہیں۔ آپ اس بات کے قائل تھے کہ ایک ہاتھ سے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی راہ میں دیا جائے تو دوسرے ہاتھ کو قطعاً علم نہیں ہونا چاہئے۔ اس طرح ایک تو سائل کی عزتِ نفس مجروح ہونے کا خدشہ ہوتا ہے دوسرے مددگار کے دل میں احساسِ تفاخر پیدا ہونے کا بھی خدشہ ہوتا ہے اور اس طرح نیکی کا اجر و ثواب ضائع ہونے کا احتمال رہتا ہے۔

مغل شہزادہ داراشکوہ اپنی معرکۃ الآرا تاریخی کتاب 'سکینۃ اولیا' میں حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''سیہون شریف میں ایک انتہائی غریب اور نادار شخص رہائش پذیر تھا۔ گردشِ زمانہ نے اسے ایسے حالات سے دوچار کر دیا تھا کہ وہ مفلس اور لاچار ہو کر رہ گیا حالانکہ اس سے پہلے وہ خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی گزارتا تھا۔ روپے پیسے کی ریل پیل تھی معاشرے میں اعلیٰ و ارفع مقام تھا لیکن جب وہ امیر سے غریب ہوا تو معاشرتی رسم و رواج کے باعث اکثر تعلق داروں نے اس سے روابط منقطع کر لئے حتیٰ کے اس کی لڑکی کے لئے جو پہلے سے رشتہ طے تھا وہ بھی ٹوٹ گیا اور کوئی دوسرا بھی رشتہ کرنے کو تیار نہیں تھا کیونکہ وہاں کے لوگوں کی یہ قدیم رسم تھی کہ رشتہ اسی کے گھر بھیجا جاتا تھا جو مال مویشی اور دولت و ثروت کا مالک ہو۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کو اس شخص کی صورت حال کا علم ہوا تو آپ اس کے گھر تشریف لے گئے۔ اس کا حال احوال دریافت فرمایا اور پھر اس کی لڑکی کے لئے معاشرتی رسم و رواج کے مطابق جہیز کا بندوبست کیا جس سے اس کے گھر رشتہ آیا اور یوں اس شخص نے اپنی بیٹی کے ہاتھ پیلے کئے۔ یہ سب کچھ آپ نے انتہائی رازداری کے ساتھ کیا کہ اس شخص کو یہ علم تک نہ ہو سکا کہ آپ کون ہیں! اور جیسے ہی لوگوں نے اسے آپ کے بارے میں بتایا تو وہ آپ کو ڈھونڈنے کے لئے دوڑا مگر اس وقت تک آپ کافی دور جا چکے تھے۔''

انسانی زندگی بدلتی ہوئی ساعتوں کا مجموعہ ہے۔ ہر پل ایک جیسا اور ہر لمحہ ایک سا نہیں رہتا کبھی انسان تندرست وتوانا ہوتا ہے تو کبھی کسی مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ رب کائنات کی طرف سے انسان کی آزمائش کے مختلف انداز ہیں۔ حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ اس قدر بیمار ہوئے کہ لاچار و بے بس ہوکر رہ گئے اور پھر یہ کہ آپ کی بیماری تقریباً ایک سال کے عرصہ پر محیط رہی۔ اس دوران آپ کی تیمارداری کے لئے آپ کے ایک ارادت مند حاجی نعمت اللہ حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں تیمارداری سے منع فرمادیا مگر وہ برابر اصرار وضد کے ساتھ آپ کے پاس رہے اور لمحہ لمحہ آپ کی خدمت میں گزارا۔

جب آپ صحت یاب ہوئے تو آپ نے حاجی نعمت اللہ سے فرمایا:

''عزیز من! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم فقیر و درویش ہیں۔ ہمارے پاس دنیاوی دولت بالکل نہیں کہ تمہاری خوشی وخوشنودی کے لیے پیش کرسکیں تاہم اتنا ضرور کرسکتے ہیں کہ رب عظیم وکریم سے تمہارے لئے دعا کریں اور پھر رب قادر وقدیر کی مرضی ومنشاء پر منحصر ہے کہ وہ تمہیں تمہارے وہم وگمان سے بھی زیادہ عطا فرمادیں اور ایسی نعمت سے سرفراز فرمائیں کہ جو تمہیں حیرت واستعجاب میں ڈال دے۔''

مرید خاص حاجی نعمت اللہ نے شکریہ بھرے لہجے میں کہا:

''یا حضرت! میری اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی کہ آپ میرے لئے رب رحمٰن ورحیم کے حضور دست بہ دعا ہوں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے چاہا تو آپ کی دعا سے میری عاقبت سنور جائے گی۔ آپ میرے لئے ضرور دعا فرمایئے۔ ربِ قادر وقدیر آپ کی دعا کو ضرور قبولیت کا شرف عطا فرمائیں گے۔''

اور پھر حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کی:

''یاالہ العالمین! میرے اس مرید باصفا حاجی نعمت اللہ نے میری اس وقت خدمت و تیمارداری کی جب میں کمزور و لاغر تھا۔ بے شک شفا دینے والی تیری ہی ذات ہے مگر تو نے حاجی نعمت اللہ کو میری تیمارداری کے لئے بھیج کر جو احسان وکرم کیا ہے اس کا شکر وشکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس موزوں الفاظ نہیں۔ بس اتنا عرض کرتا ہوں کہ حاجی نعمت اللہ کی خدمت کو قبول و منظور فرما اور اسے روحانی نعمتوں سے مالامال فرمادے۔''

آپ کی دعا کو قبولیت کی سند عطا ہوئی اور حاجی نعمت اللہ پر روحانیت کی دنیا یوں آشکار ہوئی کہ حاجی نعمت اللہ حیران ہوکر رہ گئے۔

حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ اپنے پاس آنے والے افراد کو اپنے واقعات سنا کر اخلاقیات کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہ انسان کی جبلت میں شامل ہے کہ وہ قصے، کہانی اور واقعے کو

دلچسپی اور انہماک کے ساتھ سنتا ہے جبکہ واقعات سنا کر اخلاقی نتائج حاصل کرنے کا تعلیمی اور تدریسی طریقہ انتہائی مؤثر کن سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب رحمٰن ورحیم نے قرآن پاک میں مختلف قصے سنا کر اعلیٰ وارفع ترین انداز میں سمجھایا ہے۔ سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بسا اوقات مختلف قصوں کی مدد سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو مختلف دینی ومعاشرتی مسائل کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ملاقاتیوں کو قصے سنانے کا طریقہ اختیار کیا ہوا تھا۔ لوگوں کو آپ کا یہ انداز درس و تدریس از حد پسند تھا اور بعض اوقات وہ خود اس کا مطالبہ کیا کرتے تھے کہ انہیں کوئی دلچسپ مگر سبق آموز قصہ سنایا جائے چنانچہ ایسے ہی ایک مطالبے اور تقاضے پر حضرت شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا ہی ایک واقعہ سناتے ہوئے فرمایا:

''حق ومعرفت کی تلاش میں ایک دفعہ دوران سفر میں نے دیکھا کہ ایک نشیبی مقام پر چار درویش سر جھکائے ذکر وفکر میں مصروف تھے۔ میں نے چاہا کہ میں بھی کچھ دن ان کے ساتھ گزاروں چنانچہ میں ان کے پاس جاکر بیٹھ گیا انہوں نے مجھے بیٹھنے سے روکا نہیں تو میں یہی سمجھا کہ ان کی خاموشی ان کی رضامندی ہی ہے۔ وہ لوگ نماز کے اوقات میں صف بندی کرتے اور ان میں سے باری باری ایک شخص امامت کراتا۔ بعدازاں وہ کثیر تعداد میں نوافل ادا فرماتے۔ میں بھی جیسے ان کو دیکھتا ویسے ہی کرنے کی کاوش وکوشش کرتا البتہ جب وہ اوراد و وظائف میں مصروف ہوتے مجھے یہ پتہ نہ چلتا کہ وہ کون سا کلام، آیت یا سورۃ کا ورد کررہے ہیں اور نہ ہی مجھے جرأت وجسارت ہوئی کہ میں ان سے پوچھتا چنانچہ میں اپنے وظیفہ کے لئے جو کچھ مناسب سمجھتا اس کا ورد کرتا رہتا۔

''ان درویشوں کا معمول یہ تھا کہ روزانہ ان میں سے ایک شخص باری باری ایک خاص وقت میں اٹھتا۔ درختوں کے پتے جمع کرتا۔ انہیں پانی سے دھوتا اور پھر ایک دیگچی میں ابالتا جنہیں سب مل کر کھاتے۔ وہ کھانے کے دوران مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرلیتے۔ چار دن اسی طرح گزرے اور جب پانچواں دن آیا تو ان درویشوں میں سے کوئی بھی درویش وقت مقررہ پر پتے جمع کرنے کے لئے نہ اٹھا۔ جب کچھ عرصہ گزر گیا تو پھر مجھے سمجھ آئی کہ آج میری باری ہے چنانچہ میں نے جاکر درختوں کے پتے جمع کئے۔ انہیں صاف پانی سے دھویا۔ دیگچی میں ابالا اور پھر ہم سب نے مل کر وہ کھانا کھایا اور رب رحیم وکریم کا شکر ادا کیا اور اس ذات پاک کی تسبیح بیان کی کہ جس نے ہمیں اس جنگل وبیابان میں خوراک فراہم کی۔

''یوں ان کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے تقریباً دو ہفتے ہوچلے تھے کہ ایک دن یکا یک زور شور سے گھٹا اٹھی۔ بادل گرجا، بجلی چمکی اور پھر اس قدر موسلادھار بارش ہوئی کہ جل تھل ہوگیا۔ ہم چونکہ نشیبی علاقے میں تھے اس لئے وہاں پانی بھرنا شروع ہوا اور شام ہونے سے پہلے پہلے ہی اس قدر

پانی بھر گیا کہ ہماری گردنوں تک آ گیا۔ ایسے میں مجھے ڈوبنے کا خطرہ و خدشہ پیدا ہوا مگر وہ چاروں درویش ذکر و فکر میں انتہائی بے فکری کے ساتھ مصروف و مشغول رہے۔ تاہم میرے دل میں خیال آیا کہ یا باری تعالیٰ! کیا ہم اس پانی میں ڈوب جائیں گے؟ میرے دل میں اس خیال کا آنا ہی تھا کہ پانی تیزی و سرعت کے ساتھ نیچے اُترنا شروع ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں یوں غائب ہو گیا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ تمام تر پانی زمین میں جذب ہو گیا۔

''جب ایسا ہوا تو وہ چاروں درویش پہلی دفعہ بولے اور کہنے لگے کہ ہم میں سے ایسا کون ہے کہ جس نے کارخانہ قدرت میں دخل اندازی کی؟ ان میں سے ہر ایک نے انکار کیا۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتایا کہ میرے دل میں یوں ہی خیال آیا تھا کہ کیا ہم ڈوب جائیں گے؟

''میرے اس اقرار پر وہ سخت ناراض ہوئے۔ انہوں نے مجھے وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا اور کہا کہ تم اس قابل نہیں کہ ہمارے ساتھ رہ سکو۔ جس رب ذوالجلال نے پانی کو ایسی طغیانی دی تھی کیا وہ خود نہیں دیکھ رہا تھا کہ ہم ڈوب رہے ہیں تمہیں کچھ زیادہ ہی فکر ستائے جا رہی تھی؟ کیا تمہیں رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رحمانیت و رحمت پر بھروسہ نہیں تھا؟ اب جاؤ یہاں سے فوری طور پر چلے جاؤ۔ چنانچہ میں وہاں سے چلا آیا۔''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ لوگوں پر زور دیتے تھے اور انہیں اس بات کی تلقین کرتے تھے کہ جس قدر ہو سکے صدقات و خیرات سے کام لیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ اس سے تکالیف اور پریشانیاں دور ہوتی ہیں اور رب رحمٰن و رحیم اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی:

''یا حضرت! میں سخت پریشانی اور بے چینی میں مبتلا ہوں میرا بھائی ایسی بیماری میں مبتلا ہے جو حکیموں اور طبیبوں کی سوچ و سمجھ اور تجربہ اور مشاہدہ سے بالاتر ہے۔ ہر قسم کا علاج کرا چکا ہوں مگر کوئی افاقہ نہیں ہو رہا۔ آپ ہی کوئی طریقہ بتائیے کہ اس بیماری سے رب کریم و رحیم نجات دے دے۔''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''کیا تم اس بات سے باخبر نہیں کہ صدقہ و خیرات سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ پریشانیوں سے نجات مل جاتی ہے اور تکالیف دور ہو جاتی ہیں۔ جاؤ جس قدر صدقہ و خیرات ہو سکتی ہے کرو۔ غریبوں کی مدد کرو۔ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور یتیموں کو کپڑے پہناؤ۔''

وہ شخص دوڑا ہوا گیا اور آپ کی نصیحت پر حرف بحرف عمل کیا۔ دو یوم کے بعد جب وہ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے ہاتھ میں نقدی اور مٹھائی تھی۔ اس نے کہا:

''یا حضرت! میں نے صدقہ و خیرات کی تو رب عظیم نے میرے بھائی کو شفا عطا فرمائی۔ یہ

مٹھائی اور نقدی اسی خوشی میں لایا ہوں۔ قبول فرمائیے۔''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا:

''یہ مٹھائی اور نقدی یہاں پر موجود فقیروں اور غریبوں میں تقسیم کرو اور آئندہ بھی صدقہ و خیرات کرتے رہا کرو۔ رب رحیم و کریم کا کرم تم پر جاری و ساری رہے گا۔''

آپ کی ولایت کی شہرت جب عوام الناس سے ہوتے ہوئے خواص تک پہنچی تو مصاحبین نے شہنشاہ ہند نورالدین جہانگیر کو آپ کے بارے میں بتایا۔ نورالدین جہانگیر کو آپ کے بارے میں جان کر آپ سے ملاقات کا اشتیاق ہوا تو اس نے آپ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔

شہنشاہ نورالدین جہانگیر نے فوراً ایک مصاحب خاص آپ کے پاس یہ کہلوا کر بھیجا:

''میں جب لاہور میں تھا تو مجھے آپ کے بارے میں کوئی علم و خبر نہیں تھی۔ اب جبکہ میں لاہور سے آ گیا ہوں تو مجھے آپ کے بارے میں بتایا گیا ہے اور اس قدر تعریف و توصیف کی گئی ہے کہ مجھے آپ سے ملنے کا شدت سے اشتیاق ہے۔ اگر میں لاہور میں ہوتا تو خود آپ کے پاس حاضری دیتا مگر اب چونکہ میں لاہور میں نہیں ہوں اس لئے اگر آپ یہاں تشریف لے آئیں گے تو میرے لئے یہ بات از حد باعثِ اعزاز و افتخار ہوگی۔ اب لاہور کی جانب میری واپسی کافی مشکل ہے ورنہ میں آپ کو ہرگز ہرگز تکلیف نہ دیتا۔ آپ ازراہ صد لطف و کرم میرے پاس تشریف لے آئیں اور مجھے زیارت کا شرف بخشیں۔ اس سے نہ صرف میرا مان بڑھے گا۔ میری عزت میں اضافہ ہوگا بلکہ آپ سے بالمشافہ گفتگو اور دعائیں لینے کا شرف حاصل ہوگا۔''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اس دعوت کے بارے میں کافی غور و فکر کیا۔ پھر یکایک آپ کو سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک یاد آیا کہ ''دعوت قبول کر لیا کرو'' چنانچہ آپ نے شہنشاہ ہند نورالدین جہانگیر کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے اس کے پاس جانے کا قصد کیا اور شہنشاہ کے مصاحب خاص سے کہا:

''تم شہنشاہ کے پاس پہنچو اور اسے ہمارا پیغام دو کہ ہم جلد ہی اس سے ملاقات کے لیے آ رہے ہیں۔ وہ ہمارا انتظار کرے۔ ہم چند ہی روز میں اس کے پاس ہوں گے۔''

اور پھر آپ حسبِ وعدہ شہنشاہ ہند نورالدین جہانگیر کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے خلافِ معمول اور خلافِ توقع آپ کی حد سے بڑھ کر پذیرائی کی۔ وہ آپ کو اپنے محل کے کمرہ خاص میں لے گیا اور آپ کے قدموں میں بیٹھ کر آپ سے گفتگو کی۔ اس نے آپ سے کہا کہ اسے کچھ نصیحت فرمائیں۔ اس پر آپ نے اس سے کہا:

''اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی حاکمیت تمام جہانوں پر ہے۔ اس دنیا کے سبھی حاکم نقلی اور فانی ہیں۔ باقی رہنے والی صرف اور صرف رب کائنات کی ذات ہے۔ جس نے یہی حکم دیا ہے کہ اس کے بندوں سے پیار کیا جائے۔ ان کے دکھ سکھ میں کام آیا جائے۔ محتاجوں، غریبوں اور ضرورت

مندوں کی امداد و اعانت کی جائے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کیا جائے۔ مظلوموں کی دادرسی کی جائے اور ظالموں کی سرکوبی کی جائے۔“

آپ نے نورالدین جہانگیر سے مزید کہا:

”جہانگیر! یاد رکھو کہ روزِ قیامت تمہاری رعایا کے ہاتھ تمہاری گردن پر ہوں گے اگر تم نے ان پر جبر کیا ہوگا۔ انہیں ناجائز تنگ کیا ہوگا۔ انہیں انصاف فراہم نہیں کیا ہوگا۔ ان کی جائز ضروریات کا خیال نہیں رکھا ہوگا۔ یہ بادشاہت اور شہنشاہیت اس روز تمہارے کسی کام نہ آئے گی حتیٰ کہ تمہارے ہاتھ، تمہاری آنکھیں، تمہاری زبان اور تمہارے پاؤں تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ تمہاری جتنی بڑی سلطنت ہوگی اتنا ہی زیادہ تم سے حساب لیا جائے گا۔ آخر تم کس کس چیز اور کس کس ذمہ داری کا حساب دو گے؟ ڈرو اس رب ذوالجلال سے کہ جس کے قبضہ قدرت میں ہم سب کی جان ہے۔ جو حیات و ممات کا مالک ہے اور شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ جہاں تک ہو سکے قرآن و سنت پر عمل کرو۔ خلفائے راشدین کے دور حکومت کی پیروی کرنے کی کوشش و کاوش کرو۔“

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی ان نصیحتوں اور باتوں سے شہنشاہ نورالدین جہانگیر کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور پھر اس نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ پھر وہ خاموش ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد بولا:

”یا حضرت! آپ کی سچی اور حقیقی باتوں نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں جس حکومت و سلطنت پر فخر و ناز کرتا تھا اب میری نگاہوں میں انتہائی حقیر ہو کر رہ گئی ہے۔ میری تمام تر دولت مٹی کا ڈھیر اور تمام تر جواہرات پتھروں کا انبار نظر آتے ہیں۔ اب مجھے کسی بھی چیز کی کوئی طلب نہیں رہی۔ مجھے ان تمام دنیاوی چیزوں کی حقیقت معلوم ہو گئی ہے۔ یہ تو محض خیال خام کی طرح ہے۔ سب کچھ ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا اور صرف رب تعالیٰ کی ذات کو بقا اور دوام حاصل ہے۔“

شہنشاہ نورالدین جہانگیر نے قدرے خاموشی اختیار کی اور پھر بڑی نیاز مندی کے ساتھ شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر عرض کی:

”یا حضرت! اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں اور مجھ پر نظر کرم کریں تو میں ہندوستان کی شہنشاہی کو خیر باد کہہ کر درویشی اور فقیری اختیار کر لوں کیونکہ شہنشاہی وقتی ہے جبکہ درویشی اور فقیری کو دوام ہے۔ آپ از راہ صد لطف و کرم مجھ پر توجہ فرمائیں اور مجھے اپنی نگرانی میں لے لیں کیونکہ میں آپ کے زیر سایہ درویشی اور فقیری کا مزہ لینا چاہتا ہوں۔ میں اپنی باقی ماندہ زندگی یادِ الٰہی کی مستی میں مست ہو کر گزارنا چاہتا ہوں اور یہ تب ہی ممکن ہے جب آپ مجھے اپنی ارادت مندی میں لے لیں گے۔“

آپ نے نورالدین جہانگیر سے کہا:

”جہانگیر! تم جیسی عادل اور انصاف پسند شخصیت سے میں ہندوستان کے مسلمانوں کو محروم

نہیں کرنا چاہتا۔ تم رب رحمٰن و رحیم کی مخلوق کے محافظ و نگہبان ہو۔ پہلے تم اپنے جیسا نگہبان مہیا کرو۔ اپنا متبادل دے دو جو تمہارے جیسی خوبیاں رکھتا ہو پھر میں تمہیں اپنی ارادت مندی میں لے کر تمہیں درویشی کی منزل کی جانب عازم سفر کر دوں گا۔ کیا تم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ مخلوقِ خدا کی خدمت سب سے بڑی درویشی ہے اور سب سے بڑی عبادت نیکی ہے۔ رب کریم و عظیم کی خوشی و خوشنودی اسی میں ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت کی جائے اور اس کی مخلوق سے پیار کیا جائے۔ تمہاری درویشی یہی ہے کہ تم مخلوق خدا کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرو۔ غریبوں اور حاجت مندوں کی اعانت کرو۔ مسکینوں اور یتیموں کی سرپرستی کرو۔ ان شاء اللہ رب کائنات تمہیں درویشی سے بھی زیادہ اجر و ثواب دے گا۔“

اس پر شہنشاہ ہند نورالدین جہانگیر نے شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ سے درخواست کی:

”یا حضرت! آپ کی اس نصیحت پر میں تا زندگی عمل پیرا رہوں گا اور جب تک میں سلطنت کا حاکم ہوں انصاف کا بول بالا رکھوں گا اور حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہوں گا مگر میری ایک خواہش تو آپ ضرور پوری فرما دیجئے۔“

”تمہاری وہ کیا خواہش ہے جلدی سے بیان کرو۔“ آپ نے پوچھا۔

شہنشاہ نورالدین جہانگیر نے عرض کی:

”یا حضرت! میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی کسی خدمت کا موقع دیں۔ آپ کی خدمت کر کے بخدا مجھے از حد خوشی و مسرت ہوگی۔“

”جو ہم کہیں گے وہ پورا کرو گے۔“ آپ نے پوچھا۔

شہنشاہ ہند نورالدین جہانگیر نے کہا:

”یا حضرت! اگر میرے بس میں ہوا اور رب قادر و قدیر نے مجھے اس کی صلاحیت ودیعت کی ہوئی ہے تو میں آپ کا ہر فرمان پورا کرنے کی بھرپور اور پُرزور کوشش کروں گا۔“

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی سنجیدگی سے کہا:

”کیا تم اپنے وعدے پر قائم رہو گے یا وعدے سے پھر جاؤ گے؟“

شہنشاہ ہند نورالدین جہانگیر نے جواب دیا:

”یا حضرت! کیا آپ مجھ سے ایسی توقع رکھتے ہیں کہ میں اپنے وعدے سے مکر جاؤں گا۔ میں اپنے وعدے کا مکمل پاس رکھوں گا۔ آپ ایک بار حکم تو دیجئے اور پھر دیکھئے کہ میں اس پر کیسے حرف بہ حرف عمل کرتا ہوں۔“

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

”اگر اپنے وعدے پر قائم ہیں تو ہمارا یہی حکم ہے کہ ہمیں ابھی اور اسی وقت یہاں سے جانے دیا جائے اور آئندہ بلانے کی کبھی بھی زحمت نہ کی جائے۔ یہی ہماری خواہش ہے اور یہی ہمارا حکم۔“

شہنشاہ ہند نورالدین جہانگیر آپ کی یہ بات سن کر حیران و پریشان سا ہو گیا مگر چونکہ وہ وعدے کی پاسداری کا پابند تھا اس لئے اس نے صرف اور صرف اتنا کہا:

''یا حضرت! جیسے آپ کی مرضی اور جیسے آپ کی خوشی۔''

پھر اس نے شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ہرن کی کھال سے بنا ہوا ایک مصلّٰی پیش کیا اور دست بستہ عرض کی:

''یا حضرت! یہ حقیر سا نذرانہ اور تحفہ قبول فرما لیجئے محض میری بادشاہی کا بھرم رکھنے کے لئے۔ اگر آپ نے اسے بھی لینے سے انکار کر دیا تو پھر میرے پاس سوائے ندامت کے اور کچھ نہیں رہ جائے گا۔''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے وہ مصلّٰی شہنشاہ جہانگیر سے لے لیا اور وہاں سے رخصت ہوئے۔ بعد ازاں آپ نے وہ مصلّٰی اپنے ایک ارادت مند کو دے دیا کیونکہ آپ حکام و امراء کے تحفے تحائف اور نذرانے قطعاً قبول نہیں فرماتے تھے بلکہ لانے والے کو یہ کہہ کر واپس کر دیتے تھے کہ:

''اپنے مالک سے کہہ دو کہ محمد میاں فقیر نہیں بلکہ غنی کا بندہ ہے اور جس کا مالک غنی ہو وہ فقیر کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہارے مالک نے تو یہ نذرانہ اور تحفہ اس لئے مجھے بھیجا ہوگا کہ وہ مجھے فقیر اور درویش سمجھتا ہوگا لیکن یاد رکھو کہ میں فقیر نہیں ہوں۔ یہ چیزیں لے جاؤ اور ناداروں و محتاجوں میں تقسیم کر دو۔''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کا یہی طور طریقہ تھا کہ آپ امراء و حکام کی محفل میں جانے سے از حد گریز فرماتے تھے۔ آپ کی پوری حیات مبارکہ میں یہی ایک واحد موقع تھا کہ آپ نے نورالدین جہانگیر سے ملاقات کی۔ اس میں بھی مصلحت یہی تھی کہ شہنشاہ کے غرور و تمکنت کو پاش پاش کیا جائے۔ اسے سلطنت و حکومت کے انجام سے باخبر کیا جائے اور اسے باور کرایا جائے کہ اصل شہنشاہیت صرف اور صرف قادر مطلق، خدائے بزرگ و برتر کی ہے اور دنیاوی شان و شوکت محض دھوکہ و فریب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور اس میں آپ اس قدر کامیاب و کامران ہوئے کہ شہنشاہ ہند سلطنت چھوڑ کر درویشی اور فقیری اختیار کرنے پر تیار ہو گیا۔

☆======☆======☆

ریاضت و عبادت کے ساتھ ساتھ صبر و قناعت اور نفس کشی و جذب و مستی شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کی خاص خصوصیات تھیں۔ آپ کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے مگر کسی کو پتہ تک چلنے نہیں دیتے تھے کہ آپ کچھ کھایا پیا نہیں۔

سرہند سے لاہور کی جانب سفر کے دوران شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ جب ایک گاؤں میں چند روزہ قیام کے لیے ایک مسجد میں ٹھہرے تو آپ کے پاس حسبِ معمول کھانے پینے کا سامان نہیں تھا۔ یہ ماہ رمضان المبارک تھا۔ آپ سحری کے وقت بھی نمک اور پانی سے روزہ رکھتے اور افطار

کے وقت بھی نمک اور پانی سے روزہ کھولتے جبکہ تمام دن اور رات کا بیشتر حصہ ذکر الٰہی اور عبادت و ریاضت میں گزارتے۔

اس صورت حال میں تین یوم گزر گئے۔ چوتھی رات جسم اور روح کا رشتہ بھوک کی وجہ سے قدرے کمزور پڑتا دکھائی دیا تو مجبوراً مسجد سے باہر نکلے۔ یہ نمازِ مغرب کے بعد کے لمحات تھے۔ آپ ایک گاؤں میں موجود قطار اندر قطار مکانوں کی جانب چل پڑے۔ سبھی مکانوں کے دروازے بند تھے اور لوگ نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد خورد و نوش میں مصروف تھے۔

چلتے چلتے یکا یک آپ کی نظر ایک ایسے مکان پر پڑی جس کا صدر دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس کی ڈیوڑھی میں ایک چھوٹا سا تخت بچھا ہوا تھا جس پر ایک خوان دھرا تھا جو کہ قسم قسم کے کھانوں سے بھرا تھا۔ کھانوں کی مہک نے آپ کی چار دنوں کی بھوک کو اور چمکا دیا۔

آپ وہیں رک گئے اور کھانوں سے بھرے خوان کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔ آپ کے دل میں طرح طرح کے خیالات نے جنم لینا شروع کر دیا۔ ایک خیال یہ آتا تھا کہ مکان کا دروازہ کھٹکھٹاؤں تو مکان کا مالک باہر آئے گا۔ اس سے سلام دعا ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میری حالت دیکھ کر مجھے کھانے کی دعوت دے دے۔

پھر خیال آیا کہ مالک مکان نے دعوت نہ دی تو اس سے مانگ لوں گا مگر دل نے کہا:

''کیا خدا کو چھوڑ کر خدا کے بندے سے سوال کرو گے؟''

چنانچہ اس خیال کو جیسے ہی جھٹکا تو نفس نے غلبہ پا لیا۔ نفس نے کہا ''اے محمد میاں! تمہیں نہ تو کسی سے مانگنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی دروازہ کھٹکھٹانے کی بلکہ تمہیں چاہئے کہ خوان میں سے اس قدر خود ہی اٹھا لو جتنا تمہاری طلب ہے کیونکہ حالتِ اضطرار میں تو مردار بھی جائز ہے۔''

بہر حال شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کافی دیر وہاں کھڑے عجیب شش و پنج اور کشمکش میں رہے۔ دل و دماغ اور نفس و خودی میں شدید جنگ ہوتی رہی۔ بالآخر آپ نے یہی فیصلہ کیا کہ وہاں سے واپس مسجد میں چلنا چاہئے کیونکہ خودی و خودداری کی موت درویشوں اور قلندروں کا شیوہ نہیں۔ بقول اقبالؒ۔

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ ابھی مسجد میں پہنچے ہی تھے کہ ایک لونڈی وہاں پہنچی۔ اس نے سر پر وہی خوان اٹھایا ہوا تھا جسے آپ تھوڑی دیر پہلے کسی شخص کے صدر دروازے پر دیکھ کر آئے تھے۔ اس لونڈی نے آتے ہی آپ کو اپنے مالک کا سلام پہنچایا اور پھر بتایا کہ میرے مالک نے مجھے یہ کہہ کر بھیجا ہے:

''مسجد میں ایک بندۂ خدا کئی روز کا بھوکا بیٹھا ہے اسے یہ خوان دے آؤ۔ اس مسجد میں

سوائے آپ کے اور کوئی بھی موجود نہیں لہٰذا آپ یہ کھانا لے لیجئے تناول فرمائیے۔''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا:

''مجھے اس کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے واپس لے جاؤ۔''

اس لونڈی نے شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا:

''کیا آپ وہی شخص نہیں ہیں جو کئی روز سے بھوکا ہے؟''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بے شک وہ شخص میں ہی ہوں جو گزشتہ چار یوم سے بھوکا ہے مگر مجھے اس کھانے کی حاجت نہیں ہے۔ میں یہ کھانا بالکل نہیں کھاؤں گا۔ اسے واپس لے جاؤ اور اپنے مالک سے کہہ دو کہ میں اسے قبول نہیں کرسکتا۔''

اس لونڈی نے خوان اٹھایا اور واپس چلی گئی۔ اس نے اپنے مالک کے پاس جا کر تمام ماجرا سنایا تو وہ دوڑا ہوا مسجد میں آیا اور آپ سے کہا:

''حضرت جی! آخر آپ نے کھانا واپس کیوں کر دیا حالانکہ آپ خود اقرار کر رہے ہیں کہ آپ کئی روز سے بھوکے ہیں۔''

آپ نے اس شخص کو تھوڑی دیر پہلے کا واقعہ سنانے کے بعد کہا:

''میرے نفس نے مجھے بہکانے اور ورغلانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اس کی یہ کوشش ناکام کر دی۔ وہ مجھے ترغیب و تحریص دے رہا تھا کہ میں یہ کھانا چوری کر کے کھا لوں۔ اب اس کی سزا یہی ہے کہ اسے چند روز اور بھوکا رکھوں گا تاکہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے۔ جب تک من کو نہ مارا جائے اور نفس کو قتل نہ کیا جائے درویشی نہیں مل سکتی۔''

اس شخص نے کہا:

''پھر میری ایک درخواست ہے جو آپ کو ضرور منظور کرنا پڑے گی کیونکہ کسی بندہ خدا کا دل رکھنا رب تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا انعام و مقام رکھتا ہے۔''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا:

''بتاؤ تمہاری کیا خواہش ہے؟ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر وہ ہماری طاقت و استطاعت میں ہوئی تو ہم ضرور پورا کریں گے اور رب تعالیٰ جل شانہٗ سے تمہارے حق میں دعا بھی کریں گے۔''

''میری آپ سے دست بستہ عرض ہے کہ مجھے اپنی بیعت و ارادت میں لے لیجئے۔'' اس شخص نے کہا:

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص کی خواہش کا احترام کیا۔ پھر آپ نے اس شخص کے لئے بارگاہِ ایزدی میں دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور کافی دیر تک رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور دعا کرتے رہے اور رب تعالیٰ جل جلالہ کا شکر بھی ادا کرتے رہے کہ جس نے آپ کو نفس کو شکست

دینے کا حوصلہ اور ولولہ عطا فرمایا۔

اس کے بعد شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اس مسجد میں مزید ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ وہاں کے کافی لوگوں کو اس بات کا علم ہو گیا اور وہ آپ جیسے مردِ قلندر کی زیارت و ملاقات کے لئے جوق در جوق آنے لگے چنانچہ آپ اس مسجد سے رات کی تاریکی میں خاموشی کے ساتھ نکل آئے اور اپنی منزل کی جانب سفر جاری و ساری رکھا۔

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کا یہی توکل علی اللہ تھا کہ جس نے آپ کو ممتاز و ممیز کیا ہوا تھا۔ آپ خودی و خودداری کے اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز تھے۔ ایک مردِ درویش اور مردِ قلندر کی سب سے بڑی خوبی یہی ہوتی ہے کہ وہ پروردگار عالم پر کامل بھروسہ اور توکل رکھتے ہوئے تمام دنیاوی چیزوں کو ہیچ سمجھتا ہے اور صرف اسی ذات پاک سے لو لگاتا ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔ جو سب کا رب ہے۔ جو اپنے اور پرائے کی تمیز کئے بغیر سب تک رزق پہنچاتا ہے۔

ایک دفعہ آپ کے ایک مرید خاص نے آپ کے لئے ایک لکڑی کا خوبصورت سا عصا تیار کروایا اور آپ کی خدمت اقدس میں ڈرتے ڈرتے کانپتے ہاتھوں اور لرزتے قدموں کے ساتھ حاضر ہو کر آپ کو وہ عصا پیش کیا اور درخواست کی:

''یا حضرت! یہ میری شدید خواہش ہے کہ آپ میرا تیار کرایا ہوا یہ عصا قبول فرما لیں اور اسے اپنے زیر استعمال لائیں۔ اس سے مجھے از حد خوشی حاصل ہوگی۔''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا:

''اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو ہم تمہیں خوش کئے دیتے ہیں۔ لاؤ عصا ادھر لاؤ۔ ہم اسے اپنے ساتھ رکھیں گے اور اسے پکڑ کر چلیں گے تاکہ تمہاری خواہش پوری ہو۔''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرید خاص سے وہ عصا لیا۔ اسے ایک ہاتھ سے تھاما اور پھر اس کے سہارے چلنے لگے۔ ابھی چند قدم ہی گئے تھے آپ نے وہ عصا دور پھینک دیا۔

مرید خاص کہ جس نے وہ عصا تحفتاً دیا تھا۔ اس نے پوچھا:

''یا حضرت! آپ نے میرا دیا ہوا عصا خوشی خوشی لیا مگر تھوڑی ہی دیر بعد دور پھینک دیا۔ کیا مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی؟''

شیخ محمد میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تم سے غلطی نہیں ہوئی۔ غلطی ہم سے ہوئی ہے وہ یہ کہ ہم نے لاٹھی پر بھروسہ کرنا شروع کر دیا۔ ہمارے دل میں خیال آیا کہ لاٹھی پر تو اسے بھروسہ کرنا چاہئے جو رب تعالیٰ جل شانہٗ پر بھروسہ نہ کرتا ہو۔ اور جو رب ذوالجلال پر بھروسہ رکھتا ہو اسے لاٹھی کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لئے ہم نے عصا دور پھینک دیا۔ اب ہم لاٹھی کے سہارے سے آزاد ہیں۔ ہمارا سہارا صرف اور صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات پاک ہے جو لمحہ لمحہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر ہمیں کسی اور سہارے

کی کیا ضرورت ہے؟''

آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ کھانے کے لئے کسی کو نہیں کہتے تھے مگر پھر بھی آپ کے ارادت مند کھانا لے کر حاضر ہوتے تھے۔آپ ان کی دلجوئی کے لئے چند لقمے لے لیتے تھے مگر جب کوئی ارادت مند ایک دن کے بعد دوسرے دن بھی کھانا پکوا کر لے آتا تھا تو پھر آپ اسے واپس کر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایک دن تو تمہاری خواہش پوری کرنے کے لئے اور تمہاری خوشنودی کی خاطر کھا لیا اب دوسرے دن کس لئے کھاؤں؟

اسی طرح اکثر مرید آپ کو اپنے گھر پر بلاتے تھے مگر آپ اکثر و بیشتر انکار کر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ رازق و رزاق ہمیں گھر بیٹھے ہی رزق دے گا۔وہ ہمارے حال سے بہت باخبر ہے۔وہ دلوں کے بھید جاننے والی ذات ہے اس لئے اگر دوسروں کے گھر جا کر کھانا شروع کر دیا جائے تو توکل کی دولت ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

شہزادہ دارا شکوہ کی مشاہدات و تجربات سے بھرپور کتاب کے مطابق شیخ محمد میاں میر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ زیادہ تر محویت، استغراق اور کیف و مستی میں گزارتے تھے۔غذا کی طرف قطعاً توجہ نہیں دیتے تھے۔اگر مریدین کے اصرار پر کبھی غذا استعمال بھی کرتے تھے تو وہ انتہائی کم مقدار میں ہوتی تھی۔محویت کا یہ عالم تھا کہ اکثر حاضرین سے یہ پوچھتے تھے کہ آج کون سا دن یا کون سا مہینہ ہے۔لحہ لحہ جمال حق کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے تھے۔

آپ امراء اور بڑے لوگوں کے نذرانے اسی وقت واپس فرما دیتے تھے مگر آپ کا کوئی غریب مرید اگر خاص لگن اور شوق سے پکوا کر کوئی چیز لے آتا تو آپ اس میں سے تھوڑا سا چکھ لیتے تھے اور پھر دوسرے غریب حاضرین محفل کو کھانے کے لئے دے دیتے تھے۔اس کے بعد چیز لانے والے کے حق میں دعا فرماتے تھے اور مشاہدہ کرنے والوں نے یہ بات مشاہدہ کی کہ آپ کی دعا سے چیز لانے والے کے رزق میں رب رازق و رزاق نے کشادگی اور وسعت پیدا کی اور اس کی غربت کے دن جاتے رہے۔وہ خوشحال ہو گیا بلکہ اس قابل ہو گیا کہ دوسرے غرباء کی مدد و اعانت کر سکے۔

''سکینتہ الاولیاء'' کے مطابق حضرت شیخ محمد میاں میر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ انتہائی سادہ مگر صاف ستھرا لباس پہنتے تھے۔دوسرے قلندروں کی طرح گدڑی یا عصا استعمال نہیں کرتے تھے۔کھدر کے موٹے کپڑے آپ کا امتیازی نشان تھا۔جیسے ہی آپ محسوس فرماتے کہ آپ کے کپڑے قدرے میلے ہو رہے ہیں تو آپ فوراً دریا پر تشریف لے جاتے۔صابن کی ایک ٹکیہ اور کپڑے کا دوسرا جوڑا آپ کے ہمراہ ہوتا تھا۔انتہائی نفاست کے ساتھ کپڑے دھوتے تھے۔انہیں درختوں کی صاف ٹہنیوں پر ڈالتے۔جب وہ سوکھ جاتے تو لباس تبدیل کر کے گھر تشریف لے آتے۔ہاں آپ جب کپڑے دھو رہے ہوتے تھے تو ایک چادر باندھ لیتے تھے۔

اسی طرح کی تلقین آپ اپنے شاگردوں، مریدوں اور عقیدت مندوں و ارادت مندوں کو بھی

کرتے تھے۔آپ فرماتے تھے:

''اپنے کپڑے اور سراپا صاف اور شفاف رکھا کرو۔اور اپنے لباس و وضع قطع سے کوئی تمہیں یہ نہ کہہ سکے کہ یہ درویش ہے۔کیوں اپنے لباس سے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہو کہ تم درویش ہو اور کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح تمہاری نیکیاں ضائع ہو جائیں۔اگر لباس کا ایک ہی جوڑا ہے تو اپنے گھر کے ایک کمرے میں بند ہو کر اسے تنہائی و خلوت میں دھولو اور پھر اسے سکھا کر پہن کر باہر نکلو۔خواہ مخواہ میلے کچیلے رہنے سے انسان کی عزت نہیں بڑھتی۔صفائی پر اسلام میں بہت زور دیا گیا ہے اس لئے من کی صفائی کے ساتھ ساتھ تن اور لباس کی صفائی کا بھی ضرور خیال کرو اور ہمیشہ یوں کھلے کھلے نظر آؤ کہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ درویش ہے۔''

ایک دفعہ حضرت شیخ محمد میاں میر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ بازار سے گزر رہے تھے۔آپ نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک جم غفیر ایک شخص کے گرد جمع ہے۔کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ سے میرے لئے یہ دعا کرو۔کوئی کہہ رہا ہے کہ میرے ساتھ گھر چلو۔کوئی کہہ رہا ہے کہ نذر و نیاز قبول کر لو۔

آپ قریب گئے تو دیکھا کہ وہ شخص آپ کا عقیدت مند حاجی میاں محمد رحمتہ اللہ علیہ تھا۔آپ اپنے عقیدت مند کے قریب جا بیٹھے اور اس کے کان میں کہا:

''یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے اور کیا حالت بنا رکھی ہے۔اٹھو گودڑی اتارو اور صاف ستھرے کپڑے اس طرح کے پہنو کہ اس لباس میں کوئی شخص تمہیں صوفی یا درویش نہ کہہ سکے۔''

چنانچہ حضرت حاجی میاں محمد رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے کہنے پر عمل کیا تو تب آپ خوش ہوئے۔

حضرت شیخ محمد میاں میر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی محفل روحانیت آراستہ ہوتی تھی تو دور و نزدیک سے ہزاروں کی تعداد میں مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والے افراد اس میں شامل ہوتے تھے۔مگر ہر شخص انتہائی مؤدب، شائستہ اور باوقار طریقہ سے آتا تھا۔دوزانو ہو کر بیٹھتا تھا اور ادب کے تمام تقاضے ملحوظ خاطر رکھنے کی بھرپور کوشش کرتا تھا۔یوں محفل پر ایک خاص قسم کی روحانیت، طمانیت، جذب و مستی اور کیف و سرور چھایا رہتا تھا۔ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہر کوئی من کی دنیا کا شہسوار بن کر نکلا ہے۔ایک عجیب قسم کی عاجزی، انکساری اور تعظیم و تکریم اس محفل کی خاص خاصیت تھی۔

مگر ایک روز جیسے ہی روحانی محفل کا آغاز ہوا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک درویش خرقہ اور عمامہ انتہائی اعلیٰ قسم کا زیب تن کئے تین خدمت گاروں کے ہمرکاب محفل میں آموجود ہوا۔اس کے آنے کا انداز، اس کے بیٹھنے کا طور طریقہ اور اس کے چلنے کا رنگ ڈھنگ از حد فاخرانہ اور متکبرانہ تھا۔اس نے محفل میں آتے ہی چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور جو جگہ سب سے اونچی نظر آئی وہاں

جا کر بیٹھ گیا حالانکہ حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی محفل میں کسی کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہوتی تھی ۔جس کو جہاں جگہ ملتی تھی وہاں بیٹھ جاتا تھا۔اور جگہ ملنے ہی کو باعثِ سعادت سمجھتا تھا۔مگر اس درویش نے تو آتے ہی نرالا انداز اور عجیب طور طریقہ ظاہر کیا جسے محفل میں موجود اکثر لوگوں نے ناپسند کیا مگر محفل کے تقدس کے پیشِ نظر سبھی خاموش رہے۔آخر اسے کہتے تو کیا کہتے!!

چند ہی لمحوں کے بعد ایک انتہائی مفلوک الحال شخص محفل میں داخل ہوا اور اس جگہ بیٹھ گیا جہاں لوگوں نے جوتیاں اتاری ہوئی تھیں۔حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی نظر مبارک بھی اس شخص پر پڑی مگر آپ خاموش رہے۔تاہم محسوس ہوتا تھا کہ آپ کشف کے ذریعے اس شخص کے احالات کے بارے میں جان گئے ہیں۔

دو لمحوں بعد ایک اور شخص محفل میں داخل ہوا۔وہ ایک خوشحال اور متمول شخص تھا۔اس نے آتے ہی آپ کی خدمت اقدس میں 32 روپے پیش کئے جو کہ آپ نے خلاف معمول قبول کر لئے۔حاضرین محفل یہ تمام صورت حال دیکھ رہے تھے اور محو حیرت تھے کہ آپ نے اس شخص سے کیسے وہ رقم قبول کر لی کیونکہ آپ تو کسی کی نذر نیاز قبول نہیں کرتے تھے۔

جو متمول شخص آپ کو 32 روپے دے کر گیا تھا اور آپ نے وہ قبول کر لئے تھے وہ شخص پیسے دیتے ہی واپس چلا گیا۔ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ٹھہرا۔حاضرین کے لیے بھی وہ شخص اجنبی تھا۔ہر کوئی ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا کہ وہ کون ہے جس کی نیاز آپ نے فوراً قبول کر لی ہے۔ہر کوئی اسے رشک کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

اور پھر حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس شخص کو آواز دی جو انتہائی خستہ حال تھا اور لوگوں کی جوتیوں پر ہی بیٹھ گیا تھا۔آپ کے بلانے پر وہ شخص آپ کے قریب آیا تو آپ نے اس شخص کو 32 روپے دیتے ہوئے کہا:

''یہ لو 32 روپے۔اس سے گھوڑا خریدو اور کچھ پیسے اپنے پاس رکھو۔پھر فلاں شہزادے کے پاس ملازمت کے لیے جاؤ۔ان شاء اللہ تمہارا کام ہو جائے گا۔تمہیں ملازمت مل جائے گی۔چونکہ اس ملازمت کے لیے ملازم کے پاس ایک عدد گھوڑا ہونا لازم ہے اس لیے پہلے ہی سے گھوڑے پر سوار ہو کر جاؤ۔''

اس شخص نے آپ سے پوچھا:

''یا حضرت! آپ کو میرے حالات اور میری ضروریات کا کیسے علم ہوا؟''

آپ نے فرمایا:

''علیم و خبیر صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔یہ سب کچھ اسی ذات نے تمہارے لئے کیا ہے۔میں نے کچھ نہیں کیا۔رب رازق و رزاق نے ہی 32 روپے بھجوائے۔میں نے تو صرف

ایک شخص سے لے کر دوسرے حاجت مند کو دے دیا۔بس اتنا سا میرا کام ہے۔ہمیں کچھ علم و خبر نہیں۔جو کچھ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے عنایت ہو جاتا ہے اس علم کی روشنی میں ہم آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور جب رب تعالیٰ جل شانہٗ نہیں چاہتے کہ کسی چیز کا علم عطا نہ فرمائیں تو پھر ہم کورے ہوتے ہیں۔رب تعالیٰ جل شانہٗ جسے چاہیں علم دیں جسے چاہیں علم نہ دیں اور وہ یہ علم محض کسی نہ کسی کی بھلائی اور خیر و فلاح کی خاطر ہی عطا کیا جاتا ہے تاکہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی مخلوق اس کائنات میں خوش و خرم اور شاداں و فرحاں رہے۔''

وہ ریاکار، خود پسند، شیخی خور اور بڑبولا شخص جو اپنے چند ملازموں کے ہمراہ محفل میں داخل ہو کر اونچی جگہ پر بیٹھ گیا تھا یہ تمام منظر بنظر غائر دیکھ رہا تھا۔وہ یکا یک اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری سے قدرے سخت لہجے میں مخاطب ہو کر بولا:

''یا شیخ! یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔فقیروں کا حق ایک غیر مستحق کو دے دیا حالانکہ اس مفلوک الحال شخص سے پہلے میں اس مجلس میں داخل ہوا تھا اور میری مالی حیثیت بھی اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔جبکہ وہ تو لوگوں کی جوتیوں پر بیٹھا تھا۔میرا حق اس کے مقابلے میں فائق تھا۔وہ 32 روپے کی رقم مجھے ملنی چاہئے تھی۔''

حضرت شیخ میاں محمد میرؒ لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''تم خود کہہ رہے ہو کہ تمہاری مالی حیثیت اس شخص کی نسبت ارفع و اعلیٰ ہے پھر تم مستحق کس طرح بن گئے۔تم کو تو چاہئے کہ الٹا غریب لوگوں کی مدد کرو مگر تم ہو کہ اپنا ہی حق جتائے جا رہے ہو۔تمہارے پاس مستحق ہونے کی کیا ٹھوس دلیل ہے؟ کیا تم فقیر ہو؟ کیا تم یتیم اور مفلوک الحال ہو؟ کیا تم مسکین ہو؟''

اس مغرور شخص سے جب آپ کی باتوں کا کوئی جواب بن نہ پڑا تو اس نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ اول فول بکتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کر جانے لگا۔اس کے چہرے پر شدید غصہ تھا اور وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس شخص سے صرف اتنا کہا:

''میاں! ناراض کیوں ہوتے ہو؟ اور خواہ مخواہ بلا وجہ یہاں سے دوڑے کیوں جا رہے ہو؟ اگر یہاں سے جانا ہی ہے تو کم از کم کھانا ہی تناول کر کے جاؤ۔''

مگر اس شیخی خور نے آپ کی کسی بھی بات پر توجہ نہ دی اور منہ سے آگ کے شعلے اگلتا ہوا چلتا بنا۔

جب وہ چلا گیا تو حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاضرین محفل سے مخاطب ہو کر بتایا:

''اس نقلی درویش کی کمر کے گرد ایک صد بائیس روپے آٹھ آنے بندھے ہوئے تھے مگر پھر بھی

دولت کی لالچ اور زر کی ہوس نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ اس نے خرقہ پوشی کو حصول زر کا ذریعہ بنالیا ہے۔ کیا اب ایسا زمانہ دیکھنا بھی ہمارے نصیب میں تھا! یہ دولت کی ہوس، یہ لالچ اور یہ خود غرضی ایک دن اسے مار ڈالے گی۔ اس کا تمام تر روپیہ پیسا یہیں پڑا رہے گا اور یہ وادی عدم کو کوچ کر جائے گا۔"

اس واقعہ کو تین یوم ہی بمشکل گزرے تھے کہ وہ نقلی درویش غسل کے لئے ایک اعلیٰ حمام میں گیا۔ غسل سے فراغت کے بعد اب وہ ایک خاص شان و شوکت کے ساتھ حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے عطریات اور خوشبویات چھڑک رکھی تھیں اور اک نرالی آن بان سے فخریہ ادا کے ساتھ محفل میں موجود تھا۔ ابھی اسے آئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ یکایک آپ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا:

"میاں! یہ درویشوں اور فقیروں کی محفل ہے۔ کمر کھول کر اطمینان اور از حد تسلی کے ساتھ تشریف رکھیئے۔"

آپ کے اس جملے نے اس کے تمام ہوش و حواس بحال کر دیئے۔ اسے فوراً ہی کچھ یاد آیا تو اس نے گھبرا کر اپنی کمر پر ہاتھ مارا۔ پھر وہ اوسان خطا کر بیٹھا اور دہشت زدہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے پوچھا:

"میاں! خیر تو ہے یک دم اس قدر گھبراہٹ اور وحشت کا عالم! خیریت تو ہے نا؟"

اس نے کہا:

"حضرت جی! کیا بتاؤں؟ میری ایک چیز گم ہوگئی ہے۔ کمر کے ساتھ بندھی تھی۔ اب نہیں ہے۔ اسی کی تلاش میں جاتا ہوں۔ ملنے کی تو امید نہیں لیکن کوشش لازم ہے شاید مل جائے۔"

آپ نے اس سے کہا:

"میاں! جلدی سے جاؤ۔ اور اپنی کھوئی ہوئی چیز تلاش کرو۔ ویسے بھی آج کل کھوئی ہوئی چیزیں واپس نہیں ملتیں!"

یہ وہی پوٹلی تھی جس کی طرف حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشارہ کر چکے تھے کہ اس کی کمر میں یک صد بائیس روپے آٹھ آنے بندھے ہیں مگر پھر بھی لالچ کا مظاہرہ کر رہا ہے اور آپ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہی رقم ایک دن اسے موت کا منہ دکھائے گی اور رقم یہیں پڑی رہ جائے گی۔

نقلی درویش فوری طور پر حمام پہنچا۔ وہاں اس حمام میں ہمہ وقت لوگوں کی ریل پیل رہتی تھی۔ کئی آتے تھے اور کئی جاتے تھے۔ ہر ایک سے پوچھا مگر کسی نے دم نہیں بھرا۔ اتنی بڑی رقم کون واپس کرتا ہے۔ یہ اس دور کی خاصی معقول رقم تھی۔ پھر نقلی درویش سارا دن گلی گلی محلہ محلہ پھرتا روتا رہا اور لوگوں سے پوچھتا رہا مگر ہر ایک کے لب پر صرف "معلوم نہیں" کے سوا اور کوئی الفاظ نہیں تھے۔

پیسوں کی پوٹلی ڈھونڈتے ڈھونڈتے نقلی درویش کو شام ہوگئی۔ پھر رات کا اندھیرا چھا گیا درویش نے تارے گن گن کر رات آنکھوں میں کاٹی اور صبح ہوتے ہی حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ پر جا پہنچا۔ ابھی محفل نہیں جمی تھی۔ اکا دکا لوگ موجود تھے۔ نقلی درویش مایوسی کے عالم میں ایک کونے میں بیٹھ گیا اور آنسو بہانے لگا مگر اب کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ دھڑا دھڑ آنے لگے اور اک محفل کا سماں پیدا ہوگیا۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لے آئے تو سب نے کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کیا۔

آپ نے تمام حاضرین کو بیٹھنے کو کہا اور خود بھی ایک تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے۔ نقلی درویش نے زور زور سے چلانا اور چیخنا شروع کر دیا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ تمام لوگ اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا ہوا ہے۔ ہر کوئی دوڑ کر اس کے پاس جا رہا تھا اور اس سے پوچھ رہا تھا۔ "بھائی! کیا معاملہ ہے؟ کیوں اس قدر زار و قطار رو رہے ہو؟"

مگر وہ بغیر کچھ بولے روئے ہی چلا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کے منہ سے کوئی لفظ نکلتا تو وہ صرف یہی کہتا "ہائے میری پوٹلی! ہائے میرے پیسے!"

لوگوں کی سمجھ میں آگیا کہ اس کے پیسے کہیں کھو گئے ہیں۔ اس لئے رو رہا ہے حالانکہ چند روز بیشتر اپنے آپ کو مستحق ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اور اس وقت اس کے جانے کے بعد آپ نے فوراً بتا دیا تھا کہ اس کی کمر میں یک صد بائیس روپے آٹھ آنے بندھے ہوئے ہیں جو اسے ایک نہ ایک دن موت کا منہ دکھائیں گے۔

وہ روتے روتے قدرے خاموش ہوا تو حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا:

"بتاؤ بھائی! کیا معاملہ ہے؟ کیوں اس قدر رو رہے ہو؟ کیا کوئی پیسے کھو گئے ہیں؟"

نقلی درویش نے دھاڑیں مار مار کر بتایا:

"حضرت جی! میری کمر میں ہمہ وقت ایک پوٹلی بندھی رہتی تھی۔ وہ میں نے بڑی مشکل سے ایک ایک پیسہ جوڑ کر بنائی تھی اس میں یک صد بائیس روپے آٹھ آنے تھے۔ کل صبح جب میں حمام میں نہانے گیا تو وہ پوٹلی نہ جانے کہاں گر گئی۔ بہت تلاش کیا بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ جگہ جگہ سے پوچھا مگر اس کا کوئی پتہ نہیں چل رہا۔ اس لئے رو رو کر ہلکان ہو رہا ہوں۔ سخت پریشان ہوں۔ اس دن میں نے آپ سے گستاخی کی اور جھوٹ موٹ اپنا استحقاق ظاہر کیا حالانکہ وہ سب فریب تھا۔ میں آپ سے اس دن کے رویے کی معافی کا خواستگار ہوں۔ آپ از راہ صد لطف و کرم مجھے معاف فرما دیں۔ میں آئندہ ایسی غلطی ہرگز ہرگز نہیں کروں گا۔ اور یہ کہ وعدہ کیجئے کہ آپ میرا

ایک کام بھی ضرور کریں گے۔“

آپ نے اس سے پوچھا:

”میاں! بتاؤ تو وہ کون سا کام ہے، جس کا تم ہم سے وعدہ لینا چاہتے ہو؟“

اس نقلی درویش نے کہا:

”حضرت جی! مجھے میری وہ پوٹلی دلوا دیجئے۔ میں ساری عمر آپ کا غلام رہوں گا۔“

حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”میاں! میں اس قابل کیسے ہو سکتا ہوں کہ تمہاری گمشدہ پوٹلی دلوا دوں۔“

نقلی درویش نے بھری محفل میں منت سماجت اور بچوں کی طرح رونا دھونا شروع کر دیا اور کہنے لگا:

”حضرت جی! یا تو میں اپنی رقم آپ سے لوں گا۔ آپ ہی وہ رقم مجھے دلوائیں گے یا پھر میں مر جاؤں گا۔“

حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”مرنا تو ہر ایک نے ہی ہے۔ ہاں تمہاری موت قدرے جلد لکھی ہے وہ ہم اپنے مریدوں کو پہلے ہی بتا چکے ہیں۔“

نقلی درویش نے حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے دست بستہ عرض کی:

”یا حضرت! میں نے آخر ایسا کون سا قصور کیا ہے جو میری موت جلد آئے گی۔ میں تو آپ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ آپ ہی کے گن گاتا ہوں۔ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ کسی کا بھی کوئی نقصان نہیں کیا تو پھر میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں ہوگا؟ ویسے بھی مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔ آپ کرم کیجئے اور رب قادر و قدیر سے دعا کیجئے کہ وہ اپنی قدرت سے میرے نام لکھی گئی موت کو ٹال دے اور مجھے لمبی عمر عطا کرے!“

حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”غلطی بھی کرتے ہو اور اپنا قصور بھی پوچھتے ہو؟ حالانکہ تم سب کچھ جانتے ہو کہ تمہارے پاس رقم موجود تھی پھر بھی تم نے اپنا استحقاق جمایا۔ اپنی رقم کو چھپایا۔ ہوس زر اور مال و دولت کی کثرت کے حصول کی تباہ کن خواہش نے تمہاری عقل پر پردے ڈال دیئے۔ اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات پاک وہ کریم ذات ہے جو کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتی۔ اب یہی مال و دولت کی کثرت کی خواہش تمہیں لے ڈوبے گی۔ نہ دنیا تمہارے کام آئے گی اور نہ آخرت کی سرخروئی تمہارے نصیب میں ہے۔“

نقلی درویش نے پھر وہی رٹ لگائی اور منت سماجت کرنے لگا:

”یا حضرت! میری رقم کی تھیلی مجھے دلوا دیجئے۔ آئندہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ آپ مجھ پر

نوازش کیجئے میں رقم کی تھیلی لے کر ہی جاؤں گا۔ وہ میری تمام عمر کی کمائی ہے۔ اگر رقم مجھے نہ ملی تو میں مر جاؤں گا۔“

حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

”میرے تمام تر سمجھانے کے باوجود تمہیں ابھی تک عقل نہیں آئی۔ ٹھیک ہے۔ رقم ہم تمہیں دلوا دیتے ہیں لیکن تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ موت و حیات کی مالک صرف خدائے وحدہ لاشریک کی ذات ہی ہے۔“

نقلی درویش نے انتہائی لجاجت اور بے صبری سے عرض کی:

حضرت جی! میری رقم کی تھیلی کہاں سے ملے گی؟ میں کہاں جاؤں؟ کہاں اسے تلاش کروں؟

حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

”اگر تم اپنی ضد پر قائم ہو اور دولت کی پوٹلی کے بغیر نہیں رہ سکتے تو پھر جاؤ دریا کے کنارے جہاں تمہیں ایک بڑی سی کشتی ملے گی۔ تم اس کشتی کے اندر بے دھڑک چلے جانا۔ وہاں کشتی کے ایک کونے میں تمہیں ایک فقیر ملے گا جو اپنی گدڑی سی رہا ہوگا اس سے تم اپنی تھیلی طلب کرنا۔ وہ تمہیں تمہاری رقم کی تھیلی دے دے گا۔“

نقلی درویش نے اسی لمحے دوڑ لگائی اور ہانپتا کانپتا دریا کے کنارے جا پہنچا۔ پہلے تو اسے کوئی کشتی نظر نہ آئی۔ وہ کافی دیر تلاش کرتا رہا اور تھک کر بیٹھ گیا اب وہ اپنی قسمت پر رونے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دریا کی دوسری جانب سفر شروع کیا۔ وہ ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اسے دریا کے کنارے ایک بڑی سی کشتی نظر آئی۔ وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کشتی تک پہنچا اور چھلانگ لگا کر اس کے اندر چلا گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک کونے میں ایک مردِ قلندر اپنی بوسیدہ گدڑی رفو کر رہا ہے۔

اس مردِ قلندر سے مخاطب ہونے سے پہلے ہی وہ مردِ قلندر خود ہی بول اٹھا اور اس نے کہا:

”اے اجنبی شخص! وہ سامنے دیکھ بہت سی پوٹلیاں اور تھیلیاں رکھی ہیں۔ ان میں سے جو تیری تھیلی ہو لے لے۔ اسے کھول کر اپنی رقم گن لے۔ اگر رقم پوری ہو تو پھر جلدی سے یہاں سے رخصت ہو جانا۔“

نقلی درویش نے دیکھا کہ وہاں بہت سی تھیلیاں موجود تھیں۔ کچھ کافی بھاری اور وزنی تھیں اور کچھ قدرے چھوٹی تھیں۔ نقلی درویش نے فوراً ہی اپنی تھیلی پہچان لی اور اسے جھٹ سے اٹھا لیا۔ وہاں پر موجود مردِ قلندر نے ایک بار پھر بلند آواز سے کہا:

”میاں! اگر تمہیں تمہاری تھیلی مل گئی ہے تو اس میں موجود رقم کو اچھی طرح گن لو کہیں ایسا نہ ہو کہ رقم کم نکلے۔“

نقلی درویش نے تیزی کے ساتھ اپنی تھیلی کو کھولا۔ رقم باہر نکالی اور اسے گننا شروع کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ اس میں پورے ایک صد بائیس روپے آٹھ آنے موجود تھے۔ وہ خوش بھی ہوا اور حیران بھی کہ اس کی تھیلی اس جگہ کیسے پہنچ گئی۔ مگر پھر اس کے دل نے آواز دی ''یہ معرفت کے راز ہیں رب تعالیٰ کی علیم وخبیر ذات ہی انہیں بہتر جانتی ہے۔ تجھے تیری رقم مل گئی ہے۔ اب اپنی راہ لے۔''

اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ وہ نقلی درویش چند دن بعد ہی دارِ فنا سے دارِ بقا کی جانب کوچ کر گیا اور اس کی رقم اسی طرح اسی دنیا ہی میں موجود رہی اور اس کے کسی کام نہ آسکی۔ حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بعض اوقات اس شخص کی مثال دے کر اپنے مریدین کو سمجھایا کرتے تھے کہ دنیا سے لو نہ لگائیں۔ یہ کارخانہ قدرت محض امتحان گاہ ہے۔ اس میں ہر شخص ایک امیدوار کی حیثیت سے کمرہ امتحان میں موجود پرچہ سوالات حل کر رہا ہے۔ لہٰذا انسان کو صرف اور صرف اس دن کی فکر کرنا چاہئے جب اس پرچے کے نتیجے کا اعلان ہوگا۔ اس پرچے کے سوالات کا حل بھی رب کائنات نے خود بتا دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل کیا جائے۔ یہی اور صرف یہی کامیابی وکامرانی کی کنجی ہے۔

حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ اگرچہ صاحب کرامات بزرگ تھے مگر آپ اپنی کرامات ظاہر کرنے سے اجتناب کیا کرتے تھے۔ تاہم جب کسی شخص کی فلاح واصلاح مقصود ہوتی تھی اور کرامت کا ظاہر ہونا ازحد ناگزیر ہو جاتا تھا تو پھر رب وحدہ لاشریک کے فضل وکرم اور مشیت ایزدی اسے کرامت خود بخود ظاہر ہو جاتی تھی۔

کرامات کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کشف میں بھی کمال رکھتے تھے مگر اس کا اظہار بھی محض اس وقت ہی کرتے تھے جب وہ ازحد ضروری ہوتا تھا اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ کے ایک قدیمی ارادت مند صوفی ملا مسکین کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ صوفی ملا مسکین ہمہ وقت آپ کے ہمراہ رہنے کی کوشش کرتے تھے اور آپ کی ہر ضرورت کا بھی خیال کرتے تھے اور حتی الوسع خدمت بھی کرتے تھے۔

جب صوفی ملا مسکین کو اپنے گھر گئے ہوئے کافی عرصہ ہو چلا تو حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے چہیتے ارادت مند سے کہا:

''میاں کبھی گھر کی بھی خبر لی ہے۔ فوری طور پر رختِ سفر باندھو اور اپنے گھر پہنچو ورنہ معاملہ بگڑ جائے گا۔''

اگرچہ صوفی ملا مسکین دلی طور پر اپنے مربی ومحسن اور پیر ومرشد کو چند دنوں کے لئے بھی چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے مگر مرشد کا حکم بجالاتے ہوئے فوراً اپنے وطن بدخشاں کی طرف روانہ ہوئے۔ کیونکہ پیر ومرشد نے بھی کہہ دیا تھا کہ ''ورنہ معاملہ بگڑ جائے گا'' اگر صوفی ملا مسکین کو اس جملے کی معنویت اس وقت سمجھ نہیں آسکی تھی مگر وہ اتنا ضرور جانتے تھے کہ ان کے مرشد نے لازماً کشف

کے ذریعے کوئی بات معلوم کر کے اسے خبر دی ہے کہ اس لئے اس کا اپنے گھر پہنچنا ازحد ضروری ہے۔

صوفی ملا مسکین جب کافی طویل مسافت طے کرنے کے بعد اپنے گھر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک دعوت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ چاولوں کی دیگیں چولہوں پر دھری ہیں اور لوگ جوق در جوق آ رہے ہیں مگر ہر ایک کے چہرے پر ایک خاص قسم کی مایوسی اور اداسی ہے۔ کوئی آنسو بہا رہا ہے اور کوئی سسکیاں لے رہا ہے۔

انہوں نے ایک شخص سے جو کہ وہاں موجود تھا اور صوفی ملا مسکین کے لئے اجنبی تھا اس سے پوچھا:

''میاں! یہاں کس چیز کا اہتمام ہو رہا ہے؟ کیا یہ گھر صوفی ملا مسکین کا نہیں ہے؟ تو پھر یہ لوگ دھڑا دھڑ اکٹھے کیوں ہو رہے ہیں؟ کیا کوئی خیر کی خبر ہے یا......؟''

اس اجنبی شخص نے کہا۔ ''میاں تم بھی عجیب آدمی ہو یہ گھر واقعی صوفی ملا مسکین کا ہے مگر دو روز پہلے ہمیں یہ خبر پہنچی کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ اس لئے آج سب لوگ اکٹھے ہو کر موت کی رسم ادا کریں گے اور پھر خیرات تقسیم ہوگی۔''

صوفی ملا مسکین کے منہ سے غیر ارادی طور پر بلند آواز میں نکلا:

''میں تو زندہ ہوں میں تو ابھی بقیدِ حیات ہوں اور رب کریم ورحیم کے فضل وکرم سے تمہارے سامنے کھڑا ہوں تمہیں کس نے کہہ دیا کہ میں مر چکا ہوں۔ میں ہی تو صوفی ملا مسکین ہوں۔''

لوگوں نے جیسے ہی دور سے یہ آواز سنی تو وہ دوڑے ہوئے آئے۔ کئی بزرگ صوفی ملا مسکین کی شکل اور آواز کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے اور ان میں کئی صوفی ملا مسکین کے رشتہ دار بھی تھے۔ انہوں نے قریب آ کر دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ تو واقعی صوفی ملا مسکین بذات خود موجود تھے۔ اس پر ان میں اک خوشی کی لہر دوڑ گئی ورنہ انہوں نے رسوم ادا کر کے مستقبل کے حوالے سے کئی فیصلے کئے ہوئے تھے جن پر عمل درآمد ہونا تھا جس سے صوفی ملا مسکین کا تمام گھر چھن جانا تھا۔ اور وہ کچھ ہو جانا تھا جس کا واپس ہونا ازحد مشکل تھا۔ تب صوفی ملا مسکین کو اپنے پیر ومرشد حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری کے کلمات کی سمجھ آئی اور پھر صوفی ملا مسکین نے ایک عرصہ اپنے گھر پر ہی لوگوں کی فلاح واصلاح میں گزارا۔

شہزادہ دارا شکوہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''سکینۃ الاولیاء'' میں حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ کی کرامات کا تذکرہ بھی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ایک کرامت کا اس نے خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اپنی حیاتِ مستعار کے آخری ایام میں جہانگیر کشمیر میں رہائش پذیر تھا اور کشمیر جنت نظیر کے

حسن و رعنائی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے پاس وہاں بھی مصاحبین کا ہر لمحہ جمگھٹا رہتا تھا۔ ان مصاحبین میں کچھ حضرات ایسے بھی تھے جو مغل شہنشاہ نورالدین جہانگیر کے از حد چہیتے تھے۔ شہنشاہ ان کی ہر بات کو کسی غور و فکر یا تحقیق و تجزیئے کے بغیر ہی تسلیم کرتا تھا۔ وہ جو کہتے تھے شہنشاہ خوشی و خوشنودی کے ساتھ مانتا تھا اور اس پر عمل درآمد کے احکامات صادر کرتا تھا۔

بعض اوقات مخالف و حاسد مصاحبین نے مغل شہنشاہ نورالدین جہانگیر کو مشہور و معروف بزرگ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرید خاص مرزا احسان الدین کے بارے میں دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے بھڑکایا۔ حاسدین کی شکایت پر بادشاہ نے دونوں شخصیات کو اپنے ہاں بلوایا اور ان کی ایک نہ سنی حالانکہ انہوں نے اپنی صفائی میں کافی دلائل دیئے مگر بادشاہ نے فیصلہ تو پہلے سے ہی حاسدین کے مشورہ کے مطابق کیا ہوا تھا یہ تو محض ایک قسم کی کاغذی کارروائی تھی چنانچہ مغل شہنشاہ نے حکم صادر کیا کہ حضرت شیخ محدث دہلوی کو اور مرزا احسان الدین کو دہلی میں نظر بند کر دیا جائے جبکہ حضرت شیخ محدث دہلوی کے فرزند ارجمند شیخ انوارالحق کو کابل میں جلاوطن کر دیا جائے۔

وہ شاہی فرمان سے از حد آزردہ خاطر ہوئے۔ کافی غور فکر کے بعد حضرت شیخ دہلوی نے اس سلسلہ میں حضرت شیخ میاں محمدؒ میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا فیصلہ کیا اور فوری طور پر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے کیونکہ حضرت شیخ محدث دہلوی جانتے تھے کہ شہنشاہ نورالدین جہانگیر آپ کی از حد عزت و توقیر کرتا ہے اور اگر آپ سفارش فرمائیں گے تو وہ اسے رد نہیں کرے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی کے آزردہ چہرے کو دیکھ کر حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی پوچھا:

''عبدالحق! خیریت تو ہے آپ مایوس، پریشان اور آزردہ نظر آتے ہیں۔ کوئی بات ہو تو ہمیں بتائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسئلہ حل ہو جائے گا اور تمام پریشانی جاتی رہے گی۔''

حضرت شیخ دہلوی نے تمام ماجرا بیان کیا اور فرمان شاہی سے مطلع کیا۔ تمام صورت حال جان کر حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ دیر کے لئے سکوت فرمایا اور پھر بولے:

''عبدلحق! میرا آپ سے وعدہ ہے کہ آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہی رہیں گے ان سے جدا نہیں ہوں گے۔ نہ تو کوئی نظر بند ہوگا اور نہ ہی کوئی جلاوطن! آپ انتہائی سکون و اطمینان اور خوشی و خوشنودی کے ساتھ جہاں چاہیں گے جا سکیں گے مگر بادشاہ وقت دہلی نہیں جا سکے گا۔''

حضرت شیخ دہلوی نے یہی سمجھا کہ حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ وقت سے سفارش کریں گے اور ان کا کام بن جائے گا لیکن ان کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ آخر بادشاہ دہلی واپس کیوں نہیں جا سکے گا۔ تاہم انہوں نے حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی:

''یا حضرت نیک کام میں جلدی کیجئے اور سفارشی رقعہ دیجئے تا کہ ہمارا کام بن جائے۔ جہاں تک بادشاہ کا تعلق ہے مجھے اس سے سروکار نہیں کہ وہ واپس دہلی جائے یا نہ جائے۔''

حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''عبدالحق! اطمینان رکھو۔ تمہارا کام جلد ہی ہو جائے گا۔ رہا سوال بادشاہ وقت سے سفارش کا، تو وہ میں کیوں کروں؟ میں نے جس سے کہنا ہے کہہ دیا ہے۔ میں نے کائنات کی سب سے بڑی بارگاہِ رب العزت میں درخواست پیش کر دی ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ خاطر جمع رکھو۔ تمہارا کام جلد ہی ہو جائے گا۔ فرمان شاہی پر عمل درآمد کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ بس قدرے انتظار کرو۔''

اور پھر دیکھنے والوں نے دیکھا اور سننے والوں نے سنا کہ وہی ہوا جو حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔ تقریباً چوتھے ہی روز بچے بچے کی زبان پر یہی کلمہ تھا کہ ''بادشاہ کا انتقال ہوگیا ہے'' اور یوں فرمانِ شاہی پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ محدث دہلوی سے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا اور وہ خوش و خرم آزادی کے ساتھ اب جہاں چاہیں جا سکتے تھے۔ نہ کوئی نظر بندی باقی رہی تھی اور نہ ہی کسی قسم کی جلاوطنی کا وجود باقی رہا تھا۔ رب ذوالجلال نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ جو بادشاہ دوسروں کو دیس نکالا دے رہا تھا وہ خود اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔

اپنی عمر کے آخری ایام میں حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی بصارت کافی متاثر ہوگئی تھی جس کے باعث آپ کوئی کتاب یا خط یا تحریر پڑھنے میں انتہائی دقت و دشواری محسوس کرتے تھے۔ مگر بصیرت سے مالا مال تھے۔ ایک روز شہزادہ داراشکوہ کے استاد محترم حضرت اخوند میرک رحمۃ اللہ علیہ آپ کی ملاقات و زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ جب شہزادہ داراشکوہ کے استاد محترم نے آپ کے پاس جانے کا قصد کیا تو شہزادہ داراشکوہ نے ایک عدد عریضہ لکھ کر اپنے استاد محترم کے حوالے کیا۔ یہ عریضہ حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام تھا اور داراشکوہ نے درخواست کی تھی کہ یہ عریضہ آپ تک پہنچا دیا جائے۔

شہزادہ داراشکوہ کے استاد محترم اخوند میرک رحمۃ اللہ علیہ نے داراشکوہ کا وہ عریضہ اپنی دستار میں رکھ لیا تا کہ جب حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگی تو وہاں وہ عریضہ آسانی کے ساتھ پیش کر دیں گے مگر صورتِ حال ایسی ہوئی کہ حضرت اخوند میرک رحمۃ اللہ علیہ گفتگو میں اس قدر محو و مستغرق ہوئے کہ وہ عریضہ آپ کو دینا بھول گئے مگر دورانِ ملاقات ہی دل میں یہ خیال آیا کہ میں نے تو آج تک آپ کی کوئی کرامت ہی نہیں دیکھی۔ کاش ایسا ہوتا کہ میں بھی آپ کی کوئی کرامت بچشمِ خود دیکھ سکتا۔

حضرت اخوند میرک رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ حضرت شیخ میاں محمد

میر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے ہاتھ بڑھا کر حضرت اخوند میرک رحمتہ اللہ علیہ کی دستار سے وہ رقعہ نکال لیا جو کہ داراشکوہ نے بھیجا تھا۔ اس کے بعد حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہ رقعہ خود کھولا اور اسے اس قدر روانی حرف بہ حرف پڑھا جیسے آپ کی بصارت کبھی متاثر ہی نہ ہوئی تھی۔

جب حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہ تمام خط پڑھ لیا تو پھر آپ نے حضرت اخوند میرک رحمتہ اللہ علیہ سے صرف اتنا کہا:

''یہ رقعہ نکال کر پڑھنا محض اظہار کرامت نہیں تھا اور نہ ہی ہم چاہتے تھے کہ ایسا کریں مگر چونکہ تمہارے دل نے خواہش کی اس لئے مجبوراً ایسا کرنا پڑا تاکہ تم خوشی حاصل کرسکو۔''

حیاتِ مستعار کے انتہائی آخری دنوں میں حضرت شیخ میاں محمد میر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کو اسہال کا عارضہ لاحق ہوا۔ جب اس بات کا علم حاکمِ شہر وزیر خاں کو ہوا تو وہ ایک نامور طبیب کو لے کر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اجازت طلب کی کہ حکیم کو علاج کی اجازت دی جائے۔ آپ کے مرید خاص نے آپ کو اس بات کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا:

''وزیر خاں سے کہہ دو کہ وہ اپنے طبیب کے ہمراہ واپس چلا جائے کیونکہ مجھے حکیم مطلق ہی کافی ہے۔''

آپ مسلسل 5 یوم تک اس بیماری میں مبتلا رہے اور بالآخر 17 ربیع الاول 1045 ہجری بروز منگل خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

☆======ختم شدہ======☆